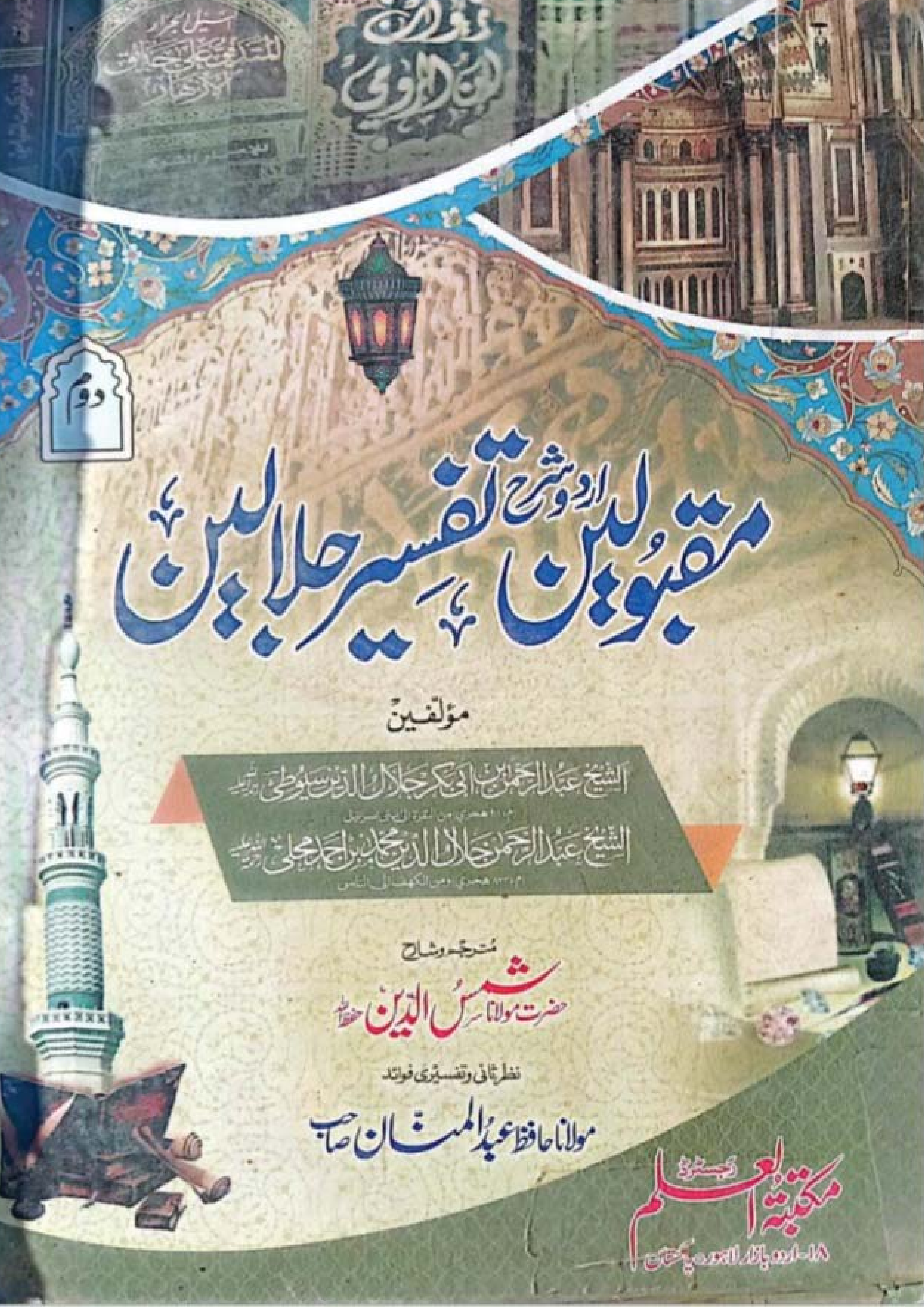
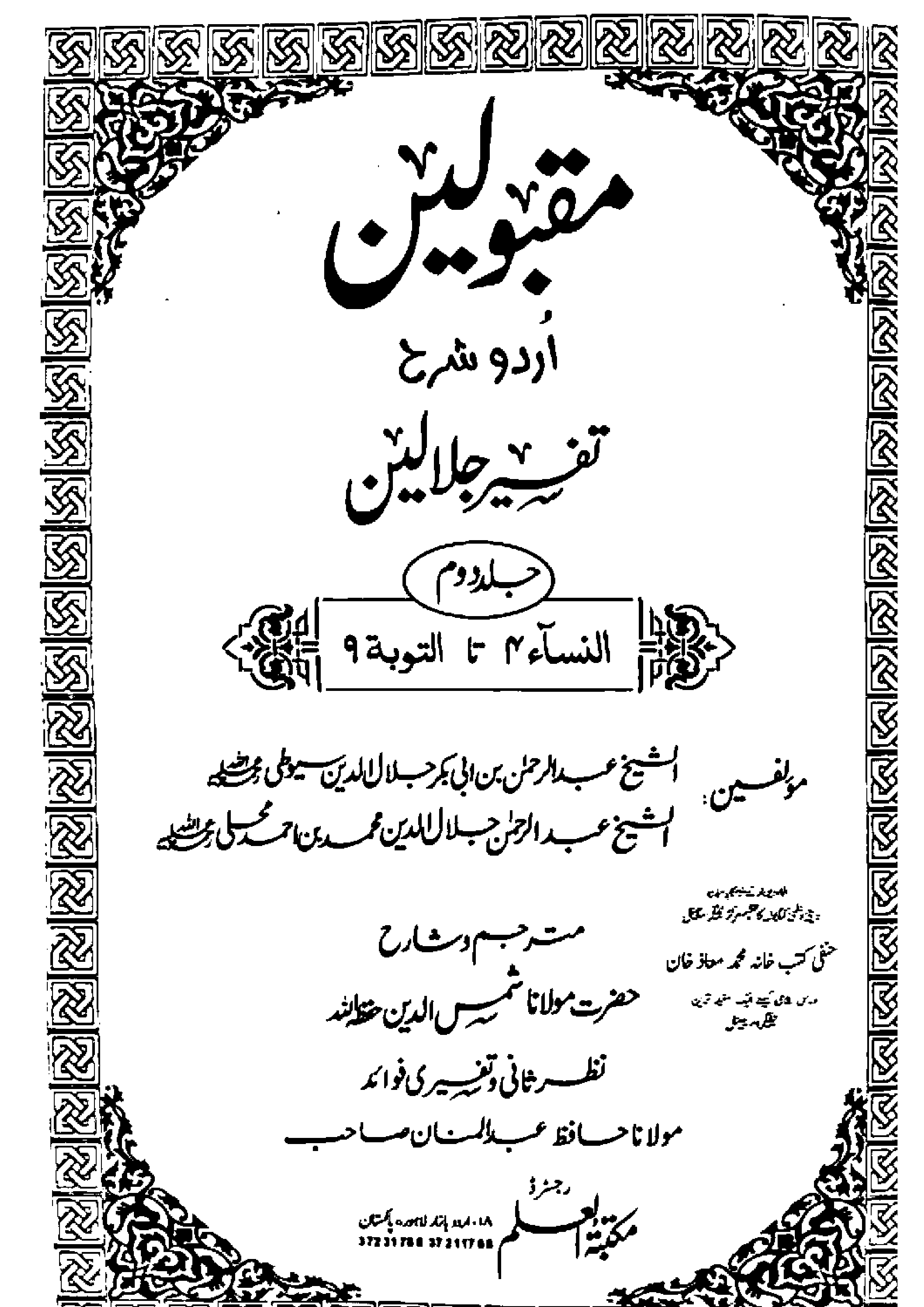


دوم
مقبولین اردو شرح تفسیر جلالین
مؤلفین
الشیخ عبد الرحمن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی
الشیخ عبد الرحمن جلال الدین محمد بن احمد محلی
مترجم وشارح
حضرت مولانا شمس الدین
نظرِ ثانی وتفسیری فوائد
مولانا حافظ عبد المنان صاحب
مکتبۃ العلم رجسٹرڈ
۱۸- اردو بازار لاہور پاکستان



مقبولین

اُردو شرح

تفسیر جلالین

جلد دوم

النسآء ۴ تا التوبة ۹

مؤلفین: الشیخ عبد الرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
الشیخ عبد الرحمٰن جلال الدین محمد بن احمد محلی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم وشارح
حضرت مولانا شمس الدین حفظہ اللہ

نظر ثانی وتفسیری فوائد
مولانا حافظ عبد المنان صاحب

رجسٹرڈ
مکتبۃ العلم
۱۸- اردو بازار لاہور پاکستان
37231788 37211788

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

پارہ ۵:۶

سورۃ المائدہ

صفحہ	عنوان

سورۃ الاعراف

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
	۶۱۴		



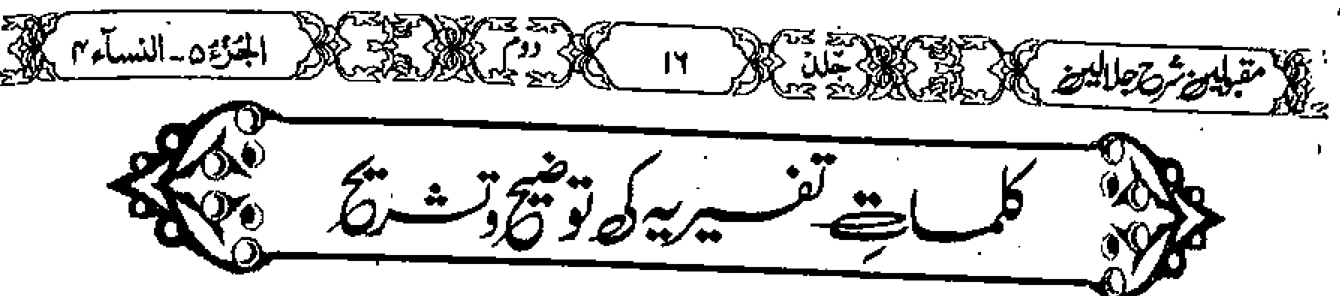
پ ۵ وَّ حُرِمَتْ عَلَيْكُمُ الْمُحْصَنٰتُ اَىْ ذَوَاتُ الْاَزْوَاجِ مِنَ النِّسَآءِ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ قَبْلَ مُفَارَقَةِ اَزْوَاجِهِنَّ
حَرَائِرَ مُسْلِمَاتٍ كُنَّ اَوْلَا اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ مِنَ الْاِمَاءِ بِالسَّبْيِ فَلَكُمْ وَطْؤُهُنَّ وَاِنْ كَانَ لَهُنَّ
اَزْوَاجٌ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ بَعْدَ الْاِسْتِبْرَاءِ كِتٰبَ اللّٰهِ نَصْبٌ عَلَى الْمَصْدَرِ اَىْ كُتِبَ ذٰلِكَ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ
بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَىْ سِوٰى مَا حُرِمَ عَلَيْكُمْ مِنَ النِّسَآءِ اَنْ تَبْتَغُوْا تَطْلُبُوا
النِّسَآءَ بِاَمْوَالِكُمْ بِصَدَاقٍ اَوْ ثَمَنٍ مُّحْصِنِيْنَ مُتَزَوِّجِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ زَانِيْنَ فَمَا فَمَنِ اسْتَمْتَعْتُمْ
تَمَتَّعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ مِمَّنْ تَزَوَّجْتُمْ بِالْوَطْيِ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُهُوْرَهُنَّ الَّتِيْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا
جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ اَنْتُمْ وَهُنَّ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ مِنْ حَطِّهَا اَوْ بَعْضِهَا اَوْ زِيَادَةٍ عَلَيْهَا
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا بِخَلْقِهٖ حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ فِيْمَا دَبَّرَهٗ لَهُمْ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا غِنًى اَنْ يَّنْكِحَ
الْمُحْصَنٰتِ الْحَرَائِرَ الْمُؤْمِنٰتِ هُوَ جَرْيٌ عَلَى الْغَالِبِ فَلَا مَفْهُوْمَ لَهٗ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ يَنْكِحُ
مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ فَاكْتَفُوْا بِظَاهِرِهٖ وَكِلُوا السَّرَائِرَ اِلَيْهِ فَاِنَّهُ الْعَالِمُ
بِتَفَاصِيْلِهَا وَرُبَّ اَمَةٍ تَفْضُلُ الْحُرَّةَ فِيْهِ وَهٰذَا تَاْنِيْسٌ بِنِكَاحِ الْاِمَاءِ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ اَىْ اَنْتُمْ وَهُنَّ
سَوَاءٌ فِى الدِّيْنِ فَلَا تَسْتَنْكِفُوْا مِنْ نِكَاحِهِنَّ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ مَوَالِيْهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ
اَعْطُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُهُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مِنْ غَيْرِ مَطْلٍ وَنَقْصٍ مُحْصَنٰتٍ عَفَائِفَ حَالٌ غَيْرَ
مُسٰفِحٰتٍ زَانِيَاتٍ جَهْرًا وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ اَخِلَّاءَ يَزْنُوْنَ بِهَا سِرًّا فَاِذَآ اُحْصِنَّ زُوِّجْنَ وَفِيْ
قِرَاءَةٍ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ تَزَوَّجْنَ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ زِنًا فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ الْحَرَائِرِ
الْاَبْكَارِ اِذَا زَنَيْنَ مِنَ الْعَذَابِ ؕ الْحَدِّ فَيُجْلَدْنَ خَمْسِيْنَ وَيُغَرَّبْنَ نِصْفَ سَنَةٍ وَيُقَاسُ عَلَيْهِنَّ الْعَبِيْدُ وَ
لَمْ يُجْعَلِ الْاِحْصَانُ شَرْطًا لِوُجُوْبِ الْحَدِّ بَلْ لِاِفَادَةِ اَنَّهٗ لَا رَجْمَ عَلَيْهِنَّ اَصْلًا ذٰلِكَ اَىْ نِكَاحُ
الْمَمْلُوْكَاتِ عِنْدَ عَدَمِ الطَّوْلِ لِمَنْ خَشِيَ خَافَ الْعَنَتَ الزِّنَا وَاَصْلُهُ الْمَشَقَّةُ سُمِّيَ بِهِ الزِّنَا لِاَنَّهٗ سَبَبُهَا
بِالْحَدِّ فِى الدُّنْيَا وَالْعُقُوْبَةِ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْكُمْ ؕ بِخِلَافِ مَنْ لَّا يَخَافُهٗ مِنَ الْاَحْرَارِ فَلَا يَحِلُّ لَهٗ نِكَاحُهَا

وَ كَذَامَنِ اسْتَطَاعَ طَوْلَ حُرَّةٍ وَ عَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ ﷺ وَ خَرَجَ بِقَوْلِهِ مِنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ الْكَافِرَاتُ فَلَا يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُهَا وَلَوْ عَدِمَ وَخَافَ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا عَنْ نِكَاحِ الْمَمْلُوكَاتِ خَيْرٌ لَّكُمْ ط لِئَلَّا يَصِيْرَ الْوَلَدُ رَقِيْقًا وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ بِالتَّوْسِعَةِ فِي ذٰلِكَ

ع

ترجمہ: اور حرام کی گئیں تم پر شوہر والی عورتیں یعنی شوہر والی عورتوں سے شوہروں سے جدائی کے قبل نکاح حرام قرار دیا گیا خواہ آزاد مسلمان عورتیں ہوں یا ایسی نہ ہوں، مثلاً باندی جو کسی کے نکاح میں ہو یا کتابیہ کسی کے نکاح میں ہو۔ مفسر علامؒ نے وَّ الْمُحْصَنٰتُ کی تفسیر میں حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ کا اضافہ کر کے یہ اشارہ کیا ہے کہ اس کا عطف اُمَّهٰتُكُمْ پر ہے اور الْمُحْصَنٰتُ یعنی شوہر والی عورتیں داخل محرمات ہیں۔ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ج مگر جو تمہاری مملوک ہو جائیں یہ وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ سے استثناء متصل ہے یعنی وہ باندیاں جو جہاد میں گرفتار ہو کر تمہارے قبضہ میں آئیں ان سے وطی کرنا تمہارے لئے جائز ہے استبراء رحم کے بعد اگر چہ ان کے شوہر دارالحرب میں موجود ہوں۔ استبراء رحم کے بعد کا مطلب یہ ہے کہ ایک حیض کے بعد یا اگر حمل ہے تو وضع حمل کے بعد تم پر اللہ کا فریضہ ہے یہ منصوب علی المصدر ہے، مطلب یہ ہے کہ کتاب اللہ مفعول مطلق ہے اور فعل محذوف ہے مفسر علام نے اَیْ كُتِبَ ذٰلِكَ سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی اللہ نے تم پر یہ حکم فرض کیا ہے۔ وَ اُحِلَّ لَكُمْ (لاٰیۃ) اور ان کے علاوہ دوسری عورتیں تمہارے لیے حلال کر دی گئیں یعنی عورتوں میں جو محرمات مذکور ہوئیں ان کے علاوہ حلال ہیں جیسے چچا کی لڑکی، خالہ کی لڑکی وغیرہ مفسر علامؒ نے بالبناء للفاعل و المفعول سے یہ اشارہ کیا ہے کہ احل میں دو قراءتیں ہیں معروف و مجہول و ھما قراءتان سبعیتان و الفاعل ھو اللہ اَنْ تَبْتَغُوْا ای تطلبوا النساء یعنی عورتیں تلاش کرو۔ بِاَمْوَالِكُمْ اپنے مالوں کے ذریعہ یعنی زوجہ کو مہر دے کر یا باندی ہو تو قیمت دے کر مُّحْصِنِيْنَ اس طرح کہ نکاح کرنے والے ہو یعنی بیوی بنانے کی غرض سے عورتیں تلاش کرو نہ مستی نکالنے کے لیے یعنی زنا کرنے والے نہ ہو۔ فَمَا ای من لفظ ما بمعنی من ہے چونکہ مراد زوجات ہیں جو ذوی العقول ہیں اسْتَمْتَعْتُمْ بمعنی تَمَتَّعْتُمْ ہے پھر جس طرح تم نے ان عورتوں سے فائدہ اٹھایا ہے یعنی جن عورتوں سے تم نے نکاح کیا ہے اور وطی کے ذریعہ فائدہ اٹھایا ہے۔ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ سو ان عورتوں کو ان کے مقررہ مہر دے دو یعنی ان کے مہر جو تم نے ان کے لیے مقرر کیے ہیں دے دو۔ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ (لاٰیۃ) اور تم پر کوئی گناہ نہیں اس چیز کے بارے میں کہ جس مقدار پر تم باہم رضامند ہو جاؤ۔ یعنی تم میاں بیوی مہر مقرر ہونے کے بعد پورے مہر کا یا بعض کا گھٹانا یا بڑھانا، مطلب یہ ہے کہ مہر مقرر کرنے کے بعد بھی باہمی رضامندی سے مقررہ مہر میں کمی وبیشی درست ہے بیوی اگر چاہے تو اپنی خوشی سے پورا مہر یا کچھ مہر معاف کر سکتی ہے اسی طرح شوہر مقررہ مہر پر اپنی طرف سے اضافہ کر سکتا ہے) اِنَّ اللّٰهَ كَانَ (لاٰیۃ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں اپنی مخلوق کو حکمت والے ہیں اپنی تدبیروں میں۔ وَ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ (لاٰیۃ) اور تم میں سے جو شخص استطاعت و قدرت مالی وسعت وتونگری نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی مومنات کی قید غالب الوقوع ہونے کے لحاظ سے لگائی گئی ہے اس

لیے اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں چونکہ آزاد کتابی عورتوں کا حکم بھی یہی ہے اس لیے یہ قید قید احترازی نہیں ہے تو وہ نکاح کرے اس عورت سے جو تم لوگوں کی مملوکہ ہیں تو اپنے آپس کی مسلمان باندیوں سے نکاح کر لے اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو خوب جانتے ہیں اس لئے تم تو ظاہر ایمان پر اکتفا کرو اور بواطن حال کو اللہ کے سپرد کردو کیونکہ اس کی تفصیلات سے وہی واقف ہیں، بہت سی باندیاں ہیں جو ایمان میں حرہ سے افضل ہیں اور اس کلام سے باندیوں سے شادی کی کراہت و نفرت کو دور کرنا ہے تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو یعنی تم آزاد اور وہ باندیاں دین اسلام میں برابر ہیں اس لیے ان باندیوں کے نکاح سے عار نہ محسوس کرو پس ان کے مؤمن باندیوں سے نکاح کر لیا کرو ان لوگوں یعنی مالکوں کی اجازت سے اور ان باندیوں کو ان کے مہر دے دو دستور کے مطابق ٹال مٹول اور کم کئے بغیر درآنحالیکہ وہ باندیاں پاکدامن ہوں محصنات بمعنی عفائف ہے اور ترکیب میں فَانْكِحُوهُنَّ کے مفعول سے حال واقع ہے نہ تو بدکاری کرنے والی ہوں علی الاعلان زنا کرنے والی نہ ہوں اور نہ چھپ کر یار بنانے والی ہوں یعنی نہ اسکے ایسے احباب ہوں جو اس سے چوری چھپے زنا کرتے ہوں پھر جب وہ باندیاں منکوحہ ہو گئیں أُحْصِنَّ جمہور کی قراءت بصیغہ مجہول کی صورت میں زوجن کے معنی میں ہے اور ایک قراءت میں معروف ہے اس صورت میں بمعنی تَزَوَّجْنَ ہوگا یعنی جب انہوں نے زوج بنالیا، نکاح کر لیا پس اگر بے حیائی کا کام یعنی زنا کریں تو ان پر اس عذاب یعنی سزا سے آدھی سزا ہوگی جو محصنات پر ہوتی ہے یعنی آزاد غیر منکوحہ عورتیں جب زنا کرلیں اس کی نصف سزا ہوگی اور یہاں عذاب یعنی سزا سے مراد حد شرعی ہے چنانچہ پچاس کوڑے لگائے جائیں گے اور نصف سال یعنی چھ مہینے شہر بدر کر دی جائیں گی اور ان باندیوں پر غلام کو قیاس کیا جائے گا یعنی اگر غلام سے زنا ثابت ہو جائے تو باندی پر قیاس کر کے غلام کی سزا بھی پچاس کوڑے ہیں اور حد واجب ہونے کے لئے أُحْصِنَّ یعنی شادی شدہ ہونا شرط نہیں ہے بلکہ فَإِذَآ أُحْصِنَّ سے احصان کی شرط صرف اس فائدہ کے لئے ہے کہ باندیوں پر رجم بالکل نہیں ہے مطلب یہ کہ شادی شدہ ہوں یا کنواری ان سے اگر زنا ثابت ہو تو ان کی سزا پچاس کوڑے ہیں رجم یعنی سنگسار بالکل نہیں ہے یہ حکم یعنی باندیوں سے نکاح کرنے کی اجازت حرہ سے عدم استطاعت کے وقت ان لوگوں کے لیے ہے جنہیں اندیشہ خوف ہو تم میں سے مشقت زنا میں پڑ جانے کا الْعَنَتَ کے اصل معنی مشقت کے ہیں زنا کا نام الْعَنَتَ اس لیے ہوا کہ زنا مشقت کا سبب ہے دنیا میں حد جاری کی جائے گی اور آخرت میں عذاب ہوگا بخلاف ان آزاد لوگوں کے جنہیں زنا میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو ان کے لیے باندیوں سے نکاح حلال نہیں اور اسی طرح باندی سے نکاح اس کے لئے جائز نہیں جو حرہ سے نکاح کرنے کی استطاعت رکھتا ہو امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے اور مِنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ کی قید سے کافر عورتیں نکل گئیں چنانچہ کافر عورتوں سے نکاح کرنا کسی حال میں جائز نہیں اگرچہ طول حرہ نہ ہو اور اگرچہ زنا میں مبتلا ہو جانے کا خوف ہو۔ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ اور تمہارا صبر کرنا باندیوں کے نکاح سے رکا رہنا تمہارے لیے بہتر ہے تا کہ بچہ غلام نہ ہو کیوں کہ کسی کی مملوکہ باندی سے جو اولاد ہوگی وہ اس شخص کی غلام ہوگی جو باندی کا مالک ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے اور رحمت والے ہیں کہ اس میں گنجائش دے دی یعنی باندیوں سے نکاح کرنے کی اجازت دے دی۔



قوله: اَنْ تَنْکِحُوْھنَّ :اس کومقدراس لیے مانا کہ حرمت تو فعل میں ہے نہ کہ ان کی ذات میں۔

قوله: بِالسَّبْیِ :اس قید سے اشارہ کیا کہ مملوکہ خریداری وغیرہ کے ساتھ اگر خاوند والی تھی تو مالک کے لیے وہ حلال نہیں (اس سے وطی)

قوله: کِتٰبَ :یہ اُحِلَّ کے اس پر عطف کے درست ہونے کی تمہید ہے۔

قوله: وَالْمَفْعُوْلِ :اس کا عطف حرمت پر ہے۔

قوله: مُتَزَوِّجِیْنَ :احصان عفت کو کہتے ہیں، اس تعبیر سے اشارہ کیا کہ تزویج نفس کو ملامت وسزا والے مقامات سے محفوظ رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے احصان کی تعبیر اس کے ساتھ کی گئی۔

قوله: زَانِیْنَ :سَفحَ منی بہانے کو کہتے ہیں، زنا کی یہی غرض ہوتی ہے۔

قوله: تَمَتَّعْتُمْ :یہ من کے معنی میں ہے اور عورتیں مراد ہیں اور مِنْ تبعیضیہ ہے۔

قوله: فَرَضْتُمْ لَھنَّ :اس سے اشارہ کیا کہ بتقدیر اَن فرضیۃ فعل محذوف کا مصدر موکد ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے یہ حال نہیں ہے۔

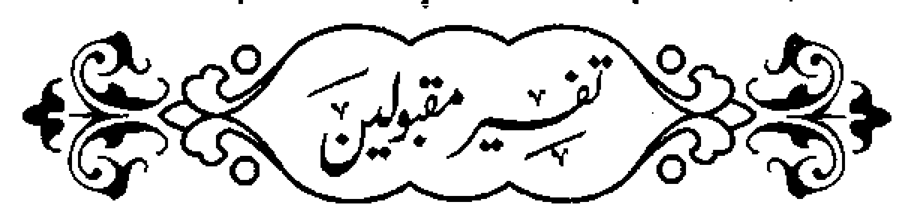
قوله: غِنًا :طول اصل میں فضل واضافہ کو کہتے ہیں وہ یہاں موجود نہیں، اس لیے اس کی تفسیر غِنًا سے کی۔

قوله: یَنْکِحُ :اس کو مقدر مانا تا کہ جملہ جزاء ہو سکے اور مبتدا بغیر ضمیر کے نہ رہے۔

قوله: عَفَائِفَ :یہ حال سے صفت نہیں کیونکہ ضمیر صفت نہیں بنتی۔

قوله: اَلْحَدِّ :عذاب سے یہاں صرف حد مراد ہے مطلق مراد نہیں ہے، اس لیے کہ فرمایا: وَلْیَشْھدْ عَذَابَھُمَا......

قوله: الزِّنَا :العنت سے مراد صرف زنا ہے، حد مراد نہیں اگر چہ یہ مجازی معنی ہے۔



وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ....

جو عورت کسی کے نکاح میں ہو اس سے نکاح کرنے کی حرمت

محرمات بالسبب میں وہ عورتیں بھی ہیں جو کسی مرد کے نکاح میں ہوں یعنی جب کسی عورت کا کسی مرد سے نکاح ہو گیا ہو اگر چہ رخصتی ابھی نہ ہوئی ہو تو اس کا نکاح کسی دوسرے مرد سے نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ عورت اپنے شوہر کے نکاح سے نہ

نکلے اس کا شوہر مرجائے یا طلاق دیدے اور پھر اس کی عدت گزر جائے تب کسی دوسرے مرد سے اس کا نکاح ہوسکتا ہے، اس کے بغیر نہیں ہوسکتا اسی کو (وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ) میں بیان فرمایا ہے ہاں اگر ایسی صورت پیش آئے کہ مسلمانوں کافروں سے جہاد کریں اور وہاں سے عورتوں کو قید کر کے لے آئیں اور امیر المؤمنین عورتوں کو باندی بنا کر مجاہدین پر تقسیم کر دے تو یہ مجاہدین بحق ملکیت (بالشرائط المعتبرہ) ان باندیوں سے جماع کر سکتے ہیں اگرچہ وہ اپنے شوہر دار الکفر میں چھوڑ کر آئی ہوں۔ اصول یہ ہے کہ جب دار الحرب کی عورتوں کو قید کر کے دار الاسلام میں لے آئیں تو اپنے سابقہ شوہروں کے نکاح سے نکل جاتی ہیں۔ ان کو باندی بنا کر امیر المؤمنین جس کسی مسلمان کو دے دے وہ ان سے جماع کر سکتا ہے شروط اور قیود کے لیے کتب فقہ کی مراجعت کر لی جائے۔

(وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ) کے بعد جو (اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ) فرمایا ہے اس استثناء میں ان ہی عورتوں کا ذکر ہے جو دار الحرب سے قید کر کے لائی گئی ہوں اور ان کے شوہر وہیں دار الحرب میں رہ گئے ہوں۔ (صحیح مسلم)

پھر فرمایا (وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ) یعنی جن عورتوں سے نکاح کرنے کی حرمت اب تک بیان ہوئی ان کے علاوہ دوسری عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں، مثلاً خالہ اور چچا کی لڑکی، ماموں زاد اور پھوپھی زاد بہن یا ماموں اور چچا کی بیوی جس کی عدت ماموں یا چچا کی وفات یا طلاق کے بعد گزر جائے، بشرطیکہ اور کوئی رشتہ یا کوئی سبب حرمت کا موجود نہ ہو، لفظوں کے عموم میں بہت سی صورتیں ہیں، اور اسی عموم میں بعض استثناء کی صورتیں بھی ہیں ان میں سے بعض گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہیں، اور بعض فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

مہروں کے ذریعہ ازواج طلب کرو:

(اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ) میں یہ بتایا ہے کہ اپنے مالوں کے ذریعہ نکاح میں لانے کے لیے عورتوں کو تلاش کرو (جن سے نکاح کرنا حلال ہو) اس سے معلوم ہوا کہ نکاح میں مہر ہونا ضروری ہے اگر مرد عورت بلا مہر کے آپس میں نکاح کے راضی ہو جائے تب بھی مہر لازم ہوگا جس کی کم سے کم مقدار حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دس درہم ہے، اگر نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ کیا گیا ہو، نکاح تب بھی ہو جائے گا لیکن مہر پھر بھی دینا ہوگا، جس کی تفصیل سورۃ بقرہ کے رکوع نمبر ۳۱ کے ذیل میں بیان کی گئی ہے۔

نکاح سے عفت وعصمت مقصود ہے:

اور (مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ) میں یہ ارشاد فرمایا کہ مالوں کے ذریعہ جو عورتیں تلاش کی جائیں اس سے عفت و عصمت کو باقی رکھنا اور پاکدامن رہنا مقصود ہو محض شہوت رانی پیش نظر نہ ہو، مؤمن کے نکاح کا مقصد تکثیر نسل اور نفس ونظر کی حفاظت اور عفت وعصمت کے ساتھ زندگی گزارنا ہے زنا کاری میں بھی گو مال خرچ ہوتا ہے لیکن اس میں صرف شہوت رانی مقصود ہوتی ہے عفت وعصمت کا خون کر کے یہ کام کیا جاتا ہے، جس میں طلب اولاد کا مقصد بالکل نہیں ہوتا اور اولاد ہو بھی جاتی ہے تو ثابت النسب نہیں ہوتی۔ حرامی بچوں کو لوگ عزت کا مقام نہیں دیتے اور وہ بچہ چونکہ کسی باپ کا نہیں ہوتا تو کوئی طرح

سے اس کی بربادی ہوتی ہے اسی لیے کسی دین میں بھی زنا کی اجازت نہیں دی گئی۔

مہر کی ادائیگی کا حکم:

پھر فرمایا (فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً) (سو ان میں سے جس عورت سے نفع حاصل کرو تو ان کے مہر دے دو جو مقرر ہو چکے ہیں) اس میں ادائیگی مہر کی تاکید فرمائی ہے۔ اگر نکاح کرنے کے بعد خلوت صحیحہ ہوگئی تو جو مہر مقرر ہوا تھا پورا ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور اگر خلوت سے پہلے ہی طلاق دے دی تو نصف مہر ادا کرنا واجب ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ کے رکوع نمبر ۳۱ میں گزر چکا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو میاں بیوی بن کر رہتے سہتے ہیں لیکن بیوی کے مہر کی ادائیگی کا فکر نہیں کرتے اور بیوی لحاظ میں کچھ نہیں کہتی اس آیت میں ان لوگوں کے لیے تاکید اور تنبیہ ہے کہ ادائیگی مہر کی فکر کریں اور بیوی کے تقاضے کے بغیر ادا کریں۔

متعہ کی حرمت:

لفظ استمتاع کا مادہ، م، ت، ع ہے، جس کے معنی کسی فائدہ کے حاصل ہونے کے ہیں، کسی شخص سے یا مال سے کوئی فائدہ حاصل کیا تو اس کو استمتاع کہتے ہیں، عربی قواعد کی رو سے کسی کلمہ کے مادہ میں س اور ت کا اضافہ کر دینے سے طلب و حصول کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں اس لغوی تحقیق کی بنیاد پر فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ کا سیدھا مطلب پوری امت کے نزدیک خلفاً عن سلف وہی ہے، جو ہم نے ابھی اوپر بیان کیا ہے، لیکن ایک فرقہ کا کہنا ہے کہ اس سے اصطلاحی متعہ مراد ہے اور ان لوگوں کے نزدیک یہ آیت متعہ حلال ہونے کی دلیل ہے، حالانکہ متعہ جس کو کہتے ہیں اس کی صاف تردید قرآن کریم کی آیت بالا میں لفظ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ سے ہو رہی ہے، جس کی تشریح آگے آرہی ہے۔

متعہ اصطلاحی جس کے جواز کا ایک فرقہ مدعی ہے یہ ہے کہ ایک مرد کسی عورت سے یوں کہے کہ اتنے دن کے لئے اتنے پیسے فلاں جنس کے عوض میں تم سے متعہ کرتا ہوں، متعہ اصطلاحی کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے، محض مادہ اشتقاق کو دیکھ کر یہ فرقہ مدعی ہے کہ آیت سے حلت متعہ کا ثبوت ہو رہا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ جب دوسرے معنی بھی کم از کم محتمل ہے (گو ہمارے نزدیک متعین ہے) تو ثبوت کا کیا راستہ ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے محرکات کا ذکر فرما کر یوں فرمایا ہے کہ ان کے علاوہ اپنے اصول کے ذریعے حلال عورتیں تلاش کرو، اس حال میں کہ پانی بہانے والے نہ ہوں یعنی محض شہوت رانی مقصود نہ ہو اور ساتھ ہی ساتھ محصنین کی بھی قید لگائی ہے، یعنی یہ کہ عفت کا دھیان رکھنے والے ہوں........ متعہ چونکہ مخصوص وقت کے لئے کیا جاتا ہے، اس لئے اس میں نہ حصول اولاد مقصود ہوتا ہے، نہ گھر بار بسانا اور نہ عفت و عصمت اور اسی لیے جس عورت سے متعہ کیا جائے اس کو فریق مخالف زوجہ وارثہ بھی قرار نہیں دیتا اور اس کو ازواج معروفہ کی گنتی میں بھی شمار نہیں کرتا........ اور چونکہ مقصد محض قضاء شہوت ہے، اس لئے مرد و عورت عارضی طور پر نئے نئے جوڑے تلاش کرتے رہتے ہیں جب یہ صورت ہے تو متعہ عفت و عصمت کا ضامن نہیں بلکہ دشمن ہے۔

صاحب ہدایہ نے حضرت امام مالک کی طرف منسوب کیا ہے کہ ان کے نزدیک متعہ جائز ہے، لیکن یہ نسبت بالکل غلط ہے، جیسا کہ شراح ہدایہ اور دیگر اکابر نے تصریح کی ہے کہ صاحب ہدایہ سے تسامح ہوا ہے۔

البتہ بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اخیر تک حلت متعہ کے قائل تھے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، امام ترمذی نے باب ماجاء فی نکاح المتعہ کا باب قائم کر کے دو حدیثیں نقل کی ہیں، پہلی حدیث یہ ہے:

"حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے غزوہ خیبر کے موقع پر عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔

دوسری حدیث جو امام ترمذی نے نقل کی ہے وہ یہ ہے:

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں متعہ اسلام کے عہد اول میں مشروع تھا، یہاں تک کہ آیت کریمہ: اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ نازل ہوئی تو وہ منسوخ ہو گیا، اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ زوجہ شرعیہ اور مملوکہ شرعیہ کے علاوہ ہر طرح کی شرمگاہ سے استمتاع حرام ہے۔"

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ حضرت ابن عباس کچھ عرصہ تک متعہ کو جائز سمجھتے تھے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سمجھانے سے (جیسا کہ صحیح مسلم ج۱ ص ۴۵۲ پر ہے) اور آیت شریفہ: اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ سے متنبہ ہو کر رجوع فرمالیا، جیسا کہ ترمذی کی روایات سے معلوم ہوا۔

یہ عجیب بات ہے کہ جو فرقہ حلت متعہ کا قائل ہے باوجودیکہ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے محب اور فرمانبردار ہونے کا دعویٰ ہے، لیکن اس مسئلہ میں وہ ان کا بھی مخالف ہے: وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝

صاحب روح المعانی، قاضی عیاض سے نقل کرتے ہیں کہ غزوہ خیبر سے پہلے متعہ حلال تھا پھر غزوہ خیبر میں حرام کر دیا گیا، اس کے بعد فتح مکہ کے دن حلال کر دیا گیا، لیکن پھر تین دن کے بعد ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا۔

نیز یہ امر بھی قابل غور ہے کہ فرمان باری تعالیٰ شانہ: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ یہ ایسا واضح ارشاد ہے جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں، اس سے حرمت متعہ صاف ظاہر ہے، اس کے مقابل ہمیں بعض شاذ قراءتوں کا سہارا لینا قطعاً غلط ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا استمتعتم سے متعہ اصطلاحی مراد ہونے کی کوئی قطعی دلیل نہیں ہے، محض ایک احتمال ہے، یہ احتمال اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ کے قطعی الدلالت مضمون کے ہرگز معارض نہیں ہو سکتا اور بالفرض اگر دونوں دلیلیں قوت میں برابر ہوں تو کہا جائے گا وہ دونوں دلیلیں حلت و حرمت میں متعارض ہیں، بالفرض اگر تعارض مان لیا جائے تب بھی عقل سلیم کا تقاضا ہے کہ محرم کو مبیح پر ترجیح ہونی چاہئے۔

پھر فرمایا (وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ) اس میں یہ بتایا ہے کہ مہر مقرر کرنے کے

بعد آپس میں میاں بیوی جس بات پر مہر کے سلسلے میں خوشی کے ساتھ راضی ہو جائیں اس میں کچھ حرج نہیں۔ مثلاً یہ کہ عورت بخوشی پورا مہر معاف کر دے یا کچھ چھوڑ دے یا شوہر مہر میں اپنی طرف سے اضافہ کر دے تو یہ سب درست ہے اس میں کوئی گناہ نہیں۔ اگر عورت مہر معجل کو مؤجل کر دے یعنی یہ مان لے کہ میرا مہر بعد میں دے دینا تو یہ بات بھی درست ہے۔

آیت کے ختم پر فرمایا: (اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا۝) بلاشبہ اللہ تعالیٰ علیم ہے حکیم ہے اس نے اپنی مخلوق کے احوال وطبائع کو جانتے ہوئے احکام مقرر فرمائے ہیں۔ اور تمام احکام حکمت پر مبنی ہیں ان احکام کی تعمیل کرنے میں بندوں کا سراسر نفع ہے جو کوئی ان کی خلاف ورزی کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اپنے علم وحکمت کے موافق سزا دے گا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا....

باندیوں سے نکاح کرنے کی اجازت

اپنی مملوکہ باندی سے تو (شروط وقیود کے مطابق) بلا نکاح بھی جماع کرنا جائز ہے اور اپنی باندی سے نکاح درست بھی نہیں۔ اور نہ اس کی حاجت ہے کیونکہ اس سے جماع بھی حلال ہے اور اس سے جو اولاد ہوگی وہ بھی (حسب ضابطہ) ثابت النسب ہوگی، البتہ دوسرا کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی باندی سے نکاح کرنا چاہے تو یہ نکاح کرنا درست ہے، یہ نکاح باندی کے مالک کی اجازت سے ہو سکتا ہے، اور جو مہر مقرر کر دیا گیا ہو وہ خوبی کے ساتھ ادا کر دیا جائے اس مہر کا مالک اس باندی کا آقا ہی ہوگا۔ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جو شخص آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت رکھتا ہو وہ باندی سے نکاح نہ کرے۔ چونکہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مفہوم وصف معتبر ہے اس لیے ان کے نزدیک آزاد مسلمان عورت سے نکاح کرنے کی قدرت ہوتے ہوئے کسی بھی باندی سے نکاح کرنا درست نہیں۔ اگر آزاد مسلمان عورت سے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو تو ان کے نزدیک باندی سے نکاح کرنا جائز ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت ہوتے ہوئے بھی باندی سے نکاح درست ہے۔ بشرطیکہ وہ باندی مسلمہ ہو یا کتابیہ لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔ آزاد مسلمان عورت سے نکاح کی قدرت ہو تو باندی سے نکاح نہ کرے اور اگر باندی سے نکاح کرے تو مؤمنہ تلاش کرے (من البحر الرائق صفحہ ۱۱۳: ج ۳) یہ مفہوم شرط اور مفہوم وصف والی بحث علمی بات ہے جس کی تفصیل اصول فقہ کی کتابوں میں لکھی ہے اس کے سمجھنے کے لیے کسی عالم سے رجوع کر لیں۔

بات یہ ہے کہ شادی کا مقصد پاک دامن رہنا اور اولاد کا طلب کرنا ہے اولاد کی تربیت میں ماؤں کا بہت زیادہ دخل ہوتا ہے جس طرح بچہ ماں کی زبان سیکھتا ہے (اور اسی لیے اس کی زبان کو مادری زبان کہتے ہیں) اسی طرح سے دین وایمان، اخلاق وآداب، اطوار وعادات بھی ماں سے سیکھتا ہے اور اول تو یہی کوشش رہے کہ آزاد مسلمان عورت سے نکاح کیا جائے پھر مسلمان عورتوں میں دیندار صالحہ اور تقویٰ طہارت والی عورت کو تلاش کیا جائے۔ اگر آزاد مسلمان عورت سے نکاح پر قدرت نہ ہو، اس کے مہر کی ادائیگی اور دیگر اخراجات کا تحمل نہ ہو تو پھر لونڈی سے نکاح کر لے، اس میں بھی مؤمنہ باندی کو ترجیح

دی جائے۔

یہ جوفرمایا: وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ اس میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ایمان کا خوب اچھی طرح علم ہے۔ایمان ہی وجہ فضیلت ہے، بعض مرتبہ مؤمن باندی مرتبہ ایمانیہ میں آزاد عورت کے مقابلہ میں بڑھی ہوئی ہوتی ہے اس کے نکاح سے عار نہ کریں اور باندی کے آقا کی اجازت سے نکاح کریں اور جنس انسانیت کے اعتبار سے سب حضرت آدم اور حضرت حوا (علیہما السلام) کی اولاد ہیں اور کسی نے باندی سے نکاح کیا تو اپنی جنس ہی سے نکاح کیا۔

اور یہ جوفرمایا: مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ ، اس کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن باندیوں سے نکاح کرلو جو پاکدامن ہوں مُسٰفِحٰتٍ (علانیہ زنا کرنے والی) اور (مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ) (خفیہ طریقہ پر آشنا تلاش کرنے والی نہ ہوں) پاکدامن عورت ہی نکاح کے لائق ہے آزاد ہو یا باندی ہو۔

یہاں خصوصیت کے ساتھ باندیوں کے نکاح کے ذیل میں اس بات کا اس لیے تذکرہ فرمایا کہ باندیوں کی نگرانی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ کام کاج کے لیے وہ باہر جاتی ہیں۔

پھر فرمایا: فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۭ ، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب باندیاں نکاح میں آجائیں اور اس کے بعد زنا کا ارتکاب کرلیں تو ان کو آدھی سزا ملے گی بمقابلہ اس سزا کے جو آزاد عورتوں کے لیے مقرر ہے اگر وہ زنا کر بیٹھیں یہاں آزاد عورتوں سے غیر شادی شدہ عورتیں مراد ہیں، غیر شادی شدہ عورت اگر زنا کرے تو اس کی سزا سو کوڑے ہے۔اس اعتبار سے باندی اگر زنا کرے تو اس کو پچاس کوڑوں کی سزا ملے گی، شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرے تو اس کی سزا رجم ہے۔یعنی پتھروں سے مار دینا ہے، چونکہ رجم میں تنصیف نہیں ہوسکتی اس لیے اگر باندی اور غلام شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اس سے زنا سرزد ہوجائے تو پچاس کوڑے ہی لگیں گے، زنا کی سزا کا تفصیلی بیان ان شاء اللہ سورۃ نور کے پہلے رکوع کی تفسیر میں لکھا جائے گا۔

آخر میں فرمایا: ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۵ (کہ باندیوں سے نکاح کرنا اس شخص کے لیے ہے جو زنا میں مبتلا ہوجانے کا اندیشہ رکھتا ہو، اور باوجود اجازت کے صبر کرنا بہتر ہے)۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ شَرَائِعَ دِيْنِكُمْ وَمَصَالِحَ اَمْرِكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ طَرَائِقَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ فِي التَّحْلِيْلِ وَالتَّحْرِيْمِ فَتَتَّبِعُوْهُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ يَرْجِعَ بِكُمْ عَنْ مَعْصِيَتِهِ الَّتِيْ كُنْتُمْ عَلَيْهَا اِلٰى طَاعَتِهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِكُمْ حَكِيْمٌ ۝۲۶ فِيْمَا دَبَّرَهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ كَرَّرَهُ لِيُبْنٰى عَلَيْهِ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى وَالْمَجُوْسُ اَوِ الزُّنَاةُ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝۲۷ تَعْدِلُوْا عَنِ الْحَقِّ بِارْتِكَابِ مَا حُرِّمَ عَلَيْكُمْ فَتَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ

فَيَسْهَلَ عَلَيْكُمْ أَحْكَامَ الشَّرْعِ ﴿وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا﴾ ﴿٢٨﴾ لَا يَصْبِرُ عَنِ النِّسَاءِ وَالشَّهَوَاتِ ﴿يَا أَيُّهَا
الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ بِالْحَرَامِ فِي الشَّرْعِ كَالرِّبَوا وَالْغَصْبِ ﴿إِلَّا﴾ لٰكِنْ ﴿أَنْ
تَكُونَ﴾ تَقَعَ ﴿تِجَارَةً﴾ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالنَّصْبِ أَنْ تَكُونَ الْأَمْوَالُ أَمْوَالَ تِجَارَةٍ صَادِرَةٍ ﴿عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾
وَطِيْبِ نَفْسٍ فَلَكُمْ أَنْ تَأْكُلُوهَا ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ بِارْتِكَابِ مَا يُؤَدِّي إِلَى هَلَاكِهَا أَيًّا كَانَ فِي
الدُّنْيَا أَوِ الْآخِرَةِ بِقَرِيْنَةِ ﴿إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ ﴿٢٩﴾ فِي مَنْعِهِ لَكُمْ مِنْ ذٰلِكَ ﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ﴾ أَيْ مَا
نُهِيَ عَنْهُ ﴿عُدْوَانًا﴾ تَجَاوُزًا لِلْحَلَالِ حَالٌ ﴿وَظُلْمًا﴾ تَأْكِيدٌ ﴿فَسَوْفَ نُصْلِيهِ﴾ نُدْخِلُهُ ﴿نَارًا﴾ يَحْتَرِقُ فِيهَا ﴿وَ
كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا﴾ ﴿٣٠﴾ هَيِّنًا ﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ وَهِيَ مَا وَرَدَ عَلَيْهَا وَعِيْدٌ
كَالْقَتْلِ وَالزِّنَا وَالسَّرِقَةِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما هِيَ إِلَى السَّبْعِمِائَةِ أَقْرَبُ ﴿نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾
الصَّغَائِرَ بِالطَّاعَاتِ ﴿وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا﴾ بِضَمِّ الْمِيْمِ وَفَتْحِهَا أَيْ إِدْخَالًا أَوْ مَوْضِعًا ﴿كَرِيمًا﴾ ﴿٣١﴾ هُوَ الْجَنَّةُ
﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾ مِنْ جِهَةِ الدُّنْيَا أَوِ الدِّيْنِ لِئَلَّا يُؤَدِّيَ إِلَى التَّحَاسُدِ
وَالتَّبَاغُضِ ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ﴾ ثَوَابٌ ﴿مِمَّا اكْتَسَبُوا﴾ بِسَبَبِ مَا عَمِلُوا مِنَ الْجِهَادِ وَغَيْرِهِ ﴿وَلِلنِّسَاءِ
نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ﴾ مِنْ طَاعَةِ أَزْوَاجِهِنَّ وَحِفْظِ فُرُوْجِهِنَّ نَزَلَتْ لَمَّا قَالَتْ أُمُّ سَلْمَةَ لَيْتَنَا كُنَّا
رِجَالًا فَجَاهَدْنَا وَكَانَ لَنَا مِثْلُ أَجْرِ الرِّجَالِ ﴿وَسْأَلُوا﴾ بِهَمْزَةٍ وَدُوْنِهَا ﴿اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهِ﴾ مَا احْتَجْتُمْ إِلَيْهِ
يُعْطِيْكُمْ ﴿إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ ﴿٣٢﴾ وَمِنْهُ مَحَلُّ الْفَضْلِ وَسُؤَالُكُمْ ﴿وَلِكُلٍّ﴾ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ
﴿جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ أَيْ عَصَبَةً يُعْطَوْنَ ﴿مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ﴾ لَهُمْ مِنَ الْمَالِ ﴿وَالَّذِينَ عَقَدَتْ﴾
بِالْفٍ وَدُوْنِهَا ﴿أَيْمَانُكُمْ﴾ جَمْعُ يَمِيْنٍ بِمَعْنَى الْقَسَمِ أَوِ الْيَدِ أَيِ الْحُلَفَاءُ الَّذِيْنَ عَاهَدْتُمُوْهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ
عَلَى النُّصْرَةِ وَالْإِرْثِ ﴿فَآتُوهُمْ﴾ الْآنَ ﴿نَصِيبَهُمْ﴾ حَظَّهُمْ مِنَ الْمِيْرَاثِ وَهُوَ السُّدُسُ ﴿إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَى
ع ۸/۲ ﴿كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا﴾ ﴿٣٣﴾ مُطَّلِعًا وَمِنْهُ حَالُكُمْ وَهُوَ مَنْسُوْخٌ بِقَوْلِهِ: وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تمہارے لیے بیان کر دیں تمہارے دین کے احکام اور تمہارے کام کے مصالح اور تمہیں بتلا دیں ان لوگوں کے طریقے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں یعنی تحلیل و تحریم کے بارے میں تمہیں انبیاء علیہم السلام کے طریقے

بتلادیں تا کہ ان کی پیروی کر سکو اور تم پر رحمت کے ساتھ توجہ کرے یعنی اس گناہ سے جس پر تم پہلے تھے اپنی اطاعت کی طرف تم کو لوٹا دے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں تم کو یعنی تمہارے مصالح کو اور حکمت والے ہیں جو تمہارے لیے تدبیر فرمائی اور اللہ تعالیٰ تو تم پر رحمت کے ساتھ توجہ کرنا چاہتے ہیں آئندہ جملہ کی بنا کرنے کے لیے اس آیت کو دوبارہ ذکر کیا، لیکن یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تاکید اور مضمون کو پختہ کرنے کے لیے دوبارہ ذکر کیا اور جو لوگ خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں یعنی یہود و نصاریٰ، مجوس یا زنا کار لوگ وہ چاہتے ہیں کہ تم کامل طور پر کجی میں پڑ جاؤ یعنی محرمات کا ارتکاب کر کے حق سے بالکل منحرف ہو جاؤ اور ان ہی شہوت پرستوں جیسے ہو جاؤ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم پر سے بوجھ ہلکا کریں تم پر احکام شرع آسان کر دیں اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے یعنی عورتوں اور خواہشات سے صبر نہیں کر سکتا ہے اس لیے حق تعالیٰ نے اس امت کو یہ سہولتیں عنایت فرمائیں کہ ضرورت کے وقت ایک سے زائد عورت سے نکاح کی اجازت دی پھر عیسائی اور یہودی عورتوں سے پھر مزید سہولت دی کہ اگر آزاد عورت سے نکاح کی طاقت نہ ہو تو باندی سے نکاح کی اجازت ہے وغیرہ یہ دشواری اور تنگی نہیں فرمائی کہ قضائے شہوت سے بالکل روک دیں الحمد للہ علی ذلک۔ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الآیۃ اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ یعنی اس طریقہ سے مت کھاؤ جو شرعاً حرام ہے جیسے سود لینا اور کسی کا مال غصب کر لینا، نیز چوری، خیانت اور رشوت وغیرہ باہمی رضامندی سے مفسر علامؒ نے تَكُوْنَ کی تفسیر تَقَعَ سے کر کے اشارہ کیا ہے کہ کان تامہ ہے اور تجارۃ فاعل ہونے کی بناء پر مرفوع ہوگا، وَفِیْ قِرَائَةٍ بِالنَّصْبِ اور ایک قراءت میں تِجَارَۃً منصوب ہے اور یہی قراءت مشہور ہے اس صورت میں تِجَارَۃً کان ناقصہ کی خبر ہوگی اور اسم اس کا محذوف ہوگا جیسا کہ مفسر علامؒ نے تقدیر عبارت ظاہر کر دی: ''اَنْ تَكُوْنَ الْاَمْوَالُ اَمْوَالَ تِجَارَۃٍ'' اور مفسر علامؒ نے عَنْ تَرَاضٍ سے پہلے لفظ صَادِرَۃٍ نکال کر اشارہ کیا ہے کہ: عَنْ تَرَاضٍ صَادِرَۃٍ سے متعلق ہو کر تِجَارَۃً کی صفت ہے مطلب یہ ہوگا لیکن یہ کہ تجارت ہو جو صادر ہوئی ہو باہمی رضامندی اور خوشدلی سے تو تمہارے لیے ان اموال کا کھانا جائز ہے۔ وَلَا تَقْتُلُوْا الخ اور اپنے کو قتل نہ کرو یعنی ایسے امور کا ارتکاب نہ کرو جس کا انجام نفس کی ہلاکت وقتل ہو خواہ دنیا میں یا آخرت میں مثلاً کسی ایسے شخص کا قتل کہ قصاص میں جان کی ہلاکت ہو یا شادی کے بعد زنا کاری کہ سنگساری کی نوبت آ جائے بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بڑے مہربان ہیں تم کو اس موجب ہلاکت سے منع کرنے میں وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ اور جو شخص ایسا فعل کرے گا جس سے منع کر دیا گیا ہے زیادتی کر کے حلال سے تجاوز کر کے یہ عدوان حال ہے اور ظلم سے یہ تاکید ہے کیوں کہ عدوان اور ظلم دونوں کے معنی ہیں حد سے تجاوز کرنا، بہت بڑھ جانا تو ہم عنقریب اس کو ڈالیں گے داخل کریں گے جہنم میں کہ اس میں جلتا رہے گا اور یہ امر اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے۔ یَسِیْرًا ۞ بمعنی هَیِّنًا ہے بمعنی سہل، آسان۔ اگر تم ان کبائر بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تمہیں منع کیا جا رہا ہے اور کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر وعید آئی ہے جیسے قتل ناحق اور زنا کرنا اور چوری کرنا وغیرہ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کبیرہ گناہ سب ملا کر سات سو کے قریب ہیں تو تمہارے چھوٹے گناہوں کو ہم تم سے دور کر دیں گے یعنی عبادات کرنے سے صغائر معاف کر دیں گے اور ہم تمہیں معزز جگہ میں داخل کریں گے۔ مُّدْخَلًا بِضَمِّ الْمِیْمِ الآیۃ یعنی اس میں دو قراءت ہے، میم کے ضمہ کے ساتھ

اور یہی اکثر حضرات کی قراءت ہے اور دوسری قراءت میم کے فتحہ کے ساتھ پہلی صورت بضم المیم میں مصدر بصورت اسم مفعول ہوگا اور اس کا مفعول محذوف ہوگا۔ اَيْ نُدْخِلُكُمُ الْجَنَّةَ اِدْخَالًا كَرِيْمًا ﴿٣١﴾ یعنی ہم تم کو جنت میں داخل کریں گے بہتر طریقے سے اور مدخل بفتح المیم کی قراءت پر اسم مکان ہوگا اس صورت میں محذوف ماننے کی ضرورت نہیں۔ ای ندخلکم مدخلا کریما: ہم تمہیں عزت کے مقام میں داخل کریں گے مراد جنت ہے۔ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ الآیۃ اور تم کسی ایسے امر کی تمنامت کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے یعنی تفضیل از راہ دنیا ہو یا از راہ دین ہو فضائل دینیہ میں سے کسی کی تمنامت کرو تا کہ باہمی حسد وبغض کی نوبت نہ آئے مردوں کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ثواب مقرر ہے مفسر علامؒ نے بسبب مَا عَمِلُوْا الآیۃ سے اشارہ کیا ہے کہ: مِمَّا کا من سببیہ تعلیلیہ ہے یعنی اس جہاد وغیرہ کی وجہ سے جو ان مردوں نے کیا اس کا ثواب آخرت میں ملے گا اور عورتوں کے لیے حصہ ثواب ہے جو اعمال انہوں نے کئے یعنی اپنے شوہروں کی اطاعت کی اور اپنے فروج کی حفاظت۔ نَزَلَتْ لَمَّا قَالَتْ الآیۃ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ نے کہا کاش ہم مرد ہوتے اور ہم بھی جہاد کرتے تو مردوں کے اجر جہاد کی طرح ہمیں بھی ثواب ملتا اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کیا کرو۔ وسئلوا ہمزہ کے ساتھ ایک قراءت ہے اور دوسری قراءت بغیر ہمزہ و ہما قراءتان سبعیتان اس کے فضل وکرم کی یعنی مانگو جس کی حاجت ہو وہ تمہیں دے گا در کریم سے سائل کو کیا نہیں ملتا بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں اور اسی ہر چیز میں سے فضل الٰہی کا محل اور تمہارا مانگنا بھی ہے یعنی اللہ کو خوب علم ہے کہ کون کس فضل کے لائق ہے۔ وَلِكُلٍّ الآیۃ اور ہر ایک کے لیے مردوں اور عورتوں میں سے یعنی جو بھی مرے ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں یعنی ایسے عصبہ جو دیئے جائیں گے اس چیز سے جو چھوڑا ہے ماں باپ اور رشتہ داروں نے ان کے لیے مال میں سے: وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ اور جن سے تم نے عہد باندھ لیا ہے۔ بالِفٍ وَدُوْنِهَا یعنی ایک قراءت الف کے ساتھ عاقدت ہے دوسری قراءت کوفیوں کی بغیر الف عَقَدَتْ ہے۔ اَيْمَانُكُمْ، ایمان بفتح الہمزہ یمین کی جمع ہے جس کے معنی قسم یا ہاتھ کے ہیں عقد یمین کے معنی ہیں عہد و پیمان کو پختہ کرنا، اَيِ الْحُلَفَاءُ الَّذِيْنَ الآیۃ یعنی وہ حلفاء جن سے زمانہ جاہلیت میں تم نے مدد کرنے اور وارث ہونے پر معاہدہ کیا تھا تو دے دو ان کو اب ان کا حصہ میراث ہے اور وہ چھٹا حصہ $\frac{1}{6}$ ہے۔ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ مبتدا ہے اور فَاٰتُوْهُمْ جملہ خبر اور اس کا عطف کلام سابق پر ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ الآیۃ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہیں۔ منجملہ اس کے تمہارا حال بھی ہے اور یہ حکم آیت کریمہ واولو الارحام بعضهم اولى ببعض سے منسوخ ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: شَرَائِعَ دِيْنِكُمْ: اس سے اشارہ کر دیا کہ لِيُبَيِّنَ کا مفعول محذوف ہے۔ اس پر سیاق دال ہے اور یہ اشارہ بھی ہے کہ لِيُبَيِّنَ یہ يُرِيْدُ کا مفعول ہے، لام اس پر زائدہ ہے جو ارادہ کا معنی ثابت کرتی ہے۔

قوله: وَالنَّصَارٰی : اتباع شہوات سے مراد مطلق مشغول نہیں بلکہ مستغرق مراد ہے۔

قوله: صَادِرَةٍ : عَنْ تَرَاضٍ یہ تجارت کی صفت متعلق کے اعتبار سے ہے۔

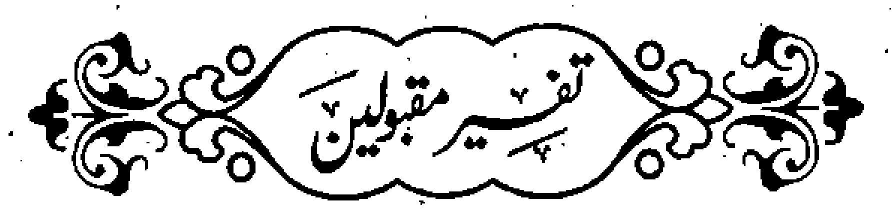
قوله: تَجَاوُزًا لِلْحَلَالِ : نہ غلطی سے نہ بطور قصاص یہ دونوں حال ہیں جو عادین کے معنی میں ہیں، یہ مفعول مطلق نہیں۔

قوله: مَوَالِیَ : موصوف ہے اور یعطون اس کی صفت ہے۔ مَوَالِیَ کی تفسیر والدین اولاد وا قارب سے نہیں کی جاسکتی۔

قوله: مِنَ الْمَالِ : یہ ما کا بیان ہے اور ضمیر کا قائم مقام ہے۔

قوله: اَوِالْيَدِ : دونوں عقد والے ہر ایک اپنے ساتھی کی قسم کے سبب لے گا۔

قوله: وَهُوَ السُّدُسُ: حلیف اپنے حلیف کے مال کا چھٹا لیا کرتا تھا۔



يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ...

ربط : ماقبل کی آیتوں میں احکام کی تفصیل مذکور ہوئی، ان آیتوں میں اللہ جل شانہ اپنا انعام واحسان بتلاتے ہیں اور یہ کہ ان احکام کی مشروعیت میں تمہارے ہی منافع ومصالح کی رعایت رکھی گئی ہے اگر چہ تم اس کی تفصیل کو نہ سمجھو، پھر اس کے ساتھ ہی ان احکام پر عمل کرنے کی ترغیب ہے اور گمراہوں کے ناپاک ارادوں پر بھی متنبہ کیا گیا کہ یہ لوگ تمہارے بدخواہ ہیں جو تمہیں مستقیم راستہ سے بھٹکانا چاہتے ہیں۔

نکاح کے بہت سے احکام بیان فرمانے کے بعد ان آیات میں یہ بتایا کہ اللہ پاک واضح طور پر خوب کھول کر تمہیں احکام بتاتے ہیں اور انبیاء کرام اور صالحین عظام جو پہلے گزرے ہیں ان کے طریق کی رہبری فرماتے ہیں، تم یہ نہ سمجھو کہ یہ حرام وحلال کی تفصیلات صرف ہمارے ہی لئے ہے، بلکہ تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ان کو بھی اس طرح کے احکام بتائے گئے تھے جنہوں نے عمل کیا اور مقربین بارگاہ خداوندی ہوئے۔

جو لوگ متبع شہوات ہیں یعنی زنا کار اور وہ قومیں اور اصحاب مذاہب باطلہ جن کے نزدیک حرام حلال کوئی چیز نہیں وہ تم کو بھی راہ حق سے ہٹا کر اپنے باطل ارادوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں، تم ان سے ہوشیار رہنا، بعض مذہبوں میں اپنی محرم عورتوں سے بھی نکاح کر لینا درست ہے اور بہت سے ملحدین اس دور میں نکاح کو ختم کرنے ہی کے حق میں ہیں اور بعض ممالک میں عورت کو متاع مشترک قرار دیئے جانے کی باتیں ہو رہی ہیں یہ باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جو سراپا نفس کے بندے اور خواہش کے غلام ہیں اسلام کا کلمہ پڑھنے والے بعض ضعیف الایمان لوگ جوان ملحدوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں ان کی باتوں میں آکر اپنے دین کو فرسودہ خیال کرنے لگتے ہیں اور دشمنوں کی باتوں کو انسانیت کی ترقی سمجھتے ہیں اور نادانستہ طور پر اس خام

خیالی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ جیسے یہ لوگ ماڈرن نظریات کے حامی ہیں کاش! ہمارا دین بھی اس کی اجازت دیتا، العیاذ باللہ! اللہ پاک نے تنبیہ فرمائی ہے کہ تم لوگ اپنے بدطنیت انسانوں کے نظریات کو اپنانے سے دور رہنا۔ (معارف القرآن)

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ

شہوت پرستوں کا طریق کار:

جو لوگ شہوتوں کے بندے ہیں انہیں انسانیت محبوب و مرغوب ہی نہیں وہ تو انسان ہو کر پچھتا رہے ہیں اور نفس کے مزہ کے لیے محض حیوانیت پر اتر آئے ہیں۔

یورپ، امریکہ میں بے ہودگی، فحاشی، زنا کاری کا جو سیلاب آیا ہوا ہے، چھوٹے بڑے حاکم ومحکوم اور ہر طبقہ کے لوگ اس میں بہہ چکے ہیں، حکومتوں کا یہ حال ہے کہ کوئی قانون بناتے ہیں پھر جب دیکھتے ہیں کہ عوام اس کے مطابق نہیں چلتے تو قانون کو بدل دیتے ہیں۔ تھوڑا بہت جو قانون کا بھرم باقی ہے تو صرف اتنا سا ہے کہ زنا بالجبر ممنوع ہے۔ آپس کی خوشی سے زنا کاری جتنی مرتبہ بھی ہو جائے اس پر ان کے نزدیک کوئی مواخذہ نہیں، اور اب استلذاذ بالمثل کا قانون پاس کر دیا ہے ان شہوت پرستوں کے نزدیک عورت عورت سے اور مرد مرد سے استمتاع کر سکتا ہے، اور خلاف فطرت قضائے شہوت میں ان کے بڑے لوگ بھی مبتلا ہیں (دینی بڑے ہوں یا دنیاوی ذمہ دار ہوں) ایسے پارک ہیں جن میں کسی عمل پر کوئی پابندی نہیں، اس پارک میں اعلانیہ طور پر مرد اور عورت جو فعل کرے ان کے یہاں اس پر قانون کی کوئی گرفت نہیں ہے۔ قرآن مجید میں جو (وَيَاْكُلُوْنَ وَ يَتَمَتَّعُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ) فرمایا ہے کہ اس کے پورے پورے مصداق بنے ہوئے ہیں۔

جن ملکوں میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہیں وہاں بھی بہت سے لوگ یورپ اور امریکہ کے حیوانوں کی طرح جنسی خواہشات پورا کرنے کے متوالے ہیں، یہ لوگ نہ صرف یہ کہ خود بے حیائیوں فحاشیوں اور زنا کاریوں میں مبتلا ہیں بلکہ باقاعدہ ان کی سوسائٹیاں بنی ہوئی ہیں جن کی برابر اور مستقل یہ کوشش ہے کہ نکاح اور حیا و شرم کو بالائے طاق رکھ دیا جائے ایسے جرائد ہفت روزہ اور ماہنامے جاری ہیں جن میں بے حیائی کے کاموں کو اچھالا جاتا ہے ننگی تصویریں شائع کی جاتی ہیں جذبات نفسانیہ کو ابھارا جاتا ہے اور ایسی انجمنیں بنی ہوئی ہیں جو عامۃ المسلمین کو بے حیائی اور زنا کاری کے غار میں دھکیلنے کی پوری کوشش کر رہی ہیں، ننگوں کے کلب ہیں زنا کاری کے اڈے ہیں ان کی سرپرستی کی جاتی ہے، فاحشہ عورتوں کو حکومتیں لائسنس دیتی ہیں، پہلے تو اتنا ہی تھا کہ سینما ہال میں معاشقہ کے نظارے کیے جاتے تھے اور ننگی سے ننگی اور گندی سے گندی فلمیں بنوا کر سینماؤں کے مالکان خوش ہوتے تھے (کیونکہ اس میں ذریعہ آمدنی بہت زیادہ ہے) اور اب تو گھر گھر عشقیہ فلمیں اور ڈرامے دیکھے جا رہے ہیں، ٹی وی پروگراموں نے اور وی سی آر (ویڈیو کیسٹ ریکارڈر) نے بچوں سے لے کر بوڑھوں تک سب کے جذبات میں تلاطم پیدا کر دیا ہے، بے حیا ماں باپ بچوں کے ساتھ بیٹھ کر یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور بچوں کو دکھاتے ہیں جن حکومتوں کے سربراہوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ہماری اسلامی حکومت ہے ان کے ٹی۔ وی پروگراموں اور

یورپ امریکہ کے پروگراموں میں کوئی فرق نہیں، وی سی آر بازاروں میں فروخت ہورہے ہیں، دینداری کے دعویدار بھی اپنے بچوں کو اس سے منع نہیں کرتے۔ پورا معاشرہ عریانی وفحاشی کی راہ سے گزر رہا ہے۔ پرانے قسم کے جو کچھ لوگ باقی ہیں وہ نئی نسل کے نوجوانوں کو کھلتے ہیں اور قرآن وحدیث کی عفت وعصمت کی تعلیم نوجوانوں کو پسند نہیں ہے بے حیائی کے داعیوں نے عامۃ الناس کو اس سطح پر لاکر کھڑا کردیا ہے کہ پیچھے مڑنے اور حیاوشرم اختیار کرنے کے لیے بہت بڑی محنت کی ضرورت ہے۔ گزشتہ زمانوں میں کوئی شخص زنا کرتا تو چھپ کر کرتا تھا اور اس طرح کا پیشہ کرنے والی عورتوں کو بھی بری نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ معاشرہ میں اس کے لیے کوئی جگہ نہ تھی لیکن آج تو عفت وعصمت حیاوشرم عیب بن گئی ہے اور بے حیائی اور فحاشی و عریانی ہنر اور کمال سمجھی جارہی ہے اور اسے معاشرہ کا جزو اعظم سمجھا جاتا ہے۔

حیاء وشرم انبیاء کرام علیہم السلام کے اخلاق عالیہ میں سے ہیں:

عفت وعصمت اور حیاء وشرم کی تمام انبیاء کرام نے اپنی اپنی امتوں کو تعلیم دی ہے اور یہ اہل ایمان کا شعار ہے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے طریقہ زندگی میں سے ہیں: (۱) حیا (۲) تعطر (یعنی خوشبو لگانا) (۳) مسواک کرنا (٤) نکاح کرنا۔ (رواہ الترمذی فی اول کتاب النکاح) نیز رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ ہر دین کا ایک خاص مزاج ہے اور دین اسلام کا مزاج حیاء ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ٤٣٢) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ حیا اور ایمان دونوں ساتھ ساتھ ہیں جب ان میں سے ایک چھین لیا جاتا ہے تو دوسرا بھی چلا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ٤٣٢)

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سچ فرمایا (نظروں کے سامنے ہے کہ) جن قوموں میں حیاء نہیں ان میں ایمان نہیں اور جو قومیں مسلمان ہونے کی دعویدار ہیں ان میں جیسے جیسے بے حیائی بڑھ رہی ہے ویسے ویسے ایمان اور ایمانیات سے محروم ہوتے جارہے ہیں، یورپ اور امریکہ میں جو مسلمان جاکر بسے ہیں ان میں جو تھوڑا بہت ایمان واسلام تھا وہ ان کی نسلوں میں وہاں برباد ہورہا ہے، شریعت اسلامیہ نے عفت وعصمت کے لیے جو قانون بنائے اور ان کی حفاظت کے لیے جو پابندیاں رکھی ہیں ان میں پہلی پابندی نظر پر ہے اور بدنظری کو حرام قرار دیا ہے، نیز عورتوں کے لیے پردہ لازمی قرار دیا ہے۔ عورتوں کو گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا ہے جو کوئی عورت خوشبو لگا کر باہر نکلے اسے زناکار قرار دیا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس پر نظریں ڈالنے لگتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲٦۹) تعجب ان لوگوں پر ہے جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور ساتھ ہی بے حیاء بھی ہیں اور عفت وعصمت کے دشمن بھی ہیں جو لوگ عفت وعصمت کے دشمن ہیں عام مسلمانوں کو بڑی حد تک بے حیائی پر ڈال چکے ہیں ان کی کوششیں جاری ہیں کہ مسلمان بالکل ہی عفت وعصمت اور حیاء وشرم سے ہاتھ دھوبیٹھیں۔ ولقد صدق الله تعالى: وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝ اللہ تعالیٰ کی بات نہ ماننا اور دشمنوں کی راہ اختیار کرنا یہ کیسی مسلمانی ہے؟

پھر فرمایا: يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ یعنی اللہ پاک تم پر تخفیف اور ہلکے احکام کا ارادہ فرماتے ہیں، تمہاری دقتیں

دور کرنے کے لئے نکاح کے بارے میں ایسے نرم احکام دیئے جن پر سب عمل پیرا ہو سکتے ہیں اور اگر آزاد عورتوں سے نکاح کی طاقت نہ ہو تو باندیوں سے نکاح کی اجازت دے دی ہے، مہر کے بارے میں طرفین کو باہمی رضامندی سے طے کرنے کا اختیار دیا اور ضرورت کے وقت ایک سے زائد عورت سے بھی نکاح کی اجازت دی گئی، بشرطیکہ عدل ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

پھر فرمایا: وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ۝ یعنی انسان خلقی طور پر ضعیف ہے اور اس کے اندر شہوانی مادہ رکھا گیا ہے، اگر بالکل ہی عورتوں سے دور رہنے کا حکم دیا جاتا تو اطاعت اور فرمانبرداری کرنے سے عاجز رہ جاتا، اس کے عجز وضعف کے پیش نظر عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت ہی نہیں بلکہ ترغیب دی، اور نکاح کے بعد آپس میں جو ایک دوسرے کو نفس اور نظر کی پاکیزگی کا نفع اور دوسرے فوائد حاصل ہوتے ہیں ان سے طرفین کو تقویت پہنچتی ہے، پس نکاح ضعف کے دور کرنے کا باہمی معاہدہ اور ایک بے مثال طریقہ ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ....

باطل طریقے پر مال کھانے کی ممانعت اور تجارت کا اصول:

اس آیت کریمہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ پر نہ کھاؤ صاحب معالم التنزیل صفحہ ۴۱۷: ج۱ پر لکھتے ہیں: بالحرام یعنی بالربوا و القمار و الغصب و السرقة و الخیانة و نحوها و قیل هو العقود الفاسدة (یعنی باطل سے مراد یہ ہے کہ حرام طریقہ پر ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ مثلاً سود لے کے جوئے بازی کے طریقے سے اور چھین کر، چوری کر کے، خیانت کر کے اور اسی طرح کے دوسرے غیر شرعی طریقوں سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ) اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے عقود فاسدہ مراد ہیں یعنی خرید وفروخت اور اجارہ وغیرہ کے وہ طریقے جو شرعاً فاسد ہیں ان کے ذریعہ ایک دوسرے کا مال حاصل نہ کرو۔ لفظ باطل بہت عام ہے مال حاصل کرنے کا ہر وہ طریقہ جو شرعاً جائز نہ ہو وہ سب باطل کے عموم میں داخل ہے۔

پھر اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ فرماتے ہوئے تجارت کے ذریعہ مال حاصل کرنے کو جائز قرار دیا اور ساتھ ہی عَنْ تَرَاضٍ کی بھی قید لگادی یعنی تجارت کے ذریعہ بھی وہ مال حاصل کرنا حلال ہے جو آپس کی رضامندی سے ہو۔ خریدار یا صاحب مال دونوں کسی معاملہ پر راضی ہو جائیں اور یہ رضامندی خوش دلی سے ہو تو لین دین جائز ہے کسی فریق کو خریدنے یا بیچنے پر مجبور نہ کیا جائے بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ کسی کی چیز اٹھا کر چل دیتے ہیں یہ غصب یا لوٹ مار ہے اور بعض لوگ صاحب مال کو کچھ پیسے دے دیتے ہیں۔ اول تو وہ بیچنے پر راضی نہیں ہوتا اور اگر راضی ہو جائے تو اتنی قیمت نہیں دیتے جس پر وہ خوش دلی سے راضی ہو زبردستی کسی کی چیز لے لینا یا اپنے پاس سے خود قیمت تجویز کر کے دے دینا جس سے صاحب مال راضی اور خوش نہ ہو تو یہ سب حرام ہے۔ (انوار البیان)

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ....

تکفیر سیئات کا وعدہ:

اس آیت میں کبائر سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے اور صغائر کو معاف کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، اور بتایا ہے کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے تو اللہ تعالیٰ صغیرہ گناہوں کو معاف فرما دیں گے، دیگر نصوص کثیرہ کی بنا پر بعض علماء نے یہ اشکال کیا ہے کہ محض اجتناب کبائر سے (جن میں عدم اوائے فرائض بھی داخل ہے) اگر صغیرہ گناہ معاف ہو جائیں تو جتنے بھی صغائر ہیں بظاہر نتیجہ کے طور پر مباح کا درجہ لے لیں گے کیونکہ ان کے ارتکاب کرنے والے کو یہ یقین رہے گا کہ کبائر سے بچنے کی وجہ سے میرے تمام صغائر معاف ہیں، لہٰذا صغائر پر کوئی عتاب اور عذاب نہ ہوگا اور مباح ہونے کا یہی معنی ہے۔ اس اشکال کو رفع کرنے کے لیے معتزلہ کی تردید کے ذیل میں صاحب مدارک التنزیل صفحہ ۲۲۲: ج۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔

وتثبت المعتزلة بالاية على ان الصغائر واجبة المغفرة باجتناب الكبائر وعلى ان الكبائر غير مغفورة باطل كان الكبائر والصغائر فى مشية الله تعالى سواء ان شاء عذب عليها وان شاء عفا عنهما لقولة تعالى ان الله لا يغفر ان يشرك به و يغفر مادون ذلك لمن يشاء فقد وعد المغفرة لمادون الشرك وقرنها بمشيته تعالى وقوله ان الحسنات يذهبن السيئات فهذه الاية تدل على ان الصغائر والكبائر يجوز ان يذهبا بالحسنات لان لفظ السيات يطلق عليها۔

مطلب یہ ہے کہ وعدہ مغفرت تو ہے لیکن مشیت الٰہی پر موقوف ہے وہ جس گناہ کو چاہے گا معاف فرما دے گا۔

اور بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ یہاں کبائر مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ سے وجوہ کفر مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ تمام وجوہ کفر سے اجتناب کرو گے یعنی مسلمان رہو گے تو تمہارے سب گناہ معاف کرنے کا وعدہ ہے، کفر کے علاوہ جو باقی گناہ ہیں وہ چونکہ کفر کے مقابلہ میں صغائر ہیں (اگرچہ فی نفسہ ان میں بھی فرق مراتب ہے ان میں صغیرہ بھی ہیں اور کبیرہ بھی) ان کے معاف فرمانے کا وعدہ فرمایا، لیکن یہ وعدہ تحت المشیۃ ہے اور اس آیت کا مفہوم اور آیت کریمہ: (اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ) کا ایک ہی مفہوم ہے۔

علامہ نسفی عليه الرحمة فرماتے ہیں: وقيل المراد بها انواع الكفر بدليل قراءة عبدالله كبير ماتنهون عنه وهو الكفر، علامہ قرطبی عليه الرحمة نے بھی یہ بات کہی ہے اور جمع والی قراءت (كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے اجناس کفر مراد ہیں پھر فرماتے ہیں: والاية التى قيدت الحكم فترد اليها هذه المطلقات كلها قوله تعالى ويغفر مادون ذلك لمن يشاء۔ (صفحہ ۱۹۵: ج۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ: ((الصلوات الخمس والجمعة الى الجمعة و رمضان الى رمضان مكفرات لما بينهن اذا اجتنبت الكبائر)) (یعنی پانچوں نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک اپنے درمیانی وقفہ کے گناہوں کا کفارہ کرنے والے ہیں جبکہ بڑے گناہوں سے پرہیز کیا جائے۔ (صحیح مسلم صفحہ ۱۲۱: ج۱)

اور صحیح مسلم صفحہ ۱۲۱: ج۱ کی ایک حدیث مرفوع میں یوں ہے کہ: ((مامن امرء مسلم تحضره صلوة مكتوبة فيحسن وضوءها وخشوعها وركوعها الا كانت كفارة لما قبلها من الذنوب مالم يوت كبيرة)) (یعنی جس مسلمان کی موجودگی میں فرض نماز کا وقت ہو گیا اور اس نے اچھی طرح وضو کیا اور اس کا رکوع سجود بھی اچھی طرح ادا کیا تو اس سے اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا، جب تک کہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ ہو۔

ان حدیثوں میں بظاہر وہی بات ہے کہ جب بڑے گناہوں سے پرہیز کیا جائے گا تو نیکیوں سے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا، لیکن علامہ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

معناه ان الذنوب كلها تغفر الا الكبائر فانها لا تغفر وليس المراد ان الذنوب تغفر مالم تكن كبيرة فان كانت لا يغفر شيء من الصغائر فان هذا وان كان محتملا فسياق الحديث ياباه قال القاضي عياض هذا المذكور في الحديث من غفران الذنوب مالم يوت كبيرة هو مذهب اهل السنة وان الكبائر انما يغفرها التوبة ورحمة الله تعالى وفضله والله اعلم۔ (شرح صحیح مسلم صفحہ ۱۲۱: ج۱)

مطلب یہ ہے کہ نیکیوں کے ذریعہ جو گناہ معاف ہونے کا وعدہ ہے یہ صغیرہ گناہوں سے متعلق ہے کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہ ہوں گے، اور یہ مطلب نہیں ہے کہ بڑے گناہ نہ ہوں تو چھوٹے گناہ معاف ہوں گے، ظاہری الفاظ میں اس معنی کا احتمال تو ہے لیکن حدیث کا سیاق اس سے انکار کرتا ہے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جو حدیث میں گناہوں کی مغفرت کا ذکر ہوا کہ جب تک کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ ہو صغائر معاف کر دیے جائیں گے یہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے، اور کبائر صرف توبہ سے یا اللہ کی رحمت وفضل سے معاف ہوں گے، بظاہر آیت شریفہ: اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ اور حدیث: ((اذا اجتنبت الکبائر)) اور ((مالم یوت کبیرة)) سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ بڑے گناہوں کے ہوتے ہوئے چھوٹے گناہوں کا کفارہ نہ ہوگا، لیکن علامہ نووی فرماتے ہیں کہ حدیث کا یہ مطلب نہیں اگرچہ محتمل ہے، امام نووی نے جو بات فرمائی ہے اور جو بات قاضی عیاض سے نقل کی ہے اور جو کچھ علامہ نسفی نے لکھا ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے آیت اور حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم چاہیں گے تو تمہارے سارے گناہوں کا کفارہ کر دیں گے بشرطیکہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ ہو (کبیرہ گناہوں کا کفارہ نہ ہوگا کیونکہ ان کی مغفرت اور کفارہ کے لیے توبہ شرط ہے)۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی بات ان نصوص کی وجہ سے دل کو لگتی ہے جن میں اعمال صالحہ کے ذریعہ گناہوں کے کفارہ کا تذکرہ ہے اور اس میں کبیرہ گناہوں سے بچنے کی کوئی قید یا شرط نہیں سورۃ ہود میں فرمایا ہے: اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ (کہ بلاشبہ نیکیاں گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا اور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے واقعہ کی خبر دی تو اللہ تعالیٰ نے آیت: وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝ نازل فرمائی اس شخص نے عرض کیا کہ یہ بشارت میرے ہی لیے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میری امت کے تمام افراد کے لیے (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۵۸: ج۱) آیت بالا کے الفاظ میں جو عموم ہے اس سے بھی یہ

معلوم ہو رہا ہے کہ نیکیوں کے ذریعہ گناہ معاف ہوتے ہیں اور بے شمار احادیث میں ان نیکیوں کا ذکر ہے جن کے ذریعہ گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے، جن کا شمار کرنا مشکل ہے۔

لفظ اِنْ تَجْتَنِبُوْا۔ سے شرط معلوم ہو رہی ہے اس کے بارے میں جو اکابر نے فرمایا ہے وہ ہم نے لکھ دیا ہے، بعض حضرات نے اور بھی توجیہات کی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ آیت کا تعلق گزشتہ آیت سے ہے، گزشتہ آیت میں یہ فرمایا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل ذریعہ سے مت کھاؤ اب یہاں یہ بات فرمائی کہ باطل مال لینے کے لیے کوئی شخص چلا جس کا ارادہ مثلاً غصب کرنے یا چوری کرنے کا تھا پھر وہ غصب یا چوری کرنے سے پہلے ہی گناہ کے ارادہ سے باز آ گیا تو ارتکاب کبیرہ کے لیے جو وہ اپنے گھر سے روانہ ہوا یہ روانگی اور وہ سب گناہ معاف ہو گئے جو غصب یا چوری کے ارتکاب کے لیے کیے تھے جب اس نے چوری اور غصب کو اللہ کے خوف سے چھوڑ دیا تو اس سلسلہ میں جو عمل کیے تھے وہ بھی معاف ہو گئے۔

اور بعض حضرات نے یوں فرمایا کہ: اِنْ تَجْتَنِبُوْا میں مفہوم شرط معتبر نہیں یعنی کبائر سے اجتناب کرنے کی وجہ سے تو صغیرہ گناہ معاف ہوں گے لیکن عدم اجتناب کبائر سے صغیرہ معاف نہ ہوں اس پر اس کی دلالت نہیں ہے۔

کبیـــرہ گناہ کون سے ہیں؟

کبیرہ گناہ کون سے ہیں اس کے بارے میں حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ نے کتاب الکبائر کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے اس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ ان کی تعیین میں حضرات علماء کے مختلف اقوال ہیں ایک یہ ہے کہ کبیرہ گناہ سات ہیں جنہیں بخاری و مسلم کی حدیث: ((اجتنبوا السبع الموبقات)) میں بیان فرمایا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ کبیرہ گناہ ستر کے قریب ہیں، پھر فرمایا ہے کہ جس حدیث میں سات گناہوں کا ذکر ہے اس میں حصر مقصود نہیں ہے، بلکہ اس میں بہت بڑے بڑے گناہوں کا تذکرہ فرما دیا ہے، نیز یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو کبیرہ گناہ ہیں ان میں خود فرق مراتب ہے، بعض بعض سے بڑے ہیں۔

علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں صفحہ ۱۵۹: ج ۳ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر دوزخ کے داخلے کی یا اللہ کے غصے کی یا لعنت کی یا عذاب کی وعید آئی ہو، نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ کبیرہ گناہ سات سو کے قریب ہیں، ساتھ ہی ان کا یہ مقولہ بھی نقل کیا ہے: لا کبیرۃ مع استغفار و لا صغیرۃ مع اصرار، یعنی جب استغفار ہوتا ہے تو کبیرہ کبیرہ نہیں رہتا۔ (بشرطیکہ استغفار سچے دل سے ہو، زبانی جمع خرچ نہ ہو) اور صغیرہ پر اصرار ہوتا ہے تو پھر وہ صغیرہ نہیں رہتا۔ پھر لکھتے ہیں:

وقد اختلف الناس فی تعدادها وحصرها اختلاف الآثار فیها، و الذی انزل انه قد جاءت فیها احادیث کثیرۃ صحاح و حسان لم یقصد به الحصر و لکنها بعضها اکبر من بعض الی مایکثر ضررہ و الی آخر ماقال۔

صغیرہ گناہ بھی گناہ ہے۔ اس سے بھی بچنا واجب ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بھی بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا بھی مواخذہ کرنے والے ہیں یعنی فرشتے جو نیکی بدی لکھنے پر مامور ہیں وہ ان کو بھی لکھتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۵۸)

فائدہ: صغیرہ گناہ کا ارتکاب اگر عذاب اور مواخذہ سے ڈرتے ہوئے کر لیا جائے تو صغیرہ ہے، اگر لاپرواہی سے کیا جائے اور یہ سمجھ کر کرے کہ اس میں کوئی بات نہیں تو پھر کبیرہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح صغیرہ پر اصرار کرنے یعنی بار بار ارتکاب کرنے سے بھی صغیرہ کبیرہ ہو جاتا ہے اور جس عمل کی جو ممانعت قرآن و حدیث میں وارد ہوئی ہے اس ممانعت کو کوئی حیثیت نہ دینا یہ کفر ہے۔ خواہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ....

شانِ نزول: وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ.... ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا مرد جہاد کرتے ہیں اور ہم جہاد نہیں کر سکتے اور ہمیں وراثت بھی آدھی ملتی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، یعنی تم ایسی چیزوں کی تمنا مت کیا کرو، جن میں اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے اور ان ہی کے بارے میں ان المسلمین و المسلمات کی آیت بھی نازل ہوئی ہے۔

اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت رسول اکرم ﷺ کے پاس آئی اور عرض کیا یا رسول اللہ مرد کو عورت سے دوگنا حصہ ملتا ہے اور دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے تو ہمارے عمل بھی کیا اسی طرح ہیں کہ اگر عورت کوئی نیکی کرے تو اسے آدھا ثواب ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ)

امورِ اختیاریہ اور غیر اختیاریہ کی تمنا کرنا:

آیت میں ان غیر اختیاری فضائل کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے جو دوسروں کو حاصل ہوں........ وجہ یہ ہے کہ انسان جب اپنے آپ کو دوسروں سے مال و دولت، آرام و عیش، حسن و خوبی، علم و فضل وغیرہ میں کم پاتا ہے تو عادۃً اس کے دل میں ایک مادہ حسد کا ابھرتا ہے، جس کا تقاضا کم سے کم یہ ہوتا ہے کہ میں بھی اس کے برابر یا زیادہ ہو جاؤں اور بسا اوقات اس پر قدرت نہیں ہوتی، کیونکہ بہت سے کمالات ایسے ہیں جن میں انسان کے سعی و عمل کو کوئی دخل نہیں وہ محض قدرت کے انعامات ہوتے ہیں جیسے کسی شخص کا مرد ہونا، یا کسی اعلیٰ خاندان نبوت میں یا خاندان حکومت میں پیدا ہونا، یا حسین و خوبصورت پیدا ہونا وغیرہ کہ جس شخص کو یہ انعامات حاصل نہیں، وہ اگر عمر بھر اس کی کوشش کرے کہ مثلاً مرد ہو جائے یا خاندانی سید بن جائے، اس کا ناک نقشہ قد و قامت حسین ہو جائے تو یہ اس کی قدرت میں نہیں، نہ کسی دوا اور علاج یا تدبیر سے وہ ان چیزوں کو حاصل کر سکتا ہے اور جب دوسرے کی برابری پر قدرت نہیں ہوتی تو اب اس کے نفس میں یہ خواہش جگہ پڑتی ہے کہ دوسروں سے بھی یہ نعمت چھن جائے یہ بھی بہت بری خصلت ہے اور دنیا کے بہت سے جھگڑوں اور فسادات قتل و غارت گری کا سبب ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت نے اس فساد کا دروازہ بند کرنے کے لئے ارشاد فرمایا: وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے بہ تقاضائے حکمت و مصلحت جو کمالات و فضائل لوگوں میں تقسیم فرمائے ہیں کسی کو کوئی وصف دے دیا کسی کو کوئی، کسی کو کم کسی کو زیادہ، اس میں ہر شخص کو اپنی قسمت پر راضی اور خوش رہنا چاہئے، دوسرے کے فضائل وکمالات کی تمنا میں نہ پڑنا چاہئے کہ اس کا نتیجہ اپنے لئے رنج و غم اور حسد کے گناہ عظیم کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

جس کو حق تعالیٰ نے مرد بنا دیا وہ اس پر شکر ادا کرے جس کو عورت بنا دیا وہ اسی پر راضی رہے اور سمجھے کہ اگر وہ مرد ہو جاتی تو شاید مردوں کی ذمہ داریوں کو پورا نہ کر سکتی اور گنہگار ہو جاتی جس کو اللہ تعالیٰ نے خوبصورت پیدا کیا ہے وہ اس پر شکر گزار ہو کہ اس کو ایک نعمت ملی اور جو بدصورت ہے وہ بھی رنجیدہ نہ ہو اور سمجھے کہ میرے لئے اسی میں کوئی خیر مقدر ہوگی، اگر مجھے حسن و جمال ملتا تو شاید کسی فتنہ اور خرابی میں مبتلا ہو جاتا جو شخص نسب کے اعتبار سے سید ہاشمی ہے وہ اس پر شکر کرے کہ یہ نسبت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اور جس کو یہ نسبت حاصل نہیں وہ اس فکر میں نہ پڑے اور اس کی تمنا بھی نہ کرے، کیونکہ یہ چیز کسی کو کوشش سے حاصل ہونے والی نہیں اس کی تمنا اس کو گناہ میں مبتلا کر دے گی اور بجز رنج و غم کے کچھ حاصل نہ ہوگا بجائے نسب پر افسوس کرنے کے اعمال صالحہ کی فکر میں زیادہ پڑے، ایسا کرنے سے وہ بڑے نسب والوں سے بڑھ سکتا ہے۔

بعض آیات قرآنی اور ارشادات نبوی میں ((مسابقت فی الخیرات)) یعنی نیک کاموں میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کا حکم یا دوسروں کے فضائل وکمالات کو دیکھ کر ان کی تحصیل کے لئے سعی و عمل اور جدوجہد کی ترغیب آئی ہے تو وہ ان اعمال وافعال سے متعلق ہے جو انسان کے اختیار میں ہیں اور کسب واکتساب سے حاصل ہو سکتے ہیں، مثلاً علمی فضائل اور عملی واخلاقی کمالات بھی کے دیکھ کر ان کے حاصل کرنے کی جدوجہد مستحسن اور پسندیدہ عمل ہے، یہ آیت اس کے منافی نہیں، بلکہ آیت کا آخری حصہ اس کی تائید کر رہا ہے، جس میں ارشاد ہے: لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۚ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۔ یعنی جو کوئی چیز مردوں نے کسب و عمل کے ذریعہ حاصل کی ان کو اس کا حصہ ملے گا اور جو عورتوں نے سعی و عمل کے ذریعہ حاصل کی ان کو اس کا حصہ ملے گا۔ منجملہ اس کے تمہارا حال بھی ہے اور یہ حکم آیت کریمہ: وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ سے منسوخ ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ مُسَلَّطُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ يُؤَدِّبُوْنَهُنَّ وَيَاْخُذُوْنَ عَلٰى اَيْدِيْهِنَّ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اَيْ بِتَفْضِيْلِهٖ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ بِالْعِلْمِ وَالْعَقْلِ وَالْوِلَايَةِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا عَلَيْهِنَّ مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ مِنْهُنَّ قٰنِتٰتٌ مُطِيْعَاتٌ لِاَزْوَاجِهِنَّ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ اَيْ لِفُرُوْجِهِنَّ وَغَيْرِهَا فِيْ غَيْبَةِ اَزْوَاجِهِنَّ بِمَا حَفِظَ هُنَّ اللّٰهُ ۭ حَيْثُ اَوْصٰى عَلَيْهِنَّ الْاَزْوَاجَ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ عِصْيَانَهُنَّ لَكُمْ بِاَنْ ظَهَرَتْ اَمَارَاتُهٗ فَعِظُوْهُنَّ فَخَوِّفُوْهُنَّ مِنَ اللّٰهِ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ اِعْتَزِلُوْا

اِلٰى فِرَاشٍ اٰخَرَ اِنْ اَظْهَرْنَ النُّشُوْزَ وَ اضْرِبُوْهُنَّ ۚ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ اِنْ لَّمْ يَرْجِعْنَ بِالْهِجْرَانِ فَاِنْ
اَطَعْنَكُمْ فِيْمَا يُرَادُ مِنْهُنَّ فَلَا تَبْغُوْا تَطْلُبُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ طَرِيْقًا اِلٰى ضَرْبِهِنَّ ظُلْمًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝۳۴ فَاحْذَرُوْهُ اَنْ يُّعَاقِبَكُمْ اِنْ ظَلَمْتُمُوْهُنَّ وَ اِنْ خِفْتُمْ عَلِمْتُمْ شِقَاقَ خِلَافَ بَيْنِهِمَا
بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ وَالْاِضَافَةُ لِلْاِتِّسَاعِ اَيْ شِقَاقًا بَيْنَهُمَا فَابْعَثُوْا اِلَيْهِمَا بِرِضَاهُمَا حَكَمًا رَجُلًا عَدْلًا مِّنْ
اَهْلِهٖ اَقَارِبِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ وَيُوَكِّلُ الزَّوْجُ حَكَمَهٗ فِيْ طَلَاقٍ وَقَبُوْلِ عِوَضٍ عَلَيْهِ وَتُوَكِّلُ هِيَ
حَكَمَهَا فِي الْاِخْتِلَاعِ فَيَجْتَهِدَانِ وَيَاْمُرَانِ الظَّالِمَ بِالرُّجُوْعِ اَوْ يُفَرِّقَانِ اِنْ رَاَيَاهُ قَالَ تَعَالٰى اِنْ يُّرِيْدَآ
اَيِ الْحَكَمَانِ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ اَيْ يُقَدِّرُهُمَا عَلٰى مَا هُوَ الطَّاعَةُ مِنْ اِصْلَاحٍ
اَوْ فِرَاقٍ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا بِكُلِّ شَيْءٍ خَبِيْرًا ۝۳۵ بِالْبَوَاطِنِ كَالظَّوَاهِرِ وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحِّدُوْهُ وَ لَا
تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ اَحْسِنُوْا بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا بِرًّا وَلِيْنَ جَانِبٍ وَّ بِذِي الْقُرْبٰى الْقَرَابَةِ وَ الْيَتٰمٰى وَ
الْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى الْقَرِيْبِ مِنْكَ فِي الْجِوَارِ اَوِ النَّسَبِ وَ الْجَارِ الْجُنُبِ الْبَعِيْدِ عَنْكَ فِي
الْجِوَارِ اَوِ النَّسَبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ الرَّفِيْقِ فِيْ سَفَرٍ اَوْ صِنَاعَةٍ وَقِيْلَ الزَّوْجَةُ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ۙ
الْمُنْقَطِعِ فِيْ سَفَرِهٖ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ الْاَرِقَّاءِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا مُتَكَبِّرًا
فَخُوْرَا ۝۳۶ عَلَى النَّاسِ بِمَا اُوْتِيَ الَّذِيْنَ مُبْتَدَاٌ يَبْخَلُوْنَ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ
بِهٖ وَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ مِنَ الْعِلْمِ وَالْمَالِ وَهُمُ الْيَهُوْدُ وَخَبَرُ الْمُبْتَدَاِ لَهُمْ وَعِيْدٌ شَدِيْدٌ وَ
اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ بِذٰلِكَ وَبِغَيْرِهٖ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۳۷ ذَا اِهَانَةٍ وَ الَّذِيْنَ عَطْفٌ عَلَى الَّذِيْنَ قَبْلَهٗ يُنْفِقُوْنَ
اَمْوَالَهُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ مُرَائِيْنَ لَهُمْ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ كَالْمُنَافِقِيْنَ وَاَهْلِ مَكَّةَ
وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا صَاحِبًا يَعْمَلُ بِاَمْرِهٖ كَهٰؤُلَاءِ فَسَاۗءَ بِئْسَ قَرِيْنًا ۝۳۸ هُوَ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ
اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۭ اَيْ اَيُّ ضَرَرٍ عَلَيْهِمْ فِيْ ذٰلِكَ وَالْاِسْتِفْهَامُ
لِلْاِنْكَارِ وَلَوْ مَصْدَرِيَّةٌ اَيْ لَا ضَرَرَ فِيْهِ وَاِنَّمَا الضَّرَرُ فِيْمَا هُمْ عَلَيْهِ وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۝۳۹ فَيُجَازِيْهِمْ

بِمَا عَمِلُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ اَحَدًا مِثْقَالَ وَزْنَ ذَرَّةٍ اَصْغَرَ نَمْلَةٍ بِاَنْ يَّنْقُصَهَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ اَوْ يَزِيْدَهَا
فِىْ سَيِّاٰتِهٖ وَ اِنْ تَكُ الذَّرَّةُ حَسَنَةً مِنْ مُؤْمِنٍ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ فَكَانَ تَامَّةً يُّضٰعِفْهَا مِنْ عَشْرٍ اِلٰى
اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِمِائَةٍ وَفِىْ قِرَاءَةٍ يُضَعِّفُهَا بِالتَّشْدِيْدِ وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ مِنْ عِنْدِهٖ مَعَ الْمُضَاعَفَةِ اَجْرًا
عَظِيْمًا ۝ لَا يَقْدِرُهٗ اَحَدٌ فَكَيْفَ حَالُ الْكُفَّارِ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ يَشْهَدُ عَلَيْهَا بِعَمَلِهَا وَهُوَ
نَبِيُّهَا وَّ جِئْنَا بِكَ يَا مُحَمَّدُ عَلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا ۝ يَوْمَئِذٍ يَوْمَ الْمَجِيْءِ يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا
الرَّسُوْلَ لَوْ اَىْ اَنْ تُسَوّٰى بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَالْفَاعِلِ مَعَ حَذْفِ اِحْدَى التَّائَيْنِ فِى الْاَصْلِ وَمَعَ اِدْغَامِهَا
فِى السِّيْنِ اَىْ تَتَسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ بِاَنْ يَّكُوْنُوْا تُرَابًا مِثْلَهَا لِعِظَمِ هَوْلِهٖ كَمَا فِىْ اٰيَةٍ اُخْرٰى وَيَقُوْلُ
الْكَافِرُ يٰلَيْتَنِىْ كُنْتُ تُرَابًا وَ لَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۝ عَمَّا عَمِلُوْهُ وَفِىْ وَقْتٍ اٰخَرَ يَكْتُمُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ
وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ۔

ترجمہ: مرد حاکم ہیں غالب کر دیئے گئے ہیں عورتوں پر انہیں ادب سکھاتے اور مہذب بناتے ہیں اور ان کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں یعنی روک تھام رکھتے ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض یعنی مرد کو بعض عورت پر تخلیقی فضیلت دی ہے۔ بِتَفْضِيْلِهٖ لَهُمْ لِلْاٰيَةِ اَىْ بِتَفْضِيْلِ اللّٰهِ: یعنی بوجہ فضیلت دینے اللہ تعالیٰ کے مردوں کو عورتوں پر علم اور عقل اور ولایت یعنی حسن تدبیر، جسمانی قوت میں۔ وَبِمَآ اَنْفَقُوْا (لِلْاٰيَةِ) اور یعنی حاکم ہونے کی دوسری وجہ اس سبب سے کہ مردوں نے خرچ کیے عورتوں پر اپنے مال مہر میں اور نان نفقہ میں اور یہ وجہ کسبی و اختیاری ہے پس جو نیک ہیں ان عورتوں میں سے وہ فرمانبردار ہیں اپنے شوہروں کی اطاعت کرتی ہیں اور نگہداشت کرتی ہیں غیر موجودگی میں یعنی اپنے شوہر کے پیچھے میں اپنی عزت آبرو اور اس کے علاوہ یعنی اموال شوہر کی حفاظت کرتی ہیں بحفاظت الٰہی یعنی اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ ان کے بارے میں شوہروں کو بھلائی کرنے کا حکم دیا اور عورتوں کو حفاظت کی توفیق عنایت کی اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو یعنی ان کی نافرمانی کا تمہیں خوف ہو یا بایں صورت کہ نافرمانی کے قرائن و علامات ظاہر ہو رہے ہوں تو انہیں پہلے زبانی نصیحت کرو انہیں اللہ تعالیٰ سے خوف دلاؤ، اللہ کی وعید و عذاب سے ڈراؤ اور ان کو ان کی خوابگاہوں میں تنہا چھوڑ دو یعنی نصیحت کے بعد اگر سرکشی ظاہر کریں تو تم الگ دوسرے بستر پر ہو جاؤ اور انہیں مارو ایسی مار جو مولم سخت تکلیف دہ نہ ہو یعنی ہلکی مار بشرطیکہ علیحدگی سے ٹھیک نہ ہوں پھر اگر وہ تمہاری مطیع ہو جائیں ان چیزوں میں جو ان سے جائز مراد ہو تو مت تلاش کرو مت ڈھونڈھو ان پر بہانہ یعنی خواہ مخواہ ان پر ظلم و زیادتی کے لیے بہانہ مت تلاش کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی رفعت والے اور عظمت والے ہیں پس تم اللہ سے ڈرو کہ اگر تم نے ناحق ان عورتوں پر ظلم کیا تو تمہیں سزا دیں گے اور اگر اے حکام یا اے سرداران قوم تمہیں اندیشہ ہو قرائن سے معلوم ہو

ان دونوں میاں بیوی کے درمیان مخالفت کا شقاق کی اضافت بین کی طرف بطور توسع ہے۔ اَیْ شِقَاقًا بَیْنَھُمَا، فَابْعَثُوْا الآیۃ تو بھیجو ان دونوں میاں بیوی کے پاس دونوں کی رضامندی سے ایک حکم یعنی ایسا منصف مرد جو فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو مرد کے خاندان میں سے قرابتداروں میں سے اور ایک حکم عورت کے اقارب میں سے شوہر اپنے حکم کو طلاق اور عوض طلاق کی قبولیت کا وکیل بنادے اور وہ عورت وکیل بنادے اپنے حکم کو خلع کی منظوری کا۔ پس دونوں حکم موافقت و مصالحت کی کوشش کریں گے اور دونوں حکم ظالم کو ظلم سے رجوع کرنے کا حکم دیں گے یا دونوں میاں بیوی میں تفریق کردیں گے اگر دونوں نے اسی کو مناسب سمجھا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والے خبردار ہیں یعنی بواطن سے بھی خوب واقف ہیں ظواہر کی طرح۔ اور تم سب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کو ایک مانو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو مفسر علامہؒ نے اَحْسِنُوْا کی تقدیر نکال کر اشارہ کیا ہے کہ اِحْسَانًا مفعول مطلق ہے فعل محذوف کا بر اولی جانب یعنی فرمانبرداری کرکے اور پہلو نرم کرکے مطلب یہ ہے کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک یہ ہے کہ ان کی عظمت و بزرگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی خدمت اور فرمانبرداری کرو اور قرابتداروں کے ساتھ قربیٰ اسم مصدر بمعنی قرابت ہے اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور قریب کے پڑوسی کے ساتھ جو تجھ سے پڑوس کے لحاظ سے قریب ہوں یعنی متصل ہمسایہ یا نسب کے لحاظ سے قریب ہوں یعنی رشتہ دار اور دور کے پڑوسی کے ساتھ جو تجھ سے پڑوس یا نسب کے لحاظ سے دور ہوں اور پہلو کے ساتھی کے ساتھ سفر کے رفیق یا پیشہ کے ساتھی یا مدرسہ کے ہم سبق وغیرہ ہوں بعض حضرات نے پہلو کے ساتھی سے بیوی مراد لیا ہے غرض ان مذکورین کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور مسافر کے ساتھ جو اپنے قافلہ سے بچھڑ گئے، یہ تفسیر مفسرؒ نے کی ہے لیکن اگر ابن السبیل کی تفسیر اَلْمُنْقَطِعِ فِیْ سَفَرِہٖ کے بجائے الغریب بمعنی پردیسی یا المسافر سے کرتے تو زیادہ مناسب ہوتا۔ والاظہر ان یقول ای المسافر من غیر قید الانقطاع (جمل، ج:۱، ص:۳۸۱) اور بعض مفسرین کے نزدیک ابن السبیل سے مراد مہمان ہے اور اچھا سلوک کرو ان لوگوں کے ساتھ جن کے مالک تمہارے ساتھ ہو گئے ہیں یعنی مملوک خواہ غلام ہو یا باندی ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں سے محبت نہیں رکھتے جو مغرور متکبر اور فخر کرنے والا ہو یعنی لوگوں کے مقابلہ میں ان نعمتوں کے ساتھ جو دیئے گئے اور جو لوگ یہ مبتدا ہے خود بخل کرتے ہیں یعنی جو ان پر واجب ہے ادا نہیں کرتے اور لوگوں کو بھی سکھاتے ہیں۔ ای بالبخل بما یجب علیھم یعنی ادائے واجب میں بخل کی تعلیم دیتے ہیں اور اس چیز کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دی ہے یعنی علم اور مال اور مراد اس سے یہود ہیں اور مبتداء یعنی اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ کی خبر لَھُمْ وَعِیْدٌ شَدِیْدٌ محذوف ہے جس پر آئندہ کی عبارت: وَاَعْتَدْنَا الآیۃ قرینہ ہے اور ہم نے تیار رکھا ہے منکروں کے لیے یعنی اس نعمت مال اور اس کے علاوہ مثلاً بعثت رسالت کی نعمت کے منکرین کے لیے ذلیل کردینے والا عذاب، اہانت آمیز عذاب۔ وَالَّذِیْنَ اس کا عطف ماقبل کے اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ پر ہے اس صورت میں خبر محذوف لَھُمْ وَعِیْدٌ شَدِیْدٌ دونوں کے حق میں ہوگی اور جو لوگ کہ اپنے مالوں کو محض لوگوں کے دکھلانے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ مُرَائِیْنَ لَھُمْ رِئَاءَ النَّاسِ یعنی محض لوگوں کے دکھانے کے لیے، مفسرؒ نے اس عبارت سے اشارہ کردیا کہ رِئَاءَ مصدر بمعنی مُرَائِیْنَ اسم فاعل

ہے اور یُنۡفِقُوۡنَ کے فاعل سے حال ہو رہا ہے اور درحقیقت نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز آخرت پر مانند منافقوں اور اہل مکہ کے یعنی ان کا بھی یہی حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے محبت نہیں اور سچی بات یہ ہے کہ شیطان جس کا ساتھی ہو یعنی ایسا دوست کہ اسی کے حکم کے موافق عمل کرنے لگا جیسے منافقین اور اہل مکہ تو یہ برا ساتھی ہے مفسرؒ نے بتایا کہ فَسَآءَ بمعنی بِئۡسَ ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے۔ ھُوَ یعنی یہ شیطان۔ مَاذَا عَلَیۡهِمۡ (الآیۃ) اور ان پر کیا آفت آ جاتی اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان لے آتے اور جو کچھ اللہ نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے یعنی اس میں ان کا کیا نقصان ہو جاتا؟ استفہام انکاری ہے اور لَوۡ مصدریہ ہے۔ اَیۡ لَا ضَرَرَ فِیۡهِ یعنی اس ایمان وانفاق میں کچھ نقصان نہیں تھا نقصان تو اسی حال میں ہے جس پردہ فی الحال ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتے ہیں چنانچہ انہیں ان کے کئے کا بدلہ دیں گے پس ایمان وانفاق پر ثواب دیں گے اور کفر وبخل وغیرہ پر سزا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظۡلِمُ (الآیۃ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ کے برابر بھی ظلم نہیں کریں گے یعنی سب سے چھوٹی چیونٹی کے وزن کے برابر بھی ظلم نہیں کریں گے کہ اس کی نیکیوں میں سے ذرہ برابر کم کر دیں یا اس کے گناہوں میں ذرہ برابر بڑھا دیں اور اگر ذرہ برابر نیکی ہوگی مؤمن سے ایک قراءت میں حَسَنَةٌ رفع کے ساتھ ہے اس صورت میں کان تامہ ہوگا) تو اللہ تعالیٰ اس نیکی کو کئی گنا بڑھا دیں گے (یعنی اس کا ثواب دس گونہ سے لے کر سات سو گونہ سے زائد تک، ای یضاعف ثوابھا بحذف المضاف اور ایک قراءت میں یُضَعِّفۡهَا تشدید عین کے ساتھ معنی میں کوئی فرق نہ ہوگا کیوں کہ مفاعلت سے مضاعفت کے معنی اور تفعیل سے تضعیف کے معنی ہیں دو چند کرنا، کئی گنا کر دینا اور اپنے پاس سے دیں گے یعنی دو چند اضافہ کے ساتھ ساتھ اپنی طرف سے بطور انعام دیں گے اجر عظیم ایسا بڑا اجر جو کسی کی طاقت میں نہیں ہوگا۔ فَكَیۡفَ (الآیۃ) پھر کیا ہوگا کافروں کا حال جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ حاضر کریں ہے جو ان کے خلاف ان کے عمل کی گواہی دے گا اور وہ گواہ اس امت کا نبی ہوگا مطلب یہ ہے کہ ہر امت وقوم کا نبی ان کے کاموں پر گواہی دے گا اور ہم آپ کو اے محمدؐ! ان سب پر گواہی دینے کے لیے بلا دیں گے اس روز طلبی کے روز وہ سب جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور رسول کا کہنا نہ مانا ہوگا تمنا کریں گے کہ کاش زمین ان کے ساتھ برابر کر دی جائے لَوۡ اَیۡ اَنۡ یعنی لَوۡ یہاں ان مصدریہ کے معنی میں ہے اور تسوی مجہول اور معروف دونوں طرح ہے مَعَ حَذۡفِ اِحۡدَی التَّائَیۡنِ یعنی معروف کی صورت میں پھر دو قراءت ہیں: (۱) اصل میں دو تا تھیں تُتَسَوّٰی ایک تاء کو حذف کر کے تَسَوّٰی بفتح التاء پڑھتے ہیں۔ دوسری قراءت مَعَ اِدۡغَامِهَا فِی السِّیۡنِ یعنی دوسری قراءت تاء کو سین سے بدل کر سین میں ادغام کے ساتھ تَسَّوّٰی پس اس تیسری قراءت میں سین بھی مشدد ہوگا اور واو بھی مشدد۔ بِهِمُ الۡاَرۡضُ یہ الۡاَرۡضُ مفعول مالم یسم فاعلہ ہے تُسَوّٰی فعل مجہول کا، مفسر علامؒ اس کی تفسیر کرتے ہیں۔ بِاَنۡ یَكُوۡنُوۡا تُرَابًا مِّثۡلَهَا یعنی کاش اس زمین کی طرح مٹی ہو جاتے، خاک میں مل کر جانوروں کی طرح نیست ونابود ہو جاتے۔ لِعِظَمِ هَوۡلِهٖ: اس روز کی شدت خوف کی وجہ سے یہ تمنا کریں گے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: وَیَقُوۡلُ الۡكَافِرُ یٰلَیۡتَنِیۡ كُنۡتُ تُرَابًا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ بِهِمۡ بمعنی علیھم ہے زمین ان کے اوپر برابر کر دی جاتی، مطلب یہ ہے کہ کفار آرزو کریں گے کہ زمین پھٹ جائے اور ہم سما جائیں پھر اوپر سے زمین برابر کر دی جائے۔ وَلَا

يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿٤٢﴾ اور اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے اپنے اعمال و کرتوت میں سے اور دوسرے وقت میں چھپائیں گے جیسا کہ سورۂ انعام میں ہے: وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ، یعنی کفار کہیں گے قسم اللہ کی جو ہمارا پروردگار ہے ہم مشرک نہیں تھے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: وَغَيْرِ ذٰلِكَ : مثلاً نبوت، امامت، حکومت، جہاد کی فرضیت اور انعقاد جمعہ وغیرہ۔

قوله: لِفُرُوْجِهِنَّ : اس سے اشارہ کیا کہ حٰفِظٰتٌ کا مفعول محذوف ہے اور لِّلْغَيْبِ میں لام فی کے معنی میں ہے۔

قوله: بِاَنْ ظَهَرَتْ : اس سے اشارہ کیا کہ محض خوف وخدشہ نشوز معتبر نہیں، ظہور نشوز پر ترتب احکام ہے۔ فتدبر

قوله: وَالْاِضَافَةُ لِلْاِتِّسَاعِ : اجزاء ظرف کو مفعول بہ کے قائم مقام لا سکتے ہیں۔

قوله: بِرِضَاهُمَا : اس قید کو بڑھایا کیونکہ اصلاحِ ذات البین کے لیے کوشش اور جمع وتفریق حکام واقرباء کی مرضی پر نہیں بلکہ زوجین کی مرضی پر موقوف ہے۔

قوله: اَحْسِنُوْا : اس کو مقدر مانا کیونکہ اس کا ماقبل جملہ فعلیہ انشائیہ پر عطف درست نہ بنتا سوائے تقدیر کے۔

قوله: مُبْتَدَأٌ : یہ کہہ کر ان لوگوں کی تردید کی جو کہتے ہیں کہ ان الذین یہ من کی صفت ہے کیونکہ اس کی جنس ہے، فتدبر۔

قوله: بِذٰلِكَ وَبِغَيْرِهٖ : ضمیر کی جگہ ظاہر لانے کا فائدہ تعمیم کو ثابت کرتا ہے۔

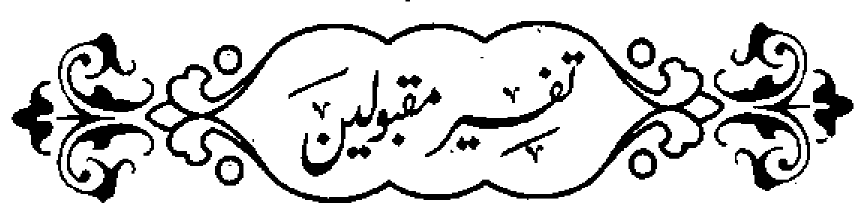
قوله: مُرَائِيْنَ لَهُمْ : اس سے اشارہ کیا کہ مشتق کی تاویل سے رِئَآءَ حال ہے، مفعول لہ نہیں کیونکہ اور غرض بھی اس میں شامل رہے گی۔

قوله: لَوْ مَصْدَرِيَّةٌ : کیونکہ جزاء کا یہاں لفظ وتقدیر دونوں میں نشان تک نہیں۔

قوله: حَالُ الْكُفَّارِ : کفار کے حال کو مقدر مانا کیونکہ کیف حال دریافت کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے اور مؤمن کا حال وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً میں موجود ہے۔

قوله: تُرَابًا : تسویۃ الارض یہ عدم خلق یا عدم بعث سے کنایہ ہے۔ بِهِمُ کی با مع کے معنی میں صلہ کے طور پر آتی ہے۔

قوله: وَ فِيْ وَقْتٍ اٰخَرَ : کتمان کی نفی ایک وقت پر محمول ہے جبکہ ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی کیونکہ ان کے جوارح گواہی دیں گے۔ پس کتمان مہر سے پہلے وقت پر محمول ہے۔



اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ....

شانِ نزول: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ.... مقاتل کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ سعد بن ربیع کے بارے میں نازل ہوئی ہے یہ نقباء (سرداروں) میں سے تھے ان کی بیوی حبیبہ بنت زید بن ابی ہریرہ تھی یہ دونوں انصار میں سے تھے ایک مرتبہ ان کی بیوی نے ان کی نافرمانی کی تو انہوں نے اسے طمانچہ مارا بیوی اپنے والد کے ساتھ نبی کی خدمت میں آئی اور والد نے کہا کہ میں نے اپنی محبوب بیٹی اس کے نکاح میں دی اور وہ اسے طمانچہ مارتا ہے تو نبی نے فرمایا کہ یہ اپنے شوہر سے قصاص لے گی چنانچہ یہ اپنے والد کے ساتھ شوہر سے قصاص لینے کے لیے گئی نبی نے فرمایا کہ واپس لوٹو یہ جبرائیل ہمارے پاس تشریف لائے ہیں اور اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے اور آپ نے فرمایا ہم نے ایک بات کا ارادہ کیا اور اللہ نے بھی ایک بات کا ارادہ کیا اور جس چیز کا ارادہ اللہ نے فرمایا وہی بہتر ہے اور یہ فرما کر قصاص کو ختم کر دیا۔ (قرطبی)

مرد عورتوں پر حاکم ہیں:

آیت بالا میں اول تو یہ فرمایا کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں اور ساتھ اس کے دو سبب بیان فرمائے اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، جس میں یہ بھی ہے کہ عموماً مردوں کی سمجھ زیادہ ہوتی ہے اور ان کے فکر میں بہت کچھ نشیب و فراز آتا رہتا ہے وہ پیش آنے والے حالات کے پھیلاؤ اور گہراؤ کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں ان کی نارسا فہم وہاں تک نہیں پہنچتی جہاں تک مردوں کی رسائی ہوتی ہے۔ لہٰذا جن گھریلو معاملات میں اختلاف ہو جائے اور کوئی بھی قضیہ کھڑا ہو جائے اس میں مردوں کی رائے معتبر ہوگی اور مرد جو کہیں گے اس کے مطابق عمل کرنا ہوگا، عورتیں محکوم ہیں وہ مردوں کی فرمانبرداری کریں، دوسرا سبب مردوں کے حاکم ہونے کا یہ بیان فرمایا کہ مرد عورتوں پر اپنے مال خرچ کرتے ہیں عورت کا نان ونفقہ، روٹی کپڑا مرد کے ذمہ ہے وہ چونکہ خرچ کرتا ہے اس لیے عورتوں کو پابند رہنا چاہیے۔ یہی عقل سلیم کا تقاضا ہے، عورت خرچہ تو لے مرد سے اور کرے اپنی من مانی یہ کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ بہت سی عورتیں جن کے مزاج میں نیکی ہوتی ہے وہ شوہر کی فرمانبردار ہوتی ہیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ اللہ کا حکم ہے کہ شوہر کی فرمانبرداری کریں اور عقل کا بھی یہی تقاضا ہے کہ شوہر کی فرمانبرداری کرتے ہوئے زندگی گزاریں۔

صالحات کی تعریف:

ایسی عورتوں کے بارے میں فرمایا: فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ کہ نیک عورتیں فرمانبرداری کرنے والی ہوتی ہیں۔ اللہ کی فرمانبرداری کرتی ہیں اور شوہروں کی فرمانبرداری بھی کرتی ہیں اور مرد گھر پر موجود نہ ہو تب بھی اپنی آبرو اور شوہر کے مال کی حفاظت کرتی ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس حفاظت اور نگہداشت کی توفیق دی ہے اور انہیں برائیوں سے بچایا ہے۔ (قال صاحب الروح صفحہ ۲۴: ج ۵)

فَالصَّالِحَاتُ مِنْهُنَّ مُطِيعَاتٌ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَلِاَزْوَاجِهِنَّ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ اي يَحْفَظْنَ اَنْفُسَهُنَّ وَ فُرُوْجَهُنَّ فِي حَالِ غَيْبَةِ اَزْوَاجِهِنَّ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ اي بِمَا حَفِظَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي مُهُوْرِهِنَّ وَ اِلْزَامِ اَزْوَاجِهِنَّ النفقة قال الزجاج و قيل بحفظ الله تعالى لهن و عصمته اياهن ولو لا ان الله

تعالیٰ حفظهن و عصمهن لما حفظن انتهی بحذف۔

حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَیۡبِ: کے عموم میں سب چیزیں داخل ہیں، مرد کے مال کی حفاظت کرنا، اس کی اولاد کی حفاظت کرنا۔ اور اپنی جان میں خیانت نہ کرنا یعنی دوسرے غیر مردوں کو گھر میں نہ آنے دینا۔ غیر مردوں سے تعلقات پیدا نہ کرنا۔ یہ سب اس کے عموم میں داخل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) سے سوال کیا گیا کہ عورتوں میں کون سی عورت بہتر ہے؟ فرمایا وہ عورت بہتر ہے کہ شوہر اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کرے اور حکم دے تو اس کی اطاعت کرے اور اپنی جان و مال کے بارے میں شوہر کی مخالفت نہ کرے (یعنی ایسے کام نہ کرے جو شوہر کو ناگوار ہوں)۔

(رواہ النسائی کما فی المشکوۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ (ﷺ) نے کہ جو عورتیں اونٹوں پر سوار ہیں (عرب عورتیں) ان میں سب سے بہتر قریش کی نیک عورتیں ہیں جو بچوں پر ان کی چھوٹی عمر میں بہت زیادہ شفقت کرنے والی ہوتی ہیں اور شوہر کے مال کی خوب زیادہ حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔ (رواہ البخاری صفحہ ۷۶۰: ج ۲)

معلوم ہوا کہ مؤمن عورت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ بچوں کی ہر طرح سے حفاظت کرے، اور شوہر کے مال کی بھی حفاظت کرے اس کے مال کو بے جا خرچ نہ کرے، اس کی مرضی کے خلاف نہ کرے۔ اور اپنی عفت و عصمت محفوظ رکھے۔ شوہر ہر وقت گھر میں نہیں رہتا۔ وہ بیوی کی اور اپنے مال کی اور اپنے بچوں کی ہر وقت دیکھ بھال نہیں کر سکتا۔ وہ کسب معاش اور دیگر ضروریات کے لیے گھر سے باہر چلا جاتا ہے اب عورت ہی کی ذمہ داری ہے کہ اپنی آبرو اور شوہر کی آبرو اور اپنے شوہر کے مال اور اپنی اولاد اور اپنے شوہر کی اولاد کی نگہداشت کرے۔ بچوں کی حفاظت اور نگہداشت میں یہ بھی شامل ہے کہ ان کی اچھی تربیت کرے دیندار اور خوش اخلاق بنائے اگر وہ بے علم، بے دین، بد اخلاق ہو گئے تو اس میں ان کی سراپا بربادی اور ہلاکت ہے۔

نافرمان عورتوں کے بارے میں ہدایات:

اس کے بعد ان عورتوں کے بارے میں کچھ ہدایات دیں جن کے مزاج میں نافرمانی ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: وَالّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَهُنَّ فَعِظُوۡهُنَّ وَاهۡجُرُوۡهُنَّ فِی الۡمَضَاجِعِ وَاضۡرِبُوۡهُنَّ ۚ کہ جن عورتوں کی نافرمانی کا خوف ہو (یعنی احتمال قوی ہو) ان کو ناصحانہ طور پر سمجھاؤ تاکہ وہ نافرمانی سے باز رہیں اگر وہ نہ مانیں نافرمانی پر ہی اتر آئیں تو ان کے بستروں میں لیٹنا چھوڑ دو، جو ایک سمجھدار وفادار دیندار عورت کے لیے اچھی خاصی سزا ہے۔ اگر یہ طریق کار کامیاب نہ ہو تو پھر مار پیٹ اختیار کر سکتے ہو۔ حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات میں جو رسول اللہ (ﷺ) نے خطبہ دیا اس میں یہ بھی تھا:

((فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِی النِّسَآءِ فَاِنَّكُمْ اَخَذْ تُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ وَ اسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ وَ لَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَّا يُوْطِئْنَ فُرُوْشَكُمْ اَحَداً تَكْرَهُوْنَه فَاِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْباً غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ)) "کہ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ کیونکہ تم

نے ان کو ایسے عہد کے ذریعہ لیا ہے جو تمہارے اور اللہ کے درمیان ہے اور تم نے ان کی شرمگاہ کو اللہ کی شریعت کے مطابق حلال کیا ہے ان پر تمہارا یہ حق ہے کہ تمہارے بستروں پر کسی کو نہ آنے دیں، جسے تم (غیرت ایمانی کی وجہ سے) ناگوار سمجھتے ہو، اگر وہ ایسا کریں تو تم ان کو ایسا مارنا مارو کہ جس سے ہڈی پسلی نہ ٹوٹے، اور تم پر ان کی خوراک اور پوشاک واجب ہے جسے اچھے طریقہ پر ادا کرو۔" (رواہ مسلم صفحہ ۳۹۷: ج۱)

معلوم ہوا کہ جن صورتوں میں مارنے کی اجازت ہے اس میں یہ بھی شرط ہے کہ سخت مار نہ مارے جس سے ہڈی پسلی ٹوٹ جائے یا اس طرح کی کوئی اور تکلیف پہنچ جائے۔ صاحب روح المعانی (صفحہ ۲۵: ج۵) لکھتے ہیں کہ اول نصیحت کرنا پھر ساتھ لیٹنا چھوڑ دینا پھر مارنا ترتیب کے ساتھ ہے۔

قال والذی یدل علیه السیاق والقرینة العقلیة ان هذه الامور الثلاثة مرتبة فاذا خیف نشوز المراة تنصح ثم تهجر ثم تضرب اذالو عکس استغنی بالاشد عن الاضعف۔

پھر فرمایا: (فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا) یعنی اگر عورتیں تمہاری فرمانبرداری کریں تو انہیں تکلیف دینے کا راستہ تلاش نہ کرو، ان پر کوئی زیادتی نہ کرو، ظلم سے پیش نہ آؤ زبانی ڈانٹ ڈپٹ سے بھی پرہیز کرو اور عملی طور پر بھی کوئی تکلیف نہ دو۔

قال صاحب الروح: فلاَ تَظْلِمُوْا سَبِيْلاً وَ طَرِيْقاً إِلَى التَّعَدِّيْ عَلَيْهِنَّ أَوْ تَظْلِمُوْهُنَّ بِطَرِيْقٍ مِّنَ الطُّرق بالتَّوْبِيْخِ اللِّسَانِيْ وَ الْأَذٰى الْفِعْلِيْ وغيره۔

اس میں ان لوگوں کو نصیحت ہے جو بیویوں کو خواہ مخواہ ساس نند کے اکسانے پر جھوٹی حکایتوں پر یا ان کاموں کے نہ کرنے پر سزا دیتے ہیں جو شرعاً ان کے ذمہ نہیں ہیں جو لوگ ضعیفوں پر ظلم کرتے ہیں انہیں یہ بھی سامنے رکھنا چاہیے کہ روز محشر میں پیشی ہوگی، اور ضعیف کو قوی سے بدلہ دیا جائے گا۔ آیت کے ختم پر جو (إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا ۝) فرمایا اس میں اس بات کو واضح طور پر بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ برتر ہے بڑا ہے اس کو سب پر قدرت ہے تمہیں جو اپنے ماتحتوں پر قدرت ہے اللہ تعالیٰ کو تم پر اس سے زیادہ قدرت ہے۔

قال صاحب الروح فاحذروا فان قدرته سبحانه علیکم اعظم من قدرتکم علی من تحت ایدیکم۔

عورتوں کو مارنے کے بارے میں تنبیہ:

یہ جو ارشاد فرمایا کہ ان کو نصیحت کرو اور ان کے بستروں میں ساتھ لیٹنا چھوڑ دو اس سے معلوم ہوا کہ ناراضگی میں گھر چھوڑ کر نہ نکل جائیں خود بھی گھر میں رہیں۔ بیوی بھی گھر میں رہے اور نافرمانی کی سزا کے طور پر ساتھ لیٹنا چھوڑ دیں۔ اگر گھر چھوڑ کر چلے گئے تو اس میں اور بہت سے خطرات ہیں۔ حضرت معاویہ قشیری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بیوی کا ہم پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا حق یہ ہے کہ جب تو کھائے تو اسے بھی کھلا اور جب تو پہنے اسے بھی پہنا، اور چہرہ پر نہ

مار اور برے الفاظ زبان سے نہ نکال اور اس سے تعلق مت چھوڑ مگر گھر میں رہتے ہوئے۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۲۹۱: ج۱)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں (صفحہ ۲۰: ج۵) کہ عورتوں کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کو برداشت کریں اور صبر سے کام لینا مارنے سے افضل ہے۔ ہاں اگر کوئی بہت ہی مجبوری پیش آجائے تو مار پیٹ سے کام چلالو۔ اور مارنے میں اعتدال ملحوظ رہے۔ سخت مار نہ دی جائے جیسا کہ اوپر گزرا۔ حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ اپنی بیویوں کو ایسے نہ مارو جیسے غلام کی پٹائی کی جاتی ہے کیونکہ اس کے بعد دن کے آخر حصہ میں اس سے جماع کرنے لگو گے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۷۸٤: ج۲)

مطلب یہ ہے کہ مرد کو عورت کی حاجت ہے اس سے مطلب نکلتا ہے ابھی تو مار بجائی پھر چند گھنٹے بعد ساتھ لیٹنے لگیں گے۔ اس وقت شریف الطبع آدمی کو لحاظ آئے گا ابھی تو اس کو مارا تھا اور اب اسے محبوبہ بنا کر ساتھ لٹالیا۔ ایسا کام نہ کرے جس سے خفت ہو، اپنے نفس کو بھی خفت محسوس ہوگی اور عورت کے دل میں عزت کم ہوگی، وہ کہے گی کہ یہ کیسا مرد مواہے ذرا سے میں کچھ ہے اور ذرا میں کچھ، صاحب روح المعانی صفحہ ۲۵: ج۵ پر لکھتے ہیں کہ مرد چار باتوں پر عورت کو مار سکتا ہے۔

(۱) بناؤ سنگھار چھوڑنے پر جبکہ شوہر اس کو چاہتا ہو۔

(۲) شوہر کے پاس آنے سے انکار کرنے پر جب کہ وہ اپنے بستر پر بلائے۔

(۳) فرض نماز اور فرض غسل چھوڑنے پر۔

(٤) گھر سے نکلنے پر جبکہ نکلنے کے لیے کوئی شرعی مجبوری نہ ہو۔

ان چار چیزوں جیسی کوئی اور بات ہو تو اس پر بھی سزا دی جا سکتی ہے۔

بائبل نے عورت کو کیا درجہ دیا ہے اس کا اندازہ ذیل کی عبارتوں سے ہوگا:۔ ''خداوند خدا نے۔۔۔۔ عورت سے کہا اپنے خصم کی طرف تیرا شوق ہوگا۔ اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا''۔ (پیدائش 16:3) ''اے بیویو اپنے شوہروں کی ایسے تابع رہو جیسے خداوند کی۔ کیونکہ شوہر بیوی کا سر ہے جیسے کہ مسیح کلیسا کا سر ہے۔ اور وہ خود بدن کا بچانے والا ہے۔ لیکن جیسے کلیسا مسیح کے تابع ہے ایسے ہی بیویاں بھی ہر بات میں اپنے شوہروں کے تابع ہوں''۔ (افسیوں 24:5) قرآن حق کا کلام ہے اور ہمیشہ حق ہی کہتا ہے اور کلیسا کی کونسلوں اور منوسمرتی کی طرح عورت کی تحقیر و تذلیل کا ہرگز قائل نہیں لیکن ساتھ ہی اسے جاہلیت قدیم و جاہلیت جدید کی زن پرستی سے بھی ہمدردی نہیں۔ وہ عورت کو ٹھیک وہی مرتبہ و مقام دیتا ہے جو نظام کائنات نے اسے دے رکھا ہے۔ بہ حیثیت ایک عبد اور مکلف مخلوق کے وہ مرد کے مساوی و ہم رتبہ ہے۔ لیکن دنیا کے انتظامی معاملات میں مرد کے ماتحت اور تابع ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا۔۔۔۔

یتامیٰ اور نساء اور ورثاء اور زوجین کے حقوق اور ان کے ساتھ حسن معاملہ کو بیان فرما کر اب یہ ارشاد ہے کہ ہر ایک کا حق درجہ بدرجہ تعلق کے موافق اور حاجت مندی کے مناسب ادا کرو۔ سب سے مقدم اللہ تعالیٰ کا حق ہے، پھر ماں باپ کا۔ پھر

درجہ بدرجہ سب واسطہ داروں اور حاجت مندوں کا اور ہمسایہ قریب اور غیر قریب سے مراد قرب و بعد نسبی ہے یا قرب و بعد مکانی۔ صورت اولیٰ میں یہ مطلب ہوگا کہ ہمسایہ قرابتی کا حق ہمسایہ اجنبی سے زیادہ ہوگا اور صورت ثانیہ کا مدعا یہ ہوگا کہ پاس کے ہمسایہ کا حق ہمسایہ بعید یعنی جو کہ فاصلہ سے رہتا ہے اس سے زیادہ ہے اور پاس بیٹھنے والے میں رفیق سفر اور پیشہ کے اور کام کے شریک اور ایک آقا کے دو نوکر اور ایک استاد کے دو شاگرد اور دوست اور شاگرد اور مرید وغیرہ سب داخل ہیں اور مسافر میں مہمان غیر مہمان دونوں آ گئے اور مال مملوک غلام اور لونڈی کے علاوہ دیگر حیوانات کو بھی شامل ہے۔ آخر میں فرمادیا کہ جس کے مزاج میں تکبر اور خود پسندی ہوتی ہے کہ کسی کو اپنے برابر نہ سمجھے، اپنے مال پر مغرور اور عیش میں مشغول ہو وہ ان حقوق کو ادا نہیں کرتا سو اس سے احتراز رکھو اور جدا رہو۔

اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ۔۔۔۔

شان نزول: اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہود کے متعلق نازل ہوئی انہوں نے محمد کی تعریف کو چھپالیا اور لوگوں کے سامنے بیان نہ کیا حالانکہ وہ اپنے پاس کتابوں میں اس کے متعلق لکھا ہوا پاتے تھے۔ کلبی کہتے ہیں کہ یہ یہود تھے جنہوں نے اپنی کتابوں میں محمد کی صفت اور نعت کو اپنے پاس آنے والے پر صدقہ کرنے سے بخل کیا۔

بخل کی مذمت:

پھر فرمایا: (اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ)، (یعنی یہ لوگ ایسے ہیں جو بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اس کو چھپاتے ہیں) اس میں بھی ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے جن کا اوپر تذکرہ ہوا ہے، یعنی یہ لوگ متکبر ہیں فخر کرنے والے ہیں اور کنجوس بھی ہیں، اور صرف خود ہی کنجوس نہیں بلکہ دوسروں کو بھی کنجوسی کا حکم دیتے ہیں۔ خود تو اعزہ و اقرباء ضعفاء یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں پر خرچ ہی نہیں کرتے دوسروں کو بھی خرچ نہیں کرنے دیتے، جن لوگوں کا مزاج اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا نہیں ہوتا۔ انہیں دوسروں کا خرچ کرنا بھی کھولتا ہے، مال کی محبت اس درجہ دل میں بیٹھ جاتی ہے کہ دوسروں کا خرچ کرنا بھی ان کے نفسوں کو ناگوار اور شاق ہوتا ہے۔

فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍۭ بِشَھِیْدٍ وَّ جِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَھِیْدًا ﴿۴۱﴾

یعنی ان کافروں کا کیا برا حال ہوگا جس وقت کہ بلائیں گے ہم ہر امت اور ہر قوم میں سے گواہ ان کے حالات بیان کرنے والا۔ اور ان کے واقعی معاملات ظاہر کرنے والا اس سے مراد ہر امت کا نبی اور ہر عہد کے صالح اور معتبر لوگ ہیں کہ وہ قیامت کو نافرمانوں کی نافرمانی اور فرمانبرداروں کی فرمانبرداری بیان کریں گے اور سب کے حالات کی گواہی دیں گے اور تم کو اے محمد (ﷺ)! ان پر یعنی تمہاری امت پر مثل دیگر انبیاء علیہم السلام کے احوال بتانے والا اور گواہ بنا کر لا دیں گے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ھٰٓؤُلَآءِ کا اشارہ انبیائے سابقین یا کفار مذکورہ بالا کی طرف ہو۔ اول صورت میں انبیاء مراد ہوں تو مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) انبیائے سابقین کی صداقت پر گواہی دیں گے جب کہ ان کی امتیں ان کی تکذیب کریں گی اور

دوسرے احتمال سے کفار مراد ہوں تو مطلب یہ ہے کہ انبیائے سابقین جیسا اپنی اپنی امت کے کفار فساق کے کفر وفسق کی گواہی دیں گے تم بھی اے محمد (ﷺ) ان سب کی بداعمالی پر گواہ ہو گے جس سے ان کی خرابی اور برائی خوب محقق ہو گی۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ اَیْ لَا تُصَلُّوْا وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى مِنَ الشَّرَابِ لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِهَا صَلٰوةُ جَمَاعَةٍ فِیْ حَالِ السُّكْرِ حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ بِاَنْ تَصْحُوْا وَ لَا جُنُبًا بِاِيْلَاجٍ اَوْ اِنْزَالٍ وَنَصْبُهٗ عَلَى الْحَالِ وَهُوَ يُطْلَقُ عَلَى الْمُفْرَدِ وَغَيْرِهٖ اِلَّا عَابِرِیْ مُجْتَازِیْ سَبِيْلٍ طَرِيْقٍ اَیْ مُسَافِرِيْنَ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا فَلَكُمْ اَنْ تُصَلُّوْا وَاسْتُثْنِیَ الْمُسَافِرُ لِاَنَّ لَهٗ حُكْمًا اٰخَرَ سَيَاْتِیْ وَقِيْلَ الْمُرَادُ النَّهْیُ عَنْ قُرْبَانِ مَوَاضِعِ الصَّلٰوةِ اَیِ الْمَسَاجِدِ اِلَّا عُبُوْرَهَا مِنْ غَيْرِ مَكْثٍ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى مَرَضًا يَضُرُّهُ الْمَاءُ اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَیْ مُسَافِرِيْنَ وَاَنْتُمْ جُنُبٌ اَوْ مُحْدِثُوْنَ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ هُوَ الْمَكَانُ الْمُعَدُّ لِقَضَاءِ الْحَاجَةِ اَیْ اَحْدَثَ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِلَا اَلِفٍ وَكِلَاهُمَا بِمَعْنٰى مِنَ اللَّمْسِ وَهُوَ الْجَسُّ بِالْيَدِ قَالَهُ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَعَلَيْهِ الشَّافِعِیُّ رحمه الله وَاُلْحِقَ بِهِ الْجَسُّ بِبَاقِی الْبَشْرَةِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ هُوَ الْجِمَاعُ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً تَطَهَّرُوْنَ بِهٖ لِلصَّلٰوةِ بَعْدَ الطَّلَبِ وَالتَّفْتِيْشِ وَهُوَ رَاجِعٌ اِلٰى مَا عَدَا الْمَرْضٰى فَتَيَمَّمُوْا اِقْصِدُوْا بَعْدَ دُخُوْلِ الْوَقْتِ صَعِيْدًا طَيِّبًا تُرَابًا طَاهِرًا فَاضْرِبُوْا بِهٖ ضَرْبَتَيْنِ فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مَعَ الْمِرْفَقَيْنِ مِنْهُ وَمَسَحَ يَتَعَدّٰى بِنَفْسِهٖ وَبِالْحَرْفِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا حَظًّا مِّنَ الْكِتٰبِ وَهُمُ الْيَهُوْدُ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ تُخْطِئُوْا طَرِيْقَ الْحَقِّ لِتَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ مِنْكُمْ فَيُخْبِرُكُمْ بِهِمْ لِتَجْتَنِبُوْهُمْ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا حَافِظًا لَكُمْ وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مَانِعًا لَكُمْ مِنْ كَيْدِهِمْ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا قَوْمٌ يُحَرِّفُوْنَ يُغَيِّرُوْنَ الْكَلِمَ الَّذِیْ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِی التَّوْرٰةِ مِنْ نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ الَّتِیْ وُضِعَ عَلَيْهَا وَ يَقُوْلُوْنَ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَرَهُمْ بِشَیْءٍ سَمِعْنَا قَوْلَكَ وَ عَصَيْنَا اَمْرَكَ وَ اسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ حَالٌ بِمَعْنَى الدُّعَاءِ اَیْ لَا سَمِعْتَ وَّ يَقُوْلُوْنَ لَهٗ رَاعِنَا وَقَدْ نُهِیَ عَنْ خِطَابِهٖ بِهَا وَهِیَ كَلِمَةُ سَبٍّ بِلُغَتِهِمْ تَحْرِيْفًا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا قَدْحًا فِی

الدِّیْنِ ؕ الْاِسْلَامِ وَلَوْ اَنَّھُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا بَدَلَ وَعَصَیْنَا وَاسْمَعْ فَقَطْ وَانْظُرْنَا اُنْظُرْ اِلَیْنَا بَدَلَ
رَاعِنَا لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ مِمَّا قَالُوْہُ وَاَقْوَمَ ۙ اَعْدَلَ مِنْہُ وَلٰکِنْ لَّعَنَھُمُ اللّٰہُ اَبْعَدَھُمْ عَنْ رَحْمَتِہٖ
بِکُفْرِھِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝۴۶ مِنْھُمْ کَعَبْدِ اللّٰہِ بْنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِہٖ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ
اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مِنَ الْقُرْاٰنِ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ مِنَ التَّوْرٰۃِ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْھًا نَمْحُوْ مَا فِیْھَا
مِنَ الْعَیْنِ وَالْاَنْفِ وَالْحَاجِبِ فَنَرُدَّھَا عَلٰٓی اَدْبَارِھَآ فَنَجْعَلَھَا کَالْاَقْفَاءِ لَوْحًا وَّاحِدًا اَوْ نَلْعَنَھُمْ
نَمْسَخُھُمْ قِرَدَۃً کَمَا لَعَنَّآ مَسَخْنَا اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ مِنْھُمْ وَکَانَ اَمْرُ اللّٰہِ قَضَاؤُہٗ مَفْعُوْلًا ۝۴۷ وَلَمَّا
نَزَلَتْ اَسْلَمَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ سَلَامٍ فَقِیْلَ کَانَ وَعِیْدًا بِشَرْطٍ فَلَمَّا اَسْلَمَ بَعْضُھُمْ رُفِعَ وَقِیْلَ یَکُوْنُ طَمْسٌ
وَّمَسْخٌ قَبْلَ قِیَامِ السَّاعَۃِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ اَیِ الْاِشْرَاکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ سِوٰی ذٰلِکَ مِنَ
الذُّنُوْبِ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ الْمَغْفِرَۃَ لَہٗ بِاَنْ یُّدْخِلَہُ الْجَنَّۃَ بِلَا عَذَابٍ وَّمَنْ شَاءَ عَذَّبَہٗ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِذُنُوْبِہٖ ثُمَّ
یُدْخِلُہُ الْجَنَّۃَ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا ذَنْبًا عَظِیْمًا ۝۴۸ کَبِیْرًا اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یُزَکُّوْنَ
اَنْفُسَھُمْ ؕ وَھُمُ الْیَھُوْدُ حَیْثُ قَالُوْا نَحْنُ اَبْنَآءُ اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ اَیْ لَیْسَ الْاَمْرُ بِتَزْکِیَتِھِمْ اَنْفُسَھُمْ بَلِ اللّٰہُ
یُزَکِّیْ یُطَھِّرُ مَنْ یَّشَآءُ بِالْاِیْمَانِ وَلَا یُظْلَمُوْنَ یُنْقَصُوْنَ مِنْ اَعْمَالِھِمْ فَتِیْلًا ۝۴۹ قَدْرَ قِشْرَۃِ النَّوَاۃِ اُنْظُرْ
مُتَعَجِّبًا کَیْفَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ ؕ بِذٰلِکَ وَکَفٰی بِہٖٓ اِثْمًا مُّبِیْنًا ۝۵۰ بَیِّنًا
ع ۸/۴

ترجمہ: اے ایمان والو تم نماز کے قریب بھی ایسی حالت میں نہ جاؤ یعنی نماز مت پڑھو کہ تم نشہ میں ہو شراب کی وجہ سے، اس لیے کہ آیت کا سبب نزول نشہ کی حالت میں جماعت سے نماز کا پڑھنا ہے یہاں تک کہ جو کچھ منہ سے نکال رہے ہو اس کو سمجھنے لگو بایں طور پر کہ نشہ سے صحت یاب ہو جاؤ، ہوش میں آ جاؤ اور نہ حالت میں جنابت میں خواہ صرف ادخال یعنی صرف دخول ذکر کر کے ذریعہ ناپاک ہوا ہو چاہے انزال ہو یا نہ ہو یا انزال کے ذریعہ جنبی ہوا ہو چاہے مثلاً احتلام ہو گیا۔ جُنُبًا کا منصوب ہونا حال ہونے کی بنا پر ہے اور جنب کا اطلاق مفرد و غیر مفرد یعنی جمع سب پر ہوتا ہے چنانچہ رجل جنب و رجال جنب اسی طرح تذکیر و تانیث میں بھی یکساں ہے چنانچہ رجل جنب اور امرأۃ جنب دونوں درست ہیں اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ مگر یہ کہ پار کرتے ہوئے گزرتے ہوئے راہ کو سَبِیْلٍ بمعنی طریق ہے یعنی راہ چلتے ہوئے سفر کی حالت میں ہو۔ مفسر نے طریقاً بالنصب سے اشارہ کیا ہے کہ عَابِرِیْ اسم فاعل مضاف بجانب مفعول ہے اور سبیل کی طرف اضافت ہی کی بنا پر

عابرین کا جوعبور سے اسم فاعل صیغہ جمع مذکر ہے نون جمع ساقط ہو گیا یہاں تک کہ غسل کرلو یعنی اب تمہارے لیے نماز پڑھنا جائز ہے اور مسافر کا استثناء اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کا حکم دوسرا ہے جو عنقریب آ رہا ہے بعض مفسرین کا قول ہے کہ: لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ کی نہی سے مراد یہ ہے کہ مواضع الصلوٰۃ یعنی مساجد کے قریب نہ ہو، مطلب یہ ہے کہ جنابت کی حالت میں مسجدوں کے قریب نہ جاؤ البتہ بغیر توقف کے مسجد سے گزرنا جائز ہے۔ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اور اگر تم بیمار ہو یعنی ایسی بیماری سے جس کو پانی مضر ہو یا سفر پر ہو درآنحالیکہ تم سفر کررہے ہو اور جنابت کی حالت میں ہو یا بے وضو ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آیا ہو۔ الْغَآئِطِ وہ جگہ ہے جو قضاء حاجت کے لیے تیار کی جائے، پس غائط سے آنا کنایہ ہے پیشاب یا پاخانہ سے فارغ ہو کر آنا یعنی بے وضو ہو گیا یا تم نے عورتوں سے ملامست کی ہے ایک قراءت میں بغیر الف کے لَمَسْتُمُ ہے اور دونوں بمعنی لمس ہیں یعنی ہاتھ سے چھونا، یہی ابن عمرؓ کا قول ہے اور امام شافعی کا مذہب یہی ہے اور امام شافعیؒ نے باقی بدن کے چھونے کو بھی اس نقض وضو کے حکم کے ساتھ لاحق کر دیا ہے بشرطیکہ کوئی کپڑا وغیرہ حائل نہ ہو، اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ مراد جماع ہے پس ہاتھ سے چھونا ناقض وضو نہ ہوگا اور یہی امام اعظمؒ وغیرہ کا مذہب ہے۔ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً پھر تمہیں پانی نہ ملے جس سے تم نماز کے لیے طہارت حاصل کرسکو طلب و تلاش کے بعد اور یہ پانی نہ ملنے کی قید مریضوں کے علاوہ کے لیے ہے کیوں کہ مریض کے لیے جب پانی مضر ہے تو پانی کا ملنا اور نہ ملنا یکساں ہے تو تم تیمم کرلو وقت آجانے کے بعد قصد کرو صعید طیب کا یعنی پاک مٹی کا پس زمین پر دو مرتبہ ہاتھ مارو اور اپنے چہروں اور اور ہاتھوں پر مسح کرلو کہنیوں سمیت، فعل مسح کبھی متعدی بنفسہ ہوتا ہے جیسے مسحت الوجہ اور کبھی متعدی بحرف جر ہوتا ہے جیسے فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے بخشنے والے ہیں۔ اے مخاطب کیا تو نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی جن کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے اور وہ لوگ یعنی الَّذِيْنَ سے مراد یہود ہیں وہ گمراہی خریدرہے ہیں بعوض ہدایت کے اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے بہک جاؤ یعنی راہ حق سے ہٹ جاؤ تاکہ تم بھی ان ہی جیسے ہو جاؤ جیسا کہ ایک دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے: وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً، وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ جیسے وہ خود کافر ہیں تم بھی کافر ہو جاؤ تاکہ تم اور وہ سب یکساں ہو جاؤ۔ (پارہ:۵،ع:۹) وَاللّٰهُ اَعْلَمُ (الآیۃ) اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو تم سے زیادہ جانتے ہیں چنانچہ تم کو ان سے آگاہ کردیتا ہے تاکہ تم ان سے پرہیز رکھو و کفی باللہ اور اللہ تعالیٰ کافی ہے تمہاری حفاظت کے لیے اور اللہ کافی ہے مددگاری کے لیے یعنی تم سے ان کے مکر و تدبیر کو روکنے کے لیے من الذین ھادوا یہودیوں میں سے ایک قوم ہے کہ پھیر دیتے ہیں بدل ڈالتے ہیں لفظوں کو جو اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی تعریف میں توریت کے اندر نازل فرمائے ان کے مقامات سے یعنی ان لفظوں کو ان مقامات سے پھیر دیتے ہیں جن پر وہ موضوع تھے اور وہ کہتے ہیں یعنی نبی اکرم ﷺ سے جب آنحضور ﷺ انکو کسی بات کا حکم دیتے سَمِعْنَا ہم نے سن لی آپ کی بات اور ہم نے مانا نہیں آپ کا حکم وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ اور سنیئے درانحالیکہ آپ سنائے نہ جائیں یہ حال ہے بمعنی دعا یعنی آپ کوئی بات نہ سنیئے اور آنحضور ﷺ سے کہتے تھے رَاعِنَا اور حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کلمہ کے ذریعہ خطاب کرنے سے منع کر دیا تھا۔ فی قولہ تعالیٰ: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا اور یہ کلمہ ان یہودیوں کی زبان میں گالی کا کلمہ ہے اپنی زبان کو موڑ کر پھیر کر اور بطور طعنہ زنی عیب جوئی دین اسلام میں وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا الآیۃ اور اگر وہ لوگ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا کہتے بجائے سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا اور صرف اسْمَعْ کہتے بجائے غیر مسمع کے اور انْظُرْنَا انظرنا یعنی اُنْظُرْ اِلَيْنَا کہتے بجائے رَاعِنَا کے تو ان کے لیے بہتر ہوتا اس سے جو کچھ انہوں نے کہا اور درست ہوتا انسب ہوتا اس سے جو کہا ہے اور لیکن اللہ تعالیٰ ان پر لعنت فرما چکے ہیں یعنی اپنی رحمت سے ان کو دور پھینک دیا ہے ان کے کفر کی وجہ سے اس لیے وہ ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے سے آدمی ان میں سے جیسے عبد اللہ بن سلام اور ان کے رفقاء۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ الآیۃ اے اہل کتاب ایمان لاؤ اس قرآن پر جو ہم نے نازل کیا ہے جو تصدیق کر رہا ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے یعنی تورات اس سے پہلے قرآن پر ایمان لاؤ کہ ہم چہروں کو بالکل بگاڑ دیں ہم مٹادیں اس نقش و نگار کو جو چہروں میں ہے یعنی آنکھ، ناک اور ابرو پھر ان چہروں کو پیٹھ پیچھے الٹا دیں یعنی گدی کی طرح ان چہروں کو ایک تختہ سپاٹ بنادیں یا ان پر ہم سے یعنی سنیچر کے دن شکار کرنے والوں کو ہم نے مسخ کر دیا تھا جس کا ذکر پارہ الم کی آیت: وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ میں گزر چکا ہے۔ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کا حکم اس کا فیصلہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عبد اللہ بن سلامؓ مسلمان ہو گئے، تفسیر معالم التنزیل و حاشیہ صاوی اور جمل وغیرہ نے روایت نقل کی ہے کہ علماء یہود میں سے ایک عظیم عالم عبد اللہ بن سلامؓ ملک شام سے واپس آ رہے تھے کہ راستے میں انہوں نے یہ آیت سنی تو طَمْسٌ وَ مَسْخٌ کے خوف سے آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے اور عرض کرنے لگے کہ حضور ﷺ مجھے تو اس بات کا خوف ہو گیا تھا کہ خدمت اقدس میں پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ میرا چہرہ نہ بگاڑ دے، فقیل کان وعید الخ یہاں سے مفسر علام سیوطیؒ ایک اشکال کا جواب نقل کر رہے ہیں۔ اشکال یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں اہل کتاب کو وعید سنائی گئی کہ اے اہل کتاب ایمان لاؤ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو ہم چہرے مطموس کر دیں گے یا مسخ کر دیں گے لیکن اس طَمْسٌ وَ مَسْخٌ کا وقوع نہیں ہوا، مفسر علام نے اس کا ایک جواب یہ دیا کہ وعید مطلق نہ تھی بلکہ شرط کے ساتھ مقید تھی لیکن جب ان میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا تو وعید بھی مرتفع ہو گئی۔ وَقِيْلَ يَكُوْنُ طَمْسٌ وَ مَسْخٌ، یہاں سے مفسر علامؒ نے دوسرا جواب دیا کہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ طَمْسٌ وَ مَسْخٌ قیامت سے پہلے ہوگا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ الآیۃ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں کریں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے۔ مفسرؒ نے اَيِ الْاِشْرَاكَ بِهٖ سے تفسیر کر کے اشارہ کیا ہے کہ اَنْ يُّشْرَكَ میں اَنْ مصدر یہ ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بس شرک کو معاف نہیں کرے گا اگر مرتے دم تک شرک پر قائم رہا اور معاف کر دیں گے اس کے سوا شرک کے علاوہ گناہوں کو جس کے لیے چاہیں گے یعنی جس کو معاف کرنا چاہیں گے تو بلا عذاب بھی اس کو جنت میں داخل کر سکتے ہیں اور جس کو چاہیں مسلمانوں میں سے اس کو گناہوں کے عوض عذاب دے کر پھر جنت میں داخل کر سکتے ہیں اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذات یا صفات میں کسی شریک ٹھہرایا اس نے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: لَا تُصَلُّوْا : سے اشارہ کیا فقط قریب جانے کی نہی مراد نہیں بلکہ اس حالت میں بذاتِ خود نماز کی ممانعت ہے۔

قوله: بِاِیْلَاجٍ اَوْ اِنْزَالٍ : اس کو مقدر مانا کہ عَابِرِیْ کا استثناء اس سے درست ہو۔

قوله: مُسَافِرِیْنَ : یہ اس وقت ہے جب وہ پانی نہ پائے تو تیمم کر سکتا ہے جیسا سیاق تیمم سے معلوم ہوتا ہے۔

قوله: اَحْدَثَ : وہ لوگ قضائے حاجت کے لیے ٹھہرے، قابل اطمینان مقام میں جائے اسی وجہ سے حدث سے کنایہ کیا گیا۔

قوله: وَهُوَ رَاجِعٌ : اس سے اشارہ کیا کہ وجدانِ حقیقی مراد ہے، فقط عدم قدرت نہیں۔

قوله: حَافِظًا : قرب سے قرب مکان مراد نہیں بلکہ حفاظت وصیانت مراد ہے۔

قوله: قَوْمٌ : اس کو اس لیے مقدر مانا کہ یُحَرِّفُوْنَ یہ صفت ہے جو موصوف محذوف کے قائم مقام لائی گئی ہے اور وہ مبتداء اس کی خبر مِنَ الَّذِیْنَ ہے۔

قوله: بِمَعْنَى الدُّعَاءِ : حاصل یہ ہے کہ غیر مسمع کی مراد اس کے مطابق جو ہم تیرے حق میں چاہتے ہیں اور سماع کے سبب جو ہم تیرے حق میں بددعائیں کرتے ہیں۔

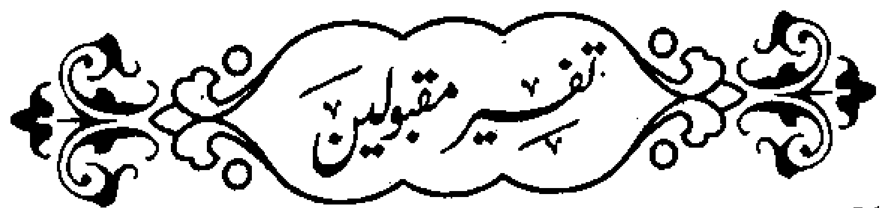
قوله: وَيَقُوْلُوْنَ : اس سے اشارہ کیا کہ رَاعِنَا کا عطف سَمِعْنَا پر ہے، قریب پر نہیں۔

قوله: تَحْرِيْفًا : کلام کو معنی مراد سے ایسی طرف لے جانا جو سب کے مشابہ ہے۔

قوله: نَمْحُوْ مَا فِيْهَا : اس کے مطابق ارادہ کو مقدر ماننا ضروری ہے تاکہ فا کا معنی درست ہو جائے۔

قوله: قَضَاؤُهُ : اس سے تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ قضاء عام ہے خواہ صیغہ امر سے آئے یا حال یا استقبال یا جملہ فعلیہ یا اسمیہ کی صورت ہو۔ فتدبر

قوله: مُّبِيْنًا ۞ : اس سے اشارہ کیا کہ یہاں لازمی معنی مراد ہے نہ کہ متعدی۔



يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ....

شانِ نزول: ابتداء اسلام میں جب تک شراب پینا حرام قرار نہیں دیا گیا تھا اس عرصہ میں ایک واقعہ پیش آیا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بیان فرمایا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کھانا تیار کیا اور ہم لوگوں کو کھانے پر بلایا، کھانا کھلایا اور شراب پلا دی۔ شراب نے اپنا اثر دکھایا پینے والوں کو نشہ آ گیا اور اسی وقت نماز کا وقت ہو گیا۔ حاضرین نے

مجھے امامت کے لیے آگے بڑھا دیا میں نے (قُلْ یَا اَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ) پڑھی جس میں (وَ نَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ) پڑھ دیا (جس سے مفہوم بدل گیا اور معنی الٹ گیا) اس پر اللہ جل شانہ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو جب تک یہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ (اخرجہ الترمذی فی تفسیر سورۃ النساء وقال حسن غریب صحیح)

شراب کی حرمت کے تدریجی احکام:۔

شریعت اسلامیہ کو حق تعالیٰ نے ایک خاص امتیاز یہ دیا ہے کہ اس کے احکام کو سہل اور آسان کر دیا ہے، اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ ہے کہ شراب نوشی عرب کی پرانی عادت تھی اور پوری قوم اس عادت میں مبتلا تھی، بجز مخصوص حضرات کے جن کی طبیعت ہی کو اللہ تعالیٰ نے ایسا سلیم بنا دیا تھا کہ وہ اس خبیث چیز کے پاس کبھی نہیں گئے، جیسے آنحضرت (ﷺ) کہ نبوت سے پہلے آپ نے کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ عادت کسی چیز کی بھی ہو اس کا چھوڑنا انسان پر بڑا مشکل ہوتا ہے، خصوصاً شراب اور نشہ کی عادت تو انسان کی طبیعت پر ایسا قبضہ کر لیتی ہے کہ اس سے نکلنا آدمی اپنے لئے موت سمجھنے لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک شراب نوشی اور نشہ کرنا حرام تھا اور اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو اس سے بچانا مقصود و مطلوب تھا، مگر یکبارگی اس کو حرام کر دیا جاتا تو لوگوں پر اس حکم کی تعمیل سخت مشکل ہو جاتی، اسلئے ابتداءً اس پر جزوی پابندی عائد کی گئی اور اس کے خراب اثرات پر تنبیہ کر کے ذہنوں کو اس کے چھوڑنے پر آمادہ کیا گیا، چنانچہ ابتداءً اس آیت میں صرف یہ حکم ہوا کہ نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ، جس کا حاصل یہ تھا کہ نماز کے وقت نماز کا ادا کرنا تو فرض ہے، اوقات نماز میں شراب استعمال نہ کی جائے، جس سے مسلمانوں نے یہ محسوس کر لیا کہ یہ ایسی خراب چیز ہے جو انسان کے لئے نماز سے مانع ہے، بہت سے حضرات نے تو اسی وقت سے اس کے چھوڑنے کا اہتمام کر لیا اور دوسرے حضرات بھی اس کی خرابی اور برائی کو سوچنے لگے آخر کار سورۂ مائدہ کی آیت میں شراب کے ناپاک اور حرام ہونے کا قطعی حکم آ گیا اور ہر حال میں شراب پینا حرام ہو گیا۔

مسئلہ: جس طرح نشہ کی حالت میں نماز حرام ہے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب نیند کا غلبہ ایسا ہو کہ آدمی اپنی زبان پر قابو نہ رکھے تو اس حالت میں بھی نماز پڑھنا درست نہیں جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد ہے۔

"اگر تم میں سے کسی کو نماز میں اونگھ آنے لگے تو اسے کچھ دیر کے لئے سو جانا چاہئے تاکہ نیند کا اثر چلا جائے ورنہ نیند کی حالت میں وہ سمجھ نہیں سکے گا اور بجائے دعاء استغفار کے اپنے آپ کو گالی دینے لگ جائے گا۔"

تیمم کا حکم ایک انعام ہے جو اس امت کی خصوصیت ہے:

اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ وضو طہارت کے لئے ایسی چیز کو پانی کے قائم مقام کر دیا جو پانی سے زیادہ سہل الحصول ہے اور ظاہر ہے کہ زمین اور مٹی ہر جگہ موجود ہے، حدیث میں ہے کہ یہ سہولت صرف امت محمدیہ کو عطا کی گئی ہے، تیمم کے ضروری مسائل فقہ کی کتابوں اور اردو کے رسالوں میں بکثرت چھپے ہوئے ہیں ان کو دیکھ لیا جائے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اے مخاطب کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے کو مقدس بتلاتے ہیں استفہام تعجب کے لیے ہے یعنی ان لوگوں پر تعجب ہے

جو اپنے آپ گناہوں سے پاک ومقدس ظاہر کرتے ہیں اور یہ لوگ یہود تھے جو اس طرح کہتے تھے: "نحن ابناء اللہ واحبائہ" ہم خدا کے بیٹے اور چہیتے ہیں یعنی واقعی معاملہ اور اعتبار وفائدہ ان کے اپنے آپ تزکیہ پر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ پاکیزگی عطا کر دیتے ہیں پاک کر دیتے ہیں جسے چاہتے ہیں ایمان کے ذریعہ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ان کے اعمال میں سے کمی نہیں کی جائے گی تاگے برابر کھجور کی گٹھلی کے شگاف کی جھلی برابر بھی دیکھئے تو بطور تعجب یہ لوگ اللہ پر کیسی جھوٹی تہمت لگا رہے ہیں اس بارے میں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور چہیتے ہیں۔ و کفی بہ ای بالافتراء یہی افتراء صریح گنہگاری کے لیے کافی ہے۔

وَنَزَلَ فِیْ کَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ وَنَحْوِہٖ مِنْ عُلَمَاءِ الْیَهُوْدِ لَمَّا قَدِمُوْا مَکَّةَ وَ شَاهَدُوْا قَتْلٰی بَدْرٍ وَ حَرَّضُوا الْمُشْرِکِیْنَ عَلَی الْاَخْذِ بِثَارِهِمْ وَمُحَارَبَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ صَنَمَانِ لِقُرَیْشٍ وَ یَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَبِیْ سُفْیَانَ وَ اَصْحَابِہٖ حِیْنَ قَالُوْا لَهُمْ اَنَحْنُ اَهْدٰی سَبِیْلًا وَ نَحْنُ وُلَاةُ الْبَیْتِ نَسْقِی الْحَاجَّ وَ نَقْرِی الضَّیْفَ وَنَفُکُّ الْعَانِیَ وَ نَفْعَلُ اَمْ مُحَمَّدٌ وَقَدْ خَالَفَ دِیْنَ اٰبَائِہٖ وَقَطَعَ الرَّحِمَ وَفَارَقَ الْحَرَمَ هٰۤؤُلَآءِ اَیْ اَنْتُمْ اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا ﴿۵۱﴾ اَقْوَمُ طَرِیْقًا اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ نَصِیْرًا ﴿۵۲﴾ مَانِعًا مِنْ عَذَابِہٖ اَمْ بَلْ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْکِ اَیْ لَیْسَ لَهُمْ شَیْءٌ مِّنْہُ وَلَوْ کَانَ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا ﴿۵۳﴾ اَیْ شَیْئًا تَافِهًا قَدْرَ النُّقْرَةِ فِیْ ظَهْرِ النَّوَاةِ لِفَرْطِ بُخْلِهِمْ اَمْ بَلْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ اَیِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِہٖ ۚ مِنَ النُّبُوَّةِ وَ کَثْرَةِ النِّسَاءِ اَیْ یَتَمَنَّوْنَ زَوَالَہٗ عَنْہُ وَ یَقُوْلُوْنَ لَوْ کَانَ نَبِیًّا لَاشْتَغَلَ عَنِ النِّسَاءِ فَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ جَدَّہٗ کَمُوْسٰی وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمَانَ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ النُّبُوَّةَ وَ اٰتَیْنٰهُمْ مُّلْکًا عَظِیْمًا ﴿۵۴﴾ فَکَانَ لِدَاوٗدَ تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ امْرَاَةً وَلِسُلَیْمٰنَ اَلْفٌ مَا بَیْنَ حُرَّةٍ وَسُرِّیَّةٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِہٖ بِمُحَمَّدٍ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ اَعْرَضَ عَنْہُ ؕ فَلَمْ یُؤْمِنْ وَ کَفٰی بِجَهَنَّمَ سَعِیْرًا ﴿۵۵﴾ عَذَابًا لِمَنْ لَا یُؤْمِنُ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نُدْخِلُهُمْ نَارًا ؕ یَحْتَرِقُوْنَ فِیْهَا کُلَّمَا نَضِجَتْ اِحْتَرَقَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا بِاَنْ تُعَادَ اِلٰی حَالِهَا الْاَوَّلِ غَیْرَ مُحْتَرِقَةٍ لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ لِیُقَاسُوْا شِدَّتَہٗ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَزِیْزًا لَا یُعْجِزُہٗ شَیْءٌ حَکِیْمًا ﴿۵۶﴾ فِیْ خَلْقِہٖ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ
فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ مِنَ الْحَيْضِ وَكُلِّ قَذَرٍ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾ دَائِمًا لَا تَنْسَخُهٗ شَمْسٌ
هُوَظِلُّ الْجَنَّةِ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ مَا اُوْتُمِنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحُقُوْقِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ نَزَلَتْ لَمَّا
اَخَذَ عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ مِفْتَاحَ الْكَعْبَةِ مِنْ عُثْمَانَ بْنِ طَلْحَةَ الْحَجَبِيِّ سَادِنِهَا قَهْرًا لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ وَمَنَعَهٗ وَقَالَ لَوْ عَلِمْتُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَمْ اَمْنَعْهُ فَاَمَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
سَلَّمَ بِرَدِّهٖ اِلَيْهِ وَقَالَ هَاكَ خَالِدَةً تَالِدَةً فَعَجِبَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَرَأَ لَهٗ عَلِيٌّ بِالْاٰيَةِ فَاَسْلَمَ وَاَعْطَاهُ عِنْدَ مَوْتِهٖ
لِاَخِيْهِ شَيْبَةَ فَبَقِيَ فِيْ وُلْدِهٖ وَالْاٰيَةُ وَاِنْ وَرَدَتْ عَلٰى سَبَبٍ خَاصٍّ فَعُمُوْمُهَا مُعْتَبَرٌ بِقَرِيْنَةِ الْجَمْعِ وَاِذَا
حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا فِيْهِ اِدْغَامُ مِيْمِ نِعْمَ فِيْ مَا النَّكِرَةِ
الْمَوْصُوْفَةِ اَيْ نِعْمَ شَيْئًا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ تَادِيَةُ الْاَمَانَةِ وَالْحُكْمُ بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا لِمَا يُقَالُ
بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾ بِمَا يُفْعَلُ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي اَصْحَابِ الْاَمْرِ اَيِ الْوُلَاةِ
مِنْكُمْ ۚ اِذَا اَمَرُوْكُمْ بِطَاعَةِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ اِخْتَلَفْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ اَيْ كِتَابِهٖ
وَالرَّسُوْلِ مُدَّةَ حَيَاتِهٖ وَبَعْدَهٗ اِلٰى سُنَّتِهٖ اَيِ اكْشِفُوْا عَلَيْهِ مِنْهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ اَيِ الرَّدُّ اِلَيْهِمَا خَيْرٌ لَكُمْ مِنَ التَّنَازُعِ وَالْقَوْلِ بِالرَّاْيِ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ مَآلًا۔

ترجمہ: علماء یہود میں سے کعب بن اشرف وغیرہ کے بارے میں آیت ذیل نازل ہوئی جب کہ یہ لوگ مکہ پہنچے اور غزوہ بدر کے مقتولین کے حالات کا معائنہ کیا اور مشرکین مکہ کو اپنے مقتولین کا بدلہ لینے اور نبی اکرم ﷺ سے جنگ کرنے پر برانگیختہ و مشتعل کیا۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ (الآیۃ) اے مخاطب کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب سے کچھ حصہ دیا گیا ہے وہ جبت اور طاغوت کو مانتے ہیں جبت اور طاغوت قریش کے دو بت ہیں اور وہ لوگ یعنی علماء یہود کہتے ہیں کافروں کے متعلق یعنی ابوسفیان اور اس کے اصحاب مشرکین کے متعلق جب کہ ان لوگوں نے علماء یہود سے پوچھا کہ بتلایئے کہ ہم لوگ زیادہ صحیح راستہ پر ہیں یا محمد ﷺ اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم بیت اللہ کے متولی ہیں ہم حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں، اور مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، قیدیوں کی رہائی کراتے ہیں اور اس طرح کے اور کار خیر کرتے ہیں اور محمد ﷺ کا حال یہ ہے کہ اپنے آبائی دین کی مخالفت کی ہے اور رشتہ داریاں کاٹ دیں، حرم کو چھوڑ کر مدینہ چلے گئے، اب بتلاؤ کہ دونوں میں سے کون بہتر ہے؟ یہودیوں

نے کہا یہی لوگ یعنی مشرکین مکہ زیادہ صحیح راستہ پر ہیں مسلمانوں سے یعنی سیدھے راستے پر ہیں۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ الآیۃ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کر دے پھر تم اس کا مددگار ہرگز نہ پاؤ گے۔ جو اللہ کے عذاب سے اس کو بچا دے۔ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ الآیۃ اَمْ منقطعہ بمعنی بَلْ ہے کیا سلطنت میں ان کا کچھ حصہ ہے ؟ یہ استفہام انکاری ہے یعنی سلطنت میں سے ان کا کچھ حصہ نہیں ہے اور اگر ہوتا تو ایسی حالت میں یہ لوگوں کو ایک تل برابر بھی نہ دیتے یعنی ذرا سی جھلی کی مقدار جو کھجور گٹھلی کی پشت میں ہوتی ہے اپنے افراط بخل یعنی کنجوسی کی وجہ سے اَمْ يَحْسُدُوْنَ الآیۃ اَمْ بمعنی بَلْ ہے بلکہ یہ یہود حسد کرتے ہیں لوگوں سے یعنی نبی اکرم ﷺ سے اس پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے یعنی نبوت اور بیویوں کی کثرت مِنَ النُّبُوَّۃِ ہے مَآ اٰتٰىهُمْ کے مَآ موصولہ کا یعنی یہ یہود آنحضور ﷺ سے اس فضل کے زائل ہونے کی تمنا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر محمد ﷺ نبی ہوتے تو عورتوں سے بے نیاز ہوتے۔ اس کے جواب میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں: فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الآیۃ کہ بیشک ہم دے چکے ہیں ابراہیم کی اولاد کو یعنی آنحضور ﷺ کے دادا جیسے موسیٰ، داؤد اور سلیمان کو کتاب اور حکمت یعنی نبوت دے چکے ہیں اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سلطنت بھی دی ہے چنانچہ حضرت داؤد کی ننانوے عورتیں تھیں اور حضرت سلیمان کو ایک ہزار عورتیں حرہ اور باندیاں ملا کر تھیں پھر تعجب کی کیا بات ہے؟ وَمِنْهُمْ مَّنْ الآیۃ پھر ان یہود میں سے بعض تو وہ ہیں جو آپ محمد ﷺ پر ایمان لے آئے جیسے عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے رفقاء اور ان یہود میں سے بعض وہ ہیں جو رکے رہے منہ پھیر لیا آپ ﷺ سے چنانچہ ایمان نہیں لائے کعب بن اشرف وغیرہ اور دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ کافی ہے ان لوگوں کے عذاب کے لیے جو ایمان نہیں لائے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الآیۃ جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کیا بلاشبہ ہم انہیں آگ میں ڈال دیں گے داخل کریں گے کہ وہ اس میں جلتے رہیں گے جب کبھی ان کی کھالیں جل جایا کریں گی۔ نَضِجَتْ بمعنی اِحْتَرَقَتْ ہے۔ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا الآیۃ تو ہم فوراً بدل دیں گے پہلی کھالوں کی جگہ دوسری کھال بایں طور کہ وہ کھالیں لوٹا دی جائیں گی اپنی پہلی حالت پر جب کہ جلی ہوئی نہ تھیں جیسا کہ حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ ہر بار جب کہ ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ان سے کہا جائے گا کہ جیسی تھیں ویسی ہی ہو جاؤ پس ویسی ہی ہو جائیں گی۔ لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ الآیۃ تا کہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں یعنی عذاب کی شدت کا اندازہ کرتے رہیں بیشک اللہ تعالیٰ زبردست ہیں کوئی چیز ان کو عاجز نہیں کر سکتی حکمت والے ہیں اپنے مخلوق کے امور میں اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو عنقریب ہم ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے (درختوں کے) نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان باغات میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، ان کے لیے ان باغوں میں پاک وصاف بیویاں ہوں گی یعنی حیض اور ہر قسم کی گندگی جیسے پیشاب، پاخانہ، نفاس، ناک کی ریزش اور بلغم وغیرہ سے بالکل پاک ہوں گی اور ہم انکو بڑے گنجان سایہ میں داخل کریں گے یعنی ایسا وسیع اور دائمی سایہ ہوگا جس کو آفتاب کی تمازت نہیں مٹا سکے گی مراد جنت کا سایہ ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ امانتوں کو امانت والوں کے حوالہ کر دو یعنی وہ حقوق جن پر تم امین کئے گئے ہو حقداروں کو ادا کر دیا کرو یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ حضرت علیؓ نے کعبہ کی کنجی عثمان بن طلحہ حجبی خادم کعبہ سے زبردستی لے لی اور نبی اکرم ﷺ فتح مکہ

کے سال مکہ تشریف لائے اور عثمان نے کنجی دینے سے انکار کیا اور کہا ''اگر میں جانتا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں تو میں کنجی دینے سے انکار نہ کرتا، پھر آیت نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے علیؓ کو کنجی واپس کر دینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ لو یہ کنجی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس پر عثمان نے تعجب کیا تو حضرت علیؓ نے آیت کریمہ کی تلاوت کر دی پھر عثمان مسلمان ہو گیا اور عثمان بن طلحہ نے اپنی موت کے وقت یہ کنجی اپنے بھائی شیبہ کو دیدی چنانچہ یہ کنجی اس کی اولاد میں برابر رہی۔ آیت مذکورہ کا نزول اگرچہ سبب خاص یعنی عثمان بن طلحہؓ کو کنجی دینے کے معاملہ میں ہوا تھا لیکن اس کا عموم معتبر ہے جمع کے قرینہ سے مفسر علام نے ایک مقررہ اصول و مشہور قاعدہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ: العبرة لعموم اللفظ لا بخصوص السبب خلاصہ یہ ہے کہ: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ الآیۃ میں کم بصیغہ جمع خطاب قرینہ ہے کہ آیت کا حکم عام ہے۔ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ الآیۃ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ انصاف کے ساتھ کرو۔ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ یہ بیشک بہت ہی عمدہ چیز ہے جس کی نصیحت تم کو اللہ تعالیٰ کر رہے ہیں یعنی امانت کا ادا کرنا اور عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا نعما مرکب ہے، نعم کے میم کا ادغام ہو گیا ہے ما نکرہ موصوفہ سے اصل میں نِعْمَ مَاتھا بمعنی نِعْمَ شَيْئًا۔ إِنَّ اللَّهَ كَانَ الآیۃ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سننے والے ہیں ساری باتیں اور دیکھنے والے ہیں ساری کارروائی مطلب یہ ہے کہ امانت و عدالت کے معاملے میں سارے اقوال جو تم سے صادر ہوتے ہیں خوب سنتے ہیں اور ساری کارروائی جو کی جاتی ہے سب دیکھتے ہیں: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الآیۃ اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور فرمانبرداری کرو اپنے فرمانرواؤں کی یعنی تم مسلمانوں میں سے جو حاکم ہو بشرطیکہ وہ تم کو حکم کریں اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کے ساتھ، پس اگر کسی معصیت کا حکم کریں تو ماننا جائز نہیں۔ کما فی الحدیث: ((لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق))، فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ الآیۃ پھر اگر تم میں کسی شئ میں باہم نزاع ہو جائے یعنی کسی بات میں حکام سے اختلاف ہو جائے تو اس کو کتاب اللہ کی طرف پھیر دو اور اللہ کے رسول کی طرف رسول کی حیات میں اور ان کے بعد ان کی سنت کی طرف رجوع کرو یعنی اس بات کو ان دونوں کتاب و سنت سے حل کرو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہ یعنی کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے باہمی اختلاف اور اپنی رائے و ذہنی بات سے اور باعتبار انجام کے بہت ہی بہتر ہے تاویل کے معنی مآل کار و انجام کے ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

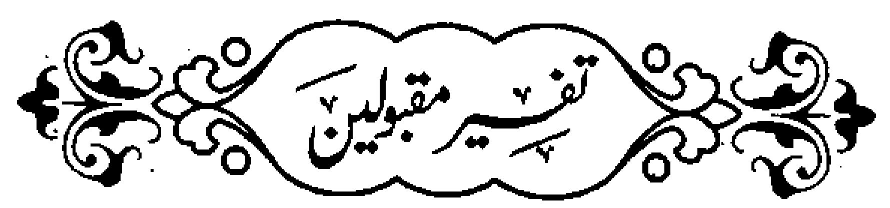
قوله: أَبِيْ سُفْيَانَ وَ أَصْحَابِهِ: اشارہ کیا کہ لام اجلیہ ہے۔ یہ يَقُوْلُوْنَ کا صلہ نہیں۔

قوله: أَنْتُمْ: اس سے کفار کی طرف اشارہ مقصود تھا، غائب کے صیغہ سے ان کو ذکر کیا کیونکہ يَقُوْلُوْنَ کے مخاطب نہ تھے کہ وہ مخاطب بنتے۔

قوله: لَيْسَ لَهُمْ: اس میں استفہام انکاری ہے۔

قوله: وَلَوْ كَانَ: اس سے اشارہ کیا کہ فا جزائیہ ہے اور شرط محذوف ہے، عاطفہ نہیں۔

قوله: اَيِ النَّبِيَّ ﷺ: کیونکہ جو نبوت پر حسد کرتا ہے گویا وہ تمام لوگوں پر حسد کرنے والا ہے۔
قوله: تُعَادَ اِلٰى حَالِهَا الْاَوَّلِ: مغایرت مدلولہ سے مغایرت صفت مراد ہے نہ کہ ذات۔
قوله: لِيُقَاسُوْا: ذوق سے مراد یہاں سخت عذاب کو دائمی طور پر برداشت کرنا ہے۔
قوله: دَائِمًا: ظَلِيْلًا یہ ظل سے تاکید کے لیے صفت مشتقہ بنائی گئی ہے۔
قوله: مَا اُؤْتُمِنَ عَلَيْهِ: خطاب تمام مکلفین اور امانتوں کیلئے عام ہے اگرچہ شانِ نزول خاص عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ ہے۔
قوله: اَصْحَابِ: اُولِي یہ ذو کی جمع ہے جو صاحب کے معنی میں ہے وہ الذی موصول کی جمع نہیں پس عائد ضمیر کا اعتراض بے جا ہے۔
قوله: بِطَاعَةِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ: یہ قید اس لیے لگائی کہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی طاعت لازم نہیں۔



اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا....

ربط: یہاں تک مواقع تقویٰ اور حدود اللہ سے ان تعدیوں کا بیان تھا جن کا تعلق مسلمانوں سے تھا اب آئندہ آیات میں اہل کتاب کی تعدی کو بیان فرماتے ہیں اور مسلمانوں کو متنبہ کرنے کے لیے یہود کی بعض قبائح اور ان کے مکر وفریب اور ان کی پرانی اور جبلی شرارتوں کا ذکر کرتے ہیں کہ یہود ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں کو دین سے پھیر دیں اور توریت میں تحریف کرتے ہیں اور دین اسلام پر طرح طرح کے طعن اور اعتراضات کرتے ہیں تاکہ لوگ شک میں پڑ جائیں اور جب نبی ﷺ کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں تو نہایت گستاخانہ اور تمسخر آمیز ہوتی ہے مال ودولت کے نشہ نے اور تکبر اور غرور نے ان کو اندھا بنا رکھا ہے یہود کے ان شنائع اور قبائح کے بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ مسلمان ان کے مکر وفریب پر مطلع ہو جائیں تاکہ ان سے علیحدہ رہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جن کو کتاب یعنی توریت کے علم سے بہرہ ور کیا گیا ہے اور اس کے علم سے ان کو ایک حصہ دیا گیا ہے یعنی کیا آپ کو ان کی گمراہی اور شرارت کا حال معلوم نہیں کہ وہ کیسے سخت گمراہ اور شریر ہیں کہ وہ لوگ ہدایت کو دے کر گمراہی خرید کرلاتے ہیں یعنی یہود نبی ﷺ کی تکذیب کر کے ہدایت کے بدلے میں گمراہی خریدتے ہیں اور خود تو گمراہی کے خریدار بنے ہی اور مزید برآں چاہتے یہ ہیں کہ تم بھی سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ لہٰذا تم ان سے احتیاط رکھنا کیونکہ یہ تمہارے دشمن ہیں اور شاید تم کو ان کی دشمنی کا علم نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے یعنی تمہیں ان کی عداوت کا حال معلوم نہیں مگر اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ ان کے سینے تمہاری عداوت سے لبریز ہیں اللہ نے تم کو بتلا دیا کہ تم انکو اپنا دشمن سمجھو اور ان سے بچتے رہو اور ان کی باتوں میں نہ آؤ اور ان

کی دشمنی کا حال سن کر پریشان بھی نہ ہونا کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا کافی حمایتی اور اللہ تعالیٰ کافی مددگار ہے تمہارا یعنی ان کی عداوت تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی ہے اس کی حمایت کے مقابلہ میں سارے عالم کی عداوت ہیچ ہے اور اللہ تمہارا مددگار ہے اس کی نصرت اور حمایت پر بھروسہ رکھو اور ان سے بالکل نہ ڈرو اس کے بعد یہود کی چند عادتیں ذکر فرماتے ہیں تا کہ تم کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ کونسی باتیں ہیں جن سے وہ گمراہی کو خریدتے ہیں اور خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور اوروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہودیوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کتاب الٰہی یعنی توریت کے کلمات اور الفاظ کو ان کے موقع اور محل سے لفظاً یا معنًی پھیر دیتے ہیں اور ہٹا دیتے ہیں یعنی توریت میں جو محمد رسول اللہ ﷺ کے اوصاف مذکور ہیں کبھی تو ان الفاظ ہی کو بدل ڈالتے اور اصل الفاظ کو نکال کر ان کی جگہ دوسرے الفاظ رکھ دیتے ہیں مثلاً توریت میں نبی ﷺ کے حلیہ کے بیان میں لفظ ربعہ لکھا ہوا تھا جس کے معنی میانہ قد کے ہیں انہوں نے اس لفظ کو نکال کر اس کی جگہ آدم طویل رکھ دیا اور اسی طرح لفظ رجم کی جگہ لفظ حد ودر کھ دیا یہ تو لفظی تحریف ہوئی اور کبھی ایسا کرتے کہ توریت کی آیتوں کے معنی غلط کرتے اور تاویلات باطلہ سے سامعین کو شبہ ڈالتے غرض یہ کہ یہ لوگ لفظی اور معنوی ہر قسم کی تحریف کرتے کبھی الفاظ کی تفسیر غلط کرتے اور کبھی الفاظ ہی کو بدل ڈالتے

ربط آیات: پچھلی آیت: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ الآیۃ سے یہود کی قبائح اور بری خصلتوں کا ذکر چل رہا ہے، ان آیات کا تعلق بھی انہی کے ذکر قبائح سے ہے۔

شانِ نزول: لباب النقول صفحہ ۷۱ میں اس آیت کا شان نزول بتاتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہودیوں کے علماء اور رؤساء جو قبیلہ بنی نضیر میں سے تھے مکہ معظمہ پہنچے۔ قریش مکہ نے آپس میں کہا کہ یہ لوگ علماء یہود ہیں پہلی کتابوں کا بھی علم رکھتے ہیں۔ ان سے دریافت کرو کہ ہمارا دین بہتر ہے یا محمد (ﷺ) کا دین بہتر ہے؟ چنانچہ انہوں نے علماء یہود سے دریافت کیا۔ ان لوگوں نے (یہ جانتے ہوئے کہ قریش مکہ مشرک ہیں اور دین ابراہیمی کو چھوڑ چکے ہیں اور سیدنا محمد رسول اللہ (ﷺ) حق پر ہیں واقعی اللہ کے نبی ہیں) جواب میں کہہ دیا کہ تم لوگ محمد سے اور ان کا اتباع کرنے والوں کی نسبت زیادہ ہدایت پر ہو، اس پر اللہ تعالیٰ نے (اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ) سے لے کر (مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝) تک آیات نازل فرمائیں۔

یہودیوں کی جسارت جنہوں نے شرک کو توحید سے افضل بتادیا:

یہودی یہ جانتے تھے کہ سیدنا محمد رسول اللہ (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں وہ آپ کی آمد کے انتظار میں بھی تھے۔ اور جو علامات پہلے سے انہیں معلوم تھیں ان کے اعتبار سے آپ کو پہچان بھی لیا لیکن چند افراد کے علاوہ یہود کے علماء اور عوام نے اسلام قبول نہ کیا: فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ اور مشرکین کو بھی انہوں نے یہ بتادیا کہ تم بنسبت محمد رسول اللہ (ﷺ) اور ان کے اصحاب اور اتباع کے زیادہ ہدایت والے ہو۔ نفسانیت اور عناد کا ناس ہو جب یہ دونوں چیزیں کسی کے دل میں جگہ پکڑ لیتی ہیں تو حق اور حقیقت کو دیکھنے ہی نہیں دیتیں، آنکھوں پر پٹی باندھ دیتی

ہیں دل کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ جن لوگوں کے پاس توریت شریف کا علم تھا اور وہ جانتے تھے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام توحید کی دعوت دینے کے لیے تشریف لاتے رہے اور یہ بھی جانتے تھے کہ شرک بدترین چیز ہے اس بات کو جانتے ہوئے علماء یہود نے مشرکین مکہ کو ضد اور عناد میں داعی توحید سیدنا محمد رسول اللہ (ﷺ) اور آپ کے اصحاب واتباع سے زیادہ ہدایت پر بتا دیا۔ جو کچھ علم ان کے پاس تھا اس کی کچھ لاج نہ رکھی اور جبت اور طاغوت پر ایمان لے آئے۔

جبت اور طاغوت کا معنی:

لفظ جبت اور طاغوت کے بارے میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ جبت ایک بت کا نام تھا۔ اس کے بعد وہ ہر معبود باطل کے لیے استعمال ہونے لگا۔ اور طاغوت ہر باطل چیز کو کہا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ جبت جادوگر کے لیے اور طاغوت شیطان کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں ہم نے بعض اقوال کے مطابق آیت شریفہ کا ترجمہ کر دیا ہے یہودیوں کی شرارت نفس دیکھو کہ علم کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھ دیا اور جہالت اختیار کرلی اور اہل شرک کو ہدایت پر بتا دیا، اور اس طرح وہ بتوں پر شیطان پر ایمان لے آئے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ....

شانِ نزول: یہ آیت کریمہ عثمان بن طلحہ حجبی کے بارے میں نازل ہوئی جو بنو عبدالدار میں سے تھا یہ کعبہ کا دربان تھا جب نبی فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں داخل ہوئے تو عثمان نے بیت اللہ کا دروازہ بند کر دیا اور چھت پر چڑھ گیا رسول اللہ! نے چابی مانگی تو آپ کو بتایا گیا کہ چابی عثمان کے پاس ہے آپ نے اس سے مانگی تو اس نے چابی دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر میں انہیں اللہ کا رسول جانتا تو ان سے چابی نہ روکتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ موڑا اور اس سے چابی چھین کر دروازہ کھول دیا رسول اللہ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور دو رکعتیں ادا فرمائیں جب آپ باہر تشریف لائے تو حضرت عباس نے عرض کیا کہ چابی مجھے دے دی جائے تاکہ مجھے پانی پلانے اور دربانی دونوں کا موقع نصیب ہو جائے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی تو رسول اللہ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ چابیاں دوبارہ عثمان کے حوالے کر دو اور اس سے معذرت بھی کرو چنانچہ حضرت علی نے ایسا ہی کیا تو عثمان نے ان سے کہا اے علی میں نے تمہیں مجبور کیا اور تکلیف دی پھر بھی تم میرے ساتھ نرمی برتتے ہو تو آپ نے اسے بتایا کہ اللہ نے تیری شان میں یہ آیت نازل کی پھر اس پر یہ آیت تلاوت کی اس پر عثمان نے کہا کہ پھر میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہہ کر اسلام لے آیا تھوڑی دیر بعد حضرت جبرائیل تشریف لائے اور فرمایا کہ جب تک یہ بیت اللہ قائم رہے گا اس وقت تک اس کی چابیاں اور خدمت عثمان کی اولاد میں رہے گی چنانچہ آج بھی یہ انہیں کے پاس ہیں۔
(قرطبی)

امانتوں کی تفصیل:

سورۂ نساء کی آیت بالا اور دیگر آیات جو ہم نے نقل کی ہیں ان سب سے عمومی طور پر ہر قسم کی امانتوں کی ادائیگی کا حکم اور ہر قسم کی خیانت کی مذمت معلوم ہوئی۔ اللہ کے حقوق جو بندوں پر ہیں نماز، زکوٰۃ، روزے کفارات نذر اور ان کے علاوہ بہت

سی چیزیں یہ سب امانتیں ہیں۔ جن کی ادائیگی یا اضاعت ہر شخص کو معلوم ہوتی ہے کہ میں نے کس حکم پر عمل کیا اور کس حکم کی حکم عدولی کی، دوسروں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اسی طرح سے آپس میں حقوق العباد جو ایک دوسرے پر واجب ہیں وہ بھی امانتیں ہیں ان کی ادائیگی فرض ہے، کسی نے مال امانت رکھ دیا قرض دے دیا یا کسی سے مال غصب کر لیا یا کسی کے مال میں خیانت کر لی یا چوری کر لی یہ سب اموال امانتیں ہیں ان کی ادائیگی فرض ہے حکام کو بلکہ صاحب مال کو معلوم ہو یا نہ ہو ہر شخص اپنے اپنے متعلقہ احکام میں امانتدار ہے چھوٹے بڑے حکام اور ملوک اور رؤساء اور وزراء امانتدار ہیں۔ انہوں نے جو عہدے اپنے ذمہ لیے ہیں وہ ان کی ذمہ داری شریعت اسلامیہ کے مطابق پوری کریں۔ کسی بھی معاملے میں عوام کی خیانت نہ کریں۔ اسی طرح سے بائع اور مشتری اور سفر کے ساتھی اور پڑوسی اور میاں بیوی اور ماں باپ اور اولاد سب ایک دوسرے کے مال کے اور دیگر متعلقہ امور کے امانتدار ہیں جو بھی کوئی کسی کی خیانت کرے گا گنہگار ہوگا اور میدان آخرت میں پکڑا جائے گا۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا: فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ، سو اگر تم میں سے ایک دوسرے پر اعتماد کرے تو جس پر اعتماد کیا گیا وہ دوسرے کی امانت کو ادا کر دے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔

امانتداری ایمانی تقاضوں میں سے ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم سے خطاب فرمایا ہو اور یہ نہ ارشاد فرمایا ہو کہ: ((لا ایمان لمن لا امانة له و لا دین لمن لا عهد له)) (اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانتدار نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پورا نہیں)۔ (مشکوٰۃ المصابیح عن البیہقی فی شعب الایمان صفحہ ۱۵)

صحیح مسلم صفحہ ۵۶: ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں اگرچہ نماز پڑھے اور روزے رکھے اور وہ یہ خیال کرے کہ میں مسلمان ہوں۔

① جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔
② جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔
③ اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص میں چار چیزیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہوگی تو یوں سمجھا جائے گا کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک اسے چھوڑ نہ دے۔

① اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔
② جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔
③ جب عہد کرے تو دھوکہ دے۔
④ جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۱۰: ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہ جب تیرے اندر چار خصلتیں ہوں تو تجھے اس بات کا ضرر نہیں کہ دنیا کی باقی چیزیں تیرے پاس نہیں ہیں: (۱) امانت کی حفاظت (۲) بات کی سچائی (۳) اخلاق کی خوبی (۴) لقمے کی پاکیزگی۔ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت لقمان حکیم سے کسی نے پوچھا کہ آپ علم وفضل کے اس مرتبے پر کیسے پہنچے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ بات کی سچائی، امانت کی ادائیگی اور لایعنی سے پرہیز ان تینوں کی وجہ سے میں اس مرتبہ پر پہنچا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

اداروں کے اموال کی حفاظت میں امانت داری:

جن لوگوں کے ہاتھوں میں دوسروں کے اموال ہیں ان میں ملوک اور حکام بھی ہیں۔ اور یتیموں کے اولیاء بھی۔ مسجدوں کے متولی بھی اور مدارس کے مہتمم بھی۔ اور بیت المال کے نگران بھی۔ اور کہیں پر پڑا ہوا مال اٹھانے والے بھی۔ اور بہت سے عہدیدار ہیں جن پر دوسروں کے مالوں کی حفاظت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے یہ سب لوگ اس بات کے مامور ہیں کہ مالوں کی حفاظت کریں اور ذراسی بھی خیانت نہ کریں۔ امانت کی حفاظت اور اس کی ادائیگی بہت بڑی ذمہ داری ہے، یہ سارے عہدے جنہیں دنیا میں خوشی خوشی قبول کرلیا جاتا ہے۔ پھر ان سے متعلقہ ذمہ داریوں کو پورا نہیں کیا جاتا قیامت کے دن وبال بن جائیں گے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے کسی عمل پر نہیں لگاتے؟ (یعنی مجھے کوئی عہدہ نہیں عنایت فرماتے؟) اس پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کے مونڈھے پر ہاتھ مارا پھر فرمایا اے ابوذر! تو ضعیف ہے اور بلاشبہ یہ عہدہ امانت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قیامت کے دن رسوائی اور ندامت کا ذریعہ ہوگا سوائے اس شخص کے جس نے حق کے ساتھ لیا اور متعلقہ ذمہ داری کو پورا کیا۔ اور ایک روایت یوں ہے کہ آپ نے فرمایا اے ابوذر! میں تمہیں ضعیف دیکھتا ہوں اور میں تمہارے لیے وہ پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں دو آدمیوں کا امیر مت بننا اور یتیم کے مال کا متولی نہ ہونا۔ (رواہ مسلم)

نااہلوں کو عہدے دینا خیانت ہے:

بہت سے لوگ نااہلوں کو اپنی کوشش سے یا اپنے اقتدار سے چھوٹے بڑے عہدے دے دیتے ہیں یا دلا دیتے ہیں حالانکہ یہ جانتے ہیں کہ جس کو عہدہ دیا جارہا ہے۔ یہ اس عہدہ کا اہل نہیں ہے یہ عہدہ ایک امانت ہے اس کی ذمہ داری بہت بڑی ہے لیکن دنیاوی تعلقات اور دنیاوی منافع کے پیش نظر جو فاسقوں، فاجروں ظالموں بے نمازیوں کو عہدے دیئے اور دلا دیے جاتے ہیں، یہ سب امانت میں خیانت ہے، یہ نہیں دیکھا جاتا کہ جسے اقتدار سپرد کردیا جاتا ہے جب وہ عہدے تقسیم کرنے لگتا ہے تو یہ نہیں دیکھتا کہ جسے اقتدار سپرد کیا جارہا ہے یہ شریعت اسلامیہ سے واقف ہے یا ناواقف ہے اس کے عقائد اسلامی ہیں یا غیر اسلامی جس کو عہدہ دیا جارہا ہے اس پر خدا ترسی کی شان ہے بھی یا نہیں اور یہ دین پر چلے گا یا نہیں عوام کے

ساتھ اس کا سلوک اچھا ہوگا یا برا۔ عہدہ سپرد کرنے میں رشتہ داریاں اپنی اپنی پارٹی کا آدمی دیکھا جاتا ہے یا وطنی عصبیتوں کی رعایت کی جاتی ہے، یعنی صرف یہ دیکھتے ہیں کہ یہ ہمارا آدمی ہے۔ اپنوں کو نوازنا مقصود ہوتا ہے دین خداوندی پر چلنے اور چلانے اور امت مسلمہ کے ساتھ عدل وانصاف اور خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات کا کہیں سے کہیں تک بھی دھیان نہیں ہوتا۔ اس لیے سارے فیصلے غیر شرعی ہوتے ہیں اور عوام عہدہ داروں کے ظالمانہ فیصلوں کو بھگتتے رہتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کے متعلقہ امور سے جو شخص کسی امر کا والی بنا پھر اس نے ان پر کسی شخص کو (ذاتی) مروت اور تعلقات کی بنا پر امیر بنا دیا تو اس پر اللہ کی لعنت ہے اس سے کوئی فرض یا نفل قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اللہ اس کو دوزخ میں داخل فرمادے گا۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۱۷۹)

پھر جن لوگوں کے سیاسی وعدے ہوتے ہیں جب عہدہ مل جاتا ہے تو عوام پر ظلم بھی کرتے ہیں اور وعدہ فراموشی بھی کرتے ہیں اور غدر بھی کرتے ہیں، اس بارے میں جو ارشادات نبویہ ہیں ان سب کو یکسر بھول جاتے ہیں۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ (ﷺ) نے: ((مامن وال یلی رعیة من المسلمین فیموت و ھو غاش لھم الا حرم اللہ علیه الجنة)) (صحیح بخاری صفحہ ۱۰۵۲: ج۲) جو بھی کوئی شخص مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کا والی بنا (یعنی ان کی دیکھ بھال اس کے ذمہ کی گئی) پھر وہ اس حال میں مر گیا کہ وہ ان کے ساتھ خیانت کرنے والا تھا تو اللہ اس پر جنت حرام فرمادے گا۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((مامن عبد یسترعیة رعیة فلم یحطھا بنصیحة الالم یجد رائحة الجنة))

"جس کسی بندہ کو اللہ نے چند افراد کا نگہبان بنایا پھر اس نے ان لوگوں کو اچھی طرح خیر خواہی نہ کی تو جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھے گا۔" (صحیح بخاری صفحہ ۱۰۵۹-۱۰۵۸: ج۲)

رعیت کو دھوکہ دینے کے بارے میں حدیث ذیل پڑھیے۔

عن سعد رضی اللہ عنه عن النبی قال لکل غادر لواء عند استه یوم القیامة و فی روایة لکل غادر لواء یوم القیامة یرفع له بقدر غدره الا و لا غادر اعظم غدر أمن امیر عامة۔ "حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ (ﷺ) نے کہ قیامت کے دن ہر دھوکہ دینے والے کے لیے ایک جھنڈا ہوگا جو اس کے پاخانہ کے مقام پر نصب کیا جائے گا وہ اس کے دھوکہ کے بقدر بلند کیا جائے گا (پھر فرمایا) خبردار جو شخص عوام کا امیر ہو اس کے غدر یعنی دھوکے سے بڑھ کر کسی کا غدر نہیں۔" (رواہ مسلم کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۳۲۳)

کام پورا نہ کرنا اور تنخواہ پوری لینا خیانت ہے:

جو لوگ تنخواہ پوری لیتے ہیں اور کام پورا نہیں کرتے یا وقت پورا نہیں دیتے یہ سب لوگ خیانت کرنے والے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ رشوت لیتے ہیں اور رشوت لینے کی وجہ سے کار مفوضہ انجام دینے کی بجائے رشوت دینے والے کی مرضی کے

مطابق اس کا کام کر دیتے ہیں، یہ لوگ بھی خیانت کرنے والے ہیں، رشوت حرام ہے ہی ملازمت کی تنخواہ بھی پوری حلال نہیں ہوتی کیونکہ جس کام کی تنخواہ دی جاتی ہے اس کے خلاف کام کرتے ہیں۔ درحقیقت امانتداری کی صفت بہت بڑی صفت ہے اور اس کو پورا کرنا ایمان کا بہت بڑا مطالبہ ہے۔ یہ ایسی عظیم صفت ہے۔ جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ یہ صفت صرف مالیات ہی سے متعلق نہیں۔

مجلسیں امانت کے ساتھ ہیں:

دیگر امور میں بھی آنحضرت (ﷺ) نے امانتداری پر قائم رہنے کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ المجالس بالامانۃ کہ مجلسیں امانت کے ساتھ ہیں (رواہ ابوداؤد فی کتاب الادب) یعنی مجلس میں جو باتیں ہوتی ہیں ان کو مجلس سے باہر لے جانا اور تجھ مجھ سے بیان کر دینا امانتداری کے خلاف ہے اور اہل مجلس کی خیانت ہے ہاں اگر مجلس میں کسی کا خون کرنے کا یا زنا کاری کا یا کسی کا ناحق مال حاصل کرنے کا مشورہ کیا گیا ہو تو اس کو دوسروں سے بیان کر سکتا ہے تاکہ اس گناہ پر عمل نہ ہو۔ ((وقد ذاد فی الحدیث الاثلثة مجالس سفک دم حرام و فرج حرام او اقتطاع مال بغیر حق)) ایک حدیث میں ہے کہ جب کسی آدمی نے کوئی بات کہی پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا (کہ کوئی سن تو نہیں رہا) تو یہ بات امانت ہے۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد)

مشورہ دینا امانت ہے:

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: ان المستشار موتمن کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے۔ (رواہ الترمذی فی ابواب الزہد) مطلب یہ ہے کہ جس سے مشورہ لیا جائے اس پر واجب ہے کہ صحیح مشورہ دے جو اس کے نزدیک مشورہ لینے کے حق میں بہتر ہو۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے بھائی کو کسی ایسی بات کا مشورہ دیا جس کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ یہ مشورہ مصلحت کے خلاف ہے تو اس نے مشورہ لینے والے کی خیانت کی۔ (اخرجہ ابوداؤد فی کتاب العلم)

بلا اجازت کسی کے گھر میں نظر ڈالنا خیانت ہے:

آنحضرت سرور عالم (ﷺ) نے یہ بھی فرمایا کہ تین کام ایسے ہیں کہ جن کا کرنا کسی کے لیے حلال نہیں:

① جو شخص کسی جماعت کا امام بنے پھر ان کو چھوڑ کر صرف اپنے لیے ہی دعا کرے اگر ایسا کیا تو اس نے خیانت کی۔

② جو شخص اجازت لیے بغیر کسی گھر میں نظر ڈالے اگر اس نے ایسا کیا تو گھر والوں کی خیانت کی۔

③ کوئی شخص پیشاب پاخانہ روکے ہوئے نماز نہ پڑھے جب تک ہلکا نہ ہو جائے (یعنی ان سے فارغ نہ ہو جائے)۔

(مشکوۃ المصابیح)

ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ اموال کے علاوہ دیگر امور میں بھی امانت داری کی صفت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

عدل وانصاف کا حکم:

ادائیگی امانت کا حکم فرمانے کے بعد فیصلوں میں عدل وانصاف کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا: وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ[1] (اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ فیصلے کرو) شریعت اسلامیہ میں جن امور کا بہت زیادہ اہمیت اور تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا ہے ان میں انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا بھی ہے۔ عدل و انصاف کرنے والوں کو بلند مراتب کی خوشخبری دی گئی ہے اور ظالمانہ فیصلے کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے اور ان کے لیے بڑی بڑی وعیدیں ہیں اللہ تعالیٰ شانہ نے جو فیصلوں کے قوانین اپنی کتاب اور اپنے رسول (ﷺ) کے ذریعہ بھیجے ہیں ان کے مطابق فیصلے کرنے ہی سے انصاف ہوگا، نیز اللہ کے قانون میں جس کی جو چیز ہو اور جس کا جو حق ہو وہ حق اور وہ چیز مستحق کو دلانے سے انصاف قائم ہوگا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ....

شانِ نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک روایت میں اس بات کی خبر دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عرب کے قبائل میں سے ایک قبیلہ کی طرف ایک سریہ میں حضرت خالد بن ولید کو بھیجا اس لشکر میں ان کے ساتھ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی تھے حضرت خالد رضی اللہ عنہ چلتے رہے یہاں تک کہ جب قوم کے قریب پہنچے تو پڑاؤ ڈال لیا کہ صبح ان پر حملہ کریں گے اس قوم کے پاس ان کا ایک ڈرانے والا آیا پس وہ سوائے ایک آدمی کے سب بھاگ گئے جو اسلام لے آیا تھا اس شخص نے بھی اپنے گھر والوں کو کہا کہ سفر کے لیے تیاری کرو پھر وہ چلا یہاں تک کہ خالد رضی اللہ عنہ کے لشکر کے پاس پہنچ گیا اور وہاں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا اے ابوالیقان بے شک میں تمہیں میں سے ہوں جب میری قوم نے تمہارے متعلق سنا تو میرے سوا بھاگ گئے اور میں اپنے اسلام کی وجہ سے ٹھہرا رہا کیا یہ مجھے نفع دے گا یا میں بھی اپنی قوم کی طرح بھاگ جاؤں؟ آپ نے فرمایا کہ ٹھہرے رہو یہ تمہیں نفع دے گا چنانچہ وہ شخص واپس لوٹ گیا اور اپنے گھر والوں کو ٹھہرنے کا حکم دیا صبح حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا تو اس شخص کے سوا کسی کو نہ پایا آپ نے اس پر اور اس کے مال پر قبضہ کر لیا آپ کے پاس عمار رضی اللہ عنہ آئے اور کہا کہ اس شخص کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ یہ مسلمان ہے اور میں نے اسے امان دیا ہے اور میں نے ہی اس کو پناہ دی ہے اگرچہ آپ امیر ہیں اس موقع پر ان دونوں کے درمیان کچھ سخت کلامی ہوئی یہ واپس نبی کے پاس لوٹے تو اس شخص کا قصہ بیان کیا نبی نے بھی اسے امان دے دی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے امان کو برقرار رکھا اور آئندہ امیر کے ہوتے ہوئے امیر کی اجازت کے بغیر امان دینے سے منع فرمایا۔

آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور خالد رضی اللہ عنہ کے درمیان رسول اللہ کے سامنے کافی سخت کلامی ہوئی حضرت عمار رضی اللہ عنہ، خالد رضی اللہ عنہ سے بہت سختی سے پیش آئے تو خالد رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ اس غلام کو مجھے گالی دینے کے لیے چھوڑتے ہیں اگر آپ موجود نہ ہوتے تو یہ مجھے کبھی گالی نہ دیتا۔ یہ عمار ہاشم بن مغیرہ کے آزاد کردہ غلام تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے خالد! عمار سے باز رہ کیونکہ جو شخص عمار کو برا بھلا کہے گا اللہ

اسے برا بھلا کہے گا جو عمار سے بغض رکھے گا اللہ اسے مبغوض رکھے گا۔ اس پر عمار رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور چل دیے حضرت خالد رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے پیچھے گئے اور ان کا کپڑا پکڑ کر ان سے درخواست کی کہ مجھ سے راضی ہو جائیے تو آپ حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گئے اس موقع پر اللہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: اُولِی الْاَمْرِ اور ان کی اطاعت کا حکم فرمایا۔

(نیسابوری)

وَنَزَلَ لَمَّا اخْتَصَمَ يَهُوْدِيٌّ وَّمُنَافِقٌ فَدَعَا الْمُنَافِقُ اِلٰى كَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمَا وَدَعَا الْيَهُوْدِيُّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَاَتَيَاهُ فَقَضٰى لِلْيَهُوْدِيِّ فَلَمْ يَرْضَ الْمُنَافِقُ وَاَتَيَا عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَذَكَرَلَهُ الْيَهُوْدِيُّ ذٰلِكَ فَقَالَ لِلْمُنَافِقِ اَكَذٰلِكَ قَالَ نَعَمْ فَقَتَلَهُ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ الْكَثِيْرِ الطُّغْيَانِ وَهُوَ كَعْبُ ابْنُ الْاَشْرَفِ وَ قَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَلَا يُوَالُوْهُ وَ يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿٦٠﴾ عَنِ الْحَقِّ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِي الْقُرْاٰنِ مِنَ الْحُكْمِ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ يُعْرِضُوْنَ عَنْكَ اِلٰى غَيْرِكَ صُدُوْدًا ﴿٦١﴾ۚ فَكَيْفَ يَصْنَعُوْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ عُقُوْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ مِنَ الْكُفْرِ وَالْمَعَاصِيْ اَيْ اَيَقْدِرُوْنَ عَلَى الْاِعْرَاضِ وَالْفِرَارِ مِنْهَا لَا ثُمَّ جَآءُوْكَ مَعْطُوْفٌ عَلٰى يَصُدُّوْنَ يَحْلِفُوْنَ ۖۗ بِاللّٰهِ اِنْ مَا اَرَدْنَآ بِالْمُحَاكَمَةِ اِلٰى غَيْرِكَ اِلَّآ اِحْسَانًا صُلْحًا وَّ تَوْفِيْقًا ﴿٦٢﴾ تَاْلِيْفًا بَيْنَ الْخَصْمَيْنِ بِالتَّقْرِيْبِ فِي الْحُكْمِ دُوْنَ الْحَمْلِ عَلٰى مُرِّ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ مِنَ النِّفَاقِ وَ كَذِبِهِمْ فِيْ عُذْرِهِمْ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ بِالصَّفْحِ وَ عِظْهُمْ خَوِّفْهُمُ اللّٰهَ وَ قُلْ لَّهُمْ فِيْٓ شَانِ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ﴿٦٣﴾ مُؤَثِّرًا فِيْهِمْ اَيْ اِزْجُرْهُمْ لِيَرْجِعُوْا عَنْ كُفْرِهِمْ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ فِيْمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖ وَيَحْكُمُ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ بِاَمْرِهٖ لَا يُعْصٰى وَيُخَالَفُ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِتَحَاكُمِهِمْ اِلَى الطَّاغُوْتِ جَآءُوْكَ تَائِبِيْنَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ فِيْهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ تَفْخِيْمًا لِّشَانِهٖ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا عَلَيْهِمْ رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾ بِهِمْ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا زَائِدَةٌ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ اِخْتَلَطَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ

لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا ضَيْقًا اَوْ شَكًّا مِّمَّا قَضَيْتَ بِهٖ وَ يُسَلِّمُوْا يَنْقَادُوْا لِحُكْمِكَ تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾ مِنْ
غَيْرِ مُعَارَضَةٍ وَ لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ مُفَسِّرَةٌ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ كَمَا كَتَبْنَا
عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ مَّا فَعَلُوْهُ اَيِ الْمَكْتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِلَّا قَلِيْلٌ بِالرَّفْعِ عَلَى الْبَدْلِ وَالنَّصْبِ عَلَى
الْاِسْتِثْنَاءِ مِّنْهُمْ ۭ وَ لَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ مِنْ طَاعَةِ الرَّسُوْلِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَشَدَّ
تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾ تَحْقِيْقًا لِاِيْمَانِهِمْ وَّ اِذًا اَيْ لَوْ ثَبَتُوْا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ مِنْ عِنْدِنَا اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾ هُوَ الْجَنَّةُ
وَّ لَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾ قَالَ بَعْضُ الصَّحَابَةِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ نَرَاكَ فِي الْجَنَّةِ
وَاَنْتَ فِي الدَّرَجَاتِ الْعُلٰى وَنَحْنُ اَسْفَلُ مِنْكَ فَنَزَلَ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فِيْمَا اَمَرَ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ
الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ اَفَاضِلَ اَصْحَابِ الْاَنْبِيَاءِ لِمُبَالَغَتِهِمْ فِي الصِّدْقِ
وَالتَّصْدِيْقِ وَ الشُّهَدَآءِ الْقَتْلٰى فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ غَيْرَ مَنْ ذُكِرَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ رُفَقَاءَ
فِي الْجَنَّةِ بِاَنْ يَسْتَمْتِعَ فِيْهَا بِرُؤْيَتِهِمْ وَزِيَارَتِهِمْ وَالْحُضُوْرِ مَعَهُمْ وَاِنْ كَانَ مَقَرُّهُمْ فِيْ دَرَجَاتٍ عَالِيَةٍ
بِالنِّسْبَةِ اِلٰى غَيْرِهِمْ ذٰلِكَ اَيْ كَوْنُهُمْ مَعَ مَنْ ذُكِرَ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ تَفَضَّلَ بِهٖ عَلَيْهِمْ لَا
اَنَّهُمْ نَالُوْهُ بِطَاعَتِهِمْ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾ ع بِثَوَابِ الْاٰخِرَةِ فَثِقُوْا بِمَا اَخْبَرَكُمْ بِهٖ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ع ۹ ۱۱ ۲

ترجمہ: اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب ایک یہودی اور منافق جھگڑ بیٹھے تو منافق نے کہا کہ کعب بن اشرف کے پاس چلو تا کہ وہ یہودی عالم ہم دونوں میں فیصلہ کر دے اور یہودی نے نبی اکرم ﷺ کے پاس چلنے کی دعوت دی چنانچہ دونوں نبی پپا کرم ﷺ کے پاس آئے آپ نے دونوں طرف کے بیانات سن کر معاملہ کی تحقیق فرمائی آپؐ نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرما دیا مگر منافق اس فیصلہ پر راضی نہ ہوا اور دونوں حضرت عمرؓ کے پاس آئے یہودی نے حضرت عمرؓ سے یہ یعنی حضورؐ کے فیصلہ کا حال بیان کر دیا اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منافق سے پوچھا کیا واقعہ یہی ہے؟ اس نے کہا ہاں، آخر عمر رضی اللہ عنہ نے اس منافق کو قتل کر دیا۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ الآیۃ اے پیغمبر کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی جو زبان سے دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ یعنی ہم ایمان لائے اس کتاب پر جو آپ کی طرف اتاری گئی اور اس کتاب پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئی اس پر بھی چاہتے ہیں کہ باہمی جھگڑے فیصلہ کرانے شیطان سرکش کعب بن اشرف کے پاس لے جائیں حالاں کہ انہیں حکم دیا جا چکا ہے کہ اس کو نہ مانیں اور اس سے قلبی دوستی و تعلق نہ رکھیں بلکہ مخالفت کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں راہ حق سے بھٹکا کر بہت دور

ڈال دے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آ ؤ اس حکم کی طرف جو حکم قرآن میں اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے آپ سے غیر کی طرف انحراف کے طور پر، پھر کیا کریں گے اس وقت جب ان پر مصیبت آفت آ پڑے گی ان کی بداعمالیوں کفر و معاصی کی وجہ سے؟ یعنی کیا اس وقت اس عقوبت و مصیبت سے بھاگ جانے اور بچ جانے کی قدرت رکھتے ہیں؟ ہرگز نہیں پھر آپ کے پاس آتے ہیں یہ معطوف ہے یَصُدُّوْنَ پر اور اس صورت میں فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ الآیۃ جملہ معترضہ ہوگا اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے ان اردنا ان بمعنی ما نافیہ ہے کہ ہمارا مقصود آپ کے غیر کے پاس مقدمہ لے جانے سے صرف بھلائی صلح اور باہمی میل ملاپ تھا یعنی فیصلہ میں تقریب کے ذریعہ دونوں فریق کے درمیان میل ملاپ تھا نہ کہ حق فیصلہ کی ناگواری پر آمادہ کرنا یعنی آپ کا فیصلہ جو حق تھا اس کو ناگوار سمجھنا ہرگز مقصود نہ تھا بلکہ حضرت عمرؓ کے پاس جانے سے ہمارا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ فریقین میں مصالحت اور میل ملاپ کرادیں یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے یعنی نفاق اور جھوٹا عذر سو آپ ان سے تغافل برتئے بطور درگزر کرنے یعنی سزا و مواخذہ سے اعراض فرمائیے اور ان کو نصیحت کرتے رہیے اللہ سے ان کو ڈراتے رہیے اور ان سے خاص ان کی ذات کے بارے میں مؤثر بات کہیے جو ان کے دلوں میں اثر کر جائے یعنی ان کو ڈانٹئے تا کہ کفر سے باز آ جائیں۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا الآیۃ اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے ان سب باتوں میں جن کا وہ حکم دے اور فرمان جاری کرے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ الآیۃ اور اگر یہ لوگ جس وقت اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے تھے شیطان کا حکم تسلیم کرنے کی وجہ سے اسی وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے درانحالیکہ توبہ کرنے والے ہوتے پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول یعنی آپ ﷺ بھی ان کے لئے اللہ سے معافی چاہتے اس میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہے آپ کی تعظیم شان کے لیے یعنی لفظ رسول لاکر آپ کی تعظیم کا اظہار مقصود ہے تو ضرور پاتے اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اپنے اوپر اور رحم کرنے والا ان کے ساتھ۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ الآیۃ پس قسم ہے آپ کے رب کی فَلَا وَرَبِّكَ میں لا زائد ہے معنی ہیں: فو ربک لا یؤمنون الآیۃ یہ لوگ مؤمن نہیں ہو سکتے تھے تاوقتیکہ باہمی جھگڑے اور گڑبڑی میں آپ حاکم فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں اور پھر آپ کے فیصلہ سے اپنے دلوں میں کوئی حرج یعنی تنگی کا شک نہ محسوس کریں اور اس فیصلہ کو تسلیم کرلیں تسلیم کرنا یعنی کما حقہ مان لیں بغیر کسی معارضہ کے۔ اور اگر ہم ان لوگوں پر فرض کر دیتے ان مفسرہ ہے یعنی كَتَبْنَا کی تفسیر ان کے ذریعہ کر دی گئی۔ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ الآیۃ کہ اپنے آپ کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ جیسے ہم نے بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی کے جرم کی وجہ سے خودکشی کا حکم دیا تھا تو اس کو کوئی نہ کرتا یعنی ان پر جو حکم قتل نفس و ترک وطن کا فرض کیا جاتا اس کی تعمیل نہیں کرتے مگر ان میں سے تھوڑے لوگ یعنی جو کامل مؤمن ہوتے وہ تعمیل حکم کرتے باقی سارے منافقین تعمیل نہ کرتے قلیل جمہور کی قراءت رفع کے ساتھ ہے بدل کی بنا پر یعنی فَعَلُوْهُ کے واؤ سے اور یہی مختار عند النحاۃ ہے اور ایک قراءت میں نصب کے ساتھ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ہے استثناء کی وجہ سے وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا الآیۃ اور اگر یہ لوگ وہ کام کرتے جس کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے یعنی رسول کی اطاعت تو ان کے لیے بہتر ہوتا اور ثابت قدمی بہت مضبوط ہوتی یعنی ان کے ایمان کو پختہ کرنے والا ہوتا اور اس حالت میں یعنی جب یہ ثابت قدم رہتے تو البتہ ہم خاص اپنی طرف سے

یعنی ہم اپنے فضل سے اجرِ عظیم جنت عنایت فرماتے اور ہم ان کو ضرور سیدھا راستہ بتلا دیتے۔ قَالَ بَعْضُ الصَّحَابَةِ الآیۃ یہاں سے مفسر علامہ سیوطیؒ آیات آئندہ یعنی آیت ۶۹، ۷۰ کا شانِ نزول بیان کر رہے ہیں اور یہی شانِ نزول صاحب معالم التنزیل علامہ بغویؒ اور حافظ ابن کثیر وغیرہ نے ذکر کیا ہے بعض صحابہؓ یعنی حضور اقدس ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبانؓ وغیرہ نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا: ''رسول اللہ ہم آپ کو جنت میں کیسے دیکھ سکیں گے؟ آپ تو جنت کے درجات عالیہ میں ہوں گے اور ہم آپ سے بہت نیچے مقام میں ہوں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ الآیۃ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے جن باتوں کا یہ دونوں حکم دیں تو ایسے لوگ ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء علیہم السلام اور صدیقین یعنی انبیاء علیہم السلام کے افضل ترین صحابہ اور یہ اس وجہ سے کہ صدق یعنی ظاہر و باطن میں انتہائی صادق اور تصدیق یعنی وحی الٰہی کی تصدیق میں انتہائی کامل درجہ پر تھے اور شہداء اللہ کی راہ میں اپنی جان دینے والے اور صالحین یعنی مذکورین بزرگوں کے علاوہ اولیاء متبع شریعت اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں یعنی یہ حضرات رفقاء جنت ہیں بایں طور کہ ان کے دیدار اور ان کی زیارت اور ان کے ساتھ حضوری کے شرف سے فیضیاب ہوں گے اگرچہ یہ حضرات بمقابلہ اوروں کے مقامات عالیہ پر فائز ہوں گے۔ ذٰلِكَ یہ یعنی ان مطیعین کا مذکورہ حضرات کے ساتھ ہونا ترکیب میں یہ یعنی ذٰلِكَ مبتدا ہے اور آئندہ اَلْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ خبر ہے فضل ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے تفضّل بہ یعنی اللہ نے اس فضل معیت کے ذریعہ ان اطاعت کرنے والوں پر احسان کیا ہے، یہ نہیں کہ انہوں نے اپنی طاعت وعبادت سے اس کو حاصل کیا ہو اور اللہ تعالیٰ کافی ہے جاننے والا آخرت کے ثواب کو پورا پورا جاننے والا ہے لہٰذا اس کی خبر پر اعتماد کرو اس خبیر مطلق جیسا تجھ کو نہیں بتائے گا۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: كَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ: نام بول کر اس کا وصفی مفہوم مراد ہے یعنی عام سے خاص مراد لیا گیا وصفی مفہوم کے لحاظ سے۔ فتدبر

قوله: يَصْنَعُوْنَ: یعنی کیف سے استفہام وصیت پہنچنے کے وقت سے متعلق نہیں کیونکہ وہ تو بہرحال ثابت ہونے والا ہے اور اسی طرح وصیت بھی ان کی حرکت کے تذکرہ کے بغیر ہے کیونکہ کیف حال وحرکت دونوں پر دلالت کر رہا ہے۔

قوله: تَائِبِيْنَ: یہ قید اس لیے بڑھائی کیونکہ ان کا مطلقاً آنا تو تھا۔

قوله: عَلَيْهِمْ: اس سے مقید کر کے اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ توّاب ہیں، پس وجدان توّاب کی شرط سے معلق کا کوئی معنی نہیں، دراصل ان کی توبہ قبول کرنے کے لحاظ سے شرط لائی گئی۔ فتامل۔

قوله: لَا زَائِدَةٌ: تاکید قسم کے لیے ہے اور يُؤْمِنُوْنَ کے لا کی معاونت کے لیے نہیں۔

قوله: مُفَسِّرَةٌ: کیونکہ وہ کتبنا ہے یا امرنا کے معنی میں ہے۔

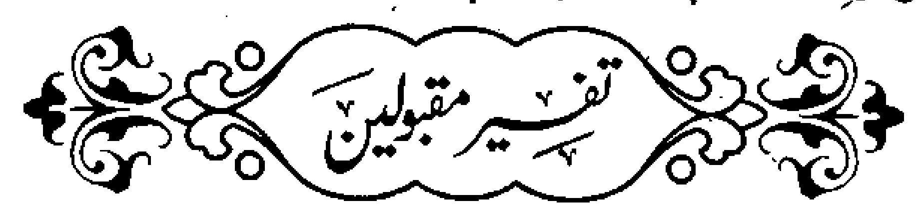
قوله: اَلْمَكْتُوْبَ: وہ جس پر کتبنا دلالت کرتا ہے۔ ضمیر کا مرجع اقتلوا یا اشربوا کا مصدر نہیں۔

قوله: اَفَاضِلَ اَصْحَابِ الْاَنْبِيَاءِ: اَفَاضِلَ کہا کیونکہ وہ ہے جو صدق میں مبالغہ والا ہو۔ ظاہری معاملہ اور باطنی میں صدق ورضا والا۔

قوله: وَحَسُنَ: یہ تعجب کے معنی میں ہے یعنی وہ لوگ کیا ہی خوب ہیں۔

قوله: رُفَقَاءَ فِي الْجَنَّةِ: رفیق کا لفظ واحد وجمع دونوں پر بولا جاتا ہے۔ یہ فقط وصف نہیں بلکہ ایسا وصف ہے جو اسم کے قائم مقام ہوتا ہے۔ پس اسم میں وحدت وجمع برابر ہیں۔

قوله: خَبَرُهُ اَلْفَضْلُ: ذٰلِكَ مبتداء ہے اور اَلْفَضْلُ خبر ہے، صفت نہیں۔



اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ....

ایک منافق کا واقعہ جو یہودی کے پاس فیصلہ لے گیا:

شانِ نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بشر نامی ایک منافق تھا اس کے اور ایک یہودی کے درمیان جھگڑا تھا۔ فیصلہ کرانے کے لیے کہیں جانا تھا۔ یہودی نے کہا کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چلیں ان سے فیصلہ کرالیں لیکن بشر منافق نے کہا کہ کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں۔ کعب بن اشرف یہودیوں کا سردار تھا۔ یہودی نے کہا کہ نہیں میں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کے پاس لے چلوں گا، جب منافق نے یہ دیکھا کہ یہ اور کسی جگہ جانے کو تیار نہیں ہے تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں دونوں حاضر ہو گئے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرما دیا جب باہر آئے تو بشر منافق نے یہودی سے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے یہودی نے پورا واقعہ سنایا اور بتادیا کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے بارے میں یہ فیصلہ فرما دیا ہے اور اب یہ چاہتا ہے کہ آپ سے فیصلہ کرائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ذرا ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں یہ کہہ کر وہ تشریف لے گئے اور اندر سے تلوار لے کر نکلے جس سے بشر منافق کو انہوں نے قتل کر دیا اور فرمایا کہ جو اللہ کے اور اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فیصلے پر راضی نہ ہو ہمارے نزدیک اس کا یہ فیصلہ ہے اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے حق اور باطل کے درمیان فرق کر کے دکھا دیا اسی وجہ سے ان کو فاروق کہا جانے لگا۔ (معالم التنزیل صفحہ ٤٤٦٧: ج١)

غیر اسلامی قانون کا سہارا لینے والے کی مذمت:

واقعہ مذکورہ کے علاوہ کتب تفسیر میں سبب نزول بتاتے ہوئے بعض دیگر واقعات بھی لکھے ہیں۔ سبب نزول جو بھی کچھ ہو آیت مذکورہ میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم قرآن پر بھی ایمان

لائے اور اللہ تعالیٰ کی کتب سابقہ پر بھی ایمان لائے۔ دعویٰ تو ان کا یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں لیکن جب کوئی قضیہ درپیش ہو جائے اور فیصلہ کرانا پڑے تو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ (ﷺ) کے موافق فیصلہ کرانے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ مقدمہ ایسے لوگوں کے پاس لے جانے کی کوشش کرتے ہیں جن سے امید ہو کہ غیر اسلامی قانون کو سامنے رکھ کر یا رشوت لے کر ان کی خواہش کے مطابق فیصلہ کر دے یوں تو بڑے زور شور سے اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن جب معاملات اور خصومات کا موقع سامنے آتا ہے تو طاغوت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی سے فیصلہ چاہتے ہیں۔ لفظ طاغوت شیطان کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں قرآن مجید میں یہ لفظ کعب بن اشرف یہودی کے لیے استعمال فرمایا ہے جو بہت بڑا یہودی شیطان تھا۔ ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ کسی بھی شیطان کی بات نہ مانیں اور ہر غیر اسلامی قانون سے پرہیز کریں جس کو (وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ) میں بیان فرمایا، لیکن دنیا کے غلام اور مادی منافع کے طالب اسلام کے مدعی ہونے کے باوجود ان لوگوں سے فیصلہ کرانا چاہتے ہیں جو اسلامی قوانین کے خلاف ان کے حق میں فیصلہ کر دیں جب کوئی شخص یہ راہ اختیار کرے گا تو شیطان اس کو راہ حق سے ہٹا دے گا، اور اسے دور پھینک دے گا اور اسی کو فرمایا: وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۞

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ مِنْ عَدُوِّكُمْ اَيِ احْتَرِزُوْا مِنْهُ وَتَيَقَّظُوْا لَهٗ فَانْفِرُوْا انْهَضُوْا اِلٰى قِتَالِهٖ ثُبَاتٍ مُتَفَرِّقِيْنَ سَرِيَّةً بَعْدَ اُخْرٰى اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ۞ مُجْتَمِعِيْنَ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ لِيَتَاَخَّرَنَّ عَنِ الْقِتَالِ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُبَيٍّ الْمُنَافِقِ وَاَصْحَابِهٖ وَجَعَلَهٗ مِنْهُمْ مِنْ حَيْثُ الظَّاهِرِ وَاللَّامُ فِي الْفِعْلِ لِلْقَسَمِ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ كَقَتْلٍ وَهَزِيْمَةٍ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ۞ حَاضِرًا فَاُصَابَ وَلَئِنْ لَامُ قَسَمٍ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ كَفَتْحٍ وَغَنِيْمَةٍ لَيَقُوْلَنَّ نَادِمًا كَاَنْ مُخَفَّفَةٌ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ كَاَنَّهٗ لَّمْ تَكُنْ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ مَعْرِفَةٌ وَصَدَاقَةٌ وَهٰذَا رَاجِعٌ اِلٰى قَوْلِهٖ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اعْتَرَضَ بِهٖ بَيْنَ الْقَوْلِ وَمَقُوْلِهٖ وَهُوَ لِلتَّنْبِيْهِ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۞ اٰخُذُ حَظًّا وَافِرًا مِنَ الْغَنِيْمَةِ قَالَ تَعَالٰى فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لِاِعْلَاءِ دِيْنِهٖ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ يَبِيْعُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ يُسْتَشْهَدْ اَوْ يَغْلِبْ يَظْفَرْ بِعَدُوِّهٖ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۞ ثَوَابًا جَزِيْلًا وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ اِسْتِفْهَامُ تَوْبِيْخٍ اَيْ لَا مَانِعَ لَكُمْ مِنَ الْقِتَالِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَفِيْ تَخْلِيْصِ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ حَبَسَهُمْ

الْكُفَّارُ عَنِ الْهِجْرَةِ وَاٰذَوْهُمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كُنْتُ اَنَا وَاُمِّيْ مِنْهُمْ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ دَاعِيْنَ يَا رَبَّنَآ
اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ مَكَّةَ الظَّالِمِ اَهْلُهَا بِالْكُفْرِ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ مِنْ عِنْدِكَ وَلِيًّا
يَتَوَلّٰى اُمُوْرَنَا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ يَمْنَعُنَا مِنْهُمْ وَقَدِ اسْتَجَابَ اللّٰهُ دُعَاءَهُمْ فَيَسَّرَ لِبَعْضِهِمُ
الْخُرُوْجَ وَبَقِيَ بَعْضُهُمْ اِلٰى اَنْ فُتِحَتْ مَكَّةُ وَوَلّٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَتَّابَ بْنَ اُسَيْدٍ فَاَنْصَفَ
مَظْلُوْمَهُمْ مِنْ ظَالِمِهِمْ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ
الطَّاغُوْتِ الشَّيْطَانِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اَنْصَارَ دِيْنِهِ تَغْلِبُوْهُمْ لِقُوَّتِكُمْ بِاللّٰهِ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ
بِالْمُؤْمِنِيْنَ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ وَاهِيًا لَا يُقَاوِمُ كَيْدَ اللّٰهِ بِالْكٰفِرِيْنَ ع ۱۰

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے دشمن سے اپنے بچاؤ کا سامان لے لو یعنی دشمن سے بچاؤ کا خیال رکھو اور ہوشیار رہو پھر نکلو دشمن سے مقاتلہ و مقابلہ کے لیے متفرق ٹولیاں بنا کر یعنی متفرق طور پر ایک دستہ کے بعد دوسرا نکلو یا نکلو مجتمع طور پر اکٹھے ہو کر جیسا موقع ہو اور بلاشبہ تم میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو پچھڑ جائیں گے یعنی جہاد سے ضرور پیچھے ہٹ جائیں گے جیسے عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھی۔ رہا یہ اشکال کہ منافق کو اِنَّ مِنْكُمْ یعنی تم مسلمانوں کی جماعت میں سے کہنا؟ یہ صرف ظاہری اعتبار سے ہے کیوں کہ ظاہر میں منافقین اسلام ظاہر کرتے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور لام فعل لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ میں لام قسمیہ ہے پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے جیسے شہادت اور شکست کی تو وہ منافق کہنے لگتا ہے کہ اللہ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان لوگوں مسلمانوں کے ساتھ حاضر نہیں تھا یعنی لڑائی میں موجود نہیں تھا کہ میں بھی مصیبت پہنچایا جاتا یعنی اگر ان مسلمانوں کے ساتھ ہوتا تو جو آفت ان پر آئی کہ کچھ صحابہؓ شہید ہوئے میں اس آفت میں پھنستا اور اگر لَئِنْ میں لام قسمیہ ہے تمہیں اللہ کا فضل پہنچے جیسے لڑائی میں فتح اور مال غنیمت کا حاصل ہونا تو یہ منافق ندامت کے ساتھ اس طرح کہتا ہے: کان مخففہ من المثقلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے جو ضمیر شان ہے: ای کانہ اور لم یکن میں ایک قراءت تاء کے ساتھ ہے چونکہ مودہ مؤنث ہے اور دوسری قراءت یاء کے ساتھ ہے چونکہ درمیان میں بَيْنَكُمْ اور بَيْنَهٗ سے فصل ہے اس لیے یاء کے ساتھ بھی درست ہے کہ گویا تمہارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی ہی نہ تھی یعنی جان پہچان اور دوستی۔ وَهٰذَا رَاجِعٌ الآیۃ اور یہ جملہ: كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ راجع ہے قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ کی طرف یعنی اصل عبارت اس طرح ہوگی: قال قد انعم اللہ علی کان لم یکن الآیۃ مطلب یہ ہے کہ منافقین مسلمانوں کی شکست سے خوش ہو کر کہنے لگتے ہیں: قد انعم اللہ علی کان لم یکن الآیۃ اللہ نے ہم پر بڑا ہی فضل کیا، ان منافقوں کا یہ قول ایسا ہے: کَاَلَّمْ يَكُنْ گویا کہ تمہارے اور ان منافقوں کے درمیان کوئی تعلق ہی نہ تھا اور ان کا مقولہ آگے ہے اور قول و مقولہ کے درمیان كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ الآیۃ جملہ معترضہ ہے اور وہ مقولہ ہے يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ الآیۃ اس میں یاء تنبیہ کے لیے ہے یعنی اس حرف ندا سے صرف تنبیہ

مقصود ہے ای کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو مجھ کو بھی بڑی کامیابی حاصل ہوتی یعنی مال غنیمت میں سے بھرپور حصہ لیتا، حق تعالیٰ فرماتے ہیں پس اللہ کی راہ میں قتال کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ کے دین کو بلند کرنے کی خاطر ان لوگوں کو جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی فروخت کر رہے ہیں ان کو چاہئے کہ خدا کی راہ میں جنگ کریں اور جو شخص خدا کی راہ میں جنگ کرے یا پھر شہید ہو جائے یا غالب آجائے اپنے دشمن کے مقابلہ میں کامیاب ہو جائے تو ہم ہر حالت میں اس کو اجر عظیم دیں گے آخرت میں بھاری ثواب دیں گے اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں نہیں لڑتے ہو؟ یہ استفہام توبیخی ہے یعنی جہاد سے تم کو کوئی چیز روکنے والی نہیں ہے اور کمزور مردوں اور عورتوں کو بچوں کی خاطر یعنی تمہیں کیا ہوا کہ ان کمزوروں کے خلاصی دلانے اور رہائی کرانے کے لیے جہاد نہیں کرتے ہو جنہیں کفار نے ہجرت کرنے سے روک رکھا ہے اور انہیں تکلیف پہنچاتے ہیں ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ میں اور میری والدہ بھی ان ہی مستضعفین میں سے تھے جو کہہ رہے ہیں دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی یعنی مکہ سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں کفر کرنے کی وجہ سے ہم پر آفت ڈھا رکھی ہے ان کے ساتھ نباہ مشکل ہے۔ وَاجْعَلْ لَّنَا الآیۃ اور اپنے پاس سے ہمارے لیے کوئی حامی پیدا کر دے جو ہمارے کاموں کا متولی ہو اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی مددگار بنا دے جو ہمیں ان ظالموں سے بچا لے تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی چنانچہ ان میں سے بعض کے لیے تو نکل جانا میسر ہوا اور کچھ لوگ اسی جگہ رہے یہاں تک کہ مکہ فتح ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے عتاب بن اسیدؓ کو مکہ کا حاکم بنا دیا چنانچہ حضرت عتاب بن اسیدؓ نے مظلومین کا ان ظالموں سے پورا حق وصول کیا جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جو لوگ کافر ہیں وہ طاغوت شیطان کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پس اے مسلمانو تم شیطان کے ساتھیوں سے جہاد کرو یعنی شیطان کے دین اور طریقہ کے مددگاروں سے لڑو تم ہی ان پر غالب رہو گے اس لیے کہ امداد الٰہی کی طاقت تمہیں حاصل ہے۔ لِقُوَّتِکُمْ بِاللّٰہِ، غلبہ کی علت ہے بلاشبہ شیطان کا فریب داؤ و تدبیر مسلمانوں کے ساتھ کمزور ہے بالکل کمزور ہے کہ شیطان کا داؤ ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتا ہے اس کید اور داؤ کا جو اللہ تعالیٰ کا داؤ ہے کافروں کے ساتھ۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: وَ تَیَقَّظُوْا: اس کا معنی دشمن سے محتاط رہو اور اپنے اوپر ان کو قابو نہ دو۔ یہ استعارہ بالکنایہ ہے، حذر کو اسلحہ اور وقایہ کو نفس سے تشبیہ دی ہے۔

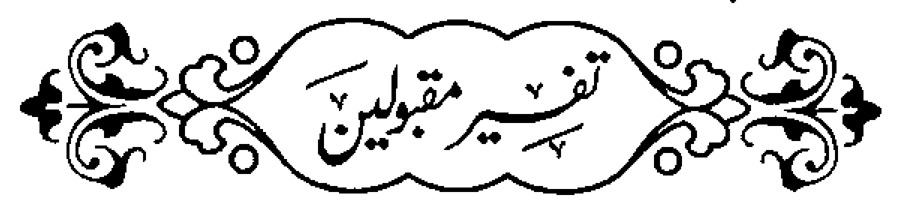
قوله: اِنْھَضُوْا: یعنی یہ فرار کے معنی میں نہیں ہے۔

قوله: مُتَفَرِّقِیْنَ سَرِیَّۃً: متفرقین جماعتوں میں ہو ثبات یہ ثبۃ کی جمع ہے، جماعت کو کہتے ہیں جن کی تعداد دس سے زائد ہو۔

قوله: وَاللَّامُ: اول لام ابتدائیہ ہے اور دوسرا قسمیہ ہے۔ مضارع جواب قسم میں آیا ہے۔

قوله: نَادِمًا: غنیمت کے نہ ملنے پر شرمندگی ہو، طلب ثواب کی وجہ سے نہیں۔

وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ سے اس کا تعلق نہیں۔
قوله: وَهٰذَا رَاجِعٌ: یہ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ کی طرف راجع ہے۔
قوله: اِعْتِرَاضٌ بِهِ: اشارہ کر رہے ہیں کہ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ یہ جملہ معترضہ ہے۔ جو مختلف جملوں کے اجزاء کے مابین واقع ہے اور اس کا تعلق ان کی حالت کے بیان سے ہے۔ پس تمام سے متعلق ہے۔ پس یہ مجموعہ جونسے اجزاء کے درمیان ممکن ہو آ سکتا ہے۔
قوله: لِلتَّنْبِیْهِ: یا یہ مجازی طور پر تنبیہ کے لیے، نداء کے لیے نہیں ہے۔ پھر کئی حذف ماننے پڑتے ہیں۔
قوله: مِنَ الْغَنِیْمَةِ: اس کا معیت کی تمنا کرنا محض مال کی خاطر ہے۔ ثواب کا حصول مقصود نہیں، اس وجہ سے یہ تمنا تو بہ بن سکے گی۔
قوله: یَبِیْعُوْنَ: بیع سے تفسیر کی کیونکہ باء ثمن پر داخل ہوتا ہے اور مبیعہ مقصود ہوتا ہے، منافقین سے دنیا کی زندگی کو مقصود اصلی بنایا اور آخرت پر ترجیح دی اور ربیع مبادلہ کے معنی میں ہے۔ فتامل۔
قوله: فِیْ تَخْلِیْصِ: اس میں اشارہ ہے کہ اَلْمُسْتَضْعَفِیْنَ کا عطف سبیل پر حذف مضاف کے ساتھ ہے۔ اسم اللہ پر نہیں۔
قوله: دَاعِیْنَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ قول بطور دعا ہے، بطور امر نہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا۔
قوله: یَا رَبَّنَا: اس سے اشارہ ہے کہ حرف نداء محذوف ہے یہ حذف بطور تخفیف ہے۔



یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا ۝

اہل ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اپنے ہتھیار لے لیا کرو۔ پھر تم چلو مختلف دستوں کی شکل میں یا سب اکٹھے یعنی ضرورت اور موقع کے مطابق جیسا تم لوگ بہتر اور مناسب سمجھو ویسا ہی کرو۔ ثُبات، ثُبۃٌ کی جمع ہے جس کے معنی ٹکڑی گروہ اور جماعت کے ہیں۔ سو یہ خطاب مسلمانوں سے من حیث الجماعت ہے اور ان کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ تم لڑو اللہ کی راہ میں اکٹھے مل کر بھی، جیسا کہ منظم فوج کشی میں ہوتا ہے۔ اور مختلف گروہوں اور ٹکڑیوں کی صورت میں بھی جیسا کہ گوریلہ جنگ میں ہوتا ہے اور مسلمانوں نے جنگ کے لئے دونوں طریقے اپنائے ہیں۔ آنحضرت (ﷺ) نے منظم فوج کشی بھی فرمائی اور مختلف سریے بھی بھیجے ہیں۔ جنہوں نے مختلف مقامات پر مختلف کارروائیاں کیں۔ بہر کیف اس سے باقاعدہ منظم اور گوریلا دونوں قسم کی جنگوں کا حکم وارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ ۚ ....

یعنی اے مسلمانو! تمہاری جماعت میں بعضے ایسے بھی گھسے ہوئے ہیں کہ جہاد کو جانے میں دیر لگاتے ہیں اور رکتے ہیں اور حکم خداوندی کی تعمیل نہیں کرتے بلکہ نفع دنیاوی کو تکتے رہتے ہیں اور اس سے مراد منافق ہیں جیسے عبداللہ بن ابی اور اس کے

ساتھی کہ یہ لوگ گو ظاہر میں اسلام قبول کر چکے تھے مگر ان کو سب باتوں سے مقصود صرف دنیا کا نفع تھا۔ حق تعالیٰ کی فرمانبرداری سے کوئی غرض ان کو نہ تھی۔

وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ....

یعنی اور اگر مسلمانوں پر اللہ کا فضل ہو گیا مثلاً فتح ہو گئی یا مال غنیمت بہت سا ہاتھ آ گیا تو منافق سخت پچھتاتے ہیں اور دشمنوں کی طرح غلبۂ حسد سے کہتے ہیں ہائے افسوس میں جہاد میں مسلمانوں کے ساتھ ہوتا تو مجھ کو بھی بڑی کامیابی نصیب ہوتی یعنی لوٹ کا مال ہاتھ آتا یعنی منافقوں کو فقط اپنی محرومی پر افسوس نہیں ہوتا بلکہ اپنی محرومی سے زیادہ مسلمانوں کی کامیابی پر حسد اور قلق ہوتا ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ....

یعنی دو وجہ سے تم کو کافروں سے لڑنا ضروری ہے، ایک تو اللہ کے دین کو بلند اور غالب کرنے کی غرض سے، دوسرے جو لوگ مظلوم مسلمان کافروں کے ہاتھ میں بے بس پڑے ہیں ان کو چھڑانے اور خلاصی دینے کی وجہ سے۔ مکہ میں بہت لوگ تھے کہ حضرت محمد (ﷺ) کے ساتھ ہجرت نہ کر سکے اور ان کے اقرباء ان کو ستانے لگے کہ پھر کافر ہو جائیں، سو خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فرمایا کہ تم کو دو وجہ سے کافروں سے لڑنا ضرور ہے تا کہ اللہ کا دین بلند ہو اور مسلمان جو کہ مظلوم اور کمزور ہیں کفار مکہ کے ظلم سے نجات پائیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ....

جب یہ بات ظاہر ہے کہ مسلمان اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر لوگ شیطان کی راہ میں۔ سو پھر تو مسلمانوں کو شیطان کے دوستوں یعنی کافروں کے ساتھ لڑنا بلا تامل ضروری ہوا۔ اللہ تعالیٰ انکا مددگار ہے۔ کسی قسم کا تردد نہ چاہیے اور سمجھ لو کہ شیطان کا حیلہ اور فریب کمزور ہے مسلمانوں پر نہ چل سکے گا۔ اس سے مقصود مسلمانوں کو جہاد پر ترغیب دلانا اور ہمت بندھانا ہے جس کا ذکر آیات آئندہ میں بالتصریح آتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ عَنْ قِتَالِ الْكُفَّارِ لَمَّا طَلَبُوْهُ بِمَكَّةَ لِاَذَى الْكُفَّارِ لَهُمْ وَهُمْ جَمَاعَةٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ فُرِضَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ يَخَافُوْنَ النَّاسَ الْكُفَّارَ اَيْ عَذَابَهُمْ بِالْقَتْلِ كَخَشْيَةِ هِمْ عَذَابَ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ مِنْ خَشْيَتِهِمْ لَهُ وَنَصْبُ اَشَدَّ عَلَى الْحَالِ وَجَوَابُ لَمَّا دَلَّ عَلَيْهِ اِذَا وَمَا بَعْدَهَا اَيْ فَاجَاَتْهُمُ الْخَشْيَةُ وَقَالُوْا جَزَعًا مِّنَ الْمَوْتِ رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ هَلَّا اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ لَّهُمْ مَتَاعُ الدُّنْيَا مَا يُتَمَتَّعُ بِهِ فِيْهَا اَوِ الْاِسْتِمْتَاعُ بِهَا قَلِيْلٌ ۚ اٰئِلٌ اِلَى الْفَنَاءِ وَالْاٰخِرَةُ اَيِ الْجَنَّةُ خَيْرٌ لِّمَنِ

اتَّقٰی عذابَ اللّٰہِ بِتَرْکِ مَعْصِیَتِہٖ وَلَا تُظْلَمُوْنَ بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ تُنْقَصُوْنَ مِنْ اَعْمَالِکُمْ فَتِیْلًا ۝ قَدْرَ
قِشْرَۃِ النَّوَاۃِ فَجَاھِدُوْا اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ حُصُوْنٍ مُّشَیَّدَۃٍ ؕ مُرْتَفِعَۃٍ
فَلَا تَخْشَوُا الْقِتَالَ خَوْفَ الْمَوْتِ وَاِنْ تُصِبْھُمْ اَیِ الْیَھُوْدَ حَسَنَۃٌ خِصْبٌ وَسَعَۃٌ یَّقُوْلُوْا ھٰذِہٖ مِنْ
عِنْدِ اللّٰہِ ۚ وَاِنْ تُصِبْھُمْ سَیِّئَۃٌ جَدْبٌ وَبَلَاءٌ کَمَا حَصَلَ لَھُمْ عِنْدَ قُدُوْمِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
الْمَدِیْنَۃَ یَّقُوْلُوْا ھٰذِہٖ مِنْ عِنْدِکَ ؕ یَا مُحَمَّدُ اَیْ بِشُؤْمِکَ قُلْ لَّھُمْ کُلٌّ مِّنَ الْحَسَنَۃِ وَالسَّیِّئَۃِ مِّنْ عِنْدِ
اللّٰہِ ؕ مِنْ قِبَلِہٖ فَمَالِ ھٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَکَادُوْنَ یَفْقَھُوْنَ یَفْقَھُوْنَ اَیْ لَا یُقَارِبُوْنَ اَنْ یَّفْقَھُوْا حَدِیْثًا ۝
یُلْقٰی اِلَیْھِمْ وَمَا اسْتِفْھَامُ تَعَجُّبٍ مِنْ فَرْطِ جَھْلِھِمْ وَنَفْیُ مُقَارَبَۃِ الْفِعْلِ اَشَدُّ مِنْ نَّفْیِہٖ مَآ اَصَابَکَ اَیُّھَا
الْاِنْسَانُ مِنْ حَسَنَۃٍ خَیْرٍ فَمِنَ اللّٰہِ اَتَتْکَ فَضْلًا مِّنْہُ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ بَلِیَّۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ ؕ اَتَتْکَ
حَیْثُ ارْتَکَبْتَ مَا یَسْتَوْجِبُھَا مِنَ الذُّنُوْبِ وَاَرْسَلْنٰکَ یَا مُحَمَّدُ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ حَالٌ مُّؤَکِّدَۃٌ وَکَفٰی
بِاللّٰہِ شَھِیْدًا ۝ عَلٰی رِسَالَتِکَ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰی اَعْرَضَ عَنْ طَاعَتِہٖ
فَلَا یُھِمَّنَّکَ فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ حَفِیْظًا ۝ حَافِظًا لِاَعْمَالِھِمْ بَلْ نَذِیْرًا وَاِلَیْنَا اَمْرُھُمْ فَنُجَازِیْھِمْ وَھٰذَا
قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ وَیَقُوْلُوْنَ اَیِ الْمُنَافِقُوْنَ اِذَا جَآءُوْکَ اَمْرُنَا طَاعَۃٌ ۡ لَکَ فَاِذَا بَرَزُوْا خَرَجُوْا مِنْ
عِنْدِکَ بَیَّتَ طَآئِفَۃٌ مِّنْھُمْ بِاِدْغَامِ التَّاءِ فِی الطَّاءِ وَتَرْکِہٖ اَیْ اَضْمَرَتْ غَیْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ ؕ لَکَ فِیْ
حُضُوْرِکَ مِنَ الطَّاعَۃِ اَیْ عِصْیَانَکَ وَاللّٰہُ یَکْتُبُ یَاْمُرُ بِکَتْبِ مَا یُبَیِّتُوْنَ ۚ فِیْ صَحَائِفِھِمْ لِیُجَازُوْا
عَلَیْہِ فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ بِالصَّفْحِ وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ ؕ ثِقْ بِہٖ فَاِنَّہٗ کَافِیْکَ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ۝ مُفَوَّضًا اِلَیْہِ
اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ یَتَاَمَّلُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَمَا فِیْہِ مِنَ الْمَعَانِی الْبَدِیْعَۃِ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا
فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ۝ تَنَاقُضًا فِیْ مَعَانِیْہِ وَتَبَایُنًا فِیْ نَظْمِہٖ وَاِذَا جَآءَھُمْ اَمْرٌ عَنْ سَرَایَا النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِمَّا حَصَلَ لَھُمْ مِّنَ الْاَمْنِ بِالنَّصْرِ اَوِ الْخَوْفِ بِالْھَزِیْمَۃِ اَذَاعُوْا بِہٖ ؕ اَفْشَوْہُ نَزَلَ فِیْ
جَمَاعَۃٍ مِّنَ الْمُنَافِقِیْنَ اَوْ ضُعَفَاءِ الْمُؤْمِنِیْنَ کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ذٰلِکَ فَتَضْعُفُ قُلُوْبُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَیَتَاَذَّی النَّبِیُّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اَيِ الْخَبَرَ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ اَيْ ذَوِي الرَّاْيِ مِنْ
اَكَابِرِ الصَّحَابَةِ اَيْ لَوْسَكَتُوْا عَنْهُ حَتّٰى يُخْبَرُوْا بِهٖ لَعَلِمَهُ هَلْ هُوَ مِمَّا يَنْبَغِيْ اَنْ يُذَاعَ اَوْلَا اَلَّذِيْنَ
يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ يَتَتَبَّعُوْنَهٗ وَيَطْلُبُوْنَ عِلْمَهٗ وَهُمُ الْمُذِيْعُوْنَ مِنْهُمْ ؕ مِنَ الرَّسُوْلِ وَاُولِي الْاَمْرِ وَ لَوْلَا فَضْلُ
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ بِالْاِسْلَامِ وَ رَحْمَتُهٗ لَكُمْ بِالْقُرْاٰنِ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ فِيْمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖ مِنَ الْفَوَاحِشِ اِلَّا
قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ يَا مُحَمَّدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ فَلَا تَهْتَمَّ بِتَخَلُّفِهِمْ عَنْكَ الْمَعْنٰى قَاتِلْ
وَلَوْ وَحْدَكَ فَاِنَّكَ مَوْعُوْدٌ بِالنَّصْرِ وَ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ حُثَّهُمْ عَلَى الْقِتَالِ وَرَغِّبْهُمْ فِيْهِ عَسَى اللّٰهُ اَنْ
يَّكُفَّ بَاْسَ حَرْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا مِنْهُمْ وَّ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾ تَعْذِيْبًا مِنْهُمْ فَقَالَ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَاَخْرُجَنَّ وَلَوْ وَحْدِيْ فَخَرَجَ بِسَبْعِيْنَ رَاكِبًا اِلٰى بَدْرِ الصُّغْرٰى
فَكَفَّ اللّٰهُ بَاْسَ الْكُفَّارِ بِاِلْقَاءِ الرُّعْبِ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَمَنْعِ اَبِيْ سُفْيَانَ عَنِ الْخُرُوْجِ كَمَا تَقَدَّمَ فِيْ اٰلِ
عِمْرَانَ مَنْ يَّشْفَعْ بَيْنَ النَّاسِ شَفَاعَةً حَسَنَةً مُوَافِقَةً لِلشَّرْعِ يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنَ الْاَجْرِ مِّنْهَا ۚ
بِسَبَبِهَا وَ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً مُخَالِفَةً لَهٗ يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ نَصِيْبٌ مِنَ الْوِزْرِ مِّنْهَا ؕ بِسَبَبِهَا وَ
كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ مُقْتَدِرًا فَيُجَازِيْ كُلَّ اَحَدٍ بِمَا عَمِلَ وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ كَاَنْ قِيْلَ
لَكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ فَحَيُّوْا الْمُحَيِّيَ بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ بِاَنْ تَقُوْلُوْا لَهٗ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ
اَوْ رُدُّوْهَا ؕ بِاَنْ تَقُوْلُوْا كَمَا قَالَ اَيِ الْوَاجِبُ اَحَدُهُمَا وَالْاَوَّلُ اَفْضَلُ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ مُحَاسِبًا فَيُجَازِيْ عَلَيْهِ وَمِنْهُ رَدُّ السَّلَامِ وَخَصَّتِ السُّنَّةُ الْكَافِرَ وَالْمُبْتَدِعَ وَالْفَاسِقَ
وَالْمُسْلِمَ عَلٰى قَاضِي الْحَاجَةِ وَمَنْ فِي الْحَمَّامِ وَالْاٰكِلَ فَلَا يَجِبُ الرَّدُّ عَلَيْهِمْ بَلْ يُكْرَهُ فِيْ غَيْرِ الْاَخِيْرِ
وَيُقَالُ لِلْكَافِرِ وَعَلَيْكَ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَاللّٰهِ لَيَجْمَعَنَّكُمْ مِنْ قُبُوْرِكُمْ اِلٰى فِيْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا
رَيْبَ شَكَّ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَيْ لَا اَحَدَ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ قَوْلًا ع ۱۱/۸

تَرْجَمَہ: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ (الآیۃ) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ ابھی اپنے ہاتھوں کو روکے
رکھو قتال کفار سے جب کہ ان لوگوں نے آپ ﷺ سے مکہ میں قتال کفار کا مطالبہ کیا تھا کافروں کی اذیتوں اور تکالیف کی وجہ

سے اور یہ مطالبہ کرنے والے یعنی جہاد کی اجازت مانگنے والے صحابہؓ کی جماعت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاص وغیرہ تھے اور نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو، پھر جب ان پر جہاد فرض کر دیا گیا کتب بمعنی فرض ہے تو اچانک ان طلبگار ان جہاد میں سے ایک گروہ ڈرنے لگا لوگوں کافروں سے یعنی خوف کھانے لگے ان کافروں کے عذاب سے کہ قتل نہ کر دیں جیسے اللہ سے اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگے یعنی ان لوگوں کو جتنا خدا سے ڈرنا چاہیے اس سے بھی زیادہ کفار کے عذاب سے ڈرنے لگے اور لفظ اَشَدَّ کا نصب حال ہونے کی بناء پر ہے اور لما کے جواب پر اذا اور اس کا مابعد دلالت کرتا ہے اور اِذَا مفاجاتیہ ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے: فلما كتب عليهم القتال فاجاءتهم الخشية وقالوا (الآیۃ) اور یوں کہنے لگے موت سے ڈر کر کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ابھی سے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا کیوں نہ لَوْ لَآ بمعنی ھلا ہے ہمیں تھوڑی مدت تک اور مہلت دے دی، آپ فرما دیجئے ان سے کہ دنیا کی پونجی جس سے دنیا میں فائدہ حاصل کیا جائے یا مصدری معنی ہو فائدہ اٹھانا بہت قلیل ہے یعنی تم جس کے لیے مہلت کی تمنا کر رہے ہو محض چند روزہ ہے فنا کی طرف لوٹنے والا ہے اور آخرت جنت بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو بچتے رہیں اللہ کے عذاب سے گناہ چھوڑ کر اور تم پر تاگہ برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ تظلمون ایک قراءت تاء کے ساتھ اور دوسری قراءت یاء کے ساتھ ہے یعنی تمہارے اعمال میں سے کھجور کی گٹھلی کے چھلکے برابر بھی کمی نہ کی جائے گی لہٰذا جہاد کرو۔ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا (الآیۃ) تم جہاں کہیں بھی ہو گے تم کو موت آ پکڑے گی اگرچہ تم ہو مضبوط اونچے قلعوں میں میں بروج بمعنی حصون اور قلعہ کے ہیں اور مُّشَيَّدَةٍ کے معنی مُرْتَفِعَةٍ یعنی بلند و اونچی عمارت، مطلب یہ ہے کہ تم چاہے پختہ قلعوں اور مضبوط محلوں میں رہو موت اپنے وقت پر تم کو پکڑے گی۔ فَلَا تَخْشَوُا الْقِتَالَ خَوْفَ الْمَوْتِ لہٰذا موت کے خوف سے جہاد سے مت گھبراؤ۔ وَاِنْ تُصِبْهُمْ (الآیۃ) اور اگر پہنچتی ہے ان یہود کو کوئی بھلائی خوشحالی اور کشادگی تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے اتفاقاً ہو گئی ہے اور اگر ان کو کوئی برائی قحط اور مصیبت پہنچتی ہے جیسے نبی اکرم ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے وقت ان کو پہنچی تھی جس کی اصل حقیقت یہ تھی کہ آنحضور ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ میں تشریف فرما ہوئے تو اس سال مدینہ میں غلہ اور پھلوں کی افراط تھی اور خوب ارزانی تھی، آنحضور ﷺ نے لوگوں کو ایمان و اسلام کی دعوت دی اور یہودیوں نے اپنے عناد و سرکشی کا اور منافقوں نے نفاق کا اظہار کیا تو حق تعالیٰ نے قحط نازل فرما دیا کہ پیداوار میں کمی ہوئی اور نرخ چڑھ گیا اس پر یہودیوں نے کہا کہ جب سے یہ شخص ہمارے شہر میں آیا ہے اسی وقت سے ہمارے پھلوں اور کھیتوں میں نقصان ہونے لگا تو کہتے ہیں کہ یہ آپ کی طرف سے ہے یعنی اے محمد ﷺ یہ قحط آپ کی نحوست کی وجہ سے ہے آپ فرما دیجئے ان سے کہ سب کچھ بھلائی اور برائی یعنی خوشحالی و ارزانی ہو یا قحط و گرانی سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے اسی کی جانب سے ہے سو ان لوگوں کا کیا حال ہے کہ قریب نہیں کہ سمجھیں بات کو بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں ہوتے ہیں جو بات ان کو پیش کی جاتی ہے اور کلمہ ما استفہامیہ ان کی انتہائی جہالت سے تعجب دلانا مقصود ہے۔ وَنَفْيُ مُقَارَبَةِ الْفِعْلِ اَشَدُّ مِنْ نَفْيِهٖ اور مقاربت فعل کی نفی خود فعل کی نفی سے زیادہ شدید ہے، مطلب یہ ہے کہ سمجھنا تو درکنار سمجھنے کے قریب بھی نہیں آتے۔ مَآ اَصَابَكَ (الآیۃ) اے انسان تجھے جو کچھ بھلائی اچھائی حاصل ہوتی ہے

وہ اللہ کی طرف سے ہے یعنی محض اس کے فضل سے تیرے پاس پہنچی ہے اور جو کچھ برائی آفت تجھ کو پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کے سبب سے ہے یعنی تجھے اس وجہ سے پہنچی کہ تو نے ایسے گناہوں کا ارتکاب کیا جو اس کے مستوجب ہیں اور ہم نے آپ کو اے محمد ﷺ تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے لفظ رَسُوْلًا حال مؤکدہ ہے یعنی درآنحالیکہ آپ نبی مرسل بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں اور چونکہ اَرْسَلْنٰكَ سے خود یہی سمجھا گیا تھا، اس لیے اس کو حال مؤکدہ قرار دیا گیا۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۝ اور اللہ تعالیٰ کافی ہے شہادت دینے کے لیے آپ کی رسالت پر مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ (الآیۃ) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے روگردانی کی یعنی جس نے رسول ﷺ کی اطاعت سے اعراض کیا تو آپ کو ان کا اعراض غمگین نہ کرے یعنی آپ کو کبیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں کیوں کہ ہم نے آپ کو ان کا کنٹرولر بنا کر نہیں بھیجا یعنی ہم نے آپ کو ان کے اعمال کا پاسبان و نگہبان بنا کر نہیں بھیجا بلکہ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں باقی ان کا معاملہ ہمارے سپرد ہے ہم ان کو جزا و سزا دیں گے اور یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے اور یہ لوگ یعنی منافقین کہتے ہیں جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: امرنا طاعۃ ہمارا کام تو آپ کی اطاعت کرنا ہے پھر جب آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں آپ کے یہاں سے نکلتے ہیں تو ان میں سے ایک جماعت یعنی ان کے سردار لوگ رات کے وقت مشورے کرتے ہیں۔ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ اس میں دو قراءت ہیں ایک قراءت یہ ہے کہ بیت کی تاء کو قرب مخرج کی وجہ سے طاء سے بدل کر طَآئِفَةٌ کی طاء میں ادغام کر دیا اور دوسری قراءت جمہور کی ترک ادغام کے ساتھ ہے۔ وھما قراءتان سبعیتان اور چونکہ لفظ طَآئِفَةٌ مؤنث غیر حقیقی ہے اس لیے بیت فعل مذکر ہے ... یعنی دل میں چھپاتے ہیں برخلاف اس کے جو زبان سے کہہ چکے تھے یعنی آپ کے سامنے آپ سے آپ کی اطاعت وفرمانبرداری زبان سے کہہ چکے تھے لیکن رات کے وقت مشورے کرتے ہیں آپ کی نافرمانی کا اور اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں ان کے نامہ اعمال میں لکھنے والے فرشتوں کو لکھنے کا حکم دیتے ہیں جو کچھ وہ راتوں کو مشورے کرتے ہیں ان کے نامہ اعمال میں لکھنے کا تاکہ ان کو اس پر سزا دی جائے سو آپ بے توجہی کے ساتھ ان سے اعراض کیجیے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیے کہ وہی آپ کے لیے کافی ہے اور کارسازی کے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہیں جو چیز اس کے حوالہ کی جائے وہ کافی کارساز ہیں کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے یعنی قرآن اور اس کے عجیب و غریب معانی میں فکر نہیں کرتے تاکہ قرآن کا کلام الٰہی ہونا ان پر واضح ہو جاتا۔ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ (الآیۃ) اور اگر قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بکثرت اختلاف ضرور پاتے یعنی اس کے معانی میں باہم تناقض اور اس کے نظم میں تباین پاتے اور جب ان کے پاس کوئی خبر آتی ہے نبی اکرم ﷺ کے فوجی دستوں کے متعلق جو خبر ان کو پہنچی خواہ امن کی ہو نصرت و فتح کی، مثلاً مسلمانوں کا کوئی سریہ کسی جگہ جہاد کے لیے گیا اور ان کے غالب ہونے کی خبر آئی یا امن کی خبر ہوئی یا خوف کی یعنی شکست کی، مطلب یہ ہے کہ سریہ اسلامی کے شکست و مغلوب ہونے کی خبر آئی تو اس خبر کو مشہور کر دیتے ہیں فوراً پھیلا دیتے ہیں۔ یہ آیت منافقین کی جماعت یا کمزور مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اس طرح کی حرکت کرتے تھے جس سے مسلمانوں کے قلوب کمزور پڑتے اور نبی کریم ﷺ کو تکلیف پہنچتی تھی اور اگر یہ لوگ اس خبر کو پہنچا دیتے رسول

اللہ ﷺ تک اور اپنے ذمہ داروں تک یعنی اکابر صحابہؓ میں سے اصحاب الرائے جیسے حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ وغیرہ کی طرف رجوع کرتے اور خود بجائے افشاء خبر کے خاموش رہتے تا آنکہ خود حضور اقدس ﷺ یا اکابر صحابہ اس خبر کو ظاہر کر دیتے تو درست ہوتا تو بے شک اس خبر کی حقیقت جان لیتے کہ آیا یہ خبر پھیلانے کے لائق ہے یا نہیں وہ لوگ جو اس کی تہ تک پہنچنا چاہتے ہیں یعنی جو اس کی جستجو وتفتیش کرتے اور اس کا علم حاصل کرنا چاہتے ہیں مراد اس سے خبر کے پھیلانے واشاعت کرنے والے ہیں پیغمبر اور اصحاب رائے سے اور اگر تم لوگوں پر اللہ کا فضل نہ ہوتا اسلام کی توفیق کے ذریعہ اور اس کی خاص مہربانی نہ ہوتی یعنی تم پر خاص مہربانی نہ ہوتی نزول قرآن کے ذریعہ تو تم شیطان کے پیرو ہو جاتے ان برائیوں میں جن کا وہ تم کو حکم دیتا بجز معدودے چند لوگوں کے، پس آپ اے محمد ﷺ اللہ کی راہ میں جہاد کیجیے آپ صرف اپنی ذات کے مکلف ہیں اس لیے آپ ان لوگوں کے آپ سے تخلف اور بچھڑنے پر فکر نہ کیجیے، مقصد یہ ہے کہ آپ قتال کیجئے اگر چہ تنہا ہی سہی اس لیے کہ آپ سے مدد کا وعدہ کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو ترغیب دیجئے ان کو جہاد پر آمادہ کیجئے اور مسلمانوں کو جہاد کے سلسلے میں رغبت دیجیے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی لڑائی جنگ کو روک دیں گے اور اللہ تعالیٰ کا زور جنگ ان سب سے زیادہ قوی ہے اور سخت سزا دینے والا ہے ان سے اشد ہے عذاب دینے میں چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں ضرور قتال کے لیے جاؤں گا اگر چہ مجھے تنہا ہی جانا پڑے پھر آپ ستر سواروں کے ساتھ بدر صغریٰ کی طرف نکلے پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال کر کافروں کی لڑائی روک دی اور ابوسفیان کو نکلنے سے روک دیا جیسا کہ آل عمران میں گزر چکا ہے کہ مخلص مسلمانوں نے: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کافی ہے اور بہتر مددگار ہے کہہ کر آنحضور ﷺ کے ہمراہ نکلے اور مقام حمراء الاسد میں پہنچ کر آٹھ روز تک ابوسفیان کا انتظار کرتے رہے، حق تعالیٰ نے کافروں کے دلوں میں ایسی ہیبت ڈال دی کہ وہ لوگ راستے ہی سے معبد خزاعی کی خبر پر بھاگ گئے اور حق تعالیٰ کا خاص فضل یہ ہوا کہ حمراء الاسد کے بازار میں تجارت کے ذریعہ مالی منافع بہت حاصل ہوا اور مسلمانوں کو کوئی ناگواری ذرا بھی پیش نہ آئی نہایت خوش وخرم صحیح سالم واپس آئے۔ کما قال تعالیٰ: فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ (آل عمران: ۱۷۴) مَنْ يَّشْفَعْ (لآیۃ) جو شخص لوگوں کے درمیان اچھی سفارش کرے جو شرع کے موافق ہو اس کو حصہ ملے گا ثواب کا اس سفارش سے یعنی اس سفارش کی وجہ سے اور جو شخص بری سفارش کرے گا یعنی جو شریعت کے خلاف ہو اس کو حصہ ملے گا گناہ کا حصہ اس سفارش سے یعنی اس بری سفارش کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں یعنی ایسی قدرت والے ہیں کہ ہر ایک کو اس کے عمل کے موافق جزا دے سکتے ہیں۔ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ اور جب تمہیں دعا دی جائے دعاء خیر کے ساتھ مثلاً تم سے کہا جائے سلام علیکم تو تم اس دعاء دینے والے یعنی سلام کرنے والے کو تحیہ یعنی سلام سے بہتر جواب دو بایں طور کہ تم اس سے کہو وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، یا کم از کم اسی کو لوٹا دو بایں طور کہ تم ایسے ہی الفاظ کہہ دو جیسا اس نے کہا مثلاً اس نے تم سے السلام علیکم کہا تو تم جواب میں صرف وعلیکم السلام کہہ دو یعنی ان دونوں میں سے ایک واجب ہے اور بہتر وافضل پہلا ہے مطلب یہ ہے کہ بہتر وافضل تو یہ ہے کہ احسان کا بدلہ اصل سے زیادہ ہو ورنہ برابر بھی کافی ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر

چیز کا حساب لینے والے ہیں یعنی وہ حساب لیں گے کہ ہر چیز کا بدلہ دیں گے منجملہ اس کے سلام کا جواب دینا بھی ہے کہ بقدر اس کے سلام اور بقدر زیادتی کے بدلہ دیں گے اور حدیث نے مستثنیٰ کر دیا یعنی ان لوگوں کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں۔ (۱) کافر ومشرک (۲) بدعتی جیسے خوارج، روافض، تعزیہ پرست وقبر پرست وغیرہ (۳) فاسق یعنی فاسق معلن جو علی الاعلان حرام کا ارتکاب کرتا ہو (۴) وہ مسلمان جو قضائے حاجت پیشاب پاخانہ میں مشغول ہو (۵) جو غسل خانہ میں غسل کر رہا ہو (۶) جو کھانا کھانے میں مشغول ہو تو ان لوگوں پر سلام کرنے والے کا جواب واجب نہیں بلکہ سوائے اخیر کے یعنی کھانا کھانے والے کے سوا باقی کے لیے مکروہ ہے اور کافر کے لیے سلام کے جواب میں وعلیک کہہ دیا جائے گا۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ ضرور تم سب کو جمع کریں گے تمہاری قبروں سے قیامت کے دن الی بمعنی فی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے اور کون ہے؟ یعنی کوئی نہیں ہے اللہ سے زیادہ سچی بات کہنے والا۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: عذابهم: مضاف مقدر ہے کیونکہ خوف تو مستقبل میں متوقع امر سے متعلق ہوتا ہے اور کفار سے اس کی توقع نہیں۔

قوله: هو عذاب: اس میں اشارہ ہے کہ یہ مصدر کو مفعول کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔

قوله: من خشيتهم: اس سے اشارہ ہے کہ اس کا عطف كَخَشْيَةِ اللّٰهِ پر ہے اور مفضل علیہ مقدر ہے۔

قوله: ونصب أشد على الحال: یعنی كَخَشْيَةِ اللّٰهِ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے: يخشون الناس مثل خشية الله أو أشد خشية۔ یہ بھی حال ہے کیونکہ معطوف ہے۔

قوله: وجوابها: [illegible]

قوله: جزعًا: [illegible] ان کو توقع نہیں کی گئی کہ یہ سوال [illegible]

قوله: [illegible]

قوله: [illegible]

قوله: [illegible] آیت میں بھی مراد ہے۔

قوله: [illegible]

قوله: [illegible]

قوله: [illegible]

قوله: [illegible]

قوله: أَضْمَرَتْ: تفسیر کر کے اشارہ کیا یہ بیت شاء سے ہے تدبر وتسویہ کرنا۔

قوله: تَنَاقُضًا: یعنی اس میں توحید وتشریک، حلت وحرمت بعض اخبار کے درست اور نادرست ہونے کے اعتبار سے تناقض نہیں۔

قوله: وَتَبَايُنًا فِي نَظْمِهِ: کہ بعض فصیح ہو اور بعض غیر فصیح، ایسا نہیں۔

قوله: لَوْسَكَتُوْا: رسول کی طرف لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے سننے تک موقوف کر دینا ان کی طرف ڈالنا اور خبر دینا مراد نہیں۔

قوله: وَهُمُ الْمُذِيْعُوْنَ: یعنی يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ سے مراد پھیلانے والے ہیں اولوالامر مراد نہیں۔ منہم میں من ابتدائیہ علم سے متعلق ہے۔ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ جیسا کہ امر سے دوسرا معنی مراد لیا جائے۔ یعنی ان کو رسول اللہ اور اولی الامر کی طرف اس کا علم حاصل ہو جائے گا۔

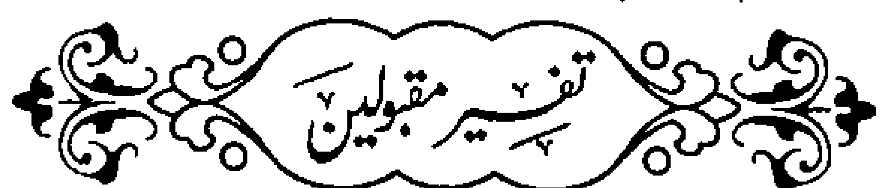
قوله: بِالْاِسْلَامِ: اشارہ کر رہے ہیں کہ فضل و رحمت سے یہی خاص مراد ہے، مطلق نہیں۔

قوله: فَكَفَّ اللّٰهُ: اس سے اشارہ کیا کہ وعدہ کے موقع پر وجوب کے لیے ہے بڑوں کے ہاں یہی ہے، گویا فرمایا عنقریب کفار کی لڑائی رک جائے گی۔

قوله: بِسَبَبِهَا: اشارہ کیا کہ اجر کو مجازاً شفاعت کہا کیونکہ شفاعت اس کا سبب ہے۔

قوله: فِيْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ الی یہ فی کے معنی میں ہے۔

قوله: لَا اَحَدَ: یہاں استفہام انکاری ہے۔



اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ....

شانِ نزول: کلبی کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ رسول اللہ کے چند صحابہ جن میں عبدالرحمٰن بن عوف، مقداد بن اسود، قدامہ بن مظعون اور سعد بن ابی وقاص بھی ہیں کے بارے میں نازل ہوئی ہے مشرکین انہیں بہت زیادہ تکالیف پہنچایا کرتے تھے یہ لوگ کہتے یارسول اللہ! ہمیں آپ ان سے قتال کی اجازت مرحمت فرمائیں تو آپ ان سے فرماتے کہ ان سے اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو کیونکہ مجھے ابھی تک قتال کا حکم نہیں دیا گیا جب رسول اللہ ہجرت کر کے مدینے تشریف لے گئے اور اللہ نے مسلمانوں کو مشرکین سے قتال کا حکم دیا تو بعض نے اس کو ناپسند کیا اور قتال کا حکم ان پر شاق گزرا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (نیسابوری)

چونکہ حیات اور منافع دنیاوی کی رغبت کے باعث ان لوگوں کو حکم جہاد بھاری معلوم ہوا تو اس لئے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ دنیا کے تمام منافع حقیر اور سریع الزوال ہیں اور ثواب آخرت کا بہتر ہے ان کے لئے جو اللہ کی نافرمانی سے

پرہیز کرتے ہیں سوتم کو چاہیے کہ منافع دنیا کا لحاظ نہ کرو اور حق تعالیٰ کی فرمانبرداری میں کوتاہی نہ کرو اور جہاد کرنے سے نہ ڈرو اور اطمینان رکھو کہ تمہاری محنت اور جانفشانی کا ثواب ادنیٰ سا بھی ضائع نہ ہوگا۔ سوتم کو ہمت اور شوق کے ساتھ جہاد میں مصروف ہونا چاہئے۔

اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ ....

یعنی کیسے ہی مضبوط اور محفوظ و مامون مکان میں رہو مگر موت تم کو کسی طرح نہ چھوڑے گی کیونکہ موت ہر ایک کے واسطے مقدر اور مقرر ہو چکی ہے اپنے وقت پر ضرور آئے گی کہیں ہو۔ سو اگر جہاد میں نہ جاؤ گے تو بھی موت سے ہرگز نہیں بچ سکتے تو اب جہاد سے گھبرانا اور موت سے ڈرنا اور کافروں کے مقابلہ سے خوف کرنا بالکل نادانی اور اسلام میں کچے ہونے کی بات ہے۔

وَیَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ....

اس آیت میں منافقین کی ایک عادت بد کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جب آپ کی خدمت میں موجود ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم آپ کے حکم سے کیسے باہر ہو سکتے ہیں ہمارا کام تو بات ماننا اور فرمانبرداری کرنا ہے (ای امرنا وشاننا طاعة) علی انہ خبر مبتدا محذوف پھر جب آپ کی مجلس سے باہر نکل جاتے ہیں ان میں سے ایک جماعت (یعنی ان کے رؤساء) راتوں کو اس بات کے علاوہ مشورے کرتے ہیں جو انہوں نے آپ کی مجلس میں کہا تھا یعنی آپ کے ارشاد کے خلاف چلتے ہیں اور آپ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور خلاف ورزی کے منصوبے بناتے ہیں۔ (وَاللّٰهُ یَكْتُبُ مَا یُبَیِّتُوْنَ ج) (اور اللہ لکھتا ہے جو وہ رات کو مشورے کرتے ہیں) وہ دنیا اور آخرت میں ان کے عمل کا بدلہ دے دے گا۔ (فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ) (ان سے اعراض کیجیے) اور ان سے بدلہ لینے کا فکر نہ کیجیے۔ (وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ) (اور اللہ پر بھروسہ کیجیے) تمام امور اللہ کے سپرد کیجیے (وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ○) (اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا) وہی آپ کے سب کام بنائے گا، ان کے شر اور ضرر سے بھی محفوظ فرمائے گا۔ (روح المعانی صفحہ ۹۱: ج ۵)

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ....

شانِ نزول: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آنحضرت سرور عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (طلاق دیے بغیر کچھ عرصہ کے لیے) ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار فرمائی تھی اس بات کی خبر لوگوں کو پہنچی تو اس کو طلاق پر محمول کرکے آگے بڑھانا شروع کر دیا اور یہ مشہور ہو گیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں حاضری کی اجازت چاہی اجازت مل جانے پر خدمت عالی میں حاضر ہوئے اور سوال کیا یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں! عرض کیا کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو وہاں لوگ جمع تھے وہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی آپ کی اجازت ہو تو میں ان کو بتادوں کہ آپ نے طلاق نہیں دی آپ نے فرمایا اگر چاہو تو بتادو میں مسجد کے دروازے پر کھڑا ہوا اور بلند آواز میں پکار کر اعلان کر دیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی ہے۔ اور یہ آیت نازل ہوئی لہٰذا میں ان لوگوں میں ہوں جنہوں نے اس امر کا کھوج لگایا اور تحقیق کی کہ آپ نے واقعی طلاق دی ہے یا طلاق کی بات غلط مشہور ہو گئی۔ (صحیح مسلم صفحہ ۴۸۰: ج ۱)

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ ....

یعنی کسی مسلمان کو سلام کرنا یا دعا دینا در حقیقت اللہ سے اس کی شفاعت کرنا ہے تو حق تعالیٰ شفاعت حسنہ کی ایک خاص صورت کو جو مسلمانوں میں شائع ذائع ہے صراحت کے ساتھ بیان فرماتا ہے کہ جب کوئی اے مسلمانو تم کو دعا دے یا سلام کرے تو تم بھی اس کا جواب ضرور دینا چاہیے یا تو وہی کلمہ تم بھی اس کو کہہ دیا اس سے بہتر مثلاً اگر کسی نے کہا السلام علیکم تو واجب ہے تم پر کہ اس کے جواب میں وعلیکم السلام کہو اور زیادہ ثواب چاہو تو ورحمۃ اللہ بھی بڑھا دو اور اگر اس نے یہ لفظ بڑھایا ہو تو تم وبرکاتہ زیادہ کر دو اللہ کے یہاں ہر چیز کا حساب ہو گا اور اس کی جزا ملے گی سلام اور اس کا جواب بھی اس میں آ گیا۔

فائدہ: اس سے شفاعت حسنہ کی پوری ترغیب ہو گئی اور شفاعت سیئہ کی خرابی اور مضرت معلوم ہو گئی کیونکہ جو شفاعت حسنہ کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ ثواب دے گا اور جس کی شفاعت کی ہے اس پر اس کے ساتھ حسن سلوک اور مکافات کا حکم فرما دیا بخلاف شفاعت سیئہ کے کہ بجز معصیت اور محرومی کے کچھ نہ ملے گا۔

سلام اور جواب سلام کے احکام:

لفظ حُيِّيْتُمْ باب تفعیل سے بروزن عُلِّمْتُمْ صیغہ جمع مذکر ہے اور فَحَيُّوْا اسی سے امر کا صیغہ ہے۔ اس کا مصدر تَحِيَّةٌ ہے اس کا اصل معنی ہے: حیاک اللہ کہنا یعنی یہ دعا دینا کہ اللہ تجھے زندہ رکھے۔ یہ تو اس کا اصل لغوی معنی ہوا۔ پھر لفظ تحیۃ ملاقات کے وقت سلام کرنے کے لیے استعمال ہونے لگا کیونکہ سلام میں زندگی کے ساتھ سلامتی کی بھی دعا ہے۔ سورۂ نور میں ارشاد فرمایا: فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۔ پھر جب تم گھر جانے لگو تو اپنے لوگوں کو سلام کر دو دعا کے طور پر جو خدا کی طرف سے مقرر ہے برکت والی عمدہ چیز ہے۔

اس لیے بعض اکابر نے اِذَا حُيِّيْتُمْ کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ جب تمہیں سلام کیا جائے۔

سلام کی ابتداء:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کے اندر روح پھونک دی تو ان کو چھینک آئی انہوں نے الحمد للہ کہا ان کے رب نے یرحمک اللہ فرمایا (اور فرمایا) کہ اے آدم! ان فرشتوں کی طرف جاؤ جو (وہاں) بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کو جا کر السلام علیکم کہو، حضرت آدم علیہ السلام نے وہاں پہنچ کر السلام علیکم کہا تو فرشتوں نے اس کے جواب میں علیک السلام ورحمۃ اللہ کہا پھر وہ واپس آئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلاشبہ یہ تحیہ ہے تمہارا اور آپس میں تمہارے بیٹوں کا۔ (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۰۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسانوں میں سلام کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے سب انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرشتوں کو جا کر سلام کہو، انہوں نے السلام علیکم کہا فرشتوں نے اس کا جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا کہ یہ سلام تمہارا اور تمہاری اولاد کا تحیہ ہے کہ جب آپس میں ملاقات کریں تو اس طرح ایک دوسرے کو دعا دیا کریں، اللہ تعالیٰ کا دین اسلام ہے۔ اس میں دنیا و آخرت کی سلامتی ہے جب آپس میں ملاقات کریں تو ملاقات کرنے والا بھی سلامتی کی دعا دے یعنی السلام علیکم کہے اور جس کو سلام کیا وہ بھی اس کے جواب میں سلامتی کی دعا دے اور وعلیکم السلام کہے۔ دونوں طرف سے لفظ سلام کے ذریعہ ہر وقت باسلامت رہنے کی دعا دی جائے یہ سلامتی کسی وقت اور کسی حال کے ساتھ مخصوص نہیں۔

ان کلمات کا تذکرہ جو غیر اقوام کے یہاں ملاقات کے وقت استعمال کیے جاتے ہیں:

یہ جو بعض قوموں میں گڈ مورننگ اور گڈ ایوننگ اور گڈ نائٹ کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں ان میں اول تو سلامتی کے معنی کو پوری طرح ادا کرنے والا کوئی لفظ نہیں ہے بلکہ ان میں انسانوں کے بارے میں کوئی دعا ہے ہی نہیں وقت کو اچھا بتایا جاتا ہے پھر اس سے بطور استعارہ انسانوں کی اچھی حالت میں مراد لی جاتی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ان الفاظ میں دائمی سلامتی کی دعا نہیں ہے بلکہ اوقات مخصوصہ کے ساتھ دعا مقید ہے۔ اسلام نے جو ملاقات کا تحیہ بتایا ہے وہ ہر لحاظ سے کامل اور جامع ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں (ملاقات کے وقت) یوں کہا کرتے تھے: انعم اللہ بِکَ عَیْنًا (اللہ تیری آنکھیں ٹھنڈی رکھے) اور اَنْعِمْ صَبَاحًا (تو صبح کے وقت میں اچھے حال میں رہے) اس کے بعد جب اسلام آیا تو ہمیں اس سے منع کر دیا گیا۔ (رواہ ابوداؤد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام کے بتائے ہوئے طریقے کے علاوہ ملاقات کے وقت دوسروں کے طریقے اختیار کرنا اور ان کے رواج کے مطابق کلمات منہ سے نکالنا ممنوع ہے جو لوگ انگریزوں کے طریقے پر گڈ مورننگ وغیرہ کہتے ہیں یا عربوں کے رواج کے مطابق صباح الخیر یا مساء الخیر کہتے ہیں اس سے پرہیز کرنا لازم ہے۔

دنیا کی مختلف اقوام میں ملاقات کے وقت مختلف الفاظ کہنے کا رواج ہے لیکن اسلام میں جو سلام کے الفاظ مشروع کیے گئے ہیں ان سے بڑھ کر کسی کے یہاں بھی کوئی ایسا کلمہ مروج نہیں جس میں اظہار محبت بھی ہو اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی ہو کہ آپ کو اللہ تعالیٰ ہر قسم کی اور ہر طرح کی آفات اور مصائب سے محفوظ رکھے۔ لفظ السلام جہاں اپنا مصدری معنی رکھتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ شراح حدیث نے فرمایا ہے اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو سلامتی دینے والا ہے تمہیں اس کے حفظ و امان میں دیتا ہوں وہ تمہیں ہمیشہ سلامت رکھے۔

سلام کی کثرت محبوب ہے:

اسلام میں سلام کی کثرت بہت زیادہ مرغوب اور محبوب ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہ جب تک تم مؤمن نہ ہو گے جنت میں داخل نہ ہو گے اور مؤمن نہ ہو گے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرو گے (پھر فرمایا) کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتا دوں کہ اس پر عمل کرو گے تو آپس میں محبت پیدا ہوگی؟ پھر فرمایا آپس میں خوب سلام کو پھیلاؤ (رواہ مسلم صفحہ ۵۴: ج۱) یہ سلام کا پھیلانا اور ایک دوسرے کو سلام کرنا ایمان کی بنیاد پر ہے جان پہچان کی بنیاد

پر نہیں۔ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق ہیں ان کو بیان فرماتے ہوئے رسول اللہ (ﷺ) نے یہ بھی فرمایا: ((اذا لَقِیتَہ فَسَلِّمْ عَلَیْہ)) کہ جب تو مسلمان سے ملاقات کرے اس کو سلام کر۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۱۳۳)

پھر جس طرح سلام کرنا حقوق مسلم میں سے ہے اسی طرح سلام کا جواب دینا بھی مسلم کے حقوق میں سے ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں: (۱) سلام کا جواب دینا (۲) مریض کی عیادت کرنا (۳) جنازوں کے ساتھ جانا (۴) دعوت قبول کرنا (۵) چھینکنے والے کا جواب دینا (یعنی جب وہ الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا)۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۱۳: ج ۲)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ (ﷺ) سے دریافت کیا کہ اسلام کے اعمال میں سے سب سے بہتر کون سا عمل ہے آپ نے فرمایا یہ کہ کھانا کھلایا کرے اور اس کو بھی سلام کرے جس سے جان پہچان ہے اور اس کو بھی سلام کرے جس سے جان پہچان نہیں ہے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۶: ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی شخص اپنے بھائی سے ملاقات کرے تو سلام کرے اس کے بعد اگر درمیان میں کوئی درخت یا دیوار یا پتھر کی آڑ ہو جائے اور پھر ملاقات ہو جائے تو پھر سلام کرے۔ (رواہ ابوداؤد)

راستہ کے حقوق:

گھروں سے باہر اگر راستوں میں بیٹھیں تو راستے کے حقوق ادا کریں، رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ راستوں میں نہ بیٹھو اور اگر تمہیں راستوں میں بیٹھنا ہی ہے تو راستے کا حق ادا کرو عرض کیا یا رسول اللہ! راستہ کا حق کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ نظریں نیچی رکھنا (تاکہ کسی ایسی جگہ نہ پڑے جہاں نظر ڈالنا جائز نہیں) اور تکلیف دینے سے بچنا، اور سلام کا جواب دینا، اور بھلی بات کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۱۳: ج ۲)

کسی مجلس یا کسی گھر میں جائیں تو سلام کریں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی مجلس میں پہنچو تو سلام کرو اور اگر موقع مناسب جانو تو بیٹھ جاؤ، پھر جب (روانہ ہونے کے لیے) کھڑے ہو تو دوبارہ سلام کرو چونکہ جس طرح پہلی مرتبہ سلام کرنے کی اہمیت تھی دوسری مرتبہ سلام کرنا بھی اہم ہے۔ (ترمذی وابوداؤد)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو اور جب وہاں سے چلنے لگو تو انہیں سلام کے ساتھ رخصت کرو۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان مرسلا کما فی المشکوۃ صفحہ ۳۹۹)

اپنے گھر والوں کو سلام:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کہ اے بیٹا! جب تو اپنے گھر والوں کے پاس

جائے تو سلام کر، یہ چیز تیرے لیے اور تیرے گھر والوں کے لیے برکت کا ذریعہ بنے گی۔ (رواہ الترمذی)

ابتداء بالسلام کی فضیلت:

سلام ابتداءً خود کرنے کی کوشش کی جائے رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: ((البادی بالسلام بریٔ من الکبر)) یعنی جو شخص خود سے ابتداء سلام کرے وہ تکبر سے بری ہے۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۴۰۰)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ لوگوں میں اللہ سے قریب تر وہ شخص ہے جو ابتداءً خود سلام کرے۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۳۵۰: ج ۲)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ اسلام میں کثرت سلام محبوب اور مرغوب ہے اور سلام اور سلام کا جواب دینا مسلم کے حقوق میں سے ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی کے گھر جائے تو گھر والوں کو سلام کرے اور جب وہاں سے چلنے لگے تب بھی سلام کرے، کسی مجلس میں پہنچے تو اس وقت سلام کرے، چلنے لگے تب بھی سلام کرے، اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرے۔

آیت بالا میں ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص تمہیں سلام کرے تو تم اس کے سلام کا اس سے اچھا جواب دو یا (کم از کم) جواب میں اسی قدر الفاظ کہہ دو جتنے الفاظ سلام کرنے والے نے کہے ہیں۔ اگر کسی نے السلام علیکم کہا ہے تو اس کے جواب میں کم از کم وعلیکم السلام کہہ دیا جائے تا کہ واجب ادا ہو جائے اور بہتر یہ ہے کہ اس کے الفاظ پر اضافہ کر دیا جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جب فرشتوں کو خطاب کر کے السلام علیکم فرمایا تو انہوں نے جواب میں ورحمۃ اللہ کا اضافہ کر دیا تھا۔ اگر سلام کرنے والا ورحمۃ اللہ بھی کہہ دے تو جواب دینے والا وبرکاتہ کا اضافہ کر دے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے کہا السلام علیکم آپ نے اس کا جواب دے دیا پھر وہ بیٹھ گیا آپ نے فرمایا اس کو دس نیکیاں ملیں، پھر دوسرا شخص آیا اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ آپ نے اس کا جواب دے دیا وہ بیٹھ گیا آپ نے فرمایا اس کو بیس نیکیاں ملیں پھر تیسرا شخص آیا اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ نے اس کا جواب دے دیا وہ بیٹھ گیا آپ نے فرمایا اس کو تیس نیکیاں ملیں ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ آپ نے فرمایا اس کو چالیس نیکیاں ملیں اور یہ بھی فرمایا کہ اسی طرح فضائل بڑھتے جاتے ہیں۔

یہ حدیث سنن ابوداؤد میں ہے نیز سنن ترمذی میں بھی ہے لیکن اس میں مغفرتہ کا ذکر نہیں ہے۔ امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن بتایا ہے پھر فرمایا ہے وفی الباب عن ابی سعید وعلی وسہل بن حنیف رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور مفسر ابن کثیر نے (صفحہ ۵۳۱: ج ۱) بحوالہ ابن جریر ایک روایت یوں نقل کی ہے کہ جب ایک شخص نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا تو آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا وعلیک اور فرمایا کہ تو نے ہمارے لیے کچھ نہیں چھوڑا۔ لہٰذا ہم نے اسی قدر واپس کر دیا جتنا تم نے کہا۔ اس کے بعد مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ وبرکاتہ سے آگے سلام میں اضافہ نہیں ہے۔ مفسر قرطبی نے صفحہ

۲۹۹: ج ۵ بھی یہی لکھا ہے کہ: فان قال سلام علیک ورحمۃ اللہ زدت فی ردک وبرکاتہ وھذا ھو النھایۃ فلا مزید، مطلب یہ ہے کہ برکاتہ سے آگے اضافہ نہیں ہے۔ صاحب درمختار نے کتاب الحظر والاباحہ میں لکھا ہے ولا یزید الراد علی وبرکاتہ یعنی جواب میں وبرکاتہ سے زیادہ نہ کہا جائے۔ سنن ابوداؤد میں جو سلام کرنے والے کی طرف سے ومغفرتہ کا اضافہ ہے اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ وبرکاتہ سے آگے بھی اضافہ درست ہے لیکن جس روایت ومغفرتہ کا اضافہ آیا ہے سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اسی لیے فقہاء نے اس کو نہیں لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے عمل سے بھی حضرات فقہاء کی تائید ہوتی ہے۔ مؤطا امام مالک میں ہے کہ یمن کے ایک شخص نے ان کو سلام کیا اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تک کہنے کے بعد کچھ اور اضافہ کر دیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان السلام انتھی الی برکاتہ (یعنی سلام برکت تک ختم ہو گیا) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے مؤطا میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت کو لکھا ہے پھر فرمایا ہے: وبھذا ناخذ اذا قال وبرکاتہ فلیکفف فان اتباع السنۃ افضل (یعنی ہم بھی اس کو اختیار کرتے ہیں کہ جب وہ برکاتہ کہہ دے تو ختم کر دے۔ کیونکہ سنت کا اتباع افضل ہے)۔

حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے فتح الباری میں ایسی احادیث جمع کی ہیں جن سے وبرکاتہ پر اضافہ ثابت ہوتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ احادیث ضعیف ہیں لیکن سب کے مجموعے سے ایک طرح کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ حافظ کی بات سے اس طرف اشارہ نکلتا ہے کہ وبرکاتہ پر اضافہ کرنا اگر مسنون نہیں تو بہر حال جائز تو ہے ہی واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَلَمَّا رَجَعَ نَاسٌ مِّنْ اُحُدٍ اِخْتَلَفَ النَّاسُ فِيْهِمْ فَقَالَ فَرِيْقٌ اُقْتُلْهُمْ وَقَالَ فَرِيْقٌ لَا فَنَزَلَ **فَمَا لَكُمْ** اَیْ مَا شَأْنُكُمْ صِرْتُمْ **فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ** فِرْقَتَيْنِ **وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ** رَدَّهُمْ **بِمَا كَسَبُوْا** مِنَ الْكُفْرِ وَالْمَعَاصِیْ **اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ** اَیْ تَعُدُّوْهُمْ مِنْ جُمْلَةِ الْمُهْتَدِيْنَ وَالْاِسْتِفْهَامُ فِی الْمَوْضِعَيْنِ لِلْاِنْكَارِ **وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾** طَرِيْقًا اِلَی الْهُدٰی **وَدُّوْا** تَمَنَّوْا **لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ** اَنْتُمْ وَهُمْ **سَوَآءً** فِی الْكُفْرِ **فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ** تُوَالُوْنَهُمْ وَاِنْ اَظْهَرُوا الْاِيْمَانَ **حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** هِجْرَةً صَحِيْحَةً تُحَقِّقُ اِيْمَانَهُمْ **فَاِنْ تَوَلَّوْا** وَاَقَامُوْا عَلٰی مَا هُمْ عَلَيْهِ **فَخُذُوْهُمْ** بِالْاَسْرِ **وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا** تُوَالُوْنَهٗ **وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾** تَنْتَصِرُوْنَ بِهٖ عَلٰی عَدُوِّكُمْ **اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ** يَلْجَأُوْنَ **اِلٰی قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ** عَهْدٌ بِالْاَمَانِ لَهُمْ وَلِمَنْ وَّصَلَ اِلَيْهِمْ كَمَا عَاهَدَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِلَالَ بْنَ عُوَيْمِرٍ

الْاَسْلَمِیَ اَوْ الَّذِیْنَ جَآءُوْکُمْ وَقَدْ حَصِرَتْ ضَاقَتْ صُدُوْرُھُمْ عَنْ اَنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ مَعَ قَوْمِھِمْ اَوْ
یُقَاتِلُوْا قَوْمَھُمْ ۭ مَعَکُمْ اَیْ مُمْسِکِیْنَ عَنْ قِتَالِکُمْ وَقِتَالِھِمْ فَلَا تَتَعَرَّضُوْا اِلَیْھِمْ بِاَخْذٍ وَّلَا قَتْلٍ وَھٰذَا
وَمَا بَعْدَہٗ مَنْسُوْخٌ بِاٰیَۃِ السَّیْفِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ تَسْلِیْطَھُمْ عَلَیْکُمْ لَسَلَّطَھُمْ عَلَیْکُمْ بِاَنْ یُّقَوِّیَ قُلُوْبَھُمْ
فَلَقٰتَلُوْکُمْ ۚ وَلٰکِنَّہٗ لَمْ یَشَاْہُ فَاَلْقٰی فِیْ قُلُوْبِھِمُ الرُّعْبَ فَاِنِ اعْتَزَلُوْکُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْکُمُ
السَّلَمَ ۙ اَلصُّلْحَ اَیِ انْقَادُوْا فَمَا جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ عَلَیْھِمْ سَبِیْلًا ۝۹۰ طَرِیْقًا بِالْاَخْذِ اَوِ الْقَتْلِ سَتَجِدُوْنَ
اٰخَرِیْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْکُمْ بِاِظْھَارِ الْاِیْمَانِ عِنْدَکُمْ وَیَاْمَنُوْا قَوْمَھُمْ ۭ بِالْکُفْرِ اِذَا رَجَعُوْا اِلَیْھِمْ
وَھُمْ اَسَدٌ وَّغَطْفَانُ کُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَی الْفِتْنَۃِ دُعُوْا اِلَی الشِّرْکِ اُرْکِسُوْا فِیْھَا ۚ وَقَعُوْا اَشَدَّ وُقُوْعٍ فَاِنْ لَّمْ
یَعْتَزِلُوْکُمْ بِتَرْکِ قِتَالِکُمْ وَلَمْ یُلْقُوْٓا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ وَلَمْ یَکُفُّوْٓا اَیْدِیَھُمْ عَنْکُمْ فَخُذُوْھُمْ بِالْاَسْرِ وَ
۱۲ اقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ ۭ وَجَدْتُّمُوْھُمْ وَاُولٰٓئِکُمْ جَعَلْنَا لَکُمْ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ۝۹۱ بُرْھَانًا بَیِّنًا ع
ظَاھِرًا عَلٰی قَتْلِھِمْ وَسَبْیِھِمْ لِغَدْرِھِمْ

ترجمہ: اور جب کچھ لوگ یعنی منافقین احد سے واپس آ گئے تو صحابہ کرامؓ کے ان کے متعلق دو فریق ہو گئے ایک فریق نے کہا ان کو قتل کر دینا چاہیے دوسرے فریق نے کہا: ''نہیں'' یعنی اقرار شہادت کی وجہ سے مسلمان ہیں قتل مناسب نہیں اس پر آیت نازل ہوئی: فَمَا لَکُمْ الآیۃ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ یعنی تمہارا کیا حال ہے کہ ہو گئے ہو تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ دو فریق ہو گئے حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو لوٹا دیا ہے پلٹ دیا ہے ان کے اعمال کی وجہ سے یعنی ان کے کفر و معاصی کی وجہ سے کیا تم لوگ ارادہ رکھتے ہو ایسے لوگوں کی ہدایت کرنے کا جن کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا ہے یعنی کیا تم انہیں ہدایت یافتہ لوگوں میں شمار کرنا چاہتے ہو جنہیں حق تعالیٰ نے گمراہ قرار دیا ہے، دونوں جگہ استفہام انکاری ہے۔ ای لا ینبغی لکم ان تختلفوا فی قتلھم و لا ینبغی لکم ان تعدو ھم فی المھتدین اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو تم اس کے لیے کوئی سبیل نہ پاؤ گے راہ ہدایت کی وہ گمراہ تو چاہتے ہیں اس تمنا میں ہیں کہ کاش تم بھی کافر بن جاؤ جیسے وہ کافر ہو گئے تاکہ ہو جاؤ سب تم اور وہ برابر کفر میں پس تم ان منافقوں میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ یعنی ان سے قلبی دوستی نہ کرو اگرچہ ایمان کا اظہار کریں تاوقتیکہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں ایسی صحیح ہجرت کہ ان کے ایمان کو ثابت و محقق کر دے پس اگر وہ روگردانی کریں اور اس منافقانہ حال پر قائم رہیں جس پر ہیں تو تم ان کو پکڑو قید کر کے اور قتل کرو جہاں پاؤ اور نہ ان میں سے کسی کو دوست بناؤ کہ ان سے قلبی تعلق رکھو اور نہ مدد گار بناؤ کہ اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں ان سے مدد حاصل کرو مگر ایسے لوگ جو پہنچ جائیں پناہ حاصل کر لیں ایسی قوم کے پاس کہ

تمہارے اوران کے درمیان معاہدہ ہے یعنی ان کے لیے اور جوان لوگوں سے جاملیں تمہارے درمیان امن وامان کا معاہدہ ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ہلال بن عویمر اسلمی سے معاہدہ کیا تھا یا ایسے لوگ ہوں کہ خود تمہارے پاس ایسی حالت میں آئیں کہ ان کا دل منقبض ہو چکا ہے تنگ ہو گیا ہے اس بات سے کہ تم سے جنگ کریں (اپنی قوم کے ساتھ ہو کر) یا اپنی قوم سے جنگ کریں (تمہارے ساتھ ہو کر یعنی وہ آئیں تمہارے پاس درآنحالیکہ رکنے والے ہیں جنگ کرنے سے چونکہ تمہارا اوران کا معاہدہ ہے اور اپنی قوم سے جنگ کرنے سے بھی، مطلب یہ ہے کہ مطلقاً لڑائی سے دلبرداشتہ ہو کر کسی کی جنگ میں شریک نہ ہوں اور غیر جانبدار رہیں تو تم ایسے لوگوں کے قید کرنے اور قتل کرنے کے درپے نہ ہو، یہ آیت اوراس کے مابعد کی آیت، آیت سیف یعنی سورۂ توبہ کی آیت: فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ سے منسوخ ہے۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ (الآیة) اور اگر اللہ چاہتا ان کو تم پر مسلط کرتا تو انہیں تم پر ضرور مسلط کر دیتا بایں طور کہ ان کے دلوں کو قوی کر دیتا، دلیر کر دیتا) پھر وہ تم سے ضرور لڑنے لگتے (لیکن اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا اور تمہاری ہیبت ان کے دلوں میں ڈال دی پس اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں اور تم سے نہ لڑیں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام ڈالیں سلم بمعنی صلح یعنی عاجزی کریں، صلح کی درخواست کریں تو اللہ تعالیٰ نے تم کو ان پر کوئی راہ نہیں دی یعنی قید یا قتل کا کوئی راستہ نہیں رکھا، اجازت نہیں دی۔ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ، عنقریب تم ان کے علاوہ کچھ لوگوں کو پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں تمہارے سامنے ایمان کا اظہار کر کے اوراپنی قوم سے بھی امن میں رہیں یعنی جب اپنی قوم کے پاس جاتے ہیں تو کفر کا اظہار کرتے ہیں یہ لوگ قبیلہ اسد اور غطفان کے ہیں کہ جب مدینہ آتے ہیں تو اسلام ظاہر کرتے ہیں اور جب اپنی قوم کے پاس جاتے ہیں تو ان کی سی کہتے ہیں تا کہ ہر طرف سے بے خطرہ اور امن میں رہیں جب بھی ان کو فتنہ کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے شرک کی طرف ان کو دعوت دی جاتی ہے تو اوندھے ہو کر اس میں گر پڑتے ہیں یعنی پورے طور پر فتنہ میں الٹ پڑتے ہیں اور مسلمانوں سے لڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں پس اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کش نہ ہوں تمہاری لڑائی سے یعنی تم سے قتل وقتال نہ چھوڑیں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام نہ بھیجیں اور تمہاری لڑائی سے اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں تو تم ان کو پکڑ و قید کے ذریعہ اور جہاں کہیں ان کو پاؤ قتل کر دو۔ ثَقِفْتُمُوْهُمْ بمعنی وَجَدْتُّمُوْهُمْ ہے یہ ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر اور واؤ اشباع کا ہے اور هُمْ ضمیر ہے۔ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا (الآیة) اور یہی لوگ ہیں کہ جن کے خلاف ہم نے تم کو واضح دلیل دیدی ہے یعنی ان کی غداری کی وجہ سے ان کے قتل و قید پر کھلی دلیل دیدی ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: مَاشَأْنُكُمْ: مضاف مقدر ہے تا کہ حرف کا حرف پر داخلہ لازم نہ آئے۔

قوله: صِرْتُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ ظرف مستقر ہے، محذوف سے متعلق ہے اور متعلق کے لحاظ سے یہ مبتدا کی خبر ہے اور وہ فَمَا لَكُمْ ہے صِرْتُمْ کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ فِئَتَيْنِ صِرْتُمْ کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جو کہ محذوف ہے نہ کہ حال ہونے کی بناء پر۔

قوله: اَیْ تَعُدُّوْهُمْ: کیونکہ نفس ہدایت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر ایک کے لیے ظاہر ہے۔اس کے غیر سے اس کا ارادہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔

قوله: تَمَنَّوْا: اس سے تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ جب ودّ، یود کے بعد اذا آ جائے تو وہ تمنا کا معنی دیتا ہے۔

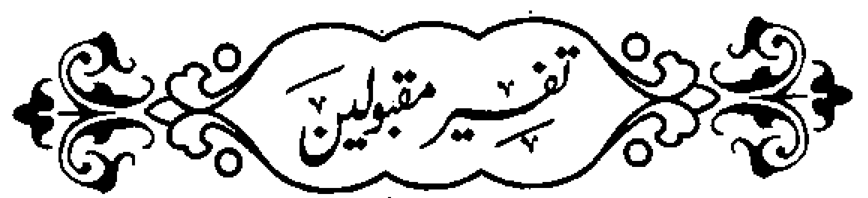
قوله: يَلْجَأُوْنَ: اس سے تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ اس کا صلہ الی اسی صورت میں بن سکتا ہے۔

قوله: اَوِ الَّذِيْنَ: اس سے اشارہ کیا کہ جَآءُوْا کا عطف صلہ پر ہے قوم کی صفت پر نہیں۔

قوله: وَقَدْ: کو مقدر مانا تاکہ یہ متعدی بنفسہ ہو جائے۔

قوله: لَمْ يُلْقُوْا: اس سے اشارہ کیا کہ یہ لم مقدرہ سے مجزوم ہے کیونکہ اس کا عطف يَعْتَزِلُوْا پر ہے لَمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ پر نہیں۔

قوله: بُرْهَانًا: اس سے تسلط ظاہر مراد نہیں۔



فَمَا لَكُمْ فِى الْمُنٰفِقِيْنَ ....

شانِ نزول: مذکورہ آیات میں تین فرقوں کا بیان ہے، جن کے متعلق دو حکم مذکور ہیں، واقعات ان فرقوں کے مندرجہ روایات سے واضح ہوں گے۔

پہلی روایت: عبد بن حمید نے مجاہد سے روایت کیا کہ بعض مشرکین مکہ سے مدینہ آئے اور ظاہر کیا کہ ہم مسلمان اور مہاجر ہو کر آئے ہیں، پھر مرتد ہو گئے اور حضرت رسول مقبول (ﷺ) سے اسباب تجارت لانے کا بہانہ کر کے پھر مکہ چل دیئے اور پھر نہ آئے ان کے بارے میں مسلمانوں کی رائے مختلف ہوئی، بعض نے کہا یہ کافر ہیں بعض نے کہا یہ مؤمن ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کا کافر ہونا آیت: فَمَا لَكُمْ فِى الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ میں بیان کر دیا اور ان کے قتل کا حکم دیا۔

حضرت حکیم الامت تھانوی نے فرمایا کہ ان کا منافق کہنا بایں معنی ہے کہ جب اسلام کا دعویٰ کیا تھا جب بھی منافق تھے دل سے ایمان نہ لائے تھے اور منافقین کو قتل نہ کئے جاتے تھے لیکن جب تک ہی کہ اپنا کفر چھپاتے تھے اور ان لوگوں کا ارتداد ظاہر ہو گیا تھا اور جنہوں نے مسلمان کہا شاید حسن ظن کی وجہ سے کہا ہو، اور ان کے دلائل ارتداد میں کچھ تاویل کر لی ہوگی اور اس تاویل کی بنیاد رائے محض ہوگی جس کی تائید دلیل شرعی سے نہ ہوگی اس لئے معتبر نہیں رکھی گئی۔

دوسری روایت:

ابن ابی شیبہ نے حسن سے روایت کیا کہ سراقہ بن مالک مدلجی نے بعد واقعہ بدر واحد کے رسول اللہ (ﷺ) کے حضور میں آ کر درخواست کی کہ ہماری قوم بنی مدلج سے صلح کر لیجئے، آپ نے حضرت خالد کو تکمیل صلح کے لئے وہاں بھیج دیا، مضمون

صلح یہ تھا:

"ہم رسول اللہ (ﷺ) کے خلاف کسی کی مدد نہ کریں گے اور قریش مسلمان ہوجائیں گے تو ہم بھی مسلمان ہوجائیں گے اور جو قومیں ہم سے متحد ہوں گی وہ بھی اس معاہدہ میں ہماری شریک ہیں۔"

اس پر یہ آیت: وَدُّوْا لَوْ تَکْفُرُوْنَ الی قولہ اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ الآیۃ نازل ہوئی۔

تیسری روایت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا کہ آیت سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ الآیۃ میں جن کا ذکر ہے مراد ان سے قبیلہ اسد اور غطفان ہیں کہ مدینہ میں آئے اور ظاہراً اسلام کا دعویٰ کرتے اور اپنی قوم سے کہتے کہ ہم تو بندر اور عقرب (بچھو) پر ایمان لائے ہیں اور مسلمانوں سے کہتے کہ ہم تمہارے دین پر ہیں۔

اور ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی حالت بنی عبدالدار کی نقل کی ہے، پہلی اور دوسری روایت روح المعانی اور تیسری معالم میں ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس تیسری روایت والوں کی حالت مثل پہلی روایت والوں کے ہوئی، کہ دلیل سے ان کا پہلے ہی سے مسلمان نہ ہونا ثابت ہوگیا، اسی لئے ان کا حکم مثل عام کفار کے ہے، یعنی مصالحت کی حالت میں ان سے قتال نہ کیا جائے اور مصالحت نہ ہونے کی صورت میں قتال کیا جائے، چنانچہ پہلی روایت والوں کے باب میں دوسری آیت یعنی فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْھُمْ وَاقْتُلُوْھُمْ میں گرفتار کرنے اور قتل کا حکم اور تیسری آیت: اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ الآیۃ میں مصالحت میں ان کا استثناء موجود جن کی مصالحت کا ذکر دوسری روایت میں ہے اور تاکید استثناء کے لئے پھر فَاِنِ اعْتَزَلُوْکُمْ کی تصریح کردی۔

اور تیسری روایت والوں کے باب میں چوتھی آیت یعنی: سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ الآیۃ میں بیان فرمادیا کہ اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کش نہیں ہوتے بلکہ مقابلہ کرتے ہیں تو تم ان سے جہاد کرو، اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر وہ صلح کریں تو ان سے قتال نہ کیا جائے۔ (بیان القرآن)

خلاصہ یہ کہ یہاں تین فرقوں کا ذکر فرمایا گیا:

۱- جو ہجرت کہ شرط اسلام کے زمانہ میں باوجود قدرت کے ہجرت نہ کریں یا کرنے کے بعد دارالاسلام سے نکل کر دارالحرب میں چلے جائیں۔

۲- مسلمانوں سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ خود کرلیں یا ایسا معاہدہ کرنے والوں سے معاہدہ کرلیں۔

۳- جو دفع الوقتی کی غرض سے صلح کرلیں اور جب مسلمانوں کے خلاف جنگ کی دعوت دی جائے تو اس میں شریک ہوجائیں اور اپنے عہد پر قائم نہ رہیں۔

پہلے فریق کا حکم عام کفار کی مانند ہے، دوسرا فریق قتل اور پکڑ دھکڑ سے مستثنیٰ ہے، تیسرا فریق اسی سزا کا مستحق ہے جس کا پہلا فریق تھا، ان آیتوں کے کل دو حکم مذکور ہیں، یعنی عدم صلح کے وقت قتال اور مصالحت کے وقت قتال نہ کرنا۔

ہجرت کی مختلف صورتیں اور احکام:

قولہ تعالیٰ: حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الخ ابتداء اسلام میں ہجرت دار الکفر سے تمام مسلمانوں پر فرض تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے ساتھ مسلمانوں کو موالات کرنے سے منع کیا ہے جو اس فرض کے تارک ہوں، پھر جب مکہ فتح ہوا تو سرور عالم (ﷺ) نے فرمایا: ((لا هجرة بعد الفتح)) (رواہ البخاری) یعنی جب مکہ فتح ہو کر دار الاسلام بن گیا تو اب وہاں سے ہجرت فرض نہ رہی۔ یہ اس زمانہ کا حکم ہے جبکہ ہجرت شرط ایمان تھی اس آدمی کو مسلمان نہیں سمجھا جاتا تھا جو باوجود قدرت کے ہجرت نہ کرے، لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اب یہ صورت باقی نہیں رہی۔

ہجرت کی دوسری صورت یہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گی جس کے بارے میں حدیث میں آتا ہے: ((لا تنقطع الهجرة حتى تنقطع التوبة)) یعنی ہجرت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک توبہ قبول ہونے کا وقت باقی ہے۔ [illegible]

علامہ عینی شارح بخاری نے اس ہجرت کے متعلق لکھا ہے: ((الهجرة الباقية هي هجر السيئات)) یعنی اس ہجرت سے مراد گناہوں کا ترک کرنا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں رسول اکرم (ﷺ) ارشاد فرماتے ہیں: ((المهاجر من هجر ما نهى الله عنه)) یعنی مہاجر وہ ہے جو ان تمام چیزوں سے پرہیز کرے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ (بحوالہ مرقاۃ وعمدہ)

مذکورہ بحث سے معلوم ہوا کہ اصطلاح میں ہجرت کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے (۱) دین کے لئے ترک وطن کرنا جیسا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وطن مکہ ترک کر کے مدینہ اور حبشہ تشریف لے گئے۔ (۲) گناہوں کا چھوڑنا۔

وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار سے طلب نصرت حرام ہے، چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ کفار کے خلاف غزوہ کے لئے جب یہودیوں سے مدد طلب کرنے کی بات آپ سے چلی تو آپ نے فرمایا: ((الخبيث لا حاجة لنا به)) یعنی یہ خبیث قوم ہے ہم کو ان کی حاجت نہیں۔ (مظہری)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا أي ما ينبغي أن يصدر منه قتل له إِلَّا خَطَأً مخطئًا في قتله من غير قصد وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً بأن قصد رمي غيره كصيد أو شجرة فأصابه أو ضربه بما لا يقتل غالبًا فَتَحْرِيرُ عتق رَقَبَةٍ نسمة مُؤْمِنَةٍ عليه وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ مؤداة إِلَى أَهْلِهِ أي ورثة المقتول إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا يتصدقوا عليه بها بأن يعفوا عنها وبينت السنة أنها مائة من الإبل عشرون بنت مخاض وكذا بنات لبون وبنو لبون وحقاق وجذاع وأنها على عاقلة القاتل وهم عصبته في الأصل والفرع موزعة عليهم على ثلاث سنين على الغني منهم نصف دينار والمتوسط ربع كل سنة

فَاِنْ لَمْ يَفِ فَمِنْ بَيْتِ الْمَالِ فَاِنْ تَعَذَّرَ فَعَلَى الْجَانِيْ فَاِنْ كَانَ الْمَقْتُوْلُ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ حَرْبٍ لَّكُمْ وَ
هُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ عَلٰى قَاتِلِهٖ كَفَّارَةٌ وَلَا دِيَةٌ تُسَلَّمُ اِلٰى اَهْلِهٖ لِحَرَابَتِهِمْ وَاِنْ كَانَ
الْمَقْتُوْلُ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ عَهْدٌ كَاَهْلِ الذِّمَّةِ فَدِيَةٌ لَهٗ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَهِيَ
ثُلُثُ دِيَةِ الْمُؤْمِنِ اِنْ كَانَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا وَثُلُثَا عُشْرِهَا اِنْ كَانَ مَجُوْسِيًّا وَ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ
عَلٰى قَاتِلِهٖ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ الرَّقَبَةَ بِاَنْ فَقَدَهَا وَمَا يُحَصِّلُهَا بِهٖ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۫ عَلَيْهِ كَفَّارَةٌ
وَلَمْ يَذْكُرْ تَعَالٰى الْاِنْتِقَالَ اِلَى الطَّعَامِ كَالظِّهَارِ وَبِهٖ اَخَذَ الشَّافِعِيُّ رحمه الله فِيْ اَصَحِّ قَوْلَيْهِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ
مَصْدَرٌ مَنْصُوْبٌ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا بِخَلْقِهٖ حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ فِيْمَا دَبَّرَهٗ لَهُمْ وَ مَنْ يَّقْتُلْ
مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا بِاَنْ يَّقْصِدَ قَتْلَهٗ بِمَا يَقْتُلُ غَالِبًا عَالِمًا بِاِيْمَانِهٖ فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ اَبْعَدَهٗ مِنْ رَحْمَتِهٖ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾ فِي النَّارِ وَهٰذَا مُؤَوَّلٌ بِمَنْ يَّسْتَحِلُّهٗ اَوْ
بِاَنَّ هٰذَا جَزَاؤُهٗ اِنْ جُوْزِيَ وَلَا بِدْعَ فِيْ خُلْفِ الْوَعِيْدِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَعَنِ
ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهَا عَلٰى ظَاهِرِهَا وَاَنَّهَا نَاسِخَةٌ لِغَيْرِهَا مِنْ اٰيَاتِ الْمَغْفِرَةِ وَبَيَّنَتْ اٰيَةُ الْبَقَرَةِ اَنَّ قَاتِلَ الْعَمَدِ
يُقْتَلُ بِهٖ وَاَنَّ عَلَيْهِ الدِّيَةَ اِنْ عُفِيَ عَنْهُ وَسَبَقَ قَدْرُهَا وَبَيَّنَتِ السُّنَّةُ اَنَّ بَيْنَ الْعَمَدِ وَالْخَطَاِ قَتْلًا يُسَمّٰى شِبْهَ
الْعَمَدِ وَهُوَ اَنْ يَّقْتُلَهٗ بِمَا لَا يَقْتُلُ غَالِبًا فَلَا قِصَاصَ فِيْهِ بَلْ دِيَةٌ كَالْعَمَدِ فِي الصِّفَةِ وَالْخَطَاِ فِي التَّاْجِيْلِ
وَالْحَمْلِ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَهُوَ وَالْعَمَدُ اَوْلٰى بِالْكَفَّارَةِ مِنَ الْخَطَاِ وَنَزَلَ لَمَّا مَرَّ نَفَرٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ بِرَجُلٍ مِّنْ
بَنِيْ سُلَيْمٍ وَهُوَ يَسُوْقُ غَنَمًا فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ فَقَالُوْا مَا سَلَّمَ عَلَيْنَا اِلَّا تَقِيَّةً فَقَتَلُوْهُ وَاسْتَاقُوْا غَنَمَهٗ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ سَافَرْتُمْ لِلْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْمُثَلَّثَةِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ وَ
لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ بِاَلِفٍ وَدُوْنِهَا اَيِ التَّحِيَّةَ اَوِ الْاِنْقِيَادَ بِقَوْلِ كَلِمَةِ الشَّهَادَةِ الَّتِيْ هِيَ
اَمَارَةٌ عَلٰى اِسْلَامِهٖ لَسْتَ مُؤْمِنًا وَاِنَّمَا قُلْتَ هٰذَا تَقِيَّةً لِنَفْسِكَ وَمَالِكَ فَتَقْتُلُوْهُ تَبْتَغُوْنَ تَطْلُبُوْنَ بِذٰلِكَ
عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ مَتَاعَهَا مِنَ الْغَنِيْمَةِ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ تُغْنِيْكُمْ عَنْ قَتْلِ مِثْلِهٖ لِمَا

لِهٖ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ تُعْصَمُ دِمَاؤُكُمْ وَاَمْوَالُكُمْ بِمُجَرَّدِ قَوْلِكُمُ الشَّهَادَةَ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ

بِالْاِشْتِهَارِ بِالْاِيْمَانِ وَالْاِسْتِقَامَةِ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اَنْ تَقْتُلُوْا مُؤْمِنًا وَافْعَلُوْا بِالدَّاخِلِ فِى الْاِسْلَامِ كَمَا فُعِلَ بِكُمْ

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَنِ الْجِهَادِ

غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ بِالرَّفْعِ صِفَةً وَالنَّصْبِ اِسْتِثْنَاءً مِنْ زَمَانَةٍ اَوْ عَمًى وَنَحْوِهٖ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ لِضَرَرٍ دَرَجَةً ؕ

فَضِيْلَةً لِاسْتِوَائِهِمَا فِى النِّيَّةِ وَزِيَادَةِ الْمُجَاهِدِ بِالْمُبَاشَرَةِ وَكُلًّا مِّنَ الْفَرِيْقَيْنِ وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ

الْجَنَّةَ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ لِغَيْرِ ضَرَرٍ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ وَيُبْدَلُ مِنْهُ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ

مَنَازِلَ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ مِنَ الْكَرَامَةِ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ مَنْصُوْبَانِ بِفِعْلِهِمَا الْمُقَدَّرِ وَكَانَ اللّٰهُ

غَفُوْرًا لِاَوْلِيَائِهٖ رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ بِاَهْلِ طَاعَتِهٖ ع ۱۳ ۵ ۱۰

ترجمہ: کسی مؤمن کی شان نہیں کہ وہ کسی مؤمن کو قتل کرے (یعنی کسی مؤمن کے لیے مناسب نہیں ہے کہ اس سے مؤمن کا قتل صادر ہو) لیکن غلطی سے (یعنی اس کے قتل میں بلا ارادہ غلطی کرنے والا اور چوک جانے والا ،مفسر نے خطا کی تفسیر مُخْطِئًا سے کر کے اشارہ کیا ہے کہ مصدر بتاویل اسم فاعل حال واقع ہو رہا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر دے (اس طرح کہ اس نے کسی شکار یا درخت پر تیر پھینکنے کا قصد کیا لیکن اس مسلمان کو چوک کر لگ گیا یا کسی مسلمان کو ایسی چیز سے مارا جس سے اکثر و بیشتر موت نہیں واقع ہوتی ہے جیسے سپلی تپچی یا لکڑی سے مارا اتفاق سے وہ مر گیا تو اس پر ایک مسلمان گردن یعنی مسلمان آدمی خواہ غلام ہو یا لونڈی آزاد کرنا واجب ہے تحریر بمعنی عتق و آزادی ہے، رَقَبَةٍ بمعنی نَسَمَةٍ یعنی جان ہے ،رقبہ اصل میں گردن کا نام ہے پھر پورے بدن انسانی کے لیے استعمال ہونے لگا، تو چونکہ مقتول مؤمن تھا اس لیے اس کے قتل کا کفارہ ایک مؤمن غلام کی آزادی قرار دیا گیا،مفسرؒ نے علیہ کی تقدیر سے اشارہ کیا کہ تحریر مبتدا کی خبر محذوف علیہ ہے وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اور دیت یعنی خون بہا بھی واجب ہے جو مقتول کے گھر والوں کے سپرد کی جائے یعنی مقتول کے وارثوں کے حوالہ بقدر حصص میراث ادا کی جائے اور اگر کوئی وارث نہ ہو تو بیت المال قائم مقام وارثوں کے ہے۔ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ مگر یہ کہ وہ لوگ اولیاء مقتول معاف کر دیں۔ مفسر علامؒ تفسیر کرتے ہیں کہ: "يَتَصَدَّقُوْا عَلَيْهِ بِهَا بِاَنْ يَّعْفُوْا عَنْهَا" یعنی مفسر کہتے ہیں کہ: يَصَّدَّقُوْا ؕ اصل میں يَتَصَدَّقُوْا تھا تاء کو صاد سے بدل کر صاد میں ادغام کر دیا اصل عبارت ہوئی۔ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ الاٰية الآیہ کہ مقتول کے ورثا صدقہ کر دیں اس قاتل پر اس دیت کو اس طرح پر کہ اس دیت یعنی خون بہا کو معاف کر دیں خواہ وہ کل دیت معاف کر دیں یا بعض اتنی ہی معاف ہو جائے گی اور حدیث نے اس کو واضح کر دیا ہے کہ دیت

یعنی خون بہا سواونٹ ہے بیس بنت مخاض اسی قدر بیس بنت لبون اور اتنا ہی ابن لبون اور حقے اسی قدر اور اتنا ہی جذعے ہیں یہ جملہ چھوٹے بڑے ملا کر سو ہوئے اور حدیث پاک نے یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ دیت قاتل کے عاقلہ عصبی رشتہ دار پر ہوگی خود قاتل یعنی قاتل کے مال پر نہ ہوگی۔ وَهُمْ عَصَبَتُهُ اِلَّا الْاَصْلِ وَالْفَرْعِ الآیۃ اور وہ لوگ یعنی قاتل کے عاقلہ وہ ہیں جو اصل یعنی باپ دادا اور فرع یعنی بیٹا دپوتا کے علاوہ قاتل کے عصبہ ہوں جیسے قاتل کے بھائی، چچا اور بھتیجا عاقلہ ہیں اور شوافع کا مسلک ہے حنفیہ کے مسلک کی تفصیل تشریحات میں آئے گی کہ ان میں سے جو مالدار لوگ ہیں وہ ہر سال آدھا دینار اور اوسط درجہ کے لوگ چوتھائی دینار ہر سال ادا کریں، پس اگر یہ لوگ کسی وجہ سے پورا نہ کر سکیں مثلاً آدمی کم ہیں کہ قلتِ اشخاص کی وجہ سے دیت کی مقدار پوری نہیں ہو سکتی ہے تو اشخاص پر مقدار نہیں بڑھائے جائے گی بلکہ باقی رقم بیت المال سے پوری کی جائے گی پھر اگر بیت المال سے بھی کسی شرعی عذر سے پوری کرنا متعذر رہو تو مجبوراً جانی یعنی قاتل پر باقی رقم آئے گی کہ خود قاتل کے مال سے وصول کی جائے گی۔ فَاِنْ كَانَ الآیۃ پھر اگر وہ مقتول خطاء اس قوم میں سے ہو جو تمہارے دشمن ہیں یعنی حربی ہیں یعنی دارالحرب میں رہتا تھا اور خود وہ مقتول شخص مؤمن ہو مگر کسی وجہ سے ہجرت کر کے دارالسلام میں نہیں آیا تھا کسی مسلمان نے اسکو کافر سمجھ کر قتل کر دیا تو ایک مسلمان کا آزاد کرنا ہے یعنی اس کے قاتل پر بطور کفارہ کے صرف رقبہ یعنی مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا واجب ہے اور اس صورت میں کوئی دیت واجب نہیں ہوگی کہ مقتول کے وارثوں کے سپرد کیا جائے چونکہ ان لوگوں سے تو جنگ ہے۔ وَاِنْ كَانَ الآیۃ اور اگر وہ مقتول خطاء اس قوم میں سے ہو کہ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ ہے، عہد و پیمان ہے جیسے ذمی لوگ یعنی وہ لوگ جو جزیہ قبول کر کے مسلمانوں کے عہد و ذمہ میں داخل ہو کر مطیع ہوئے ہیں اگرچہ وہ اپنے دین پر ہیں تو دیت واجب ہوگی جو اس مقتول کے خاندان والوں کو حوالہ کر دی جائے اور وہ دیت دیت مسلم کی تہائی ہوگی ، اگر مقتول ذمی یہودی یا نصرانی ہے اور اگر مقتول مجوسی ہو تو دیت کے دسویں حصہ کی دو تہائی دینی ہوگی اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہے یعنی اس کے قاتل پر واجب ہے، مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں دیت اور کفارہ دونوں واجب ہیں پھر جس شخص کو رقبہ یعنی غلام یا لونڈی نہ ملے بایں طور کہ غلام ملتا نہ ہو یعنی مؤمن غلام یا مؤمنہ لونڈی کا فقدان ہو یا یہ صورت ہو کہ غلام تو ملتا ہے مگر اس کے پاس اتنا دام و معاوضہ نہ ہو جس سے رقبہ یعنی غلام حاصل کر سکے تو متواتر لگاتار دو مہینے کے روزے واجب ہیں یہ اس پر کفارہ ہے اور یہ روزے صرف غلام کا بدل ہیں، پھر اگر وہ شخص روزے رکھنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو کیا روزے کے بدلے روزے سے منتقل ہو کر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے یا نہیں؟ جیسا کہ کفارۂ ظہار میں ہے اس کا جواب مفسرؒ دیتے ہیں: وَلَمْ يَذْكُرْ تَعَالَى الْاِنْتِقَالَ اِلَى الطَّعَامِ كَالظِّهَارِ الآیۃ اور یہاں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ ظہار کی طرح کھانا کھلانے کی طرف منتقل ہونے کو ذکر نہیں فرمایا پس طعام کی طرف منتقل نہ ہوگا اور امام شافعیؒ نے اپنے اصح قول میں اسی کو اختیار فرمایا اور یہی امام اعظمؒ کا بھی قول ہے۔ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ یہ حکم بطور توبہ کے ہے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہوئی ہے مفسرؒ کہتے ہیں کہ تَوْبَةً مصدر ہے فعل مقدر کے ذریعہ منصوب ہے یعنی توبة تاب فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ ای تاب توبة من الله، یعنی اللہ کی طرف سے خطا کرنے والے کی توبہ کے لیے مقرر ہوا ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا الآیۃ اور اللہ تعالیٰ جاننے والے ہیں اپنی

مخلوق کواور حکمت والے ہیں اپنی مخلوق کی تدبیر میں: وَ مَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا (الآیۃ) اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے بایں طور کہ اس کے قتل کا ارادہ کرے اور ایسی چیز سے قتل کرے جس سے غالباً آدمی مرجاتا ہے اور اس کو ایمان دار جانتا ہو تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور اللہ اس پر لعنت کرے گا یعنی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کو دور کردیں گے اور اللہ نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کیا ہے یعنی جہنم میں اس آیت کی یہ تاویل کی گئی ہے کہ یہ سزا اس قاتل کی ہے جو کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا حلال سمجھتا ہو، یا یہ جواب ہے کہ یہ وعید عذاب ایسے قاتل کی سزا ہے بشرطیکہ سزا دی جائے اور اس وعید کے برخلاف ہونے میں کوئی تعجب اور اچنبھا ہونے کی بات نہیں ہے یعنی عجب نہیں کہ حق تعالیٰ نے جو وعید شدید فرمائی ہے اس کے مستحق کو اپنے فضل وکرم سے معاف کردے اس لیے کہ ارشاد الٰہی ہے: وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ یعنی شرک وکفر کے علاوہ جو بھی گناہ ہے اور جتنا ہی عظیم سے عظیم تر گناہ ہو وہ اللہ کی مشیت میں ہے چاہے تو معاف کر دے اور چاہے ان پر عذاب دے۔ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت اپنے ظاہر پر ہے اور یہ آیت آیات مغفرت کے لیے ناسخ ہے۔ وبینت ایة البقرة (الآیۃ) اور سورۂ بقرہ کی آیت نے بیان کردیا ہے کہ قاتل عمداً اس کے عوض میں قتل کیا جائے گا یعنی عمداً قتل کرنے والا مقتول کے عوض میں قصاصاً قتل کیا جائے گا۔ وان علیه الدیة ان عفی عنه اور سورۂ بقرہ کی آیت: فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ (الآیۃ) نے یہ بھی بیان کردیا کہ اگر مقتول کی طرف سے قصاص معاف کردیا جائے تو اس پر دیت واجب ہے جس کی مقدار پہلے گزر چکی ہے اور حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل عمد اور قتل خطاء کے درمیان ایک قسم کا قتل ہے جس کا نام شبہ عمد ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسی چیز سے قتل کرے جس سے عام طور پر انسان مرتا نہیں چنانچہ اس قتل شبہ عمد میں قصاص نہیں ہے بلکہ دیت لازم ہوگی اور یہ دیت یعنی شبہ عمد کی دیت صفت میں قتل عمد کی طرح ہے من حیث کونها من ثلثة انواع مطلب یہ ہے کہ شوافع کے نزدیک دیت مغلظہ لازم ہوگی تین کی طرح کی تیس حقہ تیس جذعہ اور چالیس حاملہ اونٹنی۔ وَالْخَطَأِ فِی التَّاْجِیْلِ وَالْحَمْلِ عَلَی الْعَاقِلَةِ اور قتل خطا کی طرح ہے مدت کے اعتبار سے اور عاقلہ پر دیت کے ڈالے جانے میں'' مطلب یہ ہے کہ شبہ عمد کے تین برس ادا کی مدت ہونے میں اور اس بات میں کہ یہ دیت عاقلہ پر آئے گی قتل خطا کے مشابہ ہے ''وَ هُوَ وَالْعَمَدُ اَوْلٰی بِالْكَفَّارَةِ مِنَ الْخَطَأِ'' اور یہ قتل یعنی شبہ عمد اور قتل عمد دونوں بہ نسبت قتل خطا کے زیادہ لائق کفارہ ہیں یعنی ان دونوں میں بدرجہ اولیٰ کفارہ یعنی تحریر رقبہ واجب ہوگا اور یہ صرف شوافع کا مسلک ہے جمہور حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک قتل عمد میں کفارہ نہیں ہے توبہ کرنی چاہیے۔ قبیلہ بنی سلیم کا ایک آدمی صحابہؓ کی ایک جماعت کی طرف سے گزرا جبکہ یہ حضرات صحابہؓ جہاد کے لیے جارہے تھے اور وہ شخص اپنی بکریاں چرا رہا تھا اس نے حضرات صحابہؓ کو سلام کیا جو عملاً اس بات کا اظہار تھا کہ میں مسلمان ہوں لیکن صحابہؓ نے کہا اس نے ہم کو سلام صرف اس غرض سے کیا ہے کہ ہمارے ہاتھ سے بچ جائے یعنی صرف جان ومال بچانے کے لیے اس نے سلام کہہ کر فریب کیا ہے واقع میں یہ مسلمان نہیں ہے چنانچہ صحابہؓ نے اس کو قتل کردیا اور اس کی بکریاں ہنکا کر لے گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ (الآیۃ) اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے سفر کیا کرو تو خوب تحقیق کرلیا کرو ایک قراءت میں لفظ:

فَتَبَيَّنُوْا ثاء مثلثہ کے ساتھ فتبتوا ہے دونوں جگہ یعنی ایک یہاں اور ایک آگے اسی آیت کے آخر میں: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى (الآیۃ) اور جو شخص تم کو سلام علیک کرے تو اسکو یہ نہ کہو کہ تو مؤمن نہیں ہے لفظ سلام ایک قراءت میں الف کے ساتھ اَىِ التَّحِيَّةَ یعنی سلام کرنا اور یہی جمہور کی قراءت ہے دوسری قراءت دُوْنِهَا یعنی بغیر الف کے سلم ہے جس کے معنی انقیاد ہیں یعنی اطاعت کرنا اس کلمہ شہادت کو زبان سے کہہ کر جو اس کے مسلمان ہونے کی علامت ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے کلمہ پڑھ کر یا مسلمانوں کے طرز پر سلام علیک پیش کرے تو تم اس کو یہ مت کہہ دو کہ تم مسلمان نہیں ہو تو تم نے تو اپنی جان اور اپنے مال کو بچانے کے لیے ایسا کہہ دیا ہے پھر اس کو قتل کر دو۔ تَبْتَغُوْنَ (الآیۃ) تو چاہتے ہو طلب گار ہوتے ہو اس کے ذریعہ دنیاوی زندگی کے سامان دنیاوی منافع مال غنیمت تو اللہ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں جو تم کو مال کی خاطر اس طرح کے قتل سے بے نیاز کر دیں گی پہلے ایک زمانہ میں بھی ایسے ہی تھے کہ صرف تمہارے کلمہ پڑھنے سے تمہاری جانیں اور تمہارے اموال محفوظ رکھے جاتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا کہ تمہارے ایمان کو شہرت اور استقامت عنایت فرمائی لہٰذا تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان کو قتل کر دو اور اسلام میں داخل ہونے والے کے ساتھ اسی طرح معاملہ کرو جس طرح ابتداء میں تمہارے ساتھ کیا گیا بلاشبہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ باخبر ہیں چنانچہ تم کو اس کا بدلہ دیں گے۔ لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ (الآیۃ) برابر نہیں مسلمانوں میں سے جو لوگ جہاد سے بلا کسی عذر کے بیٹھے رہیں لفظ غیر ایک قراءت میں نصب کے ساتھ ہے اس صورت میں الْقٰعِدُوْنَ سے استثناء ہے یعنی اپاہج اور اندھا وغیر نہیں ہے اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کو نیت جہاد کے ساتھ عمل جہاد کی وجہ سے ایک درجہ فضیلت ہے اور ہر ایک سے یعنی دونوں فریق سے خواہ مجاہدین ہوں یا قاعدین، اللہ نے بھلائی کا یعنی جنت کا وعدہ کیا ہے اور اللہ نے مجاہدین کو بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم کے لحاظ سے فضیلت بخشی ہے اسی اَجْرًا سے دَرَجٰتٍ مِّنْهُ بدل ہو رہا ہے اللہ کی طرف سے بڑے درجے ہیں یعنی ایسے رتبے اور منازل ہیں کہ کرامت وعزت کے لحاظ سے بعض بعض سے اونچے وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً اور مغفرت اور رحمت ہے فعل مقدر کی وجہ سے دونوں منصوب ہیں یعنی غفر اللہ لهم مغفرة ورحمهم رحمة، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت اور رحمت سے نوازے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں اپنے دوستوں کو اور مہربان ہیں اطاعت کرنے والوں پر۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: مَا يَنْبَغِىْ لَهٗ: عدم کے معنی میں نہیں کہ کذب محال لازم ہو۔

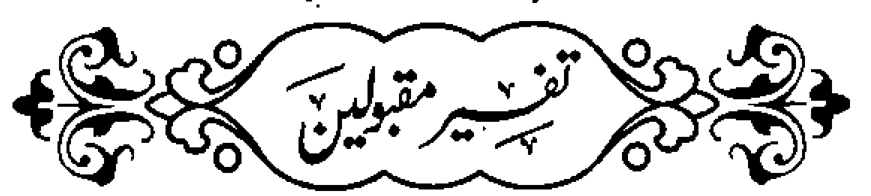
قوله: مُخْطِئًا: اس سے اشارہ ہے کہ خطاء کا نصب تاویل مشتق کے ساتھ حالیت کی بناء پر ہے۔

قوله: نَسَمَةٍ: جزء بول کر کل مراد لیا۔ نَسَمَةٍ، ذی روح انسان کو کہتے ہیں۔

قوله: عَلَيْهِ: اس کو مقدر مانا تا کہ جزاء جملہ بن سکے۔

قوله: الْمَقْتُوْلِ: اس سے مقتول معاہد مراد ہے نہ کہ مسلم، کیونکہ کافر مسلمان کا مورث نہیں۔

قوله: عَلٰى عَاقِلَةٍ: یعنی عاقلہ پر جیسے دیت، اس کو مقدر مانا تاکہ جملہ بن سکے اور جزاء پر اس کا عطف ہے۔
قوله: مَصْدَرٌ مَّنْصُوْبٌ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ مفعول لہ ہے۔
قوله: بِمَنْ يَّسْتَحِلُّهٗ: اس کے لیے دلائل قطعیہ۔
قوله: لِمَنْ يَّسْتَحِلُّهٗ: آیات واحادیث اور اجماع امت ہو چکا کہ گنہگار مؤمن کے لیے خلود فی النار نہیں۔
قوله: فِي الصِّفَةِ: یعنی قصد وگناہ میں۔
قوله: كَلِمَةِ الشَّهَادَةِ: انقیاد سے مراد اقرار شہادت اور امارتِ اسلامیہ کی اطاعت ہے۔
قوله: تَبْتَغُوْنَ: یہ تَقُوْلُوْا کی ضمیر سے ہے۔
قوله: فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: قاعد ومجاہد کے درمیان تساوی کی نفی کی عذر والے مستثنیٰ ہیں۔
قوله: مِّنْهُ: درجات۔ یہ بدلیت کی وجہ سے منصوب ہے۔ مصدریت کی بناء پر نہیں گویا اس طرح فرمایا: فضلهم تفضیلات۔ ان کو بہت سی فضیلتیں دیں کیونکہ یہ مجاز ہے۔
قوله: بِفِعْلِهِمَا: اَجْرًا پر عطف کی وجہ سے نہیں اگر چہ معنوی اعتبار سے وہ بھی صحیح ہے۔
قوله: لِاَوْلِيَائِهٖ: یعنی اپنے دوستوں کی بخشش کرنے والا ہے، نہ کہ دشمنوں کی۔
قوله: بِاَهْلِ طَاعَتِهٖ: اہل طاعت پر مہربانی ہے، نہ کہ اہل معصیت پر۔



وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ....

شانِ نزول: اس آیت کے شان نزول میں ایک قول تو یہ مروی ہے کہ عیاش بن ابی ربیعہ جو ابوجہل کا ماں کی طرف سے بھائی تھا جس ماں کا نام اسماء بنت مخرمہ تھا اس کے بارے میں اتری ہے اس نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا جسے وہ اسلام لانے کی وجہ سے سزائیں دے رہا تھا یہاں تک کہ اس کی جان لے لی، ان کا نام حارث بن زید عامری تھا، حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ کانٹا رہ گیا اور انہوں نے ٹھان لی کہ موقع پا کر اسے قتل کر دوں گا اللہ تعالیٰ نے کچھ دنوں بعد قاتل کو بھی اسلام کی ہدایت دی وہ مسلمان ہو گئے اور ہجرت بھی کر لی لیکن حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم نہ تھا، فتح مکہ والے دن یہ ان کی نظر پڑے یہ جان کر کہ یہ اب تک کفر پر ہیں ان پر اچانک حملہ کر دیا اور قتل کر دیا اس پر یہ آیت اتری دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ انہوں نے ایک شخص کافر پر حملہ کیا تلوار سونتی ہی تھی تو اس نے کلمہ پڑھ لیا لیکن ان کی تلوار چل گئی اور اسے قتل کر ڈالا، جب حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یہ واقعہ بیان ہوا تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ عذر بیان کیا کہ اس نے صرف جان بچانے کی غرض سے یہ کلمہ پڑھا تھا، آپ ناراض ہو کر فرمانے لگے کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟ یہ واقعہ صحیح حدیث میں بھی ہے لیکن وہاں نام دوسرے صحابی کا ہے، پھر قتل خطا کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس میں دو چیزیں

واجب ہیں ایک تو غلام آزاد کرنا دوسرے دیت دینا، اس غلام کے لئے بھی شرط ہے کہ وہ ایماندار ہو، کافر کو آزاد کرنا کافی نہ ہوگا چھوٹا نابالغ بچہ بھی کافی نہ ہوگا جب تک کہ وہ اپنے ارادے سے ایمان کا قصد کرنے والا اور اتنی عمر کا نہ ہو، امام ابن جریر کا مختار قول یہ ہے کہ اگر اس کے ماں باپ دونوں مسلمان ہوں تو جائز ہے ورنہ نہیں، جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان ہونا شرط ہے چھوٹے بڑے کی کوئی قید نہیں، ایک انصاری سیاہ فام لونڈی کو لے کر حاضر حضور ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرے ذمے ایک مسلمان گردن کا آزاد کرنا ہے اگر یہ مسلمان ہو تو میں اسے آزاد کردوں، آپ نے اس لونڈی سے پوچھا کیا تو گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟ اس نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا اس بات کی بھی گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا ہاں فرمایا کیا مرنے کے بعد جی اٹھنے کی بھی تو قائل ہے؟ اس نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا اسے آزاد کردو اس کی اسناد صحیح ہے اور صحابی کون تھے؟ اس کا مخفی رہنا سند میں مضر نہیں، یہ روایت حدیث کی اور بہت سی کتابوں میں اس طرح ہے کہ آپ نے اس سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمانوں میں دریافت کیا میں کون ہوں؟ جواب دیا آپ رسول اللہ (ﷺ) ہیں آپ نے فرمایا اسے آزاد کردو۔ یہ ایماندار ہے، پس ایک تو گردن آزاد کرنا واجب ہے، دوسرے خوں بہا دینا جو مقتول کے گھر والوں کو سونپ دیا جائے گا یہ ان کے مقتول کا عوض ہے یہ دیت سو اونٹ ہے پانچ قسموں کے، بیس تو دوسری سال کی عمر کی اونٹنیاں اور بیس اسی عمر کے اونٹ اور بیس تیسرے سال میں لگی ہوئی اونٹنیاں اور بیس پانچویں سال میں لگی ہوئی اور بیس چوتھے سال میں لگی ہوئی یہی فیصلہ قتل خطا کے خون بہا کا رسول (ﷺ) نے کیا ہے ملاحظہ ہو سنن و مسند احمد۔ یہ حدیث بروایت حضرت عبداللہ موقوف بھی مروی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دیت چار چوتھائیوں میں بٹی ہوئی ہے یہ خون بہا قاتل کے عاقلہ اور اس کے عصبہ یعنی وارثوں کے بعد کے قریبی رشتہ داروں پر ہے اس کے اپنے مال پر نہیں امام شافعی فرماتے ہیں میرے خیال میں اس امر میں کوئی بھی مخالف نہیں کہ حضور (ﷺ) نے دیت کا فیصلہ انہی لوگوں پر کیا ہے اور یہ حدیث خاصہ میں کثرت سے مذکور ہے امام صاحب جن احادیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ بہت سی ہیں، بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہذیل قبیلہ کی دو عورتیں آپس میں لڑیں ایک نے دوسرے کو پتھر مارا وہ حاملہ تھی بچہ بھی ضائع ہوگیا اور وہ بھی مرگئی قصہ آنحضرت محمد (ﷺ) کے پاس آیا تو آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اس بچہ کے عوض تو ایک لونڈی یا غلام دے اور عورت مقتولہ کے بدلے دیت قاتلہ عورت کے حقیقی وارثوں کے بعد کے رشتے داروں کے ذمے ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو قتل عمد خطا سے ہو وہ بھی حکم میں خطاء محض کے ہے۔ یعنی دیت کے اعتبار سے ہاں اس میں تقسیم ثلث پر ہوگی تین حصے ہونگے کیونکہ اس میں شباہت عمد یعنی بالقصد بھی ہے، صحیح بخاری شریف میں ہے بنوجذیمہ کی جنگ کے لئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حضور نے ایک لشکر پر سردار بنا کر بھیجا انہوں نے جا کر انہیں دعوت اسلام دی انہوں نے دعوت تو قبول کر لی لیکن بوجہ لاعلمی بجائے اسلمنا یعنی ہم مسلمان ہوئے کے صبانا کہا یعنی ہم بے دین ہوئے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا جب حضور (ﷺ) کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر جناب باری میں عرض کی یا اللہ خالد کے اس فعل سے اپنی بیزاری اور براءت تیرے سامنے ظاہر کرتا ہوں، پھر

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر انہیں بھیجا کہ جاؤ ان کے مقتولوں کی دیت چکاؤ اور جوان کا مالی نقصان ہوا ہو اسے بھی کوڑی کوڑی چکاؤ، اس سے ثابت ہوا کہ امام یا نائب امام کی خطا کا بوجھ بیت المال پر ہوگا۔ پھر فرمایا ہے کہ خوں بہا جو واجب ہے اگر اولیاء مقتول از خود اس سے دست بردار ہو جائیں تو انہیں اختیار ہے وہ بطور صدقہ کے اسے معاف کر سکتے ہیں۔

ربط آیات: اوپر سے قتل وقتال کا ذکر چلا آ رہا ہے اور کل صورتیں ابتداءً قتل کی آٹھ ہیں، کیونکہ مقتول چار حال سے خالی نہیں ہے، یا مؤمن ہے یا ذمی یا مصالح ومستامن ہے یا حربی اور قتل دو طرح کا ہے یا عمداً یا خطاء پس اس اعتبار سے کل صورتیں قتل کی آٹھ ہوئیں اول مؤمن کا قتل عمد، دوم مؤمن کا قتل خطاء سوم ذمی کا قتل عمد، چہارم ذمی کا قتل خطاء پنجم مصالح کا قتل عمد، ششم مصالح کا قتل خطاء، ہفتم حربی کا قتل عمد، ہشتم حربی کا قتل خطا۔

ان صورتوں میں بعض کا حکم تو اوپر معلوم ہو چکا، بعض کا آگے مذکور ہے اور بعض کا حدیث میں موجود ہے، چنانچہ صورت اولی کا حکم دنیوی یعنی وجوب قصاص سورۂ بقرہ میں مذکور ہے اور حکم اخروی آگے آیت ومن یقتل میں آتا ہے اور صورت دوم کا بیان قول اللہ تعالیٰ: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ (الی قولہ) وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ میں آتا ہے، اور صورت سوم کا حکم حدیث دارقطنی میں ہے کہ ذمی کے عوض رسول اللہ (ﷺ) نے مسلمان سے قصاص لیا (اخرجہ الزیلعی فی تخریج الہدایہ) صورت چہارم کا ذکر قول اللہ تعالیٰ: وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ میں آتا ہے، صورت پنجم کا ذکر اوپر کے رکوع قول اللہ تعالیٰ: فما جعل اللہ لکم علیھم سبیلاً میں آچکا ہے۔ صورت ششم کا حکم چہارم کے ساتھ ہی مذکور ہے، کیونکہ میثاق عام ہے جو وقتی اور دائمی دونوں کو شامل ہے، پس ذمی ومستامن دونوں آ گئے، درمختار کی کتاب الدیات کے شروع میں مستامن کی دیت کے وجوب کی تصحیح کی ہے، صورت ہفتم وہشتم کا حکم خود جہاد کی مشروعیت سے اوپر معلوم ہو چکا، کیونکہ جہاد میں اہل حرب قصداً مقتول ہوتے ہیں اور خطاء کا جواز بدرجہ اولی ثابت ہوگا۔ (بیان القرآن)

قتل کی تین قسمیں اور ان کا شرعی حکم

پہلی قسم: عمد:

جو ظاہراً قصد سے ایسے آلہ کے ذریعہ سے واقع ہو جو آہنی یا تفریق اجزاء میں آہنی آلہ کی طرح ہو، جیسے دھار والا بانس یا دھار والا پتھر وغیرہ۔

دوسری قسم: شبہ عمد: جو قصداً تو ہو مگر ایسے آلہ سے نہ ہو جس سے اجزاء میں تفریق ہو سکتی ہو۔

تیسری قسم: خطاء یا تو قصد ظن میں کہ دوسرے آدمی کو شکاری جانور یا کافر حربی سمجھ کر نشانہ لگا دیا یا فعل میں کہ نشانہ تو جانور ہی کو لگایا لیکن آدمی کو جا لگا اس میں خطاء سے مراد غیر عمد ہے، پس دوسری، تیسری دونوں قسمیں اس میں آ گئیں، دونوں میں نوبت بھی ہے اور گناہ بھی ہے، مگر ان دونوں امر میں دونوں قسمیں متفاوت ہیں۔ دیت دوسری قسم کی سو اونٹ ہیں، چار قسم کے یعنی ایک ایک قسم کے پچیس پچیس اور دیت تیسری قسم کی سو اونٹ ہیں، پانچ قسم کے یعنی ایک ایک قسم کے بیس بیس، البتہ

اگر دیت میں نقد دیا جائے تو دونوں قسموں میں دس ہزار درہم شرعی یا ایک ہزار دینار شرعی ہیں اور گناہ دوسری قسم میں زیادہ ہے بوجہ قصد کے اور تیسری قسم میں کم صرف بے احتیاطی کا (کذافی الہدایہ) چنانچہ تحریر رقبہ کا وجوب و نیز لفظ توبہ بھی اس پر دال ہے، اور یہ حقیت ان تینوں کی دنیا میں جاری ہونے والے احکام شرعیہ کے اعتبار سے ہے اور گناہ کے اعتبار سے عمد و غیر عمد ہونا، اس کا مدار قلبی قصد و ارادہ پر ہے، جس پر وعید آئندہ کا مدار ہے، وہ خدا کو معلوم ہے، ممکن ہے کہ اس اعتبار سے قسم اول غیر عمد ہو جاوے اور قسم ثانی عمد ہو جاوے۔

مسئلہ: یہ مقدار مذکور دیت کی جب ہے کہ مقتول مرد ہو اور اگر عورت ہو تو اس کی نصف ہے۔ (کذافی الہدایہ)

مسئلہ: دیت مسلم اور ذمی کی برابر ہے، قول رسول علیہ السلام ہی دیۃ کل ذی عھد فی عھدہ الف دینار۔
(کذافی الہدایہ اخرجہ ابوداؤد فی مراسیلہ)

مسئلہ: کفارہ یعنی تحریر رقبہ یا روزے رکھنا خود قاتل کو ادا کرنا پڑتا ہے اور دیت قاتل کے اہل نصرت پر ہے جن کو شرع کی اصطلاح میں عاقلہ کہتے ہیں۔ (بیان القرآن)

یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ قاتل کے جرم کا بوجھ اس کے اولیاء اور انصار پر کیوں ڈالا جاتا ہے کیونکہ وہ تو بے قصور ہیں؟ وجہ دراصل یہ ہے کہ اس میں قاتل کے اولیاء بھی قصوروار ہوتے ہیں کہ انہوں نے اس کو اس قسم کی بے احتیاطی کرنے سے روکا نہیں اور دیت کے خوف سے آئندہ وہ لوگ اس کی حفاظت میں کوتاہی نہ کریں گے۔

مسئلہ: کفارہ میں لونڈی غلام برابر ہیں، لفظ رقبہ عام ہے، البتہ ان کے اعضاء سالم ہونے چاہئیں۔

مسئلہ: دیت مقتول کی شرعی ورثہ میں تقسیم ہوگی، اور جو اپنا حصہ معاف کردے گا اس قدر معاف ہو جائے گی اور اگر سب نے معاف کردیا سب معاف ہو جائے گی۔

مسئلہ: جس مقتول کا کوئی وارث شرعی نہ ہو اس کی دیت بیت المال میں داخل ہوگی، کیونکہ دیت ترکہ ہے اور ترکہ کا یہی حکم ہے۔ (بیان القرآن)

مسئلہ: اہل میثاق (ذمی یا مستامن) کے باب میں جو دیت واجب ہے ظاہر یہ ہے کہ اس وقت ہے جب اس ذمی یا مستامن کے اہل موجود ہوں اور اگر اس کے اہل نہ ہوں، یا وہ اہل مسلمان ہوں اور مسلمان کافر کا وارث ہو نہیں سکتا، اس لئے وہ بجائے نہ ہونے کے ہے، تو اگر وہ ذمی ہے تو اس کی دیت بیت المال میں داخل کی جائیگی، کیونکہ ذمی لاوارث کا ترکہ جس میں دیت داخل ہے، بیت المال میں آتا ہے، (کمافی الدرالمختار) ورنہ واجب نہ ہوگی۔ (بیان القرآن)

مسئلہ: روزے میں اگر مرض وغیرہ کی وجہ سے تسلسل باقی نہ رہا ہو تو از سر نو رکھنے پڑیں گے، البتہ عورت کے حیض کی وجہ سے تسلسل ختم نہیں ہوگا۔

مسئلہ: اگر کسی عذر سے روزہ پر قدرت نہ ہو تو قدرت تک توبہ کیا کرے۔

مسئلہ: قتل عمد میں یہ کفارہ نہیں توبہ کرنا چاہئے۔ (بیان القرآن)

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا....

کسی مؤمن کو قصداً قتل کرنے کا گناہ عظیم:

قتل خطا کے احکام بتانے کے بعد اس آیت میں قصداً قتل کرنے والے کی اخروی سزا کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جو شخص کسی مؤمن کو قصداً قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اس کو غضب ہوگا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی اور اللہ نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار فرمایا ہے۔ کسی مؤمن کا قتل درحقیقت بہت ہی بڑا گناہ ہے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ پوری دنیا کا ختم ہو جانا اللہ کے نزدیک ایک مسلمان آدمی کے قتل کے مقابلے میں معمولی چیز ہے۔

(رواہ الترمذی والنسائی ووقفہ بعضہم وہو اصح ورواہ ابن ماجہ عن البراء بن عازب کما فی المشکوٰۃ)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمام آسمان و زمین والے کسی مؤمن کے خون میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اوندھے منہ کر کے دوزخ میں ڈال دے گا۔

(رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ امید ہے اللہ ہر گناہ کو معاف فرما دے گا مگر جو شخص مشرک ہوتے ہوئے مر گیا اور جس نے کسی مؤمن کو قتل کر دیا ان کی مغفرت نہیں ہے۔

(رواہ ابوداؤد والنسائی عن معاویہ کما فی المشکوٰۃ)

اتنی سخت وعیدیں ہوتے ہوئے دنیا میں قتل و خون کی گرم بازاری ہے اسلام کا نام لینے والے اور اپنے کو مسلمان سمجھنے والے آپس میں لسانی، قومی، قبائلی وطنی اور صوبائی عصبیتوں کی بنیاد پر ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں قوم اور برادری اور ملک و وطن سب یہیں دھرے رہ جائیں گے۔ قتل مؤمن کا گناہ کبیرہ ساتھ لے کر قبر میں جانے والوں کو اپنی آخرت کا فکر نہیں دوزخ میں داخل ہونا اور اس میں سزا پانا، آگ میں جلنا معمولی سی بات سمجھ رکھا ہے۔ جاہلی عصبیتیں پھر ابھر آئی ہیں، دشمنوں کے ورغلانے اور بھڑکانے سے آپس میں کٹا چھنی ہے۔ دشمنوں کو تقویت پہنچا رہے ہیں اور اپنا اتحاد پاش پاش کر رہے ہیں۔ انصار کے دونوں قبیلے اوس اور خزرج حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مدینہ منورہ تشریف لے جانے پر متحد ہو گئے تھے۔ پرانی لڑائیاں جو صدیوں سے جاری تھیں بند ہو گئی تھیں۔ اسلام نے سب کو متحد کر دیا تھا ایک مرتبہ بعض یہودیوں کے ابھارنے سے پھر لڑائی کی فضا بن گئی تو آنحضرت سرور عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کو رفع دفع کیا اور اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت شریفہ: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ نازل فرمائی جس کی تفسیر اور واقعہ کا تذکرہ اسی آیت کے ذیل میں گزر چکا ہے۔ دشمن تو ہمیشہ مسلمانوں کو لڑانا ہی چاہتے ہیں ان کا اتحاد و اتفاق انہیں گوارا نہیں مسلمان ہیں کہ آپس میں قتال و قتل کر کے اپنی دنیا و آخرت دونوں تباہ کرتے ہیں

اور ایک جماعت کے آدمی دوسری جماعت کے لوگوں کو محض اس وجہ سے قتل کرتے ہیں کہ وہ ہماری جماعت کا آدمی نہیں ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ....

جو شخص اپنا اسلام ظاہر کرے اسے یوں نہ کہو کہ تو مؤمن نہیں:

تفسیر در منثور صفحہ ۱۹۹: ج ۲ میں بحوالہ بخاری ونسائی وغیرہما حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ جا رہے تھے ان سے کسی ایسے شخص کی ملاقات ہوگئی جو اپنا مال لیے ہوئے جا رہا تھا۔ اس نے کہا السلام علیکم ان لوگوں نے اس کو قتل کر دیا اور اس کا مال لے لیا۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی، (راجع صحیح البخاری صفحہ ۶۰۶: ج ۲) پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے بحوالہ ترمذی وغیرہ نقل کیا ہے کہ بنی سلیم میں کا ایک شخص اپنی بکریاں چراتے ہوئے چند صحابہ پر گزرا اس نے انہیں سلام کیا۔ آپس میں کہنے لگے کہ اس نے ہمیں جان بچانے کے لیے سلام کیا (یعنی وہ مسلمان نہیں ہے ہمیں دیکھ کر ڈر گیا کہ یہ قتل کر دیں گے اس لیے سلام کر لیا تاکہ مسلمان سمجھ کر چھوڑ دیں۔) ان حضرات نے اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے لیں، بکریاں لے کر نبی اکرم (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

آیت شریفہ میں اس پر تنبیہ فرمائی کہ جو شخص اسلامی فرمانبرداری کا اظہار کرے مثلاً سلام کرے یا اسلام کا کلمہ پڑھ لے یا کسی بھی طرح اپنا مسلمان ہونا ظاہر کر دے تو تم یوں نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے چونکہ ان حضرات نے اس کا سامان بھی لے لیا تھا اس لیے یہ بھی تنبیہ فرمائی کہ اللہ کے پاس جو غنیمتیں ہیں ان کی طرف رغبت کرو اللہ تم کو بہت دے گا کسی شخص کو بلا تحقیق کافر قرار دے کر اس کا مال لینے کی جسارت نہ کرو۔

نیز یہ بھی فرمایا کہ آج تم سلام کرنے والے کو یہ کہتے ہو کہ مؤمن نہیں ہے تم اپنا زمانہ یاد کرو کہ تم بھی کبھی ایسے ہی تھے، تمہارا اسلام کا ظاہری دعویٰ کرنا ہی جانوں کی حفاظت کے لیے کافی تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا اور تم اسلامی کاموں میں آگے بڑھ گئے، تمہاری جماعت ہوگئی اور تمہارے بارے میں سب نے جان لیا کہ تم مسلمان ہو اسلام والے ہو اور یہاں تک کہ تم اپنی اس معرفت اسلامیہ کی وجہ سے دوسروں کو یہ کہنے لگے کہ تم مسلمان نہیں ہو۔

آیت بالا سے بالتصریح معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص سلام کرے یا اسلام کا کلمہ پڑھے یا یوں کہہ دے کہ میں مسلمان ہوں تو اس کے ظاہری قول اور ظاہری دعوے پر اعتماد کرنا چاہیے خوانخواہ اس کے ایمان میں شک کرنا یا اس کے ساتھ کافروں جیسا معاملہ کرنا درست نہیں ہے۔ حقیقی ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور قلب کی تصدیق یا تکذیب کو بندے نہیں جانتے وہ ظاہر کے مکلف ہیں ان کو جو حکم دیا گیا ہے وہ اس کے پابند رہیں۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ (ﷺ) نے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دے دیں اور ساتھ یہ گواہی بھی دیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں زکوٰۃ ادا کریں، سو جب وہ ایسا کر لیں گے تو اپنی جانوں اور مالوں کو میری طرف سے محفوظ کر لیں گے ہاں اگر اسلام کے حق کی وجہ سے قتل کرنے کی صورت پیش آجائے تو یہ اور بات ہے (مثلاً قصاص میں قتل کرنا پڑے) اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ (رواہ البخاری ومسلم الا ان مسلما لم یذکر الا بحق الاسلام کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۱۳)

جو شخص اسلام کو ظاہر کرتا ہو اس کو مسلمان سمجھیں گے اگر وہ دل سے مسلمان نہیں تو اللہ تعالیٰ کو چونکہ دلوں کے احوال بھی معلوم ہیں اس لیے وہ اس کے عقیدہ کے مطابق معاملہ فرمائے گا۔ منافق ہے تو کافروں میں شمار ہوگا، سخت سے سخت عذاب میں جائے گا، دل سے مسلمان ہوگا تو اپنے ایمان اور اعمال صالح کا ثواب پائے گا۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ....

مجاہدین اور قاعدین برابر نہیں:

جیسا کہ اوپر حدیث میں گزرا جہاد قیامت تک جاری ہے یہاں تک کہ اس امت کے آخری لوگ دجال سے قتال کریں گے جان اور مال سے جہاد کیا جائے، بس اللہ کے دین کو بلند کرنا مقصود ہے، اس آیت شریفہ میں اول تو یہ فرمایا کہ جو لوگ جہاد میں شریک نہیں گھروں میں بیٹھے ہیں اور ان کو عذر بھی کچھ نہیں تو یہ لوگ ان لوگوں کے برابر نہیں ہیں جو اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں کسی قسم کا بھی جہاد ہو بہر حال مجاہد گھر میں بیٹھ رہنے والے سے افضل ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جانوں و مالوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بڑے درجہ کی فضیلت دی ہے۔ لفظ درجہ نکرہ ہے اس کی تنکیر تعظیم کے لیے ہے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں لا یقادر قدرھا ولا یبلغ کنھھا۔ ابتدائے آیت میں فرمایا کہ مجاہدین اور قاعدین برابر نہیں ہیں۔ اس کے بعد یہ فرمایا کہ مجاہدین کو قاعدین پر بڑے درجہ کی فضیلت حاصل ہے اس میں یہ واضح فرما دیا کہ قاعدین یہ سمجھ کر بیٹھے نہ رہ جائیں کہ ہمارا تھوڑا سا نقصان ہوا، بلکہ وہ بڑے درجے کی فضیلت سے محروم ہوں گے البتہ اولی الضرر کی اور بات ہے کیونکہ وہ معذوری کی وجہ سے مجبور ہیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (کاتب وحی) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا تاکہ آیت کریمہ: لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لکھ دیں۔ وہ دوات اور لوح لے کر آئے آپ نے فرمایا: ((لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)) آپ کے پیچھے ابن ام مکتوم موجود تھے جو نابینا تھے، انہوں نے عرض کیا کہ میں تو بینائی سے محروم ہوں، مجھے یہ فضیلت کیسے ملے گی۔ اس پر لفظ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ نازل ہوا۔ اور اب آیت اس طرح ہوگئی: لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، جس میں یہ بتا دیا کہ جو لوگ صاحب عذر ہیں آیت کا عموم ان کو شامل نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو غزوہ بدر کی شرکت سے رہ گئے۔ یعنی جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی وہ اور جو شریک نہ ہوئے برابر نہیں ہوں گے، یہ روایات صحیح بخاری صفحہ ۶۶۰-۶۶۱: ج ۲ میں مذکور ہیں۔

وَنَزَلَ فِيْ جَمَاعَةٍ اَسْلَمُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا فَقُتِلُوْا يَوْمَ بَدْرٍ مَعَ الْكُفَّارِ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ بِالْمُقَامِ مَعَ الْكُفَّارِ وَتَرْكِ الْهِجْرَةِ قَالُوْا لَهُمْ مُوَبِّخِيْنَ فِيْمَ كُنْتُمْ ط اَيْ فِيْ اَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ

مِنْ اَمْرِ دِيْنِكُمْ قَالُوْا مُعْتَذِرِيْنَ كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ عَاجِزِيْنَ عَنْ اِقَامَةِ الدِّيْنِ فِي الْاَرْضِ ط اَرْضِ مَكَّةَ
قَالُوْٓا لَهُمْ تَوْبِيْخًا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ط مِنْ اَرْضِ الْكُفْرِ اِلٰى بَلَدٍ اٰخَرَ كَمَا
فَعَلَ غَيْرُكُمْ قَالَ تَعَالٰى فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ط وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿٩٧﴾ هِيَ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ
الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً لَا قُوَّةَ لَهُمْ عَلَى الْهِجْرَةِ وَلَا نَفَقَةَ وَّلَا يَهْتَدُوْنَ
سَبِيْلًا ﴿٩٨﴾ طَرِيْقًا اِلٰى اَرْضِ الْهِجْرَةِ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٩٩﴾ وَ
مَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا مُهَاجَرًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ط فِي الرِّزْقِ وَمَنْ يَّخْرُجْ
مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فِي الطَّرِيْقِ كَمَا وَقَعَ لِجُنْدُعِ بْنِ ضَمْرَةَ
ع ۱۴ اللَّيْثِيِّ فَقَدْ وَقَعَ ثَبَتَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٠٠﴾ ع
۱۱

ترجمہ: اور یہ حکم ایسی جماعت کے بارے میں نازل ہوا جو مسلمان تو ہو گئے تھے مگر ہجرت نہیں کی پھر بدر کے غزوہ میں کافروں کے ساتھ مارے گئے بیشک وہ لوگ کہ جن کی روحیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے کافروں کے ساتھ مقیم رہنے اور ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے وہ فرشتے ان سے کہتے ہیں ڈانٹتے ہوئے تم کس حال میں تھے یعنی تم اپنے دین کے معاملہ میں کس حال میں تھے؟ دین کے کیا کیا ضروری کام کیا کرتے تھے؟ وہ کہتے ہیں معذرت کرتے ہوئے کہ کمزور اور بے بس تھے یعنی دین قائم کرنے سے احکام دین اعلانیہ بجالانے سے عاجز تھے ملک میں یعنی سرزمین مکہ میں وہ فرشتے ان سے کہتے ہیں ڈانٹتے ہوئے کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم ہجرت کر کے اس میں چلے جاتے یعنی کفر کی سرزمین سے ہجرت کر کے دوسرے شہر چلے جاتے جیسا کہ تمہارے سوا دوسروں نے کیا کہ مکہ دارالکفر سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ منتقل ہو گئے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں سو ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے لیکن جو لوگ بے بس ہیں مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے کہ نہ کوئی تدبیر کر سکتے ہیں یعنی نہ ان کو ہجرت پر قدرت ہے مثلاً کافروں کی بندش میں ہیں یا نابینا ہیں اور نہ نفقہ یعنی سفر کا خرچ ہے اور نہ راستہ سے واقف ہیں یعنی زمین ہجرت کا راستہ معلوم نہیں کہ چلے جائیں سو ان لوگوں کے لیے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے مغفرت کرنے والے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو وہ زمین میں منتقل ہونے کی بہت جگہ ہجرت کی بہت جگہ پائے گا اور وسعت پائے گا، رزق میں اور جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ اور اس کے رسول کی طرف نکلے پھر اس کو موت آ پکڑے یعنی مقام ہجرت تک پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں موت آ جائے جیسا کہ جندع بن ضمرہ لیثی کو پیش آیا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ واقع ثابت ہو گیا اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے مہربان ہیں۔



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

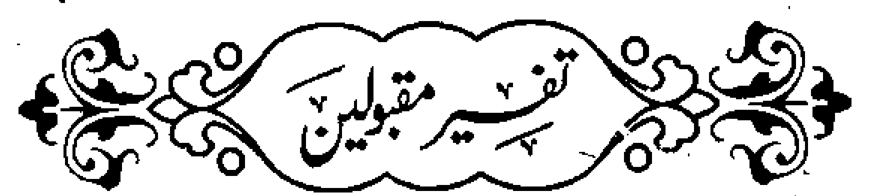
قوله: مُؤَبِّخِيْنَ: یہ لفظ لاکر شارح نے جواب کوسوال کے مطابق بنانا چاہا۔ گویا ان کو کہا تم کسی چیز میں نہ تھے جبکہ تم نے ہجرت نہ کی تو انہوں نے کہا ہم عاجز تھے۔

قوله: فِيْ اَيِّ شَيْئٍ: مَا استفہامیہ ہے، نہ کہ موصولہ۔

قوله: اَلَّذِيْنَ: یہ اشارہ ہے کہ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ کا جملہ مستضعفين کی صفت ہے۔

قوله: مُهَاجِرًا: راستہ پائے جس پر وہ اپنی قوم کے ناپسند کرنے کے باوجود چلے۔

قوله: ثَبَتَ: یعنی وعدہ کے ذریعہ مل گیا۔ اس سے تفسیر کی کیونکہ وقوع وجوب کے معنی میں آتا ہے۔



تفسیر مقبولین

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ....

شانِ نزول: کچھ لوگ ایسے تھے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے مگر مکہ میں مشرکوں کے ساتھ رہے اور مشرکین کے ڈر کے مارے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت بھی نہیں کی اور بدر کی لڑائی میں مشرکین مکہ کی فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑنے آئے اور مارے گئے ان کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر قرطبی ۵، ۳۴۰ ج ۵) تحقیق جن لوگوں کی فرشتوں نے اس حال میں جانیں نکالیں کہ وہ لوگ دار الحرب میں پڑے پڑے اپنے دین کو برباد کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے یعنی اسلام لانے کے بعد باوجود قدرت کے ہجرت نہ کی اور اپنی خیالی کمزوری اور وہمی مجبوری کی بناء پر کافر ہی میں پڑے رہے اور ان کا ساتھ دیتے رہے اور مشرکوں کی فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے جاتے رہے حتی کہ اسی حالت میں وہ مر گئے تو اس وقت موت کے فرشتوں نے ان سے بطور توبیخ اور سرزنش یہ پوچھا کہ تم کس حال میں تھے یعنی مسلمانوں کے ساتھ تھے یا کافروں کے ساتھ ان ظالموں نے یہ جواب دیا کہ دل سے تو ہم مسلمان تھے مگر سرزمین مکہ میں ہم نہایت کمزور اور بے بس تھے اس لیے ہم احکام اسلام کو علانیہ طور پر بجا نہیں لائیں اور ظاہر میں کافروں میں رہتے تھے اور ان کا ساتھ دیتے تھے فرشتوں نے کہا کہ کیا اللہ کی زمین کشادہ اور فراخ نہیں تھی کہ تم ہجرت کر کے اس میں چلے جاتے اس طرح تم کفار کے نرغہ سے نکل جاتے اور وہاں جا کر اطمینان سے اللہ کی عبادت کرتے حاصل یہ کہ تمہارا یہ عذر کہ ہم بے بس تھے غلط ہے تم بے بس نہ تھے ہجرت پر تو قادر تھے اس سے وہ لاجواب ہو جائیں گے اور جرم ان کا ثابت ہو جائے گا اور سو ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے مگر جو مرد اور عورتیں اور بچے ایسے بے چارہ اور بے بس ہیں کہ وہ کسی حیلہ سے بھی ہجرت پر دسترس نہیں رکھتے مثلاً کفار کی قید میں ہیں یا نابینا اور معذور ہیں یا ان کے پاس سفر کا خرچ نہیں اور نہ وہ راستہ سے

واقف ہیں سوایسے لوگوں کے متعلق امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قصور کو معاف کردیں گے اور اللہ بڑا معاف کرنے والا اور بخشنے والا مہربان ہے خدا کے دشمنوں میں پڑا رہنا کوئی معمولی جرم نہ تھا مگر بے بسی اور معذوری کی بناء پر اللہ سے معافی کی توقع ہے شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ مسلمان کافروں کی سرزمین میں ذلیل وخوار ہو کر پڑا رہے اور احکام اسلام کو آزادی کے ساتھ بجانہ لاسکے اور آزادی کے ساتھ دین کا علم حاصل نہ کرسکے کافر حکومت جو جبری تعلیم نافذ کردے اس کے حاصل کرنے پر مجبور ہو ایسی حالت میں ہجرت فرض ہے۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ....

اس آیت میں ہجرت کی ترغیب ہے اور مہاجرین کو تسلی دی جاتی ہے یعنی جو شخص اللہ کے واسطے ہجرت کرے گا اور اپنا وطن چھوڑے گا تو اس کو رہنے کے لئے بہت جگہ ملے گی اور اس کی روزی اور معیشت میں فراخی ہوگی تو ہجرت کرنے میں اس سے مت ڈرو کہ کہاں رہیں گے اور کیا کھائیں گے اور یہ بھی خطرہ نہ کرو کہ شاید راستہ میں موت آجائے تو ادھر کے ہوں نہ ادھر کے کیونکہ اس صورت میں بھی ہجرت کا پورا ثواب ملے گا اور موت تو اپنے وقت ہی پر آتی ہے وقت مقرر سے پہلے نہیں آسکتی۔

شانِ نزول: لباب النقول صفحہ ۷۹ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت سمرہ بن جندب نے ہجرت کی نیت سے نکلنے کا ارادہ کیا اپنے گھر والوں سے کہا کہ مجھے سواری پر سوار کردو اور مشرکین کی سرزمین کے سے نکال دو میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تک پہنچ جاؤں جب وہ روانہ ہو گئے تو راستے میں موت آگئی آنحضرت سرور عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) تک نہیں پہنچ سکے آپ پر وحی کا نزول ہوا اور آیت بالا نازل ہوئی۔

دوسرا واقعہ ابوضمرہ زرقی کا نقل کیا ہے وہ مکہ معظمہ میں مشرکین میں پھنسے ہوئے تھے جب آیت کریمہ: اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾ نازل ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں مالدار ہوں میں نکلنے کی تدبیر کرسکتا ہوں لہٰذا انہوں نے ہجرت کا سامان تیار کیا اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) تک پہنچنے کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے ان کو مقام تنعیم میں موت آگئی (جو حرم سے قریب تر جگہ ہے) اس پر آیت بالا: وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ . نازل ہوئی اور ایک واقعہ خالد بن حرام رضی اللہ عنہ کا لکھا ہے، وہ حبشہ سے (مدینہ منورہ آنے کے لیے) روانہ ہوئے راستے میں ان کو سانپ نے کاٹ لیا جس کی وجہ سے موت ہو گئی اس پر آیت بالا نازل ہوئی، صاحب لباب النقول نے اسی طرح کا ایک واقعہ اکثم بن صیفی کا بھی نقل کیا ہے کسی آیت کے اسباب نزول متعدد بھی ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا ان میں کوئی تعارض نہیں۔ پھر یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ سبب نزول اگرچہ وہ واقعات ہیں جو اوپر مذکور ہوئے لیکن آیت کا مفہوم عام ہے۔ اس میں واضح طور پر اعلان فرمادیا کہ جو کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے لیے نکل کھڑا ہو اور اس کا مقصد صرف اللہ کی رضا ہو دین ایمان کو بچانا چاہتا ہو تو اس کا یہ سچی نیت سے نکل کھڑا ہونا ہی باعث اجر وثواب بن گیا اگرچہ وہاں تک نہ پہنچ سکا جہاں تک اس کو پہنچنا تھا۔ راستے میں موت ہو جانے کی وجہ سے مقصد ظاہری تک تو نہ پہنچ پایا لیکن حقیقی مقصد حاصل ہو گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا ثواب لکھ دیا گیا اور اس کی ہجرت منظور ہو

گئی۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے مغفرت والے اور بہت بڑے رحیم ہیں اچھی نیت پر بھی ثواب عطا فرما دیتے ہیں اگرچہ عمل ابھی پورا نہ بھی ہوا ہو۔

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ سافَرْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ بِاَنْ تَرُدُّوْهَا مِنْ اَرْبَعٍ اِلَی اثْنَتَیْنِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ اَیْ یَنَالَكُمْ بِمَكْرُوْهٍ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَیَانٌ لِلْوَاقِعِ اِذْ ذَاكَ فَلَا مَفْهُوْمَ لَهٗ وَبَیَّنَتِ السُّنَّةُ اَنَّ الْمُرَادَ بِالسَّفَرِ الطَّوِیْلُ الْمُبَاحُ وَهُوَ اَرْبَعَةُ بُرُدٍ وَهِیَ مَرْحَلَتَانِ وَیُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهٖ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنَّهٗ رُخْصَةٌ لَا وَاجِبٌ وَ عَلَیْهِ الشَّافِعِیُّ علیہ الرحمۃ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۱۰۱﴾ بَیِّنَ الْعَدَاوَةِ وَ اِذَا كُنْتَ یَا مُحَمَّدُ حَاضِرًا فِیْهِمْ وَاَنْتُمْ تَخَافُوْنَ الْعَدُوَّ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ وَهٰذَا جَرْیٌ عَلٰی عَادَةِ الْقُرْاٰنِ فِی الْخِطَابِ فَلَا مَفْهُوْمَ لَهٗ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَتَتَاَخَّرْ طَائِفَةٌ وَلْیَاْخُذُوْٓا اَیِ الطَّائِفَةُ الَّتِیْ قَامَتْ مَعَكَ اَسْلِحَتَهُمْ مَعَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا اَیْ صَلَّوْا فَلْیَكُوْنُوْا اَیِ الطَّائِفَةُ الْاُخْرٰی مِنْ وَّرَآئِكُمْ یَحْرُسُوْنَ اِلٰی اَنْ تَقْضُوا الصَّلٰوةَ وَ تَذْهَبَ هٰذِهِ الطَّائِفَةُ تَحْرُسُ وَ لْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰی لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَكَ وَ لْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ مَعَهُمْ اِلٰی اَنْ یَقْضُوا الصَّلٰوةَ وَقَدْ فَعَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَذٰلِكَ بِبَطْنِ نَخْلٍ رَوَاهُ الشَّیْخَانِ وَدَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْكُمْ مَّیْلَةً وَّاحِدَةً بِاَنْ یَحْمِلُوْا عَلَیْكُمْ فَیَاْخُذُوْكُمْ وَهٰذَا عِلَّةُ الْاَمْرِ بِاَخْذِ السِّلَاحِ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًی مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ فَلَا تَحْمِلُوْهَا وَ هٰذَا یُفِیْدُ اِیْجَابَ حَمْلِهَا عِنْدَ عَدَمِ الْعُذْرِ وَهُوَ اَحَدُ قَوْلَیِ الشَّافِعِیِّ علیہ الرحمۃ وَالثَّانِیْ اَنَّهٗ سُنَّةٌ وَرَجَحَ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ مِنَ الْعَدُوِّ اَیِ احْتَرِزُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۱۰۲﴾ ذَا اِهَانَةٍ فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ فَرَغْتُمْ مِنْهَا فَاذْكُرُوا اللّٰهَ بِالتَّهْلِیْلِ وَالتَّسْبِیْحِ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِكُمْ مُضْطَجِعِیْنَ اَیْ فِیْ كُلِّ حَالٍ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ اَمِنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ اَدُّوْهَا بِحُقُوْقِهَا اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَكْتُوْبًا اَیْ مَفْرُوْضًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ مُقَدَّرًا وَقْتُهَا فَلَا تُؤَخَّرُ عَنْهُ وَنَزَلَ لَمَّا بَعَثَ صَلَّی اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَائِفَةً فِي طَلَبِ اَبِي سُفْيَانَ وَاَصْحَابِهٖ لَمَّا رَجَعُوْا مِنْ اُحُدٍ فَشَكَوُا الْجِرَاحَاتِ وَلَا تَهِنُوْا تَضْعُفُوْا فِي ابْتِغَآءِ طَلَبِ الْقَوْمِ ؕ الْكُفَّارِ لِتُقَاتِلُوْهُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ تَجِدُوْنَ اَلَمَ الْجِرَاحِ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ اَيْ مِثْلَكُمْ وَلَا يَجْبُنُوْنَ عَنْ قِتَالِكُمْ وَتَرْجُوْنَ اَنْتُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنَ النَّصْرِ وَالثَّوَابِ عَلَيْهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ هُمْ فَاَنْتُمْ تَزِيْدُوْنَ عَلَيْهِمْ بِذٰلِكَ فَيَنْبَغِيْ اَنْ تَكُوْنُوْا اَرْغَبَ مِنْهُمْ فِيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ

ع ۱۵ ۱۲ عَلِيْمًا بِكُلِّ شَيْءٍ حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ فِيْ صُنْعِهٖ

ترجمہ: اور جب چلو سفر کرو زمین میں جس کی مقدار تین منزل یعنی اڑتالیس میل ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز میں سے کم کردو اس طرح نماز کو چار سے دو کی طرف پھیر دو یعنی چار رکعت والی نماز ظہر، عصر اور عشاء کے فرض میں دو رکعت کم کردو اور صرف دو رکعتیں پڑھا کرو اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ کافر تم کو ستائیں گے یعنی تمہیں خوف ہو کہ کافر سے تم کو تکلیف پہنچے گی، "بَيَانٌ لِّلْوَاقِعِ اِذْ ذَاكَ فَلَا مَفْهُوْمَ لَهٗ" مفسر علامؒ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ کے اندر: اِنْ خِفْتُمْ الآیۃ کی شرط سے جو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ سفر کی نماز میں قصر کی اجازت اس شرط پر ہے کہ دشمن کا خوف ہو حالانکہ تمام فقہاء کرام وائمہ عظام کا اتفاق ہے کہ قصر کے لیے خوف شرط نہیں اسی کا جواب مفسر علامؒ "بَيَانٌ لِّلْوَاقِعِ الخ" سے دیتے ہیں کہ: اِنْ خِفْتُمْ کی شرط صرف اس واقعہ کا بیان واظہار ہے جو اس وقت واقع ہوتا تھا کہ آنحضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو اکثر سفروں میں دشمن کا خوف لگا رہتا تھا تو چونکہ واقع ایسا ہی ہوتا تھا اس لیے بیان کردیا پس اس کا کچھ مفہوم معتبر نہیں کہ قید وشرط قرار دی جائے اور حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سفر سے مراد طویل اور مباح سفر ہے اور وہ چار برد یعنی دو مرحلے ہیں، مر دبضمتین تبرید کی جمع ہے ایک برید بارہ میل کا ہوتا ہے پس چار برید کے اڑتالیس میل ہوئے۔ وَيُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهٖ الآیۃ اور ارشاد خداوندی: فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ سے معلوم ہوتا ہے کہ قصر کرنا رخصت یعنی جائز ہے واجب نہیں اور یہی مسلک امام شافعیؒ کا ہے بلاشبہ کافر لوگ تمہارے کھلے دشمن ہیں جن کی دشمنی بالکل ظاہر ہے اور جب اے محمد ﷺ ان مسلمانوں میں یعنی مسلمانوں کی فوج میں موجود ہوں اور دشمن کا خوف ہو پھر آپ ﷺ انکو نماز پڑھانا چاہیں یہ خطاب قرآن حکیم کے دستور کے مطابق جاری ہوا اس کا مفہوم معتبر نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآنِ حکیم کا طرزِ خطاب عموماً یہی ہے تو (ایسی حالت میں یہ چاہیے کہ مسلمانوں کے فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ دو گروہ ہو جائیں پھر ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے اور ایک گروہ متاخر رہے یعنی دوسرا گروہ نماز میں شریک نہ ہو بلکہ نگہبانی کے لیے دشمن کے مقابل کھڑا رہے تا کہ دشمن کو دیکھتا رہے۔ وَلْيَاْخُذُوْٓا الآیۃ اور وہ لوگ یعنی وہ گروہ جو آپ کے ساتھ نماز میں کھڑے ہیں اپنے ہتھیار اپنے ساتھ لیے رہیں شاید مقابلہ کی ضرورت پڑ جائے تو ہتھیار لینے میں دیر نہ لگے فوراً قتال کرنے لگیں، گو نماز قتال سے ٹوٹ جائے گی لیکن گناہ نہیں پھر جب یہ لوگ آپ کے ساتھ سجدہ کرچکیں یعنی ایک رکعت نماز آپ کے ساتھ پڑھ لیں، مفسر علامؒ نے اپنے مسلک کے مطابق

تفسیر کی ہے: اَیْ صَلُّوْا یعنی جب یہ گروہ نماز پوری کرلیں تو یہ لوگ تمہارے پیچھے ہو جائیں یعنی آپ کے اور دوسرے گروہ کے پیچھے ہو جائیں اور نگہبانی کرتے رہیں نماز پوری ہونے تک اور یہ پہلا گروہ دشمن کے مقابلہ پر نگہبانی کرے اور دوسرا گروہ آجائے یعنی امام کے پاس آجائے جنہوں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی پھر وہ آکر آپ کے ساتھ میں نماز پڑھے اور یہ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لیے رہیں یعنی نماز پوری ہونے تک اپنے ہتھیار اپنے ساتھ لیے رہیں، نبی کریم ﷺ نے بطن نخلہ میں ایسا ہی کیا تھا۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الآیۃ کافر لوگ تمنا کرتے ہیں کہ اگر تم غافل ہو نماز میں مشغول ہوتے وقت اپنے ہتھیاروں اور سامان جنگ سے تو یکبارگی تم پر ٹوٹ پڑیں یعنی یکدم تم پر حملہ کریں اور تمہیں گرفتار کرلیں اور یہ ہتھیار ساتھ لے کر نماز پڑھنے کی علت ہے اور اگر بارش کی وجہ سے تم کو تکلیف ہو مثلاً چمڑے کی زرہ بھیگ کر بوجھل ہو جائے یا تم بیمار ہو کہ ہتھیاروں کا بوجھ نہ اٹھا سکتے ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو یعنی ان ہتھیاروں کو نماز کے وقت بحالت تکلیف نہ اٹھاؤ اس کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عذر نہ ہونے کے وقت ہتھیاروں کو اٹھائے رکھنا ہتھیاروں سے لیس ہونا واجب ہے امام شافعیؒ کے دو قول میں سے ایک قول یہی ہے کہ واجب ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ سنت ہے اور یہی قول راجح ہے اور پھر بھی اپنا بچاؤ لے لو دشمن سے یعنی جہاں تک تم کو استطاعت ہو دشمن سے بچتے رہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے پھر جب تم نماز ادا کر چکو نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کی یاد میں لگ جاؤ تہلیل اور تسبیح کے ساتھ کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے بھی پہلو کے بل۔ یعنی ہر حال میں اللہ کی تسبیح وتہلیل میں لگ جاؤ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے خوف جاتا رہتا ہے اور دل کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ خوف سے امن پالو تو نماز کو پوری طرح پڑھنے لگو یعنی نماز کو پورے حقوق کے ساتھ قاعدہ کے موافق نماز ادا کرنے لگو بلاشبہ نماز مسلمانوں پر فرض کر دی گئی ہے۔ لتا مصدر بمعنی مکتوب ای المفروض یعنی فرض کی گئی وقت معین پر چنانچہ نماز اپنے وقت سے مؤخر نہیں ہوگی۔ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ الآیۃ مفسر علامؒ اس آیت کے شان نزول کے بارے میں غزوہ حمراء الاسد کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور یہ علامہ بغوی اور صاحب خازنؒ نے بھی بیان کیا ہے مفسر سیوطیؒ فرماتے ہیں: وَ نَزَلَ لَمَّا بَعَثَ ... یعنی یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان اور اس کے ہمراہی کے تعاقب وتلاش پر اکسایا اور جانے کا حکم دیا جب کہ صحابہؓ غزوۂ احد سے واپس لوٹ آئے تھے تو صحابہؓ نے اپنے زخموں کی شکایت کی یعنی حضور اقدس ﷺ نے جب تعاقب کا حکم دیا تو کچھ صحابہؓ نے اپنے زخموں شکایت کی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ، اور ہمت نہ ہارو (کمزوری نہ دکھاؤ، قوم) یعنی کفار کے تعاقب کرنے میں کافروں سے لڑنے کی طلب میں کمزوری نہ دکھلاؤ اگر تم دردمند ہو زخموں کا دکھ محسوس کر رہے ہو تو بیشک وہ بھی دردمند ہیں جیسے تم دردمند ہو یعنی وہ بھی تمہاری ہی طرح زخموں کی تکلیف ودکھ میں اور وہ تمہارے قتال سے بزدل نہیں ہو رہے ہیں، دیکھو غزوۂ بدر میں کافروں نے تم سے شدید زخم کھائے اس کے باوجود میدان احد میں قتال کے لیے آئے پھر خود احد کے میدان میں ابتداء شکست کھائی مگر موقع پاتے ہی پلٹ کر حملہ کیا اور میدان سے نکلنے کے بعد بھی پلٹ کر حملہ کرنے کا مشورہ کر رہے ہیں گویا کفار

باطل پر ہوتے ہوئے زخم پر زخم کھاتے جاتے ہیں مگر بزدلی اور کمزوری نہیں دکھلاتے پس تم بھی پست ہمت نہ بنو بلکہ تمہیں تو زیادہ راغب ہونا چاہیے اس لیے کہ: وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو یعنی نصرت اور جہاد پر ثواب کی جو امید وہ لوگ نہیں رکھتے پس اس لحاظ سے تمہیں ان پر زیادتی حاصل ہے اس لیے تمہیں چاہیے کہ جہاد میں ان سے زیادہ راغب اور چست ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ جاننے والے ہیں ہر چیز کو حکمت والے ہیں اپنے کام میں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: فِيْ :اس سے اشارہ کیا کہ ان مصدریہ ہے مفسرہ نہیں۔

قوله: بَيَانٌ لِّلْوَاقِعِ :خوف کی شرط سے مقید کیا کیونکہ موقع ایسا تھا۔ پس قصر کے لیے خوف شرط نہ ٹھہرا۔

قوله: بَيِّنَ الْعَدَاوَةِ :متعدی لازم کے معنی میں ہے۔ اظہار کی نسبت دشمن کی طرف عداوت کے اعتبار سے ہے۔

قوله: اَيْ صَلُّوْا :اس سے مکمل نماز مراد ہے۔

قوله: اَيِ الطَّائِفَةُ :دو گروہ بن جائیں کیونکہ سجدہ کی حالت میں وہ لڑ نہیں سکتے۔

قوله: بِالتَّهْلِيْلِ وَالتَّسْبِيْحِ :جب قضاء کی تفسیر فراغت سے کردی تو ارادہ صلاۃ کا کوئی مطلب نہیں۔

قوله: مُضْطَجِعِيْنَ :یہ مشتق کی تاویل سے حال ہے۔ سابقہ پر عطف نہیں۔

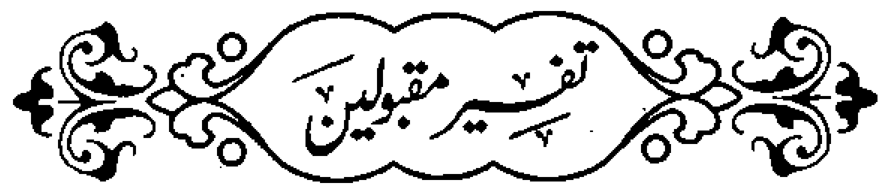
قوله: اَيْ فِيْ كُلِّ حَالٍ :تینوں احوال کا تذکرہ کر کے تمام احوال مراد لیے کیونکہ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔

قوله: مَكْتُوْبًا :اشارہ کیا کہ مصدر مفعول کے معنی میں ہے۔

قوله: مَفْرُوْضًا :اس سے اشارہ کیا کہ کتابت فرض کے معنی میں ہے۔

قوله: اَنْتُمْ :یہ ضمیر تاکید کے لیے لائے کہ ضمیر مخاطب سے تمہیں مراد ہو۔

قوله: بِكُلِّ شَيْءٍ :مفعول کو تعمیم کے لیے حذف کیا گیا ہے۔



وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ ----

ربط: گزشتہ آیات میں جہاد و ہجرت کا ذکر تھا اور غالب احوال میں جہاد و ہجرت کے لیے سفر کرنا پڑتا ہے اور اب ان آیات میں حالت جہاد اور سفر میں نماز پڑھنے کی تعلیم وطریقہ بیان فرماتے ہیں اور سفر اور خوف کی وجہ سے نماز میں جو رعایتیں اور سہولتیں عطا کی ہیں ان کا ذکر کرتے ہیں۔

سفر میں نماز قصر پڑھنے کا بیان:

جہاد اور ہجرت میں چونکہ سفر درپیش ہوتا ہے اس لیے ہجرت کے ساتھ سفر میں نماز قصر کرنے کا حکم بھی بیان فرما دیا۔ بموجب احکام کتاب وسنت مسلمان ہمیشہ نماز پڑھتے آئے ہیں۔ قصر صرف چار رکعت والی نماز میں ہے یعنی ظہر، عصر اور عشاء کی چار رکعتوں کے بجائے دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔ نماز مغرب اور نماز فجر میں قصر نہیں ہے ان کو سفر میں بھی پورا ہی پڑھنا فرض ہے۔ اگر مسافر کسی مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اسے بھی امام کی اقتداء میں چار رکعت والی نماز پوری پڑھنی فرض ہے۔ مقیم اگر مسافر کے پیچھے اقتداء کر لے تو جب امام دو رکعت پر سلام پھیرے تو مقیم مقتدی کھڑے ہو کر اپنی چار رکعت پوری کرنے کے لیے باقی رکعات پڑھے۔

ہر سفر میں قصر پڑھنا درست نہیں ہے اگر تین منزل کا سفر ہو تو قصر کرنا درست ہے ایک منزل سولہ میل کی لینے سے مسافت قصر ۴۸ میل ہے اور کلومیٹر کے حساب سے ۷۷ کلومیٹر ہے یہ مسافت قصر ہے، اتنی مسافت کے لیے جب اپنی بستی کی حدود سے نکل جائے تو نماز سفر شروع کر دے اگرچہ ذرا دور ہی پہنچا ہو اور جب تک کسی بستی یا شہر میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کرے۔ نماز قصر ہی پڑھتا رہے۔ اگر کسی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لی تو وہاں سے چلنے تک ہر نماز پوری پڑھے قصر نہ کرے۔

سفر اور قصر کے احکام:

مسئلہ: جو سفر تین منزل سے کم ہو اس سفر میں نماز پوری پڑھی جاتی ہے۔

مسئلہ: اور جب سفر ختم کر کے منزل پر جا پہنچے تو اگر وہاں پندرہ روز سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہو تب تو وہ حکم سفر میں ہے، فرض نماز چارگانہ آدھی پڑھی جائے گی اور اس کو قصر کہتے ہیں اور اگر پندرہ روز یا زیادہ کا رہنے کا ایک ہی بستی میں ارادہ ہو، تو وہ وطن اقامت ہو جائے گا وہاں بھی وطن اصلی کی طرح قصر نہیں ہوگا، بلکہ نماز پوری پڑھی جائے گی۔

مسئلہ: قصر صرف تین وقت کے فرائض میں ہے اور مغرب اور فجر میں اور سنن و وتر میں نہیں ہے۔

مسئلہ: سفر میں خوف نہ ہو تو بھی قصر نماز پڑھی جائے گی۔

مسئلہ: بعض لوگوں کو پوری نماز کی جگہ قصر پڑھنے میں دل میں گناہ کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے، یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ قصر بھی شریعت کا حکم ہے، جس کی تعمیل پر گناہ نہیں ہوتا بلکہ ثواب ملتا ہے۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ....

صلوۃ الخوف کا طریقہ اور اس کے بعض احکام:

اس آیت شریفہ میں صلوۃ الخوف (خوف کی نماز) کا ذکر ہے لباب النقول صفحہ ۸۱ میں حضرت ابو عیاش زرقی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ مقام عسفان میں تھے سامنے سے مشرکین آ گئے جو خالد بن ولید کی سرکردگی میں تھے (وہ اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) یہ لوگ ایسی جگہ تھے جو ہمارے اور ہمارے قبلہ کے درمیان تھی، آنحضرت سرور عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم کو ظہر پڑھائی تو مشرکین کہنے لگے کہ ہم نے غلطی کی جب یہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے اس وقت ان پر حملہ کر دیتے ان کو تو ہمارے حملے کا خیال بھی نہ تھا۔ پھر کہنے لگے کہ ابھی ایک اور نماز آنے والی ہے

(یعنی نماز عصر) وہ نماز ان کو اپنے بیٹوں سے اور جانوں سے بھی زیادہ محبوب ہے جب یہ لوگ آئندہ نماز میں مشغول ہو جائیں تو ان پر حملہ کر دیا جائے اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام ظہر اور عصر کے درمیان یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔(وَاِذَا كُنۡتَ فِيۡهِمۡ فَاَقَمۡتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ) نماز خوف کئی طرح سے ثابت ہے امام ابوداؤد علیہ السلام نے یہ طریقے نقل کیے، آیت بالا میں صلوٰۃ خوف کا جو طریقہ ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ امام نمازیوں کی دو جماعتیں بنائے اور ان میں سے ایک جماعت دشمن کی طرف متوجہ رہے اور دشمن کی نگرانی کرے اور ایک جماعت امام کے پیچھے کھڑی ہو جائے جب امام کے ساتھ کھڑی ہونے والی جماعت پہلی رکعت کے دونوں سجدوں سے فارغ ہو جائے تو یہ لوگ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔ اور دشمنوں کی طرف چلے جائیں اور وہ دوسری جماعت آ جائے جنہوں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی ان کے آنے تک امام ان کی انتظار میں بیٹھا رہے، اب یہ گروہ ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھ لے۔ امام سلام پھیر دے امام کی دو رکعتیں ہو گئیں اور دونوں جماعتوں کی ایک ایک رکعت ہوئی۔ اب یہ دوسری جماعت سلام پھیرے بغیر دشمن کی طرف چلی جائے اور پہلی جماعت آ جائے جس کی ایک رکعت باقی ہے یہ اپنی باقی ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور دشمن کی طرف چلی جائے پھر دوسری جماعت آ جائے ان کی بھی اب تک ایک رکعت باقی ہے وہ اپنی باقی ایک رکعت پڑھ لی۔

یہ ہر جماعت کو ایک ایک رکعت پڑھنا اس صورت میں ہے جبکہ امام اور مقتدی مسافر ہوں اگر امام مقیم ہو تو ہر جماعت کو دو دو رکعتیں پڑھائے باقی رکعتیں وہ لوگ پوری کر لیں اگر نماز مغرب میں ایسا واقعہ پیش آئے تو پہلی جماعت کو دو رکعتیں اور دوسری جماعت کو ایک رکعت پڑھائے نماز میں آنا جانا چونکہ حالت اضطرار کی وجہ سے ہے اور شرعی اجازت سے ہے اس لیے اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت سے نہ صرف نماز کی بلکہ نماز با جماعت کی اہمیت معلوم ہو رہی ہے جبکہ دشمن سر پر سوار ہے اس وقت بھی نماز چھوڑنے کا ذکر تو کیا ہوتا بلا جماعت نماز پڑھنے کا بھی موقعہ نہیں دیا گیا۔ ہاں اگر دشمن کا ہجوم اس انداز سے ہو جائے کہ ان کے حملے کی حفاظت کی کوئی صورت نہ بن رہی ہو تو پھر علیحدہ علیحدہ نماز پڑھ لیں اور اگر یہ صورت بھی ممکن نہ ہو تو نماز بالکل بھی چھوڑی جا سکتی ہے۔ جس کا ذکر سورۃ بقرہ کی آیت (فَاِنۡ خِفۡتُمۡ فَرِجَالًا اَوۡ رُكۡبَانًا) کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے جب دشمن کا ہجوم نہ رہے تو چھوٹی ہوئی سب نمازیں قضاء پڑھ لیں جیسا کہ آنحضرت (ﷺ) نے غزوہ احزاب کے موقع پر کیا تھا۔

مسئلہ: اگر دو امام بنا لیں اور یکے بعد دیگر ہر جماعت الگ الگ امام کے پیچھے نماز پڑھ لے تو یہ زیادہ افضل ہے۔ اگر سب ایک ہی کے پیچھے پڑھنے پر اصرار کریں تو اس کا وہ طریقہ ہے جو اوپر لکھا گیا۔

مسئلہ: اگر جنگ کرنے کی حالت میں نماز پڑھیں گے، تو عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

وَلۡيَاۡخُذُوۡۤا اَسۡلِحَتَهُمۡ میں یہ بتایا کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوں تو ہتھیار ساتھ رکھ لیں اگر مقابلہ کی ضرورت پڑ جائے تو ہتھیار لینے پر دیر نہ لگے اگرچہ قتال کرنے سے نماز ٹوٹ جائے گی لیکن دشمن کا دفاع کرنے کی وجہ سے نماز توڑنے کا گناہ نہ ہوگا۔

پھر فرمایا: وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ (اگر تم کو بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا بیمار ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ اپنے ہتھیاروں کو رکھ دو اور اپنے بچاؤ کا سامان ساتھ لے لو) مطلب یہ ہے کہ بارش یا بیماری کی مجبوری سے ہتھیار نہیں باندھ سکتے تو اتار کر رکھ سکتے ہیں لیکن دشمنوں سے حفاظت کا دھیان پھر بھی رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً ہتھیار باندھے نہیں تو قریب میں رکھے رہے یا دشمن کی نگرانی کے لیے کسی کو مقرر کر دیں پھر نماز پڑھیں، پھر فرمایا: فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کی یاد میں لگ جاؤ کھڑے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے بھی۔ نماز خود ذکر ہے اور ذکر ہی کے لیے مشروع ہوئی ہے جیسا کہ سورۃ طٰہٰ میں فرمایا: (اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ) (کہ نماز کو میری یاد کے لیے قائم کرو) نماز اول سے آخر تک ذکر قلبی بھی ہے اور ذکر لسانی بھی اور ہر عبادت کی روح ذکر ہی ہے۔ ہر حال میں ذکر کرتے رہنا چاہیے کھڑے بیٹھے لیٹے پھرتے ہر حال میں ذکر کریں۔ جب اس دنیا میں کوئی بھی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا تو قیامت آ جائے گی۔ (کما رواہ مسلم صفحہ ۸۴: ج۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہ جو چند لوگ کسی جگہ بیٹھے انہوں نے اپنی مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کیا اور اپنے نبی پر درود نہ بھیجا تو یہ مجلس ان کے لیے نقصان کا سبب ہوگی۔ پھر اگر اللہ چاہے تو ان کو عذاب دے اور اگر چاہے تو ان کی مغفرت فرمادے، اور اگر کوئی شخص کسی جگہ لیٹا اور اس نے لیٹنے میں اللہ کو یاد نہ کیا تو یہ لیٹنا اس کے لیے اللہ کی طرف سے نقصان کا سبب ہوگا اور جو شخص کسی جگہ چلا اور اس چلنے میں اس نے اللہ کو یاد نہ کیا تو اللہ کی طرف سے اس کا یہ چلنا نقصان کا باعث ہوگا۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی جگہ بیٹھے جس میں انہوں نے اللہ کو یاد نہ کیا اور اپنے نبی پر درود نہ بھیجا تو قیامت کے دن ان کا یہ بیٹھنا حسرت اور افسوس کا باعث ہوگا۔ اگرچہ ثواب کے لیے جنت میں داخل ہو جائیں۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۴۱۰۔۴۰۹: ج۲)

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ....

ایک منافق کا چوری کرنا اور اسکی طرف سے دفاع کرنے پر تنبیہ:

آیت بالا کا سبب نزول ایک واقعہ ہے جسے امام ترمذی نے اپنی کتاب میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے قبیلے میں تین آدمی تھے، بشر، بشیر، اور مبشر، ان کو بنی ابیرق کہا جاتا تھا، ان میں بشیر منافق آدمی تھا وہ ایسے شعر کہتا تھا جن میں انبیاء کرام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ کی ہجو ہوتی تھی پھر ان اشعار کو بعض اہل عرب کی طرف منسوب کر دیتا تھا اور کہتا رہتا تھا کہ فلاں نے یوں کہا فلاں نے یوں کہا آنحضرت سرور عالم کے صحابہ (جب ان اشعار کو سنتے تھے تو سمجھ لیتے تھے کہ یہ اسی کی حرکت ہے اور) کہتے تھے کہ اللہ کی قسم یہ شعر تو اسی خبیث نے کہے ہیں اور کہتے تھے کہ یہ ابن الابیرق کے اشعار ہیں، یہ تینوں آدمی حاجت مند تھے اور ان کو فاقے رہتے تھے جاہلیت میں بھی ان کا یہ حال تھا اور زمانہ اسلام میں بھی ان کی یہی حالت تھی۔ اہل مدینہ کا گزارہ اس وقت کھجوروں اور جو پر تھا۔ جب ملک شام سے مال برآمد کرنے والے تاجر آتے تو میدہ فروخت کرنے کے لیے آتے تھے یہ میدہ ایسے لوگ خاص کر اپنے لیے خرید لیتے تھے جو پیسے والے ہوتے تھے جبکہ ان

کے اہل وعیال کھجوروں اور جو پر ہی گزارہ کرتے تھے۔

حضرت قتادہ بن نعمان نے مزید بیان فرمایا کہ شام سے کچھ تاجر آئے ان سے میرے چچا رفاعہ بن زید نے میدہ خرید لیا اور اسے اوپر کی منزل کے ایک کمرہ میں رکھ دیا اس کمرہ میں ہتھیار بھی تھے زرہ تھی اور تلوار بھی نیچے سے کسی نے اس کمرے میں نقب ڈال کر کھانے کی چیز (یعنی میدہ) اور ہتھیار چرا لیے۔ جب صبح ہوئی تو میرے چچا رفاعہ میرے پاس آئے اور فرمایا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے اس رات میں ہمارے اوپر زیادتی کی گئی ہے کمرہ میں نقب لگایا گیا ہے اور ہمارا کھانے کا سامان اور ہتھیار کوئی شخص لے گیا۔ اس پر ہم نے تجسس کیا اور پتہ چلانے کی کوشش کی (محلے میں) پوچھ گچھ کی تو ہمیں لوگوں نے بتایا کہ بنی ابیرق نے اس رات میں آگ جلائی ہے (یعنی کھانے پکائے ہیں) اور ہمارا اندازہ یہی ہے کہ انہوں نے آپ ہی لوگوں کا مال چرا کر کھانے پکانے میں رات گزاری ہے جب ہم پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ اس وقت بنو ابیرق بھی موجود تھے وہ یہ کہتے جا رہے تھے کہ اللہ کی قسم آپ لوگوں کا یہ مال لبید بن سہل نے چرایا ہے۔ لبید بن سہل نیک آدمی تھے سچے مسلمان تھے جب انہوں نے یہ بات سنی تو اپنی تلوار نکالی اور کہنے لگے کیا میں چراؤں گا؟ اللہ کی قسم یا تو یہ چوری پوری طرح ظاہر ہو جائے گی ورنہ میں اسی تلوار سے تمہاری خبر لے لوں گا، میرے خاندان والوں نے کہا کہ آپ فکر میں نہ پڑیں، ہمیں یقین ہے کہ آپ یہ کام کرنے والے نہیں ہیں ہم برابر پوچھ گچھ کرتے رہے، یہاں تک کہ اس بات میں کوئی شک نہ رہا کہ اس کام کے کرنے والے بنو ابیرق ہی ہیں میرے چچا نے کہا رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا واقعہ بیان کر دو۔ چنانچہ میں رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں آیا میں نے عرض کیا کہ ہمارے قبیلے میں ایک خاندان ہے جن سے دوسروں کے تعلقات اچھے نہیں ہیں انہوں نے میرے چچا رفاعہ کے گھر میں نقب لگا کر ہتھیار اور کھانے کا سامان چرا لیا ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ہتھیار واپس کر دیں اب رہا کھانے کا سامان ہمیں اس کی حاجت نہیں یہ سن کر آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا کہ میں اس بارے میں مشورہ کروں گا جب بنو ابیرق کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے اسیر بن عروہ نامی ایک شخص سے بات کی اور کچھ لوگ جمع ہو کر آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! قتادہ بن نعمان اور اس کے چچا نے ہمارے قبیلے کے ایک خاندان پر جو مسلمان ہیں اور نیک لوگ ہیں بغیر کسی گواہ اور ثبوت کے چوری کی تہمت لگائی ہے، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوا آپ سے بات کی تو آپ نے فرمایا کہ ایک خاندان جس کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور نیک لوگ ہیں تم بغیر کسی دلیل اور گواہوں کے ان کو چوری کی تہمت لگا رہے ہو۔ میں واپس ہوا اور مجھے یہ تمنا ہوئی کہ میرا کچھ مال جاتا رہتا اور اس بارے میں رسول اللہ (ﷺ) سے میں بات نہ کرتا تو اچھا ہوتا میرے چچا رفاعہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تم نے کیا کیا؟ میں نے ان کو وہ بات بتا دی جو رسول اللہ (ﷺ) نے فرمائی تھی اس پر چچا نے کہا اللہ المستعان کہ اللہ ہی سے مدد طلب کرتا ہوں اس کے بعد تھوڑا سا ہی وقت گزرا تھا کہ قرآن مجید میں آیت بالا نازل ہوئیں۔ ان آیات میں خَآئِنِیْنَ سے بنو ابیرق مراد ہیں۔ ارشاد ہوا (وَ لَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا) (یعنی آپ خیانت کرنے والوں کے طرفدار نہ بنئے) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ) (کہ قتادہ

سے جو آپ نے بات کہی اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیجیے)۔

جب قرآن مجید کی آیات بالا نازل ہوئیں تو رسول اللہ (ﷺ) کے پاس ہتھیار حاضر کر دیئے گئے، آپ نے ہتھیار رفاعہ کو واپس فرمادیئے اس کے بعد بشیر مشرکین کے ساتھ جا کر مل گیا اور سلافہ بن سعد کے پاس جا کر ٹھہر گیا۔ اس پر یہ آیت شریفہ: وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ (الی قولہ) فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ نازل ہوئی۔ جب بشیر سلافہ کے پاس جا کر مقیم ہو گیا تو حسان بن ثابت نے کچھ شعر کہے۔ جن میں سلافہ کو متہم کیا سلافہ نے بشیر کی اونٹنی کا کجاوہ اٹھا کر اپنے گھر سے باہر سنگ ریزوں والی زمین پر جا کر پھینک دیا اور کہنے لگا تو میرے بارے میں حسان کے اشعار کا ذریعہ بن گیا مجھے تجھ سے کسی خیر کی امید نہیں۔

منکرین حدیث کی تردید:

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اولاً تو اپنے نبی مکرم (ﷺ) کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ پر کتاب اتاری تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اپنی اس سمجھ کے ذریعہ فیصلے فرمائیں جو اللہ نے آپ کو عطا فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن نازل فرمایا ہے اور قرآن کے معانی اور مفاہیم بھی آپ کو بتائے ہیں۔ دور حاضر میں ایک ایسا فرقہ پیدا ہوا جو یہ کہتا ہے کہ العیاذ باللہ نبی کی حیثیت ایک ڈاکیہ کی ہے۔ اس نے قرآن لا کر دے دیا آگے ہم اپنی سمجھ سے سمجھ لیں گے۔ یہ ان لوگوں کی جہالت ہے آیت بالا سے ان لوگوں کی کھلی تردید ہو رہی ہے، سورۂ نحل میں فرمایا: (وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ) (اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لیے بیان کریں جو ان کی طرف اتارا گیا اور تاکہ وہ فکر کریں) معلوم ہوا کہ رسول اللہ (ﷺ) کا کام صرف کتاب کا پہنچانا ہی نہ تھا بلکہ کتاب کا سمجھانا اور اس کے معانی اور مفاہیم کا بیان کرنا بھی منصب نبوت میں شامل تھا۔

وَسَرَقَ طُعْمَةُ بْنُ اُبَيْرِقٍ دِرْعًا وَخَبَاهَا عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ فَوُجِدَتْ عِنْدَهٗ فَرَمَاهُ طُعْمَةُ بِهَا وَحَلَفَ اَنَّهٗ مَا سَرَقَهَا فَسَاَلَ قَوْمُهٗ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّجَادِلَ عَنْهُ وَيُبَرِّئَهٗ فَنَزَلَ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ الْقُرْاٰنَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِاَنْزَلْنَا لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ عَلَّمَكَ اللّٰهُ ؕ فِيْهِ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ كَطُعْمَةَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾ مُخَاصِمًا عَنْهُمْ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ مِمَّا هَمَمْتَ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۶﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ يَخُوْنُوْنَهَا بِالْمَعَاصِيْ لِاَنَّ وَبَالَ خِيَانَتِهِمْ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا كَثِيْرَ الْخِيَانَةِ اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾ اَيْ يُعَاقِبُهٗ يَّسْتَخْفُوْنَ اَيْ طُعْمَةُ وَقَوْمُهٗ حَيَاءً مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ يَعْلَمُهٗ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ يُضْمِرُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ مِنْ

عَزْمِهِمْ عَلَى الْحَلْفِ عَلٰى نَفْيِ السَّرِقَةِ وَرَمْيِ الْيَهُوْدِيِّ بِهَا وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾ عِلْمًا
هٰاَنْتُمْ يٰهٰؤُلَاۤءِ خِطَابٌ لِقَوْمِ طُعْمَةَ جٰدَلْتُمْ خَاصَمْتُمْ عَنْهُمْ اَيْ عَنْ طُعْمَةَ وَذَوِيْهِ وَقُرِئَ عَنْهُ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِذَا عَذَّبَهُمْ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾
يَتَوَلّٰى اَمْرَهُمْ وَيَذُبُّ عَنْهُمْ اَيْ لَا اَحَدَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْۤءًا ذَنْبًا يَسُوْءُ بِهِ غَيْرَهُ كَرَمْيِ طُعْمَةَ
الْيَهُوْدِيَّ اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ بِعَمَلِ ذَنْبٍ قَاصِرٍ عَلَيْهِ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ مِنْهُ اَيْ يَتُبْ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا لَهُ
رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ بِهِ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا ذَنْبًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ لِاَنَّ وَبَالَهُ عَلَيْهَا وَلَا يَضُرُّ غَيْرَهُ وَكَانَ
اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ فِيْ صُنْعِهِ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۤئَةً ذَنْبًا صَغِيْرًا اَوْ اِثْمًا ذَنْبًا كَبِيْرًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ
۱۲ ع ۸ ۱۳ بَرِيْۤئًا مِنْهُ فَقَدِ احْتَمَلَ تَحَمَّلَ بُهْتَانًا بِرَمْيِهِ وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ بَيِّنًا بِكَسْبِهِ

ترجمہ: طعمہ بن ابیرق نے ایک زرہ چرا کر ایک یہودی کے پاس چھپادی پھر زرہ مذکورہ اس یہودی کے پاس پائی گئی تو طعمہ نے اسی یہودی پر اس زرہ کی تہمت لگائی اور طعمہ نے قسم کھالی کہ میں نے یہ زرّہ نہیں چرائی ہے پھر طعمہ کی قوم نے نبی اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ طعمہ کی جانب سے مدافعت کریں اور اس کو بری کردیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: **اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ** (الآیۃ) بیشک ہم نے آپ کے پاس یہ کتاب قرآن حق کے ساتھ نازل کی ہے۔ **بِالْحَقِّ**، **اَنْزَلْنَا** کے متعلق ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھلایا یعنی قرآن میں بتلادیا ہے اور آپ طعمہ کی طرح خیانت کرنے والوں کی طرف سے طرفدار نہ ہوں یعنی خائنوں کی طرف سے مدافعت کرنے والے حمایتی نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کیجئے یعنی بنوابیرق کی اس مدافعت وحمایت سے جس کا آپ نے اس مدافعت وحمایت سے جس کا آپ نے لاعلمی میں ارادہ کیا تھا بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے بڑے رحمت والے ہیں اور آپ ان لوگوں کی طرف سے کوئی جواب دہی کی بات نہ کیجئے جو اپنی جانوں سے خیانت کرتے ہیں یعنی گناہوں کے ذریعہ اپنی جانوں سے خیانت کرتے ہیں اس لیے کہ ان کی خیانت کا وبال خود ان ہی کی جان پر ہے مطلب یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ خیانت کرنا انجام کے لحاظ سے خود اپنے ساتھ خیانت کرنا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو پسند نہیں کرتے جو دغاباز بہت زیادہ خیانت کرنے والا اور گنہگار ہو یعنی اللہ تعالیٰ اس کو سزا دیں گے یہ لوگ چھپانا چاہتے ہیں یعنی طعمہ اور اسکی قوم شرما کر چھپانا چاہتے ہیں لوگوں سے اور اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے ہیں حالاں کہ اللہ تعالیٰ اس وقت بھی ان کے ساتھ یعنی جانتا ہے جب کہ وہ رات کو ان باتوں کے مشورے کرتے ہیں چھپ چھپ کر جن باتوں کو اللہ پسند نہیں کرتا یعنی چور کے انکار پر مبنی ابیرق کے قسم کھانے کا ارادہ یعنی بنو ابیرق کا ارادہ کرلینا چوری کے انکار پر قسم کھانے اور یہودی پر اس چوری کی تہمت لگانے کا اور اللہ تعالیٰ ان سب کے اعمال کو

اپنے علمی احاطہ میں لیے ہوئے ہیں۔ هٰاَنْتُمْ هٰؤُلَآءِ لللابیہ خبردار تم لوگ طعمہ کی قوم کو خطاب ہے ایسے ہو کہ تم نے خائنین طرف سے جواب وہی کی باتیں کرلیں یعنی طعمہ اور اسکے حمایتیوں کی طرف سے جھگڑ لئے اور ایک شاذ قراءت میں بجائے جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ کے عَنْهُ ہے یعنی طعمہ کی طرف سے تم نے جوابدہی کی باتیں کرلیں دنیاوی زندگی میں سو یہ تو بتلاؤ کہ قیامت کے دن کون ان کی طرف سے اللہ سے جھگڑے گا جب اللہ تعالیٰ ان کو سزا دیں گے یا وہ کون شخص ہوگا جو ان کا کام بنانے والا ہوگا یعنی کون ہوگا جو طعمہ وغیرہ کے معاملہ کا متولی بنے اور ان سے مدافعت کرے؟ یعنی کوئی نہیں ہے جو ایسا کرسکے اور جو شخص کوئی ایسا برا کام کرے جس سے دوسرے کو تکلیف پہنچے جیسے طعمہ کا یہودی پر تہمت لگانا یا اپنے اوپر ظلم کرے ایسے گناہ کا کام کرے کہ اسکی ذات پر محدود رہے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہے اس گناہ سے یعنی توبہ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو پالے گا کہ بخشنے والے ہیں اس کو اور رحم کرنے والے ہیں اس کے ساتھ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا اور جو شخص کچھ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ فقط اپنی ذات پر اس کا ارتکاب کرتا ہے کیوں کہ اس کا وبال اسی پر پڑے گا اور کسی دوسرے کا نقصان نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں اور حکمت والے ہیں اپنے کام میں اور جو شخص کسی غلطی کا ارتکاب کرے، چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ پھر اس گناہ کو کسی بے قصور پر ڈال دے۔ بَرِيْٓـئًا صفت ہے موصوف محذوف کی۔ بَرِيْٓـئًا مِنْهُ تو اس نے لاد لیا اٹھالیا عظیم بہتان تہمت لگا کر اور کھلا ہو گناہ جو صریح اور ظاہر ہے۔ خود اس کے ارتکاب سے ٹھکانہ ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَلْقُرْاٰنَ: اس سے بتلایا کہ اَلْكِتٰبَ میں الف لام عہد کا ہے، استغراقی نہیں۔

قوله: عَلَّمَكَ: رؤیت بصر مراد نہیں کیونکہ حکم مبصرات سے نہیں کیا جاتا بلکہ علم سے مراد معرفت ہے۔

قوله: فِيْهِ: اس کی ضمیر مَا کی طرف راجع ہے۔

قوله: بِالْمَعَاصِىْ: خیانت سے مراد مطلق نافرمانی ہے۔

قوله: كَثِيْرَ الْخِيَانَةِ: مبالغہ کا لفظ لائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو طعمہ کی خیانت اور مجرمانہ حرکات سے واقف ہیں۔

قوله: اَثِيْمًا: گناہوں میں منہمک۔

قوله: حَيَآءً: حیاء ومقدر مانا کہ استخفاء بمعنی حیاء تاکہ یہ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ کے مشاکل ہوجائے کیونکہ استخفاء کی حقیقت حیاء ہے۔

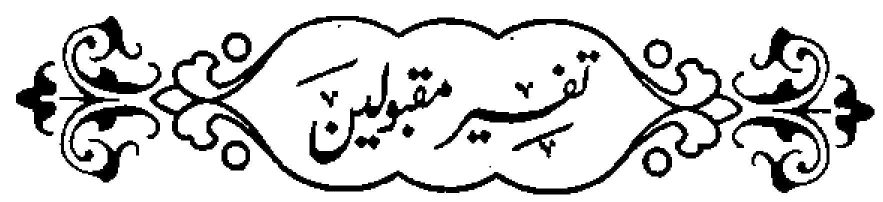
قوله: يَاهٰٓؤُلَآءِ: یا کو مقدر مانا تاکہ هٰٓؤُلَآءِ کا منادی ہونا خوب معلوم ہوجائے۔

قوله: اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ: اشارہ کیا کہ اَمْ کے بعد اسم استفہام مَّنْ وغیرہ آجائے تو وہ بل کا معنی دیتا ہے۔

قوله: يَسُوْءُ بِهٖ غَيْرَهٗ: یہ قید اس لیے بڑھائی کیونکہ یہ اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ کے مقابلہ میں آیا ہے۔

قوله: يَتُبْ: کہہ کر اشارہ کیا کہ استغفار سے توبہ مراد ہے نہ کہ صرف زبان سے کہنا۔

قوله: تَحَمَّلَ: باب افتعال کی تفسیر تفعل سے اس لیے کیونکہ وہ مواخذہ اثم میں مشہور ہے۔



خیانت کرنے والوں کی طرفداری کی ممانعت:

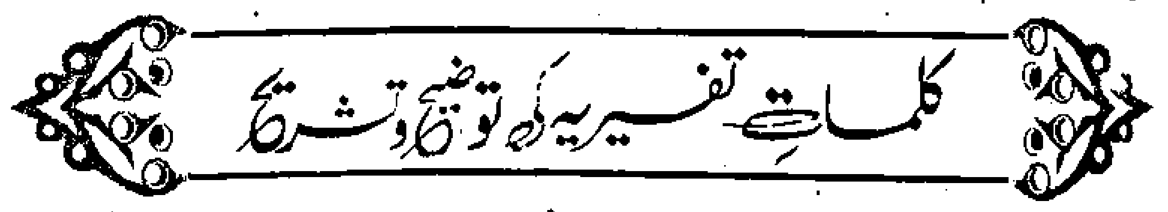
اس کے بعد ارشاد فرمایا وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۱۰۵ کہ آپ خیانت کرنے والوں کے طرفدار نہ بنیں۔ اور اللہ سے استغفار کریں۔

چونکہ آپ نے حضرت قتادہ جیسے مخلص صحابی کی بات پر زیادہ توجہ دینے کی بجائے یہ فرمادیا کہ میں مشورہ کروں گا جس سے اصلی چوروں کو اپنی بات کو آگے چلانے کا اور اپنے آپ کو بری کرانے کا کچھ موقعہ مل گیا اور اس طرح سے غیر شعوری طور پر ان کی کچھ حمایت سی ہوگئی جس کا ارادہ نہ تھا اور جو صورت حال سامنے آئی تھی اس میں جہاں یہ پہلو تھا کہ بغیر گواہ اور دلیل کے کسی پر یقین نہ کیا جائے وہاں یہ پہلو بھی سامنے ہونا مناسب تھا کہ جو خاندان مسلمانوں سے مل جل کر نہیں رہتا تھا اور ان میں ایک فرد بدترین منافق بھی تھا اس وجہ سے تحقیق حال میں جلدی کی جاتی اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو تسلی بخش جواب دیا جاتا اس لیے آپ کو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ جو لوگ اپنے نفسوں کی خیانت کرتے ہیں آپ ان کی طرف سے جواب دہی نہ کیجیے ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ دوسروں کا مال چرا کر تو خیانت کی ہی ہے اپنے نفسوں کی بھی خیانت کر رہے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے مال چرا کر اپنے کھانے پینے کا کام چلا کر بڑی ہوشیاری کا کام کیا اور اپنے خیال میں اس سے زیادہ ہوشیاری یہ کی کہ اپنا کیا ہوا عمل دوسرے کے سر ڈال دیا اس میں خود اپنے نفسوں کی خیانت ہے کیونکہ اس کا وبال آخرت میں خود ان پر پڑے گا، اور جب دنیا میں حقیقت ظاہر ہوگئی تو یہاں بھی ذلیل ہوئے۔ ان خیانت کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگوں سے چھپتے ہیں تاکہ ان کے سامنے شرمندہ نہ ہوں اور اللہ سے تو چھپ ہی نہیں سکتے۔ لوگوں سے شرماتے ہیں اللہ سے نہیں شرماتے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہے جبکہ وہ راتوں کو بیٹھ کر ایسی باتیں کرتے ہیں جن سے وہ راضی نہیں ہے۔

پھر فرمایا کہ تم دنیا والی زندگی میں ان کی طرف سے جواب دہی کرتے ہو یہاں کی جواب دہی کرنے سے اگر کوئی شخص اپنے کالے کرتوت سے بری ہو بھی جائے تو قیامت میں جب مواخذہ ہوگا اس وقت کون اللہ کے سامنے پیشی کے وقت ان کی طرف سے جوابدہی کرے گا، اور وہاں ان کا کون وکیل ہوگا۔ وہاں نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ وکیل ہوگا، اپنا کیا ہر ایک کو خود بھگتنا ہوگا اس میں ان لوگوں کو تنبیہ ہے جو مال چرا کر یا خیانت کر کے یا ڈاکہ ڈال کر یا فائلوں میں ردوبدل کر کے یا کسی صاحب اقتدار سے مل جل کر اپنا کیس دبا دیتے ہیں اور دوسروں کا مال کھا جاتے ہیں یہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ دنیا میں ہم نے کاغذات ٹھیک کر کے یا کسی صاحب اقتدار کی پناہ لے کر اپنی جان کو دنیا میں بچا لیا تو آخرت میں بچ گئے۔ آخرت کا حساب ہر گھڑی سامنے رکھنا لازم ہے وہاں کوئی مددگار اور وکیل نہ ہوگا۔

بَيِّنًا بِكَسْبِهٖ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ ﷺ وَرَحْمَتُهٗ بِالْعِصْمَةِ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مِنْ قَوْمِ طُعْمَةَ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ عَنِ الْقَضَاءِ بِالْحَقِّ بِتَلْبِيْسِهِمْ عَلَيْكَ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ زَائِدَةٌ شَيْءٍ ؕ لِاَنَّ وَبَالَ اِضْلَالِهِمْ عَلَيْهِمْ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ الْقُرْاٰنَ وَالْحِكْمَةَ مَا فِيْهِ مِنَ الْاَحْكَامِ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ مِنَ الْاَحْكَامِ وَالْغَيْبِ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ بِذٰلِكَ وَغَيْرِهٖ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اَيِ النَّاسِ اَيْ مَا يَتَنَاجَوْنَ فِيْهِ وَيَتَحَدَّثُوْنَ اِلَّا نَجْوٰى مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ عَمَلِ بِرٍّ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرَ ابْتِغَآءَ طَلَبَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ لَا غَيْرَهٗ مِنْ اُمُوْرِ الدُّنْيَا فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ اَيِ اللّٰهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ يُخَالِفِ الرَّسُوْلَ فِيْمَا جَآءَ بِهٖ مِنَ الْحَقِّ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى ظَهَرَ لَهُ الْحَقُّ بِالْمُعْجِزَاتِ وَيَتَّبِعْ طَرِيْقًا غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيْ طَرِيْقِهِمُ الَّذِيْ هُمْ عَلَيْهِ مِنَ الدِّيْنِ بِاَنْ يَّكْفُرَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى نَجْعَلْهُ وَالِيًا لِمَا تَوَلَّاهُ مِنَ الضَّلَالِ بِاَنْ نُّخَلِّيَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ فِي الدُّنْيَا وَنُصْلِهٖ نُدْخِلْهُ فِي الْاٰخِرَةِ جَهَنَّمَ ؕ لِيَحْتَرِقَ
ع ۱۷ ۳ ۱۴ فِيْهَا وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ مَرْجِعًا هِيَ۔

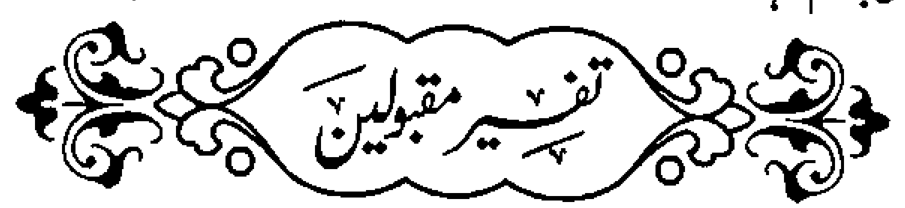
ترجمہ: اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے یہ ارادہ کر ہی لیا تھا کہ آپ کو بہکا دیں، اور وہ نہیں بہکاتے مگر اپنی ہی جانوں کو، اور آپ کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچا ئیں گے، اور اللہ نے نازل فرمائی ہے آپ پر کتاب اور حکمت، اور آپ کو وہ باتیں بتائیں جن کو آپ نہیں جانتے تھے، اور آپ پر اللہ کا فضل بہت بڑا ہے۔ نہیں ہے کوئی بھلائی ان کے بہت سے مشوروں میں مگر جو شخص صدقے کا یا اچھی باتوں کا یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کا حکم دے اور جو شخص یہ کام اللہ کی رضا جوئی کے لئے کرے گا سو ہم اس کو بڑا ثواب دیں گے اور جو شخص رسول اللہ کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس کے لئے ہدایت ظاہر ہو چکی اور مسلمانوں کے راستے کے خلاف کسی دوسرے راستے کا اتباع کرے تو ہم اس کو وہ کام کرنے دیں گے جو وہ کرتا ہے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔



قوله: بِكَسْبِهٖ: مراد نفس کے لیے نہ ہو بلکہ اس کے اپنے فعل کا دخل چاہیے۔

قوله: مِنْ زَائِدَةٌ: کیونکہ یضر دو مفعول کی طرف بذاتِ خود متعدی ہوتا ہے۔

قولہ: يَتَنَاجَوْنَ: مصدر یہ اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ اس کا قرینہ واذ ھم نجوی۔ نجوی مشتق کے معنی میں ہے۔
قولہ: إِلَّا نَجْوٰى: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ یہ حذف مضاف کے ساتھ ہے۔ تا کہ استثناء درست ہو جائے۔
قولہ: الْمَذْكُورَ: مفسد سے جمع کی طرف اشارہ اسی الْمَذْكُورَ کی تاویل سے ہوسکتا ہے۔
قولہ: نَجْعَلُهُ وَالِيًا: تولّی یہ ایلاء سے نہیں۔
قولہ: بِاَنْ نُّخَلِّيَ: یہ اس لیے ذکر کیا تا کہ جو کتاب میں ہے اس کے موافق ہو جائے۔ ورنہ تو تاویل کی چنداں حاجت نہیں۔
قولہ: هِيَ: یہ مخصوص بالذم ہے۔



وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ ....

اس میں خطاب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ الصلوۃ والتسلیم کی طرف اور اظہار ہے ان خائنوں کے فریب کا اور بیان ہے آپ کی عظمت شان اور عصمت کا اور اس کا کہ آپ کمال علمی میں جو کہ تمام کمالات سے افضل اور اول ہے سب سے فائق ہیں اور اللہ کا فضل آپ پر بے نہایت ہے جو ہمارے بیان اور ہماری سمجھ میں نہیں آ سکتا اور اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ آپ کو جو چور کی براءت کا خیال ہوا تھا وہ ظاہر حال کو دیکھ کر اور اقوال وشہادات کو سن کر اور اس کو سچ سمجھ کر ہو گیا تھا میلان عن الحق یا مداہنت فی الحق ہرگز ہرگز اس کا باعث نہ تھا اور اتنی بات میں کچھ برائی نہ تھی بلکہ یہی ہونا ضروری تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے حقیقت الامر ظاہر ہوگئی کوئی خلجان باقی نہ رہا اور ان سب باتوں سے مقصود یہ ہے کہ آئندہ کو وہ فریب باز تو آپ کے بہکانے اور دھوکا دینے سے رک جائیں اور مایوس ہو جائیں اور آپ اپنی عظمت اور تقدس کے موافق غور اور احتیاط سے کام لیں۔ واللہ اعلم۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ ....

منافق اور حیلہ گر آ کر آپ سے کان میں باتیں کرتے تا کہ لوگوں میں اپنا اعتبار بڑھائیں اور مجلس میں بیٹھ کر آپس میں بیہودہ سرگوشی کیا کرتے کسی کی عیب جوئی، کسی کی غیبت، کسی کی شکایت کرتے۔ اس پر ارشاد ہوا کہ جو لوگ باہم کانوں میں مشاورت کرتے ہیں اکثر مشورے خیر سے خالی ہوتے ہیں۔ صاف اور سچی باتوں کو چھپانے کی حاجت نہیں اس میں کوئی فریب ہوتا ہے۔ البتہ چھپاوے تو صدقہ اور خیرات کی بات کو چھپاوے تا کہ لینے والا شرمندہ نہ ہو یا کسی ناواقف کو غلطی سے بچائے اور اس کو اچھی بات اور صحیح مسئلہ بتائے تو چھپا کر بتائے تا کہ اس کو ندامت نہ ہو یا دو میں لڑائی ہو اور غصہ والا جوش میں صلح نہیں کرتا تو اول کوئی تدبیر بنا کر پھر اس کو سمجھائے حتیٰ کہ توریہ کی بھی اجازت ہے۔ آخر میں فرمادیا کہ جو کوئی امور مذکورہ کو

اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کرے گا اس کو بڑا عظیم الشان ثواب عنایت ہوگا یعنی ریاکاری یا کسی اور غرض دنیاوی کے لئے نہ ہونا چاہئے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝۱۱۶ عَنِ الْحَقِّ اِنْ مَا يَدْعُوْنَ يَعْبُدُ الْمُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَيِ اللّٰهِ اَيْ غَيْرِهٖ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ اَصْنَامًا مُؤَنَّثَةً كَاللَّاتِ وَالْعُزّٰى وَ مَنَاةَ وَ اِنْ مَا يَدْعُوْنَ يَعْبُدُوْنَ بِعِبَادَتِهَا اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝۱۱۷ خَارِجًا عَنِ الطَّاعَةِ لِطَاعَتِهِمْ لَهٗ فِيْهَا وَهُوَ اِبْلِيْسُ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ اَبْعَدَهٗ عَنْ رَّحْمَتِهٖ وَ قَالَ اَيِ الشَّيْطٰنُ لَاَتَّخِذَنَّ لَاَجْعَلَنَّ لِيْ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا حَظًّا مَّفْرُوْضًا ۝۱۱۸ مَقْطُوْعًا اَدْعُوْهُمْ اِلٰى طَاعَتِيْ وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ عَنِ الْحَقِّ بِالْوَسْوَسَةِ وَ لَاُمَنِّيَنَّهُمْ اُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِهِمْ طُوْلَ الْحَيٰوةِ وَاَنْ لَّا بَعْثَ وَلَا حِسَابَ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ يُقَطِّعُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَقَدْ فُعِلَ ذٰلِكَ بِالْبَحَائِرِ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ دِيْنَهٗ بِالْكُفْرِ وَاِحْلَالِ مَا حُرِّمَ وَتَحْرِيْمِ مَا اُحِلَّ وَ مَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا يَتَوَلَّاهُ وَ يُطِيْعُهٗ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيْ غَيْرِهٖ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۝۱۱۹ بَيِّنًا لِمَصِيْرِهٖ اِلَى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِ يَعِدُهُمْ طُوْلَ الْعُمُرِ وَ يُمَنِّيْهِمْ ؕ نَيْلَ الْاٰمَالِ فِي الدُّنْيَا وَاَنْ لَّا بَعْثَ وَلَا جَزَاءَ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ بِذٰلِكَ اِلَّا غُرُوْرًا ۝۱۲۰ بَاطِلًا اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَ لَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ۝۱۲۱ مَعْدِلًا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اَيْ وَعَدَهُمُ اللّٰهُ ذٰلِكَ وَ حَقَّهٗ حَقًّا وَ مَنْ اَيْ لَا اَحَدَ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝۱۲۲ قَوْلًا وَ نَزَلَ لَمَّا افْتَخَرَ الْمُسْلِمُوْنَ وَ اَهْلُ الْكِتَابِ لَيْسَ الْاَمْرُ مَنُوْطًا بِاَمَانِيِّكُمْ وَ لَاۤ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ بَلْ بِالْعَمَلِ الصَّالِحِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ اِمَّا فِي الْاٰخِرَةِ اَوْ فِي الدُّنْيَا بِالْبَلَاءِ وَالْمِحَنِ كَمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيْثِ وَ لَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيْ غَيْرِهٖ وَلِيًّا يَحْفَظُهٗ وَّ لَا نَصِيْرًا ۝۱۲۳ يَمْنَعُهٗ مِنْهُ وَ مَنْ يَّعْمَلْ شَيْئًا مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَالْفَاعِلِ الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ۝۱۲۴ قَدْرَ نُقْرَةِ النَّوَاةِ وَ مَنْ اَيْ لَا اَحَدَ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ اَيِ انْقَادَ وَ

اَخْلَصَ عَمَلَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ مُوَحِّدٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ الْمُوَافِقَةَ لِمِلَّةِ الْاِسْلَامِ حَنِيْفًا حَالٌ اَيْ
مَائِلًا عَنِ الْاَدْيَانِ كُلِّهَا اِلَى الدِّيْنِ الْقَيِّمِ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ صَفِيًّا خَالِصَ الْمَحَبَّةِ لَهُ وَلِلّٰهِ
۱۸
۱۱ع مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِلْكًا وَّخَلْقًا وَّعَبِيْدًا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ ع عِلْمًا وَّقُدْرَةً اَيْ
۱۵
لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں فرمائیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے علاوہ معاف فرمادیں گے جس کو چاہیں گے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے وہ یقیناً راہ حق سے بہت دور گمراہی میں جا پڑا ان یدعون ان بمعنی ما نافیہ ہے یہ نہیں پکارتے ہیں یعنی مشرک لوگ پرستش نہیں کرتے اللہ کو چھوڑ کر یعنی اللہ کے سوا مگر عورتوں کو یعنی ایسے بتوں کو جو مؤنث ہیں جیسے لات، عزیٰ اور مناۃ۔ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ، اِنْ بمعنی مَا ہے اور يَدْعُوْنَ بمعنی يَعْبُدُوْنَ ہے اور نہیں عبادت کرتے ہیں ان بتوں کی عبادت کی وجہ سے مگر شیطان سرکش کی مرید بمعنی سرکش یعنی اللہ کی اطاعت سے خارج ہونے والا، چونکہ ان مشرکوں نے ان بتوں کی عبادت و پرستش میں اس شیطان کی اطاعت کی ہے اور مراد شیطان سے ابلیس ہے جس پر اللہ نے لعنت کی ہے یعنی اپنی رحمت سے اس کو دور پھینک دیا ہے۔ وَقَالَ اَيِ الشَّيْطٰنُ اور شیطان نے کہا تھا یعنی جس وقت شیطان سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے بارگاہ خداوندی سے ملعون ہوا اور جنت سے نکالا گیا تو اس نے اسی وقت کہا تھا: لَاَتَّخِذَنَّ میں ضرور لوں گا اپنے لیے مخصوص کرلوں گا تیرے بندوں میں سے ایک حصہ مقررہ یعنی خوش نصیبوں سے علیحدہ الگ کیا ہوا کہ میں انہیں اپنی طاعت کی طرف بلاؤں گا اور میں ان کو ضرور گمراہ کروں گا کہ زندگی ابھی بہت لمبی ہے اور یہ بھی کہ نہ بعث بعد الموت ہے نہ حساب و کتاب اور میں انہیں یعنی اپنے تابعین کو تعلیم دونگا جس سے وہ کاٹا کریں گے چیرا کریں گے چوپاؤں کے کانوں کو اور یہ کام بحیرہ جانوروں کے ساتھ کیا جاتا تھا اور میں ان کو حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بناوٹ کو بدل ڈالیں گے یعنی اللہ کے بنائے ہوئے دین کو کفر سے اور اللہ کے حرام کیے ہوئے کو حلال اور اللہ کے حلال کیے ہوئے کو حرام سے بدل ڈالیں گے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو یعنی غیر اللہ کو اپنا دوست بنائے یعنی شیطان کو اپنا ولی مقرر کرے اور اس کی اطاعت کرے تو وہ صریح نقصان میں پڑ گیا جو کھلا ہوا گھاٹا ہے اس لیے کہ اس کا انجام ہمیشہ کے لیے جہنم ہوگا شیطان ان سے وعدے کرتا ہے عمر کے دراز ہونے کا اور ان کو آرزوئیں دلاتا ہے دنیا میں امیدوں کے حصول کی اور یہ کہ قبروں سے زندہ ہو کر اٹھنا اور یہ کہ اعمال نیک و بد کا بدلہ کچھ نہیں ہے اور نہیں وعدہ کرتا ہے شیطان ان سے اس وعدہ کے ذریعہ مگر فریب اور جھوٹ، یہی لوگ ہیں کہ جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ کبھی اس جہنم سے خلاصی بھاگنے کی جگہ نہیں پائیں گے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے عنقریب ہم ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے کہ ان کے محلات کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اللہ نے سچا وعدہ کیا ہے یعنی ان ایمان و عمل والوں سے اس کا وعدہ کیا ہے اور ثابت کر دیا ہے سچ کر کے یعنی اس میں کوئی شبہ نہیں اور وہ کون ہے؟ یعنی کوئی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا ہو بات کہنے میں قیل بمعنی

قول ہے مفسرؒ نے یہ اشارہ کیا لفظ قیل، قول کی طرح مصدر ہے۔ وَّ نَزَلَ لَمَّا افْتَخَرَ الْمُسْلِمُوْنَ الآیۃ اور جب مسلمانوں اور اہل کتاب نے فخریہ گفتگو کی تو یہ آیت نازل ہوئی: لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ الآیۃ نہ تمہاری آرزوں پر ہے یعنی امر، والمراد بالامر الثواب الذی وعد الله بہ ای لیس ما وعد الله بہ من الثواب متر تبا با مانیکم ولا مر تبطا بامانی اھل الکتاب، اور نہ اہل کتاب کی آرزوں پر ہے بلکہ نجات وثواب کا مدار عمل صالح پر ہے جو شخص برا کام کرے گا اس کے عوض میں اس کو سزا دی جائے گی خواہ آخرت میں یا دنیا میں بلا ومصیبت کے ذریعہ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: وَلَا يَجِدْ لَهٗ الآیۃ اور وہ نہیں پائے گا اپنے لیے اللہ کو چھوڑ کر یعنی اللہ کے سوا کسی کو دوست جو اس کی حفاظت کرے اور نہ مددگار جو اس سے اللہ کے عذاب کو روک دے گا اور جو شخص کوئی نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو تو یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ یعنی مجہول ہے ایک قراءت معروف ہے جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے۔ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ اور ذرہ برابر بھی گٹھلی کی جھلی برابر بھی حق تلفی نہیں کی جائے گی اور کون ہوسکتا ہے؟ یعنی کوئی نہیں دین کے اعتبار سے اچھا اس شخص سے جو اپنی ذات کو اللہ کے سپرد کردے یعنی اللہ کا فرنبردار ہوگیا اور اپنے عمل کو اللہ کے لیے خالص کردیا درانحالیکہ وہ مخلص موحد ہو اور ملت ابراہیم کی پیروی کرے جو ملت اسلام کے موافق ہے یکسو ہو کر۔ حَنِيْفًا، اتبع کے فاعل سے حال ہے یعنی جس نے ملت ابراہیم کی پیروی کی درانحالیکہ تمام مذاہب سے ہٹ کر دین مستقیم کی طرف مائل ہو، نیز ابراہیم سے بھی حال ہوسکتا ہے اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنالیا تھا ایسا دوست جس کی محبت خالص ہو اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یعنی مملوک اور مخلوق اور بندہ ہونے کے اعتبار سے سب اللہ ہی کے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو احاطہ فرمائے ہوئے ہیں اپنے علم اور قدرت کے لحاظ سے یعنی ہمیشہ اس وصف احاطہ سے متصف ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ: يَعْبُدُوْنَ: اس سے اشارہ کیا کہ دعا عبادت کے معنی میں ہے، سوال کے معنی میں نہیں۔

قولہ: غَيْرِهٖ: اشارہ ہے کہ دون یہاں غیر کے معنی میں ہے قریب اور نیچے کے معنی میں نہیں۔

قولہ: اَصْنَامًا: وہ ان کے مؤنث نام رکھتے ہیں یا تو وہ مؤنثات کے نام ہیں یا جمادات ہیں اور وہ مؤنث ہوتے ہیں۔

قولہ: بِعِبَادَتِهَا: اس سے اشارہ کیا کہ اصنام کی عبادت بھی شیطان کے کہنے سے ہونے کی وجہ سے شیطان کی عبادت ہی ہے۔

قولہ: لِطَاعَتِهِمْ: طاعت شیطان سے مراد عبادتِ اصنام میں اس کی پیروی ہے۔

قولہ: مَقْطُوْعًا: یہ کہہ کر بتلایا کہ مفروض یہاں شرعی معنی میں نہیں۔

قولہ: يَتَوَلَّاهُ: اشارہ کیا کہ ولی یہاں محب کے معنی میں ہے، قریب کے معنی میں نہیں۔

قوله: وَعَدَهُمْ: اللہ تعالیٰ کا وعدہ تو بذاتِ خود مؤکد ہے کیونکہ اس میں تو کوئی خفاء نہیں کہ سندخلکم جنات یہ وہ وعدۂ جنت ہے۔ اس کے علاوہ نہیں، پس اس کا وعدہ تو اپنے اوپر لازم کرنا ہے۔

قوله: مَنُوْطًا: لیس کا اسم محذوف ہے اور جار مجرور متعلق کے اعتبار سے اس کی خبر ہے۔

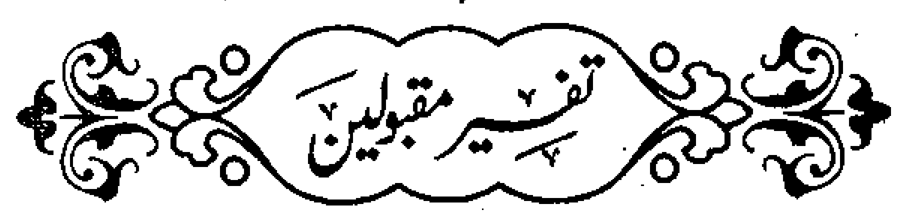
قوله: شَيْئًا: من تبعیضیہ ہے۔ ہر شخص تمام نیکیوں کی قدرت نہیں رکھتا اور نہ اس کا مکلف ہے۔

قوله: انْقَادَ وَ اَخْلَصَ عَمَلَهُ: اس سے اشارہ کیا کہ وَجْهَهٗ سے مراد عمل اور اسلام سے انقیاد و اخلاص فی العمل ہے اور مُحْسِنٌ کا معنی احسان و توحید ہے۔

قوله: اَلْمُوَافَقَةَ: ابراہیم علیہ السلام کی اتباع سے ان کی موافقت دین اسلام کی وجہ سے ہے، اس بناء پر نہیں کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔

قوله: حَالٌ: یہ من اتبع یا ابراہیم سے حال ہے۔

قوله: صَفِيًّا: اشارہ کیا کہ اس جملہ میں استعارہ تمثیلیہ ہے۔ اس لیے کہ ذات باری تعالیٰ خلت سے منزّہ ہے۔



اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ ....

ربط آیات: اوپر ذکر جہاد میں گو سب مخالفین اسلام داخل ہیں، لیکن بیان احوال میں اب تک یہود اور منافقین کے احوال کا بیان ہوا تھا، اور مخالفین میں ایک جماعت بلکہ اوروں سے بڑی مشرکین کی تھی، آگے کچھ ان کے عقائد کی حالت اور طریقہ مذمت اور اس کی سزا کا مذکور ہے، اور اس مقام پر یہ اس لئے اور زیادہ مناسب ہو گیا کہ اوپر جس سارق کا قضیہ ذکر کیا گیا ہے اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ وہ سارق مرتد تھا، پس اس سے اس کی دائمی سزا کا حال معلوم ہو گیا۔ (بیان القرآن)

شرک اور کفر کی سزا کا دائمی ہونا:

یہاں بعض لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ سزا بقدر عمل ہونی چاہئے، مشرک اور کافر نے جو جرم کفر اور شرک کا کیا ہے، وہ محدود مدت عمر کے اندر کیا ہے تو اس کی سزا غیر محدود اور دائمی کیوں ہوئی؟ جواب یہ ہے کہ کفر و شرک کرنے والا چونکہ اس کو جرم ہی نہیں سمجھتا بلکہ نیکی سمجھتا ہے، اس لئے اس کا عزم و قصد یہی ہوتا ہے کہ ہمیشہ اسی حال پر قائم رہے گا اور جب مرتے دم تک وہ اسی پر قائم رہا تو اپنے اختیار کی حد تک اس نے جرم دائمی کر لیا اس لئے سزا بھی دائمی ہوئی۔

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾

حسن اور قتادہ نے اِلَّاۤ اِنٰثًا کی تشریح میں کہا بے جان جن میں روح نہیں۔ جس طرح مؤنث مذکر کے مقابلہ میں حقیر

ہے اسی طرح بے جان جاندار کے مقابلہ میں حقیر ہے اس لئے بے جان کو اناث کے لفظ سے تعبیر کیا۔ اس قول پر بے جان پر اناث کا اطلاق مجازی ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قراءت میں اِنٰثًا کی جگہ اثنا آیا ہے۔ اثن او ثان کی جمع ہے اور اوثان وثن کی (وثن کا معنی ہے بت۔ استہان) ضحاک کے نزدیک۔ اناث سے مراد ملائکہ ہیں کیونکہ مشرک ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اللہ نے فرمایا ہے: وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا۔

وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا اور وہ نہیں پوجا کرتے مگر شیطان کی۔ ہر بت میں ایک شیطان ہوتا تھا اور پجاریوں اور کاہنوں کو دکھائی دیتا تھا اور ان سے کلام بھی کرتا تھا ہم اس کا ذکر پہلے کر چکے ہیں۔ بعض کے نزدیک شیطان سے ابلیس مراد ہے۔ ابلیس نے ہی مشرکوں کو بت پرستی کا حکم دیا تھا۔ بت پرستی میں درحقیقت ابلیس ہی کی عبادت اور طاعت تھی۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ....

مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان ایک مفاخرانہ گفتگو:

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ....: ان آیات میں پہلے ایک مکالمہ اور گفتگو کا ذکر ہے جو مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان ہوئی ہے اور پھر اس مکالمہ پر محاکمہ کیا گیا ہے، فریقین کو صحیح راہ ہدایت بتلائی گئی، آخر میں اللہ کے نزدیک مقبول اور افضل واعلیٰ ہونے کا ایک معیار بتلا دیا گیا جس کو سامنے رکھا جائے تو کبھی انسان غلطی اور گمراہی کا شکار نہ ہو۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان مفاخرت کی گفتگو ہونے لگی، اہل کتاب نے کہا کہ ہم تم سے افضل واشرف ہیں، کیونکہ ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے ہے، مسلمانوں نے کہا کہ ہم تم سب سے افضل ہیں، اس لئے کہ ہمارے نبی خاتم النبیین ہیں اور ہماری کتاب آخری کتاب ہے جس نے پہلی سب کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے اس پر یہاں یہ آیت نازل ہوئی: لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ الآیۃ یعنی یہ تفاخر اور تعلق کسی کے لئے زیبا نہیں اور محض خیالات اور تمناؤں اور دعوؤں سے کوئی کسی پر افضل نہیں ہوتا، بلکہ مدار اعمال پر ہے کسی کا نبی اور کتاب کتنی ہی افضل واشرف ہو اگر وہ عمل غلط کرے گا تو اس کی ایسی سزا پائے گا کہ اس سے بچانے والا اس کو کوئی نہ ملے گا۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ يَطْلُبُوْنَ مِنْكَ الْفَتْوٰى فِي شَانِ النِّسَآءِ وَمِيْرَاثِهِنَّ قُلْ لَهُمُ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ مِنْ اٰيَةِ الْمِيْرَاثِ يُفْتِيْكُمْ اَيْضًا فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ فُرِضَ لَهُنَّ مِنَ الْمِيْرَاثِ وَتَرْغَبُوْنَ اَيُّهَا الْاَوْلِيَاءُ عَنْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ لِدَمَامَتِهِنَّ وَتَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَتَزَوَّجْنَ طَمَعًا فِيْ مِيْرَاثِهِنَّ اَيْ يُفْتِيْكُمْ اَنْ لَا تَفْعَلُوْا ذٰلِكَ وَفِي الْمُسْتَضْعَفِيْنَ الصِّغَارِ مِنَ الْوِلْدَانِ اَنْ تُعْطُوْهُمْ حُقُوْقَهُمْ وَيَاْمُرُكُمْ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ فِي الْمِيْرَاثِ وَالْمَهْرِ وَمَا تَفْعَلُوْا

مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾ فَيُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ وَ اِنِ امْرَاَةٌ مَرْفُوْعٌ بِفِعْلٍ يُفَسِّرُهٗ خَافَتْ تَوَقَّعَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا زَوْجِهَا نُشُوْزًا تَرَفُّعًا عَلَيْهَا بِتَرْكِ مُضَاجَعَتِهَا وَالتَّقْصِيْرِ فِيْ نَفَقَتِهَا لِبُغْضِهَا وَطُمُوْحِ عَيْنِهٖ اِلٰى اَجْمَلَ مِنْهَا اَوْ اِعْرَاضًا عَنْهَا بِوَجْهِهٖ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الصَّادِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ يُصْلِحَا مِنْ اَصْلَحَ بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ فِي الْقَسْمِ وَالنَّفَقَةِ بِاَنْ تَتْرُكَ لَهٗ شَيْئًا طَلَبًا لِبَقَاءِ الصُّحْبَةِ فَاِنْ رَضِيَتْ بِذٰلِكَ وَاِلَّا فَعَلَى الزَّوْجِ اَنْ يُّوَفِّيَهَا حَقَّهَا اَوْ يُفَارِقَهَا وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ مِنَ الْفُرْقَةِ وَالنُّشُوْزِ وَالْاِعْرَاضِ قَالَ تَعَالٰى فِيْ بَيَانِ مَا جُبِلَ عَلَيْهِ الْاِنْسَانُ وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ شِدَّةَ الْبُخْلِ اَيْ جُبِلَتْ عَلَيْهِ فَكَاَنَّهٗ حَاضِرَتُهٗ لَا تَغِيْبُ عَنْهُ الْمَعْنٰى اَنَّ الْمَرْاَةَ لَا تَكَادُ تَسْمَحُ بِنَصِيْبِهَا مِنْ زَوْجِهَا وَالرَّجُلُ لَا يَكَادُ يَسْمَحُ عَلَيْهَا بِنَفْسِهٖ اِذَا اَحَبَّ غَيْرَهَا وَ اِنْ تُحْسِنُوْا عِشْرَةَ النِّسَاءِ وَ تَتَّقُوْا الْجَوْرَ عَلَيْهِنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ وَ لَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا تُسَوُّوْا بَيْنَ النِّسَآءِ فِي الْمَحَبَّةِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ عَلٰى ذٰلِكَ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ اِلَى الَّتِيْ تُحِبُّوْنَهَا فِي الْقَسْمِ وَالنَّفَقَةِ فَتَذَرُوْهَا اَيْ تَتْرُكُوا الْمُمَالَ عَنْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ الَّتِيْ لَا هِيَ اَيِّمٌ وَلَا ذَاتُ بَعْلٍ وَ اِنْ تُصْلِحُوْا بِالْعَدْلِ فِي الْقَسْمِ وَ تَتَّقُوْا الْجَوْرَ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا لِمَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ مِنَ الْمَيْلِ رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ بِكُمْ فِيْ ذٰلِكَ وَ اِنْ يَّتَفَرَّقَا اَيِ الزَّوْجَانِ بِالطَّلَاقِ يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا عَنْ صَاحِبِهٖ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ اَيْ فَضْلِهٖ بِاَنْ يَّرْزُقَهَا زَوْجًا غَيْرَهٗ وَيَرْزُقَهٗ غَيْرَهَا وَ كَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا لِخَلْقِهٖ فِي الْفَضْلِ حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ فِيْمَا دَبَّرَهٗ لَهُمْ وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ لَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِمَعْنَى الْكُتُبِ مِنْ قَبْلِكُمْ اَيِ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَ اِيَّاكُمْ يَا اَهْلَ الْقُرْاٰنِ اَنِ اَيْ بِاَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ خَافُوْا عِقَابَهٗ بِاَنْ تُطِيْعُوْهُ وَقُلْنَا لَهُمْ وَلَكُمْ اِنْ تَكْفُرُوْا بِمَا وُصِّيْتُمْ بِهٖ فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ خَلْقًا وَمُلْكًا وَعَبِيْدًا فَلَا يَضُرُّهٗ كُفْرُكُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا عَنْ خَلْقِهٖ وَعَنْ عِبَادَتِهِمْ حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ مَحْمُوْدًا فِيْ صُنْعِهٖ بِهِمْ وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ كَرَّرَهٗ تَاْكِيْدًا لِتَقْرِيْرِ مُوْجِبِ التَّقْوٰى وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ شَهِيْدًا بِاَنَّ مَا فِيْهِمَا لَهٗ اِنْ يَّشَاْ

يُذْهِبْكُمْ يَا اَيُّهَا النَّاسُ وَ يَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ط بَدَلَكُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ

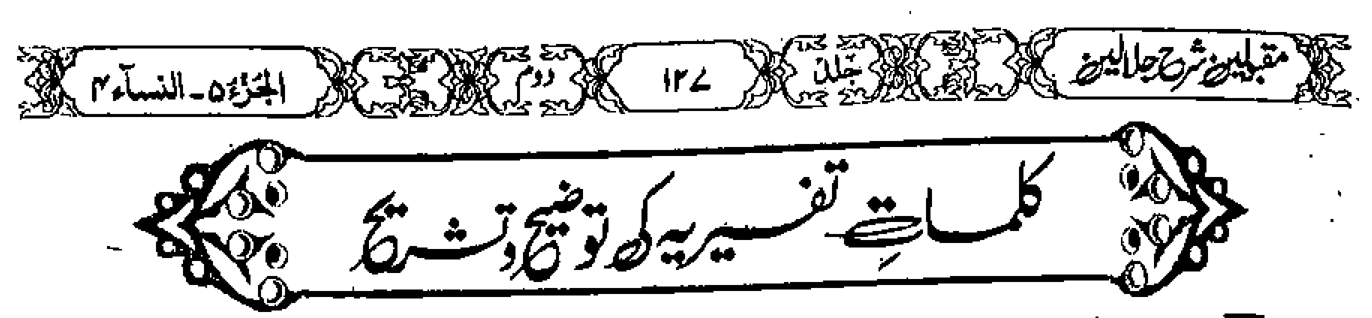
بِعَمَلِهِ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ط لِمَنْ اَرَادَهُ لَا عِنْدَ غَيْرِهِ فَلِمَ يَطْلُبُ اَحَدَهُمَا

الْاَخَسَّ وَ هَلَّا طَلَبَ الْاَعْلٰى بِاِخْلَاصِهِ لَهُ حَيْثُ كَانَ مَطْلَبُهُ لَا يُوْجَدُ اِلَّا عِنْدَهُ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا

ع ۱۹ ۸ ۱۲ بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾

تَرْجَمَہ: اورلوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں عورتوں کے متعلق اوران کی میراث کی بارے میں آپ فرمادیجئے ان سے کہ اللہ تم کوان کے بارے میں حکم دیتے ہیں اوروہ آیتیں بھی تم کو حکم دیتی ہیں جو کتاب قرآن میں تم پر پڑھی جاتی ہیں یعنی آیت میراث بھی تم کو فتویٰ دیتی ہے ان یتیم عورتوں کے بارے میں جنہیں تم وہ حق نہیں دیتے ہو جو میراث میں ان کے لیے مقرر کئے گئے فرض کئے گئے ہیں اور نفرت کرتے ہوا ے اولیاء ان کے ساتھ نکاح کرنے سے ان کی بد صورتی کی وجہ سے اوران کی میراث میں لالچ کی وجہ سے ان عورتوں کوروکتے ہواس بات سے کہ وہ کسی سے نکاح کریں یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ ایسا مت کرواور جوآیات کمزور چھوٹے بچوں کے بارے میں ہیں کہ تم ان کے حقوق دے دواس کا عطف یَتٰمَی النِّسَآءِ پر اَیْ یُفْتِیْکُمْ، فِی الْمُسْتَضْعَفِیْنَ اور تم کو حکم دیتا ہے کہ یتیموں کے متعلق انصاف پر رہو یعنی میراث اور مہر کے سلسلہ میں انصاف سے کام لو اور تم جو نیکی کرو گے سو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں چنانچہ وہ تم کو اس کا بدلہ دیں گے۔ وَ اِنِ امْرَاَةٌ الآیۃ اور اگر کوئی عورت لفظ امْرَاَةٌ مرفوع ہے ایسے فعل سے جو محذوف ہے اور اسکی تفسیر آگے فعل کرتا ہے اور امْرَاَةٌ کو مبتدا بنانا درست نہیں کیونکہ ان حرف شرط پر آتا ہے اگرچہ فعل مقدر ہو پس تقدیر عبارت ہوگی: وان خافت امرأة یاوان کانت امرأة خافت اپنے شوہر سے خوف کرے خطرہ محسوس کرے زیادتی کا کہ عورت پر اپنے کو برتر سمجھ کر یعنی عورت کو ذلیل سمجھ کر ہم بستری ترک کردے گا اور اس کے نان نفقہ میں کوتاہی کرے گا اس سے نفرت کی وجہ سے اور اس سے خوبصورت عورت کی طرف نگاہ اٹھنے کی وجہ سے یا بے پرواہی بے رُخی کا تو دونوں میاں بیوی پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں صلح کرلیں ایک قراءت میں یتصالحا ہے جو دراصل از تفاعل یصالحا تھا تاء کو صاد کرکے صاد میں ادغام کردیا اور ایک قراءت میں یُّصْلِحَا ہے اصلح سے یعنی باب افعال سے بَیْنَهُمَا صُلْحًا ط، صُلْحًا ط مفعول مطلق ہے یُّصْلِحَا کا اور بَیْنَهُمَا مفعول بہ ہے، آیت میں بَیْنَهُمَا سے اس طرف اشارہ ہے کہ بغیر کسی تیسرے کے دخل دیئے میاں بیوی خود ہی باہم صلح کرلیں باری اور نفقہ کے بارے میں اس طرح کہ عورت شوہر کے ساتھ باقی رہنے کے خاطر کچھ اپنا حق چھوڑ دے خواہ باری کا حق ہو یا نفقہ کا پس اگر عورت اس پر راضی ہو جائے تو فبہا وخیر ورنہ شوہر پر واجب ہوگا کہ عورت کا پورا حق دے یا اس کو سبکدوش کردے۔ وَ الصُّلْحُ خَیْرٌ ط اور صلح ہی بہتر ہے جدائی اور زیادتی اور لاپرواہی کرنے سے یہ جملہ معترضہ ہے آگے حق تعالیٰ نے انسانی جبلت کو بیان فرمایا: وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ط اور طبیعتیں حرص یعنی شدت بخل اور خود غرضی پر حاضر کر

دی گئی ہیں یعنی بخل وخودغرضی انسان کی طبیعت وفطرت میں رکھی ہوئی ہے گویا بخل ہر وقت اس کے سامنے رہتا ہے کبھی انسان سے غائب نہیں ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ عورت اپنے شوہر سے اپنے حصہ کی فیاضی نہیں کرسکتی اور مرد جب کہ اس کے علاوہ دوسری سے محبت رکھتا ہے تو اپنی ذات سے اس عورت پر فیاضی نہیں کرسکتا ہے اور اگر تم اچھا برتاؤ رکھو عورتوں کی مخالطت میں اور ان پر ظلم سے باز رہو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے تمہیں اس کا بدلہ دے گا۔ تَعۡدِلُوۡا اور تم عورتوں بیویوں کے درمیان انصاف پوری برابری ہرگز نہیں کرسکتے ہو محبت میں، اگر چہ تم اس کی کتنی ہی خواہش کرو تو تم پوری طرح نہ جھک جاؤ یعنی اس بیوی کی طرف جس سے تم محبت کرتے ہو تقسیم نوبت اور نفقہ کے بارے میں ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ کہ اس کو چھوڑ دو یعنی جس سے تم راضی نہ ہو اس کو معلقہ ادھر میں لٹکی ہوئی کی طرح چھوڑ دو کہ وہ نہ بیوہ ہی ہے اور نہ شوہر والی اور اگر تم اصلاح کرلو کہ باری میں انصاف سے کام لو اور احتیاط رکھو ظلم سے تو بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں اس بے اختیاری میلان کو جو تمہارے دلوں میں ہے مہربان ہیں اس بارے میں تم پر اور اگر دونوں میاں بیوی جدا ہو جائیں یعنی اگر صلح اور موافقت کی کوئی صورت نہ ہو سکے اور دونوں میاں بیوی طلاق کے ذریعہ ایک دوسرے سے جدا شوہر دے گا اور مرد کو دوسری بیوی اور اللہ وسعت والا ہے اپنی مخلوق پر فضل کرنے میں اور حکمت والا ہے مخلوق کی تدبیر میں۔ وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ الآیۃ اور اللہ کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بلاشبہ ہم نے تاکیدی حکم دیا تھا ان لوگوں کو جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی کتاب بمعنی کتب ہے یعنی تم سے پہلے جن لوگوں کو کتابیں دی گئیں مراد یہود ونصاریٰ ہیں اور خاص تم کو بھی اے اہل قرآن یعنی اے قرآن والو تم کو بھی حکم دیا ہے: اَنِ اتَّقُوا اللّٰہَ کہ اللہ سے ڈرو۔ مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے کہ ان مصدریہ ہے اور حرف جار محذوف ہے۔ ای بِاَنِ اور وَصَّیۡنَا کے متعلق ہے یعنی ہم نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ اللہ کے عذاب سے ڈرو بایں طور کہ اس کی اطاعت کرو اور ہم نے ان سے اور تم سے کہہ دیا ہے کہ اگر تم کفر کرو گے جن باتوں کا تم کو حکم دیا گیا ہے تو خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کی مخلوق اور مملوک اور بندے ہیں اس لیے تمہارے کفر سے اس کا کوئی نقصان نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں اپنی مخلوق اور مخلوق کی عبادت واطاعت سے اور قابل تعریف ہیں یعنی مخلوق کے ساتھ اپنی کارروائی میں لائق تعریف ہیں اور اللہ کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تقویٰ کے مقتضی کی تقویت وتاکید کے لیے اس کو مکرر لایا ہے اور کارسازی کے لیے اللہ کافی ہیں وکیل بمعنی شہید ہے یعنی اللہ شاہد ہے اس بات پر کہ جو کچھ ہے آسمان وزمین میں اسی کا ہے اگر وہ چاہے تو اے لوگو! تم سب کو فنا کردے اور دوسروں کو تمہاری جگہ لے آئے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: اِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ ۙ ثُمَّ لَا یَکُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَکُمۡ ﴿۳۸﴾ اور اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الآیۃ جو شخص اپنے عمل سے دنیا کا معاوضہ چاہتا ہے تو اس کی نادانی ہے کیونکہ اللہ ہی کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کا معاوضہ ہے اسکے لیے جو اس کا علاوہ کسی دوسرے کے پاس نہیں ہے پھر کیوں طلب کرتا ہے کوئی انتہائی خسیس اور ادنیٰ یعنی ثواب دنیا کو اور کیوں نہیں طلب کرتا ہے اللہ سے اپنے اخلاص کے ذریعہ اعلیٰ کو یعنی ثواب آخرت کو اس لحاظ سے کہ اس کا مطلوب اس کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ملے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے اور دیکھنے والے ہیں۔



قوله: فِيْ شَانِ: نساء کی ظرفیت توضاحت ہونے کی وجہ سے مجاز ہے۔

قوله: مِنْ اٰيَةِ الْمِيْرَاثِ: فتویٰ کی نسبت میراث نساء کے سلسلہ میں کتاب کی طرف مجازی ہے اور ذکر الکل وارادۃ الجزء کی قسم سے ہیں۔

قوله: يُفْتِيْكُمْ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ مَا يُتْلٰى یہ مبتداء اور يُفْتِيْكُمْ محذوف ہے اور یہ تمام معطوف ہے۔ جملہ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ کا۔

قوله: اَنْ لَّا تَفْعَلُوْا ذٰلِكَ: یعنی ما يفتى به الله محذوف ہے۔

قوله: الْمُسْتَضْعَفِيْنَ: فِيْ کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ کا عطف يَتٰمَى النِّسَآءِ پر ہے نہ کہ قریب پر۔

قوله: وَيَاْمُرُكُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ اَنْ تَقُوْمُوْا مضمر فعل کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس کا یتامیٰ پر عطف نہیں، کیونکہ اس وقت اس میں فِيْهِنَّ کی ضمیر ضروری ہے جو کہ درست نہیں۔

قوله: بِاَنْ تَتْرُكَ لَهٗ: یعنی اس کا کوئی حق نہ دے بلکہ بعض مہر یا نفقہ اس کو بطور ہبہ دے۔

قوله: فِيْ بَيَانِ مَا جُبِلَ: واؤ وَاُحْضِرَتِ میں معترضہ ہے۔

قوله: فَكَاَنَّهٗ: گویا یہ کلام بطور تشبیہ ہے۔

قوله: حَاضِرَتُهٗ: افعالِ متعدیہ جن کے دو مفعول ہوں۔ ان میں اول مفعول فاعل ہوتا ہے اور احضار انہیں افعال سے ہے۔

قوله: وَاسِعًا: یعنی اس کا فضل اپنی مخلوق پر وسیع ہے۔

قوله: بِمَعْنَى الْكُتُبِ: یعنی کتاب کا الف لام جنس کا ہے۔

قوله: بِاَنْ تُطِيْعُوْهُ: اس میں اشارہ ہے کہ خوف اطاعت کے ساتھ معتبر ہے، بلا طاعت والا نہیں۔

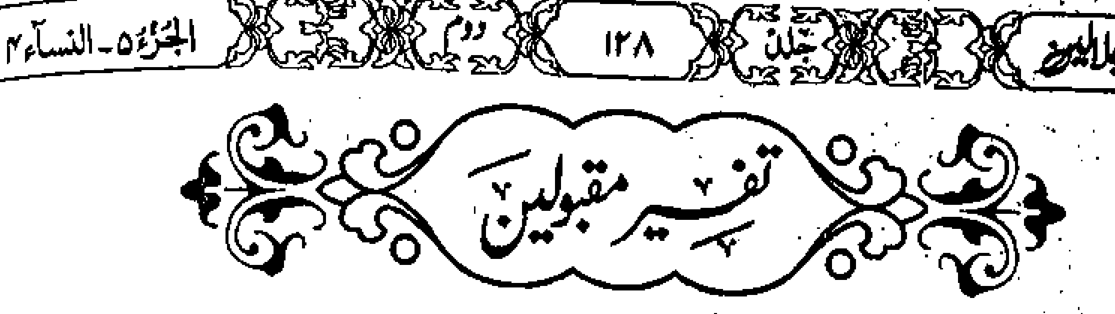
قوله: وَقُلْنَا لَهُمْ: وَقُلْنَا کو مقدر مانا اس میں اشارہ کیا کہ اِنْ تَكْفُرُوْا یہ وَصَّيْنَا پر معطوف ہے۔ اتَّقُوْا پر نہیں کیونکہ اَنْ مصدریہ جملہ شرطیہ پر نہیں آتا۔ فتدبر

قوله: بِاَنَّ مَا فِيْهِمَا لَهٗ: ان کا مرجع ارض وسماء ہیں اور وہ تمام کا مالک حقیقی ہے۔

قوله: بَدْلَكُمْ: انسانوں کے بدلے نہیں بلکہ مخاطبین کے بدلے دوسروں کو لانا مراد ہے۔

قوله: فَلِمَ يَطْلُبُ: جزاء محذوف ہے اور اس کی علّت مذکور ہے جو اس کے قائم مقام ہے۔

قوله: لَا يُوْجَدُ اِلَّا عِنْدَهٗ: ظرف کو حصر واختصاص کے لیے مقدم کیا۔



تفسیر مقبولین

وَیَسْتَفْتُوْنَكَ فِی النِّسَآءِ ....

ربط آیات: شروع سورت میں یتیموں اور عورتوں کے خاص احکام اوران کے حقوق ادا کرنے کا وجوب مذکور تھا، کیونکہ جاہلیت میں بعضے ان کو میراث ہی نہ دیتے تھے، بعضے جو مال میراث میں یا اور کسی طور سے ان کو ملتا اس کو ناجائز طور پر کھا جاتے بعضے ان سے نکاح کر کے ان کو مہر پورا نہ دیتے اوپر ان سب کی ممانعت کی گئی تھی، اس پر مختلف واقعات پیش آئے، بعض کو تو یہ خیال ہوا کہ عورتیں اور بچے فی نفسہ قابل میراث کے نہیں، کسی وقتی مصلحت سے یہ حکم چند لوگوں کے لئے ہو گیا ہے، امید ہے کہ منسوخ ہو جائے گا اور بعض اس کے منتظر رہے جب نسخ نہ ہوا تو یہ مشورہ ٹھہرا کہ خود حضور (ﷺ) سے پوچھنا چاہئے اور حاضر ہو کر پوچھا، ابن جریر اور ابن المنذر نے آیت کا سبب نزول اسی سوال کو نقل کیا ہے اور اس کے بعد کی آیتوں میں عورتوں سے متعلقہ چند اور مسائل بیان فرما دیئے گئے۔ (بیان القرآن)

یتیم بچوں اور بچیوں کے حقوق کی نگہداشت کرنے کا حکم

صحیح بخاری صفحہ ٦٦١ : ج ٢ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے بیان فرمایا کہ کسی کے پاس کوئی یتیم بچی ہوتی تھی وہ اس کا ولی بھی ہوتا تھا۔ (اور شریک میراث بھی کیونکہ اس یتیم بچی کو اور اس کے ولی کو کسی وفات پانے والے سے میراث ملی) اب یہ ولی نہ تو اسے اپنے نکاح میں لیتا تھا اور نہ کسی دوسرے مرد سے اس کا نکاح کرتا تھا کیونکہ یہ ڈر تھا کہ دوسرے سے نکاح کر دوں گا تو وہ بحق زوجیت اس کا مال لے جائے گا۔ لہٰذا یتیم بچی کو تنگ کرتا تھا اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ صاحب فتح الباری صفحہ ٢٦٥ : ج ٨ نے ابن ابی حاتم سے روایت نقل کی ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ کی ایک چچا زاد بہن تھی اس کا مال تھا جو اسے اپنے باپ کی میراث میں ملا تھا جابر کو اس سے اپنا نکاح کرنا منظور نہ تھا لیکن کسی دوسرے سے بھی اس ڈر سے کہ اس کا شوہر مال لے جائے گا نکاح کرنا نہیں چاہتے تھے۔ آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں یہ سوال پیش کیا گیا اس پر یہ آیت بالا نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ وہ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ ان کو فتویٰ دیتا ہے اور اس سے پہلے جو قرآن میں آیات نازل ہوئی ہیں وہ بھی ان کو فتویٰ دے رہی ہیں جو ان پر تلاوت کی جاتی ہیں۔ یہ فتویٰ یتیم عورتوں کے بارے میں ہے جس کو تم ان کا مقررہ حق نہیں دیتے (یعنی میراث میں جو مال انہیں ملا ہے وہ دینا نہیں چاہتے اور تم ان سے نکاح کرنے سے بے رغبت ہو)۔ اس طرح سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ ایسی کوئی صورت اختیار نہ کرو جس سے ان کو تکلیف ہو۔ اسی طرح ضعیف بچوں کے بارے میں بھی تمہارے اوپر آیات تلاوت کی جا رہی ہیں ان میں ان کے حقوق کی نگہداشت کی تعلیم دی گئی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ یتیم لڑکیوں اور ضعیف بچوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تمہارے لیے احکام موجود ہیں ان پر عمل کرو جن کو تم آپس میں پڑھتے اور سنتے رہتے ہو۔ اس آیت میں جن آیات کا حوالہ دیا گیا ہے وہ سورۃ نساء

کے شروع میں گزر چکی ہیں۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا۔۔۔۔

ازدواجی زندگی سے متعلق چند قرآنی ہدایات:

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا (الی قولہ) وَاسِعًا حَكِيْمًا۝ ان تینوں آیتوں میں حق تعالیٰ شانہ نے ازدواجی زندگی کے اس تلخ اور کٹھن پہلو کے متعلق ہدایات دی ہیں جو اس طویل زندگی کے مختلف ادوار میں ہر جوڑے کو کبھی نہ کبھی پیش آ ہی جاتا ہے، وہ ہے باہمی رنجش اور کشیدگی اور یہ ایسی چیز ہے کہ اس پر صحیح اصول کے ماتحت قابو پانے کی کشش نہ کی جائے تو نہ صرف زوجین کے لئے دنیا جہنم بن جاتی ہے، بلکہ بسا اوقات یہ گھریلو رنجش خاندانوں اور قبیلوں کی باہمی جنگ اور قتل وقتال تک نوبت پہنچا دیتی ہے قرآن عزیز مرد عورت دونوں کے تمام جذبات اور احساسات کو سامنے رکھ کر ہر فریق کو ایک ایسا نظام زندگی بتلانے کے لئے آیا ہے جس پر عمل کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان کا گھر دنیا ہی میں جنت بن جائے گا گھریلو تلخیاں محبت وراحت میں تبدیلی ہو جائیں گی، اور اگر ناگزیر حالات میں علیحدگی کی نوبت بھی آ جائے تو وہ بھی خوشگوار طریقہ خوش اسلوبی کے ساتھ ہو، قطع تعلق بھی ایسا ہو کہ عداوت دشمنی اور ایذاء رسانی کے جذبات پیچھے نہ چھوڑے۔

آیت نمبر: ۱۲۸، ایسے حالات سے متعلق ہے جس میں غیر اختیاری طور پر میاں بیوی کے تعلقات کشیدہ ہو جائیں، ہر فریق اپنی جگہ معذور سمجھا جائے اور باہمی تلخی کی وجہ سے اس کا اندیشہ ہو جائے کہ باہمی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہو جائے گی، جیسے ایک بیوی سے اس کے شوہر کا دل نہیں ملتا اور نہ ملنے کے اسباب رفع کرنا عورت کے اختیار میں نہیں، مثلاً عورت بدصورت یا سن رسیدہ بوڑھیا ہے، شوہر خوش رو ہے، تو ظاہر ہے کہ اس میں نہ عورت کا کوئی قصور ہے اور نہ مرد ہی کچھ مجرم کہا جا سکتا ہے۔

چنانچہ اس آیت کے شان نزول میں اسی طرح کے چند واقعات مظہری وغیرہ میں منقول ہیں، ایسے حالات میں مرد کے لئے تو ایک عام قانون قرآن کریم نے یہ بتلایا ہے کہ فامساک بمعروف او تسریح باحسان کہ اس عورت کو رکھنا ہو تو دستور کے مطابق اس کے پورے حقوق ادا کر کے رکھو اور اگر اس پر قدرت نہیں تو اس کو خوش اسلوبی سے آزاد کر دو، اب اگر عورت بھی آزاد ہونے کے لئے تیار ہے تو معاملہ صاف ہے کہ قطع تعلق بھی خوشگوار انداز میں ہو جائے گا، لیکن اگر ایسے حالات میں عورت کسی وجہ سے آزادی نہیں چاہتی خواہ اپنی اولاد کے مفاد کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ اس کا کوئی دوسرا سہارا نہیں تو یہاں ایک ہی راستہ ہے کہ شوہر کو کسی چیز پر راضی کیا جائے، مثلاً عورت اپنے تمام یا بعض حقوق کا مطالبہ چھوڑ دے اور شوہر یہ خیال کرے کہ بہت سے حقوق کے بارے میں تو سبکدوشی ہوتی ہے، بیوی مفت میں ملتی ہے اس پر صلح ہو جائے۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا: یعنی اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے لڑائی جھگڑے یا بے رخی کا خطرہ محسوس کرے تو دونوں میں سے کسی کو گناہ نہیں ہوگا اگر آپس میں خاص شرائط پر صلح کر لیں اور گناہ نہ ہونے کے عنوان سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ اس معاملہ کی صورت بظاہر رشوت کی سی ہے کہ شوہر کو مہر وغیرہ کی معافی کا لالچ دے کر ازدواجی زندگی کا تعلق باقی رکھا گیا ہے لیکن قرآن کے اس ارشاد نے واضح کر دیا کہ یہ رشوت میں داخل نہیں بلکہ مصلحت میں داخل ہے جس میں فریقین اپنے کچھ کچھ کا مطالبہ چھوڑ کر کسی درمیانی صورت میں رضامند

ہوجایا کرتے ہیں اور یہ جائز ہے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ....

امور غیر اختیاریہ پر مواخذہ نہیں:

ازدواجی زندگی کو خوشگوار اور پائیدار بنانے کے لئے قرآن عظیم نے مذکورہ آیات میں جو ہدایتیں فریقین کو دی ہیں ان آیات میں ایک آیت یہ ہے: وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ، جس میں فریقین کو ایک خاص ہدایت فرمائی وہ یہ کہ ایک مرد کے نکاح میں ایک سے زائد عورتیں ہوں تو قرآن کریم نے سورنساء کے شروع میں اس کو یہ ہدایت دی کہ سب بیویوں میں عدل و مساوات قائم رکھنا اس کے ذمہ فرض ہے اور جو خیال کرے کہ اس فرض کو میں ادا نہ کرسکوں گا تو اس کو چاہئے کہ ایک سے زائد بیبیاں نہ کرے، ارشاد ہے: فان خفتم الا تعدلوا فواحدة "یعنی اگر تم کو یہ خطرہ ہو کہ دو بیبیوں میں مساوات نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی پر اکتفا کرو۔"

اور رسول کریم (ﷺ) نے اپنے قول و عمل سے بیویوں میں عدل اور برابری کو نہایت تاکیدی حکم قرار دیا ہے اور اس کی خلاف ورزی پر سخت وعید سنائی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم (ﷺ) اپنی ازواج مطہرات میں برابری اور عدل کا پورا اہتمام فرمایا کرتے تھے اور ساتھ ہی بارگاہ جل شانہ میں عرض کیا کرتے تھے:

"یعنی اے اللہ: یہ میری منصفانہ تقسیم اور مساوات اس چیز میں ہے جو میرے اختیار میں ہے اس لئے جو چیز آپ کے اختیار میں ہے میرے اختیار میں نہیں، یعنی قلبی میلان اور رجحان اس میں مجھ سے مواخذہ نہ فرمایئے۔"

رسول کریم (ﷺ) سے زیادہ اپنے آپ پر قابو رکھنے والا کون ہوسکتا ہے؟ مگر قلبی میلان کو آپ نے بھی اپنے اختیار سے باہر قرار دیا اور اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عذر پیش کیا۔

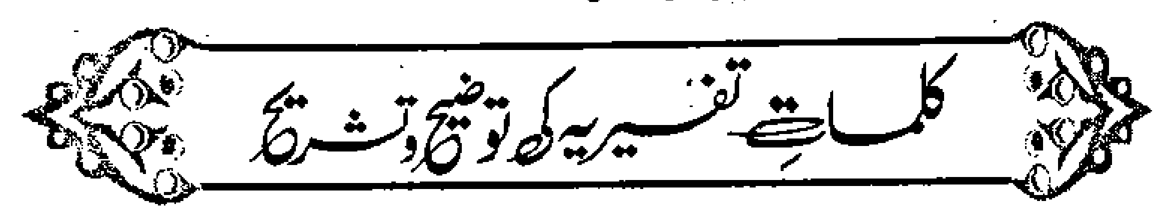
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ قائمين بِالْقِسْطِ بالعدل شُهَدَآءَ بالحق لِلّٰهِ وَلَوْ كانت الشهادة عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ فاشهدوا عليها بأن تقروا بالحق ولا تكتموه اَوِ على الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ المشهود عليه غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ منكم واعلم بمصالحهما فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى في شهادتكم بأن تحابوا الغني لرضاه او الفقير رحمة له اَنْ لا تَعْدِلُوْا ۚ تميلوا عن الحق وَاِنْ تَلْوٗٓا تحرفوا الشهادة وفي قراءة بحذف الواو الاولى تخفيفا اَوْ تُعْرِضُوْا عن ادائها فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۱۳۵ فيجازيكم به يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا داوموا على الايمان بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ محمد وهو القرآن وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ على الرسل

بِمَعْنَى الْكُتُبِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ فِي الْفِعْلَيْنِ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَ
الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ عَنِ الْحَقِّ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِمُوْسٰى وَهُمُ الْيَهُوْدُ ثُمَّ كَفَرُوْا
بِعِبَادَةِ الْعِجْلِ ثُمَّ اٰمَنُوْا بَعْدَهٗ ثُمَّ كَفَرُوْا بِعِيْسٰى ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا بِمُحَمَّدٍ لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ
مَا اَقَامُوْا عَلَيْهِ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ طَرِيْقًا اِلَى الْحَقِّ بَشِّرِ اَخْبِرْ يَا مُحَمَّدُ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ
عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳۸﴾ مُؤْلِمًا هُوَ عَذَابُ النَّارِ الَّذِيْنَ بَدَلٌ اَوْ نَعْتٌ لِّلْمُنَافِقِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ
دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِمَا يَتَوَهَّمُوْنَ فِيْهِمْ مِنَ الْقُوَّةِ اَيَبْتَغُوْنَ يَطْلُبُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ اَيْ
لَا يَجِدُوْنَهَا عِنْدَهُمْ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَا يَنَالُهَا اِلَّا اَوْلِيَاؤُهٗ وَقَدْ نَزَّلَ بِالْبِنَاءِ
لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ فِيْ سُوْرَةِ الْاَنْعَامِ اَنْ مُخَفَّفَةٌ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ اَنَّهٗ
اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ الْقُرْاٰنَ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ اَيِ الْكٰفِرِيْنَ وَ
الْمُسْتَهْزِءِيْنَ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا اِنْ قَعَدْتُمْ مَعَهُمْ مِّثْلُهُمْ فِي الْاِثْمِ اِنَّ
اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴿۱۴۰﴾ كَمَا اجْتَمَعُوْا فِي الدُّنْيَا عَلَى الْكُفْرِ وَالْاِسْتِهْزَاءِ
الَّذِيْنَ بَدَلٌ مِنَ الَّذِيْنَ قَبْلَهٗ يَتَرَبَّصُوْنَ يَنْتَظِرُوْنَ بِكُمْ الدَّوَائِرَ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ ظَفَرٌ وَّغَنِيْمَةٌ مِّنَ
اللّٰهِ قَالُوْٓا لَكُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ فِي الدِّيْنِ بِالْجِهَادِ فَاَعْطُوْنَا مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ
نَصِيْبٌ مِنَ الظَّفَرِ عَلَيْكُمْ قَالُوْٓا لَهُمْ اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ نَسْتَوْلِ عَلَيْكُمْ وَنَقْدِرْ عَلٰى اَخْذِكُمْ وَقَتْلِكُمْ
فَاَبْقَيْنَا عَلَيْكُمْ وَاَلَمْ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْ يَظْفَرُوْا بِكُمْ بِتَخْذِيْلِهِمْ وَمُرَاسَلَتِكُمْ بِاَخْبَارِهِمْ فَلَنَا
عَلَيْكُمُ الْمِنَّةُ قَالَ تَعَالٰى فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِاَنْ يُدْخِلَكُمُ الْجَنَّةَ وَيُدْخِلَهُمُ
النَّارَ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ طَرِيْقًا بِالْاِسْتِئْصَالِ ع ۲۰ / ۱۷

ترجمہ: اے ایمان والو ہو جاؤ انصاف پر خوب قائم رہنے والے جم جانے والے اور اللہ کے لیے حق کے ساتھ یعنی سچی گواہی دینے والے، شُهَدَآءَ غیر ثانی ہے كُوْنُوْا کی اور قَوّٰمِيْنَ خبر اول اگرچہ وہ گواہی خود تمہاری ذات کے خلاف ہو پس اپنی ذات کے خلاف گواہی بایں طور کہ حق کا اقرار کرو کہ ہاں فلاں شخص کا ہم پر یہ حق ہے اور اس کو چھپاؤ مت یا کہ والدین اور رشتہ

داروں کے خلاف ہو، اگر وہ شخص جس پر شہادت دی جا رہی ہے مالدار ہو یا محتاج اللہ تعالیٰ دونوں سے قریب تر ہیں بہ نسبت
تمہارے اور ان کے مصالح سے زیادہ واقف ہیں اس لیے گواہی میں حق بات سے نہ رکو پس تم خواہش نفس کی پیروی مت کرو
اپنی شہادت میں بایں طور کہ مالدار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو یا محتاج پر ترس کھانے
لگو کہ یہ اتباع ھوی ہے سو تم نفسانی خواہش کی پیروی مت کرو تا کہ تم انصاف سے عدل نہ کر سکو کہ حق سے ہٹ جاؤ اور اور تم کج
بیان کرو گے شہادت میں تحریف کرو گے یعنی غلط بیانی کرو گے اور ایک قراءت میں تَخْفِیْفًا پہلی واؤ کے حذف کے ساتھ یعنی
وَ اِنْ تَلْوٗٓا یا پہلو تہی کرو گے گواہی ادا کرنے میں تو بلاشبہ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ پوری خبر رکھتے ہیں چنانچہ تم کو اس کا بدلہ
دیں گے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اے ایمان والو! ایمان لاؤ ایمان پر جمے رہو اللہ پر اور اس کے رسول محمد ﷺ پر اور اس
کتاب پر جو نازل کی گئی ہے اللہ کے رسول محمد ﷺ پر مراد قرآن حکیم ہے اور ان کتابوں پر جو قرآن حکیم سے پہلے نازل کی گئی
تھیں اور پیغمبروں پر، الکتاب بمعنی الکتب ہے اور ایک قراءت میں دونوں فعل نزل اور انزل مبنی للفاعل یعنی معروف ہے
بصورت معروف معنی ہوگا اس کتاب پر جو نازل فرمائی ہے۔ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ الآیۃ اور جو شخص انکار کرے اللہ تعالیٰ اور ا
سکے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور روز قیامت کا انکار کرے تو وہ بیشک دور کی گمراہی میں جا پڑا حق سے،
یعنی حق سے اتنی دور جا پڑا کہ اب صحیح راستہ کی طرف لوٹنے کی امید نہیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الآیۃ بیشک جو لوگ ایمان لے
آئے موسیٰ پر، مراد یہود ہیں پھر کفر میں مبتلا ہوئے پھر کافر ہوئے عیسیٰ سے یعنی حضرت عیسیٰ کی نبوت کا انکار کر کے کافر ہوئے پھر
کفر میں بڑھتے چلے گئے حضرت محمد ﷺ سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہرگز نہ بخشیں گے جب تک یہ لوگ کفر پر قائم رہیں گے اور
نہ ان کو راستہ دکھائیں گے حق کا راستہ، خوشخبری سنا دیجئے اے محمد ﷺ خبر دید یجئے منافقوں کو کہ ان کے لیے دردناک عذاب
ہے تکلیف دہ عذاب مراد جہنم کا عذاب ہے الذین بدل ہے منافقین سے یا منافقین کی صفت ہے جو منافقین، مسلمانوں کو چھوڑ کر
کافروں کو ولی دوست بناتے ہیں اس وجہ سے کہ انہیں کافروں میں قوت کا خیال ہوتا ہے کیا وہ کافروں کے پاس عزت
ڈھونڈتے ہیں طلب کرتے ہیں۔ اَیَبْتَغُوْنَ میں ہمزہ استفہام انکاری ہے یعنی کافروں کے پاس عزت نہیں پائیں گے کیونکہ
ساری عزت اللہ ہی کے لیے ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ساری کی ساری عزت اللہ ہی کے پاس ہے اور اس کو اللہ والے
حاصل کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ نازل کر چکے ہیں معروف اور مجہول دونوں طرح ہے بصورت مجہول ترجمہ ہوگا " تمہارے پاس بھیجا
جا چکا ہے کتاب میں قرآن شریف کے سورۂ انعام میں: وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ الآیۃ یہ حکم
: اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ الآیۃ اَنْ مخففہ من المثقلہ ہے اور اسم اس کا محذوف ہے یعنی انہ ہے کہ جب تم سنو کسی مجمع میں کہ اللہ کی
آیات قرآن کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو تم ان کے ساتھ مت بیٹھو یعنی کافروں اور آیات کا استہزاء
کرنے والوں کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول نہ ہو جائیں کہ اس حالت میں اگر تم ان کے ساتھ بیٹھو
گے تو تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے گناہ میں یقیناً اللہ تعالیٰ منافقوں کو اور کافروں کو سب کو دوزخ میں جمع کر دیں گے جس طرح دنیا
میں کفر واستہزاء پر جمع تھے سابق اَلَّذِیْنَ بدل واقع ہو رہا ہے یا منافقین کی صفت ہے یعنی وہ منافقین ایسے ہیں کہ تمہارے

متعلق گردشوں کا انتظار کرتے ہیں یَتَرَبَّصُوْنَ بمعنی یَنْتَظِرُوْنَ ہے اور دوائر بمعنی شدائد و حوادث زمانہ ہے پھر اگر تم کو فتح جیت اور غنیمت اللہ کی طرف سے حاصل ہوتی ہے تو کہنے لگتے ہیں تم سے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے یعنی دین میں اور جہاد میں ہم بھی تمہارے ساتھ تھے لہٰذا ہم کو بھی غنیمت میں سے دو اور اگر کافروں کو کچھ حصہ مل گیا یعنی تمہارے مقابلہ میں فتح و غلبہ مل گیا تو کافروں سے کہنے لگتے کہ کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے یعنی ہم تم پر غلبہ پا رہے تھے اور تمہاری گرفتاری اور تمہارے قتل پر ہمیں قدرت تھی لیکن ہم نے تمہیں چھوڑ دیا اور ہم نے تمہیں مسلمانوں سے بچا لیا یعنی اس بات سے بچا لیا کہ تمہارے مقابلہ میں مسلمان کامیابی حاصل کریں اس طرح کہ ان کی مدد کرنی چھوڑ دی اور ان کی خبریں تمہارے پاس بذریعہ خط بھیجتے رہے اس لیے تم پر ہمارا احسان ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں: فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ الآیۃ پس اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دیں گے تمہارے درمیان اور منافقوں کے درمیان قیامت کے دن اس طرح کہ تم کو جنت میں داخل کریں گے اور ان کو دوزخ میں داخل کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ ہرگز نہیں دیں گے یعنی بیخ کنی کی راہ، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو ایسی راہ نہ دے گا کہ مسلمانوں کا استیصال یعنی بیخ کنی کر سکیں۔



قوله: قَوّٰمِيْنَ: قائم کرنے والے اور اس کے لیے کوشش کرنے والے۔

قوله: فَاشْهَدُوْا: جزاء محذوف ہے، اس پر ماقبل دلالت کرتا ہے۔

قوله: بِاَنْ تُقِرُّوْا بِالْحَقِّ: شہادت سے مراد حق کو بیان کرنا ہے۔ خواہ اس پر ہو یا دوسروں پر۔

قوله: بِهِمَا: ضمیر کا مرجع غنی اور فقیر ہے۔

قوله: مِنْكُمْ: مفضل علیہ مقدر ہے۔

قوله: لِاَنْ: لام کو مقدر مانا کیونکہ تَتَّبِعُوا نے اپنے مفعول اَلْهَوٰى کو لے لیا پس وہ دوسرے اپنے مفعول کی طرف متعدی نہ ہو سکے، سوائے حرف کے۔

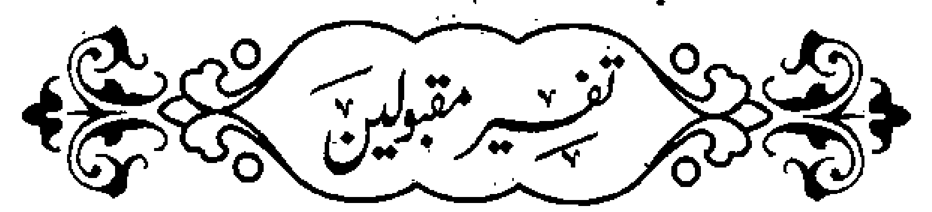
قوله: اَنْ لَا تَعْدِلُوْا: لا کو مقدر مانا کیونکہ حق سے عدول یہ تو نہی کی غرض نہیں کہ اس کا مفعول بننا درست ہو بلکہ غرض تو عدم عدول ہے۔

قوله: مَا اَقَامُوْا عَلَيْهِ: یعنی جب تک وہ کفر پر قائم ہیں، اس سے مقید کیا کیونکہ وہ اگر ایمان میں خالص ہوتے تو ان سے قبول کر لیا جاتا۔

قوله: اَخْبِرْ يَا مُحَمَّدُ: بشر کو اخبر کی جگہ لائے یا بطور تہکم ان کو ڈرایا۔

قوله: لِلْمُنَافِقِيْنَ: یہ منصوب علی الزم نہیں۔

قوله: نَزَّلَ: یہ معروف ومجہول پڑھا گیا ہے۔
قوله: اَنْ مُخَفَّفَةٌ: مصدر یہ اور مفسرہ نہیں۔
قوله: اَلَّذِیْنَ: یہ پہلے اَلَّذِیْنَ کا بدل ہے۔ذم نہیں۔
قوله: وَاَلَمْ نَمْنَعْكُمْ: کا عطف نَسْتَحْوِذْ پر ہے۔
قوله: اَنْ یَّظْفِرُوْابِكُمْ: یعنی کیا ہم نے تم کو مسلمانوں کے ضرر سے بچانہ لیا۔
قوله: بِالْاِسْتِیْصَالِ: کفار اگر کبھی غلبہ پالیں، آخرانجام مؤمنین کے لیے ہے۔



يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ....

سچی گواہی دینے اور انصاف پر قائم رہنے کا حکم:

لباب النقول صفحہ ۸۰ میں اس آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے بحوالہ ابن ابی حاتم مفسر سدی سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ دو شخصوں نے آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں اپنا مقدمہ پیش کیا ان میں ایک غنی تھا اور ایک فقیر تھا۔ آپ کا رجحان فقیر کی طرف ہوا کیونکہ خیال مبارک میں یہ آیا کہ فقیر غنی پر کیا ظلم کرے گا۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ انصاف کو قائم رکھا جائے۔

اصل چیز انصاف ہے وہی مطلوب ہے کسی کی بھی طرفداری کرنے سے انصاف باقی نہیں رہتا انصاف کرنے کے جو اصول ہیں یعنی گواہی اور قسم اسی کے مطابق فیصلے کیے جائیں البتہ گواہ سچے ہوں اس لیے جہاں یہ حکم دیا کہ انصاف پر قائم رہو وہاں یہ حکم بھی دیا کہ اللہ کے لیے گواہی دینے والے بنو۔ گواہ بھی جھوٹی گواہی نہ دیں اور کسی کی طرف داری نہ کریں۔ حق کو خوب اچھی طرح واضح کریں گواہی دینے میں غلط بیانی نہ کریں۔ جیسے زبان موڑ کر یا الفاظ کی ہیرا پھیری کر کے بعض گواہ گواہی دے جاتے ہیں۔ اس میں ظالم کی طرفداری ہو جاتی ہے یا حق واضح نہ ہونے سے حاکم فیصلہ دینے سے عاجز رہ جاتا ہے جس سے مظلوم کا حق مارا جاتا ہے اور گواہی دینے سے اعراض بھی نہ کرے کیونکہ جہاں کسی کا حق مارا جاتا ہو وہاں حق گواہی دینا واجب ہے اس واجب کی خلاف ورزی گناہ ہے۔ اسی کو فرمایا (وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا) اور سورۃ بقرہ کے آخری رکوع میں فرمایا: (وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا) اور فرمایا: (وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ)۔

مزید ارشاد فرمایا کہ اللہ کے لیے گواہی دو اور گواہی میں یہ نہ دیکھو کہ یہ کسی کے خلاف جائے گی اگر حق کہے گا وہی تمہاری اپنی جانوں کے خلاف ہو یا تمہارے والدین کے خلاف ہو یا رشتہ داروں کے خلاف ہو تب بھی صحیح اور حق گواہی دے دو۔ اگر تمہارا یا تمہارے عزیزوں کا کچھ نقصان ہوگا تو حقیر دنیا کا نقصان ہوگا حق قائم کرنے اور حق دلانے کے سامنے حقیر دنیا کے

نقصان کی کوئی حیثیت نہیں وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی کا کوئی حق اپنے ذمہ نکلتا ہو تو واضح طور پر اس کا اقرار کرنا لازم ہے گو یہ نفس کے خلاف گواہی ہے۔ نفس حق دینا نہیں چاہتا لیکن آخرت کی پیشی کو سامنے رکھ کر حقدار کا حق دے دینا لازم ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا....

یعنی ظاہر میں تو مسلمان ہوئے اور دل میں مذبذب رہے اور آخر کو بے یقین لائے ہی مر گئے ان کو نجات کا راستہ نہیں ملے گا وہ کافر ہیں۔ ظاہری مسلمانی کچھ کام نہ آئے گی۔ اس سے مراد منافقین ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہودیوں کی شان میں ہے کہ اول ایمان لائے پھر گوسالہ کی عبادت کر کے کافر ہو گئے، پھر توبہ کر کے مؤمن ہوئے، پھر عیسیٰ (علیہ السلام) سے منکر ہو کر کافر ہوئے۔ اس کے بعد رسول اللہ (ﷺ) کی رسالت کا انکار کر کے کفر میں ترقی کر گئے۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ....

عزت اللہ ہی سے طلب کرنی چاہئے:

دوسری آیت میں کافر و مشرکین کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے اور گھل مل کر رہنے کی ممانعت اور ایسا کرنے والوں کے لئے وعید مذکور ہے اور اس کے ساتھ ہی اس مرض میں مبتلا ہونے کی اصل منشاء اور سبب کو بیان کر کے اس کا لغو اور بیہودہ ہونا بھی بتلا دیا ہے ارشاد فرمایا: اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ یعنی کفار مشرکین کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے اور ان کے ساتھ ملنے کی غرض عموماً یہ ہوتی ہے کہ ان کی ظاہری عزت وقوت اور جتھے سے متاثر ہو کر یوں خیال کیا جاتا ہے کہ ان سے دوستی رکھی جائے تو ہمیں بھی ان سے عزت وقوت حاصل ہو جائے گی، حق تعالیٰ نے اس لغو خیال کی حقیقت اس طرح واضح فرمائی کہ تم ان کے ذریعہ عزت حاصل کرنا چاہتے ہو جن کے پاس خود عزت نہیں، عزت جس کے معنی ہیں قوت وغلبہ کے، وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے اور مخلوق میں سے جس کسی کو بھی کوئی قوت وغلبہ ملتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے، تو کس قدر بے عقلی ہوگی کہ عزت حاصل کرنے کے لئے اصل عزت کے مالک اور عزت دینے والے کو تو ناراض کیا جائے اور اس کے دشمنوں کے ذریعہ عزت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ....

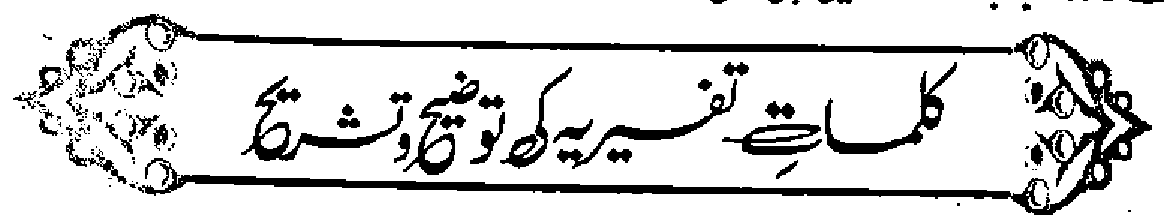
یعنی اے مسلمانو! خدا تعالیٰ پہلے قرآن شریف میں تم پر حکم بھیج چکا ہے کہ جس مجلس میں احکام خداوندی کا انکار اور تمسخر کیا جاتا ہو وہاں ہرگز نہ بیٹھو ورنہ تم بھی ویسے ہی سمجھے جاؤ گے البتہ جس وقت دوسری باتوں میں مشغول ہوں تو اس وقت ان کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت نہیں۔ منافقوں کی مجالس میں آیات واحکام الٰہی پر انکار و استہزاء ہوتا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور یہ جو فرمایا کہ حکم اتار چکا تم پر یہ اشارہ ہے آیت: (وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ) (الانعام: ۶۸) کی طرف جو پہلے نازل ہو چکی تھی۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوگیا کہ جو شخص مجلس میں اپنے دین پر طعنہ اور عیب سنے اور پھر انہی میں بیٹھا سنا کرے اگرچہ آپ کچھ نہ کہے وہ منافق ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ بِاِظْهَارِهِمْ خِلَافَ مَا اَبْطَنُوْهُ مِنَ الْكُفْرِ لِيَدْفَعُوْا عَنْهُمْ اَحْكَامَهُ الدُّنْيَوِيَّةَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ مُجَازِيْهِمْ عَلٰى خِدَاعِهِمْ فَيَفْتَضِحُوْنَ فِى الدُّنْيَا بِاِطِّلَاعِ اللّٰهِ نَبِيَّهُ عَلٰى مَا اَبْطَنُوْهُ وَ يُعَاقَبُوْنَ فِى الْاٰخِرَةِ وَ اِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ مُتَثَاقِلِيْنَ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ بِصَلَاتِهِمْ وَ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ يُصَلُّوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ رِيَاءً مُّذَبْذَبِيْنَ مُتَرَدِّدِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ الْكُفْرِ وَ الْاِيْمَانِ لَآ مَنْسُوْبِيْنَ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ اَىِ الْكُفَّارِ وَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ اَىِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ اِلَى الْهُدٰى يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ بِمُوَالَاتِهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ بُرْهَانًا بَيِّنًا عَلٰى نِفَاقِكُمْ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْمَكَانِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَهُوَ قَعْرُهَا وَ لَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ مَانِعًا مِنَ الْعَذَابِ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنَ النِّفَاقِ وَ اَصْلَحُوْا عَمَلَهُمْ وَ اعْتَصَمُوْا وَثِقُوْا بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ مِنَ الرِّيَاءِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فِيْمَا يُؤْتَوْنَهُ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ فِى الْاٰخِرَةِ هُوَ الْجَنَّةُ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ نِعَمَهُ وَ اٰمَنْتُمْ ؕ بِهٖ وَالْاِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى النَّفْيِ اَىْ لَا يُعَذِّبُكُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا لِاَعْمَالِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالْاِثَابَةِ عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾ بِخَلْقِهٖ

ترجمہ: بلاشبہ منافق لوگ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دے رہے ہیں جو کفر دلوں میں چھپا رکھا ہے زبان سے اس کے خلاف یعنی ایمان ظاہر کر کے تاکہ کفر کے دنیاوی احکام یعنی اسلامی جہاد کو اپنی ذات سے دور کریں۔ **وَ هُوَ خَادِعُهُمْ** ۚ حالانکہ اللہ تعالیٰ انہیں دھوکہ دے رہے ہیں یعنی ان کے دھوکہ بازی کی ان کو سزا دینے والے چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کی چھپی ہوئی بات یعنی کفر پر اپنے نبی کو مطلع فرما کر دنیا میں ان کو رسوا کریں گے اور آخرت میں سزا دیئے جائیں گے اور جب یہ منافقین نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں مسلمانوں کے ساتھ تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ یعنی ناگواری کے ساتھ بوجھل ہو کر محض لوگوں کو دکھاتے ہیں اپنی نماز اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے ہیں نماز نہیں پڑھتے مگر بہت ہی کم صرف دکھاوے کے لیے، مذبذب ہو رہے ہیں متردد ہو رہے ہیں اس کفر و ایمان کے درمیان نہ کافروں کی طرف منسوب ہیں اور نہ ان کی طرف یعنی نہ مسلمانوں کی طرف اور جس کو اللہ تعالیٰ

گمراہ کر دے تو اس کے لیے کوئی سبیل ہر گز نہ پاؤ گے ہدایت کی طرف۔ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (الآیۃ) اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کا صریح الزام اپنے اوپر ان سے دوستی کر کے قائم کر لو یعنی اپنے نفاق پر کھلی دلیل قائم کر لو اور بلا شبہ منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ گہرائی میں ہوں گے اور درک اسفل جہنم کی گہرائی ہے اور اے مخاطب تو ان منافقین کے لیے ہر گز کوئی مددگار نہ پائے گا جو ان کو عذاب سے بچالے مگر جو لوگ نفاق سے توبہ کر لیں اور اپنے عمل کی اصلاح کر لیں اور مضبوط پکڑ لیں اللہ کو یعنی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر لیں اور اپنے دین کو ریاء سے خالص اللہ کے لیے کر دیں تو یہ توبہ کرنے والے لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے اس چیز میں جو مومنوں کو عطا ہو گی اور عنقریب مومنوں کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائیں گے آخرت میں، مراد جنت ہے۔ مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ (الآیۃ) اللہ تعالیٰ تم کو سزا دے کر کیا کریں گے اگر تم نعمت خداوندی کے شکر گزار ہو جاؤ اور اللہ پر ایمان لے آؤ۔ مَا یَفْعَلُ کا استفہام بمعنی نفی ہے یعنی اللہ تعالیٰ تم کو عذاب نہیں دے گا اگر تم شکر گزاری کرو اور ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے اعمال کی بڑی قدر کرنے والے ہیں ثواب دے کر اور خوب جاننے والے ہیں اپنی مخلوق کو۔



قوله: مُتَثَاقِلِیْنَ: جیسے وہ شخص جو مجبور کیا جائے۔

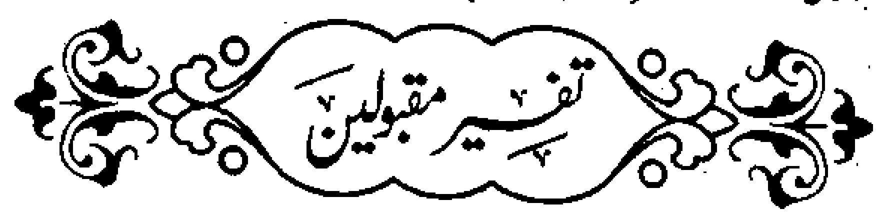
قوله: لَا مَنْسُوْبِیْنَ: جار اور مجرور محذوف سے متعلق ہے۔

قوله: اِلَی الْهُدٰی: مطلق راستہ مراد نہیں۔

قوله: الْمَکَانِ: مکان سے تفسیر کی تاکہ درک کی صفت بن سکے۔

قوله: وَالْاِسْتِفْهَامُ: یہ استفہام انکاری ہے۔

قوله: بِالْاِثَابَةِ: اللہ تعالیٰ کے شکر سے مراد ثواب دینا ہے۔



اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ

منافقوں کی چالبازی اور امور دینیہ میں کسل مندی کا تذکرہ اور مسلمانوں کو حکم کہ کافروں کو دوست نہ بنائیں:

ان آیات میں منافقین کے کردار پر مزید روشنی ڈالی ہے اور ان کا طور طریق بتایا ہے۔ پھر ان کا وہ مقام بتایا ہے جہاں اس دوزخ میں جانا ہے، پھر یہ بھی فرمایا کہ ان میں سے جو لوگ توبہ کر لیں اور اصلاح حال کر لیں اور اللہ پر پختہ بھروسہ کر لیں اور اللہ کے لیے اپنے دین کو خالص کر لیں تو یہ مومنین کے ساتھ ہوں گے جس کا مطلب یہ ہے کہ توبہ کی راہ ہر وقت کھلی ہوئی

ہے۔ شروع میں ارشاد فرمایا کہ منافقین اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور سورۃ بقرہ کے دوسرے رکوع میں فرمایا (یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) کہ وہ اللہ کو اور اہل ایمان کو دھوکہ دیتے ہیں۔ (مسلمانوں سے) جھوٹ کہہ دیتے ہیں کہ ہم مؤمن ہیں اندر سے مؤمن نہیں ہیں اور پھر انہیں نعمتوں اور برکتوں کے آرزومند ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ گویا ان کا عقیدہ اور ان کا ایمان سے منحرف ہونا اللہ کو معلوم ہی نہیں۔

پھر فرمایا (وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ۚ) اللہ ان کے دھوکے کی ان کو سزا دینے والا ہے لفظ (وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ۚ) علی سبیل المشاکلہ فرمایا ہے۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ بعض حضرات نے وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ۚ کو اس صورت حال پر محمول کیا ہے جو قیامت کے دن ان کے سامنے آئے گی اور وہ یہ کہ روشنی میں مسلمانوں کے ساتھ چلتے رہیں گے۔ پھر وہ روشنی سلب کر لی جائے گی اور منافقین کے اور اہل ایمان کے درمیان دیوار لگا دی جائے گی۔

منافقین کی دھوکہ دہی کے تذکرہ کے بعد ان کی نماز کا حال بیان فرمایا۔ اور فرمایا: وَ اِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ اور جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کسل مندی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں) جس کی وجہ یہ ہے کہ دل میں ایمان نہیں ہے۔ پھر نماز کی کیا اہمیت ہوتی۔ لیکن چونکہ ظاہراً یہ کہہ چکے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اس لیے ظاہر داری کے طور پر نماز بھی پڑھ لیتے ہیں اور چونکہ نماز کی اہمیت اور ضرورت ان کے دلوں میں اتری ہوئی نہیں ہے اس لیے سستی کے ساتھ کسلاتے ہوئے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ مؤمن ہوتے تو اچھی نماز پڑھتے اور اللہ کو راضی کرنے کی فکر کرتے لیکن وہاں تو مسلمانوں کو دکھانا مقصود ہے کہ ہم تمہاری طرح سے نمازی ہیں تاکہ اسلام سے جو ظاہری دنیاوی منافع ہیں ان سے محروم نہ ہوں۔ اللہ سے ثواب لینا مقصود ہو تو اچھی نماز پڑھیں۔ دکھاوے کے لیے جو عمل کیا جائے وہ اور طرح کا ہوتا ہے اس میں خوبی اور عمدگی اختیار نہیں کی جاتی۔

ان کی اسی ریاکاری کو بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۴۲﴾ (کہ وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا سا) صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں یعنی محض صورت نماز کی بنا لیتے ہیں جس میں نماز کا نام ہو جائے اور عجب نہیں کہ اٹھنا بیٹھنا ہی ہوتا ہو۔ کیونکہ جہر کی ضرورت تو بعض نمازوں میں امام کو ہوتی ہے امامت تو ان کو کہاں نصیب ہوتی مقتدی ہونے کی حالت میں اگر کوئی بالکل نہ پڑھے فقط لب ہلاتا رہے تو کسی کو کیا خبر ہو تو ایسے بد اعتقادوں سے کیا بعید ہے کہ زبان بھی نہ ہلتی ہو۔

پھر مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ (مؤمنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ) کافر منافق ہوں یا دوسرے عام کافر ہوں ان کو دوست بنانا اور اہل ایمان کو چھوڑ دینا منافقوں کا طریقہ ہے تم اسے اختیار نہ کرو۔ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿۱۴۴﴾ (کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی حجت صریحہ قائم کر لو) یعنی اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے منع فرمایا ہے اس چیز کو اختیار کر کے اپنے کو مجرم اور مستحق عذاب بنانے کے لیے اپنے عمل سے اپنے اوپر کیوں حجت قائم کرتے ہو۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا....

پھر فرمایا (اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا) کہ وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جنہوں نے نفاق سے توبہ کی (وَ اَصْلَحُوْا) اور اپنی نیتوں کو درست کرلیا اور نفاق کی حالت میں جو بگاڑ کیا تھا اس کو درست کر دیا (وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ) اور اللہ پر مضبوط بھروسہ رکھا (یعنی اپنی تدبیروں پر اور کافروں سے تعلق رکھنے پر جو بھروسہ تھا اس کو چھوڑا اور اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کیا اور توکل اختیار کیا) (وَ اَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ) اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کیا (یعنی اسلام کو سچے دل سے قبول کیا جس سے صرف اللہ کی رضا مقصود ہو لوگوں کو دکھانا مقصود نہ ہو اور یہ غرض سامنے نہ ہو کہ مسلمانوں کے سامنے اظہار اسلام کر کے مسلمانوں سے منافع حاصل کرتے رہیں گے اور ان سے جو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے اس سے بچتے رہیں گے) ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا: (فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ) کہ یہ لوگ مخلص مؤمنین کے ساتھ جنت کے بلند درجات میں ہوں گے۔ (وَ سَوْفَ یُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۱۴۶﴾) (عنقریب اللہ مؤمنین کو اجر عظیم عطا فرمائے گا)۔

یعنی اللہ تعالیٰ نیک کاموں کا قدرداں ہے اور بندوں کی سب باتوں کو خوب جانتا ہے۔ سو جو شخص اس کے حکم کو ممنونیت اور شکر گزاری کے ساتھ تسلیم کرتا ہے اور اس پر یقین رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ عادل رحیم کو ایسے شخص پر عذاب کرنے سے کوئی تعلق نہیں یعنی ایسے شخص کو ہرگز عذاب نہ دے گا وہ تو سرکش اور نافرمانوں کو عذاب دیتا ہے۔

لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ مِنْ اَحَدٍ اَیْ یُعَاقِبُ عَلَیْهِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ فَلَا یُؤَاخِذُهُ بِالْجَهْرِ
بِهٖ بِاَنْ یُخْبِرَ عَنْ ظُلْمِ ظَالِمِهٖ وَیَدْعُوْ عَلَیْهِ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا لِمَا یُقَالُ عَلِیْمًا ﴿۱۴۸﴾ بِمَا یُفْعَلُ اِنْ تُبْدُوْا
تُظْهِرُوْا خَیْرًا مِنْ اَعْمَالِ الْبِرِّ اَوْ تُخْفُوْهُ تَعْمَلُوْهُ سِرًّا اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ ظُلْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا
قَدِیْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ بِاَنْ یُؤْمِنُوْا بِهٖ
دُوْنَهُمْ وَ یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ مِنَ الرُّسُلِ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ مِنْهُمْ وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ
الْكُفْرِ وَالْاِیْمَانِ سَبِیْلًا ﴿۱۵۰﴾ طَرِیْقًا یَذْهَبُوْنَ اِلَیْهِ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ لِمَضْمُوْنِ
الْجُمْلَةِ قَبْلَهٗ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۱۵۱﴾ ذَا اِهَانَةٍ هُوَ عَذَابُ النَّارِ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ
كُلِّهِمْ وَ لَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓىِٕكَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ بِالنُّوْنِ وَالْیَاءِ اُجُوْرَهُمْ ؕ ثَوَابَ اَعْمَالِهِمْ
وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا لِاَوْلِیَائِهٖ رَّحِیْمًا ﴿۱۵۲﴾ ع بِاَهْلِ طَاعَتِهٖ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتے (کسی کے لیے یعنی اس پر سزا دیں گے بجز مظلوم کے (یعنی مظلوم کو رخصت ہے کہ اپنے ظلم وستم کا اظہار کرے۔ پس اس کے برملا اظہار وافشاء پر مواخذہ نہیں ہوگا اس صورت میں کہ وہ مظلوم اپنے ظالم کے ظلم کو بیان کرے اور اس پر بددعا کرے) اور اللہ تعالیٰ سننے والے ہیں (جو کچھ کہی جائے) اور جاننے والے ہیں جو کچھ کیا جائے۔ اِنْ تُبْدُوْا اگر تم کوئی کام علانیہ کرو (تُبْدُوْا بمعنی تُظْهِرُوْا ہے ظاہر کرو، علانیہ کرو۔ خیر سے مراد نیک کام طاعت وفرمانبرداری ہے اسی کی طرف مفسر سیوطی نے اشارہ کیا ہے من اعمال البر سے یعنی اعمال مثلاً نماز، صدقہ وغیرہ میں سے کوئی نیک عمل کھلم کھلا کرو اَوْ تُخْفُوْهُ یا اس کو خفیہ کرو پوشیدہ طور پر، چھپا کر اس کو کرو اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ یا کسی کی برائی یعنی ظلم سے درگزر کرو یعنی معاف کردو تو زیادہ افضل ہے فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا اس لیے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے پوری قدرت والے ہیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ تحقیق جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق رکھیں، اس طرح کہ اللہ پر تو ایمان لاتے ہیں اور رسولوں کا انکار کرتے ہیں۔ وَ یَقُوْلُوْنَ اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں ان رسولوں میں سے اور بعض کا انکار کرتے ہیں ان رسولوں میں سے۔ وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا اور چاہتے ہیں کہ اختیار کرلیں اس (کفر وایمان) کے درمیان ایک راہ ایسا طریقہ جس کی طرف چل سکیں ایسے ہی لوگ پکے کافر ہیں۔ حَقًّا ۚ مصدر ہے ماقبل کے مضمون جملہ کی تاکید کے لیے یعنی عامل حذوف ہے احقہ، حقا، وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ اور کافروں کے لیے ہم نے ذلیل

کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے ذلیل کن عذاب سے مراد جہنم کا عذاب ہے وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے سب رسولوں پر اور ان رسولوں میں سے کسی ایک میں ایمان لانے کے اعتبار سے فرق نہیں کیا، ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ضرور ان کا ثواب یعنی ان کے اعمال کا ثواب دیں گے۔ يُؤْتِيْهِمْ میں ایک قراءت نون کے ساتھ ہے یعنی ہم ان کا ثواب دیں گے، اس صورت میں غیبت سے تکلم کی طرف التفات ہوگا، دوسری قراءت یا کے ساتھ ہے جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے وَ كَانَ اللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے ہیں اپنے دوستوں کو مہربانی کرنے والے ہیں اپنے فرمانبرداروں پر۔

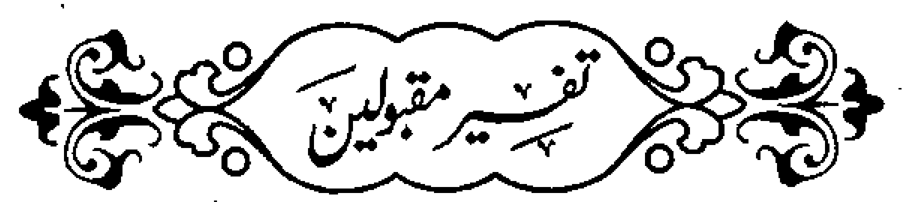
کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: مِنْ اَحَدٍ: مستثنیٰ منہ مقدر۔

قوله: فَلَا يُؤَاخِذُهُ بِالْجَهْرِ: اس سے اشارہ کیا کہ مَنْ یہ حذف مضاف کے ساتھ ہے۔ ای الا جهر من ظلم

قوله: طَرِيْقًا يَذْهَبُوْنَ اِلَيْهِ: یعنی کفر و ایمان کے مابین راستہ حالانکہ ان کے مابین کوئی راہ واسطے والا نہیں۔

قوله: مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ: یہ مصدر ہے اور دوسرے کی تاکید ہے اور وہ مضمون جملہ ہے کیونکہ وہ خبر کی حیثیت سے ناحق کا احتمال رکھتا ہے۔



لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ۝

اللہ تعالیٰ بری بات کے ظاہر کرنے کو پسند نہیں فرماتا:

بری بات کا بیان کرنا۔ پھیلانا اور تجھ مجھ سے کہتے ہوئے پھرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی پر کوئی ظلم ہوا ہو تو وہ اپنی مظلومیت ظاہر کرنے کے لیے ظالم کا ظلم اور زیادتی بتائے تو یہ جائز ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی مدد بھی ہو جائے گی اور خود ظالم کو بھی اپنی زیادتی اور بدنامی کا احساس ہوگا جس کی وجہ سے وہ ظلم سے باز آ جائے گا، مفسر ابن کثیرؒ نے اس آیت کے ذیل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ میرا ایک پڑوسی ہے جو مجھے تکلیف دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا تو اپنا سامان نکال کر راستے میں رکھ دے چنانچہ اس شخص نے ایسا کیا اب ہر شخص جو وہاں سے گزرتا تھا پوچھتا تھا کہ کیا بات ہے (تم نے سامان یہاں کیوں ڈالا) وہ کہتا تھا میرا پڑوسی مجھے تکلیف دیتا ہے اس پر گزرنے والے اس کے پڑوسی پر لعنت بھیجتے تھے اور اس کی رسوائی کے

لیے بدُعا کرتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا پڑوسی آیا اور کہنے لگا کہ تم اپنے گھر واپس چلے جاؤ اللہ کی قسم میں تمہیں کبھی تکلیف نہ پہنچاؤں گا۔

آیت کے عموم میں یہ سب باتیں شامل ہیں کہ کسی کی غیبت کی جائے کسی پر بہتان باندھا جائے کسی کے عیب اور گناہ کو مجھ سے بیان کیا جائے یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ اگر کسی کا عیب اور گناہ معلوم ہو جائے تو اس کی پردہ پوشی کرے نہ یہ کہ اسے اڑائے اور ادھر ادھر پہنچائے۔ بہت سے لوگوں کو غیبت کرنے اور دوسروں کی پردہ دری کرنے اور گناہوں کو مشہور کرنے اور ادھر ادھر لیے پھرنے کا ذوق ہوتا ہے ایسے لوگ اپنی بربادی کرتے ہیں اور آخرت میں اپنے لیے عذاب تیار کرتے ہیں۔ اگر کسی شخص سے کوئی زیادتی ہو جائے اوّل تو بہتر یہ ہے کہ اسے معاف کردے اور اگر معاف کرنے کی ہمت نہیں ہے تو بدلہ لے سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ مظلومیت کا بدلہ بقدر مظلومیت ہی لیا جا سکتا ہے۔ اگر بدلہ لینے والے نے زیادتی کردی تو اب وہ ظالم ہو جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپس میں گالی گلوچ کرنے والے جو کچھ کہیں ان سب کا گناہ اس پر ہے جس نے گالی گلوچ شروع کی تھی جب تک کہ مظلوم زیادتی نہ کرے (رواہ مسلم صفحہ ۳۲۱: ج ۲) جب مظلوم نے زیادتی کردی تو وہ بھی گنہگار ہوگا جتنے بدلے کی اجازت تھی وہ اس سے آگے بڑھ گیا۔

پہلی آیت کے ختم پر فرمایا: كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿١٤٨﴾ (اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے) جو بھی کوئی شخص بری بات کو پھیلائے گا اچھے برے کلمات کہے گا اس کی باتیں اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور جو بھی کوئی شخص کسی پر ابتداء یا جواباً ظلم اور زیادتی کر دے اللہ تعالیٰ شانہ کو اس کا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ سب کے درمیان فیصلے فرمادے گا۔ ظالم کو سزا دے گا اگر مظلوم نے معاف نہ کیا۔

يَسْـَٔلُكَ يَا مُحَمَّدُ اَهْلُ الْكِتٰبِ الْيَهُوْدُ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ جُمْلَةً كَمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُوْسٰى تَعَنُّتًا فَاِنِ اسْتَكْبَرْتَ ذٰلِكَ فَقَدْ سَاَلُوْا اَىْ اٰبَاؤُهُمْ مُوْسٰٓى اَكْبَرَ اَعْظَمَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً عِيَانًا فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ اَلْمَوْتُ عِقَابًا لَهُمْ بِظُلْمِهِمْ ۚ حَيْثُ تَعَنَّتُوْا فِى السُّؤَالِ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ اِلٰهًا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ اَلْمُعْجِزَاتُ عَلٰى وَحْدَانِيَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ ولم نَسْتَاصِلْهُمْ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿١٥٣﴾ تَسَلُّطًا بَيِّنًا ظَاهِرًا عَلَيْهِمْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ بِقَتْلِ اَنْفُسِهِمْ تَوْبَةً فَاَطَاعُوْهُ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ اَلْجَبَلَ بِمِيْثَاقِهِمْ بِسَبَبِ اَخْذِ الْمِيْثَاقِ عَلَيْهِمْ لِيَخَافُوْا فَيَقْبَلُوْهُ وَقُلْنَا لَهُمْ وَهُوَ مُظِلٌّ عَلَيْهِم ادْخُلُوا الْبَابَ بَابَ الْقَرْيَةِ سُجَّدًا سُجُوْدَ انْحِنَاءٍ وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا وَفِىْ

قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الْعَيْنِ وَتَشْدِيْدِ الدَّالِ وَفِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الدَّالِ اَيْ لَا تَعْتَدُوْا فِي السَّبْتِ بِاصْطِيَادِ
الْحِيْتَانِ فِيْهِ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ عَلٰى ذٰلِكَ فَنَقَضُوْهُ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مَا زَائِدَةٌ وَالْبَاءُ لِلسَّبَبِيَّةِ
مُتَعَلِّقَةٌ بِمَحْذُوْفٍ اَيْ لَعَنَاهُمْ بِسَبَبِ نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَ كُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ قَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ
بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ قَوْلِهِمْ لِلنَّبِيِّ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ لَا تَعِيْ كَلَامَكَ بَلْ طَبَعَ خَتَمَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا تَعِيْ
وَعْظًا فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ مِنْهُمْ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِهٖ وَّ بِكُفْرِهِمْ ثَانِيًا بِعِيْسٰى
وَكَرَّرَ الْبَاءَ لِلْفَصْلِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَا عُطِفَ عَلَيْهِ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ حَيْثُ رَمَوْهَا بِالزِّنَا
وَّ قَوْلِهِمْ مُفْتَخِرِيْنَ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ فِيْ زَعْمِهِ اَيْ بِمَجْمُوْعِ ذٰلِكَ
عَذَّبْنَاهُمْ قَالَ تَعَالٰى تَكْذِيْبًا لَهُمْ فِيْ قَتْلِهٖ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ الْمَقْتُوْلُ
وَالْمَصْلُوْبُ وَهُوَ صَاحِبُهُمْ بِعِيْسٰى اَيْ اَلْقَى اللّٰهُ عَلَيْهِ شِبْهَهٗ فَظَنُّوْهُ اِيَّاهُ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ اَيْ فِيْ
عِيْسٰى لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مِنْ قَتْلِهٖ حَيْثُ قَالَ بَعْضُهُمْ لَمَّا رَاَوُا الْمَقْتُوْلَ الْوَجْهُ وَجْهُ عِيْسٰى وَالْجَسَدُ لَيْسَ
بِجَسَدِهٖ فَلَيْسَ بِهٖ وَقَالَ اٰخَرُوْنَ بَلْ هُوَ هُوَ مَا لَهُمْ بِهٖ بِقَتْلِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ اِسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ
اَيْ لٰكِنْ يَتَّبِعُوْنَ فِيْهِ الظَّنَّ الَّذِيْ تَخَيَّلُوْهُ وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ لِنَفْيِ الْقَتْلِ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ
اِلَيْهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا فِيْ مُلْكِهٖ حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ فِيْ صُنْعِهٖ وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اَحَدٌ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ
بِعِيْسٰى قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ اَيِ الْكِتَابِيِّ حِيْنَ يُعَايِنُ مَلٰئِكَةَ الْمَوْتِ فَلَا يَنْفَعُهٗ اِيْمَانُهٗ اَوْ قَبْلَ مَوْتِ عِيْسٰى لَمَّا
يَنْزِلُ قُرْبَ السَّاعَةِ كَمَا وَرَدَ فِيْ حَدِيْثٍ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عِيْسٰى عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾ بِمَا فَعَلُوْهُ
لَمَّا بُعِثَ اِلَيْهِمْ فَبِظُلْمٍ اَيْ بِسَبَبِ ظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا هُمُ الْيَهُوْدُ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ
هِيَ الَّتِيْ فِيْ قَوْلِهٖ حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ الْاٰيَةُ وَ بِصَدِّهِمُ النَّاسَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دِيْنِهٖ صَدًّا كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّ
اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ فِي التَّوْرٰةِ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ بِالرُّشٰى فِي الْحُكْمِ وَ
اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾ مُؤْلِمًا لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ الثَّابِتُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ كَعَبْدِ اللّٰهِ

بْنِ سَلَامٍ وَالْمُؤْمِنُوْنَ الْمُهَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ مِنَ الْكُتُبِ وَ

الْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ نَصْبٌ عَلَى الْمَدْحِ وَقُرِئَ بِالرَّفْعِ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

ع ۲۲ ۲ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾ هُوَ الْجَنَّةُ

ترجمہ: اے محمد ﷺ آپ سے اہل کتاب یعنی یہود درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان پر ایک کتاب آسمان سے اتار لادیں یعنی پوری کتاب جیسے موسیٰ پر نازل کی گئی تھی یعنی توریت۔ آپ سے سوال کرتے ہیں بوجہ سرکشی وعناد کے تَعَنُّتًا مفعول لہ ہے یعنی اس سوال کا سبب تعنت وعناد، سرکشی ومخالفت ہے فَاِنِ اسْتَكْبَرْتَ ذٰلِكَ یعنی اگر آپ ﷺ نے یہود کے اس سوال کو بڑا اور عظیم سمجھا ہے تو فَقَدْ سَاَلُوْا اَیْ اٰبَاؤُهُمْ اَكْبَرَ تو یہ لوگ (یعنی ان کے آباء واجداد) موسیٰ سے اس سے بڑی بات کا سوال کر چکے ہیں۔ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً چنانچہ انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کو دکھلا دو کھلم کھلا (بلا حجاب) پس پکڑ لیا ان کو بجلی نے (یعنی ان کو سزا دینے کے لیے موت نے آ پکڑا) ان کے ظلم کی وجہ سے، کیونکہ ان لوگوں نے سوال میں سرکشی کی تھی۔ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ پھر ان لوگوں نے بچھڑے کو (معبود) بنا لیا بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح دلائل آ چکے تھے (یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر واضح معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت پہنچ چکے تھے ان میں سے عصا، ید بیضا اور غرق فرعون تک بہتوں کا مشاہدہ ہو چکنے کے باوجود بچھڑے کو معبود بنا لیا) فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ پھر ہم نے اس سے درگزر کی (یعنی جب انہوں نے حسب ہدایت توبہ کی تو ہم نے ان کا قصور معاف کر دیا جیسا کہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے ولم نستاصلهم اور ان کی مکمل بیخ کنی نہیں کی (پوری قوم کو بالکلیہ ناپید نہیں کیا بلکہ قتل موقوف کر دینے کا حکم نازل کر دیا وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو غلبہ دیا تھا (یعنی کھلا ہوا تسلط دیا تھا جو ان پر چھایا ہوا تھا چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو حکم دیا توبہ میں اپنی جانوں کے قتل کرنے کا تو ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کی، وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ اور ہم نے ان کے اوپر طور (پہاڑ) کو اٹھا کر معلق کر دیا تھا ان سے پختہ عہد لینے کے لیے (یعنی کوہ طور کا اٹھانا ان کے سروں پر عہد و پیمان کے لیے تھا تاکہ ڈر کر اس کو قبول کر لیں۔ وَقُلْنَا لَهُمُ اور ہم نے ان سے کہا (درانحالیکہ طور پہاڑ ان کے سروں پر سایہ فگن تھا) ادْخُلُوا الْبَابَ داخل ہو دروازہ میں (یعنی اس قریہ کے دروازہ میں) سجدہ کرتے ہوئے (یعنی نیازمندی سے سر جھکاتے ہوئے، مفسر علام ؒ نے تفسیر کے ذریعہ وضاحت کر دی کہ یہاں سجدہ سے مراد پیشانی رکھ کر سجدہ کرنا نہیں ہے بلکہ صرف تواضع ونیازمندی سے جھکتے ہوئے داخل ہونا ہے) وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا اور ہم نے ان کو حکم دیا تھا اور ہم نے ان کو حکم دیا تھا کہ زیادتی مت کرو (ایک قراءت میں فتح عین اور تشدید دال کے ساتھ لَا تَعَدُّوْا ہے اس صورت میں دراصل لَا تَعْتَدُوْا تھا تا کو دال سے بدل کر دال میں ادغام کر دیا سنیچر کے دن میں (یعنی سنیچر کے دن مچھلیوں کا شکار کر کے حکم خداوندی سے تجاوز مت کرو) وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ اور ہم نے ان سے پختہ عہد لے لیا (اس بات پر

بھی انہوں نے اس کو توڑ دیا) فَبِمَا نَقْضِهِمْ سو ہم نے ان کے اپنے پختہ عہد و پیمان توڑنے کی وجہ سے) میں لفظ مازائدہ ہے جو مضمون کلام کو پختہ کرنے کے لیے لایا گیا ہے اور با سببیہ ہے اور تعلق اسکا فعل محذوف سے ہے اَیْ لَعَنَّاهُمْ بِسَبَبِ مِّيْثَاقَهُمْ یعنی ہم نے ان کے لیے اپنے پختہ عہد و پیمان کو توڑنے کی وجہ سے ان پر لعنت کی اور یہ حذف فعل بقرینہ سورہ مائدہ کی آیت کے ہے فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ (پ۶ ع ۷)،، وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اور اللہ کی آیتوں کو نہ ماننے کی وجہ سے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرنے کی وجہ سے (جیسا کہ انہوں نے حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کو ناحق قتل کیا اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے (نبی اکرم ﷺ سے) کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں (آپ کے کلام کو قبول نہیں کرتے یعنی س طرح باہر کی چیز کا اثر پردہ کے اندر نہیں پہنچتا اسی طرح اے محمد ﷺ آپ کی باتوں کا اثر ہمارے دلوں تک نہیں پہنچتا، ان کا مقصود یہ ہوتا تھا کہ ہم اپنے مذہب پر پختہ ہیں آپ کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا، بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ لکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر بند لگا دیا ہے (مہر لگا دی ہے اس لیے کوئی نصیحت اثر نہیں کرتی، سو وہ ایمان نہیں لاتے مگر قدرے قلیل (ان میں سے تھوڑے لوگ جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے رفقاء رضی اللہ عنہم) بِكُفْرِهِمْ اور ان کے کفر کرنے کی وجہ سے (یعنی ہم نے ان پر لعنت کی دوسری مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کرنے کی وجہ سے، اور اس کا عطف ہے كُفْرِهِمْ پر یا نَقْضِهِمْ اور با کو مکرر لایا گیا ہے چوں کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فصل بالاجنبی بَلْ طَبَعَ خَتَمَ اللّٰهُ عَلَيْهَا۔ کی وجہ سے فصل ہو گیا تھا) وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ اور مریم اور مریم پر عظیم بہتان لگانے کی وجہ سے (کیونکہ ان یہودیوں نے حضرت مریم پر زنا کی تہمت لگائی) وَّقَوْلِهِمْ اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے (فخر کرتے ہوئے) کہ ہم نے قتل کر دیا مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو فِيْ زَعْمِهٖ اپنے خیال میں یہ متعلق اِنَّا قَتَلْنَا کے ہے یعنی یہود اپنے خیال میں جانتے تھے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ رسول اللہ کو قتل کر دیا حالانکہ اصل حقیقت اس کے خلاف ہے جیسا کہ آرہا ہے اَیْ بِمَجْمُوْعِ ذٰلِكَ عَذَّبْنَاهُمْ یعنی ان تمام وجوہ مذکورہ کی وجہ سے ہم نے ان کو عذاب میں مبتلا کیا۔ اللہ تعالیٰ قتل عیسیٰ علیہ السلام کے سلسلے میں ان لوگوں کی تکذیب کرتے ہوئے فرماتے ہیں وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ اور ان لوگوں نے (یعنی یہود نے) عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا (یعنی ایک دوسرے شخص کو عیسیٰ کے مشابہ اور ہم شکل بنا دیا گیا۔ اَلْمَقْتُوْلُ وَالْمَصْلُوْبُ مفسر علام سیوطی اس عبارت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ شُبِّهَ نائب فاعل ضمیر مستتر ہے جو شخص مقتول ومصلوب کی طرف راجع ہے، مطلب یہ ہے کہ بظاہر جو قتل اور صلب پیش آیا ہے اس کا عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق ایک دوسرے شخص سے ہے جو منجانب اللہ ان کے ہم شکل بنا دیا گیا اسی کو مفسر علام رحمۃ اللہ فرماتے ہیں، اَلْمَقْتُوْلُ وَالْمَصْلُوْبُ وَهُوَ صَاحِبُهُمْ بِعِيْسٰى وہ شخص جو مصلوب ومقتول ہوا وہ ان ہی کا ساتھی مفسد تھی وہ عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل ہو گیا تھا، مفسر کا قول بِعِيْسٰى، شُبِّهَ کے متعلق ہے اَیْ اَلْقَى اللّٰهُ عَلَيْهِ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس مفسد ساتھی پر عیسیٰ علیہ السلام کی شباہت ڈال دی پس یہود نے اس کو عیسیٰ علیہ السلام سمجھ لیا اور قتل کر کے سولی پر چڑھا دیا) وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا اور بلاشبہ جن لوگوں نے ان کے (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے) بارے میں اختلاف کیا ہے البتہ وہ اس

کے (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کی طرف سے شک میں ہیں (مِنْ قَتْلِهٖ حَيْثُ یعنی عیسیٰ کے قتل کے متعلق شک وشبہ میں پڑے ہوئے ہیں اس طرح کہ جب بعض لوگوں نے دن میں مقتول کو دیکھا تو کہا کہ چہرہ تو وہی عیسیٰ کا چہرہ ہے لیکن اس کا جسم ان کے یعنی عیسیٰ کے جسم جیسا نہیں ہے پس وہ یعنی عیسیٰ نہیں ہے وَقَالَ اٰخَرُوْنَ اور دوسروں نے کہا یہ وہی شخص یعنی عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور جسم بوجہ رنج وغم کے بگڑ گیا ہے مَا لَهُمْ بِهٖ بِقَتْلِهٖ مِنْ عِلْمٍ ان لوگوں کے پاس اس کا (یعنی عیسیٰ کے قتل کا) کوئی یقینی علم نہیں بجز گمان کی پیروی کرنے کے (یعنی ان کے پاس صحیح اور قطعی علم نہیں ہے صرف اٹکل پر چل رہے ہیں اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ یہ استثناء منقطع ہے یعنی اِلَّا بمعنی لٰکن ہے تقدیر عبارت خود مفسر رحمہ علیہ نے بتائی اَیْ لٰکِنْ یَتَّبِعُوْنَ فِیْهِ الظَّنَّ الَّذِیْ تَخَیَّلُوْهُ یعنی یہ لوگ پیروی کرتے ہیں عیسیٰ کے قتل میں اس گمان کی جو انہوں نے اپنے خیال میں گڑھ لیا ہے وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ اور یقینی بات ہے کہ انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا (اس صورت میں یقینا حال مؤکدہ ہے نفی قتل کی تاکید کے لیے، مطلب یہ ہے کہ قتل مقید ہے اور نفی قید ہے تو یقینا کا تعلق قید سے ہے یعنی نفی قتل، یقینی ہے۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف (یعنی آسمان پر) اٹھا لیا تاکہ قتل اور صلب کا امکان ہی ختم ہوجائے۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست ہیں (اپنی باشاہت میں) اور حکمت والے ہیں (اپنے کام میں، وَاِنْ بمعنی ما ہے اور اہل کتاب میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جو ایمان نہ لائے اس پر (یعنی عیسیٰ علیہ السلام پر) اپنے مرنے سے پہلے (یعنی کتابی جب موت کے فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے تو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتا ہے مگر اس کا ایمان مفید نہیں ہوگا۔ یا یہ معنی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے جب قیامت کے قریب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ اور قیامت کے روز وہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) ان پر گواہ ہوں گے (جو ان لوگوں نے ناشائستہ حرکتیں اس وقت کی تھیں جب عیسیٰ ان کی طرف مبعوث ہوئے، (فَبِظُلْمٍ میں باسببیہ ہے اور الَّذِيْنَ هَادُوْا سے مراد یہود ہیں) ہم نے ان وہ پاکیزہ چیزیں حرام کردیں جو (پہلے) ان کے لیے حلال کی گئی تھیں (یہ طیبات جو حرام کی گئیں ان کا ذکر ارشاد الٰہی الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ الْاٰيَةُ یعنی سورۂ انعام میں کیا گیا ہے۔ وَبِصَدِّهِمُ النَّاسَ اس کا عطف بظلم پر ہے اور بسبب ان کے روکنے کے (لوگوں کو) خدا کی راہ (دین) سے بہت روکنا وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا اور بسبب ان کے سود لینے کے حالانکہ ان کو سود سے منع کردیا گیا تھا (تورات) وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ اور لوگوں کا مال ناجائز طریقہ سے کھانے کی وجہ (یعنی فیصلہ کرنے میں رشوتیں لے کر۔ ان وجوہ کی بنا پر ہم نے طیبات یعنی حلال چیزیں ان پر حرام کردیں تاکہ رزق کا دائرہ تنگ ہوجائے، یہ دنیوی سزا تھی، اور آخرت کی سزا آرہی ہے) وَاَعْتَدْنَا اور (آخرت میں) ہم نے ان میں کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کیا ہے (یعنی تکلیف دہ عذاب) چونکہ اس کلام سے تو ہم پیدا ہوسکتا تھا کہ حکم مذکور تمام اہل کتاب کو شامل ہے حالانکہ بعض اہل کتاب جو ایمان سے مشرف ہوگئے وہ مستثنیٰ تھے اس لیے اس وہم کو لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ سے دور فرمایا) لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ لیکن ان میں سے جو علم یعنی علم دین میں پختہ (یعنی مضبوط ثابت قدم) (جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء ثعلبہ بن سعید، زید بن سعید اور اسید وغیرہ جن کی نظر ان بشارتوں پر ہے جو

انبیاء سابقین نے پیغمبر آخر الزماں کے ظہور کی دی ہیں) وَ الْمُؤْمِنُوْنَ اور جو ایمان رکھنے والے ہیں (یعنی حضرات مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم) جو ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو آپ ﷺ کے پاس بھیجی گئی اور ان (کتابوں) پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ سے پہلے بھیجی گئی اور وہ لوگ نماز قائم رکھتے ہیں (وَ الْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ منصوب علی المدح ہے وَ الْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ یعنی خاص کر ان لوگوں کی تعریف کرتا ہوں جو نماز کی پابندی کرتے ہیں، اس صورت میں جملہ معترضہ ہو گا معطوف علیہ اور آنے والے معطوف کے درمیان۔ وَقُرِئَ بِالرَّفْعِ، اور ایک قراءت میں رفع کے ساتھ وَ الْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ پڑھا گیا ہے اس صورت میں جملہ معترضہ نہیں ہوگا بلکہ ما قبل پر عطف ہوگا وَ الْمُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ اور جو لوگ زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر یہی لوگ ہیں انہیں ہم ضرور عطا کریں گے سَنُؤْتِیْهِمْ (نون کے ساتھ اور یا کے ساتھ) اجر عظیم (مراد جنت ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اٰبَاؤُهُمْ: سوال کی نسبت آپ ﷺ کے زمانہ والوں کی طرف مجازی ہے، اس کی وجہ اپنے آباء کے اعمال کی تصویب اور ان پر اظہار رضا تھا۔

قوله: عِیَانًا: یہ اراءۃ کا مصدر لفظاً یا معنیً ہے۔ رؤیۃ عیانا۔

قوله: تَسَلُّطًا: سلطان سے صحبت مراد نہیں بلکہ تسلط مراد ہے۔

قوله: بِسَبَبِ اَخْذِ الْمِیْثَاقِ: تا کہ ڈر کر وہ عہد نہ توڑیں کہ کہیں ان پر پہاڑ نہ گر جائے۔

قوله: سُجُوْدَ اِنْحِنَاءٍ: زمین پر پیشانی رکھنا مراد نہیں، سر جھکانا مراد ہے جبکہ وہ داخل ہوں۔

قوله: بمحذوف: یہ فَبِمَا نَقْضِهِمْ کا بدل ہے۔

قوله: عِیْسٰی: یعنی عیسیٰ علیہ السلام سے کفر طبعی اسباب سے ہے یا مطلق کفر تو عطف سبب علی المسبّب سے ہوا، ایسے ہی جو جانب معطوف میں مذکور ہے وہ جانب معطوف علیہ میں نہیں۔

قوله: وَهُوَ صَاحِبُهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ شبہ کی اسناد ضمیر مقتول کی طرف ہے۔ اگرچہ وہ صریح نہیں مگر اِنَّا قَتَلْنَا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس جگہ ایک مقتول ہوا۔

قوله: حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ: یعنی انہوں نے یقین کرتے ہوئے قتل نہیں کیا۔ یہ مفعول مطلق نہیں۔

قوله: اِنْ: نافیہ ہے، شرطیہ نہیں۔

قوله: اَحَدٌ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ: اس سے اشارہ کیا کہ لَیُؤْمِنَنَّ یہ جملہ خبریہ مؤکدہ بالقسم ہے، انشائیہ نہیں۔

قوله: قَبْلَ مَوْتِهٖ: اَو قبل موت عِیسٰی، اس تقدیر پر دونوں ضمیریں عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہوں گی۔

قوله: صَدًّا: یہ منصوب ہے۔ اس طرح کہ یہ مصدر محذوفہ کی صفت ہے۔

قوله: نَصَبُ عَلَى الْمَدْحِ: اس صورت میں اَلْمَدْحِ فعل کا مفعول ہے اور جملہ معترضہ ہوا۔

تفسیر مقبولین

یَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ....

ربط آیات: ماقبل کی آیات میں یہود کی بداعتقادیوں کا ذکر کر کے ان کی مذمت مذکور تھی، ان آیات میں بھی ان کی کچھ دوسری خراب حرکتوں کی ایک طویل فہرست اور ان قباحتوں کی بناء پر ان کے عذاب وسزا کا ذکر ہے اور یہ سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔

شانِ نزول: یہودیوں کے کچھ سردار آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ سے مطالبہ کیا کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام پر لکھی ہوئی کتاب آسمان سے نازل ہوئی تھی، اسی طرح کی ایک کاتب آپ بھی آسمان سے لائیں، تو ہم ایمان لے آئیں گے، ان کا مطالبہ اس لیے نہیں تھا کہ وہ دل سے ایمان لانا چاہتے تھے، اور یہ ان کی ایک شرط تھی، بلکہ وہ ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے کوئی نہ کوئی عذر کرتے ہی رہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر آنحضرت ﷺ کو حقیقت حال سے آگاہ فرمایا اور ان کی تسلی کر دی کہ درحقیقت یہ قوم ہی ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو ستاتی ہی رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے خلاف بغاوت کرنے کے لیے بڑی سے بڑی حرکت بھی کر گزرتی ہے، ان کے آباء واجداد نے موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی زیادہ بڑی بات کا مطالبہ کیا تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کھلم کھلا دکھلا یا جائے ان کی اس گستاخی پر آسمان سے بجلی آئی اور ان کو ہلاک کر دیا، پھر توحید اور خدائے واحد لاشریک کے براہین وبینات کو اچھی طرح سمجھنے بوجھنے کے بعد بھی خالق حقیقی کے بجائے بچھڑے کو معبود بنا بیٹھے تھے، لیکن اس سب کچھ کے باوجود ہم نے عفو ودرگزر سے کام لیا ورنہ تو موقع اس کا تھا کہ ان کا قلع قمع کیا جاتا........ اور اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے غلبہ عطاء کیا....... ایک موقع ایسا بھی آیا تھا کہ ان لوگوں نے تورات کی شریعت کو ماننے سے صاف انکار کر دیا تھا تو ہم نے پہاڑ طور اٹھا کر ان پر معلق کر دیا کہ شریعت کو ماننا ہی ہوگا، ورنہ پہاڑ کے نیچے کچل دیئے جاؤ گے ہم نے ان سے یہ بھی کہا کہ جب شہر ایلیا کے دروازہ میں داخل ہو تو نہایت عاجزی سے اطاعت خداوندی کے جذبہ سے سرشار جھکائے ہوئے داخل ہو، یہ بھی ہم نے ان سے کہہ دیا تھا کہ ہفتہ کے روز مچھلیوں کا شکار نہ کھیلو، یہ ہمارا حکم ہے اس سے روگردانی نہ کرو اور اس طرح ہم نے ان سے مضبوط عہد لے لیا تھا، لیکن ہوا یوں کہ انہوں نے ایک ایک کر کے احکام کی خلاف ورزی کی اور ہمارے عہد کو توڑ ڈالا تو ہم نے دنیا میں بھی ان کو ذلیل کر دیا اور آخرت میں بھی ان کو بدترین سزا بھگتنی ہوگی۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ....

یہودیوں کے کفر اور شرارتوں کا مزید تذکرہ:

ان آیات میں بہت سے مضامین مذکور ہیں۔ یہودیوں کا عہد توڑنا اور اللہ کی آیات کا منکر ہونا اور حضرات انبیاء کرام

علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ناحق قتل کرنا اور ان کا یہ کہنا کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں (جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم اپنے دین پر بہت مضبوط ہیں ہم پر کسی کی بات اثر انداز نہیں ہوسکتی) اور حضرت مریم پر بہتان لگانا، ان کی یہ باتیں یہاں مذکور ہیں ان میں سے بعض چیزوں کا تذکرہ سورۃ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے (فَبِمَا نَقْضِهِمْ) اپنے معطوفات کے ساتھ مل کر فعل محذوف سے متعلق ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ تقدیر عبارت یوں ہے کہ: ففعلنا بهم مافعلنا بنقضهم یعنی ہم نے ان کے ساتھ جو معاملہ کیا اور ان کو جو سزائیں دیں وہ ان کے ان اعمال کی وجہ سے ہیں جن میں عہد کا توڑنا بھی ہے اور اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرنا بھی اور حضرات انبیاء کرام کا قتل کرنا اور یہ کہنا بھی ہے کہ ہمارے قلوب پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں اور مریم علیہا السلام پر بہتان باندھنا اور ان کا یہ قول کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا ان سب کی وجہ سے انہیں سزائیں دی گئیں۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ....

ان آیات میں واضح کیا گیا کہ: وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ یعنی ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کو نہ قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا، بلکہ صورتحال یہ پیش آئی کہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا۔

یہود کو اشتباہ کس طرح پیش آیا؟

وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ کی تفسیر میں امام تفسیر حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قصہ یوں پیش آیا کہ جب یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تو آپ کے حواری ایک جگہ جمع ہو گئے، حضرت مسیح علیہ السلام بھی ان کے پاس تشریف لے آئے، ابلیس نے یہود کے اس دستہ کو جو عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے لیے تیار کھڑا تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پتہ دیا اور چار ہزار آدمیوں نے مکان کا محاصرہ کر لیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حوارئین سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس کے لیے آمادہ ہے کہ باہر نکلے اور اس کو قتل کر دیا جائے اور پھر جنت میں میرے ساتھ ہو، ان میں سے ایک آدمی نے اس غرض کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا، آپ نے اس کو اپنا کرتہ، عمامہ عطا کیا، پھر اس پر آپ کی مشابہت ڈال دی گئی اور جب وہ باہر نکل آیا تو یہود اسے پکڑ کر لے گئے اور سولی پر چڑھا دیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا لیا گیا۔ (قرطبی)

بعض روایات میں ہے کہ یہودیوں نے ایک شخص طیطلانوس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے واسطے بھیجا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو مکان میں نہ ملے، اس لیے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اٹھا لیا تھا اور یہ شخص جب گھر سے نکلا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہمشکل بنا دیا گیا تھا، یہود یہ سمجھے کہ یہی عیسیٰ ہے اور اپنے ہی آدمی کو لیجا کر قتل کر دیا۔ (مظہری)

ان میں سے جو بھی صورت حال پیش آئی ہو سب کی گنجائش ہے، قرآن کریم نے کسی خاص صورت کو متعین نہیں فرمایا، اس لیے حقیقت حال کا صحیح علم تو اللہ ہی کو ہے، البتہ قرآن کریم نے اس جملے اور دوسری تفسیری روایات سے یہ قدر مشترک ضرور نکلتی ہے کہ یہود و نصاریٰ کو زبردست مغالطہ ہو گیا تھا، حقیقی واقعہ ان سے پوشیدہ رہا اور اپنے اپنے گمان و قیاس کے مطابق انہوں نے طرح طرح کے دعوے کئے اور ان کے آپس ہی میں اختلافات پیدا ہو گئے، اسی حقیت کی طرف قرآن کریم کے

ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے: وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًا ۙ کہ ان کے پاس صحیح علم کی بنیاد پر کوئی یقینی بات نہیں ہے جن جن لوگوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کر کے طرح طرح کے دعوے کئے ہیں یہ سب شک اور اٹکل کی باتیں ہیں، صحیح صورت واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ کچھ لوگوں کو تنبیہ ہوا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے تو اپنے ہی آدمی کو قتل کر دیا ہے اس لیے کہ یہ مقتول چہرے میں تو حضرت مسیح (علیہ السلام) کے مشابہ ہے، لیکن باقی جسم میں ان کی طرح نہیں اور یہ کہ اگر یہ مقتول مسیح (علیہ السلام) ہیں تو ہمارا آدمی کہاں ہے اور اگر یہ ہمارا آدمی ہے تو مسیح (علیہ السلام) کہاں ہیں؟

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ۝ اللہ جل شانہ زبردست قدرت وغلبہ والا ہے، یہود لاکھ دفعہ قتل کے منصوبے بناتے لیکن جب اللہ نے حضرت عیسیٰ کی حفاظت کا ذمہ لیا تو اس کی قدرت وغلبہ کے سامنے ان کے منصوبوں کی حیثیت کیا ہے، وہ قدرت والا ہے، صرف مادہ کے پرستار انسان اگر رفع عیسیٰ (علیہ السلام) کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکے تو یہ ان کی اپنی کمزوری ہے، وہ حکمت والا ہے، اس کا ہر فعل حکمت ومصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ....

اللہ جل شانہ نے اس آیت میں خبر دی کہ اہل کتاب حضرت عیسیٰ کے قتل اور صلیب کے بارہ میں اختلاف رکھتے ہیں کہ یہ قرآن کریم کی شہادت ہے جو سب سے بڑی اور سب سے زیادہ سچی شہادت ہے۔ نصاریٰ کے متعدد فرقے اس کے قائل ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول ومصلوب نہیں ہوئے بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے جیسا کہ تواریخ میں مذکور ہے اور پادری سیل نے بھی اپنے ترجمہ میں سورۂ آل عمران میں ان بعض فرقوں کا ذکر کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح مقتول ومصلوب نہیں ہوئے اور یہ بتلایا ہے کہ محمد رسول اللہ سے بہت مدت پہلے عیسائیوں کے بہت سے فرقوں کا یہی اعتقاد تھا کہ عیسیٰ مقتول ومصلوب نہیں ہوئے چنانچہ فرقہ بے سی ڈین اور فرقہ سیرنہ تھیں اور فرقہ کارپارکریشن جو سب کے سب نبی ﷺ سے پہلے گزرے ہیں ان سب کا اعتقاد یہی تھا کہ حضرت عیسیٰ مصلوب نہیں ہوئے بلکہ ایک دوسرا شخص جو آپ کے ہم شکل تھا وہ صلیب دیا گیا ختم ہوا خلاصہ کلام جارج سیل کا۔ معلوم ہوا کہ واقعہ صلیب نصاریٰ کے نزدیک متفق علیہ نہیں بلکہ نصاریٰ کے بہت سے قدیم فرقوں کا مذہب یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ مقتول مصلوب نہیں ہوئے جیسا کہ قرآن کریم نے خبر دی ہے۔ مولانا سیّد ابو منصور امام فن مناظرہ نوید جاوید ص ۳۸۲ میں لکھتے ہیں اور قرآن مجید کے اس ترجمہ میں جس پر عیسائی علماء نے اپنے طور کا حاشیہ لکھا اور پرہیز بیٹرین مشن پریس الہ آباد میں ۱۸٤٤ کو چھاپا۔ ترجمہ آل عمران آیت ۵۳ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ زمانہ اسلام سے آگے عیسائیوں میں باسلیدی ایک فرقہ تھا جو خیال کرتے تھے کہ آپ مسیح مصلوب نہ ہوا پر شمعون قرینی جو صلیب اٹھا کر چل رہا تھا اس کے عوض پکڑا گیا اور مصلوب بھی ہوا پھر سرنہ تھی اور کارپوک راتی اور دوسیتی تین فرقے تھے جو زمانہ اسلام سے پیشتر یہی خیال رکھتے تھے انتہی وتم کلامہ نوید جاوید۔ ص ۳۸۲)

مَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ: اور یہودیوں نے بالیقین حضرت عیسیٰ کو نہیں قتل کیا بلکہ یقینی بات یہ ہے کہ جس زندہ شخصیت کو وہ قتل کر کے اس کی حیات کو ختم کرنا چاہیے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ اور صحیح سالم اپنی طرف اٹھالیا تا کہ قتل اور صلب کا امکان ہی ختم ہو جائے اس لیے کہ قتل وصلب تو جب ہی ممکن ہے کہ وہ جسم ان کے اندر موجود رہے اور جب اللہ تعالیٰ نے اس جسم ہی کو اپنی طرف اٹھالیا تو قتل اور صلب کا امکان ہی ختم ہوا معلوم ہوا کہ آیت میں رفع سے اسی جسم کا رفع مراد ہے جس کو قتل کرنا چاہتے تھے آیت میں نہ روح کا کوئی تذکرہ ہے اور نہ روح کے قتل وصلب کا کوئی مسئلہ ہے جس کی طرف رفعہ کی ضمیر راجع ہو سکے لفظ بل کلام عرب میں اضراب اور ابطال کے لیے آتا ہے یعنی مضمون سابق کی نفی کر کے اس کے منافی اور مقابل مضمون کو ثابت کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ رفع قتل کے جب ہی منافی ہو سکتا ہے جب رفع سے جسم کا زندہ اور صحیح سالم اٹھانا مراد لیا جائے ورنہ رفع روح یا رفع روحانی بمعنی بلندی رتبہ قتل کے منافی نہیں جو شخص بھی خدا کی راہ میں مارا جائے گا اس کا مرتبہ ضرور بلند ہوگا پس رفع کے معنی بلندی رتبہ کے لینا کسی طرح بھی قتل کے منافی نہیں اور لفظ بل یہ بتلا رہا ہے کہ یہاں رفع سراسر قتل کے منافی ہے لہٰذا قطعاً ثابت ہو گیا کہ رفعہ میں رفع سے حضرت عیسیٰ کا جسم عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھایا جانا مراد ہے نیز یہودی جسم کے قتل اور صلب کے مدعی تھے اللہ نے اولاً جسم کے قتل اور صلب کی نفی فرمائی اور وماقتلوہ وماصلبوہ فرمایا اور پھر اسی جسم کے لیے رفع ثابت فرمایا بل رفعہ اللہ الیہ معلوم ہوا کہ جس جسم کا قتل اور صلب چاہتے تھے اسی جسم کو اللہ نے اپنی طرف صحیح سالم اٹھالیا اور ظاہر ہے کہ قتل اور صلب جسم ہی کا ہوتا ہے نہ کہ روح کا اس لیے کہ روح کا قتل اور صلب ناممکن ہے معلوم ہوا کہ بل رفعہ اللہ میں جسم ہی کا رفع مراد ہے۔ نیز رفع کے اصل معنی اٹھانے اور بلند کرنے اور اوپر لے جانے کے ہیں اس میں نہ جسم کی خصوصیت ہے اور نہ روح کی رفع کبھی اجسام کا ہوتا ہے اور کبھی معانی اور اعراض کا ہوتا ہے اور کبھی اقوال اور افعال کا اور کبھی مرتبہ اور درجہ کا جس جگہ لفظ رفع کا مفعول یا متعلق کوئی جسمانی شی ہوگی تو اس جگہ یقیناً رفع جسمانی مراد ہوگا۔ کما قال تعالیٰ: **ورفعنا فوقکم الطور**، اٹھایا ہم نے تم پر کوہ طور۔ **اللہ الذی رفع السماوات بغیر عمد ترونھا**۔ اللہ ہی نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستون کے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔ **واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمعیل**، یاد کرو اس وقت کو کہ جب ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور اسماعیل ان کے ساتھ تھے **ورفع ابویہ علی العرش**، یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو تخت کے اوپر اٹھایا اور ان تمام مواقع میں لفظ رفع اجسام میں مستعمل ہوا ہے اور ہر جگہ رفع جسمانی مراد ہے اور **رفعنا لك ذکرك** ہم نے آپ کا نام بلند کیا اور **رفعنا بعضھم فوق بعض درجات**۔ ہم نے بعض کو بعض پر درجہ اور مرتبہ کے اعتبار سے بلند کیا۔

اس قسم کے مواضع میں رفعت شان اور بلندی رتبہ مراد ہے اس لیے کہ رفع کے ساتھ خود ذکر اور درجہ کی قید مذکور ہے اور ایک حدیث میں ہے: ((اذا تواضع العبد رفعہ اللہ الی السماء السابعۃ رواہ الخرائطی فی مکارم الاخلاق)) (بندہ جب اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ساتویں آسمان تک اٹھا لیتے ہیں) اس حدیث میں قرینہ کی بناء پر رفع معنوی مراد لیا گیا ہے اس لیے کہ ظاہر ہے کہ تواضع سے انسانی جسمانی طور پر آسمان پر نہیں اٹھالیا جاتا اور

قرینہ کی بناء پر اگر کسی لفظ کے معنی مجازی ہی مراد لیے جائیں تو اس سے لازم نہیں آتا کہ جب کبھی یہ لفظ بولا جائے گا تو معنی مجازی ہی مراد ہوں گے ہی تو بالکل ایسا ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ لفظ اسد کے معنی شیر کے نہیں بلکہ بہادر آدمی کے ہیں اور مثال میں یہ مقولہ پیش کرے رایت اسدا یرمی کہ میں نے ایک شیر کو تیر چلاتے دیکھا تو کیا اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ لفظ اسد کے حقیقی معنی شیر کے نہیں اور یہ لفظ ہمیشہ بہادر ہی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اسی طرح اگر لفظ رفع کسی جگہ کسی قرینہ کی بناء پر رفع درجات کے معنی میں مستعمل ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ لفظ رفع کبھی رفع جسمانی کے لیے مستعمل نہیں ہوتا۔

(معارف القرآن مولانا ادریس کاندھلوی)

وَّ اَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ وَ اَكۡلِهِمۡ ۔۔۔

یہود کی اگلی پچھلی سخت شرارتیں ذکر فرما کر جس سے ان کی سرکشی اور ان کا گناہوں پر دلیر ہونا ظاہر ہو گیا اب فرماتے ہیں کہ اسی واسطے ہم نے ان پر شریعت بھی سخت رکھی کہ ان کی سرکشی ٹوٹے تو اب یہ شبہ نہ رہا کہ تحریم طیبات تو ان پر تورات میں کی گئی تھی اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے مخالفت کرنا اور حضرت مریم پر تہمت لگانا نزول تورات کے بہت بعد میں ہوا تو سزا جرم سے مقدم کیسے ہو گئی اس تمام رکوع کا خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے اہل کتاب برابر ایک سے ایک زائد شرارت اور نافرمانی اور عہد شکنی اور حضرات انبیاء کو ایذاء رسانی کرتے چلے آئے ہیں اب اگر اے محمد رسول اللہ ﷺ تم سے عناداً تورات جیسی کتاب دفعتاً واحدۃً طلب کریں اور قرآن شریف جو سب کتابوں سے افضل ہے اس پر کفایت نہ کریں تو ان متعصب نالائقوں سے کیا مستبعد ہے ان کی اس قسم کی ناشائستہ حرکات سے تعجب مت کرو اور متحیر نہ ہو ان کی تمام حرکات چھوٹی بڑی اگلی پچھلی ہم کو خوب معلوم ہیں ہم نے بھی شریعت سخت ان کے لیے دنیا میں رکھی اور آخرت میں عذاب شدید ان کے واسطے تیار کر رکھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ كَمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى نُوۡحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ‌ ۚ وَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰۤى اِبۡرٰهِيۡمَ وَ اِسۡمٰعِيۡلَ وَ اِسۡحٰقَ اِبۡنَيۡهِ وَ يَعۡقُوۡبَ ابۡنِ اِسۡحٰقَ وَ الۡاَسۡبَاطِ اَوۡلَادِهٖ وَ عِيۡسٰى وَ اَيُّوۡبَ وَ يُوۡنُسَ وَ هٰرُوۡنَ وَ سُلَيۡمٰنَ‌ ۚ وَ اٰتَيۡنَا اَبَاهُ دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿۱۶۳﴾ بِالْفَتْحِ اِسْمٌ لِلْكِتَابِ الْمُؤْتٰى وَالضَّمِّ مَصْدَرٌ بِمَعْنٰى مَزْبُوْرًا اَیْ مَكْتُوْبًا اَرْسَلْنَا وَ رُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰهُمۡ عَلَيۡكَ مِنۡ قَبۡلُ وَ رُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَيۡكَ‌ ؕ رُوِیَ اَنَّهُ تَعَالٰی بَعَثَ ثَمَانِيَةَ الْاٰفِ نَبِیٍّ اَرْبَعَةَ اٰلَافٍ مِنْ اِسْرَائِيْلَ وَاَرْبَعَةَ اٰلَافٍ مِنْ سَائِرِ النَّاسِ قَالَهُ الشَّيْخُ فِیْ سُوْرَةِ غَافِرٍ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰى بِلَا وَاسِطَةٍ تَكۡلِيۡمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا بَدَلٌ مِنْ رُسُلًا قَبْلَهُ مُّبَشِّرِيۡنَ بِالثَّوَابِ مَنْ اٰمَنَ وَ مُنۡذِرِيۡنَ بِالْعِقَابِ مَنْ كَفَرَ اَرْسَلْنَا هُمْ لِئَلَّا يَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ مَقَالٌ بَعۡدَ اِرْسَالِ

الرُّسُلِ ط اِلَيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيَاتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَبَعَثْنَاهُمْ لِقَطْعِ
عُذْرِهِمْ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا فِيْ مُلْكِهٖ حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾ فِيْ صُنْعِهٖ وَنَزَلَ لَمَّا سُئِلَ الْيَهُوْدُ عَنْ نُبُوَّتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَاَنْكَرُوْهُ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ يُبَيِّنُ نُبُوَّتَكَ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ الْمُعْجِزِ اَنْزَلَهٗ
مُتَلَبِّسًا بِعِلْمِهٖ ج اَيْ عَالِمًا بِهٖ اَوْ وَفِيْهِ عِلْمُهٗ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ط لَكَ اَيْضًا وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾
عَلٰى ذٰلِكَ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ صَدُّوْا النَّاسَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دِيْنِ الْاِسْلَامِ بِكَتْمِهِمْ نَعْتَ مُحَمَّدٍ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمُ الْيَهُوْدُ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾ عَنِ الْحَقِّ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ ظَلَمُوْا
نَبِيَّهٗ بِكِتْمَانِ نَعْتِهٖ لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ مِنَ الطُّرُقِ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ
اَيِ الطَّرِيْقَ الْمُؤَدِّيْ اِلَيْهَا خٰلِدِيْنَ مُقَدَّرِيْنَ الْخُلُوْدَ فِيْهَآ اِذَا دَخَلُوْهَا اَبَدًا ط وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ
يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾ هَيِّنًا يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَيْ اَهْلَ مَكَّةَ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ مُحَمَّدٌ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا بِهٖ
وَاقْصِدُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ط مِمَّا اَنْتُمْ فِيْهِ وَ اِنْ تَكْفُرُوْا بِهٖ فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط مِلْكًا وَخَلْقًا
وَعَبِيْدًا فَلَا يَضُرُّهٗ كُفْرُكُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا بِخَلْقِهٖ حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾ فِيْ صُنْعِهٖ بِهِمْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ
الْاِنْجِيْلِ لَا تَغْلُوْا تَتَجَاوَزُوْا الْحَدَّ فِيْ دِيْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْلَ الْحَقَّ ط مِنْ تَنْزِيْهِهٖ عَنِ
الشَّرِيْكِ وَالْوَلَدِ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ ج اَلْقٰهَآ اَوْصَلَهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَ
رُوْحٌ اَيْ ذُوْ رُوْحٍ مِّنْهُ اُضِيْفَ اِلَيْهِ تَعَالٰى تَشْرِيْفًا لَهٗ وَلَيْسَ كَمَا زَعَمْتُمْ اِبْنَ اللّٰهِ اَوْ اِلٰهًا مَعَهٗ اَوْ ثَالِثَ ثَلٰثَةٍ
لِاَنَّ ذَا الرُّوْحِ مُرَكَّبٌ وَالْاِلٰهُ مُنَزَّهٌ عَنِ التَّرْكِيْبِ وَ عَنْ نِسْبَةِ الْمُرَكَّبِ اِلَيْهِ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ قف وَ لَا
تَقُوْلُوْا الْاٰلِهَةُ ثَلٰثَةٌ ط اَللّٰهُ وَعِيْسٰى وَاُمُّهٗ اِنْتَهُوْا عَنْ ذٰلِكَ وَاْتُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ط مِنْهُ وَهُوَ التَّوْحِيْدُ اِنَّمَا اللّٰهُ
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط سُبْحٰنَهٗ تَنْزِيْهًا لَهٗ عَنْ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ م لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ط خَلْقًا وَمِلْكًا
وَالْمِلْكِيَّةُ تُنَافِي الْبُنُوَّةَ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾ ع شَهِيْدًا عَلٰى ذٰلِكَ

تَرْجَمَہ: (اے نبی) ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی بھیجی جیسے وحی بھیجی ہم نے نوح کی طرف اور ان پیغمبروں کی طرف

جو نوح علیہ السلام کے بعد ہوئے (مثلاً ادریس، ہود صالح اور شعیب علیہم السلام وغیرہ) اور (جس طرح ہم نے وحی بھیجی ابراہیم کی اور (ان کے دو بیٹے) اسماعیل اور اسحاق کی طرف اور (اسحاق کے بیٹے) (یعقوب کی طرف اور اسباط (یعنی یعقوب کی اولاد) کی طرف (یہاں اسباط سے مراد یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادگان میں سے جو نبی گزرے ان کی طرف ہم نے وحی بھیجی) اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی بھیجی اور (جس طرح) ہم نے (سلیمان کے باپ) داؤد علیہ السلام کو زبور دی۔ بِالْفَتْحِ اِسْمٌ لِلْكِتَابِ الْمُؤْتٰی لفظ زبور فتحہ کے ساتھ اس کتاب کا نام ہے جو داؤد علیہ السلام کو دی گئی، اور بالضم یعنی ضمہ کے ساتھ مصدر بمعنی مفعول ہے یعنی مزبور بمعنی مکتوب ہے مفسر علام رحمۃ اللہ کا مقصد اختلاف قراءت کو بتانا ہے جمہور کی قراءت بفتح الزاء ہے اور اس صورت میں زبور اس کتاب کا نام ہے حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا کی گئی۔ دوسری قراءت بضم الزا کی صورت میں مصدر بمعنی مفعول ہے وھما قراءتان سبعیتان۔ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ اور (بھیجا ہم) ایسے رسولوں کو جن کا حال اس کے قبل آپ سے بیان کر چکے ہیں اور کچھ ایسے رسولوں کو بھیجا جن کا حال ہم نے آپ سے (ابھی تک) بیان نہیں کیا۔ قول المفسر روی انہ تعالیٰ الخ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی مبعوث فرمائے چار ہزار تو نبی اسرائیل میں سے اور چار ہزار تمام لوگوں میں سے، شیخ یعنی سیوطی رحمہ اللہ علیہ کے استاذ علامہ جلال الدین محلی رحمہ اللہ علیہ نے سورہ غافر میں اس کو بیان کیا ہے وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے (بلاواسطہ فرشتہ) کلام کیا (یعنی تمام پیغمبروں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خاص فضیلت عطا فرمائی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے براہ راست اللہ تعالیٰ کا کلام سنا، یہ بلاواسطہ کلام الٰہی سننا موسیٰ علیہ السلام کی خاص خصوصیت تھی تو کیا اس سے یہ لازم آیا سوائے موسیٰ علیہ السلام کے جن سے حق تعالیٰ نے بلاواسطہ فرشتہ کلام نہیں کیا وہ نبی نہ ہوں، اسی طرح اگر کسی نبی کو موسیٰ علیہ السلام کی طرح یکبارگی کتاب نہ ملے تو کیا اس کی نبوت میں کوئی خلل آجائے گا؟ حق تعالیٰ کی سنت ہے کہ انبیا کرام علیہم السلام میں سے کسی کو کسی خاص فضیلت اور کسی خاص معجزہ سے سرفراز فرماتے ہیں کبھی فرشتہ پیغام لے کر آتا ہے، کبھی کسی نبی کو کتاب لکھی ہوئی مل جاتی ہے کبھی بغیر پیغام اور بدوں واسطہ کے خود اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے بات کرتا ہے مگر ان سب صورتوں میں چونکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے کسی دوسرے کا حکم نہیں اس لیے بندوں پر اسکی اطاعت یکساں فرض ہے تو اب یہود بے بہود کا یہ کہنا کہ توریت کی طرح پوری کتاب ایک دفعہ میں آسمان سے لاؤ گے تو ہم نبی جانیں گے ورنہ نہیں کتنی بے ایمانی اور حماقت ہے جب وحی حکم الٰہی ہے اور اس کے نازل ہونے کی صورتیں البتہ متعدد ہیں تو پھر کسی صورت میں آوے اس کے ماننے میں تردد اور انکار کرنا یا یہ کہنا کہ فلاں خاص طریقہ سے آئے گی تو مانیں گے۔ ورنہ نہیں صریح کفر ہے اور کھلی حماقت۔ (رُسُلًا یہ بدل ہے اپنے ماقبل کے رُسُلًا سے) اور ہم نے بھیجا رسولوں کو جو بشارت دینے والے ہیں (ایمان والوں کو ثواب کی) اور ڈرانے والے ہیں (کافروں کو عذاب سے) لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ (اس لیے ہم نے بھیجا) تا کہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی حجت (گفتگو، معذرت) باقی نہ رہے رسولوں کے بعد (یعنی رسولوں کو بھیجنے کے بعد، مفسر رحمۃ اللہ علیہ نے لِئَلَّا يَكُوْنَ سے پہلے اَرْسَلْنَا کی تقدیر سے اشارہ کیا ہے کہ لِئَلَّا کا متعلق اَرْسَلْنَا فعل محذوف ہے، مطلب ہے

،مطلب یہ ہے کہ رسولوں کو بھیجنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ لوگوں کو احکام خداوندی سے آگاہ کریں مؤمنوں کو انعام خداوندی کی خوشخبری سنائیں اور کافروں کو عذاب سے ڈرائیں تاکہ قیامت کے دن لوگ خدا کے سامنے یہ عذر نہ کرسکیں) فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيَاتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَبَعَثْنَاهُمْ کہ کہنے لگیں کہ اے پروردگار آپ نے کیوں نہیں بھیجا ہمارے پاس کوئی رسول تاکہ ہم آپ کی آیات کی پیروی کرتے اور مؤمنوں میں سے ہوجاتے، پس ہم نے ان کے عذر کو قطع کرنے کے لیے رسولوں کو بھیجا۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا اور اللہ تعالیٰ غالب ہیں (اپنے ملک میں یعنی یکدم کتاب کا نازل کرنا دشوار نہیں لیکن اس کی حکمت اس امر کو مقتضی ہوئی کہ یہود کی اس معاندانہ اور مہمل درخواست کو پورا نہ کیا جائے) حَكِيْمًا حکمت والے ہیں (اپنے کام میں) وَنَزَلَ لَمَّا سُئِلَ الْيَهُوْدُ عَنْ نُبُوَّتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَنْكَرُوْهُ جب یہود سے آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بارے میں سوال کیا گیا اور یہود نے انکار کردیا تو یہ آیت نازل ہوئی لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ۔ و نزل الخ سے مفسر علام سیوطی رحمہ اللہ علیہ آیت ۱۶۶۔ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ کا شان نزول بیان کررہے ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، حضور ﷺ نے ان سے فرمایا بخدا تم یقیناً جانتے ہو کہ میں اللہ کا برحق رسول ہوں یہودیوں نے انکار کردیا اور کہا: ما نعلم ذالک ہم کو تو اس کا علم نہیں اس پر آیت کریمہ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ نازل ہوئی۔ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ لیکن اللہ تعالیٰ شہادت دے رہے ہیں (آپ کی نبوت کو ظاہر کررہے ہیں اس کتاب (یعنی قرآن معجز) کے ذریعہ جو آپ پر نازل کیا ہے کہ اللہ نے اس کو نازل کیا ہے اپنے خاص علم کے ساتھ (متعلق کرکے یعنی وہ اس کا عالم ہے یا اس قرآن میں اس کا علم ہے، مفسر علام رحمہ اللہ علیہ نے اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ کی دو توجیہیں کی ہیں:

۱۔ بِعِلْمِهٖ کی باملابست کے لیے ہے اَیْ اَنْزَلَهٗ مُتَلَبِّسًا بِعِلْمِهٖ تو مفسر نے مُتَلَبِّسًا کی تقدیر نکال کر اسی طرف اشارہ کیا ہے پھر اس کے معنی کو بیان کیا اَیْ عَالِمًا بِهٖ یعنی اللہ تعالیٰ اس قرآن کے عالم ہیں، اور ظاہر ہے کہ تصنیف مصنف کے علم کا مظہر ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص علم کے ساتھ متعلق کرکے آپ پر قرآن نازل کیا کہ آپ نبوت اور وحی کے اہل اور مستحق ہیں۔ دوسری توجیہ اَوْ وَفِيْهِ عِلْمُهٗ یا اس میں حق تعالیٰ کا علم ہے یعنی اس میں حق تعالیٰ کی معلومات غیبیہ ہیں حق تعالیٰ ہی مخلوق کے مصالح سے واقف ہے اور حق تعالیٰ کو معلوم ہے کہ لوگوں کو اپنی معاش ومعاد کی درستگی کے لیے کس چیز کی ضرورت ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کے عجائب وغرائب کبھی ختم نہیں ہوسکتے یہ قرآن منبع ہدایت ہے جس قدر ہدایت لوگوں کو قرآن سے ہوئی اور کسی کتاب سے نہیں ہوئی)۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ اور فرشتے بھی (آپ کے لیے یعنی آپ کی نبوت ورسالت کی) گواہی دیتے ہیں (کہ جہاد کے موقع پر جنگ بدر وغیرہ میں آپ کی تائید کے لیے نازل ہوئے) وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾ اللہ ہی کی شہادت کافی ہے (اس پر یعنی آپ کی نبوت ورسالت پر اللہ کی شہادت وگواہی کے بعد کسی کی گواہی کی ضرورت نہیں) اس میں با زائد ہے اور اللہ کفیٰ کا فاعل ہے اور شہیدا حال ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بلاشبہ جن لوگوں نے خود کفر کیا (اللہ کے ساتھ، بایں طور کہ اللہ کی شہادت کے بعد بھی اللہ کے رسول برحق کا انکار کرکے اللہ کے ساتھ

کفر کیا) اور (لوگوں کو) روکا اللہ کے راستہ سے (یعنی دین اسلام سے محمد ﷺ کی صفات کو چھپا کر مراد یہود ہیں مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی جو صفتیں اور بشارتیں توریت میں مذکور تھیں یہود نے چھپایا اور دوسروں کو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے سے روکا قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾ وہ (حق سے) بہت دور کی گمراہی میں جا پڑے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا (اللہ کے ساتھ) اور ظلم کیا (اللہ کے نبی پر ان کے اوصاف کو چھپا کر یعنی توریت میں جو نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ ﷺ کے اوصاف وحالات موجود تھے ان کے چھپالیا اور لوگوں پر کچھ کا کچھ ظاہر کر کے راہ حق سے باز رکھا) تو اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ ایسوں کو معاف کر دیں اور نہ وہ ایسے ہیں کہ ان کو کوئی راستہ دکھلائیں گے (راستوں میں سے بجز راہ جہنم کے (یعنی ان کو صرف وہی راستہ دکھلائیں گے جو جہنم تک پہنچانے والا ہوگا) جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (یعنی جب جہنم میں داخل ہوں گے تو جہنم میں ہمیشہ رہنا ان کے لیے مقدر کر دیا جائے گا جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کافروں اور ظالموں کو جہنم سے کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا) وَكَانَ ذٰلِكَ اور یہ امر (یعنی کافروں کو جہنم رسید کرنا) اللہ پر بہت ہی آسان (معمولی) ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو (یعنی مکہ والو) تمہارے پاس رسول (ﷺ) آچکے ہیں تمہارے پروردگار سے دین حق لے کر سو تم (اس پر) ایمان لے آؤ (اور قصد کرو) تمہارے لیے بہتر ہوگا (یعنی اس کفر سے بہتر ہوگا جس میں تم پڑے ہو) اور اگر کفر کرو گے (اس دین سے) تو بلاشبہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے (یعنی سب اسی کے مملوک، اسی کی مخلوق اور بندے ہیں اس لیے تمہارا کفر کرنا اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے، وَكَانَ اللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں (اپنی مخلوق کو یعنی سب کے ایمان وکفر کو خوب جانتے ہیں) اور حکمت والے ہیں (اپنی مخلوق کے تمام کاموں میں یعنی اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ اے اہل کتاب (یعنی انجیل والو) اپنے دین میں غلومت کرو (حد سے تجاوز نہ کرو) اور اللہ تعالیٰ کی شان میں حق (بات) کے سوائے کوئی لفظ نہ کہو (یعنی ہر طرح کی شرکت اور اولاد سے اللہ تعالیٰ کی تقدیس کرو اور پاک سمجھو) اِنَّمَا الْمَسِيْحُ مسیح عیسیٰ بن مریم تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کا ایک کلمہ ہیں جس کو اللہ نے ڈالا (یعنی جس کو اللہ نے مریم تک پہنچا دیا حضرت جبریل کے واسطہ سے) اور اللہ کی طرف سے ایک روح ہیں (یعنی جاندار ہیں، مفسر علام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اُضِيْفَ اِلَيْهِ تَعَالٰى تَشْرِيْفًا لَهٗ۔ یعنی جملہ روح منہ میں روح کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف حضرت عیسیٰ کے شرف کو ظاہر کرنے کے لیے ہے اور یہ نہیں ہے جیسا کہ تم نے خیال کر رکھا ہے کہ وہ اللہ کے فرزند ہیں یا اللہ کے ساتھ عیسیٰ بھی معبود ہیں یا تین خداؤں میں سے ایک ہیں کیونکہ ہر جاندار مرکب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ترکیب سے منزہ اور پاک ہے اور اس بات سے کہ کسی مرکب کی نسبت اس کی طرف ہو، مطلب یہ ہے کہ جس میں ترکیب ہوگی وہ مرکب اور ذو اجزا ہوگا اور مرکب اپنے اجزا کا محتاج ہوتا ہے جب تک سارے اجزا موجود نہ ہوں وہ معدوم ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا محتاج ہونا اور معدوم ہونا محال ہے) پس (اے اہل کتاب) فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور مت کہو کہ (خدا) تین ہیں (اللہ تعالیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ، مطلب یہ ہے کہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نہ مرکب ہے نہ محتاج بلکہ وحدہ لاشریک ہے تو اب

اس عقیدہ تثلیث سے توبہ کرو) اِنْتَھُوْا باز آجاؤ (اس تثلیث سے اور بجالاؤ) تمہارے لیے بہتر ہوگا (اس شرک سے اور وہ توحید) صرف اللہ ہی تنہا معبود ہے وہ پاک ہے (اللہ کے لیے تنزیہ ثابت ہے) اس امر سے کہ اس کے لیے کوئی فرزند ہو، اس کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (یعنی اسی کی مخلوق اور مملوک اور بندے ہیں اور ملکیت منافی ہے ولدیت، کے مطلب یہ ہے کہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کی مملوک ومخلوق ہیں تو حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہا السلام بھی اللہ تعالیٰ کے مخلوق اور مملوک ہیں اور ملکیت وولدیت میں تضاد ہے) وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾ اور اللہ کافی ہے کارساز ہونے میں (یعنی اس پر نگرانی ونگہداشت میں)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: كَمَآ: کو مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ کا عطف اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ پر ہے۔

قوله: حُجَّةٌ: یہ کان کا اسم ہے۔

قوله: بِاِرْسَالِ الرُّسُلِ: اِرْسَال کو مقدر مانا کیونکہ حجت تو ارسال رسل اور ان کی تعلیم احکام سے ہی منقطع ہوتی۔

قوله: بِبَيِّنِ نُبُوَّتَكَ: اثبات وحدانیت پر شہادت اور نبوت کا ثبوت، معجزات سے مجازاً اظہار حق میں اشتراک کی وجہ سے ہے۔

قوله: مُتَلَبِّسًا: یہ باالصاق کی ہے، سببیت کی نہیں۔

قوله: عَالِمًا: جار مجرور یہ فاعل سے حال ہیں یا مفعول سے حال ہیں۔

قوله: الطَّرِيْقَ الْمُؤَدِّي: اس سے مراد وہ راستہ ہے جو ایسے اعمال پر مشتمل ہو جو جہنم تک پہنچانے والے ہیں۔ پس طریق کی جہنم کی طرف نسبت مجازی بنے گی۔

قوله: اَهْلُ مَكَّةَ: لام عہد کا ہے نہ کہ استغراق کا۔

قوله: وَاقْصِدُوْا: اس سے اشارہ کردیا کہ خیراً فعل محذوف کا مفعول ہے یہ یکن کی خبر نہیں۔

قوله: بِمَّا اَنْتُمْ: من تفضلیہ مفضل علیہ سمیت مقدر ہے۔

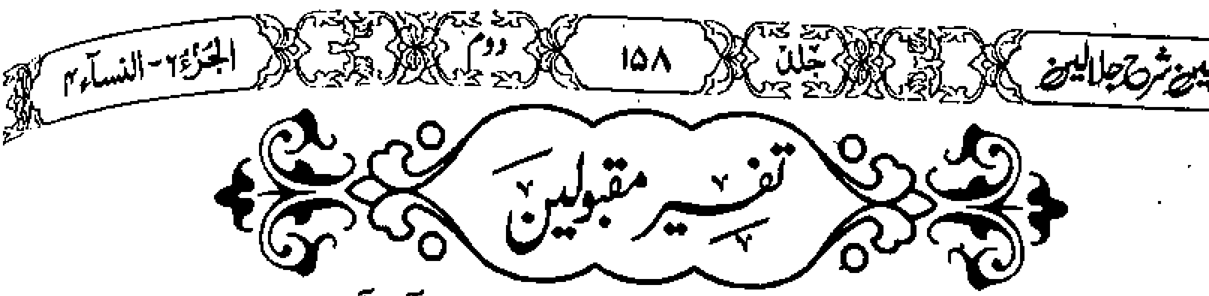
قوله: فَلَا يَضُرُّه كُفْرُكُمْ: اس میں اشارہ ہے کہ جزاء محذوف ہے۔

قوله: اِلَّا الْقَوْلَ الْحَقَّ: قول کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ الْحَقَّ مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قوله: اَيْ ذُوْ زَوْجٍ: مضاف کو مقدر مانا تاکہ رسول اللہ ﷺ پر اس کا حمل درست ہو۔

قوله: الالهة: اس کو مقدر مانا قول کا مقولہ جملہ سے ہوا کرتا ہے اور قرینہ تعیین الٰہیہ یہ آیت: لانت قلت للناس....

قوله: عَلٰى ذٰلِكَ: اِنْتَهُوْا کا مفعول محذوف اور خَيْرًا فعل محذوف کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔



إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَّٱلنَّبِيِّۦنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ وَسُلَيْمَٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾

ربط آیات: یسئلك اھل الکتب سے یہودیوں کا ایک احمقانہ سوال نقل کر کے تفصیل سے اس کا الزامی جواب دیا، یہاں ایک دوسرے عنوان سے اسی سوال کو باطل کیا جا رہا ہے کہ تم جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے لیے یہ شرط لگاتے ہو کہ آپ آسمان سے لکھی ہوئی کتاب لا کر دکھلائیں، تو بتلاؤ کہ یہ جلیل القدر انبیاء جن کا ذکر ان آیات میں ہے ان کو تم بھی تسلیم کرتے ہو اور ان کے حق میں تم اس طرح کے مطالبات نہیں کرتے، تو جس دلیل سے تم نے ان حضرات کو نبی تسلیم کیا ہے، یعنی معجزات سے، تو محمد ﷺ کے پاس بھی معجزات ہیں، لہٰذا ان پر بھی ایمان لے آؤ۔ لیکن بات یہ ہے کہ تمہارا یہ مطالبہ طلب حق کے لیے نہیں، بلکہ عناد پر مبنی ہے۔

آگے بعثت انبیاء کی حکمت بھی بیان کر دی گئی اور آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے بتلا دیا گیا کہ یہ لوگ اگر آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے تو اپنا انجام خراب کرتے ہیں، آپ کی نبوت پر تو خدا بھی گواہ ہے اور خدا کے فرشتے بھی اس کی گواہی دیتے ہیں۔

ارسالِ رسل کی حکمت اور متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ:

ان آیات میں اوّل تو سیّد المرسلین ﷺ کو خطاب کر کے یہ فرمایا کہ ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جیسا کہ نوح علیہ السلام اور ان کے بعد دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو وحی بھیجی تھی۔ اس سے ان لوگوں کا استعجاب دور فرمایا جو آپ کی نبوت کو نئی چیز سمجھتے تھے، یعنی یہ سمجھتے تھے کہ یہ دعویٰ نبوت کر کے نئی بات فرما رہے ہیں۔ اور ان لوگوں کی بھی تردید ہوئی جو لوگ کہتے تھے کہ انسان نبی بن کر کیوں آیا۔ جو لوگ سلسلہ نبوت سے واقف تھے وہ جانتے تھے کہ پہلے جو انبیاء کرام علیہ السلام تشریف لائے ہیں وہ بھی انسان ہی تھے۔ لہٰذا تکذیب کے لیے یہ شوشہ چھوڑنا کہ ہمیں تو معلوم نہیں کہ پہلے نبی آئے ہوں اور یہ اعتراض اٹھانا کہ نبی آیا تو بشر کیوں آیا بالکل غلط ہے۔ اگر کسی کو نبیوں کی تشریف آوری کا بالفرض علم نہ تھا تو اب جان لے اور مان لے کہ پہلے بھی نبی آئے ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ بھی نبی ہیں۔ مخلوق کو راہ ہدایت بتانے کے لیے نبیوں کی تشریف آوری ضروری ہے کیونکہ محض اپنی عقل سے پوری طرح ایمانیات تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد چند حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اسمائے گرامی کا خصوصی تذکرہ فرمایا اور وہ یہ ہیں حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب، حضرت عیسیٰ، حضرت ایوب، حضرت یونس، حضرت ہارون، حضرت سلیمان، حضرت داؤد (علیہ السلام)، ان سب حضرات کی نبوت اور رسالت یہود میں معروف و مشہور تھی اور حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کو تو قریش مکہ بھی جانتے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ ہم ان کی اولاد میں سے ہیں اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان

دونوں حضرات نے کعبہ شریف بنایا تھا۔ زمانہ شرک میں جو حج کرتے تھے اس کے بارے میں جانتے تھے کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا بتایا ہوا طریقہ ہے اور ان کے دین کی بہت سی باتیں اہل مکہ میں رواج پذیر تھیں لیکن شرک دلوں میں اس قدر جاگزیں ہوگیا تھا کہ توحید کی بات بری لگتی تھی۔ سورۃ انعام (رکوع ۹) میں بھی متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا ہے۔

یہاں جن حضرات کا ذکر ہے ان کے علاوہ سورۃ انعام میں حضرت یوسف، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت الیاس، حضرت الیسع، حضرت لوط (علیہ السلام) کا تذکرہ ہے، سورۃ مریم اور سورۃ انبیاء میں حضرت ادریس علیہ السلام کا تذکرہ بھی ہے۔ سورۃ انبیاء اور سورۃ ص میں حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا بھی تذکرہ ہے۔ سورۃ اعراف اور سورۃ ہود اور سورۃ شعراء میں حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب (علیہ السلام) کا بھی ذکر ہے۔ سورۃ بقرہ میں اور یہاں سورۃ نساء میں لفظ الاسباط بھی وارد ہوا ہے، اس کے بارے میں حضرات مفسرین کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ اس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد مراد ہے جتنے انبیاء کرام بنی اسرائیل میں تشریف لائے وہ سب حضرت یعقوب علیہ السلام ہی کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان بنی اسرائیل میں بہت سے انبیاء تشریف لائے۔ ان کے اسمائے گرامی بجز زکریا اور یحییٰ (علیہما السلام) کے قرآن مجید میں اور احادیث شریف میں مذکور نہیں ہیں۔ بعض حضرات کے اسماء گرامی یہود سے سنے گئے ہیں اور انہیں سے سن کر یہ نام تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں آ گئے ہیں جیسے حضرت شمعون، حضرت شمویل، حضرت حزقیل۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زبور عطا فرمائی جو مشہور چار کتابوں میں سے ہے۔ زبور عطا فرمانے کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل رکوع ٦ میں بھی مذکور ہے۔

قرآن مجید میں چوبیس حضرات کا نام لے کر ان کے نبی ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ تئیس نام تو اوپر مذکور ہوئے اور چوبیسویں سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام بھی اللہ کے نبی تھے۔ حدیث شریف میں بھی اس کی تصریح وارد ہوئی۔ سنن ترمذی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((وما من نبی یومئذ آدم فمن سواہ الا تحت لوائی)) (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۱۳) (کہ قیامت کے دن کوئی بھی نبی ایسا نہ ہوگا جو میرے جھنڈے کے نیچے نہ ہو آدم ہوں یا کوئی نبی ہو) ان پچیس حضرات کو تو تعیین کے ساتھ نام لے کر نبی جاننا اور ان کی نبوت کا عقیدہ رکھنا فرض ہے ان کے علاوہ دوسرے حضرات کے بارے میں یوں اجمالی عقیدہ رکھا جائے کہ میں اللہ کے تمام نبیوں اور رسولوں کو مانتا ہوں۔ اور ان سب کے بارے میں بغیر کسی تفریق کے میرا یہ عقیدہ ہے کہ یہ سب حضرات اللہ کے نبی تھے۔ بعض روایات میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار مذکور ہے۔ جن میں سے تین سو پندرہ کو رسول بتایا ہے یہ روایت مسند احمد سے صاحب مشکوٰۃ نے صفحہ ۵۱۱ پر نقل کی ہے لیکن چونکہ حدیث خبر واحد ہے اور عقائد کا مدار آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ پر ہے اس لیے حضرات اکابر اہل سنت نے فرمایا ہے کہ تعداد مقرر کر کے ایمان نہ لائے بلکہ یوں کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء و رسل پر ایمان لاتا ہوں تاکہ تعداد ذکر کرنے سے کوئی نبی اور رسول رہ نہ جائے اور جو نبی اور رسول نہ ہو وہ ان میں داخل نہ ہو جائے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ

عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ کہ ہم نے بہت سے رسول بھیجے جن کا حال ہم نے آپ سے بیان کر دیا اور بہت سے رسول ہم نے ایسے بھیجے ہیں جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔

سورہ مؤمن میں بھی اس امر کی تصریح ہے چنانچہ ارشاد ہے: (وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ) شرح عقائد میں اس بات کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے:

و قد روى بيان عددهم فى بعض الاحاديث على ماروى ان النبى سئل عن عدد الانبياء فقال ماء الف واربعة و عشرون الفاوفى رواية مائتا الف و اربع و عشرون الفا و الاولى ان لا يقتصر على عدد فى التسمية فقد قال الله تعالى منهم من قصصنا عليك و منهم من لم نقصص عليك ولا يو من فى ذكر العدد ان يدخل فيهم من ليس منهم ان ذكر عدد اكثر من عددهم او يخرج منهم من هو فيهم ان ذكر اقل من عددهم يعنى ان خبر الواحد على تقدير اشتماله على جميع الشرائط المذكورة فى اصول الفقه لا يفيد الا الظن ولا عبرة بالظن فى باب الا عتقاديات خصوصًا اذا اشتمل على اختلاف رواية و كان القول بموجبه مما يفضى الى مخالفة ظاهر الكتاب وهو ان بعض الانبياء لم يذكر للنبى ﷺ و يحتمل مخالفة الواقع وهو عدالنبى من غير الانبياء أو غير النبى من الانبياء بناءً على ان اسم العدد اسم خاص فى مدلوله لا يحتمل الزيادة والنقصان اھ

اجمالی طور پر تمام انبیاء اور رسول پر ایمان لانے میں یہ بھی فائدہ ہے کہ حضرت ذوالکفل علیہ السلام کے بارے میں جو اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا عبد صالح تھے (راجع معالم التنزیل صفحہ ٢٦٥: ج ٣) اس اختلاف سے صرف نظر کرتے ہوئے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کا اقرار ہو جائے گا اور اجمالاً سب پر ایمان ہو جائے گا۔

آیت بالا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک خاص فضیلت بیان فرمائی اور فرمایا: كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے خاص طور پر کلام کیا۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ازلیہ میں صفت کلام بھی ہے اور قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جو موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اس کی کیفیت سمجھنے سے بندے عاجز ہیں کیفیت کا ذکر کتاب وسنت میں نہیں ہے اس لیے یہ ایمان لانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام فرمانا صحیح ہے حق ہے گو ہم اس کی کیفیت نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ محل حوادث نہیں ہے۔ اس نے اس طرح کلام فرمادیا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ (انوار البیان)

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ

اہل کتاب کا غلو:

اس کے بعد اہل کتاب کو خصوصی خطاب فرمایا اور فرمایا: يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ. کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو وہ باتیں نہ کہو جو تمہارے دین میں نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں صرف وہی کہو جو حق ہے ناحق باتیں

کر کے اللہ تعالیٰ پر تہمت دھرنے والے نہ بنو۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو اللہ کا بیٹا تجویز کر دیا تھا۔ تین خدا مانتے تھے اور اب بھی مانتے ہیں۔ اور یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بتایا نیز انہوں نے اوّل تو حضرت مریم پر تہمت دھری اور پھر حضرت عیسیٰ کی نبوت کے منکر ہوئے اور ان کو قتل کے درپے ہوئے حتیٰ کہ اپنے خیال باطل میں ان کو قتل کر ہی دیا۔ اور آج تک ان کو اس پر اصرار ہے قرآن مجید نے ان کی تردید فرمائی۔ نصاریٰ نے عقیدہ تکفیر بھی اپنی طرف سے گھڑ لیا اور یہ کہنے اور ماننے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے کو قتل کروا کر ہمارے گناہوں کا کفارہ کر دیا (العیاذ باللہ)۔ دونوں فریق کو تنبیہ فرمانے کے بعد (کہ اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کوئی بات نہ کہو)۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں فرمایا: اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ (مسیح جو عیسیٰ بن مریم ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ کا کلمہ ہیں جو اللہ نے مریم تک پہنچایا اور اللہ کی طرف سے ایک روح ہیں) اس میں حرف انما سے مضمون کو شروع فرمایا انما عربی زبان میں حصر کے لیے آتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ مسیح جو عیسیٰ بن مریم ہیں ان کے بارے میں جو عقیدے تم نے اپنی طرف سے تجویز کر لیے ہیں وہ سب غلط ہیں وہ نہ اللہ کے بیٹے ہیں نہ معبود ہیں ان کو جو سب سے بڑی فضیلت حاصل ہے وہ یہی ہے کہ دوسرے رسولوں کی طرح وہ بھی اللہ کے رسول ہیں اور یہ بات بھی ہے کہ وہ اللہ کا کلمہ ہیں جو اللہ نے مریم کی طرف ڈالا اور اللہ کی طرف سے روح ہیں۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو اللہ کا کلمہ بتایا ہے اس کی تفسیر میں حضرات مفسرین کرام نے بہت سے اقوال لکھے ہیں۔ جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ کلمہ سے لفظ کن مراد ہے۔ سورۃ یٰسین میں فرمایا: (اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ) (اللہ کا امر یہی ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتے ہیں تو کن فرما دیتے ہیں تو وہ ہو جاتی ہے) سورۃ آل عمران میں ہے کہ جب فرشتوں نے حضرت مریم [کو خوشخبری دی کہ تمہارا بیٹا پیدا ہوگا تو انہوں نے کہا میرے اولاد کہاں سے ہوگی مجھے تو کسی انسان نے چھوا تک نہیں تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۭاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ) ایسے ہی ہوگا اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے جو چاہے جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو بس ان کو کن فرما دیتا ہے لہٰذا وہ ہو جاتا ہے اولاد کے پیدا ہونے کا جو ظاہری سبب ہوتا ہے چونکہ وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی پیدائش میں موجود نہیں ہوا اس لیے ان کو کلمۃ اللہ فرمایا کہ وہ صرف لفظ کن سے پیدا ہو گئے۔ کن عربی زبان میں کان یکون سے امر کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے ہو جا۔ یہاں یہ جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہر چیز کن سے پیدا ہوتی ہے تو ہر چیز کو اللہ کا کلمہ کہنا چاہیے۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی کیا خصوصیت ہے؟ صاحب روح المعانی نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا جواب نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے اس کی پیدائش کے جو سبب ہوتے ہیں ایک سبب قریب ہے جسے سب جانتے ہیں (یعنی نطفہ کا رحم مادہ میں داخل ہونا پھر نطفہ سے بچہ کا پیدا ہونا) اور دوسرا سبب بعید ہوتا ہے اور وہ لفظ کن کے ساتھ اللہ کا خطاب فرمانا ہے چونکہ سبب قریب وہاں معدوم تھا اس لیے عیسیٰ (علیہ السلام) کی پیدائش کی اضافت سبب بعید کلمہ کن کی طرف فرما دی۔

اگر کلمہ کا یہی مطلب لیا جائے تو اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کلمہ حضرت مریم کو پہنچایا جس

کے نتیجے میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی پیدائش ہوگئی۔ صاحب معالم التنزیل صفحہ ۵۰۲: ج۱ میں اَلْقٰھَآ اِلٰی مَرْیَمَ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اعلمھا و اخبرھا بھا کما یقال القیت الیک کلمۃ حسنۃ، یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو پہلے سے بتادیا اور خبر دے دی تھی یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی سے کہتے ہیں کہ میں نے تیری طرف ایک اچھی بات ڈال دی۔

وَرُوْحٌ مِّنْهُ (یعنی عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کی جانب سے ایک روح ہیں) صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ عیسیٰ (علیہ السلام) روح ہیں جیسی دوسری ارواح ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف تشریفاً منسوب فرمایا جیسا کہ مسجد کو بیت اللہ کہا جاتا ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ روح سے مراد وہ نفخ (پھونکنا) ہے جو جبرائیل علیہ السلام نے مریم کے کرتے میں پھونک دیا تھا جس کی وجہ سے بحکم خداوندی حمل قرار پا گیا۔

اللہ نے اپنی طرف اس کی نسبت اس لیے فرمائی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے امر (خصوصی) سے تھا۔ بعض حضرات نے روح کے معنی رحمت کے لیے ہیں چونکہ عیسیٰ (علیہ السلام) اپنے متبعین کے لیے رحمت ہیں اور یہ رحمت اللہ کی طرف سے ہے (روح بمعنی رحمت آیت شریفہ: (وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ میں وارد ہوا ہے) اس لیے ان کو روح فرمایا۔

بعض حضرات نے روح بمعنی وحی بھی لیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے مریم کو بشارت دی تھی اور بعض حضرات کا یہ بھی قول ہے کہ روح سے جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہ کلمہ مریم تک جبرائیل نے بامر خداوندی پہنچایا۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ يتکبر ویانف الْمَسِيْحُ الذی زعمتم انه اله عن اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ عند الله لا یستنکفون ان یکونوا عبیدا وهذا من احسن الاستطراد ذکر للرد علی من زعم انها الهة او بنات الله کما رد بما قبله علی النصاری الزاعمین ذلک المقصود خطابهم وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝۱۷۲ فی الاخرة فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ثواب اعمالهم وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا عن عبادته فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ڏ مؤلما هو عذاب النار وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ای غیره وَلِيًّا یدفعه عنهم وَّلَا نَصِيْرًا ۝۱۷۳ یمنعهم منه يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمْ بُرْهَانٌ حجة مِّنْ رَّبِّكُمْ علیکم وهو النبی صلی الله علیه وسلم وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝۱۷۴ بینا وهو القرآن فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا طریقا مُّسْتَقِيْمًا ۝۱۷۵ هو دین الاسلام

يَسْتَفْتُوْنَكَ ط فِی الْكَلٰلَةِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ط اِنِ امْرُؤٌا مَرْفُوْعٌ بِفِعْلٍ يُفَسِّرُهٗ هَلَكَ مَاتَ
لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ اَیْ وَلَا وَالِدٌ وَهُوَ الْكَلٰلَةُ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ مِنْ اَبَوَيْنِ اَوْ اَبٍ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ج وَهُوَ اَیِ الْاَخُ
كَذٰلِكَ يَرِثُهَآ جَمِيْعَ مَا تَرَكَتْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ط فَاِنْ كَانَ لَهَا وَلَدٌ ذَكَرٌ فَلَا شَیْءَ لَهٗ اَوْ اُنْثٰی فَلَهٗ
مَا فَضَلَ عَنْ نَصِيْبِهَا وَلَوْ كَانَتِ الْاُخْتُ اَوِ الْاَخُ مِنْ اُمٍّ فَفَرْضُهُ السُّدُسُ كَمَا تَقَدَّمَ اَوَّلَ السُّوْرَةِ فَاِنْ
كَانَتَا اَیِ الْاُخْتَانِ اثْنَتَيْنِ اَیْ فَصَاعِدًا لِاَنَّهَا نَزَلَتْ فِیْ جَابِرٍ وَقَدْ مَاتَ عَنْ اَخَوَاتٍ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا
تَرَكَ ط الْاَخُ وَاِنْ كَانُوْٓا اَیِ الْوَرَثَةُ اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِنْهُمْ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ط يُبَيِّنُ
اللّٰهُ لَكُمْ شَرَائِعَ دِيْنِكُمْ لِ اَنْ لَا تَضِلُّوْا ط وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ وَمِنْهُ الْمِيْرَاثُ رَوَى الشَّيْخَانِ عَنِ
الْبَرَاءِ اَنَّهَا اٰخِرُ اٰيَةٍ نَزَلَتْ مِنَ الْفَرَائِضِ ع ۲۴ ۵ ۴

ترجمہ: لَنْ يَّسْتَنْكِفَ ہر گز عار نہیں کریں گے (یعنی تکبر نہیں کریں گے اور ناک نہیں چڑھائیں گے) مسیح (بن مریم جن کو تم نے خیال کر رکھا ہے کہ وہ معبود ہیں) اللہ کا بندہ ہونے سے اور نہ وہ فرشتے (اللہ کے نزدیک) مقرب ہیں (یعنی فرشتے بھی اللہ کے بندے ہونے سے عار نہیں کرتے ۔قول المفسر وَهٰذَا مِنْ اَحْسَنِ الْاِسْتِطْرَادِ اور یہ بہترین استطراد ہے یعنی وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ط استطراد ہے۔ استطراد کہتے ہیں کسی چیز کو ایک مناسبت سے بے محل ذکر کرنا، تو چونکہ عیسائیوں پر اس کا مشرکانہ عقیدہ کے متعلق رد کیا جا رہا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا اور جزء مانتے ہیں اسی مناسبت سے ان مشرکوں کی تردید کردی گئی جو فرشتوں کے بارے میں کہتے تھے اَلْمَلٰٓئِكَةُ بَنَاتُ اللّٰهِ اس کو مفسر علامہ سیوطی رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں ذَكَرَ لِلرَّدِّ عَلٰی مَنْ زَعَمَ اَنَّهَا اٰلِهَةٌ اَوْ بَنَاتُ اللّٰهِ یہ کلام وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ط ان مشرکوں پر رد کرنے کے لیے ذکر کیا گیا جن کا خیال تھا کہ ملائکہ خدا ہیں یا خدا کی بیٹیاں ہیں جیسا کہ اس سے پہلے نصاریٰ یعنی عیسائیوں پر رد تھا جو اس طرح کا باطل خیال رکھتے تھے مقصود ان ہی عیسائیوں کو خطاب کرنا ہے) وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ اور جو شخص اللہ کی بندگی سے عار کرے گا اور تکبر کرے گا تو عنقریب اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو اپنے حضور (آخرت میں) جمع کریں گے (جَمِيْعًا حال ہے فَسَيَحْشُرُهُمْ سے یعنی آخرت میں حق تعالیٰ مستنکفین اور غیر مستنکفین یعنی مجرم اور غیر مجرم) سب کو جمع کریں گے اس اجمال کی تفصیل ہے) فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پس جو لوگ (دنیا میں) ایمان لائے اور نیک عمل کیے ہی (یعنی عبد بنے رہے عبدیت اور عبادت سے استنکاف نہیں کیا) تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کا ثواب (یعنی ان کے اعمال کا بدلہ) پورا پورا دیں گے اور انہیں اپنے فضل سے زیادہ دی (اس قدر کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں کبھی خیال گزرا ہوگا) وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا اور جن لوگوں نے (عبد بننے سے) عار کیا اور تکبر کیا (اس کی

بندگی سے) تو ان کو دردناک عذاب دیں گے (جو تکلیف دہ ہوگا مراد جہنم کی سزا ہے) اور وہ لوگ نہ پاویں گے اپنے لیے اللہ کو چھوڑ کر (یعنی اللہ کے سوا) کوئی کارساز (جو اس عذاب کو ان سے دور کر سکے) اور نہ کوئی مددگار (وان سے اس عذاب کو روک دے) اے لوگو یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے ایک دلیل آ چکی (یعنی وہ تم پر حجت ہے اگر تم نے مخالفت کی اور وہ حجت نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارک ہے اور ہم نے تمہارے پاس ایک واضح روشنی بھیجی دی (جو بالکل واضح ہے اور وہ نور قرآن مجید ہے) پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کو (یعنی اس کے دین کو) مضبوط پکڑ (یعنی برہان الٰہی حضور اقدس ﷺ اور اس کے نومبین قرآن حکیم کو اپنے ل راہ بنایا) تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت اور فضل میں داخل کریگا (رحمت سے مراد جنت اور ثواب اعمال ہے اور فضل سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ احسان ہے جو منصوص اور مقررہ ثواب سے زائدہ ہوگا جیسے درجات قرب اور دیدار الٰہی) اور ان کو اپنے پاس تک پہنچنے کا سیدھا راستہ بتلا دیں گے (اور وہ صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ دین اسلام ہے)۔ لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں (کلالہ کے بارے میں، یعنی جس شخص کے اصول وفروع ماں باپ اور اولاد نہ ہوں اس کی میراث کا کیا حکم ہے) آپ ﷺ (جواب میں) فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے بارے میں حکم دیتے ہیں کہ اگر کوئی شخص (قول المفسر مَرْفُوْعٌ بِفِعلٍ يُفَسِّرُهٗ هَلَكَ یعنی ان اَمْرُؤٌا مرفوع ہے ایک فعل کے ذریعے جس کی تفسیر آئندہ فعل هَلَكَ کر رہا ہے مرجائے (وفات پا جائے) جس کی کوئی اولاد نہ ہو (اور نہ اس کا والد ہو یعنی وہ کلالہ ہو مقصد یہ ہے کہ نہ بیٹا بیٹی اور نہ پوتا پوتی اور نہ ماں باپ ہوں) اور اس کے ایک بہن ہو (عینی یا علاتی) تو اس بہن کو نصف ملے گا جو کچھ مرنے والے (بھائی) نے چھوڑا ہے۔ وَهُوَ يَرِثُهَآ اور وہ شخص (یعنی بھائی اسی طرح) اس (بہن) کا وارث (کل ترکہ کا) ہوگا اگر (وہ بہن مرجائے اور) اس کے کوئی اولاد نہ ہو (اور والدین بھی نہ ہوں کیونکہ مسئلہ کلالہ کا چل رہا ہے اگرچہ اس جگہ عبارت میں مذکور نہیں ہے اور اگر بہن کے نرینہ اولاد ہو تو پھر بھائی کے لیے کوئی حصہ نہیں ہوگا اور اگر مرنے والے بہن کی لڑکی ہے تو پھر بھائی کے لیے وہ حصہ ہوگا جو لڑکی کے حصہ سے بچے گا اور اگر بہن یا بھائی اخیافی ہو یعنی عینی یا علاتی نہ ہو تو اس اخیافی کا ترکہ چھٹا حصہ ہے جیسا کہ شروع سورت میں گزر چکا ہے) فَاِنْ كَانَ پھر اگر ہوں (یعنی ایسی بہنیں) دو (یا دو سے زیادہ ہوں اور بھائی نہ ہو اس لیے کہ یہ آیت جابر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ جابرؓ کئی بہنیں چھوڑ کر انتقال فرما گئے تھے) تو ان بہنوں کو (بھائی کے) کل ترکہ میں سے دو تہائی ملے گا (مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے اصول وفروع نہ ہوں اور وہ دو یا دو سے زیادہ عینی بہنیں چھوڑے اور بھائی کوئی نہ ہو تو ان سب کا حصہ میت یعنی بھائی کے ترکہ میں سے دو تہائی ہے اور ایک تہائی جو باقی رہا وہ عصبہ کو ورنہ بطور رد کے ان ہی کو مل جائے گا (وَاِنْ كَانُوْٓا اور اگر (ورثہ میراث پانے والے) چند ہوں کچھ مرد کچھ عورتیں تو ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (تمہارے دینی احکام) اس لیے بیان کر دیتے ہیں کہ تم (ناواقفی سے) گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: يَتَكَبَّرَ وَيَأْنِفُ: یہ نکفت الدمع سے ہے جب آنسو کو انگلی سے دور کیا جائے تا کہ اس کا اثر نہ رہے۔

قوله: لَا يَسْتَنْكِفُوْنَ: اس سے اشارہ کیا کہ اَلْمَلٰٓئِكَةُ کا عطف اَلْمَسِيْحُ پر ہے، ضمیر پر نہیں۔

قوله: يَّسْتَنْكِفْ: استنکاف ملائکہ میں ترقی اس وجہ سے ہے کہ وہ استنکاف کے قریب تر ہیں۔ اس بناء پر نہیں کہ وہ انسانوں سے افضل ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ وہ اپنے مابین کوئی غلام نہیں پاتے۔ بخلاف انسانوں کے کہ انہوں نے ہزاروں کو غلام بنایا۔

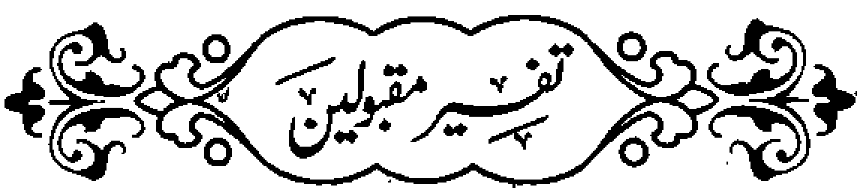
قوله: ثَوَابَ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ جو لوگوں کو دیتا ہے وہ محض رحمت و فضل ہے، واجب کی ادائیگی نہیں۔

قوله: اِنِ امْرُؤٌا: یہ موصوف لیس لہ صفہ اور امرؤ فعل سے مرفوع ہے جس کی تفسیر ھلک کر رہا ہے۔

قوله: وَلَا وَالِدٌ: مراد اِنِ امْرُؤٌا یہی کلالہ کے متعلق فتویٰ ہے۔

قوله: مِنْهُمْ: اس سے اشارہ ہے کہ لام عہد کا ہے جنس کا نہیں۔

قوله: شَرَائِعَ دِيْنِكُمْ: اس سے اشارہ ہے کہ يُبَيِّنُ کا مفعول مقدر ہے تو اس سے اپنا مفعول لے لیا اب دوسرے مفعول کی طرف متعدی حرف کے بغیر نہیں ہو سکتا۔



لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ....

شانِ نزول: اسباب النزول صفحہ ۱۸۰ میں لکھا ہے کہ نجران کے نصاریٰ کا جو وفد آیا تھا انہوں نے کہا تھا کہ اے محمد! ﷺ آپ ہمارے صاحب کو عیب لگاتے ہیں آپ نے فرمایا تمہارا صاحب کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) ہیں آپ نے فرمایا وہ کون سی بات ہے جو میں ان کے بارے میں کہتا ہوں جسے تم ان کے بارے میں عیب سمجھتے ہو انہوں نے کہا کہ آپ کا کہنا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں آپ نے فرمایا کہ عیسیٰ کے لیے یہ عار نہیں ہے کہ وہ اللہ کا بندہ بنیں وہ کہنے لگے (ہمارے خیال میں تو) یہ ان کے لیے عار ہے اس پر آیت شریفہ: لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ نازل ہوئی۔

فرشتے افضل ہیں یا انسان؟

جو لوگ انسان پر فرشتوں کی برتری کے قائل ہیں وہ اپنے دعوے پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ اس آیت میں مسیح کے بعد ملائکہ کا ذکر کیا گیا ہے اور ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی جانب ہوتی ہے محاورہ میں بولا جاتا ہے زید اس سے عار نہیں کرتا اور نہ وہ شخص عار کرتا ہے جو زید سے برتر ہے یوں نہیں کہا جاتا کہ فلاں بات سے زید عار نہیں کرتا اور نہ اس کا غلام عار کرتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ ملائکہ کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی جانب حکم کی ترقی مقصود ہو بلکہ آیت میں دونوں فرقوں کی تردید مقصود ہے۔ پرستاران مسیح کی بھی اور پرستاران ملائکہ کی بھی۔ (کیونکہ جس طرح نصاریٰ کا ایک فرقہ مسیح کو خدا کا بیٹا کہتا تھا اسی طرح بعض اہل شرک ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے)

یا یوں کہا جائے کہ آیت میں ادنیٰ مرتبہ والوں سے اعلیٰ مرتبہ والوں کی طرف ترقی مراد نہیں ہے۔ بلکہ قلت سے کثرت کی طرف ترقی کا حکم مقصود ہے۔ (یعنی مسیح کو بھی عبدیت سے عار نہیں اور نہ ملائکہ مقربین کو عار ہے جن کی تعداد بے شمار ہے) جیسے کہا جاتا ہے حاکم سے نہ کوئی بڑا سردار ڈرتا ہے نہ رعایا اور نہ خدام۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اگر ادنیٰ سے اعلیٰ درجہ تک ترقی کا حکم آیت میں مان بھی لیا جائے تو زائد سے زائد یہ لازم آتا ہے کہ مقرب فرشتے مسیح سے افضل ہو جائیں گے یعنی وہ کرّ بی جو حاملین عرش ہیں مسیح (علیہ السلام) سے برتر قرار پائیں گے لیکن اس سے مطلق جنس ملائکہ کی فضیلت نوع بشر پر لازم نہیں آتی اور اختلاف اسی مسئلہ میں ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ آیت میں نفی استنکاف کی مسیح سے ملائکہ کی جانب ترقی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ملائکہ افضل ہیں اوران کو ثواب کا استحقاق زیادہ ہے بلکہ اس ترقی کا مفہوم یہ ہے کہ بنی آدم میں تو باہم بندگی اور غلامی کی کثرت ہے اگر انسان کے کسی ایک فرد یعنی مسیح (علیہ السلام) کو عبدیت سے عار نہ ہو تو تعجب نہیں ان میں غلامی اور عبدیت عام چیز ہے تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ مقرب فرشتے جو باہم بندگی کا تصور بھی نہیں کرتے ان کو بھی اللہ کی عبدیت سے عار نہیں۔

میرے نزدیک اعلیٰ تحقیق یہ ہے کہ آیت سے ملائکہ کی کلی فضیلت انسانوں پر لازم نہیں آتی۔ جزئی فضیلت ثابت ہوتی ہے یعنی بعض وجوہ سے ملائکہ کو انسان پر فضیلت اور برتری حاصل ہے اور اس میں کوئی نزاع بھی نہیں ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ انسان جو اپنی شخصی اور نوعی بقا کے لیے کھانے پینے اور جماع کرنے کا محتاج ہے اس کا زمانہ حدوث بھی قریب ہے مدت عمر بھی کوتاہ ہے موت آنے میں زیادہ مدت نہیں وہ اللہ کی عبدیت اور مخلوقیت سے کیسے انکار کر سکتا ہے اور کس طرح اپنی الوہیت کا دعویٰ کر سکتا ہے جب کہ وہ ملائکہ جو ہر مادی کثافت سے پاک ہوتے ہیں ان کو کوئی حاجت نہیں، قوت بھی ان کی زائد ہے عمریں بھی کم نہیں ہیں امراض و مصائب میں مبتلا بھی نہیں ہوتے اللہ کی عبدیت سے انکار نہیں کرتے اور نہ اپنی الوہیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ پھر نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے معاملہ میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا اور عبدیت سے بالاتر قرار دیا تھا اور اس غلط افراط کی وجہ صرف یہ تھی کہ عیسیٰ (علیہ السلام) بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے مادر زاد اندھوں کو بینا اور برص زدہ لوگوں کو صحت مند اور مردوں کو زندہ کر دیتے تھے اور لوگوں کی رات کی کھائی ہوئی چیزوں کو بتا دیتے تھے اور جو چیزیں لوگ گھروں میں اندوختہ کرتے تھے ان کی بھی اطلاع دے دیتے تھے ان کے رد میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ اوصاف تو ملائکہ میں بہ نسبت عیسیٰ (علیہ السلام) کے زیادہ ہیں اور اس کے باوجود ملائکہ کو اللہ کی عبدیت سے عار نہیں پھر عیسیٰ کو عبدیت سے کس طرح انکار ہو سکتا ہے۔

اس کے علاوہ جب نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے معاملہ میں حد سے زیادہ افراط سے کام لیا اور اتنی اونچی بلندی

پر جا بٹھایا جو کسی طرح ان کے لیے سزاوار نہ تھی تو آیت میں عیسیٰ (علیہ السلام) پر ملائکہ کی فضیلت کی طرف اشارہ کر دیا گیا خواہ بعض اعتبارات سے ہی ہو مگر ملائکہ کی فضیلت کی طرف اشارہ ہو گیا اور نصاریٰ کے زعم باطل کا جواب ہو گیا جس طرح حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے جب دریافت کیا کہ کیا تم کو اپنے سے بڑا عالم کوئی معلوم ہے اور موسیٰ نے نفی میں جواب دیا تو فرمایا ضرور ہے۔ ہمارا بندہ خضر تم سے (بعض چیزوں کو) زیادہ جانتا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ نے اپنے ساتھی سے کہا: لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا اور حضرت خضر (علیہ السلام) سے کہا: هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔
(تفسیر ابن کثیر)

يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ ....

حقیقی اور علاتی بہن بھائی کی میراث کے مسائل:

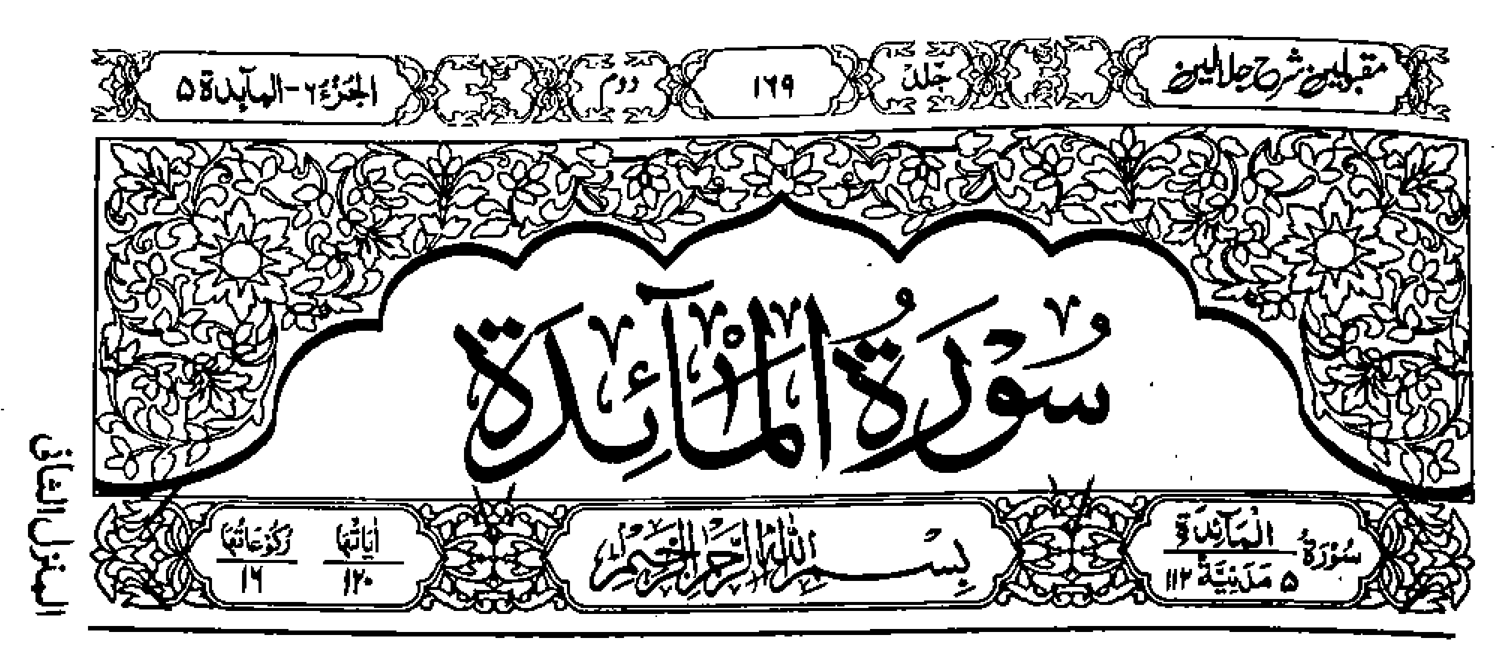
اس آیت پر سورۃ نساء ختم ہو گئی سورۃ نساء کے پہلے رکوع میں یتیموں کے حقوق اور اموال کی نگہداشت کا حکم فرمایا تھا۔ اور اجمالی طور پر مرنے والوں کی میراث جاری کرنے کا حکم تھا۔ اور دوسرے رکوع میں اولاد اور ماں باپ اور شوہر بیوی کے حصے بیان فرمائے جو انہیں میراث میں پہنچتے ہیں پھر وہیں کلالہ کی میراث کا ذکر فرمایا۔ کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کے نہ اصول ہوں اور نہ فروع ہوں۔ یعنی نہ ماں باپ ہو، نہ دادا اور نہ اولاد ہو اور نہ بیٹے کی اولاد ہو۔ ایسا شخص اگر مر جائے اور اس نے بہن بھائی چھوڑے ہوں تو ان کو جو میراث ملے گی اس کا کچھ بیان سورۃ نساء کے رکوع ۲ میں بیان فرمایا اور کچھ یہاں سورۃ نساء کے آخر میں بیان فرمایا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ بہن بھائی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ عینی (یعنی سگے بہن بھائی) علاتی (یعنی وہ بہن بھائی جو باپ شریک ہو) اخیافی یعنی وہ بہن بھائی جو صرف ماں شریک ہوں۔ ان میں سے آخر الذکر یعنی اخیافی بہن بھائی کا حصہ سورۃ نساء کے دوسرے رکوع میں بتا دیا اور وہ یہ کہ جب کسی کلالہ مرد یا عورت کی وفات ہو جائے اور اس نے ماں شریک ایک بھائی اور ایک بہن چھوڑی ہو تو ہر ایک کو مرنے والے کے مال سے چھٹا چھٹا حصہ ملے گا اور اگر ان کی تعداد اس سے زیادہ ہو مثلاً دو بہنیں ہوں یا اس سے زیادہ ہوں یا دو بھائی ہوں یا اس سے زیادہ ہوں یا ایک بھائی ہو اور بہنیں ایک سے زیادہ ہوں۔ اور یا ایک بہن ہو اور بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو یہ سب لوگ مرنے والے کے تہائی مال میں برابر کے شریک ہوں گے اور ان میں مرد عورت کا حصہ برابر ہو گا لڑکے کو لڑکی سے دگنا نہ ملے گا۔ اور باقی مال دوسرے وارثوں کو پہنچ جائے گا۔

اور یہاں سورۃ نساء کے آخر میں عینی اور علاتی یعنی سگے بہن بھائی اور باپ شریک بہن بھائی کا حصہ بتایا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص مر جائے جو کلالہ ہو اور اس نے ایک بہن چھوڑی جو عینی ہو یا علاتی ہو تو اس بہن کو (بعد اداء ما هو مقدم على الميراث ونفاذ وصیت در تہائی مال) کل مال کا آدھا ملے گا اور اگر کسی ایسی عورت کی وفات ہو گئی جو کلالہ تھی اور اس نے ایک بھائی عینی یا علاتی چھوڑا تو وہ (بعد اداء حقوق متقدمه على الميراث وانفاذ وصية در تہائی مال) اپنی مذکورہ بہن کے کل مال کا وارث ہو گا۔ اگر کسی مرد کلالہ نے دو عینی یا علاتی بہنیں چھوڑیں تو ان کو مرنے والے کے مال سے

دو تہائی ملے گا۔

اور اگر عینی یا علاتی متعدد بہن بھائی چھوڑے تو مرنے والے کا مال ان بہن بھائیوں پر اس طرح تقسیم ہوگا کہ ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ دے دیا جائے گا۔ البتہ عینی بھائی کی وجہ سے علاتی بہن بھائی سب ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور عینی بہن کی وجہ سے علاتی بہن بھائی کا حصہ کبھی ساقط ہو جاتا ہے اور کبھی گھٹ جاتا ہے جس کی تفصیل کتب فرائض میں مذکور ہے۔

آخر میں فرمایا: يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۔ کہ اللہ تمہارے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ: وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے اسے اپنی مخلوق کا سب حال معلوم ہے سب کے لیے احکام بیان فرماتا ہے اور ان سب احکام میں حکمت ہے اور مخلوق کی رعایت ہے وہ احکام و مسائل بیان فرما کر تمہیں گمراہی سے بچاتا ہے ایسے مہربان علیم و خبیر کے احکام پر دل و جان سے عمل کرنا چاہیے۔



شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۗ الْعُهُوْدِ الْمُؤَكَّدَةِ الَّتِيْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ اللّٰهِ اَوِالنَّاسِ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ اَكْلًا بَعْدَ الذَّبْحِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ تَحْرِيْمُهٗ فِيْ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ الْاٰيَةُ فَالْاِسْتِثْنَاءُ مُنْقَطِعٌ وَيَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ مُتَّصِلًا وَالتَّحْرِيْمُ لِمَا عَرَضَ مِنَ الْمَوْتِ وَنَحْوِهٖ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ۗ اَيْ مُحْرِمُوْنَ وَنَصْبُ غَيْرَ عَلَى الْحَالِ مِنْ ضَمِيْرِ لَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝١ مِنَ التَّحْلِيْلِ وَغَيْرِهٖ لَا اِعْتِرَاضَ عَلَيْهِ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ جَمْعُ شَعِيْرَةٍ اَيْ مَعَالِمِ دِيْنِهٖ بِالصَّيْدِ فِي الْاِحْرَامِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ بِالْقِتَالِ فِيْهِ وَلَا الْهَدْيَ مَا اُهْدِيَ اِلَى الْحَرَمِ مِنَ النَّعَمِ بِالتَّعَرُّضِ لَهٗ وَ لَا الْقَلَآئِدَ جَمْعُ قِلَادَةٍ وَهِيَ مَا كَانَ يُتَقَلَّدُ بِهٖ مِنْ شَجَرِ الْحَرَمِ لِيَاْمَنَ اَيْ فَلَا تَتَعَرَّضُوْا لَهَا اَوْ لِاَصْحَابِهَا وَ لَاۤ اٰمِّيْنَ قَاصِدِيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ بِاَنْ تُقَاتِلُوْهُمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ بِالتِّجَارَةِ وَ رِضْوَانًا ۗ مِنْهُ بِقَصْدِهٖ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ بَرَاءَةٍ وَ اِذَا حَلَلْتُمْ مِنَ الْاِحْرَامِ فَاصْطَادُوْا ۗ اَمْرُ اِبَاحَةٍ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ يَكْسِبَنَّكُمْ شَنَاٰنُ بِفَتْحِ النُّوْنِ وَسُكُوْنِهَا بُغْضُ قَوْمٍ لِاَجْلِ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ عَلَيْهِمْ بِالْقَتْلِ وَغَيْرِهٖ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ فِعْلِ مَا اُمِرْتُمْ بِهٖ وَ التَّقْوٰى ۪ بِتَرْكِ مَا نُهِيْتُمْ عَنْهُ وَ لَا تَعَاوَنُوْا فِيْهِ حَذْفُ اِحْدَى التَّائَيْنِ فِي الْاَصْلِ عَلَى الْاِثْمِ الْمَعَاصِيْ وَ الْعُدْوَانِ ۪ التَّعَدِّيْ فِيْ حُدُوْدِ اللّٰهِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ۗ خَافُوْا عِقَابَهٗ بِاَنْ تُطِيْعُوْهُ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

الْعِقَابِ۝ لِمَنْ خَالَفَهُ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ اَیْ اَكْلُهَا وَ الدَّمُ اَیِ الْمَسْفُوْحُ كَمَا فِی الْاَنْعَامِ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ بِاَنْ ذُبِحَ عَلٰی اسْمِ غَيْرِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ الْمَيْتَةُ خَنِقًا وَ الْمَوْقُوْذَةُ الْمَقْتُوْلَةُ ضَرْبًا وَ الْمُتَرَدِّيَةُ السَّاقِطَةُ مِنْ عُلُوٍّ اِلٰی سِفْلٍ فَمَاتَتْ وَ النَّطِيْحَةُ الْمَقْتُوْلَةُ بِنَطْحِ اُخْرٰی لَهَا وَ مَآ اَكَلَ السَّبُعُ مِنْهُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ اَیْ اَدْرَكْتُمْ فِيْهِ الرُّوْحَ مِنْ هٰذِهِ الْاَشْيَاءِ فَذَبَحْتُمُوْهُ وَ مَا ذُبِحَ عَلَی اِسْمِ النُّصُبِ جَمْعُ نِصَابٍ وَهِیَ الْاَصْنَامُ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا تَطْلُبُوا الْقِسْمَ وَالْحُكْمَ بِالْاَزْلَامِ ط جَمْعُ زَلَمٍ بِفَتْحِ الزَّایِ وَضَمِّهَا مَعَ فَتْحِ اللَّامِ قِدْحٌ بِكَسْرِ الْقَافِ سَهْمٌ صَغِيْرٌ لَا رِيْشَ لَهٗ وَلَا نَصْلَ وَكَانَتْ سَبْعَةً عِنْدَ سَادِنِ الْكَعْبَةِ عَلَيْهَا اَعْلَامٌ وَ كَانُوْا يُحِيْلُوْنَهَا فَاِنْ اَمَرَتْهُمْ اِئْتَمَرُوْا وَاِنْ نَهَتْهُمْ اِنْتَهَوْا ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ط خُرُوْجٌ عَنِ الطَّاعَةِ وَنَزَلَ بِعَرَفَةَ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ اَنْ تَرْتَدُّوْا عَنْهُ بَعْدَ طَمْعِهِمْ فِی ذٰلِكَ لَمَا رَاَوْا مِنْ قُوَّتِهٖ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِ ط اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ اَحْكَامَهُ وَفَرَائِضَهُ فَلَمْ يَنْزِلْ بَعْدَهَا حَلَالٌ وَلَا حَرَامٌ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِیْ بِاِكْمَالِهٖ وَقِيْلَ بِدُخُوْلِ مَكَّةَ اٰمِنِيْنَ وَ رَضِيْتُ اِخْتَرْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ مَجَاعَةٍ اِلٰی اَكْلِ شَیْءٍ مِمَّا حُرِّمَ عَلَيْهِ فَاَكَلَ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ مَائِلٍ لِّاِثْمٍ لا مَعْصِيَةٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لَهٗ مَا اَكَلَ رَّحِيْمٌ ۝ بِهٖ فِیْ اِبَاحَتِهٖ لَهٗ بِخِلَافِ الْمَائِلِ لِاِثْمٍ اَیِ الْمُتَلَبِّسِ بِهٖ كَقَاطِعِ الطَّرِيْقِ وَالْبَاغِیْ مَثَلًا فَلَا يَحِلُّ لَهُ الْاَكْلُ يَسْئَلُوْنَكَ يَا مُحَمَّدُ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ط مِنَ الطَّعَامِ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ لا اَلْمُسْتَلَذَّاتُ وَ صَيْدُ مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ الْكَوَاسِبِ مِنَ الْكِلَابِ وَالسِّبَاعِ وَالطَّيْرِ مُكَلِّبِيْنَ حَالٌ مِنْ كَلَّبْتُ الْكَلْبَ بِالتَّشْدِيْدِ اَرْسَلْتُهُ عَلَی الصَّيْدِ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ مُكَلِّبِيْنَ اَیْ تُؤَدِّبُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ مِنْ اٰدَابِ الصَّيْدِ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاِنْ قَتَلْنَهُ بِاَنْ لَمْ يَاْكُلْنَ مِنْهُ بِخِلَافِ غَيْرِ الْمُعَلَّمَةِ فَلَا يَحِلُّ صَيْدُهَا وَعَلَامَتُهَا اَنْ تُسْتَرْسَلَ اِذَا اُرْسِلَتْ وَتَنْزَجِرَ اِذَا زُجِرَتْ وَتُمْسِكُ الصَّيْدَ وَلَا تَاْكُلُ مِنْهُ وَاَقَلُّ مَا يُعْرَفُ بِهٖ ذٰلِكَ ثَلٰثُ مَرَّاتٍ فَاِنْ اَكَلَتْ مِنْهُ فَلَيْسَ مِمَّا اَمْسَكْنَ عَلٰی صَاحِبِهَا فَلَا يَحِلُّ اَكْلُهٗ كَمَا فِیْ حَدِيْثِ الصَّحِيْحَيْنِ

وَفِيْهِ اِنَّ صَيْدَ السَّهْمِ اِذَا اُرْسِلَ وَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ كَصَيْدِ الْمُعَلَّمِ مِنَ الْجَوَارِحِ وَ اذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ

عَلَيْهِ عِنْدَ اِرْسَالِهِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۞ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ الْمُسْتَلَذَّاتُ

وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اَىْ ذَبَائِحُ الْيَهُوْدِ وَالنَّصٰرٰى حِلٌّ حَلَالٌ لَّكُمْ وَ طَعَامُكُمْ اِيَّاهُمْ حِلٌّ

لَّهُمْ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ الْحَرَائِرُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ حِلٌّ

لَكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُهُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ مُتَزَوِّجِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ مُعْلِنِيْنَ

بِالزِّنَا بِهِنَّ وَ لَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ اَخِلَّاءَ مِنْهُنَّ تُسِرُّوْنَ بِالزِّنَا مِنْهُنَّ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ اَىْ يَرْتَدَّ

فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ الصَّالِحُ قَبْلَ ذٰلِكَ فَلَا يُعْتَدُّ بِهٖ وَلَا يُثَابُ عَلَيْهِ وَ هُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۞ ع ۵

اِذَا مَاتَ عَلَيْهِ

ترجمہ: اے ایمان والو وعدوں کو پورا کرو (یعنی پورا کرو ان مضبوط وعدوں کو جو تمہارے درمیان اور اللہ کے درمیان ہیں یا دوسرے لوگوں کے درمیان ہوں)۔ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ حلال کر دیے گئے تمہارے لیے مویشی چوپائے (اونٹ، گائے بیل بکری اور اسکے مشابہ مثلاً بھینس، بھیڑ، دنبہ ذبح کے بعد کھانا حلال کر دیا گیا) اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ مگر وہ جانور جن کی حرمت تمہارے سامنے بیان کی جائے گی (یعنی جن کا حرام ہونا آئندہ آیت ۳ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ میں دس چیزوں کا ذکر ہے جو تمہارے لیے حلال نہیں، پس استثناء منقطع ہے اور استثناء متصل بھی ہو سکتا ہے اور تحریم بسبب موت وغیرہ کے عارض ہو جانے کے ہے استثناء منقطع اس لیے ہے کہ مستثنیٰ منہ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ ہے اور مستثنیٰ ہے مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ جو ذات چوپایہ کے جنس سے نہیں ہے لیکن اگر حرف استثنا کی بعد مضاف مقدر مانا جائے مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ تو مستثنیٰ منہ حلال چوپائے تھے پھر حرام چوپائے کا استثنا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ سے کی گیا کہ دس قسم حرام ہیں اس صورت میں استثنا متصل ہوگا۔ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ مگر احرام کی حالت میں شکار کو حلال مت سمجھنا (یعنی درانحالیکہ تم محرم ہو، مطلب یہ ہے کہ تم حج یا عمرہ کا احرام باندھے ہو گو حرم سے خارج ہو حالت احرام میں شکار جائز نہیں اور حدود حرم کے اندر کسی جانور کا شکار نہ کرو کہ حرم کے جانور کا شکا محرم وغیر محرم سب کے لیے حرام ہے، اور لفظ غیر منصوب ہے اُحِلَّتْ لَكُمْ کے لَكُمْ ضمیر سے حال ہونے کی بنا پر) بیشک اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں حکم دیتے ہیں (یعنی حلال کرنا اور حرام کرنا وغیرہ جو چاہیں حکم فرما دیں ان پر کوئی اعتراض نہیں، مطلب یہ ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین سے یہ دریافت کر سکے کہ یہ حلال کیوں ہوا وغیرہ)۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو اللہ تعالیٰ کے نشانیوں کی۔ شَعَآئِرَ جمع ہے شَعِيْرَةٌ کی جس کے معنی ہیں علامت اسی لیے مفسر رحمہ اللہ علیہ نے شَعَآئِرَ اللّٰهِ کی تفسیر کی ہے اَىْ مَعَالِمَ دِيْنِهٖ

یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کے نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو احرام کی حالت میں شکار کر کے)۔ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ اور نہ ماہ حرام کی بے حرمتی کرو (یعنی شہر حرام میں لڑائی کر کے اس کی بے حرمتی نہ کرو، مطلب یہ ہے کہ اشہر حرم (حرمت والے مہینے) چار ہیں ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب ان چار مہینوں میں قتل وقتال کرنا شرعاً حرام تھا بعد میں یہ حکم جمہور علما کے نزدیک منسوخ ہو گیا جس کا بیان سورہ توبہ میں آئے گا انشاء اللہ) وَ لَا الْهَدْيَ اور نہ قربانی کے جانور کی جن کے گلے میں پڑے ہوں (قلائد قلادہ کی جمع ہے مراد جانور ہے جس کے گلے میں حرم کے درخت کی چھال لٹکا دیے گئے ہیں یعنی بطور ہار ڈال دیئے ہیں تاکہ مامون ہو جائے یعنی نہ ان قلادہ والے جانوروں سے تعرض کرو اور نہ ان جانوروں کے لے جانے والوں سے) اور نہ (بے حرمتی کرو) ان لوگوں کی جو قصد کرنے والے ہیں خانہ کعبہ کا یعنی بیت اللہ کی زیارت کے ارادہ سے جارہے ہیں جو ڈھونڈتے ہیں فضل اپنے رب کا (تجارت کے ذریعہ) اور (اس کی) خوشنودی (بیت الحرام یعنی خانہ کعبہ کا قصد کر کے اپنے خیال کے مطابق قول المفسر وَهٰذَا مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ بَرَاءَةِ اور یہ حکم یعنی ولا امین البیت الحرام جو لوگ خانہ کعبہ کی زیارت یعنی حج وعمرہ کے قصد سے آتے ہیں ان سے تعرض نہ کرو،، منسوخ ہے براءت کی آیت: انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا سے مطلب یہ ہے کہ اس آیت برائت کے بعد مشرکین کو خانہ کعبہ میں آنے کی ممانعت کر دی گئی وَ اِذَا حَلَلْتُمْ اور جب تم (احرام سے) باہر آجاؤ تو تم شکار کرو (یہ امر اباحت کے لیے ہے وجوبی نہیں، مطلب یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں جو حالت احرام میں احرام کے ادب واحترام میں شکار کی ممانعت پھر جب تم احرام کھول دو تو تم کو اجازت ہے کہ شکار کر سکتے ہو یعنی جب احرام ختم ہو گیا تو ممانعت بھی ختم ہو گئی بشرطیکہ وہ شکار حرم میں نہ ہو۔ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ اور نہ آمادہ کر دے تم کو (نہ کمائی کرائے) کسی قوم کی دشمنی (شَنَاٰنُ کا، نون کے ساتھ اور نیز سکون کے ساتھ باب فتح کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں بغض رکھنا دشمنی کرنا، اور مفسر علام رحمہ اللہ علیہ نے ان صَدُّوْكُمْ کے قبل لِاَجْلِ،، تقدیر نکال کر اشارہ کیا ہے کہ ان صَدُّوْكُمْ سے پہلے لا اجلیہ محذوف ہے) اس سبب سے کہ ان لوگوں (کفار مکہ) نے تم کو مسجد حرام جانے سے (سال حدیبیہ میں) روک دیا تھا اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم (حد سے تجاوز کر جاؤ ان کو قتل وغیرہ کر کے، وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ اور ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی پر (یعنی جس چیز کے کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے) اور تقویٰ کے کام میں (یعنی جس چیز سے تمہیں منع کیا گیا ہے اس کو چھوڑ کر، مطلب یہ ہے کہ ممنوعات سے اجتناب تقوی و پرہیز گاری ہے) وَ لَا تَعَاوَنُوْا اصل میں تتعاونوا تھا دوتا میں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے) اور ایک دوسرے کی اعانت مت کرو گناہ (معاصی) پر اور ظلم پر (یعنی حدود الہی سے تجاوز کرنے پر، وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ سے ڈرو (یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہو جس کی صورت یہ ہے کہ اس کی اطاعت کرتے رہو) بلا شبہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والے ہیں (جو ان کے خلاف کرتا ہے)۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ تم پر حرام کر دیا گیا ہے مردار یعنی مردار کا کھانا، مردار سے مراد وہ جانور ہے جو بلا ذبح اور بلا شکار کے اپنی طبعی موت سے مر جائے اس کا کھانا حرام کیا گیا وَ الدَّمُ اور خون (یعنی بہتا ہوا خون جیسا کہ سورہ انعام میں بتلا دیا گیا اودما مسفوحا مطلب یہ ہے کہ دوسری چیز جو حرام کی گئی ہے وہ بہنے والا خون ہے اس لیے کلیجی اور تلی باوجود خون ہونے کے مستثنی

ہیں، حدیث شریف میں جہاں میتہ سے مچھلی اور ٹڈی کو مستثنیٰ فرمایا گیا ہے اسی میں کلیجی اور تلی کو بھی خون سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ وَ لَحۡمُ الۡخِنۡزِیۡرِ اور سور کا گوشت (یعنی تیسری چیز جس کو حرام کیا گیا ہے وہ خنزیر ہے یعنی اس کا پورا بدن اور ہر حصہ نجس العین اور حرام ہے اس کے کسی جزو سے انتفاع درست نہیں مگر چونکہ عام طور پر کھانے میں گوشت ہی آتا ہے اس لیے گوشت کا ذکر فرمایا گیا) وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰهِ بِهٖ اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو (بایں طور کہ غیر اللہ کے نام ذبح کیا گیا ہو) وَ الۡمُنۡخَنِقَةُ اور وہ جانور جو گلا گھونٹنے سے مر جائے (جو گلا نٹنے سے مرا ہو یا خود ہی کسی جال وغیرہ میں پھنس کر دم گھٹ گیا ہو) وَ الۡمَوۡقُوۡذَةُ اور وہ جانور جو چوٹ کھا کر مرا ہو (یعنی جو ضرو شدید سے قتل کیا ہوا ہو جیسے لاٹھی یا پتھر سے ہلاک ہوا ہو) وَ الۡمُتَرَدِّیَةُ اور وہ جانور جو اوپر سے نیچے گر کر مرا ہو (یعنی اوپر سے نیچے کے طرف گرا اور مر گیا جیسے پہاڑ سے لڑھک کر نیچے گرا اور مر گیا یا کسی کنویں میں گر کر مر گیا چھت وغیرہ سے گر کر مر گیا یا کسی نے بلندی سے گرایا اور مر گیا تو یہ جانور حرام ہے۔ وَ النَّطِیۡحَةُ اور وہ جانور جو ٹکر سے مرا ہو (یعنی جو دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مر گیا ہو، اسی طرح ریل موٹر وغیرہ کی زد میں آ کر مر جائے وہ بھی داخل میتہ ہے اور حرام ہے وَ مَاۤ اَکَلَ السَّبُعُ اور وہ جانور جس کو درندہ نے پھاڑ کھایا ہو (مِنۡهُ یعنی اس میں کچھ کھایا اور باقی حصہ چھوڑ دیا تو اس کا بقیہ تم پر حرام ہے) اِلَّا مَا ذَکَّیۡتُمۡ ۟ مگر جس کو تم نے ذبح کر لیا (یعنی ان تمام جانوروں میں سے جو آخری پانچ اقسام ہیں: منخنقہ، موقوذہ، متردیہ، نطیحہ اور وَ مَاۤ اَکَلَ السَّبُعُ میں سے کسی جانور میں زندگی محسوس کر کے تم نے ذبح کر لیا تو وہ حرام نہیں ہے) وَ مَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ اور جو جانور تھانوں پر ذبح کیا گیا ہو (نصب جمع ہے نصاب کی بمعنی اصنام ہے یعنی وہ جانور بھی حرام ہے جس کو کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا) وَ اَنۡ تَسۡتَقۡسِمُوۡا بِالۡاَزۡلَامِ ؕ اور یہ (بھی تم پر حرام ہے کہ تم تیروں کے پانسوں سے قسمت اور حکم معلوم کرو (یعنی گوشت وغیرہ کا حصہ اور حکم جوئے کے تیروں سے معلوم کرو، بِالۡاَزۡلَامِ ؕ جمع ہے زَلَم کی زا کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ مع فتح لازم بمعنی قدح بکسر القاف ہے یعنی چھوٹا تیر جس کے نہ پر ہوں نہ پھل، اور یہ تیر سات عدد تھے جو خانہ کعبہ کے دربان کے پاس رہتے تھے ان تیروں پر علامتیں لگی ہوتی تھیں اور یہ لوگ ان تیروں سے جواب لیتے تھے اب اگر ان کو حکم ملتا تو یہ سرانجام دیتے اور منع والا نکلتا تو باز رہتے) ذٰلِکُمۡ فِسۡقٌ ؕ یہ سب فسق ہے طاعت سے خروج ہے یعنی نافرمانی اور گناہ ہے)۔ وَنَزَلَ بِعَرَفَةَ عَامَ حَجَّةِ الۡوَدَاعِ اور اگلی آیت حجۃ الوداع کے سال یعنی ۱۰ھ یوم عرفہ میں نازل ہوئی اَلۡیَوۡمَ یَئِسَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا آج کے دن (یعنی اب) ناامید ہو گئے کافر لوگ تمہارے دین سے (یعنی اس بات سے مایوس ہو گئے کہ تم اپنے دین اسلام سے پھر وگے اس کے بعد کہ ان کافروں کو حرص وطمع تھی اس سلسلے میں یعنی ان کافروں کو پہلے طمع تھی کہ مسلمان اسلام سے پھر کر مرتد ہو جائیں لیکن اب مایوس ہو گئے اس کی وجہ اور علت یہ ہے لَمَّا رَاَوۡا مِنۡ قُوَّتِهٖ اس وجہ سے کہ انہوں نے دین اسلام کی قوت دیکھ لی) فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ پس تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو، آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا (یعنی دین کے احکام وفرائض، چنانچہ اس آیت کے بعد کوئی حلال وحرام اور فرائض واحکام میں سے کوئی حکم نازل نہیں ہوا) اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ اور میں نے تم پر اپنا انعام پورا کر دیا (دین کو کامل کر کے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ

امن کے ساتھ مکہ میں داخل کر کے) وَ رَضِيتُ اور میں نے پسند کیا (انتخاب کیا) اسلام کو تمہارا دین ہونے کے لیے (یعنی اب قیامت تک تمہارا یہی دین رہے گا جو دنیا کے تمام دینوں سے خدا کے نزدیک پسندیدہ اور بہتر ہے) فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ پھر (اشیاء مذکورہ یعنی میتۃ وغیرہ کی حرمت دریافت کر لینے کے بعد یہ بھی معلوم کر لو کہ) جو شخص شدت کی بھوک میں بیتاب ہو جائے۔ (مَخْمَصَةٍ بمعنی مَجَاعَةٍ یعنی بھوک کی شدت میں ان حرام چیزوں میں سے کسی چیز کے کھانے کی طرف مجبور ہو جائے اور کھالے) بشرطیکہ وہ گناہ (معصیت) کی طرف جھکنے والا (مائل) نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے ہیں (جو اس نے کھالیا) مہربان ہیں (اس پر کہ اس حالت میں اس کے لیے جائز کر دیا بخلاف اس شخص کے جو گناہ کی طرف مائل ہو یعنی گناہ کا مرتکب ہو جیسے راہزن یعنی ڈاکو اور باغی یعنی سلطان حاکم سے بغاوت کرنے والا کہ ان کے لیے کھانا جائز نہ ہوگا)۔ يَسْأَلُونَكَ لوگ آپ دریافت کرتے ہیں (اے محمد ﷺ کہ کیا چیز ان کے لیے حلال کی گئی) یعنی کھانے کی چیز میں سے مفسر نے مِنَ الطَّعَامِ سے مَاذَا کا بیان بتلا دیا آپ (جواب میں) فرما دیجئے کہ تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں (جو لذیذ سمجھی جاتی ہیں) حلال کر دی گئی ہیں۔ مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ اور (حلال کیا گیا تمہارے لیے شکار) ان شکاری جانوروں کا (الْجَوَارِحِ بمعنی کواسب ہے یعنی کتے، درندے اور پرندے جیسے چیتا باز وغیرہ میں سے جو شکار کرنے والے جانور ہیں) جن کو تم نے سکھلا دیا ہے درانحالیکہ تم شکار پر چھوڑنے والے ہو اس حال میں کہ تم ان جوارح کو سکھلاتے ہو (شکار کرنے کا وہ طریقہ) جو اللہ تعالیٰ نے تم کو (عقل دے کر) سکھایا ہے۔ (مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مِّنَ الْجَوَارِحِ ،، کا بیان ہے، مفسر علام نے مَا عَلَّمْتُمْ میں واؤ عاطفہ کے بعد لفظ صَيْدَ بمعنی مصید کی تقدیر نکال کر اشارہ کیا ہے کہ اس کا عطف طیبات پر ہے اور جوارح کے معنی ہیں کواسب یعنی شکار کمانے والے اور شکار حاصل کرنے والے جانور۔ مُكَلِّبِينَ حال ہے مُكَلِّبِينَ کی ضمیر تم سے یہ تکلیب سے اسم فاعل ہے جس کے اصل معنی ہیں کتے کو ٹریننگ دینے والا اسی کو مفسر علام بتاتے ہیں کہ مِنْ كَلَّبْتُ الْكَلْبَ یعنی یہ ماخوذ ہے كَلَّبْتُ الْكَلْبَ بالتشدید سے میں نے کتے کو ٹریننگ دی کر شکار پر چھوڑا۔ تُعَلِّمُونَهُنَّ حال ہے مُكَلِّبِينَ کی ضمیر سے اَیْ تُؤَدِّبُوْنَهُنَّ معنی ہوگا درانحالیکہ ان شکاری جانوروں کو سکھلاتے ہو یعنی ان کو آداب شکار سکھلاتے ہو جو آداب شکار اللہ نے تم کو سکھلایا ہے) فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ پس کھاؤ اس شکار میں سے جس کو شکاری جانور تمہارے لیے روک لیں۔ (اگرچہ یہ شکاری جانور شکار کو مار ڈالیں بایں طور کہ شکاری جانور خود اس سے نہ کھائیں برخلاف ایسے جوارح کے جو تعلیم یافتہ (ٹرینڈ) نہ ہوں ان کا شکار حلال نہیں ہے اور ان جوارح معلمہ یعنی ٹرینڈ جانوروں کی علامت و پہچان یہ ہے کہ وہ جوارح دوڑ جائیں جب شکار پر چھوڑے جائیں اور رک جائیں جب تم روکو، اور شکار کو پکڑ کر روکے رکھیں خود اس میں سے نہ کھائیں، اور کم از کم تین مرتبہ اس کو امتحان سے معلوم کر لیا جائے تو تعلیم یافتہ سمجھا جائے گا۔ چنانچہ اگر اس شکار میں سے خود کھانے لگے تو سمجھا جائے گا کہ اس نے مالک کے لیے شکار نہیں کیا۔ پس اس شکار کا کھانا حلال نہیں ہوگا جیسا کہ صحیحین یعنی بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیث میں آیا ہے اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اگر بسم اللہ پڑھ کر شکار پر تیر چھوڑا جائے تو تعلیم یافتہ جوارح کے مانند حلال ہوگا۔ وَاذْكُرُوا اسْمَ

اللّٰهِ عَلَيْهِ اور اس (جانور) پر اللہ کا نام لے لیا کرو (یعنی چھوڑنے کے وقت، مطلب یہ ہے کہ جب تم اس شکاری جانور کو شکار پر چھوڑو تو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑو) وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو (مثلاً شکار میں ایسے منہمک اور مشغول مت ہو کر نماز وغیرہ سے غفلت ہو جائے یا اتنی حرص مت کرو کہ شرائط حلت کے بغیر بھی اس شکار کو کھا جاؤ) بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والے ہیں۔ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ آج تمام پاکیزہ (لذیذ) چیزیں تمہارے لیے حلال کردی گئی اور حلال کیا گیا تمہارے لیے کھانا ان لوگوں کا جو کتاب دیئے گئے (یہاں طعام سے مراد ذبیحہ ہے اس لیے مفسر سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اَیْ ذَبَائِحُ الْيَهُوْدِ وَالنَّصٰرٰى یعنی یہود و نصاریٰ کے ذبائح، اہل کتاب کے ذبح کیے ہوئے جانوروں کا گوشت تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے اور نیز پاکدامن عورتیں جو مسلمان ہوں، اور پاکدامن عورتیں (عند المفسر آزاد عورتیں) ان لوگوں میں سے جو تم سے پہلے (آسمانی) کتاب دیئے گئے ہیں (یعنی ان عورتوں سے نکاح کرنا تمہارے لیے حلال ہے) بشرطیکہ تم ان کا معاوضہ (مہر) ادا کردو اس طرح سے کہ تم نکاح کرنے والے بیوی بنانے والے) ہو نہ تو علانیہ طور پر بدکاری کرنے والے ہو (یعنی نہ ان سے علانیہ زنا کرنے والے ہو) اور نہ پوشیدہ طور پر آشنائی کرنے والے ہو (یعنی ان سے ایسی دوستی و یاری نہ کرو کہ چھپ کر ان سے زنا کرو) اور جو شخص ایمان کے ساتھ کفر کرے گا) یعنی مرتد ہو جائے گا) تو اس کا عمل اکارت جائے گا (یعنی اس کے نیک اعمال جو اس ارتداد سے پہلے اس نے کیے ان کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا اور نہ اس پر کوئی ثواب ملے گا (کیونکہ قبول اعمال کے لیے ایمان شرط ہے) اور وہ شخص آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہو گا (جب کہ اسی ارتداد پر مر گیا ہو)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: الْعُهُوْدِ الْمُؤَكَّدَةِ: اس سے مقید کیا کیونکہ دراصل کہا ہی پختہ وعدہ کو ہے۔

قوله: اَكْلًا بَعْدَ الذَّبْحِ: اَكْلًا کو مقدر مانا کیونکہ حلت حرمت یہ افعال کے اوصاف سے ہیں، اعیان کے نہیں اور بعد الذبح کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ بلا ذبح وحرام ہیں۔

قوله: فَالِاسْتِثْنَاءُ مُنْقَطِعٌ: کیونکہ مستثنیٰ بہیمۃ الانعام کی جنس سے نہیں۔

قوله: غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ: یہ ذوالحال ہے اور اَنْتُمْ حُرُمٌ حال ہے۔

قوله: مِنْ ضَمِيْرِ لَكُمْ: اشارہ کیا، اوفوا سے نہیں۔

قوله: جَمْعُ شَعِيْرَةٍ: سے اشارہ کیا کہ یہ بمعنی علامت ہے اور یہ نام ان کو علامات حج ہونے کی بنا پر دیا گیا۔

قوله: بِالتَّعَرُّضِ لَهٗ، وَلَا تَحِلُّوا: مطلب یہ ہے کہ آمین یہ شعائر اللہ کا معطوف ہے۔

قوله: يَكْسِبَنَّكُمْ: یعنی وہ تم سے نہ کروائیں زیادتی۔ اس سے اشارہ کیا کہ یہ آمادہ کرنے کے معنی میں نہیں کیونکہ

حذف جار کی محتاجی ہے۔

قوله: لِاَجَلِ اَنْ :اس سے اشارہ کیا کہ اَنْ تَعْتَدُوْا یہ مفعول ثانی ہے اور اَنْ صَدُّوْكُمْ یہ شَنَاٰنُ سے متعلق ہے۔

قوله: اَلْمَعَاصِيْ: اس تفسیر کو اس لیے اختیار کیا تا کہ تقویٰ مغایر ہو جائے۔

قوله: بِاَنْ ذُبِحَ : مطلق ذکر غیر اللہ مراد نہیں بلکہ ان کے قرب کے لیے ذبح کرنا۔

قوله: اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ :استثناء میں بھی اَلْمُنْخَنِقَةُ اور اس کے مابعد شامل ہیں۔

قوله: عَلَى اِسْمِ النُّصُبِ :اسم کو مقدر مانا تا کہ علیٰ ذبح کا صلہ بن سکے اور علیٰ کو لام کے معنی میں قرار دینے کی حاجت نہ رہے۔

قوله: خُرُوْجٌ عَنِ الطَّاعَةِ: کیونکہ یہ علم غیب میں مداخلت کے مترادف ہے۔

قوله: اِخْتَرْتُ :اس سے تفسیر کی تا کہ مفعول ثانی کی طرف اس کا متعدی ہونا درست ہو اور وہ لفظ دین ہے۔

قوله: لَكُمُ الْاِسْلَامَ :یعنی جناب نبی اکرم ﷺ کو بھیجنے کے بعد۔

قوله: مِمَّا حُرِّمَ عَلَيْهِ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ ذکر محرمات سے متصل ہے اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔

قوله: اَلْمُسْتَلَذَّاتُ: اس سے اشارہ کر دیا کہ اس سے حلال چیزیں مراد نہیں بلکہ لذیذ مراد ہیں۔

قوله: وَ صَيْدُ: مضاف کو مقدر مانا کیونکہ مَا عَلَّمْتُمْ کا عطف الطَّيِّبٰتُ پر ہے اور ما موصولہ وہ جوارح کی تعبیر ہے پس ان کے حلال ہونے کا کوئی معنیٰ نہیں۔

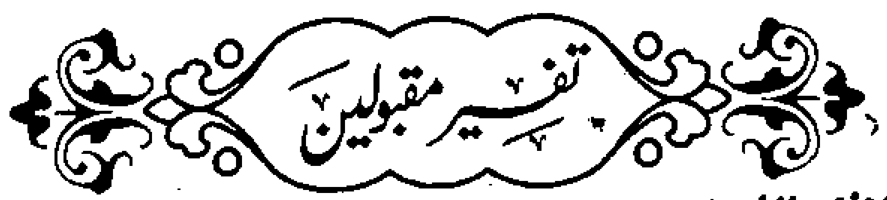
قوله: مِنْ كَلَّبْتُ الْكَلْبَ: یہ شکار پر جارح کے چھوڑنے کے معنی میں ہے۔ شکار سکھلاتے ہوئے کے معنی میں نہیں۔

قوله: حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ :اس سے اشارہ کیا یہ صفت ہے اور عَلَّمْتُمْ کی ضمیر سے حال ہے۔

قوله: اَلْحَرَائِرُ: یہ تخصیص اولویت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

قوله: اٰتَيْتُمُوْهُنَّ :یہ وجوب کی تاکید اور اولیٰ پر ابھارا گیا ہے۔

قوله: قَبْلَ ذٰلِكَ :اس سے اشارہ ہے کہ ارتداد سے ماسبق کے اعمال صالحہ برباد ہوتے ہیں، آئندہ اگر وہ توبہ کر کے عمل صالح کرے تو وہ برباد نہ ہوں گے۔



يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ....

سورت کا شان نزول اور خلاصہ مضامین:

یہ سورۃ مائدہ کی ابتدائی آیت ہے۔ سورۃ مائدہ بالاتفاق مدنی سورۃ ہے اور مدنی سورتوں میں بھی آخر کی سورت ہے، یہاں تک کہ بعض حضرات نے اس کو قرآن کی آخری سورت بھی کہا ہے۔ مسند احمد میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما و اسماء بنت یزید منقول ہے کہ سورۃ مائدہ رسول کریم ﷺ پر اس وقت نازل ہوئی جب کہ آپ سفر میں عضباء نامی اونٹنی پر سوار

تھے۔نزول وحی کے وقت جو غیر معمولی ثقل اور بوجھ ہوا کرتا تھا حسب دستور اس وقت بھی ہوا۔یہاں تک کہ اونٹنی عاجز ہوگئی۔ تو آپ ﷺ اس سے نیچے اتر آئے۔یہ سفر بظاہر حجۃ الوداع کا سفر ہے جیسا کہ بعض روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ حجۃ الوداع ہجرت کے دسویں سال میں ہوا، اور اس سے واپسی کے بعد رسول کریم ﷺ کی دنیوی حیات تقریباً اسی (80) دن رہی۔ابن حبان نے بحر محیط میں فرمایا کہ سورۃ مائدہ کے بعض اجزاء سفر حدیبیہ میں اور بعض فتح مکہ کے سفر میں اور بعض حجۃ الوداع کے سفر میں نازل ہوئے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ سورت نزول قرآن کے آخری مراحل میں نازل ہوئی ہے۔خواہ بالکل آخری سورت نہ ہو۔

روح المعانی میں بحوالہ ابوعبید حضرت حمزہ بن حبیب اور عطیہ بن قیس کی یہ روایت رسول کریم ﷺ سے منقول ہے۔ ((المائدۃ من اخر القران تنزیلا فاحلوا حلالہا وحرموا حرامہا)) یعنی سورۃ مائدہ ان چیزوں میں سے ہے جو نزول قرآن کے آخری دور میں نازل کی گئی ہیں۔اس میں جو چیز حلال کی گئی ہے اس کو ہمیشہ کے لیے حلال اور جو چیز حرام کی گئی ہے اس کو ہمیشہ کے لیے حرام سمجھو۔

اسی قسم کی ایک روایت ابن کثیر نے مستدرک حاکم کے حوالہ سے حضرت جبیر بن نفیر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ وہ حج کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا جبیر تم سورۃ مائدہ پڑھتے ہو۔انہوں نے عرض کیا ہاں پڑھتا ہوں۔صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ قرآن پاک کی آخری سورۃ ہے اور اس میں جو احکام حلال وحرام کے آئے ہیں وہ محکم ہیں۔ان میں نسخ کا احتمال نہیں ہے۔ان کا خاص اہتمام کرو۔سورۃ مائدہ میں بھی سورۃ نساء کی طرح فروعی احکام، معاملات، معاہدات وغیرہ کے زیادہ بیان کئے گئے ہیں۔اسی لیے روح المعانی نے فرمایا ہے کہ سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران باعتبار مضامین کے متحد ہیں۔کیونکہ ان میں زیادہ تر احکام اصول عقائد، توحید، رسالت، قیامت وغیرہ کے آئے ہیں۔فروعی احکام ضمنی ہیں اور سورۃ نساء اور مائدہ باعتبار مضامین کے متحد ہیں کہ ان دونوں میں بیشتر فروعی احکام کا بیان ہے، اصول کا بیان ضمنی ہے۔سورۃ نساء میں باہمی معاملات اور حقوق العباد پر زور دیا گیا ہے۔شوہر بیوی کے حقوق، یتیموں کے حقوق، والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے حقوق کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔سورۃ مائدہ کی پہلی آیت میں بھی ان تمام معاملات اور معاہدات کی پابندی اور ان کے پورا کرنے کی ہدایت آئی ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۔اسی لیے سورۃ مائدہ کا دوسرا نام سورۃ عقود بھی ہے۔(بحر محیط)

معاہدات اور معاملات کے بارے میں یہ سورۃ اور بالخصوص اس کی ابتدائی آیت ایک خاص حیثیت رکھتی ہے۔اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے جب عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو یمن کا عامل (گورنر) بنا کر بھیجا اور ایک فرمان لکھ کر ان کے حوالہ کیا۔تو اس فرمان کے سرنامہ پر آپ ﷺ نے یہ آیت تحریر فرمائی تھی۔

ایفائے عہد کا حکم اور چوپایوں اور شکاری جانوروں سے متعلقہ بعض احکام:

سورۂ مائدہ کی ابتداء ایفائے عقود یعنی عہدوں کو پورا کرنے کے حکم سے ہے ارشاد فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا

بِالْعُقُوْدِ ۔ اے ایمان والو! اپنے عہدوں کو پورا کرو۔ عہدوں کو پورا کرنا ایمانی تقاضا ہے اور بدعہدی ایمان کے خلاف ہے اس میں وہ عہد بھی داخل ہے جو بندوں نے اللہ سے کیا ہے، جب کسی نے اسلام قبول کرلیا تو اس نے یہ عہد کرلیا کہ میں اللہ کے تمام اوامر کو مانوں گا اور جو بھی احکام ہونگے ان سب پر عمل کروں گا اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سب سے بچتا رہوں گا۔ خواہ اللہ کی کتاب قرآن مجید میں اوامر ونواہی ہوں اور خواہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے بھیجے ہوں۔

درمنثور ص ۲۵۸ ج ۲ بحوالہ بیہقی وغیرہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اور: او فو بالعقود ای بالعهود ما أحل الله وما حرم وما فرض وما حد فی القران كله لا تغدروا و لا تنكثوا (یعنی عہد پورا کرو اللہ نے جو حلال قرار دیا ہے اور حرام قرار دیا ہے اور جن چیزوں کو فرض کیا اور جو قرآن میں حدود بیان کیں ان سب احکام پر عمل کرو۔ ان کی ادائیگی میں کوئی عذر نہ کرو اور عہد شکنی نہ کرو)۔

بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ حلال کردیئے گئے

پہلا حکم بیان فرمایا کہ: اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ . کہ تمہارے لیے چوپائے حلال کئے گئے جو انعام کے مشابہ ہیں) بہیمہ ہر اس جانور کو کہتے ہیں جس کے چار پاؤں ہوں اور انعام عموماً اونٹ گائے بکری کے لیے بولا جاتا ہے انعام کا حلال ہونا پہلے سے مخاطبین کو معلوم تھا۔ جن جانوروں پر انعام کا اطلاق نہیں ہوتا لیکن وہ شکل وصورت میں انعام کی طرح سے ہیں جیسے ہرن، نیل گائے، شترمرغ ان کا حلال ہونا مشروع فرمادیا۔ لفظ بَهِيْمَةُ کی اضافت جو لفظ انعام کی طرف ہے اس کے بارے صاحب روح المعانی نے بعض حضرات کا یہ قول لکھا ہے کہ یہ اضافت بیانیہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مشابہت بیان فرمانے کے لیے اضافت کو اختیار فرمایا اور مطلب یہ ہے کہ بہائم جو انعام کے مشابہ ہیں وہ تمہارے لیے حلال کئے گئے اور مشابہت اس بات میں ہے کہ وہ دوسرے جانوروں کو چیر پھاڑ کر نہیں کھاتے۔

پھر جب: بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ کی حلت ذکر فرمادی اور اس میں وحشی جانور بھی داخل ہوگئے جن کا شکار کیا جاتا ہے) تو اس سے شکار کی اجازت بھی معلوم ہوگئی لیکن چونکہ حالت احرام میں شکار کرنا ممنوع ہے (حج کا احرام ہو یا عمرہ کا) اس لیے ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا: غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ کہ تمہارے لیے یہ جانور حلال کیے گئے اس حال میں کہ حالت احرام میں تم ان کا شکار کرنے کو عملاً واعتقاداً حلال نہ سمجھو۔

بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ کی حلت بیان فرماتے ہوئے بطور استثناء اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فرمایا مطلب یہ ہے کہ جو جانور تمہارے لیے حلال کئے گئے ہیں ان میں سے وہ جانور مستثنیٰ ہیں جن کا تذکرہ ایک آیت کے بعد: (حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ) (الایۃ) میں فرمایا ہے سورۂ بقرہ اور سورۂ انعام اور سورۂ نحل میں بھی ان میں سے بعض چیزوں کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝ (بے شک اللہ حکم فرماتا ہے جو چاہتا ہے) اس کی مشیت حکمتوں کے مطابق ہے۔ قال صاحب الروح من الاحكام حسب ما تقتضيه مشيه المبنية على الحكم البالغة التى تقف دونها الافكار فيدخل فيها ماذكره من التحليل والتحريم دخولا اوليا۔ (انوار البیان)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ

سبب نزول: اس کے بعد فرمایا: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ (الاٰیۃ) اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں مفسرین نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ شریح بن ضبیعہ کندی یمامہ سے مدینہ منورہ آیا یمامہ ایک علاقہ کا نام ہے اس نے اپنے ساتھیوں کو جو گھوڑوں پر سوار تھے مدینہ منورہ کے باہر چھوڑ دیا اور تنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور کہنے لگا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں آپ نے فرمایا میں لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ کی اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ ادا کرنے کی دعوت دیتا ہوں کہنے لگا کہ یہ تو اچھی بات ہے مگر میرے چند امراء ہیں میں ان کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا امید ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں گا اور ان کو بھی ساتھ لے آؤں گا اس کے آنے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے فرما دیا تھا کہ ایک آدمی آرہا ہے جو شیطان کی زبان سے بات کرے گا جب وہ چلا گیا تو آپ نے فرمایا کافر کا چہرہ لے کر داخل ہوا اور دھوکہ باز کے پاؤں کے ذریعہ باہر چلا گیا اور یہ شخص مسلم نہیں ہے جب یہ شخص مدینہ سے باہر نکلا تو وہاں جو جانور (اونٹ وغیرہ) چر رہے تھے انہیں لے کر چلا گیا، حضرات صحابہ نے اس کا پیچھا کیا لیکن اسے پکڑ نہ سکے اس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے موقع پر تشریف لے جا رہے تھے تو یمامہ کے حجاج کے تلبیہ کی آواز سنی آپ نے فرمایا یہ حطم ہے اور اس کے ساتھی ہیں (حطم شریح بن ضبیعہ کا لقب ہے) ان لوگوں نے ان جانوروں کے گلے میں قلادے یعنی پٹے ڈال رکھے تھے جو مدینہ کے باہر چرنے والے جانوروں میں سے لوٹ کر لے گئے تھے اور ان جانوروں کو بطور ھدی کعبہ شریف کی طرف لے جا رہے تھے اور ان کے ساتھ بہت سا تجارت کا سامان بھی تھا مسلمانوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ حطم جا رہا ہے حج کے لیے نکلا ہے آپ اجازت دیجئے ہم اس کو لوٹ لیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے ھدی کے جانوروں کو قلادہ ڈال رکھا ہے لہٰذا ان کا لوٹنا صحیح نہیں مسلمانوں نے کہا یہ تو کوئی رکاوٹ کی چیز معلوم نہیں ہوتی یہ کام تو ہم جاہلیت میں کیا کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی جس میں شعائر اللہ کی بے حرمتی سے منع فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا شعائر اللہ سے مناسک حج مراد ہیں مشرکین حج بھی کرتے تھے اور کعبے شریف کی طرف جانوروں کو بھی لے جایا کرتے تھے مسلمانوں نے ان کو لوٹنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا۔ حضرت عطاء سے مروی ہے کہ شعائر سے اللہ تعالیٰ کے حدود اور اوامر اور نواہی اور فرائض مراد ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ شعائر اللہ سے صفا مروہ اور وہ جانور مراد ہیں جو کعبہ شریف کی طرف بطور ھدی لے جائے جاتے ہیں۔

شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم:

اللہ تعالیٰ نے شعائر کی تعظیم کے بارے میں سورۂ حج میں ارشاد فرمایا: (وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ) (یعنی جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ قلوب کے تقوٰی کی بات ہے۔)

شعائر اللہ کی بے حرمتی کی ممانعت کے بعد الشَّهْرَ الْحَرَامَ کی بے حرمتی سے بھی منع فرمایا کہ اس میں کافروں سے جنگ نہ کی جائے، اور ھدی کی بے حرمتی کرنے سے بھی منع فرمایا۔ ھدی وہ جانور ہے جو کعبہ شریف کی طرف لے جایا جائے اور حدود حرم میں اللہ کی رضا کیلئے ذبح کر دیا جائے۔ اور قلائد کی بے حرمتی سے بھی منع فرمایا، یہ قلادہ کی جمع ہے ھدی کے جانوروں کے گلوں میں پٹے ڈال دیا کرتے تھے تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ ھدی ہے اور کوئی اس سے تعرض نہ کرے۔ قلائد کی بے حرمتی کی ممانعت سے مراد یہ ہے کہ جن جانوروں کے گلوں میں یہ پٹے پڑے ہوں ان کی بے حرمتی نہ کی جائے ان کو لوٹا نہ جائے۔

بعض حضرت نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس سے اصحاب قلائد مراد ہیں کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ مکہ معظمہ کے درختوں کی چھال لے کر اپنے گلوں میں ڈال لیا کرتے تھے۔

جب اشہر الحرم گزر جاتے اور گھروں کو واپس جانا چاہتے تو اپنے گلوں میں اور جانوروں کے گلوں میں یہ پٹے ڈالے رکھتے تھے تاکہ اپنے گھروں میں امن سے پہنچ جائیں۔

پھر فرمایا: وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ یعنی جو لوگ بیت حرام کا قصد کر کے جا رہے ہوں ان کی بھی بے حرمتی نہ کرو اور ان سے تعرض نہ کرو۔ لفظ "آٰمِّيْنَ" "أَمَّ يَأُمُّ" بمعنی قَصَدَ يَقْصُدُ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کے عموم میں حج کی نیت سے جانے والے اور عمرہ کی نیت سے جانے والے سب داخل ہو گئے ان کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا۔ (کہ یہ لوگ اپنے رب کا فضل اور اس کی رضامندی چاہتے ہیں) فضل سے مال تجارت کا نفع مراد ہے اور رضوان سے اللہ کی رضامندی مراد ہے مشرکین جو حج کرتے تھے اپنے خیال میں وہ اللہ کو راضی کرنے کے لیے حج کرتے تھے جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت تک مشرکین کو حج کرنے سے منع کیا گیا تھا اور مکہ معظمہ فتح نہیں ہوا تھا۔ بعد میں جب ۸ ھ میں مکہ معظمہ فتح ہو گیا اور ۹ ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امارت میں حج ہوا تو یہ اعلان فرما دیا کہ: أَلَا لَا يَحُجَّنَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَنَّ بِالْبَيْتِ عُرْيَانًا کہ خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ (مشرکین ایسا کیا کرتے تھے) اور سورۂ براءۃ میں فرمایا: (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا) (کہ اے ایمان والو! مشرکین نجس ہیں سو مسجد حرام کے قریب نہ جائیں اس سال کے بعد لہٰذا اب کسی کافر کو حج کرنے کی اجازت نہیں۔) وہ ھدی اور قلائد لے کر آئے گا تو مامون نہ ہوگا مسلمانوں کے حق میں بدستور آیت کا سب مضمون باقی ہے حجاج بیت اللہ کو اور عمرہ کی نیت سے جانے والوں کو اور ھدی کو تعرض کرنا ممنوع ہے اشہر حرم میں جو کافروں سے قتال کی ممانعت تھی وہ منسوخ ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ

جن جانوروں کا کھانا حرام ہے ان کی تفصیلات:

گزشتہ آیت میں بتایا تھا کہ بہیمۃ الانعام تمہارے لیے حلال کر دیئے گئے ساتھ یہ بھی فرمایا: اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ کہ ان حلال جانوروں میں جو جانور حرام ہیں وہ تمہیں بتا دیئے جائیں گے، چنانچہ اس آیت میں ان جانوروں کا ذکر ہے جو زندہ

ہونے کی صورت میں شرعی طریقے پر ذبح کر لیے جائیں تو ان کا کھانا حلال ہو جاتا ہے لیکن جب ان میں بعض صفات ایسی پیدا ہو گئیں جن کی وجہ سے حرمت آ گئی تو ان کا کھانا حلال نہ رہا۔

اَلْمَیْتَۃُ (مردار):

ان میں اوّل اَلْمَیْتَۃُ کی حرمت کا ذکر فرمایا، میتۃ ہر وہ جانور ہے جو شرعی طریقے پر ذبح کیے بغیر مر جائے خواہ یوں ہی اس کی جان نکل جائے خواہ کسی کے مار دینے سے مر جائے۔ گائے، بیل، بھینس اونٹ اونٹنی، بکرا بکری، ہرن، نیل گائے اور تمام وہ جانور جن کا کھانا حلال ہے اگر وہ ذبح شرعی کے بغیر مر جائیں تو ان کا کھانا حرام ہو جاتا ہے۔ البتہ مچھلی چونکہ ذبح کیے بغیر ہی حلال ہے اس لیے اگر خشکی میں آنے کے بعد اپنی موت مر جائے تو اس کا کھانا جائز ہے اور خشکی کے جانوروں میں ٹڈی بھی بغیر ذبح کیے ہوئے حلال ہے اگر وہ اپنی موت مر جائے تو اس کا کھانا بھی حلال ہے۔

مسئلہ: ذبح شرعی سے پہلے زندہ جانور سے جو کوئی جسم کا حصہ کاٹ لیا جائے تو وہ بھی میتۃ (مردار) کے حکم میں ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔ حضرت ابو واقد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور اس سے پہلے اہل مدینہ کی یہ عادت تھی کہ زندہ اونٹوں کے کوہان اور دنبوں کی چکیاں کاٹ لیتے تھے اور ان کو کھا جاتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زندہ جانور سے جو حصہ کاٹ لیا جائے وہ میتۃ ہے یعنی مردار ہے۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

جس طرح مردار جانور کا کھانا حرام ہے اسی طرح اس کی خرید فروخت بھی حرام ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے سال ارشاد فرمایا جبکہ آپ مکہ معظمہ ہی تشریف فرما تھے کہ بلا شبہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے شراب اور میتۃ (مردہ جانور) اور خنزیر اور بتوں کے بیع کو حرام قرار دیا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ مردہ جانور کی چربیوں کے بارے میں ارشاد فرمائیے (کیا ان کو بیچنا بھی حرام ہے؟) ان سے کشتیوں کو روغن کیا جاتا ہے اور چمڑوں میں بطور تیل کے استعمال کی جاتی ہیں اور ان کے ذریعے لوگ چراغ جلاتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا چربی بھی حلال نہیں ہے وہ بھی حرام ہے پھر فرمایا اللہ لعنت فرمائے یہودیوں پر بلا شبہ اللہ نے ان پر مردہ جانور کی چربی حرام فرمائی تھی انہوں نے اسے خوب صورت چیز بنا دیا (یعنی اسے پگھلا کر اس میں کچھ اور چیز ملا کر اپنے خیال میں اسے اچھی شکل دیدی) پھر اسے بیچ کر اس کی قیمت کھا گئے۔ (راوی البخاری ومسلم)

معلوم ہوا کہ مردار جانور کا گوشت اور چربی دونوں حرام ہیں ان کا کھانا بھی حرام ہے اور کا بیچنا بھی حرام ہے حدیث بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حرام چیز کو خوبصورت بنا دینے سے اس میں کچھ ملا دینے سے اس کا نام بدل دینے سے اسے خوبصورت پیکٹوں میں پیک کر دینے سے حلال نہیں ہو جاتی اس کا بیچنا اس کی قیمت کھانا حسب سابق حرام ہی رہتا ہے۔

مردار کی کھال کا حکم:

جو جانور بغیر ذبح شرعی کے مر جائے اس کی کھال بھی ناپاک ہے اور اس کی کھال کا بیچنا بھی حرام ہے لیکن اگر اس کی دباغت کر دی جائے یعنی اس کو مصالحہ لگا کر یا دھوپ میں ڈال کر اسے سڑنے سے محفوظ کر دیا جائے تو یہ کھال پاک ہو جاتی ہے

پھراس سے نفع اٹھانا اور بیچنا اوراس کی قیمت لینا حلال ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کچے چمڑے کی دباغت کر دی جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے (رواہ مسلم)۔ نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی بیان فرمایا کہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ ایک باندی کو ایک بکری بطور صدقہ دی گئی تھی وہ بکری مرگئی۔ رسول اللہ ﷺ وہاں سے گزرے تو ارشاد فرمایا کہ تم نے اس کا چمڑہ لے کر اس کی دباغت کیوں نہ کرلی۔ دباغت کر کے اس سے نفع حاصل کرتے، عرض کیا کہ یہ میتہ یعنی مردار ہے آپ نے فرمایا اس کا کھانا ہی حرام کیا گیا ہے (یعنی چمڑا دباغت کے بعد ناپاک نہیں رہتا اس سے انتفاع جائز ہے البتہ اس کا گوشت حلال نہیں)۔ (مشکوۃ المصابیح ۵۶)

خون کھانے کی حرمت

دوسرے نمبر پر الدم یعنی خون کا ذکر ہے اس سے دم مسفوح (بہتا ہوا خون) مراد ہے۔ جس کی تصریح سورۂ انعام کی آیت میں کردی گئی ہے۔ اور فرمایا: (قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا) مَسْفُوْحًا.... کی قید لگانے سے تلی اور جگر کھانے کی حلت معلوم ہوگئی وہ دونوں بھی خون ہیں لیکن جمے ہوئے ہوئے خون ہیں بہتا ہوا خون نہیں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دو ایسے جانور ہمارے لیے حلال کر دیئے ہیں جو اپنی موت مرجائیں۔ مچھلی اور ٹڈی اور دو خون ہمارے لیے حلال کر دیئے گئے ہیں جگر اور تلی۔

(رواہ احمد، ابن ماجہ و دارقطنی مشکوۃ المصابیح)

مسئلہ: شرعی ذبح کے بعد گلے کی رگوں سے دم مسفوح نکل جاتا ہے اس کے بعد جو خون بوٹیوں میں رہ جاتا ہے وہ پاک ہے اس کا کھانا جائز ہے کیونکہ وہ دم مفسوح نہیں البتہ ذبح کے وقت جو خون نکلا ہے وہ کھال یا گوشت یا پروں میں لگ جائے وہ ناپاک ہے۔

ہمارے دیار میں خون کھانے کا رواج نہیں ہے قرآن کریم سارے عالم کے لیے ہدایت ہے۔ نزول قرآن کے وقت سے لے کر قیامت قائم ہونے تک جس علاقے میں جہاں بھی جس طرح سے بھی لوگ خون کھائیں ان سب کے لیے قرآن نے حرمت کی تصریح کردی۔

بعض اکابر سے سنا ہے کہ اہل عرب خون کو آنتوں میں بھر کر تیل میں تل لیا کرتے تھے پھر اسے کباب کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھاتے تھے۔

مسئلہ: خون کا کھانا پینا بھی حرام ہے اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے اس کے ذریعے جو آمدنی ہو وہ بھی حرام ہے بعض لوگ ہسپتالوں میں خون فروخت کرتے ہیں وہ حرام ہے اس کی قیمت بھی حرام ہے۔

خنزیر کا گوشت

تیسرے نمبر پر لحم الخنزیر سور کا گوشت حرام ہونے کی تصریح فرمائی۔ سور کا ہر ہر جزو ناپاک اور نجس العین ہے اس کا گوشت ہو یا چربی یا کوئی بھی جزو ہو اس کا کھانا حرام ہے۔ اور بیچنا خریدنا بھی حرام ہے۔ سورۂ انعام میں فرمایا: (فَإِنَّهُ رِجْسٌ) (بلاشبہ وہ ناپاک ہے) نجس العین ہونے کے وجہ سے اس کی کھال بھی دباغت سے پاک نہیں ہوسکتی۔ اس جانور کے کھانے سے انسانوں میں بے حیائی پیدا ہوتی ہے جو قومیں اسے کھاتی ہیں ان کی بے حیائی کا جو حال ہے ساری دنیا کو معلوم ہے۔ یورپ امریکہ آسٹریلیا وغیرہ میں بعض مسلمان ایسے ہیں جنہوں نے محلوں میں دکانیں کھول رکھی ہیں وہ سور کا گوشت اور دوسرے حرام گوشت بھی فروخت کرتے ہیں یہ سب حرام ہے اور اس کی قیمت بھی حرام ہے جو لوگ ان کی دکانوں میں کام کرتے ہیں وہ چونکہ گناہ کے مددگار ہیں اس لیے ان کا سیل مین بننا اور خریداروں کو یہ چیزیں اٹھا کر دینا بھی حرام ہے۔

مَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ....

چوتھی جزو جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ (أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ) ہے لفظ سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے اہلال کا معنی ہے آواز بلند کرنا یہاں جانوروں کو ذبح کرتے وقت جو کسی کا نام پکارا جاتا ہے اس کے لیے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے جو جانور حلال ہو اور اسے اللہ کے نام لے کر ذبح کر دیا جائے تو اس کا کھانا حلال ہے اور اگر اللہ کے نام کے علاوہ کسی دوسرے کا نام لے لیا جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے جو میتۃ یعنی مردار کے حکم میں ہے۔

مشرکین بتوں کا اور دیوی دیوتا کا نام لے کر جانور کو ذبح کرتے ہیں ایسے جانور کا کھانا حرام ہے۔ جو لوگ کتابی یعنی یہودی یا نصرانی نہیں ہیں (جیسے ہندوستان کے ہندو) وہ اللہ کے نام لے کر ذبح کریں تب بھی جانور مردار کے حکم میں ہوگا، جس جانور کو غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا گیا لیکن ذبح کیا گیا اللہ کا نام لے کر اس کے بارے میں چند صفحات کے بعد وضاحت کی جائے گی۔ انشاء اللہ العزیز!

الْمُنْخَنِقَةُ: پانچویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی ہے وہ الْمُنْخَنِقَةُ ہے انخناق سے اسم فاعل کا صیغہ ہے خنق یخنق گلا گھونٹنا اور انخنق ینخنق گلا گھٹ جانا۔ اگر کسی جانور کا گلا گھونٹ کر مار دیا جائے اگرچہ اس پر اللہ کا نام لیا جائے یا جانور کا گلا گھٹنے سے مر جائے (مثلاً جانور کے گلوں میں جو رسی بندھی ہوتی ہے وہ کس جائے جس سے جانور مر جائے) تو یہ جانور حرام ہے۔

الموقوذۃ: چھٹی چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ الموقوذۃ ہے یہ وقذ یقذ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے جس جانور کو لاٹھی یا پتھر وغیرہ سے مار کر ہلاک کر دیا جائے وہ موقوذہ ہے اور اس کا کھانا حرام ہے اس میں وہ جانور بھی داخل ہے جس کو شکاری نے تیر مارا لیکن اس کے تیر کی دھار جانور کے نہ لگی بلکہ لمباؤ میں تیر جا کر لگا اور اس کی ضرب میں جانور مر گیا۔ ایسے جانور کا کھانا بھی حرام ہے اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر تیر پھینکا ہو۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ایسے تیر سے شکار کرتا ہوں

جس میں پر نہیں ہوتے (تو کیا اس کا کھانا حلال ہے؟) آپ نے فرمایا جس جانور کو تیرا تیر زخمی کردے اس کو کھالے اور جس جانور کو تیرے مذکورہ تیرہ کا چوڑائی والا حصہ قتل کردے تو وہ موقوذہ ہے اس کومت کھاؤ۔ (رادہ البخاری ومسلم)

بندوق کا شکار

بندوق کی گولی سے جو شکار ہلاک ہوجائے وہ بھی حرام ہے اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر گولی ماری گئی ہو ہاں اگر گولی لگنے کے بعد میں اتنی جان باقی ہے جس کا ذبح کے وقت ہونا شرط ہے اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کردیا جائے تو حلال ہوجائے گا۔

اَلْمُتَرَدِّيَة: ساتویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ اَلْمُتَرَدِّيَة ہے۔ یعنی وہ جانور جو کسی پہاڑ یا ٹیلہ یا کسی بھی اونچی جگہ سے گر کر مرجائے اس جانور کا کھانا بھی حرام ہے۔

النطیحه: آٹھویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ النطیحة ہے یہ لفظ فعیلہ کے وزن پر ہے جو نطح ینطح سے ماخوذ ہے جو جانور کسی تصادم سے مرگیا مثلاً دو جانوروں میں لڑائی ہوئی ایک نے دوسرے کو ماردیا کسی جانور کو دیوار میں ٹکر لگی اس سے مرگیا۔ ریل گاڑی کی زد میں آکر مرگیا یا کسی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوگیا جس سے موت واقع ہوگئی یہ سب نطیحہ کی صورتیں ہیں اگر ان سب صورتوں میں جانور کی موت واقع ہوجائے تو اس کا کھانا حرام ہوجاتا ہے۔

درندہ کا کھایا ہوا جانور:

نویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ جانور ہے جس کو کوئی درندہ کھا جائے شیر بھیڑیے نے کسی جانور کو پکڑا اور اس کو قتل کردیا تو اس کا کھانا حرام ہوگیا وہ بھی مردار ہے کیونکہ ذبح شرعی سے اس کو موت نہیں آئی۔

حرام چیزوں کی مذکورہ نو قسمیں بیان فرمانے کے بعد (اِلَّا مَاذَكَّيْتُمْ) فرمایا یہ استثناء منخنقہ، موقوذہ، متردیہ، نطیحہ اور ما اکل السبع سب سے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ جس جانور کا گلا گھٹ گیا یا اوپر سے گر پڑا یا کسی کے لاٹھی مارنے سے مرنے لگا یا ٹکر لگنے سے مرنے لگا یا کسی درندہ سے چھڑالیا اور اس میں ابھی تک اتنی زندگی باقی ہے جو ذبح کے وقت ہوتی ہے تو یہ جانور ذبح شرعی کرنے کی وجہ سے حلال ہوجائے گا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک بھیڑیے نے ایک بکری کو اپنے دانت سے پکڑ لیا (پھر وہ کسی طرح سے چھوٹ گئی جسے) اس کے مالکوں نے دھار دار پتھر سے ذبح کردیا پھر آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے اس کے کھانے کی اجازت دیدی۔ (رواہ النسائی ص ۲۰۰ ج ۲)

بتوں کے استھانوں پر ذبح کیے ہوئے جانور

پھر فرمایا: (وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ) (اور جو نصب پر ذبح کیا جائے اس کا کھانا بھی حرام ہے) اصنام وہ مورتیاں جن کی اہل عرب عبادت کیا کرتے تھے، اور ان کے علاوہ جس پر دوسرے پتھروں کی عبادت کرتے تھے ان کو نصب اور انصاب کہا جاتا تھا ان کو کہیں کھڑا کر کے عبادہ گاہ اور استھان بنالیتے تھے اگر مطلق کھڑی کی ہوئی چیز کے معنی لیے جائیں تو بت

بھی نصب کے عموم میں داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ بھی پتھر ہوتے ہیں اور ان کو مختلف جگہوں میں نصب کر دیا جاتا ہے۔ اصنام وانصاب کے پاس جو کچھ ذبح کیا جاتا ہے چونکہ وہ ذبح لغیر اللہ ہے اس لیے وہ بھی مردار ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔

تیروں کے ذریعے جوا کھیلنے کی حرمت

پھر فرمایا: (وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ) (اور یہ بھی حرام کیا گیا کہ تقسیم کرو تیروں کے ذریعہ) اہل عرب کا طریقہ تھا کہ تیروں کے ذریعے اونٹ کا گوشت تقسیم کیا کرتے تھے اور یہ ان کا ایک قسم کا قمار یعنی جوا تھا جس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک اونٹ میں دس آدمی برابر کے شریک ہوتے تھے پھر اس اونٹ کو تیروں کے ذریعے تقسیم کرتے تھے یہ دس تیر ہوتے تھے سات تیروں پر حصے لکھے رہتے تھے اور تین تیر ایسے ہوتے تھے جن کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا۔ پھر ان دس تیروں کو کسی تھیلے میں ڈالتے تھے اور شرکاء کے نام سے ایک ایک تیر نکالتے تھے جن تین تیروں کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا جس کے نام پر ان تیروں میں سے کوئی نکل آتا تھا اسے کوئی حصہ نہ ملتا تھا حالانکہ اونٹ کی قیمت میں وہ بھی شریک تھا اس کا حصہ دوسروں کو مل جاتا تھا اور اس طرح سے یہ شخص جوئے میں ہار جاتا تھا اور دوسرے لوگ جیت جاتے تھے۔

پھر ان میں بعض لوگ جوئے میں جیتے ہوئے گوشت کے ان حصوں کو فقرا، مساکین اور یتیموں پر خرچ کرتے تھے اور اس پر فخر کیا کرتے تھے۔

فرمایا: (ذٰلِكُمْ فِسْقٌ) یہ جو چیزیں بیان ہوئیں ان کو خالق و مالک جل مجدہ نے حرام قرار دیا ہے اس کی خلاف ورزی فسق ہے یعنی فرماں برداری سے باہر نکل جانا ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔

محرمات کی تصریح فرما کر اخیر میں تنبیہ فرما دی کہ ان کے ارتکاب کو معمولی نہ سمجھا جائے ان سب میں اللہ تعالیٰ شانہ کی نافرمانی ہے اور بڑی نافرمانی ہے۔ قال صاحب الروح: فسق ای ذنب عظیم خروج عن طاعة الله تعالىٰ الى معصيته۔

اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ----

کافروں کی ناامیدی اور دین اسلام کا کمال:

یہ بھی آیت بالا کا ایک حصہ ہے۔ میتہ وغیرہ کی حرمت بیان فرمانے کے بعد بطور جملہ معترضہ ارشاد فرمایا کہ آج کافر تمہارے دین کی طرف سے ناامید ہو گئے سو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا، اس کے بعد پھر مضمون متعلقہ حیوانات بیان فرمایا اور بھوک کی مجبوری میں ان میں سے کچھ کھانے کی اجازت فرما دی۔

آیت بالا حجة الوداع کے موقعہ پر عرفہ کے دن عرفات میں نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جن کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی اس وقت عرفات میں موجود تھے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کا

اتنا بڑا اجتماع کبھی نہیں ہوا یہ ذوالحجہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے۔ حج کا احرام، میدان عرفات، جبل رحمت کا قرب جمعہ کا دن ایسے متبرک زمان، مکان اور حال میں اس آیت کا نزول ہوا۔ مکہ معظمہ ۸ھ میں فتح ہو چکا تھا اور سارا عرب مسلمان ہو گیا تھا جو لوگ اس انتظار میں تھے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور اہل مکہ کی مخالفت کا کیا انجام ہوتا ہے اسے دیکھ کر اپنے بارے میں فیصلہ کریں گے یہ لوگ بھی فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے مختلف قبائل جزیرۃ العرب کے اطراف و کناف سے وفود کی صورت میں آتے رہے اور مسلمان ہوتے رہے۔

یہ وفود اپنی قوموں کے نمائندہ بن کر آتے تھے اور پھر اسلام کے نمائند بن کر جاتے تھے۔ جزیرہ عرب میں جو اہل شرک اور اہل کفر کی مخالفت تھی وہ بھی ختم ہو گئی۔ کافروں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ دین اسلام کو دبا دیں گے۔ صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے جس کے لیے انہوں نے جنگیں بھی لڑیں اور بہت سی تدبیریں کیں جزیرۃ العرب سے باہر دوسرے لوگوں سے بھی مدد لینے کا پروگرام بنایا۔ الحمد للہ ان کے یہ ارادے خاک میں مل گئے اور ساری تدبیریں ملیا میٹ ہو گئیں اور اب وہ اس سے ناامید ہو گئے کہ دین اسلام کو ختم کریں۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا: (اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ) کہ آج اب انہیں یہ خیال نہیں رہا کہ تمہارے دین پر غالب ہوں کیونکہ اللہ کا جو وعدہ تھا کہ دین اسلام کو غالب کرے گا وہ اس نے پورا فرما دیا اور کافروں نے اس کا مشاہدہ کر لیا۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ شانہ نے غلبہ عطا فرما دیا تو کافروں سے جو ظاہر ڈر تھا وہ بھی ختم ہوا اب تو بس ظاہراً اور باطناً اللہ ہی سے ڈرنا ہے اسی کی فرمانبرداری کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو، اس کو فرمایا: (فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ) (پس تم ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو)۔

دین اسلام کا کامل ہونا

اس کے بعد فرمایا: (اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ) کہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین پورا کر دیا۔ حضرت آدم (علیہ السلام) سے لے کر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ تک جو انبیاء و رسل (علیہم السلام) تشریف لائے اور جو اللہ تعالیٰ نے کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے ان میں جو احکام اور مسائل نازل ہوتے رہے آج ان سب کی تکمیل کر دی گئی۔ احکام کی بھی تکمیل ہو گی اور اخلاق کی بھی، رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا إِنَّ اللّٰهَ بعثني لتمام مكارم الاخلاق و كمال محاسن الافعال (اللہ نے مجھے برگزیدہ اخلاق اور اچھے افعال کی تکمیل کے لیے بھیجا ہے)۔
(رواہ فی شرح السنۃ کما فی المشکوٰۃ ص ۵۱٤)

اس سے پہلے جو احکام نازل ہوئے ان میں سے بعض منسوخ بھی ہوئے جن کے عوض ان سے بہتر یا انہیں جیسے احکام نازل فرما دیئے گئے اب دین کامل ہے کوئی حکم اب منسوخ نہ ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ (نزول احکام کے اعتبار سے) قرآن مجید کی آخری آیت ہے اس کے بعد کوئی آیت احکام نازل نہیں ہوئی چند آیات اس کے بعد نازل ہوئیں وہ ترغیب و ترہیب کے متعلق تھیں اس پر بعض مفسرین نے آیت کلالہ سے متعلق اشکال پیش کیا ہے کہ بعض حضرات نے اسے آخری آیت بتایا ہے لیکن اگر اسے آخری آیت بحیثیت احکام مان لیا جائے تب بھی اس اعتبار سے اشکال ختم ہو جاتا

ہے کہ اس میں نسخ واقع نہیں ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مجبوری میں حرام چیز کھانا:

آخر میں فرمایا: (فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ) (سو جو شخص مجبور ہو جائے سخت بھوک میں جو گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو۔ سو یقیناً اللہ غفور رحیم ہے) اوپر جو حرام جانور کی تفصیل مذکور ہوئی ان کے بارے میں اب یہاں ارشاد ہے کہ جو شخص بھوک سے ایسا مجبور ہو کہ جان پر بن رہی ہو اور اس کے پاس حلال چیزوں میں کھانے کے لیے کچھ بھی نہ ہو تو وہ حرام چیزں میں اپنی جان بچانے کے لیے اتنا سا کھالے جس سے جان بچ جائے اور صرف اتنا ہی کھا سکتا ہے جس سے جان بچ جائے۔ مجبوری کو گناہ گاری کا ذریعہ نہ بنائے یعنی اس سے زیادہ نہ کھائے جتنی کہ اس وقت حاجت ہے اس کو یہاں (غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ) سے تعبیر فرمایا اور سورۃ بقرہ (ع ۲۱) اور سورۃ نحل (ع ۱۵) میں (غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ) سے تعبیر فرمایا کہ حد سے آگے بڑھنے والا نہ ہو اور لذت کا طالب نہ ہو۔ مثلاً اگر بھوک سے جان جا رہی ہو تو شراب اور سور کھالے اور حرام گوشت کھانے کی اجازت کو بہانہ بنا کر جان بچانے والی ضروری مقدار سے زیادہ کھائے گا تو گنہگار ہو گا۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ....

شانِ نزول: ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ابو رافع رضی اللہ عنہ کو کتوں کو قتل کر دینے کا حکم دے کر بھیجا اور وہ (قتل کرتے کرتے) بالائی مدینہ تک پہنچ گئے تو عاصم رضی اللہ عنہ بن عدی اور سعد رضی اللہ عنہ بن حتم اور عویمر رضی اللہ عنہ بن ساعدہ خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے کیا حلال کیا گیا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

پاکیزہ چیزوں اور جوارح معلمہ کے شکار کی حلت:

مذکور الصدر جواب وسوال میں شکاری کتے اور باز وغیرہ کے ذریعہ شکار حلال ہونے کے لیے چار شرطیں ذکر کی گئی ہیں:

اوّل یہ کہ کتا یا باز سکھایا اور سدھایا ہوا ہو اور سکھانے سدھانے کا یہ اصول قرار دیا ہے کہ جب تم کتے کو شکار پر چھوڑو تو وہ شکار پکڑ کر تمھارے پاس لے آئے۔ خود اس کو کھانے نہ لگے۔ اور باز کے لیے یہ اصول مقرر کیا کہ جب تم اس کو واپس بلاؤ تو وہ فوراً آجائے اگر چہ وہ شکار کے پیچھے جا رہا ہو۔ جب یہ شکاری جانور ایسے سدھ جائیں تو اس سے ثابت ہو گا کہ وہ جو شکار کرتے ہیں تمھارے لیے کرتے ہیں اپنے لیے نہیں، اب ان شکاری جانوروں کا شکار خود تمھارا شکار سمجھا جائے گا۔ اور اگر کسی وقت وہ اس تعلیم کے خلاف کریں مثلاً کتا خود شکار کو کھانے لگے یا باز تمھارے بلانے پر واپس نہ آئے تو یہ شکار تمھارا نہیں رہا۔ اس لیے اس کا کھانا جائز نہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ تم فوراً اپنے ارادہ سے کتے کو یا باز کو شکار کے پیچھے چھوڑو۔ یہ نہ ہو کہ وہ خود بخود کسی شکار کے پیچھے دوڑ

کر اس کو شکار کرلیں۔ آیت مذکورہ میں اس شرط کا بیان لفظ مکلبین سے کیا گیا ہے۔ یہ لفظ دراصل تکلیب سے مشتق ہے، جس کے اصلی معنی کتوں کو سکھلانے کے ہیں۔ پھر عام شکاری جانوروں کو سکھلانے اور شکار پر چھوڑنے کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا۔ صاحب جلالین اس جگہ مکلبین کی تفسیر ارسال سے کرتے ہیں جس کے معنی ہیں شکار پر چھوڑنا۔ اور تفسیر قرطبی میں بھی یہ قول نقل کیا گیا ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ شکاری جانور شکار کو خود نہ کھانے لگیں بلکہ تمھارے پاس لے آئیں۔ اس شرط کا بیان (مما امسکن علیکم) سے ہوا ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ جب شکاری کتے یا باز کو شکار پر چھوڑو تو بسم اللہ کہہ کر چھوڑو جب یہ چاروں شرطیں پوری ہوں تو اگر جانور تمھارے پاس آنے تک دم توڑ چکا ہو تو بھی حلال ہے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ بغیر ذبح کے تمھارے لیے حلال نہ ہوگا۔

امام اعظم ابوحنیفہ ﷫ کے نزدیک ایک پانچویں شرط یہ بھی ہے کہ یہ شکاری جانور شکار کو زخمی بھی کردے۔ اس شرط کی طرف لفظ جوارح میں اشارہ موجود ہے۔

مسئلہ: یہ حکم ان وحشی جانوروں کا ہے جو اپنے قبضہ میں نہ ہوں، اور اگر کسی وحشی جانور کو اپنے قابو میں کرلیا گیا ہے تو وہ بغیر قاعدہ ذبح کے حلال نہیں ہوگا۔

آخر آیت میں یہ ہدایت بھی کردی گئی ہے کہ شکاری جانور کے ذریعہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حلال تو کردیا ہے، مگر شکار کے پیچھے لگ کر نماز اور ضروری احکام شرعیہ سے غفلت برتنا جائز نہیں۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ....

اہل کتاب کا کھانا حلال ہے:

اس آیت میں چند احکام بیان فرمائے۔ اوّل تو پاکیزہ چیزوں کے حلال کئے جانے کا دوبارہ تذکرہ فرمایا اور لفظ الیوم کا اضافہ فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ طیبات جو پہلے حلال تھیں اب بھی حلال ہیں ان میں کوئی نسخ واقع نہیں ہوا پھر فرمایا کہ تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی ان کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے جن لوگوں کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی ان سے یہود و نصاری مراد ہیں اور ان کے کھانے کی چیزوں سے ان کا ذبیحہ مراد ہے۔ یہودی نصرانی اگر بسم اللہ پڑھ کر کسی ایسے جانور کو ذبح کریں جس کا کھانا اسلام میں حلال ہے اور پھر اس گوشت میں سے مسلمانوں کو کھلائیں تو مسلمان کو اس میں سے کھانا حلال ہے۔ آیت شریفہ میں جو (وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ) فرمایا ہے اس سے یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ مراد ہے مطلق کھانا مراد نہیں کیونکہ روٹی سبزی پھل چاول اور دوسری چیزیں ہر کافر مشرک کی دی ہوئی اور بیچی ہوئی حلال ہیں اس میں اہل کتاب کی کوئی خصوصیت نہیں، اہل کتاب کا ذبیحہ اسی لیے حلال قرار دیا کہ مسلمانوں کی طرح ان کے نزدیک بھی اس جانور کا کھانا حلال نہیں جو ذبح نہ کیا گیا ہو۔ اور جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اگر اہل کتاب قصداً و ارادۃً کسی جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھے تو اس کھانا مسلمان کے لیے حلال نہیں ہے، سورۂ انعام میں فرمایا: (وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ

اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ) (اوران جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ بڑا گناہ ہے)۔

اس آیت کے عموم سے ہر اس جانور کے کھانے کی حرمت معلوم ہوگئی جس کے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ ذبح کرنے والا مسلم ہو یا کتابی ہاں! اگر مسلم یا کتابی ذبح کرتے وقت بھول کر بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دے تو اس جانور کا کھانا جائز ہے بشرطیکہ اس جانور کا کھانا حلال ہو، مسلم اور یہودی اور نصرانی کے علاوہ کسی کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے اگر چہ وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔

پاکدامن مؤمنات سے اور کتابی عورتوں سے نکاح کرنا:

اس کے بعد فرمایا: (وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ) یعنی پاک دامن مؤمن عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئیں ان سے نکاح کرنا درست ہے اس کے بعد فرمایا: (وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ) یعنی تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی ان میں جو پاکدامن عورتیں ہیں وہ بھی تمہارے لیے حلال ہیں ان سے بھی نکاح کر سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مسلمان کو پاک دامن یہودی یا نصرانی عورت سے نکاح کرنے کی بھی اجازت ہے۔ اجازت تو ہے لیکن۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کتابی عورتوں سے نکاح کی ممانعت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت ہی میں اس سے روک دیا تھا۔ امام محمد بن الحسن نے کتاب الآثار میں لکھا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مدائن میں ایک یہودی عورت سے نکاح کر لیا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی تو انہوں نے خط لکھا کہ اس کو چھوڑ دو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو خط ملا تو انہوں نے حضرت عمر کو لکھا کہ اے امیر المؤمنین! کیا یہودیہ سے نکاح کرنا حرام ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں تمہیں مضبوطی کے ساتھ پختہ طور پر یہ حکم دیتا ہوں کہ میرا خط پڑھ کر اس وقت تک نیچے نہ رکھنا جب تک کہ تم اس عورت کو چھوڑ نہ دو کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ دوسرے مسلمان بھی تمہارا اقتداء کر لیں گے اور اس طرح سے ذمی عورتوں سے نکاح کرنے کو ترجیح دیں گے کیونکہ ان میں حسن و جمال ہے اور مسلمان عورتوں کو چھوڑ دیں گے اور یہ مسلمان عورتوں کے لیے ایک بہت بڑا فتنہ ہوگا۔ روایت ختم کرنے کے بعد امام محمد لکھتے ہیں: وبہ نأخذ لا نراہ حراما ولکنانری ان یختار علیھن نساء المسلمین و ھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا ہمارا بھی وہی مذہب ہے ہم اس کو حرام تو نہیں قرار دیتے لیکن اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ مسلمان عورتوں سے نکاح کیا جائے اور انہیں یہودی اور نصرانی عورتوں پر ترجیح دی جائے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا بھی یہی قول ہے)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو ارشاد فرمایا کہ یہودی اور نصرانی عورتوں سے نکاح کرنے کا سلسلہ جاری ہو جائے تو چونکہ ان میں حسن و جمال نظر آتا ہے (اگر چہ حسین وجمیل نہ ہوں) اس لیے عموماً لوگ انہیں کی طرف مائل ہونگے اور مسلمان عورتوں کو چھوڑ دیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سی مسلمان لڑکیاں بے بیاہی رہ جائیں گی ان کا اندیشہ بالکل صحیح تھا آج امریکہ، یورپ اور آسٹریلیا وغیرہ میں ایسا ہو رہا ہے۔

احقر سے ایک امام صاحب کی ملاقات ہوئی جو کینیڈا میں امامت کے فرائض انجام دیتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ مسلمان

لڑکے میرے پاس نکاح پڑھوانے کے لیے آتے ہیں اور سو میں سے تقریباً نوے نکاح ایسے ہوتے ہیں کہ نصرانی لڑکیوں ہی کو نکاح پڑھوانے کے لیے لے آتے ہیں اور مسلمان لڑکیوں کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور اس سے بڑھ کر آجکل ایک بڑا فتنہ اور ہے اور وہ یہ کہ نصاریٰ اپنے مذہب کے پھیلانے کے لیے جو طریقے سوچتے رہتے ہیں ان میں جہاں مال تقسیم کرنا ہے اور ہسپتال بنانا ہے اور اسکول اور کالج کھولنا ہے وہاں ان کے مشن میں یہ بھی ہے کہ مسلمان لڑکوں کو لڑکیاں پیش کرتے ہیں۔ مسلمان لڑکے یہ کہہ کر ہمارے مذہب میں یہود و نصاریٰ سے نکاح جائز ہے ان سے نکاح کر لیتے ہیں یہ لڑکیاں چونکہ سکھائی پڑھائی ہوتی ہیں اور نکاح کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ شوہر کو اور پیدا ہونے والی اولاد کو نصرانیت پر ڈال دیں اس لیے وہ برابر اپنا کام کرتی رہتی ہیں اور شوہر اور اولاد کو نصرانی بنا کر چھوڑتی ہیں ان حالات کے اعتبار سے بھی ضروری ہے کہ مسلمان اپنے لیے مسلمان عورتیں تلاش کریں اور ان کو ترجیح دیں۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کے حلال کی ہوئی چیز سے کیوں منع کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے حلال کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ امت کی مصلحت کے پیش نظر منع فرمایا ہے وہ خلفاء راشدین میں سے تھے جن کی اقتداء کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تھا۔ (انوار البیان)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اَیْ اَرَدْتُّمُ الْقِيَامَ **اِلَى الصَّلٰوةِ** وَاَنْتُمْ مُحْدِثُوْنَ **فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ** اَیْ مَعَهَا كَمَا بَيَّنَتْهُ السُّنَّةُ **وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ** اَلْبَاءُ لِلْاِلْصَاقِ اَیْ اَلْصِقُوا الْمَسْحَ بِهَا مِنْ غَيْرِ اِسَالَةِ مَاءٍ وَهُوَ اِسْمُ جِنْسٍ فَيَكْفِيْ اَقَلُّ مَا يَصْدُقُ عَلَيْهِ وَهُوَ مَسْحُ بَعْضِ شَعْرِهٖ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ **وَاَرْجُلَكُمْ** بِالنَّصَبِ عَطْفًا عَلٰى اَيْدِيَكُمْ وَالْجَرِّ عَلَى الْجِوَارِ **اِلَى الْكَعْبَيْنِ** اَیْ مَعَهُمَا كَمَا بَيَّنَتْهُ السُّنَّةُ وَهُمَا الْعَظْمَانِ النَّاتِيَانِ فِيْ كُلِّ رِجْلٍ عِنْدَ مَفْصَلِ السَّاقِ وَالْقَدَمِ وَالْفَصْلُ بَيْنَ الْاَيْدِيْ وَالْاَرْجُلِ الْمَغْسُوْلَةِ بِالرَّاْسِ الْمَمْسُوْحِ يُفِيْدُ وُجُوْبَ التَّرْتِيْبِ فِيْ طَهَارَةِ هٰذِهِ الْاَعْضَاءِ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ وَيُؤْخَذُ مِنَ السُّنَّةِ وُجُوْبُ النِّيَّةِ فِيْهِ كَغَيْرِهٖ مِنَ الْعِبَادَاتِ **وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا** فَاغْتَسِلُوْا **وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى** مَرَضًا يَضُرُّهُ الْمَاءُ **اَوْ عَلٰى سَفَرٍ** اَیْ مُسَافِرِيْنَ **اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ** اَیْ اَحْدَثَ **اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ** سَبَقَ مِثْلُهٗ فِيْ سُوْرَةِ النِّسَاءِ **فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً** بَعْدَ طَلَبِهٖ **فَتَيَمَّمُوْا** اُقْصُدُوْا **صَعِيْدًا طَيِّبًا** تُرَابًا طَاهِرًا **فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ** مَعَ الْمَرَافِقِ **مِّنْهُ** بِضَرْبَتَيْنِ وَالْبَاءُ لِلْاِلْصَاقِ وَبَيَّنَتِ السُّنَّةُ اَنَّ الْمُرَادَ اسْتِيْعَابُ الْعُضْوَيْنِ بِالْمَسْحِ **مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ**

حَرَجٍ ضَيِّقٍ بِمَا فَرَضَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْوُضُوْءِ وَالْغُسْلِ وَالتَّيَمُّمِ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ مِنَ الْاَحْدَاثِ
وَالذُّنُوْبِ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ بِبَيَانِ شَرَائِعِ الدِّيْنِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٦ نِعَمَهٗ وَ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ
عَلَيْكُمْ بِالْاِسْلَامِ وَ مِيْثَاقَهُ عَهْدَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ عَاهَدَكُمْ عَلَيْهِ اِذْ قُلْتُمْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ حِيْنَ بَايَعْتُمُوْهُ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا فِيْ كُلِّ مَاتَأْمُرُ بِهٖ وَتَنْهٰى مِمَّا نُحِبُّ وَنَكْرَهُ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ط فِيْ مِيْثَاقِهٖ
اَنْ تَنْقُضُوْهُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝٧ بِمَا فِي الْقُلُوْبِ فَبِغَيْرِهٖ اَوْلٰى يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا
قَوّٰمِيْنَ قَائِمِيْنَ لِلّٰهِ بِحُقُوْقِهٖ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ يَحْمِلَنَّكُمْ شَنَاٰنُ بُغْضُ قَوْمٍ
اَيِ الْكُفَّارِ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط فَتَنَالُوْا مِنْهُمْ لِعَدَاوَتِهِمْ اِعْدِلُوْا قف فِي الْعَدُوِّ وَالْوَلِيِّ هُوَ اَيِ الْعَدْلُ اَقْرَبُ
لِلتَّقْوٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝٨ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ لا وَعْدًا حَسَنًا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝٩ هُوَ الْجَنَّةُ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝١٠ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ هُمْ قُرَيْشٌ اَنْ
يَّبْسُطُوْۤا يَمُدُّوْا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ لِيَفْتِكُوْا بِكُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ج وَعَصَمَكُمْ مِمَّا اَرَادُوْا بِكُمْ وَ
اتَّقُوا اللّٰهَ ط وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١١ ع ٦

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم اٹھنے لگو (یعنی جب اٹھنے کا ارادہ کرو) نماز کے لیے (اور اس وقت تم بے وضو بھی ہو) تو (وضو کرلو) یعنی اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک (یعنی کہنیوں سمیت دھوؤ جیسا کہ حدیث نے اسکی وضاحت کردی ہے) اور اپنے سروں پر مسح کرو (اس میں باالصاق کے لیے ہے یعنی مسح کو اپنے سروں کے ساتھ متعلق کرو بغیر پانی بہانے کے اور مسح اسم جنس ہے لہٰذا کم سے کم اس قدر کافی ہوگا جس پر مسح صادق آسکے اور وہ قدر سر کے بعض بال کا مسح کرنا ہے، امام شافعی کا یہی مسلک ہے۔ وَ اَرْجُلَكُمْ لام کے نصب یعنی زبر کے ساتھ وَ اَيْدِيَكُمْ پر عطف ہے یہی جمہور کی قراءت ہے دوسری قراءت لام کے جر یعنی کسرے کے ساتھ ہے۔ وَالْجَرِّ عَلَى الْجِوَارِ اور جر جوار کی وجہ سے ہے۔ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ط اور (دھوؤ) اپنے پیروں کو ٹخنوں تک (یعنی سمیت دھوؤ جیسا کہ حدیث نے اسکی وضاحت کردی ہے اور کعبین سے مراد وہ دو ہڈیاں ہیں جو پنڈلی اور قدم کے ملنے کی جگہ ہر پاؤں کے دونوں طرف ابھری ہوئی ہیں اور ہاتھ اور پاؤں جو اعضاء مغسولہ ہیں ان کے درمیان سر کا ذکر آنا جس پر مسح کیا جاتا ہے ان اعضاء کی طہارت میں ترتیب کے وجوب

کا فائدہ دیتا ہے اور یہی مسلک ہے امام شافعی کا اور وہ وضو میں نیت کا واجب ہونا حدیث سے لیا جاتا ہے جیسے دوسری عبادات میں۔ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو سارے بدن کو خوب پاک کرو (یعنی غسل کرلو) اور اگر تم بیمار ہو (ایسا مرض ہو کہ پانی کا استعمال مضر ہو) یا سفر میں (یعنی مسافر ہو) یا تم میں سے کوئی استنجے سے (پیشاب یا پائخانہ سے فارغ ہو کر آیا ہو (یعنی محدث ہو گیا، بے وضو ہو گیا کسی بھی نواقض وضو سے) یا تم نے بیویوں سے ملامست (صحبت) کی ہو، سورہ نسا میں اس طرح کی آیت گزر چکی ہے دیکھو پارہ ۵، رکوع: ۴ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً پھر تم پانی نہ پاؤ (یعنی پانی تلاش کرنے کے بعد پانی نہ پاؤ، مطلب یہ ہے کہ مذکورہ تمام حالتوں میں اگر حدث دور کرنے کے لیے پانی کے استعمال کا موقع نہ ملے خواہ پانی ہی نہ ملے یا پانی ملے مگر ضرر کی وجہ سے استعمال کا موقع نہیں۔ تو تیمم کرلو پاک زمین سے (یعنی قصد کرو پاک مٹی کا کہ اپنے چہروں پر اور ہاتھوں پر (کہنیوں سمیت) اس سے مسح کرو (دو دفعہ زمین پر ہاتھ مار کر، اور با الصاق کے لیے ہے اور حدیث نے اس کی وضاحت کر دی ہے کہ مسح میں دونوں عضو یعنی چہرے اور دونوں ہاتھوں کا استیعاب مراد ہے مطلب یہ ہے کہ ایک دفعہ دونوں ہاتھوں کو پاک مٹی پر مار کر پورے چہرہ پر مسح کرے پھر دوسری دفعہ ہاتھوں کو مٹی پر مار کر دونوں ہاتھوں پر کہنیوں سمیت مسح کرے۔ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے ہیں کہ تم پر کوئی تنگی ڈالیں (یعنی وضو غسل اور تیمم جو تم پر فرض کیا ہے اس سے تم پر تنگی ڈالنا منظور نہیں) لیکن اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم کو خوب پاک کر دیں (نجاستوں اور گناہوں سے۔ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ اور تا کہ تم پر اپنا انعام کامل کر دے (دین کے احکام بیان کر کے، جس کا ثمرہ رضا اور قرب ہے جو اعظم نعم ہے) لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۞ تا کہ تم شکر ادا کرو (ان انعامات کا) وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ اور یاد کرو اللہ کے احسان کو جو تم پر ہوا (اسلام کی توفیق دیکر) اور (یاد) خدا کے اس عہد (پیمان) کو جو اس نے تم سے پختہ کیا (جس کا تم سے معاہدہ کیا ہے) جبکہ تم نے کہا تھا (نبی اکرم ﷺ سے بیعت کرتے وقت) ہم نے سنا اور مان لیا (ان تمام باتوں میں جس کا آپ حکم دیں گے اور منع فرمائیں گے بہر حال ہم اطاعت کریں گے ہمارا دل چاہے نہ چاہے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو (اس کے عہد و پیمان میں عہد شکنی سے پرہیز کرو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ سینوں کی پوشیدہ باتوں سے خوب واقف ہیں (یعنی خوب جانتے ہیں جو دلوں میں پوشیدہ ہے تو اس کے علاوہ یعنی ظاہری اعمال سے بطریق اولیٰ واقف ہیں)۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! تم ہو جاؤ پابندی کرنے والے (کھڑے ہونے والے) اللہ کے لیے (یعنی حقوق الٰہی کے ادا کرنے کے لیے تیار کھڑے رہو) اور عدل (انصاف) ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو (جب حقوق العباد کے ادا کرنے کا وقت آئے) اور نہ آمادہ کرے (نہ ابھارے تم کو) کسی قوم (کفار) کی دشمنی (عداوت) اس بات پر کہ تم عدل نہ کر سکو (کہ تم سے محض دشمنی کی وجہ سے کچھ حاصل کرلو) انصاف کیا کرو (دوست اور دشمن کے بارے میں عدل کرو) یہی (عدل) تقویٰ سے زیادہ قریب ہے ، اور اللہ سے ڈرو (یعنی ماموارت و منہیات کے عمل اور ترک میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہیں چنانچہ تمہیں اسکی جزا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے وعدہ کیا ہے (بہترین وعدہ) کہ ان کے لیے مغفرت ہے اور بڑا اجر (جنت) اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ایسے



لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔ (خدا کے ساتھ شرک اور کفر اور اس کے احکام کی تکذیب ایسا ظلم ہے اور عین حکمت ہے يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا وہ احسان یاد کرو کہ جب ایک قوم (کفار قریش) نے ارادہ کیا کہ تم پر دست درازی کریں (تمہیں اچانک قتل کرنے کے لیے) پس اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: مَعَهَا: اس میں اشارہ کیا کہ اِلٰی یہ مع کے معنی میں ہے۔ غایت کے لیے نہیں ہے۔

قوله: اَلْبَاءُ لِلْاِلْصَاقِ: اس سے اشارہ ہے کہ نہ وہ سببیہ ہے اور نہ زائدہ۔

قوله: وَالْجَرِّ عَلَي الْجَوَارِ: اس سے اشارہ کیا کہ جر جوار کی وجہ سے آیا ہے۔ مجرور پر عطف کی وجہ سے نہیں، اس کی نظیر ملاحظہ ہو۔ عذاب یوم محیط۔ وحور عین۔

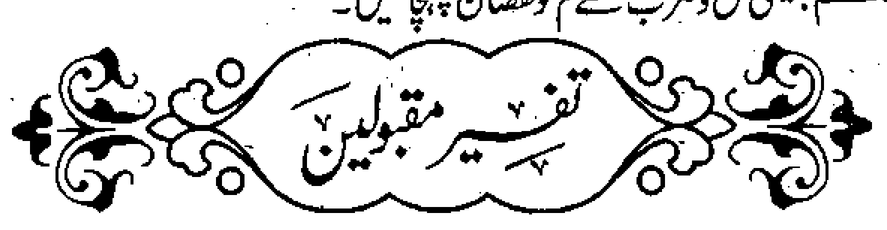
قوله: مَعَ الْمَرَافِقِ: یہ حکم وضو سے معلوم ہوتا ہے اس کا حکم مبدل منہ جیسا ہوگا۔

قوله: يَحْمِلَنَّكُمْ: اس سے اشارہ کیا يَجْرِ مَنَّكُمْ یہاں علی سے متعدی ہے، اس لیے یہ آمادہ کرنے کے معنی میں ہے۔ مفعول اول شخص ہے اور ثانی حرف استعلاء کے ساتھ ہے۔

قوله: فَتَنَالُوْا مِنْهُمْ: اس کا معنی لینا ہے۔ اس سے اشارہ کیا کہ اصل ترک عدل کی نہی ہے۔

قوله: وَعْدًا حَسَنًا: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ دوسرا مفعول وعد کا محذوف ہے کیونکہ یہ دو مفعول سے متعدی ہے۔ حذف لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ کی دلالت کی وجہ سے ہے۔

قوله: لِيَفْتِكُوْا بِكُمْ: یعنی قتل وضرب سے تم کو نقصان پہنچائیں۔



تفسیر مقبولین

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ....

(ربط: امت محمدیہ پر جو عظیم الشان احسانات کئے گئے ان کا بیان سن کر ایک شریف اور حق شناس مؤمن کا دل شکر گزاری اور اظہار وفاداری کے جذبات سے لبریز ہو جائے گا اور فطری طور پر اس کی یہ خواہش ہوگی کہ اس منعم حقیقی کی بارگاہ رفیع میں دست بستہ حاضر ہو کر جبین نیاز خم کرے اور اپنی غلامانہ منت پذیری اور انتہائی عبودیت کا عملی ثبوت دے۔ اس لیے ارشاد ہوا کہ جب ہمارے دربار میں حاضری کا ارادہ کرو یعنی نماز کے لیے اٹھو تو پاک وصاف ہو کر آؤ۔ جن لذائذ دینوی اور مرغوبات طبیعی سے متمتع ہونے کی آیت وضو سے پہلی آیت میں اجازت دی گئی (یعنی طیبات اور محصنات) وہ ایک حد تک انسان کو ملکوتی صفات سے دور اور بہیمیت سے نزدیک کرنے والی چیزیں ہیں اور کل احداث (موجبات وضو وغسل) ان ہی کے استعمال سے لازمی

نتیجہ کے طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا مرغوبات نفسانی سے یکسو ہو کر جب ہماری طرف آنے کا قصد کرو تو پہلے بہیمیت کے اثرات اور اکل وشرب وغیرہ کے پیدا کیے ہوئے تکدرات سے پاک ہو جاؤ یہ پاکی وضو اور غسل سے حاصل ہوتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ وضو کرنے سے مؤمن کا بدن پاک وصاف ہو جاتا ہے بلکہ جب وضو باقاعدہ کیا جائے تو پانی کے قطرات کے ساتھ گناہ بھی جھڑتے جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وضو اور غسل کا حکم اور تیمم کی مشروعیت:

ان آیات میں وضو کا حکم اور اس کا طریقہ بیان فرمایا ہے، اوّل تو وضو کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولیا کرو اور سروں کا مسح کرلو اور پاؤں کے ٹخنوں تک دھولیا کرو۔

وضو کا طریقہ:

آیت شریفہ میں وضو کا طریقہ بتائے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اپنے چہروں کو دھولو، چہرہ کی لمبائی پیشانی کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک ہے اور چوڑائی ایک کان کی لو سے لے کر دوسرے کان کی لو تک ہے اگر داڑھی ہلکی ہو تو اس کے نیچے پانی پہنچانا کھال کا دھونا ضروری ہے اور اگر گھنی ڈاڑھی ہو جس میں اندر کی کھال نظر نہ آ رہی ہو تو ڈاڑھی کا اوپر سے دھو دینا کافی ہے۔ بہت سے لوگ ایسا وضو کرتے ہیں کہ کانوں اور رخساروں کے درمیان جگہ سوکھی رہ جاتی ہے ان لوگوں کا وضو نہیں ہوتا۔

بے وضو ہونے کو حدث اصغر اور غسل فرض ہونے کو حدث اکبر کہا جاتا ہے دونوں حالتوں میں نماز پڑھنا ممنوع ہے اگر کوئی شخص حدث اکبر یا حدث اصغر کی حالت ہوتے ہوئے نماز پڑھ لے گا تو اس کی نماز نہ ہوگی دوبارہ پڑھنا لازمی ہوگا۔ ساری امت کا اس پر اجماع ہے۔ خوب احتیاط کے ساتھ اعضاء وضو پر ہر جگہ پانی پہنچانے کا فکر کرنا لازم ہے۔

چہرہ کی حد تو اوپر بیان ہوئی اور ہاتھوں کو انگلیوں سے لیکر کہنیوں سمیت اور پاؤں کو انگلیوں سے لے کر ٹخنوں سمیت دھونا فرض ہے۔ ذرا سی جگہ بھی پانی پہنچے بغیر رہ جائے گی تو وضو نہ ہوگا۔ پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ عموماً پورے سر کا مسح فرماتے تھے، حدیث شریف میں ہے۔

فاقبل بهما وادبر، بدء بمقدم رأسه حتى ذهب بهما الى قفاه ثم ردّهما حتى رجع الى المكان الذى بدأ منه ثم غسل رجليه۔ (رواہ البخاری ص ۳۱ جلد نمبر ۱)

اور بعض مرتبہ آپ نے صرف اپنی پیشانی پر یعنی سر کے سامنے کے حصہ پر مسح فرمایا: (کما رواہ مسلم عن المغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ) اسی لیے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے اور چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے۔

قرآن مجید میں جن چار چیزوں کا ذکر ہے (۱) یعنی چہرہ دھونا (۲) ہاتھوں کو دھونا (۳) سر کا مسح کرنا (۴) پاؤں کو دھونا۔ وضو میں یہ چار چیزیں فرض ہیں۔ سر کا مسح ایک ہی مرتبہ کرنا مسنون ہے البتہ چہرہ کا اور ہاتھوں کا پاؤں کا تین تین مرتبہ دھونا سنت ہے اور ایک مرتبہ دھونے سے فرض ادا ہو جاتا ہے۔ دھونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر جگہ پانی پہنچ جائے۔

وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا، تین بار کلی کرنا، مسواک کرنا، تین بار ناک میں نرم جگہ تک پانی پہنچانا جس کو استنشاق

کہتے ہیں اور تین بار ناک کو جھاڑنا اور انگلیوں کا خلال کرنا اور ہاتھ اور پاؤں دھونے میں داہنی طرف سے ابتداء کرنا اور ڈاڑھی کا خلال کرنا مسنون ہے۔ کانوں کا مسح کرنا بھی سنت ہے کانوں کے اندر اور باہر کا مسح کرنا اور کنپٹیوں پر ہاتھ پھیرنا اور کانوں میں مسح کرتے وقت انگلیاں داخل کرنا بھی احادیث سے ثابت ہے۔

غسل جنابت کا حکم اور اس کا طریقہ:

وضو کا طریقہ بیان فرمانے کے بعد غسل کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا: (وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا) (اور اگر تم جنبی ہو تو خوب اچھی طرح سے پاکی اختیار کرو) جس مرد یا عورت پر غسل فرض ہو جائے (خواہ میاں بیوی کے ملاپ سے خواہ احتلام ہو جانے سے خواہ کسی طرح شہوت کے ساتھ منی خارج ہونے سے) اس پر فرض ہے کہ سر سے پاؤں تک پورے بدن پر ایک بار پانی پہنچائے۔

چونکہ فَاطَّهَّرُوْا مبالغہ پر دلالت کرتا ہے اس لیے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ غسل فرضی میں مضمضہ یعنی ایک بار کلی کرنا بھی فرض ہے جب کلی کرلے تو پورے منہ میں خوب پانی بھر کر حلق تک پہنچائے نیز غسل فرضی میں استنشاق بھی فرض ہے یعنی ناک میں جہاں تک نرم جگہ ہے وہاں تک کم از کم ایک بار پانی پہنچائے، جب غسل کرنے لگے تو پہلے چھوٹا بڑا استنجاء کرے اور بڑا استنجاء خوب کھل کر کرے تاکہ جہاں تک پانی پہنچ سکے وہاں تک پہنچ جائے اس کے بعد نجاست کو دور کرے جو بدن پر لگی ہوئی ہے اس کے بعد وضو کرے جیسا کہ وضو کا مسنون طریقہ ہے اور مضمضہ واستنشاق میں مبالغہ کرے اگر روزہ نہ ہو پھر تین بار سارے بدن پر پانی پہنچائے غسل فرض میں ایک بار ہر جگہ پانی پہنچانا فرض ہے اور تین بار سنت ہے۔ (غیر فرض غسل کرے تو اس میں بھی تین بار پانی بہانا سنت ہے) ناف میں بغلوں اور جس جگہ بغیر دھیان کئے پانی نہ پہنچنے کا اندیشہ ہو وہاں خوب دھیان سے پانی پہنچائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے۔ لہٰذا بالوں کو دھوؤ اور جس جگہ پر بال نہیں ہیں اس کو صاف کرو۔ (یعنی اچھی طرح پانی پہنچاؤ تاکہ میل کچیل بھی دور ہو جائے)۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غسل جنابت میں جس نے ایک بال کے برابر بھی جگہ چھوڑ دی تو اسے دوزخ میں ایسا ایسا عذاب دیا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس ڈر سے سر پر بال ہی نہیں رکھتے تھے ایسا نہ ہو کہ غسل فرض میں کسی جگہ پر نہ پہنچنے سے رہ جائے اور جنابت دور نہ ہو، حدیث بالا بیان فرما کر انہوں نے تین بار فرمایا کہ میں نے اسی لیے اپنے سر سے دشمنی کر رکھی ہے (بال بڑھنے نہیں دیتا منڈا تا رہتا ہوں)۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۴۸)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ....

اس سے پہلی آیت میں مؤمنین کو حق تعالیٰ کے احسانات اور اپنا عہد و پیمان یاد کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہاں بتلا دیا کہ صرف زبان سے یاد کرنا نہیں بلکہ عملی رنگ میں ان سے اس کا ثبوت مطلوب ہے اس آیت میں اسی پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر تم

نے خدا کے بیشار احسانات اور اپنے عہد و اقرار کو بھلا نہیں دیا تو لازم ہے کہ اس محسن حقیقی کے حقوق ادا کرنے اور اپنے عہد کو سچا کر دکھانے کے لیے ہر وقت کمر بستہ رہو اور جب کوئی حکم اپنے آقائے ولی نعمت کی طرف سے ملے فوراً تعمیل حکم کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور خدا کے حقوق کے ساتھ مخلوق کے حقوق ادا کرنے میں بھی پوری جدوجہد اور اہتمام کرو۔ چنانچہ "قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ" میں حقوق اللہ کی اور "شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ" میں حقوق العباد کی طرف اشارہ ہے۔ اسی قسم کی آیت وَالْمُحْصَنٰتِ کے آخر میں گزر چکی ہے۔ صرف اس قدر فرق ہے وہاں بالقسط کی اور یہاں "للّٰہ" کی تقدیم مناسب ہوئی۔ نیز یہاں لحاق میں مبغوض دشمن سے معاملہ کرنے کا ذکر ہے جس کے ساتھ قسط کو یاد دلانے کی ضرورت ہے اور سورہ نساء کے لحاق میں محبوب چیزوں کا ذکر ہے اس لیے وہاں سب سے بڑے محبوب (اللہ) کو یاد دلایا گیا۔

فائدہ: عدل کا مطلب ہے کسی شخص کے ساتھ بدون افراط و تفریط کے وہ معاملہ کرنا جس کا وہ واقعی مستحق ہے۔ عدل و انصاف کی ترازو ایسی صحیح اور برابر ہونی چاہیے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اس کے دونوں پلوں میں سے کسی پلہ کو جھکا نہ سکے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ

رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کا ایک خاص واقعہ اور اللہ کی نعمت کی یاد دہانی:

اسباب النزول ص ۱۸٦ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص جس کا نام غورث تھا اس نے اپنی قوم بنی غطفان اور بنی محارب سے کہا کہ کیا میں محمد ﷺ کو قتل نہ کر دوں؟ وہ لوگ کہنے لگے کہ تو کیسے قتل کرے گا اس نے کہا کہ اچانک ایسی صورت بنا کر قتل کر دوں گا کہ اس کی طرف دھیان بھی نہ جائے۔ یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ کی گود میں آپ کی تلوار تھی۔ یہ شخص کہنے لگا اے محمد! ﷺ کیا میں آپ کی تلوار دیکھ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں دیکھ لے! اس نے تلوار لے لی اور نیام سے باہر نکال لی وہ ہاتھ میں تلوار لے کر ہلاتا رہا۔ اور ارادہ کرتا رہا کہ آپ پر حملہ کرے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ارادہ میں ناکامی ہوتی رہی۔ پھر وہ کہنے لگا اے محمد! کیا آپ مجھ سے نہیں ڈرتے آپ نے فرمایا نہیں! کہنے لگا کہ آپ مجھ سے نہیں ڈرتے حالانکہ میرے ہاتھ میں تلوار ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ میری حفاظت فرمائے گا اس کے بعد اس نے تلوار نیام میں رکھ دی اور آنحضرت ﷺ کو واپس کر دی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بالا نازل فرمائی۔

اللہ جل شانہ نے امت محمدیہ ﷺ کو اپنی نعمت یاد دلائی کہ اس نے ان کے نبی کی حفاظت فرمائی جس میں امت پر بھی انعام و احسان ہے۔

تقویٰ اور توکل کا حکم:

آخر میں تقویٰ کا حکم دیا اور ساتھ توکل کا حکم فرمایا کہ اہل ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے تقویٰ اور توکل بہت بڑی

چیزیں ہیں۔ اہل ایمان کے سب کام ان دونوں سے چلتے ہیں جسے اللہ پر توکل ہو وہ مخلوق سے نہیں ڈرتا۔ تقویٰ گناہوں سے بچنے کا نام ہے۔ جو شخص اللہ کی رضا کے لیے گناہوں سے بچے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر مشکل سے بچنے کا راستہ نکال دے گا۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ بِمَا يُذْكَرُ بَعْدُ وَبَعَثْنَا فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ اَقَمْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ مِنْ كُلِّ سِبْطٍ نَقِيْبٌ يَكُوْنُ كَفِيْلًا عَلٰى قَوْمِهٖ بِالْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ تَوْثِقَةً عَلَيْهِمْ وَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ۭ بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ لَىِٕنْ لَامُ قَسَمٍ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ نَصَرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا بِالْاِنْفَاقِ فِيْ سَبِيْلِهٖ لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْمِيْثَاقِ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ⑫ اَخْطَأَ طَرِيْقَ الْحَقِّ وَالسَّوَآءُ فِي الْاَصْلِ الْوَسَطُ فَنَقَضُوا الْمِيْثَاقَ قَالَ تَعَالٰى فَبِمَا نَقْضِهِمْ مَا زَائِدَةٌ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ اَبْعَدْنَاهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ لَا تَلِيْنُ لِقَبُوْلِ الْاِيْمَانِ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ الَّذِيْ فِي التَّوْرٰىةِ مِنْ نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهٖ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ الَّتِيْ وَضَعَهُ اللّٰهُ عَلَيْهَا اَيْ يُبَدِّلُوْنَهٗ وَنَسُوْا تَرَكُوْا حَظًّا نَصِيْبًا مِّمَّا ذُكِّرُوْا اُمِرُوْا بِهٖ ۚ فِي التَّوْرٰىةِ مِنِ اتِّبَاعِ مُحَمَّدٍ وَلَا تَزَالُ خِطَابٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَطَّلِعُ تَظْهَرُ عَلٰى خَاۗىِٕنَةٍ اَيْ خِيَانَةٍ مِّنْهُمْ بِنَقْضِ الْعَهْدِ وَغَيْرِهٖ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ مِمَّنْ اَسْلَمَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ⑬ هٰذَا مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ السَّيْفِ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى مُتَعَلِّقٌ بِقَوْلِهٖ اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ كَمَا اَخَذْنَا عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ الْيَهُوْدِ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فِي الْاِنْجِيْلِ مِنَ الْاِيْمَانِ وَغَيْرِهٖ وَنَقَضُوا الْمِيْثَاقَ فَاَغْرَيْنَا اَوْقَعْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ بِتَفَرُّقِهِمْ وَاخْتِلَافِ اَهْوَائِهِمْ فَكُلُّ فِرْقَةٍ تُكَفِّرُ الْاُخْرٰى وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ فِي الْاٰخِرَةِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ⑭ فَيُجَازِيْهِمْ عَلَيْهِ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ الْيَهُوْدِ وَالنَّصٰرٰى قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا مُحَمَّدٌ يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ تَكْتُمُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ كَاٰيَةِ الرَّجْمِ وَصِفَتِهٖ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ڛ مِنْ ذٰلِكَ فَلَا يُبَيِّنُهٗ اِذَا لَمْ يَكُنْ

فِيهِ مَصْلَحَةٌ اِلَّا افْتِضَاحَكُمْ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ هُوَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَّ كِتٰبٌ قُرْاٰنٌ
مُّبِيْنٌ ۙ﴿۱۵﴾ بَيِّنٌ ظَاهِرٌ يَّهْدِيْ بِهِ اَيْ بِالْكِتَابِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ بِاَنْ اٰمَنَ سُبُلَ السَّلٰمِ طُرُقَ
السَّلَامَةِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ الْكُفْرِ اِلَى النُّوْرِ الْاِيْمَانِ بِاِذْنِهٖ بِاِرَادَتِهٖ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ دِيْنِ الْاِسْلَامِ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ حَيْثُ جَعَلُوْهُ اِلٰهًا
وَهُمُ الْيَعْقُوْبِيَّةُ فِرْقَةٌ مِّنَ النَّصَارٰى قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ اَيْ يَدْفَعُ مِنَ عَذَابِ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ
الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ اَيْ لَا اَحَدَ يَمْلِكُ ذٰلِكَ وَلَوْ كَانَ الْمَسِيْحُ اِلٰهًا لَقَدَرَ
عَلَيْهِ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَاءَهٗ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَ
قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى اَيْ كُلٌّ مِّنْهُمَا نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ اَيْ كَاَبْنَائِهٖ فِي الْقُرْبِ وَالْمَنْزِلَةِ وَهُوَ كَاَبِيْنَا فِي
الشَّفْقَةِ وَالرَّحْمَةِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ لَهُمْ يَا مُحَمَّدُ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ اِنْ صَدَقْتُمْ فِي ذٰلِكَ وَلَا
يُعَذِّبُ الْاَبُ وَلَدَهٗ وَلَا الْحَبِيْبُ حَبِيْبَهٗ وَقَدْ عَذَّبَكُمْ فَاَنْتُمْ كَاذِبُوْنَ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ جُمْلَةِ مَنْ
خَلَقَ ؕ مِنَ الْبَشَرِ لَكُمْ مَا لَهُمْ وَ عَلَيْكُمْ مَا عَلَيْهِمْ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ الْمَغْفِرَةَ لَهٗ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
تَعْذِيْبَهٗ لَا اِعْتِرَاضَ عَلَيْهِ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ الْمَرْجِعُ يٰٓاَهْلَ
الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا مُحَمَّدٌ يُبَيِّنُ لَكُمْ شَرَائِعَ الدِّيْنِ عَلٰى فَتْرَةٍ اِنْقِطَاعٍ مِّنَ الرُّسُلِ اِذْ لَمْ يَكُنْ
بَيْنَهٗ وَبَيْنَ عِيْسٰى رَسُوْلٌ وَمُدَّةُ ذٰلِكَ خَمْسُمِائَةٍ وَتِسْعٌ وَّ سِتُّوْنَ سَنَةً اَنْ لَا تَقُوْلُوْا اِذَا عُذِّبْتُمْ مَا جَآءَنَا
مِنْ زَائِدَةٌ بَشِيْرٍ وَّ لَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ ؕ فَلَا عُذْرَ لَكُمْ اِذًا وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
ع ۸ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾ وَمِنْهُ تَعْذِيْبُكُمْ اِنْ لَمْ تَتَّبِعُوْهُ

ترجمہ: وَ لَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ اور بیشک اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا (جس کا ذکر اِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمْ میں آرہا ہے) اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کیے (وَ بَعَثْنَا بمعنی اَقَمْنَا ہے ہم نے قائم کردیا ہے مفسر نے وَ بَعَثْنَا کی تفسیر اَقَمْنَا سے کر کے اشارہ کیا ہے کہ وَ بَعَثْنَا یہاں سے دارسال مراد نہیں ہے بلکہ بمعنی اَقَمْنَا ہے۔ فِيْهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ اس میں غیبت سے تکلم کی طرف التفات ہے ورنہ مِنْهُمْ ہوتا۔ مِنْ كُلِّ سِبْطٍ نَقِيْبٌ ہر

خاندان سے ایک سردار جو عہد خداوندی کے پورا کرنے کا نگران و ذمہ دار ہو اور اپنے ماتحتوں پر ایفاء عہد کی تاکید رکھے۔ وَ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ اور اللہ تعالیٰ نے (ان سے) یہ فرمایا دیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں (اعانت و نصرت سے یعنی اگر تم میرے عہد پر قائم رہو تو میں تمہارا ناصر و مددگار رہوں وہ عہد یہ ہے) اگر تم نماز کی پابندی کرتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے اور میرے تمام رسولوں پر ایمان لاتے رہے اور ان کی تائید (مدد) کرتے رہے اور زکوٰۃ کے علاوہ اللہ کی راہ میں خرچ کر کے) اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہے تو میں ضرور تمہاری برائیاں تم سے دور کر دوں گا اور ضرور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن (محلات) کے نیچے نہریں جاری ہوں گی پھر جس نے اس (عہد و پیمان) بعد کفر کیا تم میں سے تو وہ بلا شبہ راہ راست سے بھٹک گیا (یعنی حق راستہ سے بھٹک گیا، سواء کے معنی اصل میں وسط کے ہیں) اسکے بعد بنی اسرائیل نے عہد توڑ دیا، ارشاد ہے: فَبِمَا نَقْضِهِمْ) پھر ہم نے ان کی عہد شکنی کی وجہ سے (فَبِمَا نَقْضِهِمْ میں ما زائدہ ہے) ان پر لعنت کی (ہم نے اپنی رحمت سے ان کو دور کر دیا) اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا (کہ ایمان قبول کرنے کے لیے نرم نہیں ہوتے) وہ لوگ (یعنی علماءِ بنی اسرائیل) کلام کو پھیر دیتے ہیں اس کے مواقع سے (یعنی الفاظ خداوندی کو جو محمد ﷺ کے اوصاف وغیرہ توریت میں تھے جس جگہ اللہ نے رکھا تھا ان کی اصلی جگہ سے پھیر دیتے ہیں یعنی بدل دیتے ہیں۔ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ اور فراموش کر بیٹھے (چھوڑ بیٹھے، مفسر نے نسیان کی تفسیر ترک سے کر کے اشارہ کر دیا ہے کہ ملزوم بول کر لازم مراد ہے) ایک بڑا حصہ (نفع) اس نصیحت کا جو ان کو کی گئی تھی (یعنی اتباع محمد ﷺ کا جو حکم توریت میں دیا گیا تھا اس کو چھوڑ بیٹھے) وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ اور آپ (خطاب نبی اکرم ﷺ کو ہے) ہمیشہ مطلع ہوتے رہیں گے ان کی ایک نہ ایک خیانت پر (عہد شکنی وغیرہ پر) واقف ہوتے رہیں گے) اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ مگر ان میں سے تھوڑے لوگ (جو مسلمان ہو گئے تھے اس خیانت سے بری ہیں جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے رفقاء) پس آپ ان (خائنین) کو معاف کیجئے اور ان سے درگزر کیجیے بلا شبہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (یہ معافی اور درگزر کا حکم آیت سیف یعنی اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ سے منسوخ ہے وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں (اس کا تعلق آئندہ سے ہے) اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ ہم نے ان سے بھی عہد لیا تھا (جیسا کہ یہود و بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا) سو وہ بھی فوت کر بیٹھے اس نصیحت کا بڑا حصہ جو ان کو کی گئی تھی (یعنی نصیحت انجیل میں ایمان وغیرہ کے متعلق کی گئی تھی چھوڑ بیٹھے اور عہد توڑ ڈالا تو ہم نے بھڑکا دیا (ڈال دیا) ان کے درمیان بغض و عداوت قیامت تک کے لیے (ان کے مختلف فرقے ہونے اور خواہشات کے اختلاف کی وجہ سے چنانچہ ہر فرقہ دوسرے کی تکفیر کرتا ہے) اور عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو بتا دیں گے (آخرت میں) جو کچھ وہ کرتے تھے (چنانچہ ان کو اس عہد شکنی پر سزا دیں گے) يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ اے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) تمہارے پاس ہمارے رسول (محمد ﷺ) آپہنچے جو کتاب (توریت انجیل) کی بہت سی باتیں تمہارے سامنے کھول کر بیان کرتے ہیں جن کو تم مخفی رکھتے ہو (چھپاتے رہتے ہو جیسے آیت رجم اور محمد ﷺ کے اوصاف کا بیان) اور بہت سی باتوں سے وہ رسول درگزر فرماتے ہیں (یعنی باوجود علم کے ان کے اظہار سے چشم پوشی کرتے ہیں اور کھول کر بیان نہیں کرتے ہیں جب کہ ان کے اظہار میں بجز

تمہاری رسوائی کے کوئی شرعی مصلحت اور فائدہ نہیں نظر آتا) قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا ہے (مراد نبی اکرم ﷺ ہیں) اور ایک واضح کتاب (یعنی قرآن شریف جو احکام کو واضح کرنے والی اور کھلی کتاب ہے) کہ اس (کتاب) کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اللہ کی خوشنودی کے درپے ہوں (اس طرح پر کہ ایمان لے آئے) بتلادیتے ہیں سلامتی کے راستے (بعض لوگوں نے کہا کہ السلام اللہ کا ایک نام ہے اور اس کے راستے اس کے احکام و ضوابط ہیں جو اللہ کے قریب تک پہنچانے والے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ اپنے قرب تک پہنچانے والے ضابطے اور احکام بتا دیگا) وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اور اللہ تعالیٰ ان کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر ایمان کے نور کی طرف لے آتے ہیں اپنے حکم (یعنی اپنے ارادے اور توفیق) سے اور چلاتے ہیں ان کو سیدھی راہ (مراد دین اسلام ہے) لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا بلاشبہ قطعاً کافر ہوئے وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ وہی مسیح ہے جو مریم کا بیٹا ہے (اس طرح کہ ان لوگوں نے ان (مسیح بن مریم کو) معبود ٹھہرایا (مراد نصاریٰ کا ایک فرقہ یعقوبیہ ہے) آپ کہہ دیجیے کہ کون قدرت رکھتا ہے اللہ کے سامنے (یعنی کون دفع کرسکتا ہے اللہ کے عذاب کو) کچھ بھی، اگر اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم اور ان کی ماں کو اور روئے زمین کے تمام باشندوں کو ہلاک کرنا چاہیں؟ (یعنی کوئی نہیں ہے جس کو اس کی طاقت ہو، اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا ہوتے تو ضرور اس پر قدرت ہوتی، وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اللہ ہی کے لیے ہے حکومت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان تمام چیزوں کی جو ان دونوں کے درمیان ہیں (جن میں حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ ماجدہ بھی داخل ہیں) اور اللہ تعالیٰ جس چیز کو (جس طرح) چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں (کسی کو بغیر باپ کے صرف ماں سے پیدا کیا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کسی کو ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا کیا جیسے آدم علیہ السلام اور کسی کو ماں باپ کے جوڑے سے پیدا کیا جیسے تمام انسانوں اور جانوروں کو، اس کی قدرت کے اعتبار سے تخلیق کی تمام صورتیں برابر ہیں اور سب اسی کی مخلوق و مملوک ہیں) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر (جس کو وہ چاہیں) پوری قدرت رکھتے ہیں۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى اور یہود و نصاریٰ (یعنی ان میں سے ہر ایک فریق نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں (یعنی ہم اللہ کے بیٹے کی طرح ہیں قرب و منزلت میں یعنی مقرب ہونے اور تعلق رکھنے کے لحاظ سے اور اللہ تعالیٰ ہمارے باپ کی طرح ہے شفقت اور رحمت کے لحاظ سے یعنی ہم پر باپ کی طرح شفیق اور مہربان ہے فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ آپ (اے محمد ﷺ ان سے) کہہ دیجیے کہ پھر تم کو تمہارے گناہوں کے عوض عذاب کیوں دیتے ہیں (اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو حالانکہ باپ اپنے بیٹے کو عذاب نہیں دیتا ہے اور نہ دوست دوست کو حالانکہ اللہ نے تم کو قتل و قید، ذلت و مسخ کا عذاب دیا اور آخرت کا عذاب الگ ہے جس کے تم بھی قائل ہو کہ چند روز کے لیے تم کو دوزخ کا عذاب دیا جائے گا، یہود کا قول تھا: (اگر ہمیں عذاب جہنم ہوا تو بھی صرف چند روز ہوگا پس تم جھوٹے ہو) بلکہ تم بشر ہو، آدمی ہو منجملہ مخلوق کے (یعنی تم بیٹے ویٹے کچھ نہیں ہو تم بھی اور انسانوں کی طرح ایک انسان ہو لَكُمْ مَا لَهُمْ وَعَلَيْكُمْ مَا عَلَيْهِمْ تمہارے لیے وہی اجر و نفع ہے جو ان کے لیے ہے اور نقصان و عذاب جو ان پر ہوتا ہے وہی تم پر بھی ہوگا اس لیے سب کا یکساں حال ہے۔ اللہ تعالیٰ بخش دیں گے جس کو (بخشنا) چاہیں گے اور جس کو چاہیں گے (عذاب دینا) عذاب دیں گے (اس پر کوئی اعتراض نہیں یعنی کسی کو مجال

اعتراض نہیں) اور اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (یعنی واپسی ہے) یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ اے اہل کتاب بلاشبہ ہمارے رسول (محمد ﷺ) تمہارے پاس آ چکے ہیں جو کھول کھول کر بیان کر رہے ہیں تمہارے لیے (دین کے احکام) رسولوں کے انقطاع کے وقت میں (عَلٰی فَتْرَۃٍ کا تعلق مَا جَآءَ سے ہے یعنی ہمارے رسول محمد ﷺ ایسے وقت میں تمہارے پاس پہنچے کہ مدتوں سے رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا کیونکہ آنحضور ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی رسول نہیں ہوا اور یہ مدت سے انقطاع یعنی زمانہ فترت پانچ سو بہتر سال ہوتا ہے اس طرح مدت میں وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا اور بنی اسرائیل کی شریعت مسخ ہو گئی تھی اس لیے اصلاح عالم کے لیے پیغمبر آخرالزماں محمد رسول ﷺ کو بھیجا تا کہ تم سنبھل جاؤ) اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ تا کہ تم (قیامت کے دن) یوں نہ کہنے لگو (جب تمہیں عذاب دیا جانے لگے) کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا (مفسر علام نے تقدیر عبارت سے یہ ظاہر کر دیا کہ اَنْ تَقُوْلُوْا میں ان مصدریہ پر لام داخل ہے اور تَقُوْلُوْا سے پہلے لا نافیہ محذوف ہے اور مِنْۢ بَشِیْرٍ میں من زائدہ ہے جیسا کہ ترجمہ سے واضح) فَقَدْ جَآءَکُمْ سو آ چکے ہیں تمہارے پاس بَشِیْرٌ اور نَذِیْرٌ (یعنی اللہ کے عظیم الشان پیغمبر آخرالزماں تشریف لا چکے ہیں اب تمہارے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (اگر تم لوگوں نے اس پیغمبر کا اتباع نہیں کیا تو تمہیں عذاب دینا بھی اسکی قدرت میں داخل ہے)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: یَکُوْنُ کَفِیْلًا: کفیل وہ شخص ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرے۔

قوله: فَاَغْرَیْنَا: غری یہ چمٹ جانے کے معنی میں ہے۔

قوله: حَیْثُ جَعَلُوْہُ اِلٰھًا: اگرچہ انہوں نے تصریح نہ کی ہو ثالث ثلاثہ سے یہ ثابت ہو رہا ہے۔

قوله: یَدْفَعُ: اس سے اشارہ ہے کہ ملک یہ دفاع سے مجاز ہے کیونکہ ملکیت کی حقیقت بحفاظت وضبط تام ہے۔

قوله: مِنَ عَذَابٍ: مضاف کو مقدر مانا کیوں کہ مِنَ تبعیض کے لیے ہے اور یہ مقدر ماننے سے متصور ہے۔

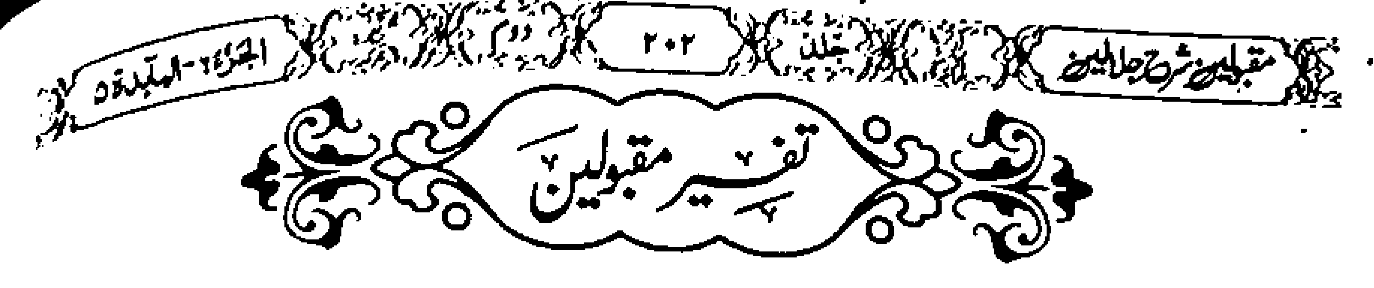
قوله: اِنْ صَدَقْتُمْ: اس میں اشارہ ہے کہ فَلِمَ یُعَذِّبُکُمْ میں فا جزائیہ ہے۔ نہ عاطفہ۔ شرط محذوف ہے۔

قوله: مِنَ الْبَشَرِ لَکُمْ: صفت میں بیان کو ضمیر کے قائم مقام لائے اور وہ خَلَقَ ہے۔

قوله: شَرَائِعَ الدِّیْنِ: یُبَیِّنُ کا مفعول محذوف ہے اور ظاہر ہونے کی وجہ سے مذکور نہیں۔ اور ظاہر ہونے کی وجہ سے مذکور نہیں۔

قوله: اَنْ لَا: لازم کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ وہ مفعول لہ ہے اور ان مصدریہ اور لا کو مقدر مانا کیونکہ وہ قول مذکور اور رسول کی علت نہیں۔

قوله: فَلَا عُذْرَ لَکُمْ: فا، فَقَدْ جَآءَکُمْ میں محذوف سے متعلق ہے۔ یعنی فَلَا عُذْرَ لَکُمْ، فَقَدْ جَآءَکُمْ یعنی تیرا کوئی بہانہ نہیں چل سکتا وہ تو یقیناً تمہارے ہاں آ چکے۔



وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ

اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل سے عہد لینا پھر ان کا عہد توڑ دینا:

اس سے پہلے مسلمانوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ سے عہد کیا ہے اور (سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا) کہہ کر جو فرمانبرداری کرنے کی ذمہ داری لے لی ہے اس کو پورا کرو۔ ان آیات میں بنی اسرائیل سے جو عہد لیا تھا اس عہد کو پورا کرنے پر جس انعام کا وعدہ فرمایا تھا اس کا ذکر پھر اس عہد شکنی پر جو انہیں سزا ملی اس کا تذکرہ فرمایا۔ اس میں مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ عہد پورا نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہو جاتی ہے ایسا نہ کرو کہ عہد شکنی کر کے اپنے اوپر وبال آنے کا ذریعہ بن جاؤ۔

اول یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا (جو ان کے نبی سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے لیا گیا تھا) پھر فرمایا کہ ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کر دیئے (بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے ہر ہر قبیلہ کا ایک سردار مقرر فرما دیا جو ان کو اللہ کے عہد یاد دلاتا رہے اور عہد پر چلنے کی تلقین کرتا رہے) اللہ تعالیٰ شانہ، نے یہ بھی فرمایا کہ بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں مجھے تمہارے ہر عمل کی خبر ہے نیکی اور گناہ ہر چیز کا علم ہے۔

بنی اسرائیل سے جو عہد لیا تھا اسے (لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ) سے (قَرْضًا حَسَنًا) تک بیان فرمایا پھر لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سے (تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ) تک عہد پورا کرنے کا اجر بتایا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم نماز قائم کرتے رہے اور زکوٰتیں دیتے رہے اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور رسولوں کی مدد کرتے رہے اور اللہ کو قرض اچھا دیتے رہے تو تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کردوں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ معلوم ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم پہلی امتوں کو بھی تھا، رسولوں پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا عہد اس لیے لیا کہ بنی اسرائیل میں بہت سے نبی ہوئے ایک نبی چلا جاتا تو دوسرا آجاتا۔ جیسا کہ عنقریب ہی آیت کریمہ: (اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا) میں اس کا بیان آرہا ہے ان شاء اللہ العزیز!

جب کوئی نبی آجاتا تو اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ان پر فرض ہو جاتا تھا حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا اور ان کے بعد خاتم الانبیاء سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی لیکن بنی اسرائیل عموماً ان دونوں رسولوں کی رسالت کے منکر ہو گئے۔

پھر فرمایا: (فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ) (کہ اس کے بعد جو شخص تم میں سے کفر اختیار کرے سو وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا) عہد لیتے وقت یہ تنبیہ فرما دی تھی لیکن انہوں نے عہد کو توڑ دیا جس کا ذکر آئندہ آیت میں ہے۔

بنی اسرائیل کی عہد شکنی کا وبال:

پھر بنی اسرائیل کی عہد شکنی اور اس کے وبال کا تذکرہ فرمایا: (فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً) یعنی چونکہ انہوں نے عہد کو توڑ دیا اس لیے ہم نے ان پر لعنت کر دی یعنی اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا جن میں حق ماننے اور حق کی طرف متوجہ ہونے اور حق قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہ رہی، اس ملعونیت اور قساوت قلب کی وجہ سے وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب بھی کرتے تھے اور انہیں قتل بھی کرتے تھے، اپنی اسی عادت کے مطابق انہوں نے خاتم النبیین (علیہ السلام) کی بھی تکذیب کی اور یہ جانتے ہوئے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں حضرت کے منکر ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ) (بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی سو ان میں کم ہیں جو مؤمن ہوں گے) ان کی قساوت قلبی کا ذکر فرماتے ہوئے سورۃ بقرہ میں فرمایا: (ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً) (اور پھر تمہارے دل سخت ہو گئے سو وہ پتھروں کی طرح ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت ہیں) جب انسان بار بار گناہ پر گناہ کرتا رہے تو اس میں سرکشی کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور اس سرکشی سے دل میں قساوت اور سختی آ جاتی ہے جس کی وجہ سے توبہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور موعظت اور نصیحت کی بات بھی بری لگتی ہے یہودیوں کا توریت شریف میں تحریف کرنا۔

مزید یہود کی شناعت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: (يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ) (یہ لوگ کلمات کو بدلتے ہیں ان کے مواقع سے اور انہوں نے ایک بڑا حصہ چھوڑ دیا جس کے ذریعہ انہیں نصیحت کی گئی) اس میں یہودیوں کی قساوت قلبی اور سخت دلی کا بیان فرمایا کہ ان کے دل ایسے سخت ہو گئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدل دیا۔ ان کے علماء توریت شریف کو بدلتے تھے اور جو کچھ اپنے پاس سے بناتے اور لکھتے تھے اپنی عوام سے کہتے تھے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ عوام کو راضی رکھ کر ان سے پیسے لے لینا اور علم کی بجائے ان کو جہل میں مبتلا کر دینا اور ہدایت کی بجائے انہیں گمراہی پر ڈالنا اور اللہ سے ڈرنا آخرت کے حساب و کتاب سے بے پرواہ ہو جانا کتنی بڑی قساوت ہے لیکن انہیں اس کا کچھ احساس نہیں۔

جب تحریف کر لی تو توریت شریف کا بہت بڑا حصہ ان کے حافظہ سے نکل گیا جو شخص اپنی تحریف کو اصل میں ملانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اصل کتاب کے الفاظ و معانی سے محروم ہو جاتا ہے۔

یہود کی خیانتیں:

پھر فرمایا: (وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ) (اور آپ ہمیشہ ان کی طرف سے کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے۔ سوائے تھوڑے سے لوگوں کے) اس میں یہود کی خیانت بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ برابر یہ خیانتیں کرتے رہیں گے اور آپ کی ان کی خیانتوں کا علم ہوتا رہے گا خیانت ان کے مزاج میں داخل ہو گئی ہے ان کے اسلاف نے خیانتیں کیں۔ حد یہ کہ اللہ کی کتاب میں بھی تحریف کر بیٹھے جو بہت بڑی خیانت ہے۔ ان کے اخلاف (موجودہ

یہودی) اس عادت کو چھوڑیں گے نہیں ہاں ان میں سے چند لوگ جو مسلمان ہو گئے ہیں (حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ) یہ حضرات خیانت سے دور ہو گئے اور صفت ایمان نے ان کو امانت دار بنا دیا۔

(فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ) (آپ ان کو معاف کیجئے اور ان سے درگزر کیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوبی کا معاملہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)

صاحب روح المعانی ج ٦ ص ۹۰ پر اسکی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَیْ اِذَا تَابُوْا اَوْ بذلوا الجزية۔ یعنی جب وہ توبہ کرلیں (اسلام قبول کرلیں اور خیانت سے باز آجائیں) یا جزیہ دے کر عہد کی پابندی کرتے رہیں تو ان کو معاف کیجئے درگزر کیجئے اگر یہ معنی لیے جائیں تو آیت میں کوئی نسخ نہیں ہے۔ اس کے بعد صاحب روح المعانی نے علامہ طبری سے یہ نقل کیا ہے کہ معافی اور درگزر کرنے کا حکم پہلے تھا جب کافروں سے جنگ کرنے کا حکم آ گیا تو منسوخ ہو گیا۔ صاحب بیان القرآن اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب تک شرعی ضرورت نہ ہو ان کی خیانتوں کا اظہار اور ان کی فضیحت نہ کیجئے یہ معنی (يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ) سے قریب تر ہے۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى....

نصاریٰ سے عہد لینا اور ان کا اس کو بھول جانا:

ان آیات میں نصاریٰ کی طرف روئے سخن ہے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے کہا ہم نصاریٰ ہیں ان سے بھی ہم نے پختہ عہد لیا وہ لوگ بھی عہد پر قائم نہ رہے جو کچھ انکو نصیحتیں کی گئی تھیں ان میں سے ایک بہت بڑا حصہ بھول گئے ان کے اس عہد کو توڑنے اور جو نصیحتیں کی گئی تھیں ان کے بھولنے کی وجہ سے ہم نے ان کے درمیان دشمنی اور بغض کو ڈال دیا وہ قیامت تک آپس میں دشمن رہیں گے اور ایک دوسرے سے بغض رکھیں گے۔ نصاریٰ میں متعدد فرقے تھے اور اب بھی ہیں ان میں سے بعض کا یہ کہنا تھا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہے، اس طرح سے اتحاد ذاتی کے قائل تھے اور ایک فرقہ کہتا تھا کہ تین معبود ہیں اللہ اور مریم اور عیسیٰ ابن مریم، یہود کی طرح نصاریٰ بھی نصیحت کا بہت بڑا حصہ چھوڑ بیٹھے اور اسے بھول بھلیاں کر دیا، اس نصیحت میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا بھی تھا جن کے بعثت کی بشارت حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے دی تھی اور جن کی نبوت اور رسالت کی خبر توریت اور انجیل میں دی گئی تھی۔ (اَلَّذِيْنَ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ) اس عہد شکنی اور خلاف ورزی کی انہیں سزا مل گئی اور ملتی رہے گی۔ پھر ارشاد فرمایا: (وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ) یعنی عنقریب انہیں جتلا دے گا جو کام وہ کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ دونوں) کو خطاب فرمایا کہ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول (ﷺ) آیا ہے وہ بہت سی وہ باتیں بیان کرتا ہے جو اللہ کی کتاب میں سے تم چھپاتے تھے۔ اور بہت سی چیزوں سے درگزر کرتا ہے اس رسول ﷺ کا اتباع فرض ہے، مزید فرمایا کہ تمہارے پاس اللہ کا نور آیا ہے اور واضح بیان کرنے والی کتاب آئی ہے، نور سے مراد سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے اور کتاب مبین سے قرآن کریم مراد ہے دونوں کے ذریعہ اللہ سلامتی

کے راستہ کی ہدایت فرماتا ہے یہ ہدایت ان لوگوں کو ملتی ہے جو رضائے الٰہی کے طالب ہوں، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت بھی دیتا اور طرح طرح کے اندھیروں سے نکال کر (جو شرک وکفر کی صورت میں باطل افکار اور اہواء کی وجہ سے انسان کو گھیر لیتی ہیں) نور کی طرف لے آتا ہے۔ کفر کے راستے چونکہ بہت سے ہیں لفظ ظلمات بصیغہ جمع استعمال فرمایا اور نور چونکہ ایک ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ہدایت اس لیے لفظ نور کو واحد لایا گیا۔

یہ قرآن کا ایک عجیب معجزہ ہے، کہ آج جو صحیفے انجیلوں کے نام سے مسیحی ہاتھوں میں موجود ہیں، صد گونہ تحریفات کے بعد بشارات محمدی ان میں اب تک باقی ہیں، حضرت یحییٰ کے سلسلہ میں ہے:۔ ”جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے، کہ تو کون ہے؟ اس نے انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں، انہوں نے اس سے پوچھا، پھر کون ہے: کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ بس انہوں نے اس سے کہا پھر تو ہے کون؟ (یوحنا۔1:19۔22)“ انہوں نے اس سے سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ ہے۔ نہ وہ نبی۔ تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے“۔؟ (یوحنا۔1:25) یہ بار بار وہ نبی کے سوال کے کیا معنی؟ ضرور ہے کہ کسی معروف نبی کی پیشگوئی یہود میں مدت سے چلی آرہی ہے، اور یہ النبی یقیناً مسیح علیہ السلام سے الگ کوئی تھے، جیسا کہ اوپر کے سوالات سے ظاہر ہے۔

وَ اذْكُرْ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَىْ مِنْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ اَصْحَابَ خَدَمٍ وَحَشَمٍ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝٢٠ مِنَ الْمَنِّ وَالسَّلْوٰى وَفَلْقِ الْبَحْرِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الْمُطَهَّرَةَ الَّتِىْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ اَمَرَكُمْ بِدُخُوْلِهَا وَهِىَ الشَّامُ وَ لَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ تَنْهَزِمُوْا خَوْفَ الْعَدُوِّ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝٢١ فِىْ سَعْيِكُمْ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ مِنْ بَقَايَا عَادٍ طِوَالًا ذَوِىْ قُوَّةٍ وَ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝٢٢ لَهَا قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ مُخَالَفَةَ اَمْرِ اللّٰهِ وَهُمَا يُوْشَعُ وَكَالَبُ مِنَ النُّقَبَاءِ الَّذِيْنَ بَعَثَهُمْ مُوْسٰى فِىْ كَشْفِ اَحْوَالِ الْجَبَابِرَةِ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا بِالْعِصْمَةِ فَكَتَمَا مَا اطَّلَعَا عَلَيْهِ مِنْ حَالِهِمْ اِلَّا عَنْ مُوْسٰى بِخِلَافِ بَقِيَّةِ النُّقَبَاءِ فَاَفْشَوْهُ فَجَبُنُوْا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ بَابَ الْقَرْيَةِ وَلَا تَخْشَوْهُمْ فَاِنَّهُمْ اَجْسَادٌ بِلَا قُلُوْبٍ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ قَالَا ذٰلِكَ تَيَقُّنًا بِنَصْرِ اللّٰهِ وَاِنْجَازِ وَعْدِهٖ وَ عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٢٣ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ ۖ هُمْ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝٢٤

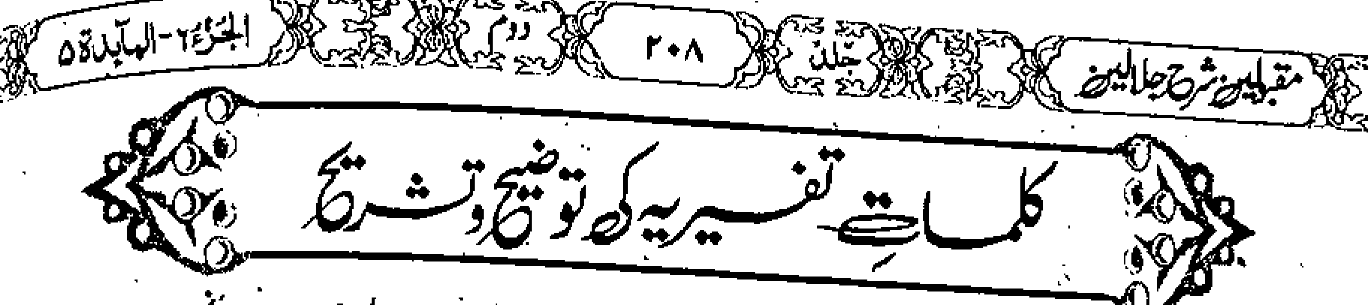
عَنِ الْقِتَالِ قَالَ مُوْسٰی حِیْنَئِذٍ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاِلَّا اَخِیْ وَلَا اَمْلِکُ غَیْرَهُمَا فَاَجْبِرْهُمْ
عَلَی الطَّاعَةِ فَافْرُقْ فَافْصِلْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ تعالیٰ له فَاِنَّهَا اَیِ الْاَرْضُ
الْمُقَدَّسَةُ مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَا اَرْبَعِیْنَ سَنَةً یَتِیْهُوْنَ یَتَحَیَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَهِیَ تِسْعَةُ
ع فَرَاسِخَ قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ فَلَا تَاْسَ تَحْزَنْ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾ رُوِیَ اَنَّهُمْ کَانُوْا یَسِیْرُوْنَ اللَّیْلَ
۸
جَادِّیْنَ فَاِذَا اَصْبَحُوْا اِذَا هُمْ فِی الْمَوْضَعِ الَّذِی ابْتَدَأُوْا مِنْهُ وَیَسِیْرُوْنَ النَّهَارَ کَذٰلِكَ حَتّٰی انْقَرَضُوْا کُلُّهُمْ
اِلَّا مَنْ لَمْ یَبْلُغِ الْعِشْرِیْنَ قِیْلَ وَکَانُوْا سِتَّمِائَةِ اَلْفٍ وَمَاتَ هٰرُوْنُ وَمُوْسٰی عَلَیْهِمَا السَّلَامُ فِی التِّیْهِ وَکَانَ
رَحْمَةً لَهُمَا وَعَذَابًا لِاُولٰئِكَ وَسَأَلَ مُوْسٰی رَبَّهٗ عِنْدَ مَوْتِهٖ اَنْ یُدْنِیَهٗ مِنَ الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْیَةً بِحَجَرٍ
فَاَدْنَاهُ کَمَا فِی الْحَدِیْثِ وَنُبِّیءَ یُوْشَعُ بَعْدَ الْاَرْبَعِیْنَ وَاُمِرَ بِقِتَالِ الْجَبَّارِیْنَ فَسَارَ بِمَنْ بَقِیَ مَعَهٗ وَقَاتَلَهُمْ
وَکَانَ یَوْمُ الْجُمُعَةِ وَوَقَفَتْ لَهُ الشَّمْسُ سَاعَةً حَتّٰی فَرَغَ عَنْ قِتَالِهِمْ وَرَوَی اَحْمَدُ فِیْ مُسْنَدِهٖ حَدِیْثَ اَنَّ
الشَّمْسَ لَمْ تُحْبَسْ عَلٰی بَشَرٍ اِلَّا لِیُوْشَعَ لَیَالِیَ سَارَ اِلَی الْبَیْتِ الْمُقَدَّسِ

ترجمہ: وَاذْکُرْ اِذْ قَالَ مُوْسٰی مفسرؒ نے اذکر کی تقدیر نکال کر اشارہ کیا ہے کہ اذ ظرفیہ کا تعلق فعل محذوف سے ہے یعنی وَاذْکُرْ اِذْ قَالَ مُوْسٰی) اور (یاد کرو اس وقت کو) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم (بنی اسرائیل) سے کہا تھا کہ اے میری قوم یاد کرو تم اللہ کے انعام اور احسان کو جو تم پر ہوا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں بہت سے پیغمبر پیدا کئے (فِیْکُمْ بمعنی مِنْکُمْ ہے یعنی تم ہی میں سے یہ انبیا بنائے) اور تمہیں بادشاہ بنایا (یعنی کو تم جاہ وحشمت والا نوکر چاکر رکھنے والا بنادیا اور تم کو وہ چیزیں دی ہیں جو دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیں (یعنی من وسلویٰ اور سمندر کو پھاڑ کر راستہ بنادینا وغیرہ یٰقَوْمِ ادْخُلُوا اے میری قوم اس مقدس (پاک) سرزمین شام ہے۔شام کی سرزمین کو مقدس اور پاک اس لیے کہا کہ سرزمین شام صدیوں سے انبیاء ومرسلین کا مولد ومسکن رہی لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کچھ عرصہ پہلے عمالقہ اس پر مسلط ہوگئے تھے۔حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس قوم سے جہاد کرنے کا حکم دیا اور فتح کی طرف سے نہ لوٹو) کہ تم (اپنی سعی اور کوشش کے اندر) خسارہ میں پڑ جاؤ گے (اس لیے کہ جو ملک خدا نے تمہارے لیے لکھ دیا وہ فی الحال تمہارے ہاتھ نہ آئیگا اور خدا کے نافرمان ٹھہرو گے) قَالُوْا یٰمُوْسٰی ان لوگوں نے کہا کہ اے موسیٰ وہاں تو بڑے زبردست لوگ (رہتے) ہیں (یعنی قوم عاد کے بقایا دراز قامت اور طاقتور لوگ ہیں) اور ہم تو اس سرزمین میں ہرگز نہیں داخل ہوں گے یہاں تک کہ وہ خود اس سے باہر نکل جائیں ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں گے تو بیشک ہم (وہاں) داخل ہوجائیں گے۔ قَالَ رَجُلٰنِ (موسیٰ کے

حکم کی تائید کے لیے) ان دوشخصوں نے کہا (بنی اسرائیل سے) خداترس بندوں میں سے تھے حکم خداوندی کی خلاف ورزی کرنے سے اور یہ دونوں یوشع اور کالب تھے اور دونوں ان بارہ سرداروں میں سے تھے جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جبابرہ کے حالات دریافت کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ رَجُلٰنِ موصوف ہے اسکی ایک صفت مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ ہے اور دوسری صفت آگے آرہی ہے اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمَا اور جن پر اللہ نے انعام کیا تھا (عصمت کے ذریعہ اللہ نے ان پر خاص احسان فرمایا کہ بارہ سرداروں میں سے صرف ان دونوں کو نافرمانی اور خلاف ورزی سے معصوم کردیا چنانچہ ان دونوں نے جبابرہ کا حال یعنی ہیبت ناک ڈیل ڈول اور غیر معمولی قوت وطاقت بجز موسیٰ علیہ السلام کے کسی پر ظاہر نہیں کیا جن پر یہ دونوں واقف ہوئے تھے بخلاف باقی نقیبوں کے کہ سب نے اس حال کا افشا کردیا چنانچہ بنی اسرائیل پست ہمت وبزدل ہوگئے، ان دونوں یوشع اور کالب نے بنی اسرائیل کو نصیحت کی اور یہ کہا ہے: اُدْخُلُوْا عَلَیْہِمُ الْبَابَ تم عمالقہ پر ان کے دروازہ (یعنی ان کی بستی کے دروازہ) تک تو چلو (اور ان سے ڈرومت کیونکہ وہ بے دل کے محض جسم ہیں) سو جب تم دروازہ میں داخل ہوگے تو بلاشبہ تم ہی غالب رہوگے (ان دونوں یعنی یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا نے کہا کہ اللہ کی نصرت پر اور وعدہ کے پورا کردینے پر یقین رکھتے ہوئے) چونکہ یہ دونوں خدا سے ڈرتے تھے اس لیے عمالقہ وغیرہ کا کچھ ڈر نہ رہا۔

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید۔ ترسد از وے جن وانس وہر کہ دید

وَعَلَی اللّٰہِ فَتَوَکَّلُوْٓا اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم ایمان رکھتے ہو قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی کہنے لگے کہ اے موسیٰ ہم تو ہرگز کبھی بھی وہاں نہیں جائیں گے جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں سو آپ اور آپ کے پروردگار چلے جائیں اور دونوں لڑ بھڑ لیجئے ہم تو یہیں بیٹھے ہیں (جنگ سے یعنی جنگ کے لیے نہیں جائیں گے) موسیٰ نے کہا (اس وقت یعنی بنی اسرائیل کے بزدلانہ جواب سے تنگدل ہوکر دعا کی اور کہا) اے میرے پروردگار میں اپنی جان اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر اختیار نہیں رکھتا ہوں (ان دونوں کے سوا کسی پر میرا قابو واختیار نہیں کہ میں ان کو تیری فرمانبرداری پر یعنی عمالقہ سے جہاد پر مجبور کرسکوں) پس ہمارے اور ان نافرمان لوگوں کے درمیان جدائی ڈال دے (جدائی کے دو معنی ہیں ایک حسی اور ظاہری طور پر الگ ہوجانا، دوسرے یہ کہ ایک دوسرے سے جدا ہوجانا، سو معنی جدائی مراد ہے یعنی تعریف ومذمت اور ثواب وعذاب میں جدائی ڈال دے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ظاہری اور حسی طور پر تو حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام بنی اسرائیل سے جدا نہ ہوئے لیکن معنی جدائی ہوگئی کہ وہ سب عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے اور چالیس سال تک اسی وادی تیہ میں ٹکریں مارتے رہے اور وطن واپس ہونے کے مقصد میں ناکام ونامراد رہے) قَالَ فَاِنَّہَا مُحَرَّمَۃٌ (اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کی دعا قبول کی اور) فرمایا بلاشبہ یہ مقدس سرزمین) ان پر حرام کردی گئی (یعنی اس سرزمین میں داخل ہونے سے محروم کردیئے گئے) چالیس سال تک بھٹکتے پھریں گے (حیران پھرتے رہیں گے) اسی زمین میں (اور وہ زمین یعنی میدان تیہ نو فرسخ کا میدان تھا جیسا کہ ابن عباسؓ نے فرمایا ہے) سو آپ (اے موسیٰ) غم نہ کیجیے (یعنی غمگین نہ ہوں) بدکار لوگوں پر۔



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: مِنْكُمْ: فِيْكُمْ کی تفسیر مِنْكُمْ سے کر کے بتلایا کہ یہاں حقیقت میں ظرفیت درست نہیں۔

قوله: مِنَ الْمَنِّ: جب ان کی جہاں والوں پر تفضیل کو انہوں نے پسند نہ کیا تو جو ان کو خاص معجزات دیئے تھے ان کو احسان میں ذکر کیا۔

قوله: اَمَرَكُمْ: یہ تفسیر اس لیے کی کہ تقدیر کا لکھا تو ٹلتا نہیں اور وہ وہاں اس کے عرصہ دراز بعد داخل ہوئے۔

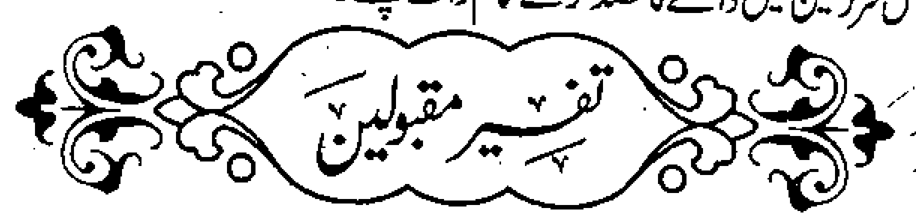
قوله: جَبَّارِيْنَ: بروزنِ فعال جو لوگوں سے جبر کے ذریعہ کام نکالے۔

قوله: مُخَالِفَةَ اَمْرِ اللهِ: یعنی احکام الٰہی کی مخالفت سے وہ ڈرتے ہیں۔

قوله: بَابَ الْقَرْيَةِ: اس میں لام اضافت کے بدلے آیا ہے۔

قوله: اِلَّا نَفْسِيْ: الا کو مقدر مانا اس سے اشارہ کیا نفسی پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے نہ کہ ان کا اسم ہونے کی وجہ سے۔ فتدبر

قوله: جَادِّيْنَ: اس سرزمین میں داخلے کا قصد کر کے تمام رات چلتے۔



تفسیر مقبولین

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانا اور انہیں ایک بستی میں داخل ہونے کا حکم دینا اور ان کا اس سے انکاری ہونا:

ان آیات میں بنی اسرائیل کا ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے، اس واقعہ میں عبرت اور اس بات کی دلیل بھی ہے کہ بلاشبہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول ہیں سورۂ مائدہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی وہاں یہود موجود تھے انہیں اپنے آباؤ اجداد کے قصے معلوم تھے، آنحضرت ﷺ کا ایسے واقعات کو بتانا (جن کے جاننے کا آپ کے لیے وحی کے سوا کوئی راستہ نہ تھا) اس امر کی صریح دلیل ہے کہ آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں، یہودیوں میں سے چند افراد ہی ایمان لائے مگر حجت سب پر پوری ہوگئی۔

واقعہ یہ ہے کہ جب فرعون کا لشکر سمندر میں ڈوب کر ختم ہوگیا اور فرعون بھی ہلاک ہوگیا اور بنی اسرائیل سمندر پار ہو کر شام کے علاقہ میں داخل ہوگئے تو اب انہیں اپنے وطن فلسطین میں جانا تھا یہ لوگ کئی سو سال کے بعد مصر سے واپس لوٹے تھے، "جائے خالی راد یومی گیرد"، ان کے پیچھے عمالقہ نے ان کے وطن پر قبضہ کر لیا تھا یہ لوگ قوم عاد کا بقیہ تھے اور بڑے قد و قامت اور بڑے ڈیل ڈول والے اور قوت وطاقت والے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے مقدر فرمادیا تھا کہ یہ سرزمین بنی اسرائیل کو ملے گی،

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اول تو انکو اللہ کی نعمتیں یاد دلائیں اور انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی تم پر بڑی بڑی مہربانیاں ہیں۔ آئندہ زمانہ میں تم میں کثرت کے ساتھ نبی ہوں گے اور تم میں بہت سے بادشاہ ہوں گے اس نعمت کے رکھ رکھاؤ کے لیے اپنی جگہ ہونی چاہیے جس میں حضرات انبیائے کرام آزادی کے ساتھ تبلیغ کر سکیں اور احکام الٰہیہ پہنچا سکیں اور جس میں تمہارے بادشاہ اپنے اقتدار کو کام میں لا سکیں اور معاملات کو نمٹا سکیں۔ اب تک تم قبط (مصری قوم) کے ماتحت تھے۔ جنہوں نے تمہیں غلام بنا رکھا تھا اب تم اپنے وطن میں داخل ہو جاؤ یہ مقدس سرزمین تمہارے لیے اللہ نے مقدر فرمادی ہے، تم پشت پھر کر واپس نہ ہو آگے بڑھو۔ جنگ کرو، جن لوگوں نے قبضہ کر رکھا ہے وہ وہاں سے نکل جائیں گے ہمت کرو اور حوصلہ سے کام لو ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ اس موقع پر چند آدمی بطور نقیب قوم عمالقہ کی خیر خبر لینے کے لیے بھیجے گئے تھے انہوں جو عمالقہ کا ڈیل ڈول اور قد و قامت دیکھا تو واپس آکر موسیٰ علیہ السلام سے بیان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کا حال پوشیدہ رکھو لشکر والوں میں سے کسی کو نہ بتانا ورنہ بزدلی اختیار کر لیں گے اور لڑنے سے گریز کریں گے، لیکن وہ نہ مانے انہوں نے اپنے اپنے رشتہ داروں کو بتا دیا البتہ ان میں سے دو حضرات یعنی حضرت یوشع بن نون اور حضرت کالب بن یوقنا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات پر عمل کیا اور نہ صرف یہ کہ بنی اسرائیل سے عمالقہ کا حال پوشیدہ رکھا بلکہ بنی اسرائیل کو ہمت اور حوصلہ دلایا کہ چلو آگے بڑھو دروازہ میں داخل ہو! دیکھو اللہ کی کیسی مدد ہوتی ہے تم داخل ہو گے تو وہ نکل بھاگیں گے اور تم کو غلبہ حاصل ہو گا اگر مؤمن ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرو مؤمن کا کام اللہ پر توکل کرنا ہے۔ پیچھے ہٹنا نہیں ہے خصوصاً جبکہ تمہیں بشارت دی جا رہی ہے کہ یہ زمین اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے تو پھر کیوں پشت پھیرتے ہو۔ بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی سمجھایا اور یوشع بن نون، اور کالب نے بھی زور دیا کہ چلو آگے بڑھو لیکن انہوں نے ایک نہ مانی۔ آپس میں کہنے لگے کہ کاش! ہم مصر سے نہ آتے وہیں رہ جاتے (جب غلامی کا ذہن بن جاتا ہے اور ذلت اور پستی دلوں میں رچ اور پچ جاتی ہے تو انسان تھوڑی سی تکلیف سے جو عزت ملے اس کی بجائے ذلت کو ہی گوارا کر لیتا ہے) دھاڑیں مار کر رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہم مصر ہی میں ہوتے تو اچھا تھا، کبھی کہتے تھے کہ کاش! ہم اسی جنگل میں مر جاتے اور ہمیں عمالقہ کی سرزمین میں داخل ہونے کا حکم نہ ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے برملا کہہ دیا کہ ہم ہرگز اس سرزمین میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہاں سے نہ نکل جائیں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم داخل ہو سکتے ہیں۔ (گویا یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر احسان ہے کہ وہ نکلیں گے تو ہم داخل ہو جائیں گے) انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی کہا کہ جب تک وہ لوگ اس میں موجود ہیں ہم ہرگز کبھی بھی اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔ (لڑنا ہمارے بس کا نہیں) تو اور تیرا رب دونوں جا کر لڑ لیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔

جب سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کا یہ ڈھنگ دیکھا اور ان کے ایسے بے تکے جواب سنے تو بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب! میرا بس ان لوگوں پر نہیں چلتا، مجھے اپنے نفس پر قابو ہے اور میرا بھائی یعنی ہارون علیہ السلام بھی فرماں برداری سے باہر نہیں ہم دونوں کیا کر سکتے ہیں لہٰذا ہمارے اور فاسقوں کے درمیان فیصلہ فرما دیجیے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ یہ سرزمین ان لوگوں پر چالیس سال تک حرام ہے اپنی حرکتوں کی وجہ سے اس وقت داخلہ سے محروم کیے جا رہے ہیں۔ اس چالیس سالہ مدت میں زمین میں حیران پھرتے رہیں گے، چنانچہ چالیس سال تک چھ فرسخ یعنی اٹھارہ میل جگہ میں گھومتے

رہے صبح کو جہاں سے چلتے تھے شام کو وہیں کھڑے ہوئے تھے اس وقت ان کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ اس عرصہ میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی وفات بھی ہوگئی اور اس وقت جتنے بنی اسرائیل موجود تھے تقریباً سب کو اسی میدان میں اس چالیس سالہ مدت کے اندر اپنے اپنے وقت پر موت آ گئی، البتہ حضرت یوشع اور حضرت کالب زندہ تھے اور جب چالیس سال پورے ہو گئے اور نئی نسل تیار ہوگئی تو حضرت یوشع علیہ السلام کی سرکردگی میں وہ مقدس سرزمین فتح ہوئی اور بنی اسرائیل اس میں داخل ہوئے۔ (من ابن کثیر و معالم التنزیل)

بنی اسرائیل کے قول قبیح کے برخلاف حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے بدر کے موقع پر کیا ہی اچھا جواب دیا۔ رسول اللہ ﷺ غزوہ بدر کے موقع پر مشرکین سے جنگ کرنے کے بارے میں مشورہ فرما رہے تھے۔ اس موقع پر حضرت مقداد بن الاسود نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم ایسا نہ کہیں گے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا (اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ) آپ چلیے (جنگ کیجئے) ہم آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے جنگ کریں گے۔ ان کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ کو بہت خوشی ہوئی چہرہ انور چمکنے لگا۔ (صحیح بخاری ج۲ ص ٥٦٤ اور ج۲ ص ۲٦۳)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ....

اس سے پہلی آیات میں بنی اسرائیل کو حکم جہاد اور اس میں ان کی کم ہمتی اور بزدلی کا ذکر تھا، اس قصہ میں اس کے بالمقابل قتل ناحق کی برائی اور اس کی تباہ کاری کا بیان کر کے قوم کو اس اعتدال پر لانا مقصود ہے کہ جس طرح حق کی حمایت اور باطل کو مٹانے میں قتل و قتال سے دل چرانا غلطی ہے، اسی طرح ناحق قتل و قتال پر اقدام دین و دنیا کی تباہی ہے۔

پہلی آیت میں ابن آدم (کا لفظ مذکور ہے، یوں تو ہر انسان، آدمی اور آدم کی اولاد ہے، ہر ایک کو ابن آدم کہا جا سکتا ہے، لیکن جمہور علماء تفسیر کے نزدیک اس جگہ ابن آدم سے حضرت آدم علیہ السلام کے دو صلبی اور حقیقی بیٹے مراد ہیں، یعنی ہابیل و قابیل، ان دونوں کا قصہ بیان کرنے کے لیے ارشاد ہوا۔

تفسیر و ترجمہ

وَاتْلُ یَا مُحَمَّدُ عَلَيْهِمْ علی قَوْمِكَ نَبَاَ خبر ابْنَیْ اٰدَمَ هَابِيْلَ وَ قَابِيْلَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِاُتْلُ اِذْ قَرَّبَا
قُرْبَانًا اِلَى اللهِ وَهُوَ كَبْشٌ لِهَابِيْلَ وَزَرْعٌ لِقَابِيْلَ فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَهُوَ هَابِيْلُ بِاَنْ نَزَلَتْ نَارٌ مِنَ
السَّمَاءِ فَاَكَلَتْ قُرْبَانَهُ وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ وَهُوَ قَابِيْلُ فَغَضِبَ وَاَضْمَرَ الْحَسَدَ فِي نَفْسِهِ اِلٰى اَنْ
حَجَّ اٰدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ قَالَ لِمَ قَالَ لِتُقُبِّلَ قُرْبَانُكَ دُوْنِيْ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللهُ مِنَ
الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٧﴾ لَئِنْ لَامُ قَسَمٍ بَسَطْتَّ مَدَدْتَّ اِلَیَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ
اِنِّيْٓ اَخَافُ اللهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٨﴾ فِي قَتْلِكَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ تَرْجِعَ بِاِثْمِيْ بِاِثْمِ قَتْلِيْ وَاِثْمِكَ الَّذِيْ
اِرْتَكَبْتَهُ مِنْ قَبْلُ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ وَلَا اُرِيْدُ اَنْ اَبُوْءَ بِاِثْمِكَ اِذَا قَتَلْتُكَ فَاَكُوْنَ مِنْهُمْ قَالَ تَعَالٰی

وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ زَیَّنَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِیْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ فصار مِنَ
الْخٰسِرِیْنَ ﴿۳۰﴾ بِقَتْلِهٖ وَلَمْ یَدْرِ مَا یَصْنَعُ بِهٖ لِاَنَّهٗ اَوَّلُ مَیِّتٍ عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ فَحَمَلَهٗ عَلٰی ظَهْرِهٖ
فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ یَنْبُشُ التُّرَابَ بِمِنْقَارِهٖ وَرِجْلَیْهِ وَیُثِیْرُ عَلٰی غُرَابٍ اٰخَرَ مَیِّتٍ مَعَهٗ
حَتّٰی وَارَاهُ لِیُرِیَهٗ كَیْفَ یُوَارِیْ یَسْتُرُ سَوْءَةَ جِیْفَةَ اَخِیْهِ ؕ قَالَ یٰوَیْلَتٰۤی اَعَجَزْتُ عَنْ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ
هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ ۚۛ عَلٰی حَمْلِهٖ وَحَفَرَلَهٗ وَوَارَاهُ مِنْ اَجْلِ
ذٰلِكَ ۛۚ الَّذِیْ فَعَلَهٗ قَابِیْلُ كَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ اَیِ الشَّانُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ قَتَلَهَا
اَوْ بِغَیْرِ فَسَادٍ اَتَاهُ فِی الْاَرْضِ مِنْ كُفْرٍ اَوْزِنًا اَوْقَطْعِ طَرِیْقٍ وَنَحْوِهٖ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ
اَحْیَاهَا بِاَنِ امْتَنَعَ مِنْ قَتْلِهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مِنْ حَیْثُ اِنْتِهَاكِ حُرْمَتِهَا وَ
صَوْنِهَا وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ اَیْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ الْمُعْجِزَاتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ
فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾ مُجَاوِزُوْنَ الْحَدَّ بِالْكُفْرِ وَالْقَتْلِ وَغَیْرِ ذٰلِكَ وَنَزَلَ فِی الْعُرَنِیِّیْنَ لَمَّا قَدِمُوا
الْمَدِیْنَةَ وَهُمْ مَرْضٰی فَاَذِنَ لَهُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یَخْرُجُوْا اِلَی الْاِبِلِ وَیَشْرَبُوْا مِنْ اَبْوَالِهَا
وَاَلْبَانِهَا فَلَمَّا صَحُّوْا قَتَلُوا الرَّاعِیَ وَاسْتَاقُوا الْاِبِلَ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ بِمُحَارَبَةِ
الْمُسْلِمِیْنَ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا بِقَطْعِ الطَّرِیْقِ اَنْ یُّقَتَّلُوْۤا اَوْ یُصَلَّبُوْۤا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ
اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَیْ اَیْدِیْهِمُ الْیُمْنٰی وَاَرْجُلِهِمُ الْیُسْرٰی اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ اَوْ لِتَرْتِیْبِ
الْاَحْوَالِ فَالْقَتْلُ لِمَنْ قَتَلَ فَقَطْ وَالصَّلْبُ لِمَنْ قَتَلَ وَاَخَذَ الْمَالَ وَالْقَطْعُ لِمَنْ اَخَذَ الْمَالَ وَلَمْ یَقْتُلْ
وَالنَّفْیُ لِمَنْ اَخَافَ فَقَطْ قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَ عَلَیْهِ الشَّافِعِیُّ وَاَصَحُّ قَوْلَیْهِ اَنَّ الصَّلْبَ ثَلَاثًا بَعْدَ الْقَتْلِ وَقِیْلَ
قَبْلَهٗ قَلِیْلًا وَیُلْحَقُ بِالنَّفْیِ مَا اَشْبَهَهٗ فِی التَّنْكِیْلِ مِنَ الْحَبْسِ وَغَیْرِهٖ ذٰلِكَ الْجَزَاءُ الْمَذْكُوْرُ لَهُمْ خِزْیٌ
ذُلٌّ فِی الدُّنْیَا وَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۳۳﴾ ۙ هُوَ عَذَابُ النَّارِ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنَ الْمُحَارِبِیْنَ
وَالْقُطَّاعِ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لَهُمْ مَا اَتَوْهُ رَّحِیْمٌ ﴿۳۴﴾ ؏ بِهِمْ عَبَّرَ بِذٰلِكَ

دُوْنَ فَلَا تَحُدُّوْهُمْ لِيُفِيْدَ اَنَّهٗ لَا يَسْقُطُ عَنْهُ بِتَوْبَتِهٖ اِلَّا حُدُوْدُ اللّٰهِ دُوْنَ حُقُوْقِ الْاٰدَمِيِّيْنَ كَذَا ظَهَرَلِيْ وَلَمْ اَرَمَنْ تَعَرَّضَ لَهٗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ فَاِذَا قَتَلَ وَاَخَذَ الْمَالَ يُقْتَلُ وَيُقْطَعُ وَلَا يُصْلَبُ وَهُوَ اَصَحُّ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ وَلَا تُفِيْدُ تَوْبَتُهٗ بَعْدَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهِ شَيْئًا وَهُوَ اَصَحُّ قَوْلَيْهِ اَيْضًا

ترجمہ: وَاتْلُ (اے محمد ﷺ) آپ ان کو (اپنی قوم وامت کو خواہ کفار ومشرکین ہوں یا یہود ونصاریٰ) آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں (یعنی ہابیل اور قابیل) کا قصہ (حال) صحیح طور پر پڑھ کر سنا دیجیے (بِالْحَقِّ اُتْلُ فعل کے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ یہ صفت ہے مصدر محذوف کی ای اتل تلاو متلسبه بالحق) اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا جب ان دونوں نے قربانی پیش کی (اللہ تعالیٰ کے لیے اور یہ قربانی ہابیل کا مینڈھا یعنی دنبہ تھا اور قابیل کا غلہ یعنی اناج تھا پس ان دونوں میں سے ایک کی مقبول ہوگئی (اور وہ جس کی قربانی مقبول ہوئی وہ ہابیل تھا (بایں طور کہ آسمان سے آگ آئی اور ہابیل کی قربانی کو کھا گئی) اور دوسرے کی (یعنی قابیل کی) مقبول نہیں ہوئی (چنانچہ قابیل غضبناک ہوگیا اور حسد کو اپنے دل میں چھپائے رکھا یہاں تک کہ حضرت آدم علیہ السلام حج کو تشریف لے گئے) قابیل نے کہا (ہابیل سے) میں تجھے ضرور قتل کرونگا (ہابیل نے کہا کیوں؟ قابیل نے کہا اس لیے کہ تیری قربانی مقبول ہوگئی اور میری نہیں) ہابیل نے کہا اللہ تعالیٰ متقیوں ہی کی قربانی قبول کرتے ہیں (اور تو نے عقوق والدین کر کے تقویٰ کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا اس لیے تیری قربانی قبول نہیں ہوئی اس میں میرا کیا قصور ہے) لام موطوٴہ للقسم ہے) واللہ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے دست درازی کریگا (ہاتھ بڑھائیگا) تب بھی میں تیرے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھانے والا نہیں ہوں کیونکہ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں (تیرے قتل کے سلسلہ میں) اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ میں چاہتا ہوں کہ تو پھرے (یعنی اللہ کی طرف لوٹے) میرے گناہ (یعنی میرے قتل کے گناہ) کو لے کر اپنے گناہ کے ساتھ (جو اس سے پہلے تو نے کیا ہے) پھر تو درزخیوں میں سے ہوجائے (اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ تجھ کو قتل کر کے تیرا گناہ اپنے سر لوں اور جہنمی بنوں، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) اور ظالموں کی یہی سزا ہے پھر اس کے جی نے اسکو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا (اس کے جی میں مزین دکھایا (یعنی قابیل کے نفس نے اچھا کام بتایا) چنانچہ اس کو قتل کر ڈالا پس نقصان اٹھانے والوں سے ہوگیا (اس کے قتل کی وجہ سے، مطلب یہ ہے کہ بیس سالہ بھائی ہابیل کو قتل کرنے کیوجہ سے دنیا میں بھی مارا مارا پریشان پھرتا رہا اور آخرت کی سزا الگ ہوگی۔ وَلَمْ يَدْرِ مَا يَصْنَعُ اور قابیل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس نعش کو کیا کرے کیونکہ روئے زمین پر یہ پہلا انسان مردہ تھا چنانچہ اس کو اپنی پیٹھ پر لادے پھرا) پس اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کریدنے لگا (یعنی اپنی چونچ اور پنجوں سے مٹی کھودتا تھا اور اپنے ساتھ کے دوسرے مردہ کوے پر مٹی ڈالتا رہا یہاں تک کہ اس کو چھپادیا) تاکہ اس (قابیل) کو بتادے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش (مردہ جسم) کو کس طرح چھپائے قابیل نے کہا ہائے افسوس کیا میں اس کوے کے برابر ہونے سے بھی گیا گزرا ہوں کہ اپنے بھائی کی لاش چھپادیتا پھر بڑا شرمندہ ہوا (اس لاش کو اٹھائے پھرنے پر

اور اس کے لیے ایک گڑھا کھودا اور اسکو چھپا دیا۔ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ اسی وجہ (یعنی اس واقعہ قتل کی وجہ سے جو قابیل نے کیا) ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم لکھ دیا (یعنی مقرر کر دیا، مطلب یہ ہے کہ حکم ذیل کی ابتداء سبب مذکور کی وجہ سے ہوئی، اَنَّهٗ ضمیر شان ہے) مَنْ قَتَلَ نَفْسًا جس نے قتل کیا کسی جان کو بغیر عوض کسی جان کے (یعنی بغیر قصاص کے مار ڈالا) یا بدوں کسی فساد کے جو زمین میں اس سے پھیلا ہو (یعنی کفر کرنا، نکاح کے بعد زنا کرنا یا رہزنی کرنا وغیرہ ان مفاسد کے بغیر اگر کسی کو ناحق قتل کر دیا تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کیا (کیونکہ اس نے قتل کا دروازہ کھول دیا) اور جس نے کسی شخص کو بچا لیا (یعنی اس کے قتل سے باز رہا) تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو بچا لیا) (ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ یہ حکم حرمت نفس کی بربادی اور حفاظت کے اعتبار سے ہے۔ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ اور بلاشبہ ہمارے بہت سے پیغمبران کے پاس (یعنی بنی اسرائیل کے پاس) دلائل واضح (یعنی معجزات) لے کر پہونچے پھر بھی اس (تاکید واہتمام کے بعد ان سے اکثر دنیا میں زیادتی کرنے والے ہی رہے (یعنی کفر وقتل وغیرہ کر کے حد سے تجاوز کر رہے ہیں) اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ بلاشبہ ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اسکے رسول سے جنگ کرتے ہیں (مسلمانوں سے جنگ کر کے) اور ملک میں فساد کو پھیلانے کے لیے دوڑتے پھرتے ہیں (رہزنی کرتے ہیں، ڈکیتی کرتے ہیں ایسے لوگوں کی سزا) کہ قتل کئے جائیں یا سولی دیے جائیں یا ان کے ہاتھ اور مخالف جانب کے پاؤں کاٹے جائیں (یعنی ان کا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹے جائیں) یا زمین سے نکال دیے جائیں (یعنی شہر میں آزادانہ پھرنے سے نکال کر جیل میں بھیج دیے جائیں) اَوْ لِتَرْتِيْبِ الْاَحْوَالِ ،، یعنی آیت میں اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا میں جو لفظ اَوْ ،، آیا ہے وہ ترتیب احوال کے لیے ہے یعنی تنویع اور تقسیم کے لیے ہے کہ ڈاکو کے مختلف حالات کے لحاظ سے سزا کی تقسیم وترتیب بیان کی گئی ہے فَالْقَتْلُ لِمَنْ قَتَلَ فَقَطْ چنانچہ جس ڈاکو نے صرف قتل کیا ہے اس کو مال لوٹنے کی نوبت نہیں آئی تو اسکے لیے صرف قتل ہے وَالصَّلْبُ لِمَنْ قَتَلَ وَاَخَذَ الْمَالَ اور سولی بھی دی جائے گی جس نے قتل کیا ہے اور مال بھی لوٹا ہے مطلب یہ ہے کہ ایسے رہزن کو قتل کر کے عبرت کے لیے سولی پر لٹکا دیا جائے گا اور جس رہزن نے مال لوٹا ہے مگر قتل نہیں کیا ہے تو صرف داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ کر چھوڑ دیا جائے اور شہر بدر کرنا اس کے لیے ہے جس نے صرف ڈرایا ہے مطلب یہ ہے کہ مسافر کو نہ قتل کیا نہ مال لوٹا بلکہ صرف ڈرایا دھمکایا ہے تو ایسے رہزن کو شہر بدر کر دیا جائے گا حضرت ابن عباسؓ سے یہی منقول ہے اور امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے اور امام شافعیؒ کے دو قول میں سے اصح قول یہ ہے کہ قتل کے بعد تین روز تک سولی پر لٹکا دیا جائے اور بعض کی رائے ہے کہ قتل سے پہلے کچھ دیر کے لیے سولی پر لٹکا دیا جائے۔ اور شہر بدر میں حبس اور قید وبند کو شامل کر لیا جائے گا جو سزا میں شہر بدر کے مشابہ ہیں۔ یہ (سزائے مذکور) ان کے لیے دنیا میں رسوائی (ذلت) ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے (یعنی جہنم کا عذاب ہے) مگر جو لوگ (ان محاربہ کرنے والے والوں اور رہزنوں میں سے) توبہ کر لیں قبل اس کے کہ تم ان کو گرفتار کرو تو جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ (اپنے حقوق) معاف کرنے والے ہیں (جس گناہ کا انہوں نے ارتکاب کیا ہے) مہربان ہیں (ان پر) عَبَّرَ بِذٰلِكَ، یعنی گرفتاری سے قبل توبہ

کرنے والوں کے حق میں لَا تَحُدُّوْهُمْ یعنی ان پر حد جاری نہ کرو،، کے بجائے اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تعبیر کرنا اس فائدہ کے لیے ہے کہ ان کے توبہ کر لینے سے صرف حدود اللہ ساقط ہوں گے لیکن حقوق انسانی ساقط نہیں ہوں گے مطلب یہ ہے کہ اگر گرفتاری سے پہلے توبہ کر لیں تو حد جو حق اللہ کے طور پر ہے اور بندہ کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتی توبہ ثابت ہونے پر معاف ہو جائے گا اور حد ان سے ساقط ہو جائے گی البتہ حق العبد باقی رہے گا پس اگر مال لیا ہے تو اس کا ضمان دینا پڑے گا اور اگر کسی کی جان لی ہے تو قصاص لازم آئے گا مگر اس ضمان اور قصاص کے معاف کرنے کا حق صاحب مال اور ولی مقتول کو حاصل ہوگا پھر مفسر علامؒ فرماتے ہیں كَذَا ظَهَرَ لِيْ یعنی یہ نکتہ مجھے ظاہر ہوا اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی مفسر نے اس سے تعرض کیا ہو واللہ اعلم۔ پس اگر ڈاکو نے قتل کیا ہے اور مال بھی کیا ہے تو قتل بھی کیا جائے گا اور ہاتھ بھی کاٹا جائے گا یہ امام شافعیؒ کا اصح قول ہے اور ڈاکوؤں کو گرفتاری کے بعد توبہ سے فائدہ نہ ہوگا یہ بھی امام شافعیؒ کا اصح قول ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: بِالْحَقِّ: یعنی وہ تلاوت جو حق سے ملتبس ہو۔ پہلی کتابوں کے موافق ہو۔

قوله: مُتَعَلِّقٌ بِاُتْلُ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ نَبَأَ سے متعلق نہیں، بلکہ اُتْلُ سے ہے۔

قوله: قَالَ لِمَ: اس کو مقدر مانا تاکہ جواب وسوال میں مطابقت ہو جائے۔

قوله: بِاِثْمِ قَتْلِيْ: اس میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف کی گئی ہے۔

قوله: وَلَا اُرِيْدُ اَنْ اَبُوْءَ: اس میں اشارہ ہے کہ اس نے بھائی کی نافرمانی کا ارادہ بھی نہیں کیا بلکہ یہ چاہا کہ اگر اس کا پایا جانا ضروری ہے تو اس میں مبتلا ہو نہ کہ میں۔

قوله: عَنْ اَنْ اَكُوْنَ: مطلب یہ ہے کہ ان مصدریہ ہے اور اَعَجَزْتُ لازم ہونے کی وجہ سے بذاتِ خود مفعول کی طرف متعدی نہیں ہو سکتا۔

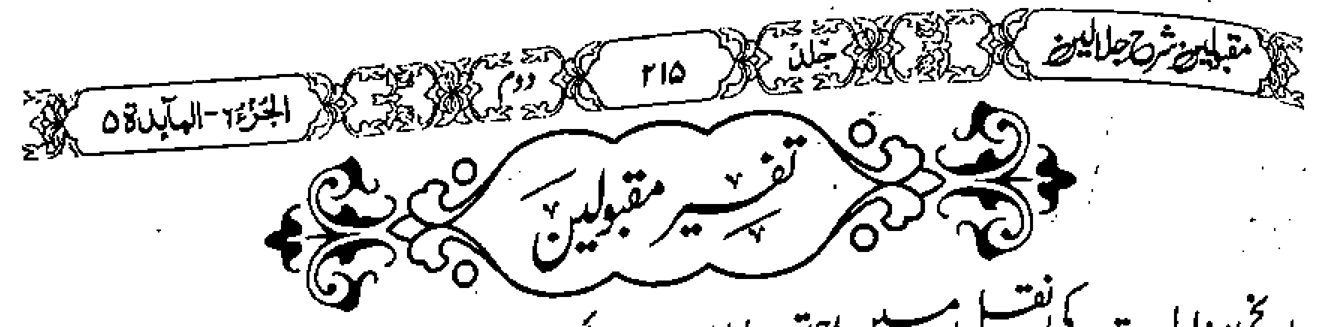
قوله: عَلٰي حَمْلِهٖ: کمر پر اٹھانے کی مشقت پر شرمندہ ہوا، اس کے قتل کے باعث اللہ تعالیٰ کے ہونے والے عذاب کے متعلق شرمسار نہیں ہوا کہ اسے توبہ سمجھا جائے۔

قوله: قَتَلَهَا: اس کا مضاف محذوف مانا۔

قوله: اَوْ بِغَيْرِ فَسَادٍ: اس کا عطف نفس پر ہے لفظ بِغَيْرِ پر نہیں۔

قوله: اَتَاهُ: اس سے اشارہ کیا فساد سے اس کا اپنا فساد مراد ہے۔ فساد کی تنوین اضافت کے بدلے میں ہے، مطلق نہیں۔

قوله: اِمْتَنَعَ مِنْ قَتْلِهَا: خواہ معافی دے کر ہو یا بعض اسباب ہلاک سے بچایا۔



تاریخی روایات کی نقل میں احتیاط اور سچائی واجب ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ۔ یعنی ان لوگوں کو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح صحیح واقعہ کے مطابق سنا دیجئے۔ اس میں بالحق کے لفظ سے تاریخی روایات کی نقل میں ایک اہم اصول کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ تاریخی روایات کی نقل میں بڑی احتیاط لازم ہے، جس میں نہ کوئی جھوٹ ہو نہ کوئی تلبیس اور دھوکہ اور نہ اصل واقعہ میں کسی قسم کی تبدیلی یا کمی زیادتی۔ (ابن کثیر)

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ:

مفسر ابن کثیر ج ۲ ص ٤١ نے بحوالہ سدی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما و ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہم سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جو اولاد ہوتی تھی اس میں ہر بار ایک لڑکا اور ایک لڑکی جوڑا پیدا ہوتے تھے (اس زمانے میں نسل بڑھانے کی ضرورت تھی اور اولاد کا آپس میں نکاح کرنے کے لیے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا کہ ایک ہی شخص کی صلبی اولاد کا آپس میں نکاح کر دیا جائے تاہم اتنا فرق ضرور کرتے تھے کہ ایک ہی بطن سے ایک ساتھ جو جڑواں لڑکا لڑکی پیدا ہوتے ان کا آپس میں نکاح نہیں کرتے تھے بلکہ) ایک بطن کے لڑکے کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوتی تھی اس کا نکاح دوسرے بطن سے پیدا ہونے والے لڑکے سے کیا جاتا تھا، حتی کہ دو لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام قابیل تھا جو کھیتی کرنے والا تھا اور دوسرے کا نام ہابیل تھا جس کے پاس دودھ دینے والے مویشی تھے، قابیل بڑا تھا اور اس کے ساتھ جو بہن پیدا ہوئی تھی وہ ہابیل کیساتھ پیدا ہونے والی بہن سے زیادہ خوبصورت تھی ہابیل نے چاہا کہ قابیل کی بہن سے نکاح ہو جائے اور ضابطہ کے مطابق اس کا نکاح ہابیل سے ہی ہونا چاہئے تھا۔ قابیل اس بات پر نہ مانا اور اس نے کہا کہ یہ میری بہن ہے میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے جو تیرے ساتھ پیدا ہونے والی بہن سے زیادہ خوبصورت ہے اور میں اس کا زیادہ مستحق ہوں کہ میرا نکاح اس سے ہو (قانون شرعی کے خلاف نفس کی خواہش پر عمل کرنے کا ارادہ کیا)۔

حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل سے کہا کہ یہ لڑکی جو تیرے ساتھ پیدا ہوئی ہے اس کا نکاح ہابیل سے کر دیں لیکن قابیل نہیں مانا پھر جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے دونوں نے الگ الگ اللہ کی بارگاہ میں نیاز پیش کی کہ جس کی نیاز قبول ہو جائے وہی اس لڑکی سے نکاح کرنے کا حق دار ہوگا۔ دونوں نے جب نیاز پیش کی تو ہابیل کی نیاز قبول ہوگئی۔ آسمان سے آگ آئی اور اس کو جلا دیا قابیل کی نیاز رکھی رہ گئی۔ جب اس کی نیاز قبول نہ ہوئی اور آسمانی فیصلہ بھی اس کے خلاف ہو گیا تو کٹ حجتی کرنے والوں کی طرح ہابیل سے کہا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا اس میں ہابیل کا کچھ قصور نہ تھا اس کی نیاز قبول ہونے کا فیصلہ اللہ کیطرف سے تھا لیکن قابیل غصہ ہونے لگا جیسا کہ ہٹ دھرموں کا طریقہ ہے۔ ضدی آدمی جب دلیل سے عاجز ہو جاتا ہے تو فریق مخالف سے کہتا کہ ہے میں تجھے ماروں گا یا قتل کر دوں گا۔ ہابیل نے متانت کے ساتھ جواب میں کہا کہ: (اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ) (اللہ تعالیٰ متقی

بندوں سے ہی قبول فرماتا ہے) بات کہنے کا کیسا اچھا اسلوب اختیار کیا نہ تو اپنی تعریف کی کہ میں مخلص ہوں اور نہ قابیل سے یوں کہا کہ تو مخلص نہیں ہے اور ایک قانونی بات بتادی اور اچھے پیرایہ میں یہ سمجھادی اکہ اگر تو متقی ہوتا تو تیری نیاز قبول ہوجاتی۔

ہابیل نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے تیرے طرف ہاتھ نہ بڑھاؤں گا میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو رب العالمین ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ہابیل قابیل سے قوت اور طاقت میں زیادہ تھا لیکن اس نے مقتول ہوجانا گوارہ کرلیا۔ اور اپنے بھائی پر ہاتھ اٹھانا گوارہ نہ کیا۔ دفاع کے لیے جوابی طور ہتھیار اٹھانا مشروع تو ہے لیکن ہابیل نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ مظلوم ہوکر مقتول ہوجانا قاتل ہونے سے بہتر ہے صبر کرلیا (یہاں بعض چیزوں میں ہماری شریعت کے اعتبار سے بعض اشکلات بھی سامنے آسکتے ہیں لیکن چونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام انبیاء کی شرائع احکام کے اعتبار سے متفق ہوں اس لیے یہ اشکال رفع ہوجاتے ہیں)۔

ہابیل نے مزید سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا: (اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ) یہ قابیل کو خطاب ہے اور مطلب یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے گناہ بھی لے اور میرے گناہ بھی لے ان سب کو اپنے اوپر اٹھا لے اور دوزخ والوں میں ہوجائے، (وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ) اور یہ ظالموں کی جزا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تیرے جو گناہ ہیں ان کا بوجھ تو تیرے اوپر ہے ہی اور ان میں میرے قتل کا گناہ بھی اپنے سر دھرنے کو تیار ہے۔ یہ سب گناہ مل کر تیرے دوزخ میں جانے کا سبب بن جائیں گے۔ ممکن ہے کہ ہابیل کی نصیحت سے اور کچھ اپنی سمجھ میں قابیل کو تردد ہوا ہو کہ قتل کرے یا نہ کرے لیکن بالآخر اس کے نفس نے اس پر آمادہ کر ہی دیا کہ اپنے بھائی کو قتل کردے، چنانچہ اس نے قتل کر ہی ڈالا، قتل کر کے زبردستی نقصان میں پڑ گیا، دنیا میں بھی نقصان ہوا کہ ایک بھائی سے محروم ہوا اور والدین بھی ناراض ہوئے اور خالق کائنات جل مجدہ کو بھی ناراض کردیا اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ رہا۔

قتل کا طریقہ ابلیس نے بتایا:

قابیل نے قتل کا ارادہ تو کرلیا لیکن قتل کیسے کرے یہ بھی ایک سوال تھا کیونکہ اس سے قبل دنیا میں کوئی مقتول نہ ہوا تھا۔ قتل کرنا چاہا تو گردن مروڑنے لگا لیکن اس سے کچھ حاصل نہ ہوا اس موقع پر ابلیس ملعون پہنچ گیا اور اس نے ایک جانور لیا اور اس کا سر ایک پتھر پر رکھ دوسرے پتھر سے مار دیا۔ قابیل دیکھتا رہا اور پھر اس نے اپنے بھائی کے ساتھ بھی ایسا کیا اور قتل کردیا اس بارے میں مفسرین نے دوسری صورتیں بھی نقل کی ہیں لیکن کیفیت قتل کی تعیین پر کوئی حکم شرعی موقوف نہیں ہے اس لیے کسی صورت کے متعین کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ اس نے قتل کردیا جس کی تصریح لفظ فقتلهٗ میں موجود ہے۔

قابیل کو پریشانی کہ مقتول بھائی کی لاش کا کیا کرے؟

قتل تو کردیا لیکن اس سے پہلے کوئی میت دیکھی نہ تھی کوئی مرجائے تو کیا کیا جائے اس کے بارے میں کچھ علم نہ تھا اب قابیل حیران تھا کہ بھائی کی اس لاش کو کیا کرے اسی حیرانی اور پریشانی میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دو کوے بھیجے دونوں آپس میں لڑے اور ایک نے دوسرے کو مار دیا پھر اسی مارنے والے کوے نے زمین کو کریدا اور مردہ کوے کی لاش کو دفن کردیا (فَبَعَثَ

اللهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ) (سو اللہ نے بھیج دیا ایک کوا جو کرید رہا تھا زمین کو تا کہ وہ اسے دکھائے کہ کیسے چھپائے اپنے بھائی کی لاش کو) جب قابیل نے یہ منظر دیکھ لیا تو زمین کھود کر اپنے بھائی کی لاش کو دفن کر دیا اور یہ بھی کہا: (يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ) (ہائے افسوس! میری حالت پر! کیا میں اس سے بھی عاجز ہو گیا کہ اس کوے کی طرح ہو جاؤں پھر اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دوں۔) خسران یعنی نقصان عظیم کا تو مستحق ہوا ہی تھا! اپنی ناسمجھی پر نادم بھی ہوا کہ میں کوے جیسا بھی نہ ہو سکا جو اپنے بھائی کی لاش کو اپنی سمجھ سے کہیں ٹھکانہ لگا دیتا۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ....

قرآنی قوانین کا عجیب وغریب انقلابی اسلوب:

پہلی آیتوں میں ہابیل کا واقعہ قتل اور اس کا جرم عظیم ہونا مذکور تھا، مذکورہ آیات میں اور ان کے بعد قتل و غارت گری، ڈاکہ زنی اور چوری کی شرعی سزاؤں کا بیان ہے، ڈاکہ اور چوری کی سزاؤں کے درمیان خوف خدا اور بذریعہ طاعات اس کا قرب حاصل کرنے کی تلقین ہے، قرآن کریم کا یہ اسلوب نہایت لطیف طریقہ پر ذہنی انقلاب پیدا کرنے والا ہے، کہ وہ دنیا کی تعزیرات کی کتابوں کی طرح صرف جرم وسزا کے بیان پر کفایت نہیں کرتا، بلکہ ہر جرم وسزا کے ساتھ خوف خدا و آخرت مستحضر کر کے انسان کا رخ ایک ایسے عالم کی طرف موڑ دیتا ہے، جس کا تصور اس کو ہر عیب و گناہ سے پاک کر دیتا ہے، اور اگر حالات و واقعات پر غور کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ خوف خدا و آخرت کے بغیر دنیا کا کوئی قانون، پولیس اور فوج دنیا میں انسداد جرائم کی ضمانت نہیں دے سکتی، قرآن کریم کا یہی اسلوب حکیمانہ اور مربیانہ طرز ہے، جس نے دنیا میں انقلاب برپا کیا، اور ایسے انسانوں کا ایک معاشرہ پیدا کیا جو اپنے تقدس میں فرشتوں سے بھی اونچا مقام رکھتے ہیں۔

شرعی سزاؤں کی تین قسمیں:

ڈاکہ اور چوری کی شرعی سزائیں جن کا ذکر آیات مذکورہ میں ہے، ان کی تفصیل اور متعلقہ آیات کی تفسیر بیان کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ ان سزاؤں سے متعلق شرعی اصطلاحات کی کچھ وضاحت کر دی جائے، جن سے ناواقفیت کی وجہ سے بہت سے لکھے پڑھے لوگوں کو بھی اشکالات پیش آتے ہیں، دنیا کے عام قوانین میں جرائم کی تمام سزاؤں کو مطلقاً تعزیرات پاکستان کا نام دیا جاتا ہے، خواہ وہ کسی جرم سے متعلق ہو، تعزیرات ہند، تعزیرات پاکستان وغیرہ کے ناموں سے جو کتابیں شائع ہو رہی ہیں، وہ ہر قسم کے جرائم اور ہر طرح کی سزاؤں پر مشتمل ہیں، لیکن شریعت اسلام میں معاملہ ایسا نہیں، بلکہ جرائم کی سزاؤں کی تین قسمیں قرار دی گئیں۔

حدود، قصاص، تعزیرات، ان تینوں قسموں کی تعریف اور مفہوم سمجھنے سے پہلے ایک یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ جن جرائم سے کسی دوسرے انسان کو تکلیف یا نقصان پہنچتا ہے اس میں مخلوق پر بھی ظلم ہوتا ہے، اور خالق کی بھی نافرمانی ہوتی ہے، اس لیے ہر ایسے جرم میں حق اللہ اور حق العبد دونوں شامل ہوتے ہیں، اور انسان دونوں کا مجرم بنتا ہے۔

لیکن بعض جرائم میں حق العبد کی حیثیت کو زیادہ اہمیت حاصل ہے، اور بعض میں حق اللہ کی حیثیت زیادہ نمایاں ہے، اور احکام میں مدار کار اسی غالب حیثیت پر رکھا گیا ہے۔

دوسری بات یہ جاننا ضروری ہے کہ شریعت اسلام نے خاص خاص جرائم کے علاوہ باقی جرائم کی سزاؤں کے لیے کوئی پیمانہ متعین نہیں کیا، بلکہ قاضی کے اختیار میں دیا ہے کہ ہر زمانہ اور ہر مکان اور ہر ماحول کے لحاظ سے جیسی اور جتنی سزا انسداد جرم کے لیے ضروری سمجھے وہ جاری کرے، یہ بھی جائز ہے کہ ہر جگہ اور ہر زمانے کی اسلامی حکومت شرعی قواعد کا لحاظ رکھتے ہوئے قاضیوں کے اختیارات پر کوئی پابندی لگادے اور جرائم کی سزاؤں کا کوئی خاص پیمانہ دے کر اس کا پابند کردے، جیسا کہ قرون متاخرہ میں ایسا ہوتا رہا ہے، اور اس وقت تمام ممالک میں تقریباً یہی صورت رائج ہے۔

اب سمجھئے کہ جن جرائم کی کوئی سزا قرآن وسنت نے متعین نہیں کی بلکہ حکام کی صواب دید پر رکھا ہے، ان سزاؤں کو شرعی اصطلاح میں "تعزیرات" کہا جاتا ہے، اور جن جرائم کی سزائیں قرآن وسنت نے متعین کردی ہیں وہ دو قسم پر ہیں، ایک وہ جن میں حق اللہ کا غالب قرار دیا گیا ہے ان کی سزا کو "حد" کہا جاتا ہے جس کی جمع "حدود" ہے، دوسرے وہ جن میں حق العبد کو از روئے شرع غالب مانا گیا ہے، اس کی سزا کو "قصاص" کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے حدود وقصاص کا بیان پوری تفصیل وتشریح کے ساتھ خود کردیا ہے باقی تعزیری جرائم کی تفصیلات کو بیان رسول ﷺ اور حکام وقت کی صواب دید پر چھوڑ دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے جن جرائم کی سزا کو بطور حق اللہ متعین کرکے جاری کیا ہے ان کو حدود کہتے ہیں، اور جن کو بطور حق العبد جاری فرمایا ہے ان کو قصاص کہتے ہیں، اور جن جرائم کی سزا کا تعین نہیں فرمایا اس کو تعزیر کہتے ہیں، سزا کی ان تینوں قسموں کے احکام بہت سی چیزوں میں مختلف ہیں، جو لوگ اپنے عرف عام کی بناء پر ہر جرم کی سزا کو تعزیر کہتے ہیں اور شرعی اصطلاحات کے فرق پر نظر نہیں کرتے ان کو شرعی احکام میں بکثرت مغالطے پیش آئے ہیں۔

تعزیری سزائیں حالات کے ماتحت ہلکی سے ہلکی بھی کی جاسکتی ہیں، سخت سے سخت بھی اور معاف بھی کی جاسکتی ہیں، ان میں حکام کے اختیارات وسیع ہیں، اور حدود میں کسی حکومت یا کسی حاکم وامیر کو ادنیٰ تغیر وتبدل یا کمی بیشی کی اجازت نہیں ہے، اور نہ زمان ومکان کے بدلنے کا ان پر کوئی اثر پڑتا ہے، نہ کسی امیر وحاکم کو اس کے معاف کرنے کا حق ہے، شریعت اسلام میں حدود صرف پانچ ہیں، ڈاکہ، چوری، زنا، تہمت زنا کی سزائیں، یہ سزائیں قرآن کریم میں منصوص ہیں، پانچویں شراب خوری کی حد ہے، جو اجماع صحابہ کرام سے ثابت ہوئی ہے، اس طرح کل پانچ جرائم کی سزائیں معین ہوگئیں، جن کو "حدود" کہا جاتا ہے، یہ سزائیں جس طرح کوئی حاکم وامیر کم یا معاف نہیں کرسکتا، اسی طرح توبہ کرلینے سے بھی دنیوی سزا کے حق میں معافی نہیں ہوتی، ہاں آخرت کا گناہ مخلصانہ توبہ سے معاف ہوکر وہاں کا کھاتہ بیباق ہوجاتا ہے، ان میں سے صرف ڈاکو کی سزا میں ایک استثناء ہے کہ ڈاکو اگر گرفتاری سے قبل توبہ کرے اور معاملات سے اس کی توبہ پر اطمینان ہوجائے تو بھی یہ حد ساقط ہوجائے گی، گرفتاری کے بعد کی توبہ معتبر نہیں، اس کے علاوہ دوسری حدود توبہ سے بھی دنیا کے حق میں معاف نہیں ہوتیں، خواہ یہ توبہ گرفتاری سے قبل ہو یا بعد میں، تمام تعزیری جرائم میں حق کے موافق سفارشات سنی جاسکتی ہیں، حدود اللہ میں سفارش کرنا بھی جائز نہیں، اور ان کا سننا بھی جائز نہیں، رسول کریم ﷺ نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے، حدود کی سزائیں عام طور پر سخت ہیں، اور ان کے نفاذ کا

قانون بھی سخت ہے، کہ ان میں کسی کو کسی کمی بیشی کی کسی حال میں اجازت نہیں، نہ کوئی ان کو معاف کر سکتا ہے، جہاں سزا اور قانون کی سختی رکھی گئی ہے وہیں معاملہ کو معتدل کرنے کے لیے تکمیل جرم اور تکمیل ثبوت جرم کے لیے شرطیں بھی نہایت کڑی رکھی گئی ہیں، ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو حد ساقط ہو جاتی ہے، بلکہ ادنیٰ سا شبہ بھی ثبوت میں پایا جائے تو حد ساقط ہو جاتی ہے، اسلام کا مسلم قانون اس میں یہ ہے کہ الحدود تندرء بالشبہات یعنی حدود کو ادنیٰ شبہ سے ساقط کر دیا جاتا ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جن صورتوں میں حد شرعی کسی شبہ یا کسی شرط کی کمی کی وجہ سے ساقط ہو جائے تو یہ ضروری نہیں کہ مجرم کو کھلی چھٹی مل جائے جس سے اس کو جرم پر اور جرأت پیدا ہو، بلکہ حاکم اس کے مناسب حال اس کو تعزیری سزا دے گا اور شریعت کی تعزیری سزائیں بھی عموماً بدنی اور جسمانی سزائیں ہیں، جن میں عبرت انگیز ہونے کی وجہ سے انسداد جرائم کا مکمل انتظام ہے، فرض کیجیے کہ زنا کے ثبوت پر صرف تین گواہ ملے، اور گواہ عادل ثقہ ہیں جن پر جھوٹ کا شبہ نہیں ہو سکتا، مگر از روئے قانون شرع چوتھا گواہ نہ ہونے کی وجہ سے اس پر حد شرعی جاری نہیں ہوگی، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کو کھلی چھٹی دے دی جائے، بلکہ حاکم وقت اس کو مناسب تعزیری سزا دے گا جو کوڑے لگانے کی صورت میں ہوگی، یا چوری کے ثبوت کے لیے جو شرائط مقرر ہیں اس میں کوئی کمی یا شبہ پیدا ہونے کی وجہ سے اس پر حد شرعی ہاتھ کاٹنے کی جاری نہیں ہو سکتی، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بالکل آزاد ہو گیا، بلکہ اس کو دوسری تعزیری سزائیں حسب حال دی جائیں گی۔

قصاص کی سزا بھی حدود کی طرح قرآن میں متعین ہے، کہ جان کے بدلہ میں جان لی جائے زخموں کے بدلہ میں مساوی زخم کی سزا دی جائے، لیکن فرق یہ ہے کہ حدود کو بحیثیت حق اللہ نافذ کیا گیا ہے، اگر صاحب حق انسان معاف بھی کرنا چاہے تو معاف نہ ہوگا، اور حد ساقط نہ ہوگی، مثلاً جس کا مال چوری کیا ہے وہ معاف بھی کر دے تو چوری کی شرعی سزا معاف نہ ہوگی، بخلاف قصاص کے کہ اس میں حق العبد کی حیثیت کو قرآن و سنت نے غالب قرار دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ قاتل پر جرم قتل ثابت ہو جانے کے بعد اس کو ولی مقتول کے حوالہ کر دیا جاتا ہے وہ چاہے تو قصاص لے لے، اور اس کو قتل کرا دے، اور چاہے معاف کر دے۔

اسی طرح زخموں کے قصاص کا بھی یہی حال ہے، یہ بات آپ پہلے معلوم کر چکے ہیں کہ حدود یا قصاص کے ساقط ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مجرم کو کھلی چھٹی مل جائے بلکہ حاکم وقت تعزیری سزا جتنی اور جیسی مناسب سمجھے دے سکتا ہے، اس لیے یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ اگر خون کے مجرم کو اولیاء مقتول کے معاف کرنے پر چھوڑ دیا جائے تو قاتلوں کی جرأت بڑھ جائے گی اور قتل کی واردات عام ہو جائیں گی، کیونکہ اس شخص کی جان لینا تو ولی مقتول کا حق تھا وہ اس نے معاف کر دیا، لیکن دوسرے لوگوں کی جانوں کی حفاظت حکومت کا حق ہے، وہ اس حق کے تحفظ کے لیے اس کو عمر قید کی یا دوسری قسم کی سزائیں دے کر اس خطرہ کا انسداد کر سکتی ہے۔

یہاں تک شرعی سزاؤں حدود، قصاص اور تعزیرات کی اصطلاحات شرعیہ اور ان کے متعلق ضروری معلومات کا بیان ہوا، اب ان کے متعلق آیات کی تفسیر اور حدود کی تفصیل دیکھئے، پہلی آیت میں ان لوگوں کی سزا کا بیان ہے جو اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ مقابلہ اور محاربہ کرتے ہیں، اور زمین میں فساد مچاتے ہیں۔

یہاں پہلی بات قابل غور یہ ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کے ساتھ محاربہ اور زمین میں فساد کا کیا مطلب ہے، اور کون لوگ اس

کے مصداق ہیں، لفظ "محاربہ" حرب سے ماخوذ ہے، اور اس کے اصلی معنی سلب کرنے اور چھین لینے کے ہیں، اور محاورات میں یہ لفظ سلم کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے، جس کے معنی امن وسلامتی کے ہیں، تو معلوم ہوا کہ حرب کا مفہوم بدامنی پھیلانا ہے، اور ظاہر ہے کہ اِکا دُکا چوری یا قتل وغارت گری سے امن عامہ سلب نہیں ہوتا، بلکہ یہ صورت جبھی ہوتی ہے جبکہ کوئی طاقتور جماعت رہزنی اور قتل وغارت گری پر کھڑی ہو جائے، اس لیے حضرات فقہاء نے اس سزا کا مستحق صرف اس جماعت یا فرد کو قرار دیا ہے جو مسلح ہو کر عوام پر ڈاکے ڈالے، اور حکومت کے قانون کو قوت کے ساتھ توڑنا چاہے جس کو دوسرے لفظوں میں ڈاکو یا باغی کہا جاسکتا ہے، عام انفرادی جرائم کرنے والے چور گرہ کٹ وغیرہ اس میں داخل نہیں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

دوسری بات یہاں یہ قابل غور ہے کہ اس آیت میں محاربہ کو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ ڈاکو یا بغاوت کرنے والے جو مقابلہ یا محاربہ کرتے ہیں وہ انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے، وجہ یہ ہے کہ کوئی طاقتور جماعت جب طاقت کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قانون کو توڑنا چاہے تو اگرچہ ظاہر میں اس کا مقابلہ عوام اور انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے لیکن درحقیقت اس کی جنگ حکومت کے ساتھ ہے اور اسلامی حکومت میں جب قانون اللہ اور رسول ﷺ کا نافذ ہو تو یہ محاربہ بھی اللہ ورسول ﷺ ہی کے مقابلہ میں کہا جائیگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں جس سزا کا ذکر ہے یہ ان ڈاکوؤں اور باغیوں پر عائد ہوتی ہے جو اجتماعی قوت کے ساتھ حملہ کر کے امن عامہ کو برباد کریں، اور قانون حکومت کو اعلانیہ توڑنے کی کوشش کریں اور ظاہر ہے کہ اس کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، مال لوٹنے، آبرو پر حملہ کرنے سے لے کر قتل وخونریزی تک سب اس کے مفہوم میں شامل ہیں، اسی سے مقاتلہ اور محاربہ میں فرق معلوم ہو گیا کہ لفظ مقاتلہ خون ریز لڑائی کے لیے بولا جاتا ہے مگر کوئی قتل ہو یا نہ ہو، اور گو ضمناً مال بھی لوٹا جائے، اور لفظ محاربہ طاقت کے ساتھ بدامنی پھیلانے اور سلامتی کو سلب کرنے کے معنی میں ہے۔ اسی لیے یہ لفظ اجتماعی طاقت کے ساتھ عوام کی جان ومال وآبرو میں سے کسی چیز پر دست درازی کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جس کو رہزنی، ڈاکہ اور بغاوت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس جرم کی سزا قرآن کریم نے خود متعین فرما دی اور بطور حق اللہ یعنی سرکاری جرم کے نافذ کیا، جس کو اصطلاح شرع میں حد کہا جاتا ہے، اب سنئے کہ ڈاکہ اور رہزنی کی شرعی سزا کیا ہے آیت مذکورہ میں، رہزنی کی چار سزائیں مذکور ہیں:

اَنۡ يُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ يُصَلَّبُوۡۤا اَوۡ تُقَطَّعَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَاَرۡجُلُهُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ يُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ۔ "یعنی اس کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھایا جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مختلف جانبوں سے کاٹ دیئے جائیں یا ان کو زمین سے نکال دیا جائے"۔ اس میں سے پہلی سزاؤں میں مبالغہ کا لفظ باب تفعیل سے استعمال فرمایا جو تکرار فعل اور شدت پر دلالت کرتا ہے، اس میں صیغہ جمع استعمال فرما کر اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ ان کا قتل یا سولی چڑھانا یا ہاتھ پاؤں کاٹنا عام سزاؤں کی طرح نہیں کہ جس فرد پر جرم ثابت ہو صرف اسی فرد پر سزا جاری کی جائے بلکہ یہ جرم جماعت میں سے ایک فرد سے بھی صادر ہو گیا تو پوری جماعت کو قتل یا سولی یا ہاتھ پاؤں کاٹنے کی سزا دی جائے گی۔

نیز اس طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کہ یہ قتل وصلب وغیرہ قصاص کے طور پر نہیں کہ اولیاء مقتول کے معاف کر دینے سے

معاف ہو جائے، بلکہ یہ حد شرعی بحیثیت حق اللہ کے نافذ کی گئی ہے جن لوگوں کو نقصان پہنچا ہے وہ معاف بھی کر دیں تو شرعاً سزا معاف نہ ہوگی، یہ دونوں حکم بصیغہ تفعیل ذکر کرنے سے مستفاد ہوئے۔ (تفسیر مظہری وغیرہ)

رہزنی کی یہ چار سزائیں حرف اَو کے ساتھ ذکر کی گئی ہیں، جو چند چیزوں میں اختیار دینے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اور تقسیم کار کے لیے بھی، اسی لیے فقہاء امت صحابہ و تابعین کی ایک جماعت حرف اَو کو تخییر کے لیے قرار دے کر اس طرف گئی ہے کہ ان چار سزاؤں میں امام و امیر کو شرعاً اختیار دیا گیا ہے کہ ڈاکوؤں کی قوت و شوکت اور جرائم کی شدت و خفت پر نظر کر کے ان کے حسب حال یہ چاروں سزائیں یا ان میں سے کوئی ایک جاری کرے۔

سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ، عطاء رضی اللہ عنہ، داؤد رحمۃ اللہ علیہ، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، ضحاک رحمۃ اللہ علیہ، نخعی رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، اور ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم میں سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ، احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم نے حرف اَو کو اس جگہ تقسیم کار کے معنے میں لے کر آیت کا مفہوم یہ قرار دیا کہ رہزنوں اور رہزنی کے مختلف حالات پر مختلف سزائیں مقرر ہیں، اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بردہ اسلمی سے معاہدہ صلح کا فرمایا تھا، مگر اس نے عہد شکنی کی، اور کچھ لوگ مسلمان ہونے کے لیے مدینہ طیبہ آ رہے تھے، ان پر ڈاکہ ڈالا، اس واقعہ میں جبرئیل امین یہ حکم سزا لے کر نازل ہوئے، کہ جس شخص نے کسی کو قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا اس کو سولی چڑھایا جائے، اور جس نے صرف قتل کیا مال نہیں لوٹا اس کو قتل کیا جائے، اور جس نے کوئی قتل نہیں کیا صرف مال لوٹا ہے اس کے ہاتھ پاؤں مختلف جانبوں سے کاٹ دیئے جائیں، اور جو ان میں سے مسلمان ہو جائے اس کا جرم معاف کر دیا جائے، اور جس نے قتل و غارت گری کچھ نہیں کیا صرف لوگوں کو ڈرایا جس سے امن عامہ مخل ہو گیا، اس کو جلاوطن کیا جائے، اگر ان لوگوں نے دار الاسلام کے کسی مسلم یا غیر مسلم شہری کو قتل کیا ہے مگر مال نہیں لوٹا تو ان کی سزا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا یعنی ان سب کو قتل کر دیا جائے اگرچہ فعل قتل بلاواسطہ صرف بعض افراد سے صادر ہوا ہو، اور اگر کسی کو قتل بھی کیا مال بھی لوٹا تو ان کی سزا يُصَلَّبُوْٓا ہے، یعنی ان کو سولی چڑھایا جائے، جس کی صورت یہ ہے کہ ان کو زندہ سولی پر لٹکایا جائے، پھر نیزہ وغیرہ سے پیٹ چاک کیا جائے، اور اگر ان لوگوں نے صرف مال لوٹا ہے کسی کو قتل نہیں کیا تو اس کی سزا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ ہے، یعنی ان کے داہنے ہاتھ گٹوں پر سے اور بائیں پاؤں ٹخنوں پر سے کاٹ دیئے جائیں، اور اس میں بھی یہ مال لوٹنے کا عمل بلاواسطہ اگرچہ بعض سے صادر ہوا ہو، مگر سزا سب کے لیے یہی ہوگی، کیونکہ کرنے والوں نے جو کچھ کیا ہے اپنے ساتھیوں کے تعاون و امداد کے بھروسہ پر کیا ہے، اس لیے سب شریک جرم ہیں اور اگر ابھی تک قتل و غارت گری کا کوئی جرم ان سے صادر نہیں ہوا تھا کہ پہلے ہی گرفتار کر لیے گئے تو ان کی سزا اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ہے، یعنی ان کو زمین سے نکال دیا جائے۔

زمین سے نکالنے کا مفہوم ایک جماعت فقہاء کے نزدیک یہ ہے کہ ان کو دار الاسلام سے نکال دیا جائے، اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ جس مقام پر ڈاکہ ڈالا ہے وہاں سے نکال دیا جائے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس قسم کے معاملات میں یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر مجرم کو یہاں سے نکال کر دوسرے شہروں میں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہاں کے لوگوں کو ستائے گا اس لیے ایسے

مجرم کو قید خانہ میں بند کردیا جائے، یہی اس کا زمین سے نکالنا ہے کہ زمین میں کہیں چل پھر نہیں سکتا، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بھی یہی اختیار فرمایا ہے۔

رہا یہ سوال کہ اس طرح کے مسلح حملوں میں آج کل عام طور پر صرف مال کی لوٹ کھسوٹ یا قتل وخون ریزی ہی پر اکتفاء نہیں ہوتا بلکہ اکثر عورتوں کی عصمت دری اور اغوا وغیرہ کے واقعات بھی پیش آتے ہیں اور قرآن مجید کا جملہ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا، اس قسم کے تمام جرائم کو شامل بھی ہے تو وہ کس سزا کا مستحق ہوں گے، اس میں ظاہر یہی ہے کہ امام وامیر کو اختیار ہوگا کہ ان چاروں سزاؤں میں سے جو ان کے مناسب حال دیکھے وہ جاری کرے اور بدکاری کا شرعی ثبوت بہم پہنچے تو حد زنا جاری کرے۔

اسی طرح اگر صورت یہ ہو کہ نہ کسی کو قتل کیا نہ مال لوٹا، مگر کچھ لوگوں کو زخمی کردیا تو زخموں کے قصاص کا قانون نافذ کیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

آخر آیت میں فرمایا: ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ، یعنی یہ سزائے شرعی جو دنیا میں ان پر جاری کی گئی ہے، یہ تو دنیا کی رسوائی ہے اور سزا کا ایک نمونہ ہے، اور آخرت کی سزا اس سے بھی سخت اور دیرپا ہے اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی سزاؤں، حدود وقصاص یا تعزیرات سے بغیر توبہ کے آخرت کی سزا معاف نہیں ہوتی، ہاں سزا یافتہ شخص دل سے توبہ کرلے تو آخرت کی سزا معاف ہوجائے گی۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ خَافُوا عِقَابَهُ بِأَنْ تُطِيعُوهُ وَابْتَغُوا اُطْلُبُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ مَا يُقَرِّبُكُمْ إِلَيْهِ مِنْ طَاعَتِهِ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لِإِعْلَاءِ دِينِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣٥﴾ تَفُوزُونَ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ ثَبَتَ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٣٦﴾ يُرِيدُونَ يَتَمَنَّوْنَ أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴿٣٧﴾ دَائِمٌ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ أَلْ فِيهِمَا مَوْصُولَةٌ مُبْتَدَأٌ وَلِشِبْهِهِ بِالشَّرْطِ دَخَلَتِ الْفَاءُ فِي خَبَرِهِ وَهُوَ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا أَيْ يَمِينَ كُلٍّ مِنْهُمَا مِنَ الْكُوعِ وَبَيَّنَتِ السُّنَّةُ أَنَّ الَّذِي يُقْطَعُ فِيهِ رُبْعُ دِينَارٍ فَصَاعِدًا وَأَنَّهُ إِنْ عَادَ قُطِعَتْ رِجْلُهُ الْيُسْرٰى مِنْ مَفْصِلِ الْقَدَمِ ثُمَّ الْيَدُ الْيُسْرٰى ثُمَّ الرِّجْلُ الْيُمْنٰى وَبَعْدَ ذٰلِكَ يُعَزَّرُ جَزَاءً نُصِبَ عَلَى الْمَصْدَرِ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا عُقُوبَةً لَهُمَا مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ غَالِبٌ عَلٰى أَمْرِهِ حَكِيمٌ ﴿٣٨﴾ فِي خَلْقِهِ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ رَجَعَ عَنِ السَّرِقَةِ وَأَصْلَحَ عَمَلَهُ فَإِنَّ اللّٰهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣٩﴾ فِي التَّعْبِيرِ بِهٰذَا مَا تَقَدَّمَ فَلَا يَسْقُطُ بِتَوْبَتِهِ حَقُّ الْآدَمِيِّ مِنَ الْقَطْعِ وَرَدِّ

الْمَالِ نَعَمْ بَيَّنَتِ السُّنَّةُ اَنَّهُ اِنْ عُفِيَ عَنْهُ قَبْلَ الرَّفْعِ اِلَى الْاِمَامِ سَقَطَ الْقَطْعُ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ **اَلَمْ تَعْلَمْ**
الْاِسْتِفْهَامُ فِيْهِ لِلتَّقْرِيْرِ **اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ** تَعْذِيْبَهٗ **وَ يَغْفِرُ لِمَنْ**
يَّشَآءُ ؕ الْمَغْفِرَةَ لَهٗ **وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** ﴿۴۰﴾ وَمِنْهُ التَّعْذِيْبُ وَالْمَغْفِرَةُ **يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ**
صُنْعُ **الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ** يَقَعُوْنَ فِيْهِ بِسُرْعَةٍ اَيْ يُظْهِرُوْنَهٗ اِذَا وَجَدُوْا فُرْصَةً **مِنَ** لِلْبَيَانِ **الَّذِيْنَ**
قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ بِاَلْسِنَتِهِمْ مُتَعَلِّقٌ بِقَالُوْا **وَ لَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ** وَهُمُ الْمُنَافِقُوْنَ **وَ مِنَ الَّذِيْنَ**
هَادُوْا ۛۚ قَوْمٌ **سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ** الَّذِي افْتَرَتْهُمْ اَحْبَارُهُمْ سِمَاعَ قَبُوْلٍ **سَمّٰعُوْنَ** مِنْكَ **لِقَوْمٍ** لِاَجْلِ قَوْمٍ مِعْ
اٰخَرِيْنَ ۙ مِنَ الْيَهُوْدِ **لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ** وَهُمْ اَهْلُ خَيْبَرَ زَنٰى اَحْبَارُهُمْ فِيْهِمْ مُحْصِنَانِ فَكَرِهُوْا رَجْمَهُمَا
فَبَعَثُوْا قُرَيْظَةَ لِيَسْاَلُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ حُكْمِهِمَا **يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ** الَّذِيْ فِي التَّوْرٰىةِ كَاٰيَةِ
الرَّجْمِ **مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ** الَّتِيْ وَضَعَهُ اللّٰهُ عَلَيْهَا اَيْ يُبَدِّلُوْنَهٗ **يَقُوْلُوْنَ** لِمَنْ اَرْسَلُوْهُمْ **اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا**
الْحُكْمَ الْمُحَرَّفَ اَيِ الْجَلْدَ اَيْ اَفْتَاكُمْ بِهٖ مُحَمَّدٌ **فَخُذُوْهُ** فَاقْبَلُوْهُ **وَ اِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ** بَلْ اَفْتَاكُمْ بِخِلَافِهٖ
فَاحْذَرُوْا ؕ اَنْ تَقْبَلُوْهُ **وَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ** اِضْلَالَهٗ **فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ** فِيْ دَفْعِهَا **اُولٰٓئِكَ**
الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ مِنَ الْكُفْرِ وَلَوْ اَرَادَهٗ لَكَانَ **لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚۖ** ذُلٌّ
بِالْفَضِيْحَةِ وَالْجِزْيَةِ **وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ** ﴿۴۱﴾ هُمْ **سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ**
بِضَمِّ الْحَاءِ وَسُكُوْنِهَا اَيِ الْحَرَامِ كَالرِّشٰى **فَاِنْ جَآءُوْكَ** لِتَحْكُمَ بَيْنَهُمْ **فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ**
عَنْهُمْ ۚ هٰذَا التَّخْيِيْرُ مَنْسُوْخٌ بِقَوْلِهٖ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمُ الْاٰيَةَ فَيَجِبُ الْحُكْمُ بَيْنَهُمْ اِذَا تَرَافَعُوْا اِلَيْنَا وَهُوَ
اَصَحُّ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ وَلَوْ تَرَافَعُوْا اِلَيْنَا مَعَ مُسْلِمٍ وَجَبَ اِجْمَاعًا **وَ اِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ**
شَيْـًٔا ؕ وَ اِنْ حَكَمْتَ بَيْنَهُمْ **فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ** بِالْعَدْلِ **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ** ﴿۴۲﴾ الْعَادِلِيْنَ فِي
الْحُكْمِ اَيْ يُثِيْبُهُمْ **وَ كَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ** بِالرَّجْمِ اِسْتِفْهَامُ تَعَجُّبٍ اَيْ
لَمْ يَقْصُدُوْا بِذٰلِكَ مَعْرِفَةَ الْحَقِّ بَلْ مَا هُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِمْ **ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ** يُعْرِضُوْنَ عَنْ حُكْمِكَ بِالرَّجْمِ

ع الْمُوَافِقِ لِكِتَابِهِمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ التَّحْكِيمِ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو (یعنی اللہ کے عذاب سے ڈرو بایں طور کہ اس کی اطاعت کرو) اور ڈھونڈو (طلب کرو) اللہ تک پہنچنے کا وسیلہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی ایسی فرمانبرداری جو تم کو اس کے قریب کردے) اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو (اللہ کا دین بلند کرنے کی خاطر) امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے (کامیاب ہو جاؤ گے) بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا اگر (ثابت ہو جائے یعنی فرض کرلیا جائے کہ) ان کے پاس روئے زمین کی تمام چیزیں ہوں (یعنی دنیا کا سارا مال ومتاع اور تمام خزینے ودفینے موجود ہوں) اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہوتا کہ وہ یہ سب روز قیامت کے عذاب کے عوض فدیہ میں دیدیں تو وہاں سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا یُرِیْدُوْنَ وہ چاہیں گے (تمنا کریں گے) کہ دوزخ سے نکل آویں مگر اس سے نکل نہ سکیں گے اور ان کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے (یعنی دائمی عذاب ہوگا) وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے (الف لام دونوں میں موصولہ مبتدا ہے اور مشابہ بالشرط ہونے کی وجہ سے خبر یعنی فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا پر فاء لائی گئی ہے جو درحقیقت جزا ہے ای ان سرق احد فَاقْطَعُوْٓا یعنی اگر کسی نے چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹ دو) فَاقْطَعُوْٓا تو تم کاٹ دو ان دونوں کے ہاتھ (یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک کے ہاتھ گٹے پر سے کاٹ ڈالو، اور حدیث سے ثابت ہے کہ چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ قیمت کے مال میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور عندالاحناف دس درہم یا دس درہم کی مالیت پر قطع ید ہوگا اور یہ بھی حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر اس نے دوبارہ چوری کی تو اس کا بایاں پاؤں قدم کے جوڑ یعنی ٹخنے پر سے کاٹا جائے پھر اگر تیسری بار چوری کی تو اس کا بایاں ہاتھ اور چوتھی بار داہنا پاؤں کاٹا جائے گا اور اس کے بعد بھی چوری کی تو تعزیری سزا دی جائے گی جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا بطور سزا ہے ان کے کردار کے عوض اللہ کے طرف سے عبرت کے لیے (ان دونوں کو سزا ہے۔ جزاء منصوب ہے مصدر کی بنا پر تو اس وقت اور اللہ قوت والے ہیں (اپنے حکم پر غالب ہیں) حکمت والے ہیں (اپنی مخلوق کے بارے میں، فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ پھر جس نے اپنے ظلم کے بعد توبہ کرلی (چوری سے باز آ گیا) اور (اپنا عمل) درست کرلیا تو بیشک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا ہے اور مہربان ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ سے تعبیر کرنے کا وہی مطلب ہے جو ماسبق میں بیان ہوا۔ لہٰذا (سارق) کے توبہ کرلینے سے نہ تو حق العباد میں سے قطع ید ساقط ہوگا اور نہ (مسروقہ) مال کی واپسی کا حق، البتہ سنت سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اگر مسروق منہ نے قاضی کی عدالت میں مقدمہ پیش ہونے سے پہلے معاف کردیا، تو قطع ید ساقط ہو جائے گا (اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے) اَلَمْ تَعْلَمْ (اے مخاطب) کیا تم نہیں جانتے (استفہام تقریری ہے یعنی سب جانتے ہیں) کہ اللہ ہی کی ہے حکومت آسمانوں کی اور زمین کی وہ جس کو چاہیں (عذاب دینا) عذاب دیں اور جس کو چاہیں (معاف کردینا) معاف کردیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (منجملہ اسکے عذاب ومغفرت بھی ہے)۔ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو غم میں نہ ڈالیں (یعنی ان لوگوں کی حرکت وکارروائی رنجیدہ نہ بنائے) جو کفر میں تیزی

کے ساتھ جارہے ہیں (کفر میں دوڑ دوڑ کر گرتے ہیں یعنی جب بھی ان کو کوئی موقع ملتا ہے کفر کا اظہار کرتے ہیں) خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں (من بیانیہ ہے) جو اپنے منہ سے (یعنی زبان سے) تو کہتے ہیں کہ ہم لے آئے ہیں (بِاَفْوَاهِهِمْ جس کی تفسیر مفسر علام نے بِاَلْسِنَتِهِمْ سے کی ہے اس قَالُوْآ کا تعلق قالوا سے ہے یعنی آمنا سے نہیں ہے) حالانکہ ان کے دل مؤمن نہیں ہیں (مراد منافقین ہیں) وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا (مفسر علام نے قوم کی تقدیر نکال کر یہ اشارہ ہے کہ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا خبر ہے اور اس کا مبتدا قوم مقدر ہے اور مابعد اسکی صفت اس صورت میں یہ الگ اور مستقل جملہ ہوگا) اور یہود میں سے ایک قوم ہے جو جھوٹی باتیں خوب سنتے ہیں (جو ان کے علماء نے گھڑی ہیں وہ ان جھوٹی باتوں کو قبول کرتے ہیں آپ سے (یعنی آپ کی بات) سنتے ہیں دوسری قوم کی خاطر (لام اجلیہ ہے یعنی یہود میں سے دوسری قوم یہود خیبر کے لیے یہ مدینہ کے بنی قریظہ سنتے ہیں جاسوسی کرتے ہیں) جو آپ کے پاس نہیں آئے (مراد اہل خیبر ہیں جن میں سے دو شادی شدہ مرد وعورت نے زنا کا ارتکاب کیا لیکن یہود ان دونوں کے رجم سے کترائے اور یہود بنی قریظہ کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ نبی اکرم ﷺ سے ان دونوں زانیوں کا حکم معلوم کرلیں) يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ پھیرتے رہتے ہیں کلام کو (جو تورات میں ہے جیسے رجم کی آیت) بعد اس کے کہ وہ کلام اپنے صحیح موقع پر ہوتا ہے (جہاں پر اللہ تعالیٰ نے اسکو مقرر کیا ہے یعنی کلام کو بدل دیتے ہیں) کہتے ہیں (ان لوگوں سے جن کو بھیجا) کہ اگر تم کو یہ حکم دیا جائے (جو محرف حکم ہے یعنی کوڑے مارنا، مطلب یہ کہ اگر محمد ﷺ اسی کوڑے مارنے کا فتویٰ دیں) تو اس کو لے لینا (قبول کرلینا) اور اگر تم کو یہ حکم نہ دیا جائے (یعنی اگر حضور ﷺ اس محرف شدہ کے خلاف فتویٰ دیں) تو احتراز کرنا (اس کے قبول کرنے سے، وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اور جس شخص کو فتنہ میں ڈالنا (گمراہ کرنا) اللہ تعالیٰ چاہیں تو آپ کو اس کی ہدایت کا اللہ کی طرف سے کوئی اختیار نہیں (اس کی دفع کرنے میں، یہ لوگ وہ ہیں کہ خدا ہی نے ارادہ نہیں کیا کہ ان کے دلوں کو (کفر سے) پاک کرے۔ (ورنہ اگر اللہ کا ارادہ ہوتا تو ضرور ہوتا) ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے (یعنی فضیحت اور جزیہ ادا کرنے کی ذلت ہے) اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے (یہ لوگ) جھوٹ کو خوب سننے والے بڑے حرام خور ہیں (سحت ایک قراءت بضم الحاء ہے اور جمہور کی قراءت سکون حاء کے ساتھ بمعنی حرام ہے جیسے رشوت کا مال) پس اگر یہ لوگ آپ کے پاس آئیں (فیصلہ کرانے کے لیے) تو آپ (مختار ہیں) ان کے مقدمہ کا فیصلہ کردیں یا ان کو ٹال دیجئے (یہ اختیار منسوخ ہے بقولہ تعالیٰ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ الْاٰيَةُ سے اس لیے اب ان کا مقدمہ فیصلہ کردینا واجب ہے جب کہ وہ اپنا مقدمہ ہمارے پاس یعنی مسلمان حاکم کے پاس لائیں امام شافعیؒ کا اصح لقولین یہی ہے اور اگر کسی مسلمان کے ساتھ معاملہ لے کر ہمارے پاس آئیں تو بالاجماع فیصلہ کرنا واجب ہے) وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ اور اگر آپ انہیں ٹال دیں (یعنی فیصلہ نہ کریں) تب بھی یہ لوگ ہرگز آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے (کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ ونگہبان ہے) اور اگر آپ فیصلہ کریں (ان کے درمیان) تو آپ عدل (انصاف) کے ساتھ ان کے درمیان فیصلہ کردیجئے (یعنی اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کردیجئے) بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں (جو لوگ فیصلہ کرنے میں انصاف پسند ہیں ان کو ثواب دیں گے) وَكَيْفَ

يُحَكِّمُوْنَكَ اور یہ لوگ کیسے آپ کو حکم (پنچ بنا رہے ہیں حالانکہ ان کے پاس توریت موجود ہے جس میں اللہ کا حکم (رجم کے متعلق) درج ہے (وَ كَيْفَ استفہام تعجب کے لیے ہے یعنی اس تحکیم سے ان کا مقصد حق کی معرفت وتلاش نہیں ہے بلکہ ان کو اس کی تلاش ہے جو ان کے لیے سہل اور تر آسان ہو) پھر روگردانی کرتے ہیں (آپ کے اس حکم سے اعراض کرتے ہیں جو ان کی کتاب توریت کے موافق رجم کے متعلق ہے) اس تحکیم کے بعد یہ لوگ ایماندار ہی نہیں ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله :ثَبَتَ:اس کو مقدر مانا کیونکہ لوحرف شرط اور یہ صرف فعل پر آتا ہے۔ لَهُمْ کا متعلق بھی ہو جائے۔

قوله :اَلْفَاءُ فِي خَبَرِهِ: آیت ایک جملہ ہے نہ کہ دو۔

قوله :بَيَّنَتِ السُّنَّةُ: کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے پانچ سے ہاتھ کو کاٹنے کا حکم فرمایا۔

قوله :نَصْبٌ عَلَي الْمَصْدَرِ:اس بناء پر نہیں کہ وہ مفعول لہ ہے۔

قوله :فِي التَّعْبِيْرِ بِهٰذَا:اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا حق تو ساقط فرما دیتے ہیں بندے کا حق ساقط نہیں فرماتے۔

قوله :صُنْعَ:اس کو مقدر مانا کیونکہ ان کی ذات سے حاصل نہیں ہوتا۔

قوله :يُظْهِرُوْنَهُ:اس سے تفسیر کی وجہ یہ ہے کہ منافق کا کفر تو ثابت ہے البتہ اس کا ظہور آثار سے اختیار نہیں۔

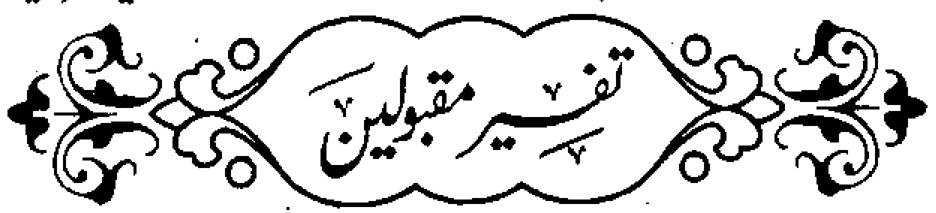
قوله :مُتَعَلِّقٌ بِقَالُوْا:اٰمَنَّا سے متعلق نہیں کیونکہ لفظی ومعنوی بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

قوله :قَوْمٍ:اس کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ سَمّٰعُوْنَ مبتدا اور مِنَ الَّذِيْنَ اس کی خبر ہے۔ وہ عَلَي الَّذِيْنَ پہلے پر عطف نہیں۔

قوله :سِمَاعَ قَبُوْلٍ:اس سے اشارہ کیا کہ سماع کے ضمن میں قبول کا معنی پایا جاتا ہے۔

قوله :لِاَجْلِ قَوْمٍ:لام اجلیہ ہے سماعون کا صلہ نہیں کیونکہ لوگوں کو سماع نہیں پہنچتا بلکہ مسموع۔

قوله :مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ:مواضع ثابت ہو جانے کے بعد جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کیا۔



يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ....

آیات متذکرہ سے پہلی آیات میں ڈاکو اور بغاوت کی شرعی سزا اور اس کے احکام کی تفصیل مذکور تھی، اور آگے تین آیتوں کے بعد چوری کی شرعی سزا کا بیان آنے والا ہے، اس کے درمیان تین آیتوں میں تقویٰ، اطاعت وعبادت، جہاد کی ترغیب اور کفر وعناد اور معصیت کی تباہ کاری کا بیان فرمایا گیا ہے، قرآن کریم کے اس طرز خاص میں غور کرو تو معلوم ہوگا کہ قرآن کریم کا

عام اسلوب یہ ہے کہ وہ محض حاکمانہ طور پر تعزیر و سزا کا قانون بیان کر کے نہیں چھوڑ دیتا، بلکہ مربّیانہ انداز میں ذہنوں کو جرائم سے باز رہنے کے لیے ہموار بھی کرتا ہے، خدا تعالیٰ اور آخرت کے خوف اور جنت کی دائمی نعمتوں اور راحتوں کو مستحضر کر کے ان کے قلوب کو جرم سے متنفر بناتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر قانون جرم و سزا کے پیچھے اِتَّقُوا اللّٰهَ وغیرہ کا اعادہ کیا جاتا ہے، یہاں بھی پہلی آیت میں تین چیزوں کا حکم دیا گیا ہے:

اوّل اِتَّقُوا اللّٰهَ - یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کیونکہ خوف خدا ہی چیز ہے جو انسان کو حقیقی طور پر خفیہ و اعلانیہ جرائم سے روک سکتی ہے۔

دوسرا ارشاد ہے: وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ یعنی اللہ کا قرب تلاش کرو، لفظ وسیلہ وسل مصدر سے مشتق ہے، جس کے معنی ملنے اور جڑنے کے ہیں، یہ لفظ سین اور صاد دونوں سے تقریباً ایک ہی معنی میں آتا ہے، فرق اتنا ہے کہ وصل بالصاد مطلقاً ملنے اور جوڑنے کے معنی میں ہے اور وسل بالسین رغبت و محبت کے ساتھ ملنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔

صحاح جوہری اور مفردات القرآن راغب اصفہانی میں اس کی تصریح ہے، اس لیے صاد کے ساتھ وصلہ اور وصیلہ ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو دو چیزوں کے درمیان میل اور جوڑ پیدا کر دے۔ خواہ وہ میل اور جوڑ رغبت و محبت سے ہو یا کسی دوسری صورت سے، اور سین کے ساتھ لفظ وسیلہ کے معنی اس چیز کے ہیں جو کسی کو کسی دوسرے سے محبت و رغبت کے ساتھ ملا دے۔

(لسان العرب، مفردات، راغب)

اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ ہر وہ چیز ہے جو بندہ کو رغبت و محبت کے ساتھ اپنے معبود کے قریب کر دے، اس لیے سلف صالحین و تابعین نے اس آیت میں وسیلہ کی تفسیر اطاعت و قربت اور ایمان و عمل صالح سے کی ہے، بروایت حاکم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وسیلہ سے مراد قربت و اطاعت ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔

اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کی تفسیر یہ نقل کی ہے: تقربوا الیه بطاعته والعمل بما یرضیه، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب حاصل کرو، اس کی فرمانبرداری اور رضامندی کے کام کر کے، اس لیے آیت کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرو، بذریعہ ایمان اور عمل صالح کے۔

اور مسند احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وسیلہ ایک اعلیٰ درجہ ہے جنت کا جس کے اوپر کوئی درجہ نہیں ہے، تم اللہ تعالیٰ سے دُعاء کرو کہ وہ درجہ مجھے عطا فرما دے۔

لفظ وسیلہ کی لغوی تشریح اور صحابہ و تابعین کی تفسیر سے جب یہ معلوم ہو گیا کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کا ذریعہ بنے وہ انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کے قرب ہونے کا وسیلہ ہے، اس میں جس طرح ایمان اور عمل صالح داخل ہیں اسی طرح انبیاء و صالحین کی صحبت و محبت بھی داخل ہے کہ وہ بھی رضائے الٰہی کے اسباب میں سے ہے، اور اسی لیے ان کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنا درست ہوا، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قحط کے زمانہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے بارش کی دُعا مانگی، اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ.....

چوروں کی سزا کا بیان:

چند آیات پہلے ڈاکوؤں کی سزائیں ذکر فرمائیں اب چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کی سزا بیان کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کا ہاتھ کاٹ دو یہ ان کے کرتوت کی سزا ہے جس میں دوسرے کے لیے عبرت بھی ہے۔ احادیث شریفہ میں اس کی تفصیلات وارد ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ چور کا داہنا ہاتھ کلائی سے کاٹ دیا جائے گا اس کے بارے میں علماء امت کے مختلف اقوال ہیں کہ کم از کم کتنی مالیت کے چرانے پر قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز اور امام اوزاعی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ۱۹۰ دینار کی مالیت کا سامان چرالے تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تین درہم یا اتنی مالیت کا مال چرائے تو ہاتھ کاٹا جائیگا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ دس درہم یا ان کی مالیت کی چوری کرنے پر ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اس سے کم میں نہیں (اگر اس سے کم کی چوری کا ثبوت ہو جائے تو دوسری کوئی سزا دے دی جائے ہاتھ نہ کاٹا جائے)۔

شرعی سزا نافذ کرنے میں کوئی رعایت نہیں اور کسی کی سفارش قبول نہیں:

جو بھی شخص چوری کرلے مرد ہو یا عورت اور چوری بقدر نصاب ہو (جس کا اوپر بیان ہوا) تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اس میں کوئی رو رعایت نہ ہوگی، اور نہ کسی کی سفارش قبول کی جائے گی، مکہ معظمہ میں ایک عورت بنی مخزوم میں سے تھی اس نے چوری کرلی تھی۔ بنی مخزوم قریش کا ایک قبیلہ تھا اور یہ لوگ دنیاوی اعتبار سے اونچے سمجھے جاتے تھے قریش چاہتے تھے کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ فرمادیا تو قریش اس کے لیے فکرمند ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی سے سفارش کرائی جائے۔

پھر آپس میں کہنے لگے کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے علاوہ کون جرأت کرسکتا ہے، وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے ہیں ان سے عرض کیا گیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی، آپ نے فرمایا کہ تم حدود اللہ میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟ آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کہ تم سے پہلے لوگ اسی لیے ہلاک ہوئے کہ ان میں سے شریف آدمی چوری کرتا تھا (جسے حسب نسب اور دنیاوی اعتبار سے شریف سمجھا جاتا تھا) تو اس کو چھوڑ دیا جاتا تھا اور اگر کمزور آدمی چوری کرتا تھا تو اس پر حد قائم کردیتے تھے (پھر فرمایا) اللہ کی قسم! محمد کی بیٹی فاطمہ (اعاذہا اللہ تعالیٰ) اگر چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

جب کوئی مرد یا عورت پہلی بار چوری کرے تو اس کا سیدھا ہاتھ گٹے سے کاٹ دیا جائے اس کے بعد دوبارہ چوری کرے تو ٹخنہ سے بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے یہاں تک تمام ائمہ کا اتفاق ہے، اس کے بعد تیسری مرتبہ چوری کرے تو کیا کیا جائے اس کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اب کوئی ہاتھ یا پاؤں نہ کاٹا جائے بلکہ اس کو جیل میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ توبہ کرلے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام اوزاعی رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے، اور حضرت امام

مالک اور امام شافعی نے فرمایا کہ تیسری بار چوری کرے تو بایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے اور چوتھی بار چوری کرے تو دایاں پاؤں کاٹ دی جائے اگر اس کے بعد بھی چوری کرے تو اسے دوسری کوئی سزا دی جائے یہاں تک کہ توبہ کر لے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا مروی ہے۔

چور کا ہاتھ کاٹنے کا قانون حکمت پر مبنی ہے اسکی مخالفت کرنے والے بے دین ہیں:

چور اور چورنی کی سزا بیان کرنے کے بعد فرمایا: (جَزَآءً بِمَا كَسَبَا) کہ یہ سزا ہے اس فعل کی جو انہوں نے کیا اور ساتھ ہی (نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ) بھی فرمایا، نکال اس سزا کو کہتے ہیں جو دوسروں کیلئے عبرت ہو اللہ جل شانہ عالم الغیب ہے اسے معلوم تھا کہ چوری کی سزا جو ہاتھ کاٹنے کی صورت میں دی جارہی ہے اس پر اعتراض کر کے ایمان کھو بیٹھنے والے بھی پیدا ہوں گے۔ ایسے احمقوں کے اعتراض کا جواب (جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ) میں دیدیا اللہ جل شانہ، خالق و مالک ہے احکم الحاکمین ہے اسے اختیار ہے کہ بندوں کو جو چاہے حکم دے اور جو قانون چاہے تشریعی طور پر نافذ فرمائے پھر وہ عزیز بھی ہے وہ سب پر غالب ہے، اور حکیم بھی ہے اس کا ہر فعل ہر فیصلہ اور ہر قانون حکمت کے مطابق ہے وہ اپنی مخلوق کو جانتا ہے انسانوں میں کیسے کیسے جذبات ہیں ان میں مصلحین بھی ہیں اور مفسدین بھی، چور بھی ہیں اور ڈاکو بھی اور ان فسادیوں کا فساد کون سے قانون کے نافذ کرنے سے روکا جاسکتا ہے اور کونسی ایسی عبرت ناک سزا ہے جو مفسدین کو فساد سے باز رکھ سکتی ہے اور عامۃ الناس کے جان و مال کی حفاظت کس قانون کے نافذ کرنے سے ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس سب کا علم ہے سورۂ ملک میں فرمایا: (اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ) (کیا وہ نہ جانے جس نے پیدا کیا اور وہ باریک بین ہے باخبر ہے) جو لوگ اسلام کی بتائی ہوئی مجرمین کی سزاؤں کو وحشیانہ یا ظالمانہ کہتے ہیں ان میں سب سے آگے آگے تو یہود و نصاریٰ ہیں جن میں مستشرقین بھی ہیں یہ تو کھلے کافر ہیں اور ان کا اسلام کی حقانیت پر ایمان ہی نہیں ہے۔ یہ اعتراض کریں تو چنداں تعجب نہیں کیونکہ انہیں نہ حق قبول کرنا ہے نہ حق ماننا ہے اپنے دین کو باطل سمجھتے ہوئے بھی اسی پر جمے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کر کے اور انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کر کے خوش ہیں دوزخ میں جانے کو تیار ہیں۔

حیرت ان لوگوں پر ہے جو اسلام کے بھی دعویدار ہیں اور قرآن کریم کی مقررہ سزاؤں کو وحشیانہ بھی کہتے ہیں، یہ لوگ نام کے مسلمان ہیں مسلمانوں کے درمیان رہنے اور مسلمانوں سے دنیاوی منافع وابستہ ہونے کی وجہ سے یوں نہیں کہتے کہ ہم مسلمان نہیں ہیں مگر حقیقت میں یہ لوگ مسلمان نہیں وہ کیا مسلمان ہے جو اللہ پر، اللہ کی کتاب اور اللہ کے قانون پر اعتراض کرے اور اللہ کے قانون کو وحشیانہ اور ظالمانہ بتائے، یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ عزیز ہے علیم ہے خبیر ہے اسے یہ معلوم ہے کہ امن وامان کیسے قائم رہ سکتا ہے اور شر و فساد کے خوگر کس قانون کے نافذ کرنے سے دب سکتے ہیں، پہلے یورپین حکومتوں کے جاری کردہ قوانین کو لے لیں (جنہیں ایشیا وغیرہ کے ممالک نے بھی قبول کر لیا)۔ ان لوگوں کے یہاں چور ڈاکو کی یہ سزا ہے کہ انہیں جیل میں ڈال دیا جائے جو لوگ جرائم کے عادی ہوتے ہیں ان کے نزدیک جیل میں رہنا معمولی سی بات ہے جیلوں میں جاتے ہیں واپس آتے ہیں پھر چوری ڈکیتی کر لیتے ہیں پھر پکڑے جاتے ہیں پھر جیل میں چلے جاتے ہیں۔ مشہور ہے کہ اپنے ساتھیوں سے یہ کہہ کر جیل سے باہر جاتے ہیں کہ میرا چولہا ایسے ہی رہنے دینا چند دنوں بعد پھر واپس آؤں گا۔

اگر جیل کی سزا دینے سے امن وامان قائم ہوسکتا ہے اور چوری ڈکیتی کی وارداتیں ختم ہوسکتی تھیں تو اب تک ختم ہو جاتیں لیکن وہ تو روز افزوں ہیں چور ڈاکو دندناتے پھرتے ہیں مال داروں پر ان کی نظریں رہتی ہیں کبھی کسی کو قتل کیا کبھی پستول دکھا کر کسی شہری کو لوٹ لیا کبھی کسی بس کو روک کر کھڑے ہوگئے۔ کبھی ریل میں چڑھ گئے اور مسافروں کے پاس جو کچھ مال تھا دہیں دھر والیا کبھی کسی کے گھر میں گھس گئے کبھی سونے کی دکان لوٹ لی، اوّل تو ان کو پکڑا نہیں جاتا اور اگر پکڑ بھی لیا گیا تو بعض مرتبہ رشوت چھڑوا دیتی ہے اور بعض مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ ان کو پکڑنے پر مامور ہیں اس ڈر سے کہ کہیں موقع دیکھ کر ہم پر حملہ نہ کر دیں انہیں چھوڑ بھاگتے ہیں اور اگر پکڑ ہی لیا اور حاکم کے سامنے پیش کر ہی دیا اور اس نے رشوت لیکر نہ چھوڑا بلکہ سزا تجویز کر ہی دی تو وہ جیل کی سزا ہوتی ہے جیل میں سزا کے مقررہ دن گزار کر اور کبھی اس سے پہلے ہی نکل آتے ہیں اور پھر انہیں مشاغل میں لگ جاتے ہیں جن کی وجہ سے جیل میں گئے تھے۔

اب اسلام کے قانون کو دیکھئے ڈاکوؤں کی سزا اوپر بیان کردی گئی ہے۔ جس کی چار صورتیں بیان کی گئیں ہیں یہاں چور اور چورنی کی سزا بیان فرمائی کہ ان کا ہاتھ کاٹ دیا جائے ان سزاؤں کو نافذ کردیں چند کو ڈکیتی کی سزا مل جائے اور چند چوروں کے ہاتھ کٹ جائیں تو دیکھیں کیسے امن وامان قائم ہوتا ہے اور کیسے لوگ آرام کی نیند سوتے ہیں۔

جو لوگ اسلامی قوانین کے مخالف ہیں وہ چوروں کے حامی ہیں:

اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ اسلامی سزا کے نافذ کرنے کے مخالف ہیں ان کو چوروں اور ڈاکوؤں پر تو رحم آتا ہے کہ ہائے ہائے اس کا ہاتھ کٹ جائے گا اور ڈاکوؤں پر ترس آتا ہے کہ یہ مقتول ہوں گے سولی پر چڑھا دیئے جائیں گے اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے لیکن عامۃ الناس پر رحم نہیں آتا جو بدامنی اور شر وفساد کا شکار رہتے ہیں، کیسی بھونڈی سمجھ ہے کہ عام مخلوق کو چوروں اور ڈاکوؤں کے ظلم سے محفوظ و مامون کرنے کے لیے چند افراد کو سخت سزا دینے کے روادار نہیں ہیں اور چوروں اور ڈاکوؤں کو چوری اور لوٹ مار کے مواقع فراہم کرنے کو تیار ہیں۔

(جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا) کے ساتھ جو (نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ) فرمایا ہے اس میں یہ بتا دیا کہ چور کے لیے جو سزا تجویز فرمائی وہ صرف ان ہی کے کرتوت کا بدلہ نہیں ہے بلکہ دوسروں کے لیے بھی اس میں عبرت ہے۔ پھر ساتھ ہی یہ فرما دیا کہ (وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ) کہ (اللہ تعالیٰ غلبہ والا بھی ہے اور حکمت والا بھی) اس کا قانون حکمت کے مطابق ہے اس کے خلاف کوئی بھی قانون بنی نوع انسان کے حق میں بہتر نہیں ہے، جن ممالک میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا قانون نافذ ہے وہاں کے بازاروں میں اب بھی یہ حال ہے کہ دکانوں پر معمولی سا پردہ ڈال کر نمازوں کے لیے چلے جاتے ہیں اور بعض دکانوں کے باہر رات بھر سامان پڑا رہتا ہے پھر بھی چوری نہیں ہوتی۔ چور کی سزا بیان کرنے کے بعد فرمایا: (فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ) (سو جو شخص اپنے ظلم کے بعد توبہ کرلے اور اصلاح کرلے تو بلاشبہ اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے بیشک اللہ غفور ہے رحیم ہے)۔

یہ اللہ تعالیٰ شانہ کا عام قانون ہے کوئی شخص کتنا ہی بڑا ظلم کرلے اور اس کے بعد نادم ہوکر سچے دل سے توبہ کرلے اور یہ توبہ اصول شریعت پر پوری اترتی ہو تو اللہ تعالیٰ جل شانہ معاف فرما دیں گے، یہاں چونکہ چور کی سزا کے بعد توبہ کا ذکر فرمایا ہے اس

لیے مفسرین کرام نے آیت کا معنی یہ لکھا ہے کہ کوئی چور اپنے ظلم یعنی چوری کے بعد توبہ کرلے اور پھر اصلاح حال کرلے یعنی جو مال اس نے چرایا ہے وہ واپس کردے یا مالک سے معاف کرالے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا اس کی اس توبہ کا یہ فائدہ ہوگا کہ چوری کرکے جو اللہ کی نافرمانی کی ہے آخرت میں اس پر عذاب نہ ہوگا۔ رہا ہاتھ کاٹنے کا مسئلہ تو یہ معاف نہ ہوگا یعنی قاضی کے سامنے اگر چور توبہ کرلے تو قاضی ہاتھ کاٹنے کی سزا کو رفع دفع نہیں کرسکتا توبہ کا تعلق آخرت کی معافی سے ہے جو بندہ اور اللہ کے درمیان ہے اور ہاتھ کاٹنے کا قانون جو فیما بین العباد ہے اس پر عمل کیا جائے گا۔ فقہاء نے فرمایا ہے کہ ڈاکو گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کرلیں تو ڈکیتی کی سزا ان پر جاری نہ ہوگی اور البتہ لوگوں کی جو حق تلفی کی ہے اس کا بھگتان کرنا ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص چوری کرنے کے بعد گرفتاری سے پہلے یا اس کے بعد توبہ کرلے تو چوری کی شرعی دنیاوی سزا معاف نہ ہوگی یعنی حاکم توبہ کے بعد بھی ہاتھ کاٹ دیگا،

يَآيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ .....

یہودیوں کی شرارت اور جسارت اور تحریف کا تذکرہ:

جیسا کہ ہم نے (يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ) (آخر تک) کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے یہودی زمانہ قدیم سے آکر آباد ہوگئے تھے جب خاتم النبیین ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں نے باوجودیکہ آپ کو جان لیا اور آپ کی جو صفات توراۃ شریف میں پڑھی تھیں ان کے مطابق آپ کو پالیا تب بھی باستثناء معدودے چند افراد کے یہ لوگ مسلمان نہ ہوئے اور طرح طرح سے مخالفت کرنے لگے اور تکلیفیں دینے لگے انہیں لوگوں میں سے منافق لوگ بھی تھے جنہوں نے ظاہر میں اسلام کا کلمہ پڑھ لیا اور جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ ہم مسلمان ہیں حالانکہ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے یہ لوگ بھی مصیبت بنے ہوئے تھے۔

توریت میں زانی کی سزا رجم تھی:

شادی شدہ مرد کی سزا کے بارے میں توریت شریف میں وہی حکم تھا جو شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ التحیہ میں ہے اور وہ یہ کہ زانی مرد و عورت شادی شدہ ہو تو اس کو رجم کردیا جائے یعنی پتھروں سے مار دیا جائے جسے سنگسار کہتے ہیں۔ یہودیوں نے توریت شریف کے حکم کو بدل لیا تھا، ایک مرتبہ ایک یہودی نے ایک عورت سے زنا کرلیا تھا۔ آپس میں یہ لوگ کہنے لگے کہ یہ جو نبی آئے ہیں ان کے پاس چلو ان کے دین میں تخفیف ہے اگر رجم کے علاوہ انہوں نے کوئی اور فتویٰ دیا تو ہم قبول کرلیں گے اور اللہ کے یہاں حجت میں پیش کردیں گے کہ ہم نے تیرے نبیوں میں سے ایک نبی کے فتوے پر عمل کیا۔

(سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۰۵)

معالم التنزیل ج ۲ ص ۳٦ میں ہے کہ خیبر میں جو یہودی رہتے تھے ان میں سے جو سردار قسم کے لوگ تھے ان میں سے ایک مرد نے ایک عورت کے ساتھ زنا کرلیا تھا اور یہ دونوں شادی شدہ تھے۔ توریت شریف کے قانون کے مطابق ان کو رجم کرنا تھا یہودیوں نے ان کو رجم کرنے سے گریز کیا۔ رجم کو اچھا نہ جانا کیونکہ وہ ان کے بڑے لوگوں میں تھے پھر آپس میں کہنے لگے

کہ یثرب یعنی مدینہ میں جو یہ صاحب ہیں (یعنی خاتم الانبیاء ﷺ) ان کی کتاب میں رجم نہیں ہے کوڑے مارنا ہے لہٰذا ان کے پاس چلو اور ان سے سوال کرو۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ بنی قریظہ مدنیہ منورہ میں رہتا تھا خیبر کے یہودیوں نے ان کے پاس پیغام بھیجا اور کہا کہ محمد (مصطفیٰ ﷺ) سے دریافت کرو کہ اگر مرد اور عورت زنا کریں اور وہ شادی شدہ ہوں تو ان کی کیا سزا ہے اگر وہ یہ حکم دیں کہ کوڑے مار کر چھوڑ دو تو قبول کر لینا اور اگر رجم کا حکم دیں تو قبول نہ کرنا اور گریز کرنا۔ جب یہ لوگ مدینہ منورہ آئے اور بنی قریظہ کے سامنے یہ بات رکھی تو انہوں نے کہا کہ پہلے سے سمجھ لو وہ اس بات کا حکم دیں گے جس سے تم ڈرتے ہو اس کے بعد یہودیوں کے سردار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے مسئلہ دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ تم میرے فیصلے پر راضی ہو گے تو انہوں نے کہا ہاں! ہمیں آپ کا فیصلہ منظور ہو گا آپ نے ان کو رجم کا فیصلہ سنا دیا اس پر وہ فیصلہ ماننے سے منحرف ہو گئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ ابن صوریا کو درمیان میں ڈالیں یہ شخص ان کے علماء میں سے تھا اور کانا تھا آپ نے یہود سے فرمایا کہ تم ابن صوریا کو جانتے ہو؟ کہنے لگا کہ ہاں! فرمایا وہ تم لوگوں میں کیسا شخص ہے؟ کہنے لگے کہ یہودیوں میں روئے زمین پر اس سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے جو توریت شریف کے احکام سے واقف ہو، ابن صوریا کو لایا گیا آپ ﷺ نے یہودیوں سے فرمایا کہ تم اپنے درمیان اسے فیصلہ کرنے والا منظور کرتے ہو، کہنے لگے کہ ہاں! ہمیں منظور ہے آپ نے ابن صوریا سے فرمایا میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل فرمائی اور تمہیں مصر سے نکالا اور تمہارے لیے سمندر پھاڑا اور تمہیں نجات دی اور جس نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور جس نے تم پر من و سلویٰ نازل فرمایا۔ کیا تم اپنی کتاب میں شادی شدہ زانیوں کے بارے میں رجم کرنے کا قانون پاتے ہو؟ ابن صوریا نے کہا کہ ہاں! قسم اس ذات کی جس کی مجھے آپ نے قسم دلائی ہے توریت شریف میں رجم کا حکم ہے اگر مجھے اس کا ڈر نہ ہوتا کہ جھوٹ بولنے یا توریت کا حکم بدلنے کی وجہ سے میں جل جاؤں گا تو میں اقرار نہ کرتا، آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے سب سے پہلے خداوند تعالیٰ کے حکم کے خلاف کب رخصت نکالی؟ ابن صوریا نے کہا کہ ہم یہ کرتے تھے کہ جب کوئی بڑا آدمی زنا کرتا تو سزا دیئے بغیر چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور آدمی زنا کرتا تو اس پر سزا جاری کرتے تھے اس طرح سے ہمارے بڑے لوگوں میں زنا کاری زیادہ ہو گئی۔ اور ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک بادشاہ کے چچا کے بیٹے نے زنا کر لیا ہم نے اس پر رجم کی سزا جاری نہ کی پھر ایک اور شخص نے زنا کر لیا جو عام لوگوں میں تھا بادشاہ نے چاہا کہ اسے سنگسار کرے اس پر اس کی قوم کے لوگ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! اس شخص کو سنگسار نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ بادشاہ کے چچا کے بیٹے پر زنا کی سزا جاری نہ ہو۔ جب یہ بات سامنے آئی تو آپس میں کہنے لگے کہ رجم کی سزا کے علاوہ کوئی صورت تجویز کر لیں جو بڑے اور چھوٹے ہر قسم کے لوگوں پر جاری کی جا سکے لہٰذا ہم نے یہ طے کر لیا کہ جو شخص بھی زنا کرے اس کو ایسی رسی سے چالیس کوڑے مارے جائیں جس پر روغن قار (تارکول) لگا ہوا ہو۔ کوڑے مار کر چہروں کو کالا کر دیتے تھے اور گدھوں پر بٹھا کر بازاروں میں گھماتے تھے گدھوں پر الٹ سوار کرتے تھے یعنی منہ گدھوں کی پچھلی ٹانگوں کی طرف ہوتا تھا جب ابن صوریا نے یہ کہا تو یہود کو صحیح بات بتانا ناگوار ہوا۔ ابن صوریا نے کہا کہ اگر مجھے توریت کی مار پڑنے کا ڈر نہ ہوتا تو میں نہ بتاتا۔

جب ابن صوریا نے توریت شریف کا قانون سنایا اور یہودی پہلے کہہ چکے تھے کہ ہم آپ کے فیصلہ پر راضی ہیں تو

آنحضرت ﷺ نے ان دونوں یہودیوں یعنی زنا کرنے والے مرد اور عورت کو رجم کرنے کا فیصلہ نافذ کر دیا جن کو آپ کی مسجد کے قریب رجم کر دیا گیا اور آپ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا اے اللہ! میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے آپ کے حکم کو زندہ کیا جسے یہودیوں نے مردہ کر دیا تھا اس پر اللہ جل شانہ نے آیت بالا (یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ) (آخر تک) نازل فرمائی، ارشاد فرمایا کہ اے رسول ﷺ تمہیں وہ لوگ رنجیدہ نہ کریں جو جلدی جلدی کفر کی طرف دوڑتے ہیں ان میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے زبان سے کہہ دیا کہ وہ مؤمن ہیں حالانکہ وہ دل سے مؤمن نہیں ہیں اور ان میں وہ بھی ہیں جو جھوٹ بولنے کے لیے آگے بڑھ بڑھ کر سنتے ہیں یعنی وہ آپ سے باتیں سنتے ہیں تا کہ آپ کے ذمہ وہ باتیں لگائیں جو آپ نے نہیں کہیں (سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ لَمْ یَاْتُوْكَ) یہ ان لوگوں کے لیے سنتے ہیں اور کان دھرتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں آئے یعنی دوسرے لوگوں کے جاسوس ہیں بنی قریظہ جو اہل خیبر کے جاسوس بن کر آئے تھے اس میں ان کی طرف اشارہ ہے۔ (انوار البیان)

سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ ....

یہود کی ایک بری خصلت:

پہلی خصلت یہ بتائی: سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ. یعنی یہ لوگ جھوٹی اور غلط باتیں سننے کے عادی ہیں۔ اپنے کو عالم کہلانے والے غدار یہودیوں کے ایسے اندھے متبع ہیں کہ احکام تورات کی کھلی خلاف ورزی دیکھنے کے باوجود ان کی پیروی کرتے رہتے ہیں اور ان کی غلط سلط بیان کی ہوئی کہانیاں سنتے رہتے ہیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًی مِنَ الضَّلَالَةِ وَّ نُوْرٌ ۚ بیانٌ لِلْاَحْکَامِ یَحْکُمُ بِهَا النَّبِیُّوْنَ مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا انْقَادُوْا لِلّٰهِ لِلَّذِیْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِیُّوْنَ الْعُلَمَاءُ مِنْهُمْ وَ الْاَحْبَارُ الْفُقَهَاءُ بِمَا اَیْ بِسَبَبِ الَّذِیْ اسْتُحْفِظُوْا اسْتَوْدَعُوْهُ اَیْ اِسْتَحْفَظَهُمُ اللّٰهُ اِیَّاهُ مِنْ کِتٰبِ اللّٰهِ اَنْ یُبَدِّلُوْهُ وَ کَانُوْا عَلَیْهِ شُهَدَآءَ ۚ اَنَّهُ حَقٌّ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ اَیُّهَا الْیَهُوْدُ فِیْ اِظْهَارِ مَا عِنْدَکُمْ مِنْ نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالرَّجْمِ وَغَیْرِهِمَا وَ اخْشَوْنِ فِیْ کِتْمَانِهِ وَ لَا تَشْتَرُوْا تَسْتَبْدِلُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ مِنَ الدُّنْیَا تَاْخُذُوْنَهُ عَلٰی کِتْمَانِهِ وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ ۝ بِهِ وَ کَتَبْنَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْهَآ اَیِ التَّوْرٰىةِ اَنَّ النَّفْسَ تُقْتَلُ بِالنَّفْسِ ۙ اِذَا قَتَلَتْهَا وَ الْعَیْنَ تُفْقَأُ بِالْعَیْنِ وَ الْاَنْفَ تُجْدَعُ بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ تُقْطَعُ بِالْاُذُنِ وَ السِّنَّ تُقْلَعُ بِالسِّنِّ ۙ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ فِی الْاَرْبَعَةِ وَ الْجُرُوْحَ بِالْوَجْهَیْنِ قِصَاصٌ ؕ اَیْ یُقْتَصُّ فِیْهَا اِذَا اَمْکَنَ کَالْیَدِ وَالرِّجْلِ وَالذَّکَرِ وَ نَحْوِ ذٰلِكَ وَمَا لَا

يُمْكِنُ فِيهِ الْحُكُومَةُ وَهٰذَا الْحُكْمُ وَإِنْ كُتِبَ عَلَيْهِمْ فَهُوَ مُقَرَّرٌ فِي شَرْعِنَا فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ أَيْ
بِالْقِصَاصِ بِأَنْ مَكَّنَ مِنْ نَفْسِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ لِمَا أَتَاهُ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فِي
الْقِصَاصِ وَغَيْرِهٖ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَقَفَّيْنَا أَتْبَعْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ أَيِ النَّبِيِّيْنَ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ قَبْلَهٗ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى مِنَ الضَّلَالَةِ وَّنُوْرٌ ۙ بَيَانٌ
لِلْأَحْكَامِ وَّمُصَدِّقًا حَالٌ لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ لِمَا فِيْهَا مِنَ الْأَحْكَامِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً
لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَقُلْنَا وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ مِنَ الْأَحْكَامِ وَفِي قِرَاءَةٍ بِنَصْبِ يَحْكُمَ وَ
كَسْرِ لَامِهٖ عَطْفًا عَلٰى مَعْمُوْلِ اٰتَيْنَاهُ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَأَنْزَلْنَآ
إِلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ الْكِتٰبَ الْقُرْاٰنَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِأَنْزَلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ قَبْلَهٗ مِنَ الْكِتٰبِ وَ
مُهَيْمِنًا شَاهِدًا عَلَيْهِ وَالْكِتٰبُ بِمَعْنَى الْكُتُبِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بَيْنَ أَهْلِ الْكِتٰبِ إِذَا تَرَافَعُوْا إِلَيْكَ بِمَآ
أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ عَادِلًا عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ أَيُّهَا الْأُمَمُ
شِرْعَةً شَرِيْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ طَرِيْقًا وَاضِحًا فِي الدِّيْنِ تَمْشُوْنَ عَلَيْهِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً
وَّاحِدَةً عَلٰى شَرِيْعَةٍ وَاحِدَةٍ وَّلٰكِنْ فَرَّقَكُمْ فِرَقًا لِّيَبْلُوَكُمْ لِيَخْتَبِرَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ مِنَ الشَّرَائِعِ
الْمُخْتَلِفَةِ لِيَنْظُرَ الْمُطِيْعَ مِنْكُمْ وَالْعَاصِيَ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ سَارِعُوْا إِلَيْهَا إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا
بِالْبَعْثِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ مِنْ أَمْرِ الدِّيْنِ وَيَجْزِيْ كُلًّا مِّنْكُمْ بِعَمَلِهٖ وَأَنِ احْكُمْ
بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ لِ أَنْ لَّا يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ
إِلَيْكَ ۭ فَإِنْ تَوَلَّوْا عَنِ الْحُكْمِ الْمُنَزَّلِ وَأَرَادُوْا غَيْرَهٗ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ أَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِالْعُقُوْبَةِ فِي
الدُّنْيَا بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ الَّتِيْ أَتَوْهَا وَمِنْهَا التَّوَلِّيْ وَيُجَازِيْهِمْ عَلٰى جَمِيْعِهَا فِي الْأُخْرٰى وَإِنَّ كَثِيْرًا
مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ يَطْلُبُوْنَ مِنَ الْمُدَاهَنَةِ وَالْمَيْلِ إِذَا تَوَلَّوْا
ع اِسْتِفْهَامُ إِنْكَارٍ وَمَنْ أَيْ لَا أَحَدَ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ عِنْدَ قَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ بِهٖ خُصُّوْا بِالذِّكْرِ

لِاَنَّهُمُ الَّذِيْنَ يَتَدَبَّرُوْنَهُ

ترجمہ: اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ بلاشبہ ہم نے توریت اتاری تھی جس میں ہدایت تھی (گمراہی سے) اور روشنی بھی (احکام کا) بیان تھا، اسی (توریت) کا حکم دیتے تھے (بنی اسرائیل کے) انبیاء جو اللہ کے حکم بردار (مطیع) تھے یہودیوں کو (مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے بعد جتنے نبی آئے ان سب کا عمل توریت کے مطابق تھا اور اسی توریت کے مطابق وہ یہودیوں کا فیصلہ کیا کرتے تھے) اور (اسی طرح ان میں کے) اہل اللہ اور اہل علم (فقہائے اسکے موافق حکم دیتے تھے۔ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ بوجہ اس کے ان (اہل اللہ اور علماء) کو نگہداشت کا حکم دیا تھا (باء سبیہ ہے اور ما موصولہ ہے بمعنی الَّذِيْنَ اور اس کا بیان ہے مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِسْتَوْدَعُوْهُ وہ انبیاء اور علماء امین بنائے گئے تھے یعنی اللہ نے ان کو اس کی نگہداشت کا حکم دیا تھا) کتاب اللہ کے (یعنی اس کو تبدیل کرنے سے، مطلب یہ ہے کہ حضر نگہبانی کرتے رہیں کہ کس قسم کا تغیر و تبدل نہ کردیں) اور وہ اس کتاب پر گواہ تھے (کہ یہ حق ہے، مطلب یہ ہے کہ اے یہود یہ توریت وہ کتاب ہے کہ جس کو ہمیشہ سے تمہارے پیشوا مانتے چلے آئے اور اس پر عمل کرتے رہے تم کیسے ناخلف ہو کہ تم نے ان کے طریقہ کو بالکل چھوڑ دیا ہے وہ توریت کی حفاظت کرتے تھے اور تم اس میں تحریف کرتے ہو، اب یہود سے خطاب فرماتے ہیں فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ پس تم لوگوں سے نہ ڈرو (یعنی اے یہود تمہارے پاس یعنی تمہارے کتاب توریت میں محمد ﷺ کے جو اوصاف اور رجم وغیرہ ہے جو احکام ہیں اس کے اظہار میں اندیشہ مت کرو) اور صرف مجھ سے ڈرو (یعنی اس کے چھپانے پر سزاؤں کے متعلق مجھ سے ڈرو) اور مت خریدو (مبادلہ مت کرو) میرے احکام کے عوض) (دنیا کا) حقیر معاوضہ (یعنی دنیا کا حقیر معاوضہ جو تم کتمان توریت پر لیتے ہو مت لو) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے (بلکہ حکم محرف کے مطابق حکم دے) تو ایسے ہی لوگ کافر ہوتے ہیں (اس حکم کا وَكَتَبْنَا الخ اور ہم نے ان پر لکھ دیا تھا (فرض کر دیا تھا) اس میں (یعنی توریت میں) کہ جان (قتل کی جائے گی) جان کے بدل (یعنی جب کہ دوسری جان نے پہلی جان کو قتل کر دیا ہے تو اس کے عرض اس دوسری جان یعنی قاتل کی ان قتل کی جائے گی) اور آنکھ (پھوڑی جائے گی) آنکھ کے بدلے اور ناک (کاٹی جائے گی) ناک کے بدلے اور کان (کاٹا جائے گا) کان کے بدلے کان اور دانت (اکھاڑا جائے گا) دانت کے بدلے (اور ایک قراءت میں چاروں الفاظ یعنی نفس، عین، انف، اور اذان میں رفع کے ساتھ پڑھے گئے ہیں) وَالْجُرُوْحَ (دونوں طرح سے یعنی رفع اور نصب کے سے ساتھ پڑھا گیا ہے) اور (اسی طرح دوسرے خاص) زخموں میں بھی قصاص ہے اولاد بدلہ ہے یعنی زخموں میں قصاص لیا جائے گا جن چیزوں برابری ممکن ہوگی جیسے ہاتھ، پاؤں اور آلہ تناسل وغیرہ، اور جس زخم میں برابری ممکن نہ ہو تو اس میں عادلانہ فیصلہ ہوگا۔ یہ حکم اگرچہ یہود پر فرض کیا گیا تھا لیکن ہماری شریعت میں بھی یہی حکم مقرر ہے۔ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ پھر جو شخص صدقہ کر دے اپنے آپ کو اس (قصاص) میں (بایں طور کہ اپنی

ذات سے خود قدرت دیدے (یعنی قاتل اپنی خوشی سے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کر تو یہ فعل اس کا (یعنی اس جرم کا جس کا اس نے ارتکاب کیا ہے) کفارہ ہو جائے گا۔ **وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ** اور جو شخص اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے موافق (قصاص وغیرہ میں) حکم نہ کرنے تو ایسی ہی لوگ ظالم ہیں **وَ قَفَّیْنَا عَلٰٓى** اور ہم نے ان (انبیاء) پیچھے جن کا ذکر **یحکم بها النبیون** میں ہو چکا ہے) ان ہی نقش قدم پر (بدون زمانہ فترت کے) عیسیٰ بن مریم کو بھیجا درانحالیکہ وہ اپنے سے قبل کی کتابت یعنی توریت کی تصدیق رتے تھے اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں (گمراہی سے) ہدایت اور (بیان احکام کی (روشنی تھی درآنحالیکہ وہ (انجیل) اپنے سے پہلے کے نازل شدہ کتاب توریت کی (یعنی توریت کے احکام کی) تصدیق کرتی تھی اور وہ (انجیل والوں کو چاہئے کہ حکم دیا کریں اسی کے مطابق جو کچھ اللہ نے انجیل میں احکام نازل کیا ہے (ایک قراءت میں لفظ **یَحْكُمْ** نصب اور کسرہ لام کے ساتھ ہے مطلب یہ ہے کہ لفظ **یَحْكُمْ** میں لام کی مکسور اور اس کے بعد ان ناصبہ مقدر ہے اسی وجہ **یَحْكُمْ** کے میم کو نصب ہوگا اور اٰتَیْنَاهُ کے معمول پر عطف ہوگا **مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ** اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ کتب کے مطابق حکم نہیں دے تو ایسے لوگ بدکار ہیں **وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ** اور (اے محمد ﷺ) ہم نے آپ کے پاس (توریت وانجیل کے بعد) یہ کتاب (قرآن شریف) نازل کی ہے جو برحق ہے (**بِالْحَقِّ اَنْزَلْنَا** کے متعلق ہے) اور اپنے سے پہلی کتابوں (جیسے توریت، انجیل اور زبور کی تصدیق کرنے والی ہے اور (یہ قرآن) ان کتابوں کا محافظ ہے (اور کتاب بمعنی کتب ہے یعنی قرآن شریف پچھلی تمام کتابوں کی صحت کا گواہ ہے، محرف کو غیر محرف سے جدا کر دیتا ہے) پس آپ بھی ان کے درمیان (یعنی اہل کتاب کے درمیان اس حکم کے مطابق فیصلہ فرمایا کیجئے (جب وہ اپنا مقدمہ آپ کے پاس لائیں) جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیا ہے اور آپ ان خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے اس حق کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس آچکا ہے۔ **لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ** (اے امتوں) تم میں سے ہر گروہ کے لیے ہم نے خاص (دستور) شریعت اور راہ عمل مقرر کیا تھا (یعنی دین میں ایسا واضح راستہ مقرر کر دیا تھا جس پر تم چل سکو) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتے (کہ سب ایک ہی شریعت پر ہوتے) لیکن (اللہ تعالیٰ نے تم کو الگ الگ گروہ بنا دیا) تاکہ تمہارا امتحان کرے (جانچ کرے) اس چیز میں جو تم کو دی ہے (یعنی مختلف شریعتیں دی ہیں تاکہ دیکھ لیں کہ تم میں سے کون فرمانبردار ہے اور کون نافرمان) پس (تعصب کو چھوڑ کر) نیک اعمال کی طرف سبقت کرو (اس کے طرف دوڑو) اللہ ہی کے طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے (بعث کے ذریعہ یعنی قبروں سے اٹھ کر) تو اللہ تعالیٰ تم کو آگاہ کر دیں گے ان تمام باتوں سے جن میں تم اختلاف کرتے تھے (دین کے معاملہ میں، اور تم میں سے ہر ایک کو اس عمل کا بدلہ ملے گا) **وَ اَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ**، آپ ان (اہل کتاب) کے درمیان اس کتاب کے مطابق فیصلہ فرمایا کیجئے جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے اور ان سے احتیاط رکھیئے کہ یہ لوگ کہیں آپ کو اللہ کے نازل کردہ بعض احکام سے بہکا (نہ) دیں (گمراہ نہ کر دیں، گو اس کا احتمال نہیں ہے لیکن اس کا قصد بھی رہے تو موجب ثواب ہے) پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں (یعنی اس فیصلہ سے اعراض

کریں جو اللہ کا نازل کردہ ہے اور اس کے علاوہ باطل حکم چاہیں) تو جان لیجئے کہ خدا ہی کو منظور ہے کہ ان کو مصیبت پہونچے (دنیا میں سزا ملے) ان کے بعض جرموں کی وجہ سے (جس کے وہ مرتکب ہوئے اور ان جرموں میں سے اعراض ورو گردانی بھی ہے اور ان تمام گناہوں کی سزا آخرت میں ملے گی اور بلا شبہ اکثر لوگ فاسق ہیں (نافرمان ہیں) کیا پھر یہ لوگ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں (یَبْغُوْنَ میں ایک قراءت یاء کے ساتھ ہے اور دوسری قراءت تاء کے ساتھ ہے مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ روگردانی کر کے قانون خداوندی سے مداہنت اور جاہلیت کے طرف میلان چاہتے ہیں، استفہام انکاری ہے یعنی جاہلیت کی طلب نہ کرنی چاہئے) اور فیصلہ کرنے میں اللہ سے کو اچھا (فیصلہ کرنے والا) ہوگا (یعنی کوئی نہیں) ان لوگوں کے لیے (ایسی جماعت کے نزدیک) جو یقین وایمان رکھتے ہیں (اس پر خاص کر ایمان والوں کا اس وجہ سے ذکر فرمایا کہ ایمان والے ہی اللہ کے حکم میں غور وفکر کرتے ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ: اس سے اشارہ کیا کہ اَلنَّبِيُّوْنَ کا الف لام عہد خارجی کا ہے۔

قوله: اِنْقَادُوْا: سے تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ اسلام بمعنی دین ہے، اس کے انبیاءؑ کے جس یعنی ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔

قوله: لِلَّذِيْنَ: یہ نزل مجہول مقدر کے متعلق ہے انزلنا سے متعلق نہیں۔

قوله: بِسَبَبِ الَّذِيْ: باسببیہ یہ مع کے معنی میں نہیں اور ما مصدر یہ نہیں ہے بلکہ موصولہ ہے کیونکہ ساتھ من بیانیہ ہے موصول کا مرجع محذوف ہے کیونکہ وہ مفعول ہے۔

قوله: تُقْتَلُ: باتُقْتَلُ مقدر سے متعلق ہے مقتولہ سے متعلق نہیں۔

قوله: بِالرَّفْعِ فِي الْاَرْبَعَةِ: اس کا عطف ان النفس کے محل پر ہے۔ یہ عطف جملہ علی الجملہ کی قسم سے ہے۔

قوله: اَتْبَعْنَا: اس کے مفعول ھم کو جار مجرور کی دلالت کی وجہ سے حذف کر دیا۔

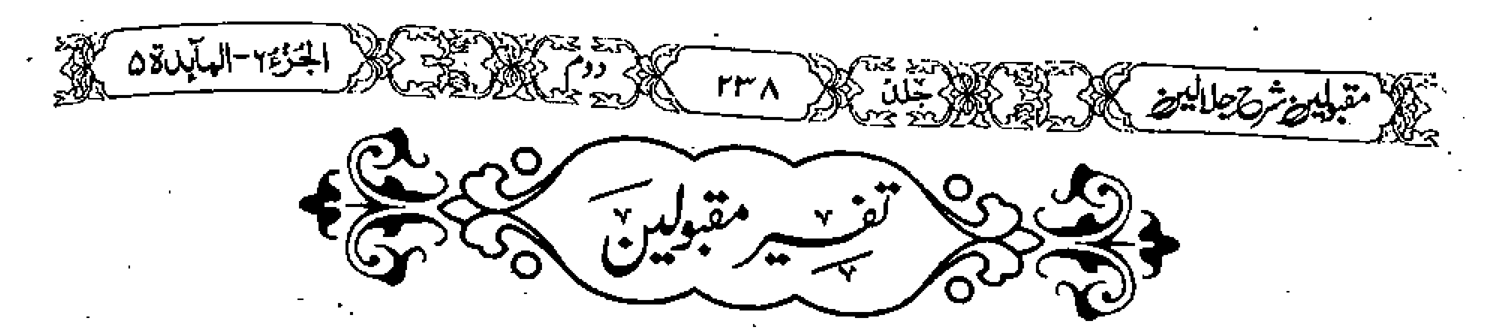
قوله: هُدًى وَّ مَوْعِظَةً: یہ دونوں حال ہیں۔

قوله: وَقُلْنَا: اس سے اشارہ کر دیا لام محذوف سے متعلق ہے هُدًى سے نہیں۔

قوله: عَادِلًا: اس طرف اشارہ ہے، عن متعلق کے اعتبار سے لَا تَتَّبِعْ کے فاعل سے حال ہے۔ وہ انحراف کے معنی کو متضمن نہیں۔

قوله: لِاَنْ: لام کو مقدر ماننے سے اشارہ کیا کہ وہ مفعول لہ تقدیر عبارت ہے۔ لام الغرض عن الامر عدم فتنتهم۔

قوله: يَتَدَبَّرُوْنَه: معاملات کی تدبیر کرنے اور اشیاء کو سچی نگاہوں سے دیکھتے اور جانتے ہیں کہ فیصلے میں اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی خوبیوں والا نہیں۔



عوام کے لیے علماء کے اتباع کا ضابطہ:

اس میں جس طرح تحریف کرنے والوں اور احکام خدا اور رسول میں غلط چیزیں شامل کرنے والوں کے لیے وعیدیں ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کو بھی سخت مجرم قرار دیا ہے جو ایسے لوگوں کو امام بنا کر موضوع اور غلط روایات سننے کے عادی ہو گئے ہیں اس میں مسلمانوں کے لیے ایک اہم اصولی ہدایت یہ ہے کہ اگر چہ جاہل عوام کے لیے دین پر عمل کرنے کا راستہ صرف یہی ہے کہ علماء کے فتوے اور تعلیم پر عمل کریں لیکن اس ذمہ داری سے عوام بھی بری نہیں کہ فتویٰ لینے اور عمل کرنے سے پہلے اپنے مقتداؤں کے متعلق اتنی تحقیق تو کرلیں جتنی کوئی بیمار کسی ڈاکٹر یا حکیم سے رجوع کرنے سے پہلے کیا کرتا ہے۔ کہ جاننے والوں سے تحقیق کرتا ہے کہ اس مرض کے لیے کونسا ڈاکٹر ماہر ہے، کون سا حکیم اچھا ہے۔ اس کی ڈگریاں کیا کیا ہیں۔ اس کے مطب میں جانے والے زیر علاج لوگوں پر کیا گزرتی ہے۔ اپنی امکانی تحقیق کے بعد بھی اگر وہ کسی غلط ڈاکٹر یا حکیم کے جال میں پھنس گیا یا اس نے کوئی غلطی کر دی تو عقلاء کے نزدیک وہ قابل ملامت نہیں ہوتا۔ لیکن جو شخص بلا تحقیق کسی عطائی کے جال میں جا پھنسا اور پھر کسی مصیبت میں گرفتار ہوا تو وہ عقلاء کے نزدیک خود اپنی خودکشی کا ذمہ دار ہے۔

یہی حال عوام کے لیے دینی امور کے بارے میں ہے کہ اگر انہوں نے اپنی بستی کے اہل علم وفن اور تجربہ کار لوگوں سے تحقیق حال کرنے کے بعد کسی عالم کو اپنا مقتدیٰ بنایا اور اس کے فتوے پر عمل کیا تو وہ عندالناس بھی معزور سمجھا جائے گا۔ اور عنداللہ بھی، ایسے ہی معاملہ کے متعلق حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: فان اثمه علی من افتی۔ یعنی ایسی صورت میں اگر عالم اور مفتی نے غلطی کر لی اور کسی مسلمان نے ان کے غلط فتوے پر عمل کر لیا تو اس کا گناہ اس پر نہیں بلکہ اس عالم ومفتی پر ہے۔ اور وہ بھی اس وقت جبکہ اس عالم نے جان بوجھ کر ایسی غلطی کی ہو یا امکانی خور وخوض میں کمی کی ہو یا یہ کہ وہ عالم ہی نہ تھا اور لوگوں کو فریب دے کر اس منصب پر مسلط ہو گیا۔

لیکن اگر کوئی شخص بلا تحقیق محض اپنے خیال سے کسی کو عالم ومقتدیٰ قرار دے کر اس کے قول پر عمل کرے۔ اور وہ فی الواقع اس کا اہل نہیں تو اس کا وبال تنہا اس مفتی اور عالم پر نہیں ہے بلکہ یہ شخص بھی برابر کا مجرم ہے، جس نے تحقیق کئے بغیر اپنے ایمان کی باگ ڈور کسی ایسے شخص کے حوالہ کر دی، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ ارشاد قرآنی آیا ہے: سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ، یعنی یہ لوگ جھوٹی باتیں سننے کے عادی ہیں، اپنے مقتداؤں کے علم وعمل اور امانت ودیانت کی تحقیق کئے بغیر ان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، اور ان سے موضوع اور غلط روایات سننے اور ماننے کے عادی ہو گئے ہیں۔

قرآن کریم نے یہ حال یہودیوں کا بیان کیا ہے اور مسلمانوں کو سنایا ہے کہ وہ اس سے محفوظ رہیں۔ لیکن آج کی دنیا میں مسلمانوں کی بہت بڑی بربادی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ دنیا کے معاملات میں تو بڑے ہوشیار، چست و چالاک ہیں، بیمار ہوتے ہیں تو بہتر سے بہتر ڈاکٹر حکیم کو تلاش کرتے ہیں، کوئی مقدمہ پیش آتا ہے تو اچھے سے اچھا وکیل بیرسٹر ڈھونڈھ لاتے ہیں،

کوئی مکان بنانا ہے تو اعلیٰ سے اعلیٰ آرکیٹیکٹ اور انجینئر کا سراغ لگا لیتے ہیں۔ لیکن دین کے معاملہ میں ایسے سخی ہیں کہ جس کی داڑھی اور کرتہ دیکھا اور کچھ الفاظ بولتے ہوئے سن لیا، اس کو مقتداء، عالم، مفتی، رہبر بنالیا، بغیر اس تحقیق کے کہ اس نے باقاعدہ کسی مدرسہ میں بھی تعلیم پائی ہے یا نہیں؟ علماء ماہرین کی خدمت میں رہ کر علم دین کا کچھ ذوق پیدا کیا ہے یا نہیں، کچھ علمی خدمات کی ہیں یا نہیں، سچے بزرگوں اور اللہ والوں کی صحبت میں رہ کر کچھ تقویٰ وطہارت پیدا کی ہے یا نہیں؟

اس کا یہ نتیجہ ہے کہ مسلمانوں میں جو لوگ دین کی طرف متوجہ بھی ہوتے ہیں ان کا بہت بڑا حصہ جاہل واعظوں اور دکاندار پیروں کے جال میں پھنس کر دین کے صحیح راستہ سے دور جا پڑتا ہے، ان کا علم دین صرف وہ کہانیاں رہ جاتی ہیں جن میں نفس کی خواہشات پر زد نہ پڑے، وہ خوش ہیں کہ ہم دین پر چل رہے ہیں۔ اور بڑی عبادت کر رہے ہیں، مگر حقیقت وہ ہوتی ہے جس کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ یعنی وہ لوگ ہیں جن کی سعی وعمل دنیا ہی میں برباد ہو چکی ہے اور وہ اپنے نزدیک یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے بڑا اچھا عمل کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے ان منافق یہودیوں کا حال سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ کے لفظوں میں بیان کر کے ایک اہم اور بڑا اصول بتلا دیا کہ جاہل عوام کو علماء کی پیروی تو ناگزیر ہے مگر ان پر لازم ہے کہ بلا تحقیق کسی کو عالم ومقتداء نہ بنالیں اور ناواقف لوگوں سے غلط سلط باتیں سننے کے عادی نہ ہو جائیں۔

یہود کی ایک دوسری بری خصلت:

ان منافقین کی دوسری بری خصلت یہ بتلائی کہ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ۔ یعنی یہ لوگ بظاہر تو آپ ﷺ سے ایک دینی معاملہ کا حکم پوچھنے آئے ہیں لیکن درحقیقت ان کا مقصد نہ دین ہے نہ دینی معاملہ کا حکم معلوم کرنا ہے، بلکہ یہ ایک ایسی یہودی قوم کے جاسوس ہیں جو اپنے تکبر کی وجہ سے آپ ﷺ تک خود نہیں آئے، ان کی خواہش کے مطابق صرف یہ چاہتے ہیں کہ سزائے زنا کے بارے میں آپ ﷺ کا نظریہ معلوم کر کے ان کو بتلا دیں، پھر ماننے نہ ماننے کا فیصلہ خود کریں گے اس میں مسلمانوں کو اس پر تنبیہ ہے کہ کسی عالم دین سے فتویٰ دریافت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دریافت کرنے والے کی نیت حکم خدا اور رسول ﷺ کو معلوم کر کے اس کا اتباع کرنا ہو محض مفتیوں کی رائے معلوم کر کے اپنی خواہش کے موافق حکم تلاش کرنا کھلا ہوا اتباع نفس وشیطان ہے اس سے بچنا چاہیے۔

تیسری بری خصلت کتاب اللہ کی تحریف:

تیسری بری خصلت ان لوگوں کی یہ بیان فرمائی کہ یہ لوگ اللہ کے کلام کو اس کے موقع سے ہٹا کر غلط معنی پہناتے اور احکام خدا تعالیٰ کی تحریف کرتے ہیں، اس میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ تورات کے الفاظ میں کچھ ردوبدل کر دیں، اور یہ بھی کہ الفاظ تو وہی رہیں ان کے معنی میں لغو قسم کی تاویل وتحریف کریں یہودی ان دونوں قسموں کی تحریف کے عادی ہیں۔

مسلمانوں کے لیے اس میں یہ تنبیہ ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ لیا ہے، اس میں لفظی تحریف کی تو

کوئی جرأت نہیں کرسکتا، کہ لکھے ہوئے صحیفوں کے علاوہ لاکھوں انسانوں کے سینوں میں محفوظ کلام میں ایک زیر وزبر کی غلطی کوئی کرتا ہے تو فوراً پکڑا جاتا ہے، معنوی تحریف بظاہر کی جاسکتی ہے اور کرنے والوں نے کی بھی ہے، مگر اس کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمادیا ہے کہ اس امت میں قیامت تک ایک ایسی جماعت قائم رہے گی جو قرآن وسنت کے صحیح مفہوم کی حامل ہوگی، اور تحریف کرنے والوں کی قلعی کھول دے گی۔

چوتھی بری خصلت رشوت خوری:

دوسری آیت میں ان کی ایک اور بری خصلت یہ بیان فرمائی ہے: یہ لوگ سُحت کھانے کے عادی ہیں، سُحت کے لفظی معنی کسی چیز کو جڑ بنیاد سے کھود کر برباد کرنے کے ہیں، اسی معنی میں قرآن کریم نے فرمایا ہے: فیسحتکم بعذاب، یعنی اگر تم اپنی حرکت سے باز نہ آؤ گے تو اللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے تمہارا استیصال کردے گا، یعنی تمہاری جڑ بنیاد ختم کردی جائے گی، قرآن مجید میں اس جگہ لفظ سحت سے مراد رشوت ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ، حسن بصری، مجاہد، قتادہ، ضحاک رحمہم اللہ وغیرہ ائمہ تفسیر نے اس کی تفسیر رشوت سے کی ہے۔

رشوت کو سحت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ نہ صرف لینے دینے والوں کو برباد کرتی ہے بلکہ پورے ملک وملت کی جڑ بنیاد اور امن عامہ کو تباہ کرنے والی ہے، جس ملک یا جس محکمہ میں رشوت چل جائے وہاں قانون معطل ہوکر رہ جاتا ہے اور قانون ملک ہی وہ چیز ہے جس سے ملک وملت کا امن برقرار رکھا جاتا ہے، وہ معطل ہوگیا تو نہ کسی کی جان محفوظ رہتی ہے نہ آبرو نہ مال، اس لیے شریعت اسلام میں اس کو سحت فرما کر اشد حرام قرار دیا ہے، اور اس کے دروازہ کو بند کرنے کے لیے امراء وحکام کو جو ہدیے اور تحفے پیش کئے جاتے ہیں ان کو بھی صحیح حدیث میں رشوت قرار دے کر حرام کردیا گیا ہے۔ (جصاص)

رشوت کی تعریف شرعی یہ ہے کہ جس کا معاوضہ لینا شرعاً درست نہ ہو اس کا معاوضہ لیا جائے، مثلاً جو کام کسی شخص کے فرائض میں داخل ہے اور اس کا پورا کرنا اس کے ذمہ لازم ہو اس پر کسی فریق سے معاوضہ لینا جیسے حکومت کے افسر اور کلرک سرکاری ملازمت کی رو سے اپنے فرائض ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں، وہ صاحب معاملہ سے کچھ لیں تو یہ رشوت ہے یا لڑکی کے ماں باپ اس کی شادی کرنے کے ذمہ دار ہیں کسی سے اس کا معاوضہ نہیں لے سکتے، وہ جس کو رشتہ دیں اس سے کچھ معاوضہ لیں تو وہ رشوت ہے، یا صوم وصلوٰۃ اور حج اور تلاوت قرآن عبادات ہیں جو مسلمان کے ذمہ ہیں، ان پر کسی سے کوئی معاوضہ لیا جائے تو وہ رشوت ہے۔ تعلیم قرآن اور امامت اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (علی فتوی المتاخرین)

پھر جو شخص رشوت لے کر کسی کا کام حق کے مطابق کرتا ہے وہ رشوت لینے کا گناہگار ہے اور یہ مال اس کے لیے سُحت اور حرام ہے، اور اگر رشوت کی وجہ سے حق کے خلاف کام کیا تو یہ دوسرا شدید جرم، حق تلفی اور حکم خداوندی کو بدل دینے کا اس کے علاوہ ہوگیا، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے بچائے۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ....

قصاص کے احکام:

اس کے بعد قصاص فی النفس اور قصاص فی الاعضاء کا حکم بیان فرمایا، توریت شریف میں جو قصاص کے احکام تھے عملی طور پر یہود نے ان کو بھی بدل دیا تھا، مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو بڑے قبیلے تھے ایک قبیلہ بنی نضیر اور دوسرا بنی قریظہ تھا ان میں آپس میں لڑائی جھگڑا اور مار کاٹ کی وارداتیں ہوتی رہتی تھی، بنی نضیر اپنے کو اشرف اور اعلیٰ سمجھتے تھے جب کوئی شخص بنی نضیر میں سے بنی قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تھا تو اسے قصاص میں قتل نہیں ہونے دیتے تھے اور اس کی دیت میں ستر وسق کھجوریں بھی دے دیتے تھے اور جب کوئی شخص بنی قریظہ میں سے بنی نضیر کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تھا تو قاتل کو قصاص میں قتل بھی کرتے تھے اور دیت میں ایک سو چالیس وسق کھجوریں بھی لیتے تھے اور اگر بنی نضیر کی کوئی عورت بنی قریظہ کے ہاتھ قتل ہو جاتی تو اس کے عوض بنی قریظہ کے مرد کو قتل کرتے تھے اور اگر کوئی غلام قتل ہو جاتا تھا تو اس کے بدلہ بنی قریظہ کے آزاد مرد کو قتل کرتے تھے اسی طرح کے قانون انہوں نے جراحات کے عوض کے بارے میں بنا رکھے تھے بنو قریظہ کو مال کم دیتے تھے اور خود اس سے دوگنا لیتے تھے۔ (معالم التنزیل ج۱ ص ۳۸ وبعضہ فی سنن ابی داؤد - اوّل کتاب الدیات) (جراحات سے وہ زخم مراد ہیں جس سے مضروب مقتول نہ ہوتا تھا)۔

اللہ جل شانہ نے آنحضرت ﷺ پر آیت نازل فرمائی جس میں قصاص کے احکام بیان فرمائے۔ جس سے یہ معلوم ہو گیا کہ ان میں سے جو زور آور قبیلہ نے کمزور قبیلہ کے ساتھ معاملہ کر رکھا ہے یہ معاملہ توریت شریف کے خلاف ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ تُوَالُوْنَهُمْ وَتُوَادُّوْنَهُمْ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ لِاِتِّحَادِهِمْ فِي الْكُفْرِ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ مِنْ جُمْلَتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ بِمُوَالَاتِهِمُ الْكُفَّارَ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ضُعْفُ اِعْتِقَادٍ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُبَيِّ الْمُنَافِقِ يُسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ فِيْ مُوَالَاتِهِمْ يَقُوْلُوْنَ مُعْتَذِرِيْنَ عَنْهَا نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ يَدُوْرُ بِهَا الدَّهْرُ عَلَيْنَا مِنْ جَدْبٍ اَوْ غَلَبَةٍ وَلَا يَتِمُّ اَمْرُ مُحَمَّدٍ فَلَا يَمِيْرُوْنَا قَالَ تَعَالٰى فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ بِالنَّصْرِ لِنَبِيِّهِ بِاِظْهَارِ دِيْنِهِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ بِهَتْكِ سِتْرِ الْمُنَافِقِيْنَ وَافْتِضَاحِهِمْ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مِنَ الشَّكِّ وَمُوَالَاةِ الْكُفَّارِ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ؕ وَ يَقُوْلُ الرفع اِسْتِيْنَافًا بِوَاوٍ وَدُوْنِهَا وَ بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلٰى يَاْتِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا لِبَعْضِهِمْ اِذَا هَتَكَ سِتْرُهُمْ تَعَجُّبًا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ غَايَةَ اجْتِهَادِهِمْ فِيْهَا اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ فِي الدِّيْنِ قَالَ تَعَالٰى حَبِطَتْ بَطَلَتْ

وقف لازم
وقف منزل وقف غفران

اَعۡمَالُهُمۡ الصَّالِحَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فصارُوْا خٰسِرِيۡنَ ۞ الدُّنيا بِالْفَضِيحَةِ وَالْاٰخِرَةِ بِالْعِقَابِ يٰۤاَيُّهَا
الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ يَّرۡتَدَّ بِالْفَكِّ وَالْاِدْغَامِ يَرْجِعُ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِيۡنِهٖ اِلَى الْكُفْرِ اِخْبَارٌ بِمَا عَلِمَ تَعَالٰى
وُقُوْعَهُ وَقَدِ ارْتَدَّ جَمَاعَةٌ بَعْدَ مَوْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَوۡفَ يَاۡتِى اللّٰهُ بَدَلَهُمْ بِقَوۡمٍ يُّحِبُّهُمۡ
وَيُحِبُّوۡنَهٗۤ ۙ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُمْ قَوْمُ هٰذَا وَاَشَارَ اِلٰى اَبِىْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِيْ
صَحِيْحِهِ اَذِلَّةٍ عَاطِفِيْنَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَعِزَّةٍ اَشِدَّاءِ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ يُجَاهِدُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا
يَخَافُوۡنَ لَوۡمَةَ لَاۤئِمٍ ؕ فِيْهِ كَمَا يَخَافُ الْمُنَافِقُوْنَ لَوْمَ الْكُفَّارِ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرُ مِنَ الْاَوْصَافِ فَضۡلُ
اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ كَثِيْرُ الْفَضْلِ عَلِيۡمٌ ۞ بِمَنْ هُوَ اَهْلُهُ وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ ابْنُ سَلَامٍ يَا
رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ قَوْمَنَا هَجَرُوْنَا اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوا الَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوۡنَ
الزَّكٰوةَ وَهُمۡ رٰكِعُوۡنَ ۞ خَاشِعُوْنَ اَوْ يُصَلُّوْنَ صَلٰوةَ التَّطَوُّعِ وَمَنۡ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا
ع ۸ ۱۲ فَيُعِيْنُهُمْ وَيَنْصُرُهُمْ فَاِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ ۞ لِنَصْرِهِ اِيَّاهُمْ اَوْقَعَهُ مَوْقِعَ فَاِنَّهُمْ بَيَانًا لِاَنَّهُمْ مِنْ
حِزْبِهِ اَيْ اَتْبَاعِهِ

ترجمہ: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا اے ایمان والوں یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ (کہ ان سے دلی دوستی اور محبت کرنے لگو) وہ تو باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں (کفر میں متحد ہونے کی وجہ سے اور جو شخص تم میں سے ان سے دوستی کریگا تو بیشک وہ ان ہی میں سے ہوگا (یعنی منجملہ ان ہی کے حکم میں ہوگا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتے ہیں ایسے لوگوں کو جواپنے اوپر ظلم کررہے ہیں (کافروں سے دوستی کرکے) اسی لیے (اے دیکھنے والے) تو اپنی آنکھ سے مشاہدہ کریگا کہ جن لوگوں کے دلوں میں (ضعف اعتقاد یعنی نفاق کا) مرض ہے (جیسے عبداللہ بن ابی منافق) دوڑ دوڑ کر ان میں (یعنی ان کی دوستی اور مدد میں گھستے ہیں (اور اگر کوئی انہیں ملامت کرتا ہے تو) کہتے ہیں (اس موالات و دوستی کے متعلق معذرت کرتے ہوئے) کہ ہم کو اندیشہ ہے کہ کوئی حادثہ نہ آپہنچے (یعنی زمانہ کی گردش ہم پر قحط سالی یا شکست نہ ڈال دے اور محمد (ﷺ) کا کام پورا نہ ہوا تو یہ لوگ ہمیں غلہ نہیں دیں گے، اللہ تعالیٰ جواب فرمارہے ہیں) پس قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح فرمادیں گے (اپنے نبی محمد ﷺ کی مدد فرما کر اور اپنے دین کو غالب کر کے) یا کوئی امر اپنی طرف سے ظاہر فرمادے (یعنی منافقین کی پردہ دری اور ان کی رسوائی کے ذریعہ) پھر یہ منافقین ان باتوں پر جو اب اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے (شک وشبہ اور کفار سے دوستی) نادم ہوں گے۔ وَيَقُوۡلُ (رفع کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے خواہ واؤ کے ساتھ ہو یا بغیر واؤ کے یعنی از سے نو جملہ شروع ہوا، اور

قراءت نصب کی صورت میں لفظ یاتی پر عطف ہوگا عبارت ہوگی: ان یات بالفتح وان یقول الذین امنوا) اور اہل ایمان کہیں گے (بعض اہل ایمان سے جب ان منافقوں کا پردہ چاک ہوگا تو تعجب سے کہیں گے) کیا یہ وہی لوگ ہیں جو (تمہارے سامنے یعنی تم مسلمانوں کے سامنے) اللہ کی پختہ قسمیں کھایا کرتے تھے (نہایت کوشش سے یعنی مبالغہ آمیز قسم کھا کر مسلمانوں سے کہتے تھے۔ چونکہ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اَقْسَمُوْا کا معنوی اشتراک ہے دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے اس لیے جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اَقْسَمُوْا کا مفعول مطلق ہے) اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں (دین میں یعنی ہم بھی دل سے مسلمان ہیں لیکن جب ان کا پردہ چاک ہوگا تو مسلمان تعجب سے کہیں گے کہ آج تو معلوم ہوگیا کہ یہ لوگ دعویٰ میں جھوٹے تھے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے سارے اعمال (صالحہ) اکارت ہو گئے (ضائع ہو گئے یعنی ان منافقوں نے مسلمانوں کو دکھلانے کے لیے اعمال صالحہ کئے تھے سب لٹ گئے، ضائع ہو گئے) پس خسارہ والے اور ناکام ہوگئے (دنیا میں فضیحت ورسوائی ہوئی اور آخرت میں عذاب) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو جو کوئی تم میں سے پھر جائے گا (يَّرْتَدَّ ادغام اور- فک ادغام دونوں کے ساتھ ہے بمعنی يَرْجِعُ ہے یعنی کفر کے طرف لوٹ جائے گا) اپنے دین سے (کفر کی طرف یہ اخبار واطلاع ہے ایسے بات کی جس کا وقوع اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اور ایسا ہی واقعہ ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد ایک جماعت مرتد ہوگئی تھی) فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ تو عنقریب اللہ تعالیٰ (ان کے بدلے) ایسی قوم پیدا کر دیگا جن سے اللہ تعالیٰ محبت رکھے گا اور وہ اللہ سے محبت رکھیں گے (حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ قوم یہ ہے اور آپ ﷺ نے ابوموسیٰ اشعری ؓ کے طرف اشارہ کیا حاکم نے صحیح میں روایت کیا ہے) اَذِلَّةٍ (محبوب بارگاہ کی دوسری صفت یہ ہے) نرم ہوں گے (مہربان ہوں گے) مسلمانوں پر اور تیز ہوں گے (سخت ہوں گے) کافروں پر (تیسری صفت) وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے (چوتھی صفت) اور وہ کسی ملامت وطعن تشنیع سے خوفزدہ نہیں ہوں گے جس طرح سے منافین کفار کی ملامت سے ڈرتے ہیں) یہ (صفات مذکورہ) اللہ تعالیٰ کا فضل ہیں جس کو چاہتے ہیں عطا فرمادیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں (بڑے مہربان ہیں) بڑے علم والے ہیں (کہ کون اس فضل کا اہل ہے؟) قول المفسر وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ ابْنُ سَلَامٍ مفسر علام آیت ۵۵،۵٦ کے شان نزول کو بیان فرمارہے ہیں۔ کہ جب حضرت عبداللہ بن سلام ؓ نے آنحضرت ﷺ سے بطور شکایت عرض کیا کہ یارسول اللہ ہماری قوم نے ہمارا بائیکاٹ کر دیا ہے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ تمہارے دوست تو بس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اہل ایمان ہیں جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں درآنحالیکہ وہ جھکنے والے (ترساں ولرزاں) ہیں (مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کا نماز قائم کرنا اور زکوۃ دینا نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ ہوتا ہے یا رٰكِعُوْنَ ۝ سے مراد یہ ہے کہ نماز نفل پڑھتے ہیں) اور جو شخص اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اہل ایمان سے دوستی رکھے گا (کہ ان کی اعانت اور مدد کریگا تو وہ اللہ کے گروہ میں داخل ہوگیا) اور بلاشبہ اللہ کا گروہ ہی غالب ہوگا (اس وجہ سے کہ اللہ کی مدد ان کو حاصل ہے، جملہ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ کو فَاِنَّهُمْ کی جگہ میں ذکر فرمایا ہے یعنی ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا ہے اس بات کو بیان کرنے کے لیے کہ یہی لوگ اللہ کی جماعت



اور تابعداروں میں سے ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: تُوَالُوْنَهُمْ: ولی یہاں محبت کے معنی میں ہے نہ کہ قریب کے۔

قوله: تَعَجُّبًا: استفہام تعجبی ہے حقیقی نہیں۔

قوله: غَايَةَ اِجْتِهَادِهِمْ: ایمان کی مشقت سب سے زیادہ۔

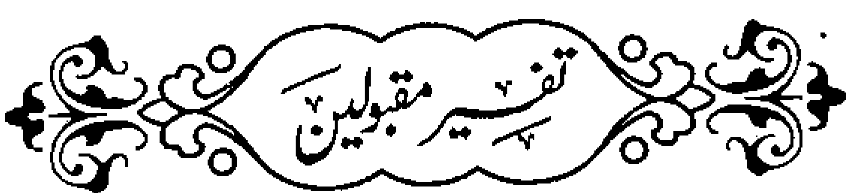
قوله: بَذْلَهُمْ: اس سے اشارہ ہے کہ مراجع ضمیر من محذوف کی طرف ہے۔معنی کا خیال کر کے جمع کی ضمیر لائی گئی ہے۔

قوله: عَاطِفِيْنَ۔اذلة۔الآية: عَاطِف کے معنی کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔

قوله: وَلِيُّكُمُ: فرما کر اشارہ کر دیا کہ اصل ولایت تو اللہ تعالیٰ کی ہے، باقی کی اس کے تابع ہے۔

قوله: اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ: یہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کی صفت ہے اور اسم کے قائم مقام استعمال ہوئی ہے کہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے حدوث مراد نہیں۔

قوله: لِاَنَّهُمْ مِنْ حِزْبِهٖ: میں اس پر دلیل بن جائے گی گویا اس طرح فرمایا جو ان کی دوستی اختیار کرے وہ اللہ کا لشکر ہے اور اللہ تعالیٰ کے لشکر ہی کو غلبہ ہے۔



تفسیر مقبولین

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ

یہود ونصاریٰ سے دوستی کرنے کی ممانعت:

معالم التنزیل ج۲ ص ٤٤ اور تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ٦٨ میں لکھا ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جو انصار کے قبیلہ خزرج میں سے تھے انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ یہودیوں میں میرے بہت سے دوست ہیں جن کی تعداد کثیر ہے۔ میں ان کی دوستی سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں اور اللہ اور اس کے رسول ہی کی دوستی کو پسند کرتا ہوں اس پر عبداللہ بن ابی نے کہا (جو رئیس المنافقین تھا) مجھے تو زمانہ کی گردشوں کا خوف ہے جن لوگوں سے میری دوستی (یعنی یہود سے) میں ان سے بیزار نہیں ہوتا اس پر اللہ تعالیٰ نے جل شانہ: (يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ) سے لے کر دو آیتیں نازل فرمائیں۔

ترک موالات کی اہمیت اور ضرورت:

درحقیقت کافروں سے ترک موالات کا مسئلہ بہت اہم ہے، اپنے دین پر مضبوطی سے جمتے ہوئے سب انسانوں کے

ساتھ خوش خلقی سے پیش آنا ان کو کھلانا پلانا اور حاجتیں پوری کر دینا یہ اور بات ہے لیکن کافروں کے ساتھ دوستی کرنا جائز نہیں ہے جب دوستی ہوتی ہے تو اس میں دوستی کے تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں جن میں بعض باتیں ایسی بھی بتانی پڑ جاتی ہیں جن کے بتانے میں مسلمانوں کا نقصان ہوتا ہو اور جس سے مسلمانوں کی حکومت میں رخنہ پڑتا ہو اور جس سے مسلمانوں کی جماعت میں ضعف آتا ہو، جو سچے پکے مسلمان ہوتے ہیں وہ کافروں سے دوستی کرتے ہی نہیں اور جن لوگوں کے دلوں میں ایمان نہیں صرف زبانی طور پر اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور دل سے کافر ہیں وہ لوگ کافروں سے دوستی کرتے ہیں، یہ لوگ اسلام کے نام لیوا بھی بنے ہیں لیکن چونکہ اندر سے مسلمان نہیں اس لیے کافروں کی دوستی چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتے۔ انہیں یہ خوف بھی کھائے جاتا ہے کہ ممکن ہے مسلمان کو غلبہ نہ ہو اگر کھل کر مسلمان ہونے کا اعلان کر دیں تو کافروں سے جو دنیاوی فوائد وابستہ ہیں وہ سب ختم ہو جائیں گے۔

اگر قحط پڑ جائے یا اور کسی قسم کی کوئی تکلیف پہنچ جائے یا اور کوئی گردش آ جائے تو کافروں سے کوئی بھی مدد نہ ملے گی اس خیال خام میں مبتلا ہو کر نہ سچے دل سے مؤمن ہوتے ہیں نہ کافروں سے بیزاری کا اعلان کرنے کی ہمت رکھتے ہیں، زمانہ نبوت میں بھی ایسے لوگ تھے جن کا سردار عبداللہ بن ابی تھا اس کا قول اوپر نقل فرمایا۔

اور آج کل بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو مسلمانوں سے مل کر رہتے ہیں اور کافروں سے بھی تعلق رکھتے ہیں، کافروں کے لیے جاسوسی بھی کرتے ہیں اور مسلمانوں کے اندرونی حالات انہیں بتاتے ہیں اور خفیہ آلات کے ذریعہ دشمنان اسلام کو مسلمانوں کے مشوروں اور ان کی طاقت اور عساکر وافواج کی خبریں پہنچاتے ہیں، چونکہ یہ لوگ خالص دنیادار ہوتے ہیں اس لیے نہ اپنی آخرت کے لیے سوچتے ہیں نہ مسلمانوں کی بھلائی کے لیے فکر کرتے ہیں صرف اپنی دنیا بناتے ہیں اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمیں مسلمان کیا نفع پہنچائیں گے آڑے وقت اور نازک حالات میں یہود ونصاریٰ سے ہی پناہ مل سکتی ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں جو شخص ان سے دوستی کریگا وہ انہیں میں سے ہے (دوستی کے درجات مختلف ہیں بعض مرتبہ دوستی ایسی ہوتی ہے کہ اسے نباہنے کے لیے ایمان کو چھوڑ دیا جاتا ہے یہ تو سراپا کفر ہے اور فَإِنَّهُ مِنْهُمْ کا حقیقی مصداق ہے اور اگر کسی نے ایمان کو چھوڑے بغیر کافروں سے دوستی کی تو اپنی دوستی کے بقدر درجہ بدرجہ انہیں میں سے شمار ہوگا اور یہ کیا کم ہے کہ دیکھنے والے اس دوستی کرنے والے کو کافروں کا ہی ایک فرد سمجھیں گے)۔

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ....

یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں شک اور نفاق کی بیماری ہے جن کو خدا کے وعدوں پر اعتماد اور مسلمانوں کی حقانیت پر یقین نہیں، اسی لیے دوڑ دوڑ کر کافروں کی آغوش میں پناہ لینا چاہتے ہیں۔ تاکہ ان کے موہوم غلبہ کے وقت ثمرات فتح سے متمتع ہو سکیں۔ اور ان کے زعم میں جو گردشیں اور آفات جماعت اسلام پر آنے والی تھیں ان سے محفوظ رہیں۔ (نَخْشٰى أَنْ تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ) (المائدة: ٥٢) کے یہی معنی ان کے دلوں میں مکنون تھے۔ لیکن یہی الفاظ (نَخْشٰى أَنْ تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ) (ایضا) جب

پیغمبر ﷺ اور مخلص مسلمانوں کے سامنے یہود سے دوستانہ رکھنے کی معذرت میں کہتے تھے تو گردش زمانہ کا یہ مطلب ظاہر کرتے کہ یہود ہمارے ساہوکار ہیں ہم ان سے قرض ودام لے لیتے ہیں۔ اگر کوئی مصیبت قحط وغیرہ کی پڑی تو وہ ہمارے دوستانہ تعلقات کی وجہ سے آڑے وقت میں کام آجائیں گے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا مَهْزُوًّا بِهٖ وَّ لَعِبًا مِّنَ لِلْبَيَانِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ الْمُشْرِكِيْنَ بِالْجَرِّ وَ النَّصْبِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ بِتَرْكِ مُوَالَاتِهِمْ اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ صَادِقِيْنَ فِيْ اِيْمَانِكُمْ وَ الَّذِيْنَ اِذَا نَادَيْتُمْ دَعَوْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ بِالْاَذَانِ اتَّخَذُوْهَا
اَيِ الصَّلٰوةَ هُزُوًا مَهْزُوًّا بِهٖ وَّ لَعِبًا ؕ بِاَنْ يَسْتَهْزِءُوْا بِهَا وَيَتَضَاحَكُوْا ذٰلِكَ الْاِتِّخَاذُ بِاَنَّهُمْ بِسَبَبِ اَنَّهُمْ
قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَنَزَلَ لَمَّا قَالَتِ الْيَهُوْدُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْ تُؤْمِنُ مِنَ الرُّسُلِ فَقَالَ بِاللّٰهِ
وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا الْاٰيَةُ فَلَمَّا ذَكَرَ عِيْسٰى قَالُوْا لَا نَعْلَمُ دِيْنًا شَرًّا مِنْ دِيْنِكُمْ قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ
تُنْكِرُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ اِلَى الْاَنْبِيَاءِ وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ
فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ عَطْفٌ عَلٰى اَنْ اٰمَنَّا الْمَعْنٰى مَا تُنْكِرُوْنَ اِلَّا اِيْمَانَنَا وَ مُخَالَفَتَكُمْ فِيْ عَدَمِ قُبُوْلِهٖ الْمُعَبَّرِ عَنْهُ
بِالْفِسْقِ اللَّازِمِ عَنْهُ وَلَيْسَ هٰذَا مِمَّا يُنْكَرُ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ اُخْبِرُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ اَهْلِ ذٰلِكَ الَّذِيْ تَنْقِمُوْنَهٗ
مَثُوْبَةً ثَوَابًا بِمَعْنٰى جَزَاءً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ هُوَ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ اَبْعَدَهٗ عَنْ رَحْمَتِهٖ وَ غَضِبَ عَلَيْهِ وَ جَعَلَ
مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِيْرَ بِالْمَسْخِ وَ مَنْ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ الشَّيْطَانَ بِطَاعَتِهٖ وَ رَاعٰى فِيْ مِنْهُمْ
مَعْنٰى مَنْ وَفِيْمَا قَبْلَهٗ لَفْظَهَا وَهُمُ الْيَهُوْدُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ بَاءِ عَبُدَ وَاِضَافَتُهٗ اِلٰى مَا بَعْدَهٗ اِسْمُ جَمْعٍ لِعَبْدٍ وَ
نَصْبُهٗ بِالْعَطْفِ عَلَى الْقِرَدَةِ، اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا تَمْيِيْزٌ لِاَنَّ مَاْوٰهُمُ النَّارُ وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾
طَرِيْقِ الْحَقِّ وَاَصْلُ السَّوَاءِ الْوَسَطُ وَذِكْرُ شَرٍّ وَاَضَلُّ فِيْ مُقَابَلَةِ قَوْلِهِمْ لَا نَعْلَمُ دِيْنًا شَرًّا مِنْ دِيْنِكُمْ وَ اِذَا
جَآءُوْكُمْ اَيْ مُنَافِقُوا الْيَهُوْدِ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ قَدْ دَّخَلُوْا اِلَيْكُمْ مُتَلَبِّسِيْنَ بِالْكُفْرِ وَ هُمْ قَدْ خَرَجُوْا مِنْ
عِنْدِكُمْ مُتَلَبِّسِيْنَ بِهٖ ؕ وَلَمْ يُؤْمِنُوْا وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾ مِنَ النِّفَاقِ وَ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ اَيْ

الْيَهُوْدَ يُسَارِعُوْنَ يَقَعُوْنَ سَرِيْعًا فِى الْاِثْمِ الْكَذِبِ وَ الْعُدْوَانِ الظُّلْمِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ الْحَرَامَ
كَالرُّشٰى لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾ عَمَلُهُمْ هٰذَا لَوْ لَا هَلَّا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ مِنْهُمْ عَنْ
قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ الْكَذِبَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾ تَرْكَ نَهْيِهِمْ وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَمَّا
ضِيْقَ عَلَيْهِمْ بِتَكْذِيْبِهِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ اَنْ كَانُوْا اَكْثَرَ النَّاسِ مَالًا يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ
مَقْبُوْضَةٌ عَنْ اِدْرَارِ الرِّزْقِ عَلَيْنَا كَنَوْا بِهٖ عَنِ الْبُخْلِ تَعَالٰى عَنْ ذٰلِكَ قَالَ تَعَالٰى غُلَّتْ اُمْسِكَتْ اَيْدِيْهِمْ
عَنْ فِعْلِ الْخَيْرَاتِ دُعَاءٌ عَلَيْهِمْ وَ لُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ مُبَالَغَةٌ فِى الْوَصْفِ بِالْجُوْدِ
ثُنِّيَ الْيَدُ لِاِفَادَةِ الْكَثْرَةِ اِذْ غَايَةُ مَا يَبْذُلُهُ السَّخِيُّ مِنْ مَالِهٖ اَنْ يُعْطِيَ بِيَدَيْهِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ مِنْ
تَوْسِيْعٍ وَتَضْيِيْقٍ لَا اعْتِرَاضَ عَلَيْهِ وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ طُغْيَانًا
وَّ كُفْرًا ؕ لِكُفْرِهِمْ بِهٖ وَ اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ فَكُلُّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ تُخَالِفُ
الْاُخْرٰى كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَيْ لِحَرْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ اَيْ كُلَّمَا
اَرَادُوْهُ رَدَّهُمْ وَ يَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ اَيْ مُفْسِدِيْنَ بِالْمَعَاصِيْ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ
الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾ بِمَعْنٰى اَنَّهٗ يُعَاقِبُهُمْ وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا بِمُحَمَّدٍ وَ اتَّقَوْا الْكُفْرَ لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ
سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ بِالْعَمَلِ بِمَا فِيْهِمَا وَمِنْهُ
الْاِيْمَانُ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِنَ الْكُتُبِ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ
مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ بِاَنْ يُوَسِّعَ عَلَيْهِمُ الرِّزْقَ وَيُفِيْضَ مِنْ كُلِّ جِهَةٍ مِنْهُمْ اُمَّةٌ جَمَاعَةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ
تَعْمَلُ بِهٖ وَهُمْ مَنْ اٰمَنَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِهٖ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ
بِئْسَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ ع

ع ۹ ۱۰ ۱۳

ترجمہ: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو جن لوگوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے (هُزُوًا مهزوًا به
ہے یعنی مصدر بمعنی مفعول ہے اور من بیانیہ ہے یعنی جن کو تم سے کتاب دی گئی ان کو اور دوسرے کافروں کو یعنی مشرکوں کو

دوست نہ بناؤ (لفظ کفار جر کے ساتھ قراءت ہے اس صورت میں عطف ہوگا مِّنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ پر ای من الذین اوتو الکتاب وَ مِنَ الْكُفَّارَ جمہور کی قراءت نصب کے ساتھ ہے اس صورت میں عطف ہوگا اور پر کے الذین پر جو لا تتخذوا کا مفعول اول ہے جس کا مفعول ثانی اولیاء ہے عبارت ہو گی لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا والعباد واکا لکفار اولیاء) وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ سے ڈرو (یعنی ان سب کی دوستی چھوڑو) اگر تم ایماندار ہو (اپنے ایمان میں سچے ہو) وَاِذَا نَادَيْتُمْ اور جب تم نماز کے لیے اذان دیتے ہو (یعنی جب تم نماز کے طرف بلاتے ہو (اذان کے ذریعہ) تو وہ لوگ اس (نماز) کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں (هُزُوًا بمعنی مهزوا به ہے اور لَعِبًا بمعنی کھلونا ہے یعنی اس نماز اور اذان کا مذاق اڑاتے ہیں اور آپس میں ہنستے ہیں) یہ الْاِتِّخَاذُ (استہزاء) اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ بے عقل ہیں۔ قول المفسر: ونزل لَمَّا قال الْيَهُوْدُ حضرت مفسرؒ اگلی آیت کے شان نزل کے طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ جب یہود نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ رسولوں میں سے کن پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے وہ آیت تلاوت فرمائی مطلب یہ ہے کہ سورہ بقرہ کی یہ آیت تلاوت فرمائی اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ .... جب آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا تو یہود کہنے لگے پھر تو تمہارے دین سے بدتر ہم کسی کو نہیں جانتے، تو نازل ہوا) قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ آپ کہہ دیجیے کہ اہل کتاب تم نہیں بیر رکھتے ہو ہم سے (تم نہیں انکار کرتے ہو ہم سے) مگر یہ کہ ہم ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس کتاب پر جو ہماری طرف نازل کی گئی اور ان کتابوں پر بھی جو اس سے پہلے نازل ہوئیں (انبیاء سابقین پر) اور یہ کہ تم کے اکثر بدکار ہیں (واؤ عاطفہ ہے معنی یہ ہیں کہ تم صرف ہمارے ایمان کو ناپسند کرتے ہو اور تم سے ہماری مخالفت ایمان قبول نہ کرنے کی وجہ سے ہے، جس کو فسق سے تعبیر کیا گیا ہے) جو لازم ہے ایمان نہ قبول کرنے کو حالانکہ یہ باتیں انکار کے قابل نہیں ہیں) قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ آپ کہہ دیجئے کیا میں تمہیں بتلا دوں (تمہیں خبر دوں) جو خدا کے نزدیک باعتبار ثواب (جزاء) کے اس سے جس کو تم عیب لگاتے ہو) زیادہ برے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے یہاں برابر بدلہ ملے گا) وہ وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی (اپنی رحمت سے دور کر دیا) اور ان پر غضب نازل کیا اور ان میں سے بعضوں کی بندر اور بعضوں کو سوّر بنا دیا (مسخ کر کے) اور (وہ ہیں) جنہوں نے طاغوت (شیطان) کی پرستش کی (یعنی شیطان کی اطاعت کی، لفظ مِنْهُمُ یعنی جمع کی ضمیر مَّنْ کے معنی کی رعایت ہے اور اس کے ماقبل میں یعنی لَّعَنَهُ اور وَ غَضِبَ عَلَيْهِ میں لفظ مَنْ کی رعایت ہے اور اس معلون اور مغضوب سے مراد یہود ہیں، اور ایک قراءت میں لفظ عَبَدَ باء کے ضمہ کے ساتھ ہے اور ما بعد یعنی طاغوت کے طرف اضافت ہے اس صورت میں طاغوت پر کسرہ ہوگا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے اور عبد کا اسم جمع ہوگا اور عبد کا نصب قردہ پر عطف کی وجہ سے ہے) اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا ایسے لوگ مکان و مقام کے اعتبار سے بہت برے ہیں (کیونکہ ان کا ٹھکانا یعنی مکان دوزخ ہے (مکانا تمیز ہے) وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ اور وہ راست سے (یعنی حق راستہ سے) بالکل بھٹکے ہوئے ہیں اور راہ راست سے (یعنی حق راستہ سے بالکل بھٹکے ہوئے ہیں۔ (سواء کے اصل معنی وسط کے ہیں اور لفظ اَضَلُّ کا ذکر ان کے قول لَا نَعْلَمُ دِيْنًا شَرًّا مِنْ دِيْنِكُمْ کے مقابلہ میں

ہے) اور جب یہ لوگ (منافقین یہود) تم لوگوں کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں،، حالانکہ وہ آئے (تمہارے مجلس میں درانحالیکہ وہ آلودہ تھے) کفر کے ساتھ (مفسرؒ نے مُتَلَبِّسِيْنَ کی تقدیر سے اشارہ کیا ہے کہ بِالْكُفْرِ جار مجرور مل کر دَخَلُوْا کے فاعل سے حال ہو رہا ہے اور وہ لوگ چلے گئے (تمہاری مجلس سے درانحالیکہ آلودہ تھے) کفر کے ساتھ (اور ایمان نہیں لائے) اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جو کچھ چھپائے رکھتے ہیں (یعنی نفاق) وَتَرٰی كَثِيْرًا مِّنْهُمْ اور آپ ان (یہودیوں) میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھیں گے کہ دوڑتے ہیں (جلدی گرے پڑتے ہیں) گناہ (جھوٹ بولنے) میں ظلم (وزیادتی) میں اور اپنی حرام خوری میں (جیسے رشوت) البتہ بہت ہی برے ہیں (ان یہ عمل) جو وہ کر رہے ہیں (یہ حال ان کے عوام کا تھا اب آگے ان کی خواص کا حال بیان کرتے ہیں) لَوْلَا کیوں نہیں منع کرتے ہیں ان کو (لَوْلَا حرف زجر ہے بمعنی هَلَّا) ان کے مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے (یعنی جھوٹ بولنے سے) اور حرام کھانے سے، یقیناً برا ہے وہ کام جو یہ (مشائخ وعلماء) کر رہے ہیں (یعنی ترک نہی اور وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ یہود (بے یہود) نے کہا اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے (جب ان یہودیوں پر تنگدستی مسلط ہوئی آنحضور نبی اکرم ﷺ کی تکذیب کی وجہ سے، حالانکہ پہلے یہ لوگ بڑے مالدار تھے تو بنی قینقاع کے سردار مخاص بن عاص درراع جو بڑا مالدار یہودی تھا اور نباش بن قیس نے کا اللہ کا ہاتھ بند ہوگیا ہے ان ای مَقْبُوْضَةٌ عَنْ اِدْرَارِ الرِّزْقِ یعنی ہم پر روزی برسانے اور جاری رکھنے سے رک گیا ہے اس سے ان لوگوں نے بخل سے کنایہ کیا یعنی اللہ تعالیٰ بخیل ہوگئے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ انہی کے ہاتھ بندھ گئے ہیں (نیکیاں کرنے سے ان کے ہاتھ روک گئے ہیں، یہ جملہ ان لوگوں پر بطور بددعاء ہے) اور اپنے اس (گستاخانہ) قول کی وجہ سے خدا کی رحمت سے دور کردیئے گئے بلکہ ان کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں (وصف سخاوت میں مبالغہ ہے یہاں لفظ ید کو تثنیہ لایا گیا افادہ کے لیے، کیونکہ جب سخی انتہاء درجہ پر اپنا مال دیتا ہے تو دونوں ہاتھوں سے دیتا ہے، وہ غایت درجہ کریم ہیں) يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں (یعنی وسعت وکشادگی، تنگی وتنگدستی جب چاہتے کرتے ہیں کسی کو ان پر اعتراض کا حق نہیں، وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ اور وہ قرآن جو آپ کے پروردگار کے طرف سے آپ اتارا گیا ہے وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر میں ترقی کا سبب بنجاتا ہے (ان لوگوں کے انکار قرآن کی وجہ سے مطلب یہ ہے کہ جب قرآن کی کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو وہ اس کا انکار کردیتے ہیں جس سے ان کی سابق کفر میں ایک اور جدید کفر کا اضافہ ہوتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (سورہ بنی اسرائیل) وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ اور ہم نے (یہود ونصاریٰ) درمیان قیامت تک بغض وعداوت ڈال دیا ہے (چنانچہ ان میں سے ہر فرقہ دوسرے کی مخالفت کرتا ہے) جب کبھی بھی وہ (نبی اکرم ﷺ سے جنگ کے لیے) لڑائی کی آگ سلگاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو بجھا دیتے ہیں (یعنی جب بھی انہوں نے جنگ کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو ناکام کردیا اپنے دین و پیغمبر کو نصرت فرمادی) اور یہ لوگ زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں (گناہوں کے ذریعہ فساد پھیلاتے پھرتے ہیں

مثلاً پیغمبر اعظم ﷺ کے خلاف طرح طرح کی سازشیں اور دین اسلام کے مٹانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے (یعنی ان کو سزا دیں گے) اور اگر یہ اہل کتاب (محمد ﷺ پر) ایمان لے آتے اور (کفر سے) پرہیز کرتے تو ہم ضرور ان کے گناہوں کو ان سے معاف کر دیتے اور ضرور ان کو نعمت کے باغوں میں داخل کرتے، اور اگر یہ لوگ توریت وانجیل کو قائم رکھتے (یعنی توریت وانجیل میں جو احکام ہیں ان پر پورا عمل کرتے، ان ہی احکام میں سے ایک حکم نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانا بھی ہے) اور (کتابوں میں سے) ان کو بھی (قائم رکھتے) جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے طرف نازل کی گئیں (مثلاً زبور وغیرہ، مذکورہ بالا تفسیر علامہ سیوطیؒ کے طرز پر لکھی گئی لیکن اکثر مفسرؒ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ سے مراد قرآن پاک لیتے ہیں کیونکہ پاک دائمی اور ادبی ہونے کے ساتھ ساتھ عالمگیر وہمہ گیر ہے یعنی سب کے لیے ہے) لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ تو یہ لوگ بلاشبہ اپنے اوپر سے اور اپنے پیروں کے نیچے سے بھی کھاتے (کہ اللہ تعالیٰ ان پر رزق وسیع کر دیتا اور ہر طرف سے رزق کا فیضان ہوتا ہی یعنی آسمان سے پانی برستا ہے اور زمین سے خوب پیداوار ہوتی اور یہ لوگ انتہائی خوشحال ہو جاتے اور خوب فراغت سے کھاتے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور ممنوعات سے بچتے تو ہم آسمان اور زمین سے ان کے لیے برکتوں کے دروازے کھول دیتے) مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ان میں سے ایک گروہ (جماعت) راہ راست پر چلنے والا ہے (جو اس پر عمل کرتے ہیں مراد وہ لوگ ہیں جو نبی اکرم ﷺ پر ایمان لائے جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے رفقاءؓ) وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ اور اکثر ان میں سے وہ ہیں جو برے کام کرتے ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: هُزُوًا: اس سے اشارہ کیا کہ مصدر بمعنی مفعول ہے۔

قوله: صَادِقِيْنَ: ایمان سے یہاں مراد سچائی والا ایمان ہے اور نداء میں مطلق ہے۔

قوله:: اس سے اشارہ کر دیا کہ جملہ ظرفیہ کا عطف جملہ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ پر ہے نہ کہ شرطیہ پر۔

قوله: عَلٰى اَنْ اٰمَنَّا: علت محذوفہ پر نہیں۔

قوله: مُخَالَفَتُكُمْ: اشارہ کیا کہ مستثنیٰ دونوں امور کا لازمہ ہے اور وہ مخالفت ہے۔

قوله: اَهْلِ: مضاف کو مقدر مانا کیونکہ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور وہ ھو ہے۔

قوله: ثَوَابًا: مَثُوْبَةً یہ مصدر میمی ہے، ظرف نہیں۔

قوله: هُوَ: اشارہ کیا کہ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، شَرٌّ سے بدل نہیں۔

قوله: مَنْ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ: یہ اشارہ دیا کہ اس کا عطف من کے صلہ پر ہے خود من پر نہیں۔

قوله: لِاَنَّ: اس میں ان کی شرارت کو ذکر کیا، شرارت مکان قرار دیا حالانکہ وہ اہل مکان شرارت ہے تو درحقیقت اس سے شرارت میں مبالغہ ظاہر کرنا ہے۔

قوله: يَقَعُوْنَ: سرعت سے مراد گناہ کو جلدی سے شروع کرنا ہے، فعل کذب میں سرعت مراد نہیں۔

قوله: عَمَلَهُمْ: مَا مصدریہ ہے موصولہ نہیں۔

قوله: هلَّا: اشارہ کیا کہ لولا یہاں تحضیض کے لیے وجود غیر کی وجہ سے انتفاء کے معنی کے لیے نہیں۔

قوله: كَنَوْابِه عَنِ الْبُخْلِ: یعنی بسط وغل ید یہ جود وبخل سے مجاز ہے۔

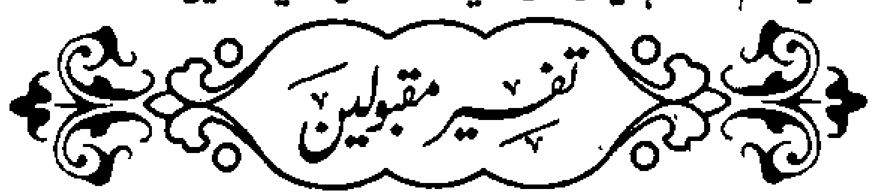
قوله: ثُنِيَ الْيَدُ: اس آیت میں: بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ اعلیٰ مراتب جود سے ان کے قول کی بلیغ تردید مقصود ہے۔

قوله: لِكُفْرِهِمْ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ حذف مضاف کی قسم سے ہے۔ای کفر ما انزل۔ جیسا فرمایا: رجسا الی رجسهم۔

قوله: مُفْسِدِيْنَ: یعنی فساداً یہ حالیت کی وجہ سے منصوب ہے، مفعول لہ نہیں۔

قوله: بِاَنْ يُوَسِّعَ: یہ توسیع کی تعبیر ہے جیسا کہتے ہیں: فلان فی النعمه من قرنه الی قدمه۔

قوله: وَهُمْ مَنْ اٰمَنَ: یہ مقام مدح ہے یہ معنی نہیں کہ یہ عداوت میں درمیانے ہیں۔



يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا....

شانِ نزول: ابن عباس فرماتے ہیں کہ رفاعہ بن زید اور سوید بن الحارث نے اولاً اسلام ظاہر کیا پھر منافق ہو گئے اور مسلمانوں میں چند افراد ان سے دوستی اور محبت رکھتے تھے تو اللہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

(طبری 6_187، زاد المسیر 2_385، قرطبی 6_223)

گذشتہ آیات میں مسلمانوں کو موالات کفار سے منع فرمایا تھا اس آیت میں ایک خاص موثر عنوان سے اسی ممانعت کی تاکید کی گئی اور موالات سے نفرت دلائی گئی ہے ایک مسلمان کی نظر میں کوئی چیز اپنے مذہب سے زیادہ معظم ومحترم نہیں ہو سکتی لہٰذا اسے بتایا گیا کہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین تمہارے مذہب پر طعن واستہزاء کرتے ہیں اور شعائر اللہ (اذان وغیرہ) کا مذاق اڑاتے ہیں اور جو ان میں خاموش ہیں وہ بھی ان افعال شنیعہ کو دیکھ کر اظہار نفرت نہیں کرتے بلکہ خوش ہوتے ہیں کفار کی ان احمقانہ اور کمینہ حرکات پر مطلع ہو کر کوئی فرد مسلم جس کے دل میں خشیت الٰہی اور غیرت ایمانی کا ذرا سا شائبہ ہو کیا ایسی قوم سے موالات اور دوستانہ راہ ورسم پیدا کرنے یا قائم رکھنے کو ایک منٹ کے لیے گوارا کرے گا اگر ان کے کفر وعناد اور عداوت اسلام سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو دین قیم کے ساتھ ان کا یہ تمسخر واستہزاء ہی علاوہ دوسرے اسباب کے ایک مستقل سبب ترک موالات کا ہے۔

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ....

یہ اشارہ ہے دو قصوں کی طرف ایک یہ کہ جب اذان ہوتی اور مسلمان نماز شروع کرتے تو یہود کہتے کہ یہ کھڑے ہوتے ہیں خدا کرے کبھی کھڑا ہونا نصیب نہ ہو اور جب ان کو رکوع سجدہ کرتے دیکھتے تو ہنستے اور تمسخر کرتے دوسرا قصہ یہ کہ مدینہ میں ایک نصرانی تھا جب اذان میں سنتا اشہد ان محمداً رسول اللہ تو کہتا جل جائے ایک شب ایسا اتفاق ہوا کہ وہ اور اس کے اہل وعیال سب سو رہے تھے کوئی خادم گھر میں آگ لے کر گیا ایک چنگاڑی گر پڑی اور وہ اس کا گھر اور گھر والے سب جل گئے یہ تو الذین اتوا الکتاب کے مصداق تھے اور الکفار کے مصداق کا ایک قصہ یہ ہوا کہ رفاعہ بن زید بن تابوت و رسوید بن الحارث نے منافقانہ اظہار اسلام کیا تھا یعنی بعض مسلمان ان سے اختلاط رکھتے تھے ان سب واقعات پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (بیان القرآن)

قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّا....

کسی کام پر طعن کرنا یا ہنسی اڑانا دو وجہ سے ہو سکتا ہے یا تو وہ کام ہی قابل استہزاء ہو یا کام کرنے والے کی حالت تمسخر کے لائق ہو پچھلی آیت میں بتلا دیا گیا کہ اذان کوئی ایسی چیز نہیں جس پر بجز پرلے درجہ کے احمق اور خفیف العقل کے کوئی شخص طعن یا استہزاء کر سکے۔ اس آیت میں اذان دینے والوں کے مقدس حالات پر بعنوان سوال متنبہ کیا گیا ہے یعنی استہزاء کرنے والے جو خیر سے اہل کتاب اور عالم شرائع ہونے کا بھی دعویٰ رکھتے ہیں وہ ذرا سوچ کر انصاف سے بتائیں کہ مسلمانوں سے ان کو اتنی ضد کیوں ہے اور کیا ایسی برائی وہ ہماری طرف دیکھتے ہیں جو ان کے زعم میں لائق استہزاء ہو بجز اس کے کہ ہم اس خدائے وحدہ لاشریک لہ، پر اور اس کی اتاری ہوئی تمام کتابوں اور اس کے بھیجے ہوئے تمام پیغمبروں پر صدق دل سے ایمان رکھتے ہیں۔ اور اس کے بالمقابل استہزاء کرنے والوں کا حال یہ ہے کہ نہ خدا کی سچی اور صحیح توحید پر قائم ہیں اور نہ تمام انبیاء و رسل کی تصدیق و تکریم کرتے ہیں۔ اب تم ہی انصاف سے کہو کہ انتہا درجہ کے نافرمان کو خدا کے فرمانبردار بندوں پر آوازہ کسنے اور طعن و تشنیع کرنے کا کہاں تک حق حاصل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا....

یہاں ان ہی استہزاء کرنے والوں کے بعض مخصوص افراد کا بیان ہے جو غائبانہ تو مذہب اسلام پر طعن و تشنیع کرتے اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے، لیکن جب نبی کریم ﷺ یا مخلص مسلمانوں سے ملتے تو از راہ نفاق اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے حالانکہ شروع سے آخر تک ایک منٹ کے لیے بھی انہیں اسلام سے تعلق نہیں ہوا نہ پیغمبر ﷺ کے ربانی وعظ و تذکیر کا کوئی اثر انہوں نے قبول کیا۔ کیا محض لفظ ایمان و اسلام زبان سے بول کر وہ خدا کو معاذ اللہ دھوکا دے سکتے ہیں۔ اگر اس عالم الغیب والشہادۃ کی نسبت جو ہر قسم کے ضمائر و سرائر پر مطلع ہے۔ ان کا گمان یہ ہو کہ محض لفظی ایمان سے اسے خوش کر لیں گے تو اس سے بڑھ کر کونسی حرکت قابل استہزاء و تمسخر ہو سکتی ہے۔ گویا اس آیت سے یہود و نصاریٰ کے ان مضحکہ انگیز افعال و حرکات کا بیان شروع ہوا جن پر متنبہ کئے جانے کے بعد مسلمانوں کا استہزاء کرنے کے بجائے انہیں خود اپنا استہزاء کرنا چاہیے۔

لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ....

جب خدا کسی قوم کو تباہ کرتا ہے تو اس کی عوام گناہوں اور نافرمانیوں میں غرق ہو جاتے ہیں اور اس کے خواص یعنی درویش اور علماء گونگے شیطان بن جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل کا حال یہی ہوا کہ لوگ عموماً دنیاوی لذات و شہوات میں منہمک ہو کر خدا تعالیٰ کی عظمت و جلال اور اس کے قوانین و احکام کو بھلا بیٹھے۔ اور جو مشائخ اور علماء کہلاتے تھے انہوں نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کر دیا۔ کیونکہ دنیا کی حرص اور اتباع شہوات میں وہ اپنے عوام سے بھی آگے تھے۔ مخلوق کا خوف یا دنیا کا لالچ حق کی آواز بلند کرنے سے مانع ہوتا تھا۔ اسی سکوت اور مداہنت سے پہلی قومیں تباہ ہوئیں۔ اسی لیے امت محمدیہ کو قرآن و حدیث کی بیشمار نصوص میں بہت ہی سخت تاکید و تہدید کی گئی ہے کہ کسی وقت اور کسی شخص کے مقابلہ میں اس فرض امر بالمعروف کے ادا کرنے سے تغافل نہ برتیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ ....

معالم التنزیل ج ۲ ص ۵۰ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کو بہت مال دیا تھا، جب انہوں نے اللہ تعالیٰ اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی تو اللہ پاک نے جو مال و دولت دیا تھا اور بڑی مقدار میں جو پیداوار ہوتی تھی اس کو روک دیا، اس پر فخاص نامی ایک یہودی نے یہ بات کہی کہ اللہ کا ہاتھ خرچ کرنے سے بند ہو گیا، کہا تو تھا ایک ہی شخص نے لیکن دوسرے یہودیوں نے چونکہ اسے اس کلمہ سے نہیں روکا اور اس کی بات کو پسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اس میں شامل کر دیا اور اس بات کو یہود کا قول قرار دیدیا۔

ان کی تردید فرماتے ہوئے اوّل تو یہ فرمایا کہ (غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ) کہ خود یہودیوں کے ہاتھ خیر خیرات سے رکے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی فرمایا کہ ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ جميعَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ ولا تَكْتُمْ شيئًا منه خوفًا ان تُنالَ بمكروهٍ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ اى لم تُبلِّغْ جميعَ ما اُنزلَ اليك فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ بالافرادِ والجمعِ لانّ كتمانَ بعضِها كَكتمانِ كُلِّها وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ ان يقتلوك وكان النبىُّ صلى الله عليه وسلم يُحرَسُ حتى نزلتْ فقال انصرِفوا عنّى فقد عصمَنى اللهُ تعالى رواه الحاكمُ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَىْءٍ من الدِّينِ معتدٍّ به حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ بانْ تعملوا بما فيه ومنه الايمانُ بى وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ من القرآنِ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ لكفرِهم به فَلَا تَاْسَ تحزنْ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ان لم يؤمنوا بك اى لا تهتمَّ بهم اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا هم اليهودُ مبتدأٌ وَالصّٰبِئُوْنَ فرقةٌ منهم وَ

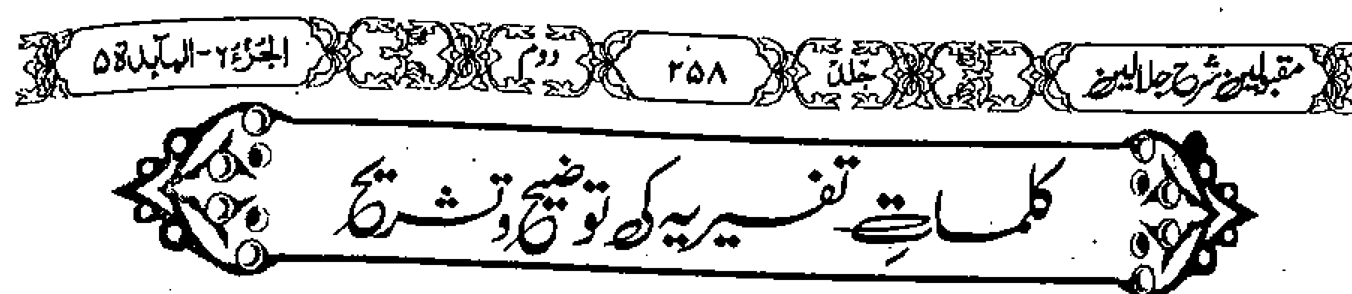
النّصٰرٰی وَیُبْدَلُ مِنَ الْمُبْتَدَاءِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا
هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾ فِی الْاٰخِرَةِ خَبَرُ الْمُبْتَدَاءِ وَدَالٌّ عَلٰی خَبَرِ اِنَّ لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلَی
الْاِیْمَانِ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمْ رُسُلًا ط كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ ۢ مِنْهُمْ بِمَا لَا تَهْوٰٓی اَنْفُسُهُمْ لا
مِنَ الْحَقِّ كَذَّبُوْهُ فَرِیْقًا مِنْهُمْ كَذَّبُوْا وَفَرِیْقًا مِنْهُمْ یَقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾ كَزَكَرِیَّا وَیَحْیٰی وَالتَّعْبِیْرُ بِهٖ دُوْنَ قَتَلُوْا
حِكَایَةٌ لِلْحَالِ الْمَاضِیَةِ لِلْفَاصِلَةِ وَحَسِبُوْٓا ظَنُّوا اَلَّا تَكُوْنَ بِالرَّفْعِ فَاِنْ مُخَفَّفَةٌ وَالنَّصْبِ فَهِیَ نَاصِبَةٌ اَیْ
تَقَعُ فِتْنَةٌ عَذَابٌ بِهِمْ عَلٰی تَكْذِیْبِ الرُّسُلِ وَقَتْلِهِمْ فَعَمُوْا عَنِ الْحَقِّ فَلَمْ یُبْصِرُوْهُ وَصَمُّوْا عَنِ
اسْتِمَاعِهٖ ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ لَمَّا تَابُوْا ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا ثَانِیًا كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ ط بَدَلٌ مِنَ الضَّمِیْرِ وَاللّٰهُ
بَصِیْرٌ ۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ فَیُجَازِیْهِمْ بِهٖ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ ط سَبَقَ مِثْلُهٗ
وَقَالَ لَهُمُ الْمَسِیْحُ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ط فَاِنِّیْ عَبْدٌ وَلَسْتُ بِاِلٰهٍ اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ
بِاللّٰهِ فِی الْعِبَادَةِ غَیْرَهٗ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ مَنَعَهٗ اَنْ یَدْخُلَهَا وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ط وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ
زَائِدَةٌ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾ یَمْنَعُوْنَهُمْ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ اٰلِهَةٍ ثَلٰثَةٍ م اَیْ وقف لازم
اَحَدُهَا وَالْاٰخَرَانِ عِیْسٰی وَاُمُّهٗ وَهُمْ فِرْقَةٌ مِنَ النَّصَارٰی وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط وَاِنْ لَّمْ یَنْتَهُوْا
عَمَّا یَقُوْلُوْنَ مِنَ التَّثْلِیْثِ وَلَمْ یُوَحِّدُوْا لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اَیْ ثَبَتُوْا عَلَی الْكُفْرِ مِنْهُمْ عَذَابٌ
اَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ مُؤْلِمٌ هُوَ النَّارُ اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰهِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ط مِمَّا قَالُوْهُ اِسْتِفْهَامُ تَوْبِیْخٍ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
لِمَنْ تَابَ رَّحِیْمٌ ﴿۷۴﴾ بِهٖ مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مَضَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط فَهُوَ
یَمْضِیْ مِثْلَهُمْ وَلَیْسَ بِاِلٰهٍ كَمَا زَعَمُوْا وَاِلَّا لَمَا مَضٰی وَاُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ ط مُبَالَغَةٌ فِی الصِّدْقِ كَانَا
یَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ط كَغَیْرِهِمَا مِنَ الْحَیَوَانَاتِ وَمَنْ كَانَ كَذٰلِكَ لَا یَكُوْنُ اِلٰهًا لِتَرْكِیْبِهٖ وَضُعْفِهٖ وَمَا یَنْشَاُ
مِنْهُ مِنَ الْبَوْلِ وَالْغَائِطِ اُنْظُرْ مُتَعَجِّبًا كَیْفَ نُبَیِّنُ لَهُمُ الْاٰیٰتِ عَلٰی وَحْدَانِیَّتِنَا ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰی كَیْفَ
یُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾ یُصْرَفُوْنَ عَنِ الْحَقِّ مَعَ قِیَامِ الْبُرْهَانِ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَیْ غَیْرِهٖ مَا لَا یَمْلِكُ

لَکُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ؕ وَ اللّٰہُ ھُوَ السَّمِیْعُ لِاَقْوَالِکُمْ الْعَلِیْمُ ﴿۷۶﴾ بِاَحْوَالِکُمْ وَالْاِسْتِفْھَامُ لِلْاِنْکَارِ قُلْ
یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ الْیَھُوْدِ وَالنَّصَارٰی لَا تَغْلُوْا تَجَاوَزُوا الْحَدَّ فِیْ دِیْنِکُمْ غُلُوًّا غَیْرَ الْحَقِّ بِاَنْ تَضَعُوْا عِیْسٰی
اَوْ تَرْفَعُوْہُ فَوْقَ حَقِّہٖ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَھْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ بِغُلُوِّھِمْ وَھُمْ اَسْلَافُھُمْ وَ اَضَلُّوْا کَثِیْرًا
مِنَ النَّاسِ وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ﴿۷۷﴾ طَرِیْقِ الْحَقِّ وَالسَّوَاءُ فِی الْاَصْلِ الْوَسْطُ ع ۱۱/۱۴

ترجمہ: اے رسول جو کچھ آپ کے پروردگار کے طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے (سب) پہنچا دیجئے اس خوف سے کہ اس کی وجہ سے موٹی پریشانی تم کو لاحق ہوگی اس میں سے کچھ مت چھپاؤ (اور اگر وہ تمام احکام جو آپ کی طرف سے آپ کے رب کی جانب سے نازل کئے گئے آپ نے نہیں پہنچایا) تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام (بالکل) نہیں پہنچایا۔ لفظ رِسَالَتَہٗ افراد کے ساتھ یعنی مفرد رِسَالَتَہٗ جمہور کی قراءت ہے اور ایک قراءت جمع کرنے کے ساتھ رِسَالَتَہٗ ہے کیونکہ بعض احکام کا چھپانا ایسا ہی ہے جیسے تمام احکام کا چھپانا جیسے نماز کے بعض ارکان ادا نہ کرنے سے پوری نماز بیکار ہو جاتی ہے) اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھیں گے (اس بات سے کہ وہ مخالفین آپ کو قتل کر دیں اور نبی اکرم ﷺ چوکیدار رکھے تھے جو رات کو حضور اکرم ﷺ کا پہرہ دیتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ؕ، تو آپ نے لوگوں سے کہہ دیا میرے پاس واپس سے چلے جاؤ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کر دی ہے رواہ الحاکم۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی یقیناً اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو راہ نہ دیں گے۔ قُلْ یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ آپ (یہودیوں سے) کہ اہل کتاب تم کسی راہ پر نہیں ہو (یعنی کسی ایسے دین پر نہیں جسکا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعتبار ہو اور ظاہر ہے کہ غیر معتبر دراہ پر ہونا مثل بے راہی کے ہے) جب تک کہ تم توریت اور انجیل کی اور اس کتاب کیجو (اب) تمہاری طرف (بواسطہ رسول اللہ) تمہارے پروردگار کے طرف سے نازل کی گئی ہے پابندی نہ کرو (اس طرح کہ جو کچھ احکام اس میں ہیں سب پر عمل کرو اور اس میں سے ایک حکم مجھ پر ایمان لانا بھی ہے) اور البتہ جو مضمون آپ کے پروردگار کے طرف نازل کیا گیا ہے (یعنی قرآن) ضرور ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کو زیادہ کر دیتا ہے (ان لوگوں کے اس قرآن پاک کا انکار کرنے کی وجہ سے) پس آپ ان کافر لوگ پر افسوس (اور غم) نہ کیا کیجئے (اگر یہ لوگ پر ایمان نہ لائیں یعنی ان لوگوں کی وجہ سے آپ غمگین نہ ہوں) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تحقیق جو لوگ ایمان لائے ہی (ظاہری طور پر مسلمان کلاتے ہیں) اور جو لوگ یہودی بنے ہیں (الَّذِیْنَ ھَادُوْا سے مراد یہود ہیں اور یہ مبتدا ہے) اور جو لوگ صابی ہیں (صائبین یہودیوں کا ایک فرقہ ہے) اور جو لوگ نصرانی ہیں (یہ مبتدا سے بدل ہے مطلب یہ ہے کہ الصّٰبِئُوْنَ اور النَّصٰرٰی دونوں معطوف بدل واقع ہو رہے ہیں مبتدا سے) جو لوگ (ان سب میں سے) اللہ پر ایمان لے آئیں (قانون شریعت کے مطابق دل سے) اور نیک عمل کریں تو ان پر (آخرت میں) نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ مفعول ہوں گے (یہ مبتدا مذکور کی خبر ہے اور اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کی خبر پر دال بھی ہے۔ واضح رہے کہ مفسر سیوطیؒ نے اِنَّ الَّذِیْنَ

اٰمَنُوْا کے اندر تراکیب مختلفہ میں سے ایک ترکیب کو اختیار کیا ہے اور یہ کہ ان حرف مشبہ بالفعل اور الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اس کا اسم ہے اور اس کی خبر محذوف ہے لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾ اس حذف پر یہ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾ دال ہے جو الَّذِيْنَ هَادُوْا کی خبر ہے۔ فافهم وانظر الی الحاشية۔ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بیشک ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا (اللہ) اور اسکے رسولوں پر ایمان لانے کا) اور ہم نے ان کے پاس (عہد کو یاد دلانے کے لئے) بہت سے پیغمبر بھیجے جب کبھی ان کے پاس (ان پیغمبروں میں سے) کوئی پیغمبر کوئی ایسا پیغام (یعنی حق پیغام) لے کر آیا جس کو ان کا جی نہ چاہتا تھا (تو انہوں نے اس کی تکذیب کی) بعضوں کو (ان پیغمبروں میں سے) جھوٹا بتلایا اور (ان پیغمبروں میں سے) بعضوں کو قتل کرنے لگے) جیسے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو اور يَقْتُلُوْنَ بصیغہ مضارع سے تعبیر کرنا بجائے قتلوا بصیغہ ماضی حکایت حال ماضیہ کے بطور ہے مطلب یہ ہے کہ حال گذشتہ کا استحضار ہو جائے اور اس طرف اشارہ بھی ہو جائے کہ ان کی یہ حرکت شنیعہ پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے جیسا کہ ۷ ھ میں حضور اقدس ﷺ کو خیبر میں زہر کا واقعہ شاہد ہے اور يَقْتُلُوْنَ میں فاصلہ یعنی آیات کا مقطع بھی ملحوظ ہے، یہاں لِلْفَاصِلَةِ میں واو عاطفہ محذوف ہے چونکہ یہ دوسری وجہ ہے) وَحَسِبُوْٓا اور ان لوگوں نے خیال کیا (گمان کر بیٹھے) کہ کوئی سزا نہ ہوگی (اَلَّا تَكُوْنَ میں ایک قراءت تَكُوْنُ رفع کے ساتھ ہے اس صورت میں ان مخففہ ہوگا جس کا اسم ضمیر شان محذوف ہوگا لا نافیہ ہوگا عبارت ہوگی انه تَكُوْنُ فِتْنَةٌ باقی قراء کے نزدیک تکون نصب کے ساتھ ہے اس صورت میں ان ناصبہ ہوگا اور تکون کا فاعل فِتْنَةٌ ہے بمعنی تقع اور فتنہ بمعنی عذاب، یعنی ان لوگوں نے یہ گمان کر لیا کہ ان کو پیغمبروں کے جھٹلانے اور قتل کرنے پر کوئی عذاب نہیں ہو گا) پس اندھے ہو گئے) حق سے چنانچہ انہوں نے حق کو نہیں دیکھا) اور بہرے ہو گئے (حق سننے سے) پھر (ایک مدت کے بعد جب یہ لوگ شرارتوں سے باز آئے اور تائب ہوئے تو اللہ نے ان پر توجہ فرمائی (جب یہ تائب ہوئے) پھر ان میں سے بہت لوگ اندھے بہرے ہوئے (یعنی دوبارہ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۚ عَمُوْا وَصَمُّوْا کی ضمیر سے بدل ہے اور یہ بدل البعض ہے اسلیے بعض تو ان میں سے مسلمان ہو گئے تھے) اور اللہ تعالیٰ خود دیکھ رہے ہیں جو کچھ یہ کر رہے ہیں (چنانچہ اس پر ان لوگوں کو سزا دیں گے) لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ بیشک کافر ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ ہی مسیح بن مریم ہے (اس جیسی آیت پہلے بھی گزر چکی ہے) حالانکہ مسیح بن مریم نے (ان سے) کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے (پس میں بندہ ہوں نہ کہ خدا) بلاشبہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک قرار دیگا (عبادت میں غیر اللہ کو شریک بنائیگا) بیشک اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے (یعنی جنت میں داخل ہونے سے روک دیا ہے) اور اسکا ٹھکانا دوزخ ہے اور ایسے ظالموں کے کوئی مددگار نہیں (کہ اللہ کی عذاب سے ان کو بچالیں۔ مِنَ النَّصَارِ میں مِنَ زائدہ ہے) لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ بلاشبہ وہ لوگ بھی کافر ہو گئے جنوں نے یہ کہا کہ اللہ تین (معبودوں) میں کا تیسرا ہے (یعنی اس تین میں کا ایک اللہ ہے اور دوسرے دو عیسیٰ اور ان کی والدہ۔ یہ بھی نصاریٰ کا ایک فرقہ ہے جو تین اقانیم (اصول) کے قائل ہیں اور تین سے مراد اس فرقہ کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ باپ اور عیسیٰ بیٹا اور مریم بیوی اور تینوں کا مجموعہ اللہ ہے) حالانکہ بجز ایک معبود (حق) کے اور کوئی

معبود (حق) نہیں اور یہ لوگ اپنے اقوال (کفریہ) سے باز نہ آئے (یعنی کفر پر جمے رہے ان کو ضرور دردناک عذاب پہونچے گا (دردناک دوزخ ہے) کیا پھر بھی یہ لوگ اللہ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں چاہتے (اس عقیدہ باطلہ سے جو انہوں نے کہا ہے، یہ استفہام توبیخی ہے) حالانکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں (جو شخص توبہ کرے) اور مہربان ہیں (اس پر) مسیح ابن مریم (عین خدا یا جزو خدا) کچھ بھی نہیں صرف ایک رسول ہی ان سے پہلے اور بھی پیغمبر گزر چکے ہیں (تو ان ہی کے طرح یہ بھی لوگ گزر جائیں گے وہ خدا نہیں جب کہ لوگوں نے گمان کیا ہے ورنہ یقیناً نہیں گزرتے) اور ان (مسیح) کی ماں صدیقہ تھیں (صدیقہ مبالغہ ہے صدق کا جس کے معنی ہیں سچائی میں کامل، مطلب یہ ہے کہ حضرت مریم اور عورتوں کی طرح ایک عورت تھی لیکن دوسری عورتوں سے صداقت اور سچائی میں فضیلت رکھتی تھیں یعنی حضرت مریم نہ خدا تھی اور نہ خدا کا جزو بلکہ ایک ولی بی بی تھیں جمہور امت کی تحقیق یہی ہے کہ خواتین میں نبوت نہیں آئی یہ منصب رجال ہی کے لیے مخصوص رہا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی (یوسف ع ۱۲) كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ دونوں (ماں بیٹے) کھانا کھایا کرتے تھے (دوسرے جانداروں کے طرح، اور جو ایسا ہو یعنی جو کھانے پینے کا محتاج ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا اپنے مرکب ہونے اور ضعف کی وجہ سے اور اس پیشاب و پاخانہ کی وجہ سے جو اس کھانے پینے سے پیدا ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جو کھانے پینے کا محتاج ہو وہ خدا کیسے ہوسکتا ہے خدائی اور احتیاج کا جمع ہونا دن رات کے جمع ہونے سے زیادہ محال ہے، خدا وہ ہے کسی کے وجود اور اس کے سامان کا پہلے محتاج ہوگا ایک دانہ حاصل کرنے کے لیے زمین، آسمان، چاند سورج، ہوا پانی، گرمی سردی سب کا محتاج ہونا پڑیگا اور محتاج کا خدا ہونا محال ہے) اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ دیکھئے تو بنظر تعجب) کہ ہم کس طرح (اپنی وحدانیت پر) ان سے دلائل بیان کر رہے ہیں، پھر (انہیں) دیکھئے (اَنّٰی بمعنی كَيْفَ ہے) کہ (وہ قبول حق سے) کس طرح پھرنے جا رہے ہیں (یعنی تعجب کی بات ہے کہ دلائل قائم ہونے کے باوجود حق سے کیسے اعراض کر رہے ہیں؟ آپ فرما دیجئے کہ کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر (یعنی اللہ کے سوا) ایسی مخلوق کی جو نہ تمہارے کسی نقصان کا مالک ہے نہ نفع کا اور اللہ ہی سننے والا ہے (تمہارے اقوال کو اور جاننے والا ہے (تمہارے احوال کو، استفہام انکاری ہے یعنی مخلوق کی عبادت و پرستش ہرگز نہ کرو جو تمہارے نفع و نقصان پر قادر نہیں) قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب (اے یہود و نصاریٰ) تم اپنے دین میں ناحق کا غلو (حد اعتدال سے تجاوز) نہ کرو (کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرا دو یا حق درجہ سے ان کو اٹھا دو، مطلب یہ ہے کہ حد اعتدال سے ہٹ کر افراط تفریط میں مبتلا نہ ہو اور افراط تفریط دونوں ہی مذموم ہیں یہود کا غلو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ تھا کہ وہ نبی مانتے تھے اور مزید یہ تھی کہ ان کی ماں حضرت مریم پر زنا کی تہمت ڈال کر مولود نا جائز بتلاتے تھے اور نصاریٰ کا غلو یہ کہ وہ خدا اور خدا کا بیٹا سمجھتے تھے دونوں افراط و تفریط میں مبتلا تھے اصل حق بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے تقریب بندہ اور برگزیدہ رسول تھے: وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ اور ان لوگوں کے خواہشات کی پیروی نہ کرو جو اس سے پہلے گمراہ ہوئے (اپنے غلو فی الدین کی وجہ سے، مراد ان کے اسلاف ہیں) اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا اور یہ لوگ راہ راست سے بھٹک گئے (یعنی حق راستہ سے دور ہوگئے، اور سواء کے معنی اصل میں وسط اور درمیانہ کے ہیں۔



قولہ: جَمِيْعَ مَا: اس کو مقدر مانا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تبلیغ کو رسول اللہ ﷺ کے حق میں بمنزلہ نماز کے قرار دیا کہ اس کا ایک رکن چھوٹنے سے تمام نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

قولہ: لِاَنْ يَّقْتُلُوْكَ: اس سے اشارہ کیا کہ قتل سے حفاظت کی ذمہ داری لی گئی، زخم وغیرہ سے نہیں۔

قولہ: عَلٰي خَبَرِ اِنَّ: یعنی ان مقدر کی خبر پر دلالت کرتا ہے۔

قولہ: ظنوا: اس سے اشارہ ہے کہ ان کا گمان اپنے دلوں میں اس قدر قوی ہے کہ وہ علم کے قائم قام ہو گیا کیونکہ ظن کا حکم بھی علم والا ہے۔

قولہ: بَدَلٌ مِنَ الضَّمِيْرِ: یہ مبتداء اور ما قابل والا جملہ اس کی خبر نہیں بلکہ ضمیر سے بدل ہے۔

قولہ: مَنَعَه: تحریم یہ منع سے مجاز اور استعارہ ہے کیونکہ آخرت میں حلال وحرام مرتفع ہیں۔

قولہ: يَمْنَعُوْنَهُمْ: انصار جو جمع لایا گیا کیونکہ وہ اپنے ہاں بہت سے مددگار تجویز کرتے ہیں۔

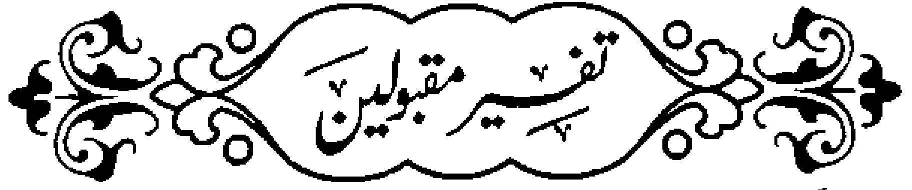
قولہ: اٰلِهَةٍ: کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ مراد تین مقید ہیں نہ کہ مطلق۔

قولہ: اِسْتِفْهَامُ تَوْبِيْخٍ: یہاں ہمزہ توبیخ کے لیے ہے۔ لا نافیہ اور ما کا عطف محذوف اتصرون پر ہے۔

قولہ: كَيْفَ: یعنی اَنّٰی یہاں كَيْفَ کے معنی میں مجازی طور پر ہے کیونکہ یہاں مکان کا کوئی مطلب نہیں۔

قولہ: غُلُوًّا: اشارہ کیا کہ غیر یہاں مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قولہ: عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ: اگرچہ عن اخیر سے لفظاً متعلق ہے مگر معنوی لحاظ سے تینوں سے متعلق ہے۔



يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ....

اس آیت شریفہ میں اللہ جل شانہ نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو تبلیغ کا حکم دیا اور فرمایا کہ جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا اس کو پہنچا دیں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا تو آپ کے دل میں کچھ گھبراہٹ سی ہوئی اور یہ خیال ہوا کہ لوگ تکذیب کریں گے اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

معالم التنزیل ص ۵۱ ج ۱ اور لباب النقول ص ۹۴ میں حضرت مجاہد تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ جب (يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ) نازل ہوئی تو آپ نے عرض کیا کہ اے رب! میں یہ کام کیسے کروں گا میں تنہا ہوں لوگ میرے خلاف جمع ہو جائیں گے۔ اس پر (فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ) نازل ہوئی مزید فرمایا: (وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ) (اور اللہ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین آپ کی حفاظت کیا کرتے تھے ان سے آپ نے فرمادیا کہ آپ لوگ چلے جائیں اللہ نے میری حفاظت کا وعدہ فرمالیا ہے۔

حفاظت کرنے والوں میں رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے جب آیت نازل ہوئی تو انہوں نے پہرہ دینا چھوڑ دیا۔ (لباب النقول ص ۹۴)

قُلْ يَآاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ....

تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۹۹ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کیا آپ کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ آپ دین ابراہیمی پر ہیں اور تورات پر بھی آپ کا ایمان ہے آپ گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! یہ بات ٹھیک ہے (ان لوگوں کا یہ مطلب تھا کہ ہم بھی دین ابراہیمی پر ہیں اور آپ کی گواہی کے مطابق توریت شریف بھی اللہ کی کتاب ہے لہٰذا ہم حق پر ہوئے) آپ ﷺ نے جواب فرمایا کہ تم نے دین ابراہیمی میں اپنے پاس سے بہت سی نئی چیزیں نکال لی ہیں اور تورات میں جو تم سے عہد لیا گیا تھا تم اس کے منکر ہو گئے ہو اور تمہیں جس چیز کو بیان کرنے کا حکم دیا گیا تھا اسے تم چھپا رہے ہو، اس پر انہوں نے کہا کہ جو کچھ ہمارے پاس ہیں ہم اسے مانتے ہیں اور ہم ہدایت پر ہیں اور حق پر ہیں اور ہم آپ پر ایمان نہیں لاتے اور آپ کا اتباع نہیں کرتے۔

اس پر اللہ جل شانہ نے آیت کریمہ (قُلْ يَآاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ) (اخیر تک) نازل فرمائی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اہل کتاب سے فرما دیجئے کہ تم کسی ایسے دین پر نہیں جو اللہ کے نزدیک معتبر ہو جب تک کہ تم تورات اور انجیل کے احکام اور ارشادات پر پوری طرح عمل پیرا نہ ہو اور جب تک کہ اس پر ایمان نہ لاؤ جو تمہارے رب کی طرف سے بواسطہ محمد رسول اللہ ﷺ تم پر نازل کیا گیا، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر اور قرآن پر ایمان لانا تورات اور انجیل کے فرمان کے مطابق ہے۔ (يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ) اگر تم نے تورات اور انجیل کے بعض احکام کو مانا تو اس طرح سے توریت اور انجیل پر بھی تمہارا ایمان نہیں ہے، اور تمہارا دعویٰ ہے کہ ہم ہدایت پر ہیں یہ دعویٰ غلط ہے اور تم جس دین پر ہو وہ آخری نبی کا انکار کرنے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ بِاَنْ دَعَا عَلَيْهِمْ فَمُسِخُوْا قِرَدَةً وَهُمْ اَصْحَابُ اَيْلَةَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ بِاَنْ دَعَا عَلَيْهِمْ فَمُسِخُوْا خَنَازِيْرَ وَهُمْ اَصْحَابُ الْمَائِدَةِ ذٰلِكَ اللَّعْنُ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ اَيْ لَا يَنْهٰى بَعْضُهُمْ بَعْضًا عَنْ مُّعَاوَدَةِ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ فِعْلُهُمْ هٰذَا تَرٰى يَا مُحَمَّدُ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ بُغْضًا لَكَ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ مِنَ الْعَمَلِ لِمَعَادِهِمُ الْمُوْجِبِ لَهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ

عَلَيْهِمْ وَ فِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَ لَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا
اتَّخَذُوْهُمْ اَيِ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ وَ لٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾ خَارِجُوْنَ عَنِ الْاِيْمَانِ لَتَجِدَنَّ
يَامُحَمَّدُ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ لِتَضَاعُفِ
كُفْرِهِمْ وَجَهْلِهِمْ وَانْهِمَاكِهِمْ فِي اتِّبَاعِ الْهَوٰى وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا
اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ اَيْ قُرْبُ مَوَدَّتِهِمْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ بِسَبَبِ اَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ عُلَمَاءَ وَ رُهْبَانًا عُبَّادًا
وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ عَنْ عِبَادَةِ الْحَقِّ كَمَا يَسْتَكْبِرُ الْيَهُوْدُ وَاَهْلُ مَكَّةَ

ترجمہ: بنی اسرائیل سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر (اللہ تعالیٰ کے طرف سے) لعنت کی گئی حضرت داؤد علیہ السلام کی زبانی (کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان پر بدعا کی چنانچہ بندر کی صورت میں بدلدئے گئے اور یہ لوگ اصحاب ایکہ تھے) اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی زبانی) کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے حق میں بدعا کی چنانچہ یہ لوگ سور بنا دیے گئے اور یہ لوگ اصحاب مائدہ ہیں۔ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا (اور) یہ (لعنت) اس سبب سے ہوئی کہ اللہ کی نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے تھے، وہ آپس میں منع نہیں کرتے تھے) جس کو کر رکھا تھا بلاشبہ وہ کام بہت برا تھا (ان کا یہ کام) جو وہ کرتے تھے۔ تَرٰی آپ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہو کہ جو آپ کی عداوت میں مکہ کے کافروں سے دوستی کرتے ہیں، بیشک برا ہے وہ (عمل) جو ان کے نفسوں نے ان کے (آخرت) لیے آگے بھیج دیا ہے (جو ان کے لیے موجب ہے) کہ اللہ ان پر ناراض ہوا اور وہ لوگ عذاب ہی میں ہمیشہ رہیں گے اور اگر یہ لوگ ایمان رکھتے اللہ پر اور پیغمبر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور اس کتاب پر جو اس پیغمبر (آخر الزماں) پر اتاری گئی تو ان (کافروں) کو دوست نہ بناتے (اور خدا پرستوں کے مقابلہ میں بت پرستوں کو ترجیح نہ دیتے) لیکن اکثر ان میں سے بدکار ہیں (ایمان سے خارج ہیں) آپ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بلاشبہ پائیں گے مسلمانوں کی دشمنی میں سب لوگوں سے زیادہ سخت یہود کو اور ان کو جو مشرک ہیں (اہل مکہ میں سے) کیونکہ اپنے کفر اور اپنی جہالت اور خواہشات نفسانی کی پیروی میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے ہیں) اور بلاشبہ آپ پائیں گے مسلمانوں سے دوستی رکھنے میں قریب تر ان لوگوں کو جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں یہ (ان کی دوستی کا مسلمانوں سے قریب تر ہونا) اس سبب سے ہے (باسببیہ ہے) کہ ان میں کچھ لوگ عالم ہیں اور کچھ لوگ درویش (عبادت گذار) ہیں اور اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ تکبر نہیں کرتے ہیں (اللہ کی عبادت اور بندگی سے جیسا کہ یہود اور مشرکین مکہ تکبر کرتے ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

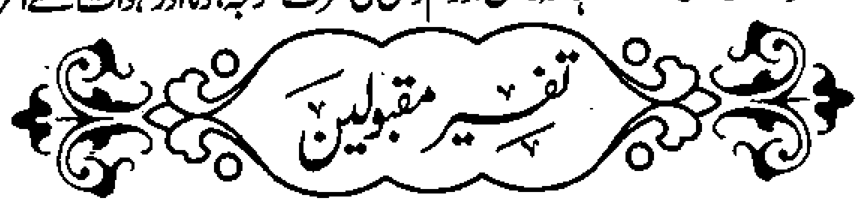
قوله: أَصْحَابُ أَيْلَةِ: جب کہ انہوں نے ہفتہ کے سلسلہ میں حد کو توڑ ڈالا۔

قوله: لَا يَنْهَى: یہ متعدی لَا يَتَنَاهَوْنَ کے معنی میں ہے۔ لَا يَتَنَاهَوْنَ لازم کے معنی میں نہیں۔ (فتدبر)

قوله: الْمُوْجِبِ لَهُمْ: موجب کو مقدر مانا کیونکہ مخصوص بالزم وہ محمول اور فاعل کا بیان ہوتا ہے اور أَنْ سَخِطَ ماقبل کا بیان نہیں ہوسکتا۔

قوله: بِسَبَبِ: باسببیہ ہے مع کے معنی میں نہیں۔

قوله: عَنْ عِبَادَةِ الْحَقِّ: اس میں اشارہ ہے کہ تواضع اور علم وعمل کی طرف متوجہ ہونا اور شہوات سے اعراض پسندیدہ چیز ہے۔



تفسیر مقبولین

قُلْ يٰأَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ....

اہل کتاب کو غلو کرنے کی ممانعت:

اس کے بعد اہل کتاب کو غلو فی الدین سے بچنے کا حکم دیا، ارشاد ہے: (قُلْ يٰأَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ) (آپ فرما دیجئے اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو) اہل کتاب نے اپنے دین میں غلو کر رکھا تھا، حد سے زیادہ بڑھ جانے کو غلو کہتے ہیں اور یہ غلو ناحق ہوتا ہے کیونکہ حق کی حد کے اندر رہنا ہی حق ہے، نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو اتنا آگے بڑھایا کہ خدا اور خدا کا بیٹا بنا دیا اور ان کی والدہ کو بھی معبود مان لیا۔ اور یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا حالانکہ خالق اور مخلوق میں رشتہ نہیں ہوسکتا اور کوئی مخلوق معبود بھی نہیں ہوسکتی ان لوگوں نے دین میں غلو کر دیا اور وہ باتیں دین میں داخل کر دیں جو اس دین میں نہ تھیں، جو دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے واسطہ سے ان کے پاس آیا تھا چونکہ دین میں غلو اپنی ذاتی خواہشوں سے ہوتا ہے اس لیے فرمایا: (وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ) (اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہو چکے ہیں) انہوں نے اپنی خواہشات کو سامنے رکھا اور دین میں غلو کیا تم ان کی پیروی نہ کرو اور دین میں غلو نہ کرو۔

آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہود ونصاریٰ کے اکابر نے اپنی ذاتی خواہشوں اور رایوں کے مطابق اپنے دین کو بدل دیا تھا اور اس میں عقائد باطلہ تک شامل کر دیئے تھے خود بھی گمراہ ہوئے (وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا) (اور بہت سوں کو گمراہ کیا) پھر خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد بھی حق واضح ہوتے ہوئے گمراہی پر جمے رہے (وَضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ) (اور سیدھے رستے سے بھٹک گئے)۔

امت محمدیہ کو غلو کرنے کی ممانعت:

دین میں غلو کرنا امتوں کا پرانا مرض ہے آنحضرت سرور عالم ﷺ کو خطرہ تھا کہ کہیں آپ کی امت بھی اس مرض مہلک میں مبتلا نہ ہو جائے، آپ نے فرمایا: ((لا تطرونی کما اطرت النصاری ابن مریم فانما انا عبده فقولوا عبد الله و رسوله))۔

یعنی میری تعریف میں مبالغہ نہ کرنا جیسے نصاریٰ نے ابن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا، میں تو بس اللہ کا بندہ ہوں، میرے بارے میں یوں کہو عبد اللہ و رسولہ (کہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں)۔ (رواہ البخاری ج۱ ص ۴۹۰)

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ....

معاصی کا ارتکاب کرنے اور منکرات سے نہ روکنے کی وجہ سے بنی اسرائیل کی ملعونیت:

ان آیات میں بنی اسرائیل کی ملعونیت اور مغضوبیت بیان فرمائی ہے اور ان کی بد اعمالیوں کا تذکرہ فرمایا ہے، ان بد اعمالیوں میں سے ایک یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو گناہ کے کام سے نہیں روکتے تھے، تفسیر ابن کثیر میں مسند احمد سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بنی اسرائیل گناہوں میں پڑ گئے تو ان کے علماء نے ان کو منع کیا وہ لوگ گناہوں سے باز نہ آئے پھر یہ منع کرنے والے ان کے ساتھ مجلسوں میں اٹھتے بیٹھتے رہے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے (اور اس میل جول اور تعلق کی وجہ سے انہوں نے گناہوں سے روکنا چھوڑ دیا) لہٰذا اللہ نے بعض کے دلوں کو بعض پر مار دیا یعنی یکساں کر دیا اور ان کو داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ (علیہ السلام) ابن مریم کی زبانی ملعون کر دیا۔

پھر آیت بالا کا یہ حصہ (ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ) پڑھا، اس موقع پر رسول اللہ ﷺ تکیہ لگائے بیٹھے تھے آپ ﷺ تکیہ چھوڑ کر بیٹھ گئے اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم اپنی ذمہ داری سے اس وقت تک سبکدوش نہ ہو گے جب تک گناہ کرنے والوں کو منع کر کے حق پر نہ لاؤ گے۔ (ج۲ ص۸۲)

سنن ابی داؤد ج۲ ص ۲٤۰ میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ سب سے پہلے جو بنی اسرائیل میں نقص وارد ہوا وہ یہ تھا کہ ایک شخص دوسرے سے ملاقات کرتا تھا (اور اسے گناہ پر دیکھتا تھا) تو کہتا تھا کہ اللہ سے ڈرو اور یہ کام چھوڑ دو کیونکہ وہ تیرے لیے حلال نہیں، پھر کل کو ملاقات کرتا اور گناہ میں مشغول پاتا تو منع نہ کرتا تھا کیونکہ اس کا اس کے ساتھ کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے میں شرکت کرنے والا آدمی ہوتا تھا سو جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ نے ان کے قلوب کو آپس میں ایک دوسرے پر مار دیا یعنی یکساں بنا دیا پھر آپ ﷺ نے آیت بالا: (لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا) سے (فَاسِقُوْنَ) تک تلاوت فرمائی، پھر فرمایا کہ خوب اچھی طرح سمجھ لو اللہ کی قسم! تمہاری یہ ذمہ داری ہے کہ امر بالمعروف کرتے رہو اور نہی عن المنکر کرتے رہو اور ظالم کا ہاتھ پکڑتے رہو اور اسے حق پر جماتے رہو (برائی سے) اس سے برائی چھڑا دو۔

نیز سنن ابو داؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب لوگ ظالم کو دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ عام عذاب لے آئے جس میں سب مبتلا ہوں گے۔ نیز سنن ابو داؤد میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص کسی قوم میں گناہ کرنے والا ہو اور جو لوگ وہاں موجود ہوں قدرت رکھتے ہوئے اس کے حال کو نہ بدلیں یعنی اس سے گناہ کو نہ چھڑائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی موت سے پہلے ان پر عام عذاب بھیج دے گا۔

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ....

اہل ایمان سے یہودیوں اور مشرکوں کی دشمنی:

ان آیات میں اوّل تو یہ فرمایا کہ آپ اہل ایمان کے سب سے زیادہ سخت ترین دشمن یہودیوں کو اور ان لوگوں کو پائیں گے جو مشرک ہیں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے، مشرکین مکہ نے جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر ظلم وستم ڈھائے وہ معروف و مشہور ہیں اور جہاں کہیں بھی مشرکین ہیں وہ اب بھی مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں اور تاریخ کے ہر دور میں ان کی دشمنی بڑھ چڑھ کر رہی ہے، جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی تو یہودیوں نے سخت دشمنی کا مظاہرہ کیا۔ یہ لوگ بہت سے مدینہ منورہ رہتے تھے۔ نبی آخر الزمان ﷺ کی نعوت اور صفات جو انہیں پہلے سے معلوم تھیں اور تورات شریف میں پڑھی تھیں ان کے موافق آپ ﷺ کو پالیا اور پہچان لیا تب بھی آپ کے دشمن ہو گئے اور بہت زیادہ دشمنی پر کمر باندھ لی آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کے لیے مشورہ کیا آپ کو زہر بھی دیا اور آپ پر جادو بھی کیا مشرکین مکہ کو جا کر جنگ کے لیے آمادہ کیا اس پر وہ لوگ متعدد قبیلوں کو لے کر مدینہ منورہ پر چڑھ آئے، اور یہود برابر اسلام اور اہل اسلام کے بارے میں مکاری اور دسیسہ کاری کرتے رہے۔ اور آج تک بھی ان کی دشمنی میں کوئی کمی نہیں آئی۔

تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۸۰ میں بحوالہ حافظ ابو بکر بن مردویہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ: مَا خَلَا يَهُودِيٌّ بِمُسْلِمٍ قَطُّ اِلَّا هَمَّ بِقَتْلِهٖ یعنی جب کبھی بھی کوئی یہودی کسی مسلمانوں کے ساتھ تنہائی میں ہوگا تو ضرور مسلمان کو قتل کرنے ارادہ کرے گا، مسلمان اور اسلام کے خلاف یہودیوں کی چال بازیاں اور شرارتیں برابر جاری ہیں اور وہ اپنی شرارتوں سے باز آنے والے نہیں ہیں، نصاریٰ کو بھی وہ مسلمانوں کے خلاف ابھارتے رہتے ہیں اور ان کو ایسی ایسی اسکیمیں سجھاتے ہیں اور ایسی ایسی تدبیریں سکھاتے ہیں جن سے دنیا میں مسلمانوں کو سخت مصائب کا سامنا پڑتا رہتا ہے، خفیہ تنظیمیں کرنے میں ماہر ہیں ان کی خفیہ تنظیم فری میسن تو اب آشکارا ہو چکی ہے۔

نصاریٰ کی مودت اور اس کا مصداق:

یہود اور مشرکین کی دشمنی کا حال بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: (وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى) کہ آپ ایمان والوں کے لیے محبت کے اعتبار سے سب سے زیادہ قریب تر ان لوگوں کو پائیں گے جن لوگوں نے اپنے بارے میں کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔

نصاریٰ معروف جماعت ہے یہ وہ لوگ ہیں جو سیدنا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی طرف اپنا انتساب کرتے ہیں مفسر ابن کثیر ج ۲ ص ۸۲ (قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اَیِ الَّذِيْنَ زَعَمُوْا اَنَّهُمْ نَصَارٰى مَنْ اَتْبَاعِ الْمَسِيحِ وَعَلٰى منهاج انجيله فيهم مودة

للاسلام واهله فى الجملة وماذاك الالما فى قلوبهم اذكانوا على ديْن المسيح من الرقة والرافة كما قال تعالى وجَعَلْنا فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَأفَةً وَّرَحْمَةً وفى كتابهم من ضربك على خدك الايمن فادِرْله خدك الايسر وليس القتال مشروعا فى مِلَّتِهِمْ ١ه.

یعنی اس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے یہ خیال کیا کہ وہ نصاریٰ ہیں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے متبعین میں سے ہیں اور انجیل میں جو راہ بتائی تھی اس کی متبع ہیں فی الجملہ ان لوگوں کے دلوں میں اسلام اور اہل اسلام کے لیے مودت ہے اور یہ اس وجہ سے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے دین میں نرمی اور مہربانی کی شان تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے عیسیٰ کا اتباع کیا ان کے دلوں میں ہم نے مہربانی اور رحم کرنے کی صفت رکھ دی۔ ان کی کتاب میں یہ بھی تھا کہ جو شخص تیرے داہنے رخسار پر مارے تو بایاں رخسار بھی اس کی طرف کر دے، اور ان کے مذہب میں جنگ کرنا بھی مشروع نہیں تھا۔

مطلب یہ ہے کہ یہاں پر ہر نصرانی اور مدعی عیسائیت کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان نصرانیوں کا ذکر ہے جو اپنے کو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور انجیل کا پابند سمجھتے تھے اور دین مسیح کے مدعی ہونے کی وجہ سے ان کے دلوں میں نرمی اور مہربانی تھی ان لوگوں کے سامنے جب دین اسلام آیا اور اہل اسلام کو دیکھا تو اگر چہ اسلام قبول نہیں کیا لیکن مسلمانوں سے محبت اور تعلق رکھتے تھے۔

ان کے دین میں جنگ تو مشروع ہی نہ تھی لہٰذا مسلمانوں سے جنگ کرنے کا سوال ہی نہ تھا پھر ان میں قسیسین تھے یعنی علماء تھے (جن کے پاس تھوڑا بہت انجیل کا علم رہ گیا تھا وہ اس کے ذریعہ نصیحت کرتے رہتے تھے) نیز ان میں راہب بھی تھے جن کو عبادت کا ذوق تھا وہ عبادت میں لگے رہتے تھے جب انہوں نے اہل اسلام کی عبادت کو دیکھا تو محبت اور مودت میں بہ نسبت دوسری قوموں کے ان سے زیادہ قریب ہو گئے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا۔

(ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا) کہ ان کی محبت اس لیے ہے کہ ان میں قسیسین ہیں اور رہبان ہیں اور فرمایا: (وَاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ) اور تکبر نہیں کرتے، چونکہ ان میں تکبر نہیں اس لیے حق اور اہل حق سے عناد نہیں اور یہ عناد نہ ہونا قرب مودت کا ذریعہ ہے

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اس آیت میں نصاریٰ کی ایک خاص جماعت کی مدح فرمائی گئی ہے جو خدا ترسی اور حق پرستی کی حامل تھی، اس میں نجاشی اور اس کے اعوان وانصار بھی داخل ہیں اور دوسرے نصاریٰ بھی جو ان صفات کے حامل تھے، یا آئندہ زمانہ میں داخل ہوں، لیکن اس کے یہ معنی نہ آیات سے نکلتے ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں کہ نصاریٰ خواہ کیسے بھی گمراہ ہو جائیں اور اسلام دشمنی میں کتنے ہی سخت اقدام کریں ان کو بہر حال مسلمانوں کا دوست سمجھا جائے، اور مسلمان ان کی دوستی کی طرف ہاتھ بڑھائیں۔ کیونکہ یہ بداغلط اور واقعات کے قطعاً خلاف ہے، اس لیے امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ بعض جاہل جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ان آیات میں مطلقاً نصاریٰ کی مدح ہے اور وہ علی الاطلاق یہود سے بہتر ہیں۔ یہ سراسر جہالت ہے، کیونکہ اگر عام طور پر دونوں جماعتوں کے مذہبی عقائد کا موازنہ کیا جائے تو نصاریٰ کا مشرک ہونا زیادہ واضح ہے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ معاملات کو دیکھا جائے تو آج کل کے عام نصاریٰ نے بھی اسلام دشمنی میں یہودیوں سے کم حصہ نہیں لیا، وہاں یہ صحیح ہے کہ نصاریٰ میں ایسے لوگوں کی کثرت ہوئی ہے، جو خدا ترس اور حق پرست تھے، اسی کے نتیجہ میں ان کو قبول اسلام

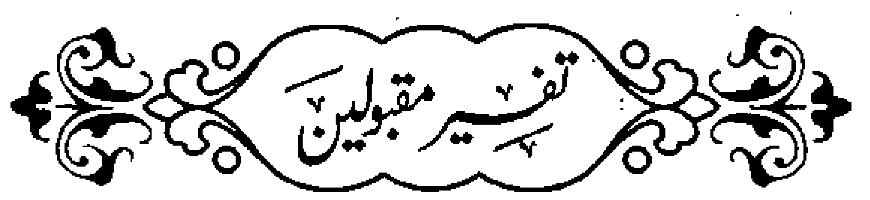
کی توفیق ہوئی۔اور یہ آیات ان دونوں جماعتوں کے مابین اسی فرق کو ظاہر کرنے کے لیے نازل ہوئی ہیں۔خود اسی آیت کے آخر میں قرآن نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں واضح فرمادیا ہے: ذٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِيْنَ. یعنی جن نصاریٰ کی مدح ان آیات میں کی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں علماء اور خداترس، تارک الدنیا حضرات ہیں، اوران میں تکبر نہیں کہ دوسروں کی بات پر غور کرنے کے لیے تیار نہ ہوں، مقابلہ سے معلوم ہوا کہ یہود کے یہ حالات نہ تھے۔ان میں خداترسی اور حق پرستی نہ تھی، ان کے علماء نے بھی بجائے ترک دنیا کے اپنے علم کو صرف ذریعہ معاش بنالیا تھا۔اور طلب دنیا میں ایسے مست ہوگئے تھے کہ حق وناحق اور حلال وحرام کی بھی پرواہ نہ رہی تھی۔

الحمد لله قد تم تفسير الجزء السادس من القرآن الكريم ولله الحمد والمنة

نَزَلَتْ فِيْ وَفْدِ النَّجَاشِيْ الْقَادِمِيْنَ مِنَ الْحَبْشَةِ قَرَأَ عَلَيْهِمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُوْرَةَ يٰسٓ فَبَكَوْا وَاَسْلَمُوْا وَقَالُوْا مَا اَشْبَهَ هٰذَا بِمَا كَانَ يَنْزِلُ عَلٰى عِيْسٰى قَالَ تَعَالٰى: وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ مِنَ الْقُرْاٰنِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا صَدَّقْنَا بِنَبِيِّكَ وَكِتَابِكَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ الْمُقِرِّيْنَ بِتَصْدِيْقِهِمَا وَقَالُوْا فِيْ جَوَابِ مَنْ عَيَّرَهُمْ بِالْاِسْلَامِ مِنَ الْيَهُوْدِ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ الْقُرْاٰنِ اَيْ لَا مَانِعَ لَنَا مِنَ الْاِيْمَانِ مَعَ وُجُوْدِ مُقْتَضِيْهِ وَنَطْمَعُ عَطْفٌ عَلٰى نُؤْمِنُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ الْمُؤْمِنِيْنَ الْجَنَّةَ قَالَ تَعَالٰى فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ بِالْاِيْمَانِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾ ع وَنَزَلَ لَمَّا هَمَّ قَوْمٌ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَنْ يُّلَازِمُوا الصَّوْمَ وَالْقِيَامَ وَلَا يَقْرَبُوا النِّسَاءَ وَالطِّيْبَ وَلَا يَاْكُلُوا اللَّحْمَ وَلَا يَنَامُوْا عَلَى الْفِرَاشِ

ترجمہ: نَزَلَتْ فِيْ وَفْدِ النَّجَاشِيْ.... : یہ آیت نجاشی کے اس وفد کے بارے میں نازل ہوئی جو حبشہ سے (حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں) آئے اور حضور ﷺ نے ان کو سورۂ یٰسین پڑھ کر سنائی تو وہ لوگ رونے لگے اور سب نے اسلام قبول کر کے کہا کہ یہ قرآن اس کلام کے کس قدر مشابہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَاِذَا سَمِعُوْا الآیۃ اور جب وہ (نصاریٰ) اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجا گیا ہے (یعنی قرآن) تو آپ ان کی آنکھوں کو آنسو بہاتے دیکھتے ہیں، اس سبب سے کہ انہوں نے حق کو (یعنی اسلام کو) پہچان لیا ہے۔ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اس لیے کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے (ہم نے تیرے نبی محمد ﷺ اور تیری کتاب کی تصدیق کی، مان لیا) پس ہمیں بھی ان شاہدوں کے ساتھ لکھ لیجیے (جو ان دونوں یعنی آپ کے نبی اور کتاب کی تصدیق کا اقرار کرنے والے ہیں اور یہود میں سے جن لوگوں نے ان کے اسلام قبول کرنے پر عار دلایا ان کے جواب میں انہوں نے کہا) وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الآیۃ اور ہم کو کیا ہوا کہ ہم اللہ پر اور اس حق پر (یعنی قرآن پر) ایمان نہ لائیں جو ہمارے پاس آ گیا ہے (یعنی ایمان لانے سے ہمارے لیے کوئی مانع نہیں ہے بلکہ ایمان کا مقتضا موجود ہے) اور امید رکھیں (نَطْمَعُ کا عطف نُؤْمِنُ پر ہے) کہ ہمارا پروردگار ہم کو نیک لوگوں کی معیت میں داخل کر دے گا۔ (ایمان والوں کے ساتھ جنت میں داخل کر دے گا) حق تعالیٰ فرماتے ہیں: فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ پس اللہ تعالیٰ ان کو اس قول (مع الاعتقاد) کے عوض میں ایسی جنتیں عطا

فرمائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہی جزاء ہے ان کی جو نیکی کرنے والے ہیں (ایمان کے ساتھ) اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہی لوگ دوزخی ہیں۔



قوله: صَدَّقْنَا: سے اشارہ کیا کہ فقط زبان سے نہیں بلکہ دل سے ایمان لائے۔

قوله: لَا مَانِعَ لَنَا: استفہام انکاری ہے اور استبعاد موجب کے ہوتے ہوئے عدم ایمان پر ہے۔

قوله: عَطْفٌ عَلٰى نُؤْمِنُ: یہ مبتداء محذوف کی خبر نہیں

تفسیر مقبولین

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ....

ربط: اس آیت میں بھی نصاریٰ کی ایک خاص جماعت کا ذکر ہے جو قرآن کریم کو سن کو وجد اور طرب میں آ گئے اور قرآن کریم کی لذت سے اس درجہ محظوظ ہوئے کہ آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو گئے اور روتے ہوئے ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور زبان پر یہ کلمات جاری ہو گئے: رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ اور غیر اختیاری طور پر کسی پسندیدہ حالت اور کیفیت کے طاری ہو جانے ہی کا نام وجد ہے۔

کتاب اللہ کو سن کر حبشہ کے نصاریٰ کا رونا اور ایمان لانا:

جب آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اسلام کی دعوت دینا شروع کیا (جس کے اولین مخاطبین اہل مکہ تھے جو بتوں کی پوجا کرتے تھے) تو اہل مکہ دشمنی پر اتر آئے۔ رسول اللہ ﷺ کو طرح طرح سے ستاتے تھے اور جو لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے انہیں بہت زیادہ دکھ دیتے تھے اور مارتے پیٹتے تھے، اس وجہ سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین (جن میں مرد عورت بھی تھے) حبشہ کیلئے ہجرت کر گئے حبشہ اس وقت قریب ترین ملک تھا جہاں ایمان محفوظ رکھتے ہوئے عافیت کے ساتھ رہنے کا امکان تھا جب یہ حضرات وہاں پہنچ گئے تو اہل مکہ نے وہاں بھی پیچھا کیا اور شاہ حبشہ کے پاس شکایت لے کر گئے لیکن اس نے ان لوگوں کی بات نہ مانی اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو امن و امان کے ساتھ ٹھکانہ دیا۔ ان مہاجرین میں رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی جعفر بن ابی طالب تھے یہ حضرات وہاں کئی سال امن و امان کے ساتھ رہے پھر جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ وہاں سے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لیے واپس آئے تو نجاشی (اصحمہ شاہ حبشہ) نے وفد کے ساتھ اپنے بیٹے کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا ان کا یہ وفد ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا۔

نجاشی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تحریر کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے

سچے رسول ہیں اور میں نے آپ کے چچا کے بیٹے کے ہاتھ پر آپ سے بیعت کر لی ہے اور میں نے اللہ کی اطاعت قبول کر لی۔ میں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں۔ اور اگر آپ کا فرمان ہو تو میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا والسلام علیک یا رسول اللہ!

نجاشی کا بھیجا ہوا یہ وفد کشتی میں سوار تھا لیکن یہ لوگ سمندر میں ڈوب گئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جن کی تعداد ستر تھی دوسری کشتی میں سوار تھے یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے ان میں بہتر حضرات حبشہ کے اور آٹھ آدمی شام کے تھے آنحضرت ﷺ نے اوّل سے آخر تک سورۂ یٰسین سنائی۔ قرآن مجید سن کر یہ لوگ رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے اور یہ جو کچھ ہم نے سنا ہے یہ بالکل اس کے مشابہ ہے جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر نازل ہوتا تھا اس پر اللہ جل شانہ نے یہ آیت کریمہ: (وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى (الآیۃ) نازل فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ آیت بالا نجاشی کے بھیجے ہوئے وفد کے بارے میں نازل ہوئی۔

(معالم التنزیل ج ۲ ص ۵۶، ۵۷)

بعض حضرات نے جو یہ فرمایا کہ حضرات صحابہ جب ہجرت کر کے حبشہ پہنچے تھے اور شاہ حبشہ کے دربار میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جو بیان دیا تھا اور سورۂ مریم سنائی تھی اس سے متاثر ہو کر شاہی دربار کے لوگ رو پڑے تھے اس آیت کریمہ میں ان کا ذکر ہے۔ بعض مفسرین نے اس کو تسلیم نہیں کیا ان حضرات کا کہنا ہے کہ سورۂ مائدہ مدنی ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی لہٰذا جو واقعہ ہجرت سے پہلے پیش آیا وہ اس آیت میں مذکور نہیں (اللهم الا ان يقال ان هذه الايات مكية والله اعلم بالصواب)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ط تَتَجَاوَزُوْا اَمْرَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ص مَفْعُوْلٌ وَالْجَارُ وَالْمَجْرُوْرُ قَبْلَهُ حَالٌ مُتَعَلِّقٌ بِهِ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ الْكَائِنِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ هُوَ مَا يَسْبِقُ اِلَيْهِ اللِّسَانُ مِنْ غَيْرِ قَصْدِ الْحَلْفِ كَقَوْلِ الْاِنْسَانِ لَا وَاللّٰهِ وَبَلٰى وَاللّٰهِ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ عَاقَدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ج عَلَيْهِ بِاَنْ حَلَفْتُمْ عَنْ قَصْدٍ فَكَفَّارَتُهٗٓ اَيِ الْيَمِيْنِ اِذَا حَنِثْتُمْ فِيْهِ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ مُدٌّ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ مِنْهُ اَهْلِيْكُمْ اَيْ اَقْصَدِهٖ وَ اَغْلَبِهٖ لَا اَعْلَاهُ وَلَا اَدْنَاهُ اَوْ كِسْوَتُهُمْ بِمَا يُسَمّٰى كِسْوَةً كَقَمِيْصٍ وَعِمَامَةٍ وَاِزَارٍ وَلَا يَكْفِيْ دَفْعُ مَا ذُكِرَ اِلٰى مِسْكِيْنٍ وَاحِدٍ وَ عَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ اَوْ تَحْرِيْرُ

عِتْقُ رَقَبَةٍ ۭ مُؤْمِنَةٍ كَمَا فِي كَفَّارَةِ الْقَتْلِ وَالظِّهَارِ حَمْلًا لِلْمُطْلَقِ عَلَى الْمُقَيَّدِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ
وَاحِدًا مَّا ذُكِرَ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ كَفَّارَتُهُ وَظَاهِرُهُ اَنَّهُ لَا يُشْتَرَطُ التَّتَابُعُ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ ذٰلِكَ
الْمَذْكُوْرُ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَحَنِثْتُمْ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ اَنْ تَنْكُثُوْهَا مَالَمْ تَكُنْ عَلٰى
فِعْلِ بِرٍّ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ كَمَا فِي سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ كَذٰلِكَ اَيْ مِثْلَ مَا بَيَّنَ لَكُمْ مَا ذُكِرَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ عَلٰى ذٰلِكَ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ الْمُسْكِرُ الَّذِيْ يُخَامِرُ
الْعَقْلَ وَالْمَيْسِرُ الْقِمَارُ وَالْاَنْصَابُ الْاَصْنَامُ وَالْاَزْلَامُ قِدَاحُ الْاِسْتِقْسَامِ رِجْسٌ خَبِيْثٌ مُسْتَقْذَرٌ
مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ الَّذِيْ يُزَيِّنُهٗ فَاجْتَنِبُوْهُ اَيِ الرِّجْسَ الْمُعَبَّرَ بِهٖ عَنْ هٰذِهِ الْاَشْيَاءِ اَنْ تَفْعَلُوْهُ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ اِذَا
اَتَيْتُمُوْهُمَا لِمَا يَحْصُلُ فِيْهِمَا مِنَ الشَّرِّ وَالْفِتَنِ وَيَصُدَّكُمْ بِالْاِشْتِغَالِ بِهِمَا عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ
الصَّلٰوةِ ۚ خَصَّهُمَا بِالذِّكْرِ تَعْظِيْمًا لَهُمَا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ عَنْ اِتْيَانِهِمَ اَيْ اِنْتَهُوْا وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ
وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ الْمَعَاصِيَ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ عَنِ الطَّاعَةِ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ
الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾ الْاِبْلَاغُ الْبَيِّنُ وَجَزَاؤُكُمْ عَلَيْنَا لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا
طَعِمُوْٓا اَكَلُوْا مِنَ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قَبْلَ التَّحْرِيْمِ اِذَا مَا اتَّقَوْا الْمُحَرَّمَاتِ وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثَبَتُوْا عَلَى التَّقْوٰى وَالْاِيْمَانِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ الْعَمَلَ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع ۱۲/۷/۲
بِمَعْنٰى اَنَّهٗ يُثِيْبُهُمْ

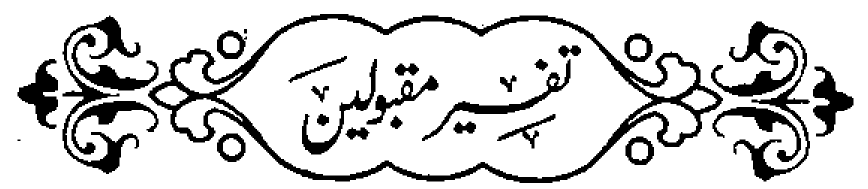
ترجمہ: (یہاں سے مفسر علامؒ شانِ نزول بیان کررہے ہیں کہ ان آیات کا نزول اس وقت ہوا جبکہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت نے ارادہ کیا کہ ہمیشہ روزہ رکھیں گے، رات بھر نماز پڑھیں گے اور عورتوں اور خوشبو کے پاس بھی نہیں جائیں گے اور گوشت نہیں کھائیں گے اور نہ بستر پر سوئیں گے)۔ اے ایمان والو! تم ان پاکیزہ چیزوں کو (اپنے اوپر) حرام مت کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں اور حدود (شرعیہ) سے تجاوز نہ کرو (اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگے نہ بڑھو) بے شک اللہ تعالیٰ حد (شرعی) سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں حلال پاکیزہ چیزیں

کھاؤ (حَلٰلًا طَیِّبًا) موصوف صفت مل کر مفعول ہے اور اس سے پہلے جو مِمَّا رَزَقَكُمُ جار مجرور ہے وہ اس سے متعلق ہو کر حال ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تم سے (دنیوی) مواخذہ نہیں فرماتے (یعنی کفارہ واجب نہیں کرتے) تمہاری قسموں میں لغو (ہونے والی) پر (لغو وہ قسم ہے جس کی طرف بلا ارادہ قسم بے ساختہ زبان سبقت کر جائے جیسے عرف اور عادت کے موافق انسان کا لا واللہ کہنا یا بلیٰ واللہ وارادۂ قسم کے بغیر کہنا) لیکن ان قسموں پر مواخذہ کرتے ہیں جن کو تم نے مستحکم کر دیا (کہ تم نے عزم وارادہ سے قسم کھائی) لفظ عقدتم تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور ایک قراءت میں عاقدتم ہے) تو اس کا کفارہ (یعنی اس مستحکم قسم کا کفارہ جب تم اس کو توڑ دو تو) دس مسکینوں کو کھانا دینا ہے (ہر مسکین کو ایک مد دینا ہے) اوسط درجہ کا جیسا کہ (وہ کھانا) تم کھلاتے ہو اپنے گھر والوں کو (یعنی کھانا درمیانی درجہ کا ہو نہ اعلیٰ اور نہ ادنیٰ) یا ان دس مسکینوں کا کپڑا دینا ہے (اس قدر جو لباس کہلائے جیسے قمیص اور عمامہ اور تہبند اور یہ پورا لباس ایک ہی فقیر کو دینا کافی نہ ہوگا۔ یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ یا ایک گردن کا (خواہ غلام ہو یا لونڈی) آزاد کرنا (مفسر سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ اس غلام کا کفارۂ قتل وکفارۂ ظہار کی طرح مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے کفارۂ یمین میں بھی مؤمن غلام مراد ہوگا، فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ پھر جو شخص نہ پائے (یعنی مذکورہ تین، کھانا، پوشاک اور غلام آزاد کرنا میں سے کسی ایک پر قدرت نہ ہو تو (اس کا کفارہ) تین دن کے روزے ہیں (مفسر سیوطیؒ شافعی فرماتے ہیں: وظاہرہ انہ الخ۔ اور ظاہر آیت یہ ہے کہ ان میں پے در پے ہونا شرط نہیں ہے اور یہی امام شافعی کا مسلک ہے یہ (جو اوپر مذکور ہوا) تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جبکہ تم قسم کھا بیٹھو (اور توڑ دو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو (یعنی توڑنے سے بچائے رکھو تاوقتیکہ وہ قسم کسی نیک کام نہ کرنے یا لوگوں کے درمیان اصلاح ودرستی نہ کرنے پر ہو جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے) اسی طرح (یعنی جس طرح حکم مذکور تمہارے لیے بیان کر دیا ہے) اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام بیان فرما دیتا ہے تاکہ تم (اس پر) شکر کرو۔ اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر گندی چیزیں ہیں شیطان کے کاموں میں سے ہیں لہٰذا تم ان سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ شیطان یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے آپس میں دشمنی اور بغض واقع کر دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے سو کیا تم باز آنے والے ہو۔ اور فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی، اور ڈرتے رہو، سو اگر تم نے روگردانی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ انہوں نے کھایا پیا جبکہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے پھر تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے پھر تقویٰ اختیار کیا اور نیک اعمال میں لگے اور اللہ اچھے عمل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: مَفْعُوْلٌ: حَلٰلًا یہ کُلُوْا کا مفعول ہے مصدر محذوف کی صفت نہیں۔

قوله: اَلْکَائِنِ: اس سے اشارہ ہے کہ ظرف متعلق کے اعتبار سے جو کہ لغو ہے حال نہیں، پس تقیید کا کوئی مطلب نہیں۔
قوله: عَلَيْهِ بِاَنْ حَلَفْتُمْ: عَلَيْهِ کو مقدر مانا کیونکہ مَا موصولہ ہے، اس میں ایک ضمیر عائد ضروری ہے۔
قوله: اِذَا حَنَثْتُمْ: جب تم قسم توڑ دو کیونکہ فقط قسم کھانا تو موجب کفارہ نہیں۔
قوله: فَكَفَّارَتُهٗ: اس کو مقدر مان لیا تا کہ اشارہ ہو۔ فَصِيَامُ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔
قوله: خَبِيْثٌ مُسْتَقْذِرٌ: اس سے اشارہ کیا۔ مُسْتَقْذِرٌ: وہ ہے جس کو عقل گندا قرار دے نہ کہ طبع جیسا کہ نجاست ظاہرہ۔
قوله: اَنْ تَفْعَلُوْهُ: اس کو مقدر مانا تا کہ اس کا فعل ہونا ثابت ہو جائے۔
قوله: اِذَا اَتَيْتُمُوْهُمَا: اس کو ثبوت فعلیت کے لیے مقدر مانا۔
قوله: عَنْ اِتْيَانِهِمْ: اس سے مراد ان کے کرنے اور مرتکب ہونے سے باز آنا ہے۔
قوله: اِنْتَهُوْا: یہ استفہام تقریری ہے۔
قوله: اَلْاِبْلَاغُ الْبَيِّنُ: بلاغ یہ مصدر متعدی کے معنی میں ہے نہ کہ لازم کے اور یہ صفت مشبہ بھی نہیں البتہ مبین لازم ہے۔
قوله: ثُمَّ اتَّقَوْا: یعنی تحریم کے بعد ان کے کرنے سے بچے۔



يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ....

حلال کھاؤ اور پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو اور حد سے آگے نہ بڑھو:

چونکہ قریبی آیتوں میں نصاریٰ کی تعریف میں یہ فرمایا کہ ان میں کچھ رہبان بھی ہیں اور رہبانیت لذات دنیاوی کے ترک کا نام ہے خواہ وہ حلال ہوں یا حرام اس لیے اس احتمال سے کہ مبادا مسلمان ۔ رہبانیت کو اچھی چیز نہ سمجھنے لگیں اس آیت میں اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھنے کی ممانعت فرماتے ہیں اور یہ حکم دیتے ہیں کہ جو چیزیں خدا نے حلال کی ہیں ان کو کھاؤ ور دل میں خوف رکھو اہل کتاب کی طرح دین میں غلومت کرو نصاریٰ کی رہبانیت بھی دین میں غلو اور افراط کی ایک خاص صورت ہے دور تک اسی طرح احکام کا سلسلہ چلا گیا چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو تم قسم اور عہد کے ذریعہ اپنے اوپر ان پاکیزہ چیزوں کو حرام مت کرو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں نصاریٰ کی طرح رہبانیت اختیار کرنا اور حلال اور پاکیزہ چیزوں کو ترک کر دینا عند اللہ کوئی اچھی چیز نہیں یہ دین میں غلو اور افراط ہے جو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور حدود شریعت سے آگے نہ بڑھو کہ یہود کی طرح دنیاوی لذات اور شہوات اور حرام خوری میں منہمک ہو جاؤ، شہوات ولذات میں انہماک یہ بھی غلو ہے اور تفریط ہے تحقیق اللہ حد سے گذرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اللہ کے نزدیک اعتدال اور توسط پسندیدہ ہے اور اللہ نے تم کو جو حلال اور پاکیزہ چیزیں عطا کی ہیں جن میں حرمت کا شبہ نہیں ان میں سے کھاؤ اور اعتدال کے ساتھ ان کو

استعمال کرو نہ حلال سے حرام کی طرف دوڑو اور نہ حلال میں اتنے منہمک ہو جاؤ کہ اللہ سے غافل ہو جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو اس کے حکم اور رضاء کے خلاف کوئی کام مت کرو۔

شانِ نزول: ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ ایک دن جناب رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن مظعون کے گھر میں لوگوں کو نصیحت کی اور قیامت کے کچھ احوال بیان کیے لوگ آپ کے اس وعظ سے نہایت متاثر ہوئے اور رونے لگے اس کے بعد اکابر صحابہ میں سے دس آدمی، یعنی ابوبکر، حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، اور عبداللہ بن عمر اور ابوذر غفاری اور سالم مولی ابی حذیفہ، اور مقداد بن اسود اور سلمان فارسی، معقل بن مقرن رضی اللہ عنہم اجمعین، یہ سب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوئے اور سب نے اس پر اتفاق کیا کہ دن بھر روزہ اور رات بھر نماز ادا کریں گے اور فرش پر سو جائیں گے اور گوشت اور چربی نہیں کھائیں گے اور نہ عورتوں اور خوشبو کے قریب جائیں گے اور ٹاٹ پہنا کریں گے اور دنیا کو بالکل ترک کردیں گے اور اپنی شرمگاہوں کو کاٹ ڈالیں گے اور راہب بن جائیں گے اور ان باتوں پر قسمیں کھائیں گے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور نبی نے ان لوگوں کو بلا کر یہ فرمایا کہ مجھ کو یہ حکم نہیں دیا گیا میں یہودیت اور نصرانیت دے کر نہیں بھیجا گیا میں تو ملت حنیفہ سمحہ یعنی ملت ابراہیمیہ دے کر بھیجا گیا ہوں جہاں نہایت سہل اور آسان ہے تحقیق تم پر تمہارے نفس کا بھی حق ہے خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں لیکن روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور رات کو عبادت بھی کرتا ہوں اور اپنی عورتوں کے پاس بھی جاتا ہوں اور نکاح بھی کرتا ہوں جو میری سنت سے روگردانی کرے وہ میری امت سے نہیں۔

(تفسیر قرطبی ص ۲۶۰ ج ۶ تفسیر ابن کثیر ص ۸۷ ج ۲)

فائدہ: کسی حلال چیز کو اس نیت سے ترک کر دینا کہ اس ترک سے اللہ تعالی کا قرب حاصل ہوگا یہ رہبانیت ہے جس کو اسلام نے بدعت اور ممنوع قرار دیا ہے اور اگر کسی حلال چیز کو بعض اوقات کسی جسمانی یا نفسانی علاج کی خاطر ترک کر دیا جائے تو یہ مباح ہے داخل بدعت نہیں جیسے کسی طبیب جسمانی یا روحانی کے کہنے سے بغرض علاج اگر گوشت وغیرہ سے پرہیز کر لیا جائے تو یہ جائز ہے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ ....

ربط آیات: اوپر تحریم طیبات کا ذکر تھا، چونکہ وہ بعض اوقات بذریعہ قسم کے ہوتی ہے، اس لیے آگے قسم کھانے کا حکم مذکور ہے۔

قسم کھانے کی چند صورتیں اور ان سے متعلقہ احکام:

اس آیت میں قسم کھانے کی چند صورتوں کا بیان ہے، بعض کا بیان سورۃ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے اور خلاصہ سب کا یہ ہے کہ اگر کسی گزشتہ واقعہ پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائے اس کو اصطلاح فقہاء میں یمین غموس کہتے ہیں، مثلاً ایک شخص نے کوئی کام لیا ہے، اور وہ جانتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے، اور پھر جان بوجھ کر قسم کھالے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا، یہ جھوٹی قسم سخت گناہ کبیرہ اور موجب وبال دنیا و آخرت ہے مگر اس پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا، توبہ و استغفار لازم ہے اسی لیے اس کو اصطلاح فقہاء میں یمین غموس کہا جاتا ہے، کیونکہ غموس کے معنی ڈبو دینے والے کے ہیں، یہ قسم انسان کو گناہ اور وبال میں غرق

کردینے والی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی گزشتہ واقعہ پر اپنے نزدیک سچا سمجھ کر قسم کھائے اور واقع میں وہ غلط ہو، مثلاً کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ فلاں شخص آ گیا ہے، اس پر اعتماد کر کے اس نے قسم کھالی کہ وہ آ گیا ہے، پھر معلوم ہوا کہ یہ واقعہ کے خلاف ہے، اس کو یمین لغو کہتے ہیں، اسی طرح بلا قصد زبان سے لفظ قسم نکل جائے تو اس کو بھی یمین لغو کہا جاتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ نہ اس پر کفارہ ہے نہ گناہ۔

تیسری صورت قسم کی یہ ہے کہ آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے اس کو یمین منعقدہ کہا جاتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس قسم کو توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں اس پر گناہ بھی ہوتا ہے، بعض میں نہیں ہوتا۔

اس جگہ قرآن کریم کی آیت مذکورہ میں بظاہر لغو سے وہی قسم مراد ہے جس پر کفارہ نہیں خواہ گناہ ہو یا نہ ہو، کیونکہ بالمقابل عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ مذکور ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہاں مواخذہ سے مراد دنیا کا مواخذہ ہے، جو کفارہ کی صورت میں ہوتا ہے۔

اور سورۃ بقرہ کی آیت میں ارشاد ہے: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ اس میں لغو سے مراد وہ قسم ہے جو بلا قصد و ارادہ زبان سے نکل جائے، یا اپنے نزدیک سچی بات سمجھ کر قسم کھا لے، مگر وہ واقع میں غلط نکلی، اس کے بالمقابل وہ قسم مذکور ہے جس میں قصداً جھوٹ بولا گیا ہو، جس کو یمین غموس کہتے ہیں، اس لیے اس آیت کا حاصل یہ ہوا کہ یمین لغو پر تو کوئی گناہ نہیں، بلکہ گناہ یمین غموس پر ہے، جس میں قصد کر کے جھوٹ بولا گیا ہو تو سورۃ بقرہ میں حکم آخرت کے گناہ کا بیان ہے، اور سورۃ مائدہ کی آیت متذکرہ میں دنیوی حکم یعنی کفارہ کا، جس کا حاصل یہ ہوا کہ یمین لغو پر اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہیں کرتا، یعنی کفارہ واجب نہیں کرتا، بلکہ کفارہ صرف اس قسم پر لازم کرتا ہے، جو آئندہ زمانہ میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں منعقد کی ہو، اور پھر اس کو توڑ دیا ہو، اس کے بعد کفارہ کی تفصیل اس طرح ارشاد فرمائی ہے:

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ، یعنی تین کاموں میں سے کوئی ایک اپنے اختیار سے کرلیا جائے، اوّل یہ کہ دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کھانا صبح و شام دو وقت کھلا دیا جائے، یا یہ کہ دس مسکینوں کو بقدر ستر پوشی کپڑا دے دیا جائے، مثلاً ایک پاجامہ یا تہبند یا لمبا کرتہ، یا کوئی مملوک غلام آزاد کر دیا جائے۔

اس کے بعد ارشاد ہے: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ، یعنی اگر کسی قسم توڑنے والے کو اس مالی کفارہ کے ادا کرنے پر قدرت نہ ہو کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلا سکے نہ کپڑا دے سکے اور نہ غلام آزاد کر سکے تو پھر اس کا کفارہ یہ ہے کہ تین دن روزے رکھے، بعض روایات میں اس جگہ تین روزے پے در پے مسلسل رکھنے کا حکم آیا ہے، اسی لیے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک کفارہ قسم کے تین روزے مسلسل ہونا ضروری ہیں۔

آیت مذکورہ میں کفارہ قسم کے متعلق اوّل لفظ اطعام آیا ہے، اور اطعام کے معنی عربی لغت کے اعتبار سے کھانا کھلانے کے بھی آتے ہیں، اور کسی کو کھانا دیدینے کے بھی، اس لیے فقہاء رحمہم اللہ نے آیت مذکورہ کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ کفارہ دینے والے کو دونوں باتوں کا اختیار ہے کہ دس مسکینوں کی دعوت کر کے کھانا کھلاوے، یا کھانا ان کی ملکیت میں دیدے، مگر پہلی صورت میں یہ ضروری ہے کہ متوسط درجہ کا کھانا جو وہ عادۃً اپنے گھر کھاتا ہے دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھلادے، اور دوسری صورت میں ایک مسکین کو بقدر ایک فطرہ کے دیدے، مثلاً پونے دو سیر گیہوں یا اس کی قیمت تینوں میں جو چاہے اختیار کرے، لیکن روزہ رکھنا صرف اس صورت میں کافی ہو سکتا ہے جب کہ ان تینوں میں سے کسی پر قدرت نہ ہو۔

(معارف القرآن مفتی شفیع)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ....

ربط آیات: اوپر حلال چیزوں کے ترک خاص کی ممانعت تھی، آگے بعض حرام چیزوں کے استعمال کی ممانعت ہے۔

شراب اور جوئے کے جسمانی اور روحانی مفاسد:

شانِ نزول: آیت کے شان نزول اور اس کے بعد والی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں اصل مقصود دو چیزوں کی حرمت اور مفاسد کا بیان کرنا ہے، یعنی شراب اور جوا، انصاب یعنی بتوں کا ذکر اس کے ساتھ اس لیے ملا دیا گیا ہے کہ سننے والے سمجھ لیں کہ شراب اور جوئے کا معاملہ ایسا سخت جرم ہے جیسے بت پرستی۔

ابن ماجہ کی ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((شارب الخمر کعابد الوثن)) یعنی "شراب پینے والا ایسا مجرم ہے جیسے بت کو پوجنے والا"۔ اور بعض روایات میں ہے: ((شارب الخمر کعابد اللات والعزی)) "یعنی شراب پینے والا ایسا ہے جیسا لات وعزیٰ کی پرستش کرنے والا"۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ یہاں شراب اور جوئے کی شدید حرمت اور ان کی روحانی اور جسمانی خرابیوں کا بیان ہے، اوّل روحانی اور معنوی خرابیاں رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ کے الفاظ میں بیان کیں، جن کا مفہوم یہ ہے کہ یہ چیزیں فطرت سلیمہ کے نزدیک گندی قابل نفرت چیزیں اور شیطانی جال ہیں، جن میں پھنس جانے کے بعد انسان بے شمار مفاسد اور مہلک خرابیوں کے گڑھے میں جاگرتا ہے، یہ روحانی مفاسد بیان فرمانے کے بعد حکم دیا گیا فَاجْتَنِبُوْہُ کہ جب یہ چیزیں ایسی ہیں تو ان سے اجتناب کرو اور پرہیز کرو۔

آخر میں فرمایا: لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ جس میں بتلا دیا گیا کہ تمہاری فلاح دنیا و آخرت اسی پر موقوف ہے کہ ان چیزوں سے پرہیز کرتے رہو۔

اس کے بعد دوسری آیت میں شراب اور جوئے کے دنیوی اور ظاہری مفاسد کا بیان اس طرح فرمایا گیا:

اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ: "یعنی شیطان یہ چاہتا ہے کہ تمہیں شراب اور جوئے میں مبتلا کر کے تمہارے درمیان بغض وعداوت کی بنیادیں ڈال دے"۔

ان آیات کا نزول بھی کچھ ایسے ہی واقعات کے بارے میں ہوا ہے کہ شراب کے نشہ میں ایسی حرکات صادر ہوئیں جو باہمی غیظ وغضب اور پھر جنگ وجدال کا سبب بن گئیں اور یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا بلکہ شراب کے نشہ میں جب آدمی عقل کھو بیٹھتا ہے تو اس سے ایسی حرکات کا صدور لازمی جیسا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جوئے کا معاملہ ہے کہ ہارنے والا اگرچہ اپنی ہار مان کر اس وقت نقصان اٹھالیتا ہے، مگر اپنے حریف پر غیظ و غضب اور بغض وعداوت اس کے لازمی اثرات میں سے ہے، حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بعض عرب کی عادت تھی کہ جوئے میں اپنے اہل وعیال اور مال وسامان سب کو ہرا کر انتہائی رنج وغم کی زندگی گزارتے تھے۔

آخر آیت میں پھر ان چیزوں کی ایک اور خرابی ان الفاظ میں ارشاد فرمائی: وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ "یعنی یہ چیزیں تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے غافل کر دیتی ہیں"۔

یہ خرابی روحانی اور اخروی خرابی ہے، جس کو دنیوی خرابی کے بعد مکرر ذکر فرماتے ہیں، اس میں اشارہ ہو سکتا ہے کہ اصل قابل نظر اور قابل فکر وہ زندگی ہے جو ہمیشہ رہنے والی ہے، عقل مند کے نزدیک اسی کی خوبی مطلوب ومرغوب ہونی چاہیے، اور اسی کی خرابی سے ڈرنا چاہیے، دنیا کی چندروزہ زندگی کی خوبی نہ کوئی قابل فخر چیز ہے، نہ خرابی زیادہ قابل رنج وغم ہے، کہ اس کی دونوں حالتیں چندروز میں ختم ہو جانے والی ہیں اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ذکر اللہ اور نماز سے غفلت یہ دنیا وآخرت اور جسم و روح دونوں کے لیے مضر ہے، آخرت اور روح کے لیے مضر ہونا تو ظاہر ہے کہ اللہ سے غافل، بے نماز کی آخرت تباہ اور روح مردہ ہے، اور ذرا غور سے دیکھا جائے تو اللہ سے غافل کی دنیا بھی وبال جان ہوتی ہے کہ جب اللہ سے غافل ہو کر اس کا انتہائی مقصود مال ودولت اور عزت وجاہ ہو جائے تو وہ اتنے بکھیڑے اپنے ساتھ لاتے ہیں کہ وہ خود ایک مستقل غم ہوتے ہیں جس میں مبتلا ہو کر انسان اپنے مقصود المقاصد یعنی راحت وآرام اور اطمینان وسکون سے محروم ہو جاتا ہے، اور ان اسباب راحت میں ایسا مست ہو جاتا ہے کہ خود راحت کو بھی بھول جاتا ہے، اور اگر کسی وقت یہ مال ودولت یا عزت وجاہ جاتے رہیں یا ان میں کمی آجائے تو ان کے غم اور رنج کی انتہا نہیں رہتی، غرض یہ خالص دنیا دار انسان دونوں حالتوں میں رنج وفکر اور غم واندوہ میں گھرا رہتا ہے۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ....

نہایت صحیح اور قوی احادیث میں ہے کہ جب تحریم کی آیات نازل ہوئیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ان مسلمانوں کا کیا حال ہوگا جنہوں نے حکم تحریم آنے سے پہلے شراب پی اور اسی حالت میں انتقال کر گئے۔ مثلاً بعض صحابہ جو جنگ احد میں شراب پی کر شریک ہوئے اور اسی حالت میں شہید ہو گئے کہ پیٹ میں شراب موجود تھی۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ عموم الفاظ اور دوسری روایات کو دیکھتے ہوئے ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ زندہ ہوں یا مردہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح رکھتے ہیں ان کے لیے کسی مباح چیز کے بوقت اباحت کھالینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ خصوصاً جب کہ وہ لوگ عام احوال میں تقویٰ اور ایمان کی خصال سے متصف ہوں۔ پھر ان خصال میں برابر ترقی کرتے رہے ہوں حتیٰ کہ مدارج تقویٰ وایمان

میں ترقی کرتے کرتے مرتبہ احسان تک جا پہنچے ہوں جو ایک مومن کے لیے روحانی ترقیات کا انتہائی مقام ہو سکتا ہے۔ جہاں جہاں پہنچ کر حق تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ خصوصی محبت کرتا ہے وفی حدیث جبریل اَلْاِحْسَانُ ان تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ" پس جو پاکباز صحابہ ایمان وتقویٰ میں عمر گزار کر اور نسبت احسان حاصل کر کے خدا کی راہ میں شہید ہو چکے ان کی نسبت اس طرح کے خلجان اور توہمات پیدا کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں کہ وہ ایک ایسی چیز کا استعمال کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے ہیں جو اس وقت حرام نہیں تھی مگر بعد کو حرام ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ لَيَختَبِرَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ يُرسِلُهُ لَكُمْ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيِ الصِّغَارَ مِنْهُ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ اَلْكِبَارَ مِنْهُ وَكَانَ ذٰلِكَ بِالْحُدَيْبِيَةِ وَهُمْ مُحْرِمُوْنَ فَكَانَتِ الْوَحْشُ وَالطَّيْرُ تَغْشَاهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ عِلْمَ ظُهُوْرٍ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ حَالٌ اَيْ غَائِبًا لَمْ يَرَهُ فَيَجْتَنِبُ الصَّيْدَ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ النَّهْيِ عَنْهُ فَاصْطَادَهُ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ مُحْرِمُوْنَ بِحَجٍّ اَوْ عُمْرَةٍ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ بِالتَّنْوِيْنِ وَرَفْعِ مَا بَعْدَهٗ اَيْ فَعَلَيْهِ جَزَاءٌ هُوَ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ اَيْ شِبْهُهٗ فِي الْخِلْقَةِ وَ فِيْ قِرَاءَةٍ بِاِضَافَةِ جَزَاءِ يَحْكُمُ بِهٖ اَيْ بِالْمِثْلِ رَجُلَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ لَهُمَا فِطْنَةٌ يُمَيِّزَانِ بِهَا اَشْبَهَ الْاَشْيَاءِ بِهٖ وَقَدْ حَكَمَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَ عُمَرُ وَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ فِي النَّعَامَةِ بِبَدَنَةٍ وَابْنُ عَبَّاسٍ وَاَبُوْ عُبَيْدَةَ فِيْ بَقَرِ الْوَحْشِ وَ حِمَارِهٖ بِبَقَرَةٍ وَابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَوْفٍ فِي الظَّبْيِ بِشَاةٍ وَ حَكَمَ بِهَا ابْنُ عَبَّاسٍ وَعُمَرُ وَغَيْرُهُمَا فِي الْحَمَامِ لِاَنَّهٗ يُشْبِهُهَا فِي الْعَبِّ هَدْيًا حَالٌ مِنْ جَزَاءٍ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَيْ يَبْلُغُ بِهِ الْحَرَمَ فَيُذْبَحُ فِيْهِ وَ يُتَصَدَّقُ بِهٖ عَلٰى مَسَاكِيْنِهٖ وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يُذْبَحَ حَيْثُ كَانَ وَ نَصْبُهٗ نَعْتًا لِمَا قَبْلَهٗ وَاِنْ اُضِيْفَ لِاَنَّ اِضَافَتَهٗ لَفْظِيَّةٌ لَا تُفِيْدُ تَعْرِيْفًا فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لِلصَّيْدِ مِثْلٌ مِنَ النَّعَمِ كَالْعُصْفُوْرِ وَالْجَرَادِ فَعَلَيْهِ قِيْمَتُهٗ اَوْ عَلَيْهِ كَفَّارَةٌ غَيْرُ الْجَزَاءِ وَاِنْ وَجَدَهٗ هِيَ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ مِنْ غَالِبِ قُوْتِ الْبَلَدِ مِمَّا يُسَاوِيْ الْجَزَاءَ لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ مُدٌّ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِاِضَافَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَعْدَهٗ وَهِيَ لِلْبَيَانِ اَوْ عَلَيْهِ عَدْلُ مِثْلُ ذٰلِكَ الطَّعَامِ صِيَامًا يَصُوْمُهٗ عَنْ كُلِّ مُدٍّ يَوْمًا وَاِنْ وَجَدَهٗ وَجَبَ ذٰلِكَ عَلَيْهِ لِيَذُوْقَ وَبَالَ ثِقَلِ

جَزَاءِ اَمْرِہٖ الَّذِیْ فَعَلَهٗ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ مِنْ قَتْلِ الصَّیْدِ قَبْلَ تَحْرِیْمِهٖ وَمَنْ عَادَ عَلَیْهِ فَیَنْتَقِمُ
اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ مِمَّنْ عَصَاهُ وَاُلْحِقَ بِقَتْلِهٖ مُتَعَمِّدًا فِیْمَا ذُكِرَ
الْخَطَاءُ اُحِلَّ لَكُمْ اَیُّهَا النَّاسُ حَلَالًا كُنْتُمْ اَوْ مُحْرِمِیْنَ صَیْدُ الْبَحْرِ اَنْ تَاكُلُوْهُ وَهُوَ مَا لَا یَعِیْشُ اِلَّا
فِیْهِ كَالسَّمَكِ بِخِلَافِ مَا یَعِیْشُ فِیْهِ وَفِی الْبَرِّ كَالسَّرْطَانِ وَطَعَامُهٗ مَا یَقْذِفُهُ اِلَی السَّاحِلِ مَیِّتًا
مَتَاعًا تَمْتِیْعًا لَّكُمْ تَاكُلُوْنَهٗ وَلِلسَّیَّارَةِ الْمُسَافِرِیْنَ مِنْكُمْ یَتَزَوَّدُوْنَهٗ وَحُرِّمَ عَلَیْكُمْ صَیْدُ الْبَرِّ وَهُوَ
مَا یَعِیْشُ فِیْهِ مِنَ الْوَحْشِ الْمَاكُوْلِ اَنْ تَصِیْدُوْهُ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا فَلَوْ صَادَهٗ حَلَالٌ فَلِلْمُحْرِمِ اَكْلُهٗ
كَمَا بَیَّنَتْهُ السُّنَّةُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ الْمُحَرَّمَ
قِیٰمًا لِّلنَّاسِ یَقُوْمُ بِهٖ اَمْرُ دِیْنِهِمْ بِالْحَجِّ اِلَیْهِ وَدُنْیَاهُمْ بِاَمْنِ دَاخِلِهٖ وَعَدَمِ التَّعَرُّضِ لَهٗ وَجَبْیِ ثَمَرَاتِ
كُلِّ شَیْءٍ اِلَیْهِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ قِیَمًا بِلَا اَلِفٍ مَصْدَرُ قَامَ غَیْرُ مُعْتَلٍّ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ بِمَعْنَی الْاَشْهُرِ الْحُرُمِ
ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ قِیَامًا لَّهُمْ بِاَمْنِهِمُ الْقِتَالَ فِیْهَا وَالْهَدْیَ وَالْقَلَآئِدَ قِیَامًا
لَهُمْ بِاَمْنِ صَاحِبِهِمَا مِنَ التَّعَرُّضِ لَهٗ ذٰلِكَ الْجَعْلُ الْمَذْكُوْرُ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ
مَا فِی الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۹۷﴾ فَاِنَّ جَعْلَهٗ ذٰلِكَ لِجَلْبِ الْمَصَالِحِ لَكُمْ اَوْ دَفْعِ الْمَضَارِّ
عَنْكُمْ قَبْلَ وُقُوْعِهَا دَلِیْلٌ عَلٰی عِلْمِهٖ بِمَا فِی الْوُجُوْدِ وَمَا هُوَ كَائِنٌ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ لِاَعْدَائِهٖ
الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لِاَوْلِیَائِهٖ رَّحِیْمٌ ﴿۹۸﴾ بِهِمْ مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْاِبْلَاغُ لَكُمْ وَاللّٰهُ
یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ تُظْهِرُوْنَ مِنَ الْعَمَلِ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ تُخْفُوْنَ مِنْهُ فَیُجَازِیْكُمْ بِهٖ قُلْ لَّا یَسْتَوِی
الْخَبِیْثُ الْحَرَامُ وَالطَّیِّبُ الْحَلَالُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِیْثِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِیْ تَرْكِهٖ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ تَفُوْزُوْنَ ع ۱۳/۷

ترجمہ: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان کریں گے (تمہاری آزمائش کریں گے) کچھ شکار سے (جس کو تمہارے پاس بھیج دیں گے) جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں گے (یعنی اس شکار میں چھوٹے جانوروں تک تمہارے ہاتھ اور ان سے بڑے جانوروں تک تمہارے نیزے بسہولت پہنچ سکیں گے، قریب آنے کی

وجہ سے اور یہ واقعہ حدیبیہ میں پیش آیا جبکہ لوگ احرام کی حالت میں تھے اور وحشی جانور اور پرندے ان کے خیموں کے پاس بکثرت آرہے تھے) تا کہ اللہ تعالیٰ (ظاہری طور پر بھی) معلوم کرے کہ کون اس سے (یعنی اس کے عذاب سے) بن دیکھے ڈرتا ہے (بِالْغَيْبِ ۚ يَخَافُهُ کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہے۔ای یخاف حال کون العبد غائبا عن اللہ، یعنی بندہ نے اللہ کو دیکھا نہیں ہے غائبانہ ڈرتا ہے اور شکار سے اجتناب کرتا ہے۔ مفسرؒ کا قول:) سو جو شخص اس ممانعت کے بعد حد سے تجاوز کرے گا (یعنی شکار سے ممانعت کے بعد شکار کرے گا) تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔اے ایمان والو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار کو نہ مارو (خواہ حج کا احرام ہو یا عمرہ کا) اور جو شخص تم میں سے جان بوجھ کر شکار کو قتل کرے گا تو اس پر پاداش (تاوان) واجب ہے (لفظ جزاء تنوین کے ساتھ ہے اور اس کا مابعد (مثل) مرفوع ہے۔ای فعلیہ جزاء ھو مثل الخ، یعنی اس محرم پر بدلہ واجب ہے وہ بدلہ اس چوپایہ کے برابر ہو جس کو اس نے قتل کیا ہے (یعنی خلقت میں جسمانی طور پر مارے ہوئے شکار کے مشابہ ہو۔ایک قراءت میں لفظ جزاء اضافت کے ساتھ ہے) يَحْكُمُ بِهٖ اس کا (یعنی اس مماثلت کا) فیصلہ کریں (دو آدمی) جو تم میں سے معتبر ہوں (یعنی ان دونوں کو ایسی بصیرت ہو، ذکاوت ہو کہ اس ذکاوت کے ذریعہ اس شکار کے مشابہ چیزوں کی تمیز کر لیں، چنانچہ حضرت عمر اور ابن عباس اور علی رضی اللہ عنہم اجمعین نے شتر مرغ کے بدلہ میں اونٹ کا حکم دیا اور ابن عمر اور ابن عوف رضی اللہ عنہم اجمعین نے ہرن کے عوض میں بکری کا حکم دیا ہے اور اسی بکری کا حکم دیا ہے ابن عباس اور عمر رضی اللہ عنہم اجمعین نے کبوتر کے عوض میں۔ کیونکہ بغیر چونچ سے پانی پینے میں کبوتر بکری کے مشابہ ہے ھدیا حال ہے جزاء سے) هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ، درآنحالیکہ وہ ہدی (نیاز) کعبہ تک پہنچائی جائے (یعنی اس جانور کو حدود حرم میں پہنچا دے اور وہاں ذبح کر کے وہاں کے مسکینوں پر اس کا تصدق کیا جائے اور خود اس میں سے نہ کھائے اور جائز نہیں ہوگا کہ جہاں چاہے جانور کو ذبح کر دے اور بٰلِغَ الْكَعْبَةِ کا منصوب ہونا هَدْيًا کی صفت ہونے کی بنا پر ہے اگرچہ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ میں بٰلِغَ کی اضافت معرّف باللام کی طرف ہے کیونکہ اضافت لفظیہ ہے جو معرفہ کا فائدہ نہیں دیتا یعنی معرفہ نہیں بنتا (پس اضافت کے باوجود نکرہ رہا اور هَدْيًا نکرہ کی صفت ہونا درست ہو گیا، بہرحال یہ سب اس صورت میں ہے کہ صید مقتول کا مثل پایا جائے) لیکن اگر صید مقتول کے مثل کوئی چوپایہ نہ ہو جیسے گوریا یا ٹڈی تو اس صورت میں اس کی قیمت واجب ہوگی، اَوْ كَفَّارَةٌ یا (اس پر) کفارہ واجب ہے (جزاء کے علاوہ اگرچہ جزاء اس کو دستیاب ہو، مطلب یہ ہے کہ صید مقتول کی جو جزاء اوپر مذکور ہوئی اس جزاء کے علاوہ یہ کفارہ ہے اور وہ کفارہ) مسکینوں کو کھلا دینا ہے (اس شہر یعنی مکہ میں عام طور پر جو غلہ زیادہ کھایا جاتا ہو اس سے جزاء کا تخمینہ کر کے ہر فقیر کو ایک مد غلہ (تقریباً ایک سیر) دے دیا جائے اور ایک قراءت میں لفظ کفارہ مضاف ہے مابعد یعنی طَعَامُ مَسٰكِيْنَ کی طرف اور یہ اضافت بیانیہ ہے۔ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ یا (اس پر) اس (غلہ) کے برابر (مساوی) روزے ہوں گے (ہر مد غلہ کے عوض ایک دن روزہ رکھے اگر غلہ دستیاب ہو تو یہی جزاء اس قاتل صید پر واجب ہے، لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ تا کہ وہ سزا چکھے یعنی سزا کی سختی چکھے) اپنے کام کی (یعنی حالت احرام میں قتل صید کا جو کام اس نے کیا ہے اس کی سزا چکھے) اپنے کام کی (یعنی حالت احرام میں قتل صید کا جو کام اس نے کیا ہے اس کی سزا

چکھے)، عَفَا اللّٰهُ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دی وہ خطا جو اس سے پہلے ہو چکی (یعنی تحریم سے پہلے قتل صید کسی نے کیا تو اس پر مواخذہ نہیں) اور جو شخص پھر ایسی حرکت (شکار) کرے گا تو اللہ تعالیٰ (آخرت میں) اس سے انتقام لیں گے اور اللہ غالب ہے (زبردست ہے اپنے کام میں) اور انتقام لینے والا ہے (نافرمانوں سے اور عمداً قتل صید کے مذکورہ حکم میں قتل خطا کو بھی لاحق کر دیا جائے گا، اُحِلَّ لَكُمْ حلال کر دیا گیا تمہارے لیے (اے لوگو! خواہ تم حلال ہو یعنی غیر احرام میں یا احرام کی حالت میں) دریا کا شکار (تم اس کو کھا سکتے ہو اور صَيْدُ الْبَحْرِ یعنی دریا کے شکار سے مراد پانی کا وہ جانور ہے جو صرف پانی ہی میں زندہ رہتے ہیں اور اسی میں انڈے بچے دیتے ہیں جیسے مچھلی، بخلاف اس جانور کے جو پانی میں بھی زندہ رہتے ہیں اور خشکی میں بھی جیسے سرطان یعنی کیکڑا) اور اس کا کھانا (یعنی تمہارے لیے حلال ہے: طعام البحر سے مراد وہ مچھلی ہے جس کو سمندر نے کنارہ پر پھینک دیا ہو، تمہارے انتفاع (فائدے) کے لیے کہ تم اس کو کھا سکتے ہو) اور تمہارے مسافروں کے فائدے کے لیے (یعنی تم میں سے جو سفر کرنے والے ہیں وہ اسی کو توشۂ سفر بنا سکتے ہیں) وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ اور حرام کر دیا گیا تم پر خشکی کا شکار جب تک احرام کی حالت میں رہو (خشکی کے شکار سے مراد وہ جنگلی جانور ہے جو خشکی ہی میں زندگی گزارتے ہیں، اس کا شکار کرنا حرام ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم سب جمع کیے جاؤ گے۔ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ اللہ نے کعبہ کو جو محترم (معزز) گھر ہے لوگوں کے قائم اور باقی رہنے کا ذریعہ بنایا ہے (خانہ کعبہ کا حج کر کے اپنے دین کا کام درست کرتے ہیں اور اپنی دنیا بیت اللہ کے ذریعے درست کرتے ہیں بوجہ مامون ہونے کے اس میں داخل ہونے والے کے اور اس وجہ سے کہ اس میں داخل ہونے والے سے کوئی تعرض نہیں کرتا اور اس وجہ سے کہ ہر چیز کے پھل و پیداوار اس کعبہ کے پاس جمع ہوتے ہیں اور ایک قراءت میں لفظ قیما بغیر الف کے ہے، قام کا مصدر ہے۔ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ اور ماہ حرام کو (شہر حرام بمعنی اشہر حرم ہے، اشہر حرم یعنی حرمت والے مہینے چار ہیں، ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب، یہ مہینے لوگوں کے لیے قائم اور باقی رہنے کا ذریعہ ہیں، قتل وقتال سے مامون رہنے کی وجہ سے) اور قربانی کے جانور اور قلائد کو بھی یعنی ان کو لوگوں کے لیے قیام کا ذریعہ بنا دیا ہے اس وجہ سے کہ جو شخص ہدی اور قلادہ والا ہو اس سے تعرض نہیں کیا جاتا ہے) یہ قرار داد مذکور اس لیے ہے کہ تم جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کا علم رکھتے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو خوب جانتے ہیں (تمہارے لیے منافع حاصل کرنے اور تمہاری مضرتیں دفع کرنے کے لیے وقوع سے پہلے اس قسم کی قرار داد کا مقرر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جو چیزیں موجود ہیں اور جو ہونے والی ہیں سب کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، یعنی حاضر وغائب سب سے بخوبی واقف ہیں) اِعْلَمُوْٓا خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں اپنے دشمنوں کو (کفر وشرک کرنے والوں کو) اور بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں (اپنے دوستوں کو) اور (ان پر) رحم کرنے والے ہیں رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ اللہ کا پیغام (تم تک) پہنچا دے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جو کچھ (یعنی عمل) ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو (جو عمل پوشیدہ رکھتے ہو، چنانچہ تم کو اس کی جزاء دیں گے) اور پاک (حلال) اور حرام برابر نہیں اگرچہ (اے دیکھنے والے) تجھے ناپاک کی کثرت بھلی معلوم ہو، پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو (اس ناپاک کے

چھوڑنے میں۔ اے عقلمندو! تاکہ تم فلاح پاؤ (کامیاب ہو)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: يُرْسِلُهٗ: اس کو مقدر مانا کیونکہ اختیار تو افعال سے ثابت ہوتا ہے۔

قوله: حَالٌ: بالغیب غائبا کے معنی میں ہے۔ یخافہ سے اس کا تعلق نہیں کیونکہ اس کا خوف غیب کی وجہ سے تو نہیں۔

قوله: فَعَلَيْهِ: اس کو مقدر مانا گیا کیونکہ جزاء جملہ ہوا کرتی ہے۔

قوله: بِالْمِثْلِ: اس وجہ سے مرفوع ہے کہ مبتداء محذف کی خبر ہے۔

قوله: رَجُلَانِ: ذوا۔ موصوف محذوف کی صفت ہے۔

قوله: حَالٌ مِّنْ جَزَاءٍ: اشارہ کیا کہ مثل سے بدل نہیں۔

قوله: عَلَيْهِ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ او تخییر کے لیے ہے، ترتیب کے لیے نہیں۔

قوله: هُوَ: معنی کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ طعام یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے کفارے کا عطف بیان نہیں۔

قوله: مِثْلُ ذٰلِكَ: عدل یہ مصدر ہے جو مفعول کے معنی میں ہے۔

قوله: وَجَبَ ذٰلِكَ: لازم کا تعلق محذوف سے ہے، مذکور سے نہیں۔

قوله: اَلَّذِيْ فَعَلَهٗ: اس سے اشارہ کیا کہ امرہ کی ضمیر قاتل کی طرف راجع ہے نہ کہ باری تعالیٰ کی طرف۔

قوله: اَنْ تَاكُلُوْهُ: صیر سے حیوان مراد ہے، مگر اس کے ساتھ اکل کو مقدر ماننا پڑے گا۔

قوله: تَمْتِيْعًا: گویا یہاں مَتَاعًا تَمْتِيْعًا کے معنی میں ہے۔

قوله: الْمَاكُوْلِ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ غیر ماکول احرام سے پہلے بھی حرام ہے۔

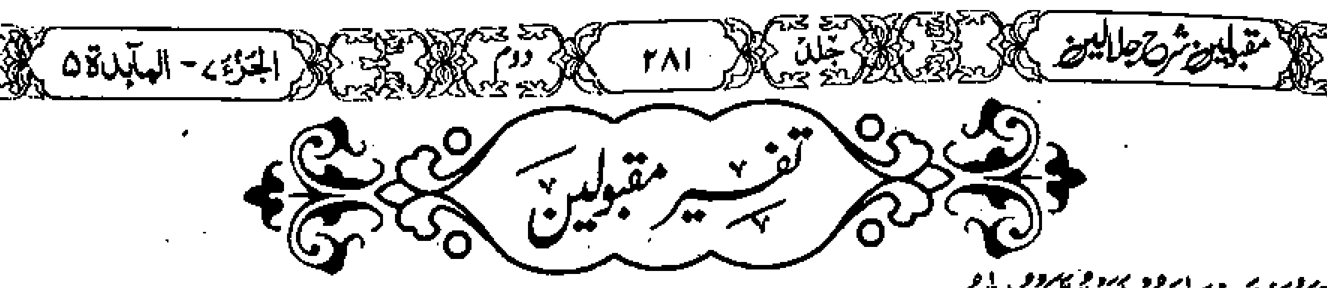
قوله: السُّنَّةُ: جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا کہ وہ شکار تمہارے لیے حلال ہے جبکہ تم نے احرام میں شکار نہ کیا؟ تمہارے لیے شکار نہ کیا گیا ہو۔

قوله: بِمَعْنَى الْاَشْهُرِ: یہ لام جنس کا ہے۔ تمام مہینے مراد ہیں۔

قوله: قِيَامًا لَهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ اس کا عطف الکعبہ پر حذف خبر کے ساتھ ہے۔

قوله: الْجَعْلُ الْمَذْكُوْرُ: ذٰلِكَ کا اشارہ جعل مذکور کی طرف ہے نہ کہ اشیاء مذکورہ کی طرف۔

قوله: تُظْهِرُوْنَ: سے اشارہ کیا کہ تُبْدُوْنَ، البدو سے ہے جو اظہار کے معنی میں ہے۔ بدایت سے نہیں۔



يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ....

حالت احرام میں شکار والے جانوروں کے ذریعہ آزمائش:

حج اور عمرہ کا اگر کوئی شخص احرام باندھ لے تو احرام سے نکلنے تک بہت سے کام ممنوع ہو جاتے ہیں ان ممنوع کاموں میں خشکی کا شکار کرنا بھی ہے۔

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو اس طرح آزمایا کہ احرام کی حالت میں تھے اور شکاری جانور خوب بڑھ چڑھ کر آ رہے تھے یہ ایسی آزمائش تھی جیسے بنی اسرائیل کو آزمایا گیا تھا، ان کے لیے سنیچر کے دن مچھلیوں کا شکار کرنا ممنوع تھا لیکن سنیچر کے دن مچھلیاں خوب ابھرا ابھر کر پانی کے اوپر آ جاتی تھیں اور دوسرے دنوں میں ایسا نہیں ہوتا تھا جس کا ذکر سورۃ اعراف کی آیت ۱۶۳: وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ (الآیۃ) میں فرمایا ہے۔

تفسیر در منثور ص ۳۲۷ جلد نمبر ۲ میں ابن ابی حاتم سے نقل کیا ہے کہ آیت بالا حدیبیہ والے عمرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ وحشی جانور اور پرندے ان کے ٹھہرنے کی جگہوں میں چلے آ رہے تھے اس سے پہلے ایسے منظر انہوں نے کبھی نہیں دیکھے تھے ان کو ہاتھوں سے پکڑنا اور نیزوں سے مارنا بہت ہی زیادہ آسان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا تھا کہ احرام کی حالت میں شکار قطعاً نہ کرنا جو شکار کرنے سے پرہیز کرے گا وہ امتحان میں کامیاب ہوگا۔ اور یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ دیکھے بغیر اللہ تعالیٰ سے کون ڈرتا ہے (اور جو شخص شکار کر لے گا وہ گناہ کا ارتکاب کرے گا اور آزمائش میں ناکام ہوگا)۔

احرام میں شکار مارنے کی جزا اور ادائیگی کا طریقہ:

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا حالت احرام میں (حج کا احرام ہو یا عمرہ کا) خشکی کا کوئی جانور شکار کرے (خواہ اس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو) تو اس کی سزا آیت بالا میں ذکر فرمائی ہے، یاد رہے کہ صید یعنی شکار ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جو وحشی ہوں، انسانوں سے مانوس نہ ہوں ان سے دور بھاگتے ہوں جیسے شیر، گیدڑ، ہرن، خرگوش، نیل گائے، کبوتر، فاختہ وغیرہ اور جو جانور انسانوں سے مانوس ہیں ان کے پاس رہتے ہیں جیسے گائے اونٹ، بھیڑ بکری مرغی یہ شکار میں داخل نہیں ہیں اور جو وحشی جانور ہوں ان میں سے بعض جانوروں کا مارنا حالت احرام میں بھی جائز ہے۔ یہ استثناء احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے ان میں کوا اور چیل اور بھیڑیا اور سانپ اور بچھو اور کاٹنے والا کتا اور چوہا شامل ہیں۔ یعنی محرم کو ان کا قتل کرنا جائز ہے اور جو جانور محرم پر حملہ کر دے اس کا قتل کرنا بھی جائز ہے اگرچہ ان جانوروں میں نہ ہو جن کے قتل کی اجازت ہے۔

احرام میں شکار مارنے کی جزا آیت بالا میں مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو جانور قتل کیا اس کا ضمان واجب ہوگا۔ اور اس ضمان کی ادائیگی یا تو اس طرح کر دے کہ جانور خرید کر بطور ھدی کعبہ شریف کی طرف یعنی حدود حرم میں بھیج دے جسے

وہاں ذبح کر دیا جائے اور اگر ھدی نہ بھیجے تو اس کی قیمت مسکینوں کی دیدے یا اس کے بدلے روزے رکھ لے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ ....

کعبہ شریف دینی اور دنیاوی دونوں حیثیت سے لوگوں کے قیام کا باعث ہے۔ حج وعمرہ تو وہ عبادات ہیں جن کا ادا کرنا براہ راست کعبہ ہی سے متعلق ہے۔ لیکن نماز کے لیے بھی استقبال قبلہ شرط ہے، اس طرح کعبہ لوگوں کی دینی عبادات کے قیام کا سبب ہو گیا۔ پھر حج وغیرہ کے موقع پر تمام بلاد اسلامیہ سے لاکھوں مسلمان جب وہاں جمع ہوتے ہیں تو بیشمار تجارتی، سیاسی، اخلاقی، مذہبی اور روحانی فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ خدا نے اس جگہ کو حرم امن بنایا۔ اس لیے انسانوں بلکہ بہت جانوروں تک کو وہاں رہ کر امن نصیب ہوتا ہے۔ عہد جاہلیت میں جب کہ ظلم وخونریزی اور فتنہ وفساد محض معمولی بات تھی ایک آدمی اپنے باپ کے قاتل سے بھی حرم شریف میں تعرض نہ کر سکتا تھا۔ مادی حیثیت سے انسان یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ اس وادی غیر ذی زرع میں اتنی افراط سے سامان خورد ونوش اور نفیس قسم کے پھل اور میوے کہاں سے کھنچے چلے آتے ہیں۔ یہ سب حیثیات قِيٰمًا لِّلنَّاسِ میں معتبر ہو سکتی ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ علم الٰہی میں پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا کہ نوع انسان کے لیے اسی جگہ سے عالمگیر اور ابدی ہدایت کا چشمہ پھوٹے گا اور مصلح اعظم سیّد کائنات محمد ﷺ کے مولد ومسکن مبارک بننے کا شرف بھی سارے جہان میں سے اسی خاک پاک کو حاصل ہوگا۔ ان سب وجوہ سے کعبہ کو قیاماً للناس کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ کعبہ تمام روئے زمین کے انسانوں کے حق میں اصلاح اخلاق، تکمیل روحانیت اور علوم ہدایت کا مرکزی نقطہ ہے اور کسی چیز کا قیام اپنے مرکز کے بدون نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ محققین کے نزدیک قیاماً للناس کا مطلب یہ ہے کہ کعبہ شریف کا مبارک وجود کل عالم کے قیام اور بقا کا باعث ہے۔ دنیا کی آبادی اسی وقت تک ہے جب تک خانہ کعبہ اور اس کا احترام کرنے والی مخلوق موجود ہے۔ جس وقت خدا کا ارادہ یہ ہوگا کہ کارخانہ عالم کو ختم کیا جائے تو سب کاموں سے پہلے اسی مبارک مکان کو جسے بیت اللہ شریف کہتے ہیں اٹھا لیا جائے گا، جیسا کہ بنانے کے وقت بھی زمین پر سب سے پہلا مکان یہ ہی بنایا گیا تھا۔ (إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ) (آل عمران:۹۶) بخاری کی حدیث میں ہے کہ ایک سیاہ فام حبشی (جسے ذوالسویقتین کے لقب سے ذکر فرمایا ہے) عمارت کعبہ کا ایک ایک پتھر اکھیڑ کر ڈال دے گا جب تک خدا کو اس دنیا کا نظام قائم رکھنا منظور ہے کوئی طاقتور سے طاقتور قوم جس کا مقصد کعبہ کو ہدم کرنا ہو، اپنے اس ناپاک ارادہ میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اصحاب فیل کا قصہ تو ہر شخص نے سنا ہے لیکن ان کے بعد بھی ہر زمانہ میں کتنی قوموں اور شخصوں نے ایسے منصوبے باندھے ہیں اور باندھتے رہتے ہیں۔ یہ محض خدائی حفاظت اور اسلام کی صداقت کا عظیم الشان نشان ہے کہ باوجود سامان واسباب ظاہرہ کے فقدان کے آج تک کوئی شخص اس ابلیسانہ مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور نہ ہو سکے گا اور جب عمارت کعبہ کے گرا دینے میں قدرت کی طرف سے مزاحمت نہ رہے گی تو سمجھ لو کہ عالم کی ویرانی کا حکم آن پہنچا۔ دنیا کی حکومتیں اپنے دار السلطنت اور قصر شاہی کی حفاظت کے لیے لاکھوں سپاہی کٹوا دیتی ہیں لیکن اگر کبھی خود ہی قصر شاہی کو کسی مصلحت سے تبدیل یا ترمیم کرنا چاہیں تو معمولی مزدوروں سے اس کے گرا دینے کا کام لے لیا جاتا ہے۔ شاید اسی لیے امام بخاری نے "باب جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ

اَلْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ.... میں ذوالسویقتین کی حدیث درج کر کے قِيٰمًا لِّلنَّاسِ.... کے اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے جو ہم نقل کر چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ....

اس رکوع سے پہلے رکوع میں فرمایا تھا کہ طیبات کو حرام مت ٹھہراؤ بلکہ ان سے اعتدال کے ساتھ تمتع کرو۔ اس مضمون کی تکمیل کے بعد خمر وغیرہ چند ناپاک اور خبیث چیزوں کی حرمت بیان فرمائی۔ اسی سلسلے میں محرم کے شکار کو حرام کیا۔ یعنی جس طرح خمر سیتہ وغیرہ خبیث چیزیں ہیں اسی طرح محرم کے شکار کو سمجھو محرم کی مناسبت سے چند ضمنی چیزوں کا بیان فرمانے کے بعد اب متنبہ فرماتے ہیں کہ طیب اور خبیث یکساں نہیں ہو سکتے۔ تھوڑی چیز اگر طیب وحلال ہو وہ بہت سی خبیث وحرام چیز سے بہتر ہے۔ عقلمند کو چاہیے کہ ہمیشہ طیب وحلال کو اختیار کرے، گندی اور خراب چیزوں کی طرف خواہ وہ دیکھنے میں کتنی ہی زیادہ ہوں اور بھلی لگیں نظر نہ اٹھائے۔

وَنَزَلَ لَمَّا اَكْثَرُوْا سُؤَالَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ تُظْهَرَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ لِمَا فِيْهَا مِنَ الْمُشَقَّةِ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ اَيْ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُبْدَ لَكُمْ ۭ الْمَعْنٰى اِذَا سَاَلْتُمْ عَنْ اَشْيَاءَ فِيْ زَمَنِهٖ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ بِاِبْدَائِهَا وَمَتٰى اَبْدَاهَا سَاءَتْكُمْ فَلَا تَسْئَلُوْا عَنْهَا عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ عَنْ مَسْأَلَتِكُمْ فَلَا تَعُوْدُوْا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا اَيِ الْاَشْيَاءَ قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ اَنْبِيَائَهُمْ فَاُجِيْبُوْا بِبَيَانِ اَحْكَامِهَا ثُمَّ اَصْبَحُوْا صَارُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ بِتَرْكِهِمُ الْعَمَلَ بِهَا مَا جَعَلَ شَرَعَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ كَمَا كَانَ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَفْعَلُوْنَهٗ رَوَى الْبُخَارِيُّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ الْبَحِيْرَةُ الَّتِيْ يُمْنَعُ دَرُّهَا لِلطَّوَاغِيْتِ فَلَا يَحْلِبُهَا اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ وَالسَّائِبَةُ كَانُوْا يُسَيِّبُوْنَهَا لِاٰلِهَتِهِمْ فَلَا يُحْمَلُ عَلَيْهَا شَيْءٌ وَالْوَصِيْلَةُ النَّاقَةُ الْبِكْرُ تَبْكُرُ فِيْ اَوَّلِ نِتَاجِ الْاِبِلِ بِاُنْثٰى ثُمَّ تَثْنِيْ بَعْدَهٗ بِاُنْثٰى وَكَانُوْا يُسَيِّبُوْنَهَا لِطَوَاغِيْتِهِمْ اِنْ وَصَلَتْ اِحْدٰهُمَا بِالْاُخْرٰى لَيْسَ بَيْنَهُمَا ذَكَرٌ وَالْحَامُ فَحْلُ الْاِبِلِ يَضْرِبُ الضِّرَابَ الْمَعْدُوْدَ فَاِذَا قَضٰى ضِرَابَهٗ وَدَعُوْهُ لِلطَّوَاغِيْتِ وَاَعْفَوْهُ مِنَ الْحَمْلِ فَلَمْ يُحْمَلْ عَلَيْهِ شَيْءٌ وَسَمَّوْهُ الْحَامِيَ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ فِيْ ذٰلِكَ وَنِسْبَتِهٖ اِلَيْهِ وَ

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ اَنَّ ذٰلِكَ افْتِرَاءٌ لِاَنَّهُمْ قَلَّدُوْا فِيْهِ اٰبَآءَهُمْ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ
اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ اَیْ اِلٰی حُكْمِهٖ مِنْ تَحْلِيْلِ مَا حَرَّمْتُمْ قَالُوْا حَسْبُنَا كَافِيْنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ
اٰبَآءَنَا مِنَ الدِّيْنِ وَالشَّرِيْعَةِ قَالَ تَعَالٰى حَسْبُهُمْ ذٰلِكَ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا
يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اِلَى الْحَقِّ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلْاِنْكَارِ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ اَیْ اِحْفَظُوْهَا
وَقُوْمُوْا بِصَلَاحِهَا لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ قِيْلَ الْمُرَادُ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ مِنْ اَهْلِ
الْكِتٰبِ وَقِيْلَ الْمُرَادُ غَيْرُهُمْ لِحَدِيْثِ اَبِیْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِیِّ سَاَلْتُ عَنْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَقَالَ ائْتَمِرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنَاهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ حَتّٰى اِذَا رَاَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا وَهَوًى مُتَّبَعًا وَدُنْيَا
مُؤْثَرَةً وَاِعْجَابَ كُلِّ ذِیْ رَاْیٍ بِرَاْيِهٖ فَعَلَيْكَ نَفْسَكَ رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَ غَيْرُهٗ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ
اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اَیْ اَسْبَابُهٗ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ خَبَرٌ بِمَعْنَى الْاَمْرِ اَیْ لِيَشْهَدْ
وَاِضَافَةُ شَهَادَةٍ لِبَيْنَ عَلَى الْاِتِّسَاعِ وَحِيْنَ بَدَلٌ مِنْ اِذَا اَوْ ظَرْفٌ لِحَضَرَ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اَیْ
غَيْرِ مِلَّتِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ سَافَرْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا
تُوْقِفُوْنَهُمَا صِفَةُ اٰخَرَانِ مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ اَیْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ فَيُقْسِمٰنِ يَحْلِفَانِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ
شَكَكْتُمْ فِيْهِمَا وَيَقُوْلَانِ لَا نَشْتَرِیْ بِهٖ بِاللّٰهِ ثَمَنًا عِوَضًا نَاْخُذُهٗ بَدَلَهٗ مِنَ الدُّنْيَا بِاَنْ نَحْلِفَ اَوْ نَشْهَدَ
بِهٖ كَاذِبًا لِاَجْلِهٖ وَّ لَوْ كَانَ الْمُقْسَمُ لَهٗ اَوِ الْمَشْهُوْدُ لَهٗ ذَا قُرْبٰى قَرَابَةٍ مِنَّا وَ لَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ
اَمَرَنَا بِاِقَامَتِهَا اِنَّاۤ اِذًا اِنْ كَتَمْنَاهَا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ عُثِرَ اُطُّلِعَ بَعْدَ حَلْفِهِمَا عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ
اِثْمًا اَیْ فِعْلًا مَا يُوْجِبُهٗ مِنْ خِيَانَةٍ اَوْ كِذْبٍ فِی الشَّهَادَةِ بِاَنْ وُجِدَ عِنْدَهُمَا مَثَلًا مَا اتُّهِمَا بِهٖ وَادَّعَيَا
اَنَّهُمَا ابْتَاعَاهُ مِنَ الْمَيِّتِ اَوْ اَوْصٰى لَهُمَا بِهٖ فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا فِیْ تَوَجُّهِ الْيَمِيْنِ عَلَيْهِمَا مِنَ
الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْوَصِيَّةُ وَهُمُ الْوَرَثَةُ وَيُبْدَلُ مِنْ اٰخَرَانِ الْاَوْلَيٰنِ بِالْمَيِّتِ اَیِ الْاَقْرَبَانِ اِلَيْهِ وَفِیْ

قِرَاءَةِ الْاَوَّلِيْنَ جَمْعُ اَوَّلٍ صِفَةٌ اَوْبَدَلٌ مِنَ الَّذِيْنَ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ على خيانة الشاهدين وَيَقُوْلَانِ
لَشَهَادَتُنَآ يَمِيْنُنَا اَحَقُّ اصدق مِنْ شَهَادَتِهِمَا يَمِيْنِهِمَا وَ مَا اعْتَدَيْنَآ تجاوزنا الحق في اليمين
اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ الْمَعْنٰى لِيُشْهِدَ الْمُحْتَضَرُ على وَصِيَّتِهٖ اِثْنَيْنِ اَوْ يُوْصِي اِلَيْهِمَا مِنْ اَهْلِ
دِيْنِهٖ اَوْ غَيْرِهِمْ اِنْ فَقَدَهُمْ لِسَفَرٍ وَنَحْوِهٖ فَاِنِ ارْتَابَ الْوَرَثَةُ فِيْهِمَا فَادَّعَوْا اَنَّهُمَا خَانَا بِاَخْذِ شَيْءٍ اَوْ
دَفْعِهٖ اِلٰى شَخْصٍ زَعَمَا اَنَّ الْمَيِّتَ اَوْصٰى لَهٗ فَلْيَحْلِفَا الخ فَاِنْ اَطَّلَعَ على اَمَارَةِ تَكْذِيْبِهِمَا فَادَّعَيَا دَ
فِعَالَهٗ حَلَفَ اَقْرَبُ الْوَرَثَةِ عَلٰى كِذْبِهِمَا وَصِدْقِ مَا ادَّعَوْهُ وَالْحُكْمُ ثَابِتٌ فِي الْوَصِيَّيْنِ مَنْسُوْخٌ فِي
الشَّاهِدَيْنِ وَكَذَا شَهَادَةُ غَيْرِ اَهْلِ الْمِلَّةِ مَنْسُوْخَةٌ وَاِعْتِبَارُ صَلٰوةِ الْعَصْرِ لِلتَّغْلِيْظِ وَتَخْصِيْصُ
الْحَلْفِ فِي الْاٰيَةِ بِاثْنَيْنِ مِنْ اَقْرَبِ الْوَرَثَةِ لِخُصُوْصِ الْوَاقِعَةِ الَّتِيْ نَزَلَتْ لَهَا وَهِيَ مَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ
اَنَّ رَجُلًا مِنْ بَنِيْ سَهْمٍ خَرَجَ مَعَ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ وَعَدِيِّ بْنِ بَدَّاءٍ وَهُمَا نَصْرَانِيَّانِ فَمَاتَ السَّهْمِيُّ
بِاَرْضٍ لَيْسَ فِيْهَا مُسْلِمٌ فَلَمَّا قَدِمَا بِتَرِكَتِهٖ فَقَدُوْا جَامًا مِنْ فِضَّةٍ مُخَوَّصًا بِالذَّهَبِ فَرَفَعَا اِلَى النَّبِيِّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ فَاَحْلَفَهُمَا ثُمَّ وُجِدَ الْجَامُ بِمَكَّةَ فَقَالَ ابْتَعْنَاهُ مِنْ تَمِيْمٍ وَعَدِيٍّ فَنَزَلَتِ
الْاٰيَةُ الثَّانِيَةُ فَقَامَ رَجُلَانِ مِنْ اَوْلِيَاءِ السَّهْمِيِّ فَحَلَفَا وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ فَقَامَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ وَ
رَجُلٌ اٰخَرُ مِنْهُمْ فَحَلَفَا وَكَانَا اَقْرَبَ اِلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَمَرِضَ فَاَوْصٰى اِلَيْهِمَا وَاَمَرَهُمَا اَنْ يُبَلِّغَا مَا
تَرَكَ اَهْلَهٗ فَلَمَّا مَاتَ اَخَذَ الْجَامَ وَدَفَعَا اِلٰى اَهْلِهٖ مَا بَقِيَ ذٰلِكَ الْحُكْمُ الْمَذْكُوْرُ مِنْ رَدِّ الْيَمِيْنِ عَلَى
الْوَرَثَةِ اَدْنٰى اَقْرَبُ اِلٰى اَنْ يَّاْتُوْا اَيِ الشُّهُوْدُ اَوِ الْاَوْصِيَاءُ بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ الَّذِيْ تَحَمَّلُوْهَا عَلَيْهِ
مِنْ غَيْرِ تَحْرِيْفٍ وَلَا خِيَانَةٍ اَوْ اَقْرَبُ اِلٰى اَنْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ عَلَى الْوَرَثَةِ
الْمُدَّعِيْنَ فَيَحْلِفُوْنَ عَلٰى خِيَانَتِهِمْ وَكِذْبِهِمْ فَيَفْتَضِحُوْنَ وَيَغْرَمُوْنَ فَلَا يَكْذِبُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ بِتَرْكِ
الْخِيَانَةِ وَالْكِذْبِ وَ اسْمَعُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ بِهٖ سِمَاعَ قُبُوْلٍ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع ۱۴ ۸ ۴
الْخَارِجِيْنَ عَنْ طَاعَتِهٖ اِلٰى سَبِيْلِ الْخَيْرِ

ترجمہ: لوگوں نے جب آنحضرت ﷺ سے کثرت سے سوالات کرنے شروع کر دیئے تو یہ آیت نازل ہوئی: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! ایسی (فضول) باتوں کے متعلق سوال نہ کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار گزریں (اس مشقت کی وجہ سے جو ان چیزوں میں ہے) اور اگر تم ان باتوں کے متعلق اس وقت سوال کرو گے جبکہ قرآن نازل ہو رہا ہے (یعنی نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں) تو وہ باتیں تم پر ظاہر کر دی جائیں گی (مطلب یہ ہے کہ جب تم نبی اکرم ﷺ کے زمانہ حیات میں چیزوں (باتوں) کے متعلق پوچھو گے تو اس کے اظہار کے واسطے قرآن نازل ہوگا اور جب قرآن اس کو ظاہر کر دے گا تو تمہیں ناگوار ہوگا، لہٰذا ایسی باتوں کے متعلق سوال ہی مت کرو) عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ اللہ نے معاف کر دیا ان سوالات کو پھر دوبارہ یعنی آئندہ ایسا نہ کرو) اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں اور بہت ہی بردبار ہیں قَدْ سَاَلَهَا یہ واقعہ ہے کہ ایسی باتیں تم سے پہلے لوگوں نے اپنے پیغمبروں سے پوچھی تھیں ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝ پھر ان سے منکر ہو گئے (ان احکام پر عمل چھوڑ کر۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ الخ اللہ نے نہیں ٹھہرایا ہے (مشروع نہیں کیا ہے) بحیرہ کو اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام کو (جیسا کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ اس کو کرتے تھے) امام بخاریؒ نے سعید بن مسیبؒ سے روایت کی ہے کہ سعید بن مسیب نے فرمایا: بحیرہ وہ جانور تھا جس کا دودھ بتوں کے لیے وقف کر دیتے تھے، کوئی شخص بھی اس کا دودھ نہیں دوہتا تھا اور سائبہ وہ جانور کہلاتا تھا جس کو اپنے بتوں کے نام پر آزاد کر دیتے تھے چنانچہ اس پر نہ کوئی سوار ہوتا اور نہ ہی بوجھ لادتا۔ وصیلہ وہ جوان اونٹنی جو پہلی بار مادہ بچہ جنتی پھر دوسری بار مادہ بچی جنتی تو اس کو بھی اپنے بتوں کے لیے آزاد چھوڑ دیتے تھے یعنی ایک مادہ بچہ کو دوسری مادہ سے ملا دیا اور ان دونوں کے درمیان میں کوئی نر بچہ پیدا نہ ہوا تو وہ اونٹنی وصیلہ کہلاتی تھی، حام وہ نر اونٹ جو خاص عدد سے جفتی کرے پھر جب مقررہ تعداد جفتیاں پوری کر لیتا تو اس کو بھی اپنے بتوں کے نام چھوڑ دیتے اور اس بوجھ لادنے سے اس کو معاف رکھتے، چنانچہ اس پر کوئی چیز نہیں لادتے تھے اور اس کا نام حامی رکھتے تھے) لیکن کافر لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان لگاتے ہیں (اس بارے میں اور اللہ کی طرف نسبت کرنے میں۔ اور ان میں کے اکثر عقل نہیں رکھتے ہیں (کہ یہ افتراء ہے کیونکہ ان لوگوں نے اس معاملہ میں اپنے باپ دادا کی تقلید کر رکھی ہے) وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل فرمایا ہے (یعنی قرآن شریف کا حکم مانو) اور رسول کی طرف آؤ (یعنی ان کے حکم کو مانو کہ جو کچھ تم نے حرام سمجھ رکھا ہے وہ حلال ہے) تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہی (دین و شریعت) کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا (وہ آبائی طریقہ ان کے لیے کافی ہے؟ استفہام انکاری ہے) اگرچہ ان کے آباء واجداد نہ کچھ علم رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں (یعنی حق کی طرف ہدایت یاب نہ ہوں، یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ اے ایمان والو! تم پر اپنے نفسوں کی ذمہ داری ہے (یعنی اپنے نفسوں کی حفاظت کرو اور اپنی اصلاح کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔ لَا يَضُرُّكُمْ الخ جو شخص (باوجود تمہاری نصیحت اور تفہیم کے) گمراہ ہوگا وہ تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکے گا بشرطیکہ تم خود راہِ ہدایت پر ہو (بعض کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے جو شخص گمراہ ہوا تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا بشرطیکہ تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو، اور بعض کے نزدیک غیر اہل کتاب مراد ہیں بدلیل حدیث ابو ثعلبہ خشنیؓ کے کہ میں

نے اس آیت کا مطلب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو حتی کہ جب تم دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جارہی ہے اور خواہش نفس کی پیروی کی جاتی ہے، دنیا کو (دین پر) ترجیح دی جارہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے میں مست ہے تو صرف اپنی اصلاح کی فکر کرو (رواہ الحاکم وغیرہ) اللہ ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے، پھر وہ تم سب کو بتلا دیں گے جو کچھ تم کیا کرتے تھے (چنانچہ تمہارے کیے کا بدلہ تم کو دیں گے، اے ایمان والو! تمہارے درمیان گواہ ہو جائیں جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے (یعنی موت کے اسباب وعلامات ظاہر ہونے لگیں) وصیت کے وقت دو ایسے شخص جو دیندار ہوں اور تم میں سے ہوں (یہ شہادت خبر بمعنی امر ہے یعنی گواہ ہو جائیں اور شہادۃ کی اضافت لفظ بین کی طرف توسعا ہے اور حین اذا حضر سے بدل ہے یا ظرف زمان ہے، اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ الخ یا تمہارے غیر سے دو اشخاص ہوں (یعنی تمہاری ملت سے سوا ہوں) اگر تم سفر میں ہو (کسی جگہ مسافرت کی حالت میں ہو) پھر تمہیں موت کی مصیبت آ پہنچے تو ان دونوں گواہوں (وصیوں) کو روک لو (ٹھہرالو، لفظ تَحْبِسُوْنَهُمَا اٰخَرٰنِ کی صفت ہے) نماز کے بعد (یعنی نماز عصر کے بعد) پھر وہ دونوں (مجمع عام میں) اللہ کی قسم کھائیں (اگر تم تردد میں پڑ جاؤ اور خیانت کا گمان ہو یعنی ان وصیوں کی امانت اور صداقت میں شبہ ہو تو ان دونوں وصیوں کو نماز کے بعد روک لو کیونکہ اس وقت مجمع زیادہ ہوتا ہے پھر وہ دونوں قسمیں کھائیں اور یہ کہیں) ہم اس قسم کے عوض کسی قسم کا مال (دنیاوی عوض) نہیں لینا چاہتے ہیں (کہ اس قسم باللہ کے بدلے دنیاوی معاوضہ لے کر جھوٹی قسم کھالیں یا اس مال کی وجہ سے جھوٹی شہادت دے دیں) اگر چہ کوئی قرابتدار ہی ہو (یعنی اگر چہ وہ شخص جس کے لیے قسم کھائی یا جس کے لیے شہادت دی گئی ہے وہ ہمارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو) اور ہم اللہ کی شہادت نہیں چھپائیں گے (جس کے ٹھیک قائم رکھنے کا اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے) اگر ہم ایسا کریں (یعنی اگر اللہ کی شہادت چھپائیں) تو اس حالت میں بے شک ہم سخت گنہگاروں میں سے ہوں گے۔ فَاِنْ عُثِرَ الخ پھر اگر (بعد میں کسی طریقہ سے) اطلاع ملے (یعنی ان دونوں کے قسم کھانے کے بعد کسی طریق سے اطلاع ہوگئی اس بات پر) کہ وہ دونوں (وصی) گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں (یعنی دونوں نے کوئی ایسا فعل کیا ہے جو گناہ کا موجب ہے یعنی خیانت کی اطلاع ہوئی یا شہادت میں جھوٹ بولنے کی اطلاع ہوئی بایں طور کہ مثلاً ان دونوں کے پاس، وہ چیز پائی گئی جس سے دونوں پر خیانت کا اتہام ہوا اور دونوں نے دعویٰ کیا کہ ہم نے اس کو میت سے خریدا ہے یا میت نے ہی دے دینے کو اس کی وصیت کی تھی) فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا، تو دوسرے دو اشخاص ان کی جگہ کھڑے ہو جائیں، ان دونوں کے خلاف قسم کے قصد میں، مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ، ان لوگوں میں سے جن پر استحقاق ہوا ہے (یعنی وصیت کا، مطلب یہ ہے کہ دوسرے لوگ ان وارثوں میں سے ہوں گے جن کا حق یعنی وصیت جھوٹی قسم کھانے والے گواہوں نے دبایا ہے، مراد ورثاء ہیں اور اٰخَرٰنِ سے بدل ہو رہا ہے جو آگے آرہا ہے الْاَوْلَيٰنِ) جو دونوں قریب تر ہوں (یعنی یہ دونوں میت کے قریب ترین رشتہ دار ہوں اور ایک قراءت میں اولین ہے اول کی جمع، اس صورت میں یہ الَّذِيْنَ کی صفت ہے یا بدل) فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ پھر وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قسم کھائیں گے، میت کے گواہوں کی خیانت پر اور یہ کہیں گے: لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا، بے شک ہماری شہادت

(ہماری قسم) ان دونوں کی شہادت (ان دونوں کی قسم) سے زیادہ راست ہے (زیادہ سچی اور معتبر ہے) وَمَا اعْتَدَيْنَا اور ہم نے ذرا تجاوز نہیں کیا (یعنی ہم نے اپنی قسم میں حق وصداقت سے ذرا بھی تجاوز نہیں کیا ہے۔ إِنَّا إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ ۝ ہم اس حالت میں سخت ظالم ہوں گے (یعنی اگر ہم نے حق وصداقت سے تجاوز کیا تو بلاشبہ ہم ظالموں میں سے ہوں گے، مقصد یہ ہے کہ قریب المرگ آدمی کے لیے مناسب یہ ہے کہ اپنی وصیت پر دو گواہ بنالے یا اپنے دین والوں یعنی مسلمانوں میں سے دو آدمیوں کو وصی بنالے یا غیر مسلمانوں میں سے دو اشخاص کو وصی بنالے اگر سفر وغیر کی وجہ سے مسلمان میسر نہ ہو سکیں، پھر اگر وارثوں کو ان دونوں وصیوں میں خیانت کا شبہ پڑ جائے اور ورثاء دعویٰ کریں کہ ان دونوں وصیوں نے کوئی چیز لے کر خیانت کی یا کسی شخص کو دے دیا ہے اس گمان پر یعنی یہ کہہ کر کہ میت نے اس شخص کے لیے اس چیز کے دینے کی وصیت کی تو یہ دونوں قسمیں کھائیں گے پھر اگر بعد میں ان دونوں وصیوں کے جھوٹے ہونے کی علامت پر اطلاع ہوئی یعنی بعد میں کسی طرح یہ معلوم ہوا کہ ان دونوں نے جھوٹی قسم کھا کر مال ہضم کر لیا بعد میں وہ گمشدہ چیز کسی کے پاس نکلی اور انہوں نے دعویٰ کیا کہ میت نے یہ چیز بطور ہبہ ہم دے دی یا ہم نے میت سے یہ چیز خرید لی تھی اور وارثوں نے اس خریداری سے انکار کیا حَلَفَ أَقْرَبُ الْوَرَثَةِ تو وارثوں میں سے میت کے قریب ترین رشتہ دار دونوں وصیوں کے جھوٹے ہونے پر اور اپنے دعویٰ کی صداقت پر قسم کھائیں، چنانچہ وہ گمشدہ مال یا اس کی قیمت وارثوں کو دلائی جائے گی۔ وَالْحُكْمُ ثَابِتٌ فِي الْوَصِيَّيْنِ مَنْسُوخٌ فِي الشَّاهِدَيْنِ، یعنی آیت کریمہ میں جو حکم ہے کہ موت کے اسباب وعلامت ظاہر ہوتے وقت دو گواہ مقرر کرلیں یہ حکم وصیوں کے بارے میں ثابت وبرقرار ہے لیکن اگر شاہدین سے مراد آیت کریمہ میں یہ ہے کہ وصیت کے وقت دو گواہ مقرر کرلیں تو یہ حکم منسوخ ہے کیونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ گواہوں پر قسم نہیں ہے، اسی طرح غیر مسلموں کی شہادت بھی منسوخ ہے، اور نمازِ عصر کا لحاظ صرف تغلیظ کے لیے ہے، اور آیت کریمہ میں قسم کھانے کی جو قریب تر رشتہ داروں کی تخصیص ہے وہ محض خصوصیت واقعہ کی وجہ سے ہے جس واقعہ کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں اور وہ واقعہ وہ ہے کہ جس کو بخاری نے نقل کیا ہے کہ قبیلہ بنی سہم کا ایک شخص بدیل نامی جو مسلمان تھا تمیم داری اور عدی بن بداء کے ساتھ بغرض تجارت نکلا اور یہ دونوں نصرانی تھے، پھر سہمی کا انتقال ایسی جگہ میں ہوا جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا، چنانچہ دونوں نصرانی اس کا ترکہ لے کر آئے یعنی وارثوں کے حوالہ کیا تو سہمی کے وارثوں نے ایک چاندی کا جام گم پایا جس پر سونے کا نقش ونگار تھا، پس سہمی کے وارثوں نے ان دونوں نصرانیوں کو نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اس پر آیت نازل ہوئی یعنی: إِنَّا إِذًا لَّمِنَ الْآثِمِينَ ۝ تک۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں نصرانیوں سے قسم لی، اس کے بعد وہ جام مکہ میں ملا تو اس نے جس کے پاس وہ جام ملا بیان دیا کہ ہم نے تمیم اور عدی سے خریدا ہے اس پر دوسری آیت یعنی: فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا نازل ہوئی تو سہمی کے وارثوں میں سے دو اشخاص کھڑے ہوئے اور انہوں نے قسم کھائی اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ عمرو بن العاص اور ان ہی ورثاء میں سے ایک دوسرے آدمی مطلب بن وداعہ اٹھے اور دونوں نے قسم کھائی اور یہ دونوں میت کے قریب ترین رشتہ دار تھے۔ وَفِي رِوَايَةِ الخ اور ایک روایت میں ہے کہ سہمی بیمار ہوا تو اس نے ان دونوں نصرانیوں کو

وصیت کی اور تاکیدی حکم دیا کہ میرا ترکہ میرے گھر والوں کو پہنچا دینا لیکن جب سہمی کا انتقال ہوا تو دونوں وصیوں نے جام لے لیا اور باقی ترکہ گھر والوں کو پہنچا دیا۔ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى یہ (یعنی یہ حکم جو وارثوں پر قسم لوٹانے کے سلسلے میں ذکر کیا گیا) قریب تر ہے (قریب ترین ذریعہ ہے) اس امر کی طرف کہ وہ (میت کے گواہ لوگ یا میت کے دونوں وصی (بنا پر دوسری تفسیر کے) شہادت ادا کریں، ٹھیک ٹھیک طریقہ پر (یعنی جس شہادت کا بوجھ انہوں نے اٹھایا ہے بلا تحریف و خیانت ٹھیک طور پر ادا کریں)۔ اَوْ یَخَافُوْٓا یا یہ حکم قریب تر ہے اس امر کے کہ وہ اس بات سے ڈر جائیں کہ ان کی قسموں کے بعد بھی قسمیں لوٹائی جائیں گی (یعنی وارثوں پر جو ان وصیوں کی خیانت کے مدعی چنانچہ وہ ورثاء ان کی خیانت اور جھوٹ پر قسمیں کھا لیں گے، پھر یہ رسوا ہوں گے اور تاوان بھریں گے، اس لیے جھوٹ نہ بولیں گے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الخ اور اللہ سے ڈرتے رہو (خیانت اور جھوٹ چھوڑ دو) اور سنو (یعنی جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے اس کو گوش قبول سے سنو) اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو (جو طاعت سے باہر ہیں، نافرمان ہیں) ہدایت نہیں دیتے ہیں (خیر کی طرف)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اَلْمَعْنٰى اِذَا سَاَلْتُمْ: اس سے اشارہ ہے کہ جملہ شرطیہ اور اس کا معطوف کئی اشیاء کی دو صفتیں ہیں، سوال کو روکنے کی دلیل کے لیے دو مقدمے ہیں، ان سے نتیجہ نکلتا ہے کہ سوال منع ہے۔

قوله: عَنْ مَسْاَ لَتِكُمْ: عَنْهَا کی ضمیر کا مرجع مسئلہ ہے جو تَسْئَلُوْا سے سمجھ آتا ہے۔ اشیاء اس کا مرجع نہیں۔

قوله: اَلْاَشْيَاءَ: اس سے اشارہ کیا کہ سَاَلَهَا کی ضمیر کا مرجع اشیاء ہے نہ کہ مسئلہ۔ (فتدبر)

قوله: شَرَعَ: اس سے اشارہ کیا کہ جعل یہ شرع کے معنی میں ہے۔ اسی وجہ سے ایک مفعول سے متعدی ہے اور وہ البحیرۃ ہے کیونکہ من زائدہ ہے۔

قوله: وَ اَكْثَرُهُمْ: اکثریت کی قید بڑھائی کیونکہ ان کے بعض جانتے تھے مگر سرداری کے قائم رکھنے کی خاطر منع نہ کرتے تھے۔

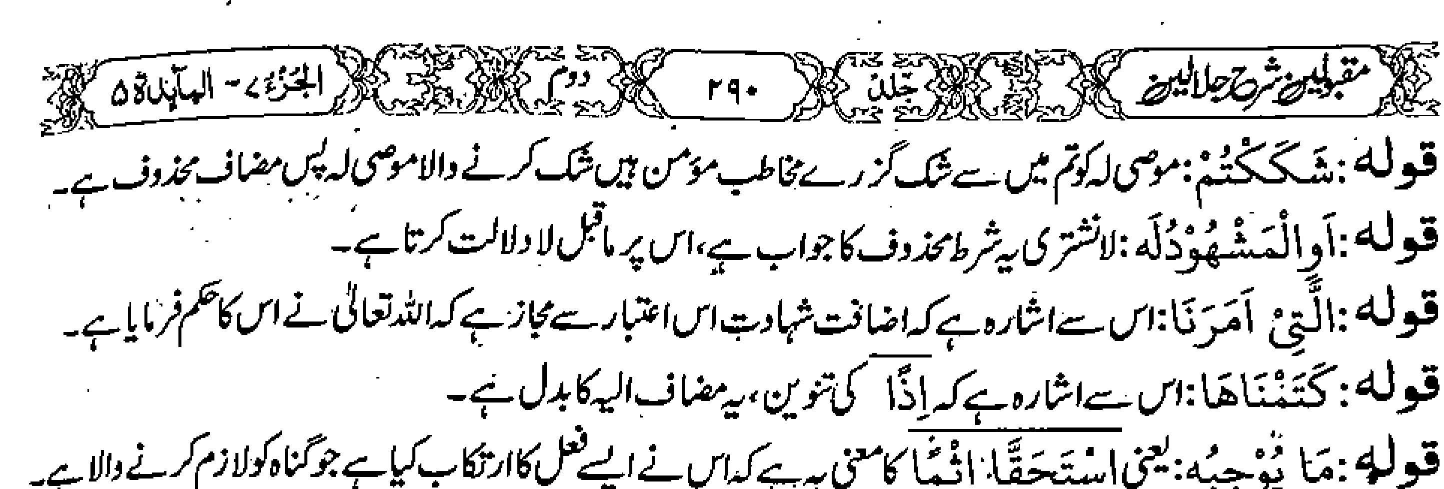
قوله: اِلٰى حُكْمِهٖ: الرسول میں لام مضاف کا بدل ہے۔

قوله: اِحْفَظُوْهَا: جار مجرور، یہ اِحْفَظُوْهَا کا اسم ہے، جو کہ امر ہے۔ اسی وجہ سے اَنْفُسَكُمْ منصوب ہے۔ بعض نے کہا کہ اس آیت میں امر بالمعروف کا تعلق کفار سے اور نہی عن المنکر کا مومنوں سے ہے۔

قوله: اَسْبَابُهٗ: مضاف کو مقدر مانا کیونکہ حقیقت موت کے وقت وصیت کا تصور ممکن نہیں۔

قوله: عَلَى الْاِتِّسَاعِ: اس طرح کہ ظرف کو فاعل کے قائم مقام مجازاً لایا جائے۔

قوله: بَدَلٌ مِنْ اِذَا: بدل سے فائدہ یہ ہے کہ وصیت سے سستی نہ برتی جائے کیونکہ وہ اس وقت محسوس کرتا ہے کہ اس وقت وصیت لازم ہے اور ذہن میں پختہ ہو گی۔



قوله: شَكَكْتُمْ: موصی لہ کو تم میں سے شک گزرے مخاطب مؤمن ہیں شک کرنے والا موصی لہ پس مضاف محذوف ہے۔

قوله: اَوِالْمَشْهُوْدُلَه: لانشتری یہ شرط محذوف کا جواب ہے، اس پر ماقبل لادلالت کرتا ہے۔

قوله: الَّتِیْ اَمَرْنَا: اس سے اشارہ ہے کہ اضافت شہادت اس اعتبار سے مجاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا ہے۔

قوله: كَتَمْنَاهَا: اس سے اشارہ ہے کہ اِذًا کی تنوین، یہ مضاف الیہ کا بدل ہے۔

قوله: مَا يُوْجِبُه: یعنی اسْتَحَقَّا اِثْمًا کا معنی یہ ہے کہ اس نے ایسے فعل کا ارتکاب کیا ہے جو گناہ کو لازم کرنے والا ہے۔

قوله: فِیْ تَوَجُّهِ الْيَمِيْنِ: جیسا کہ انکا قول قسم کے ساتھ ہوگا یا دوسرے دو کا قول قسم کے ساتھ دوسری مرتبہ نہ ہوگا۔

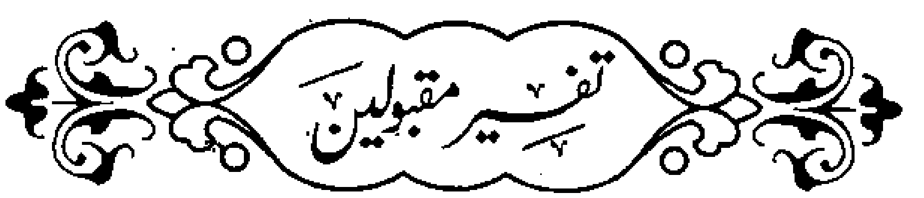
قوله: يَمِيْنُنَا: شاہد سے مراد یمین مجازاً ہے کیونکہ وہ ایک دلیل ہے۔

قوله: اَوْ يُوْصِىْ: جیسا وصیت پر گواہی ڈلوائے۔ اس لیے کہ شہادت پر یمین نہیں۔

قوله: الْحُكْمُ الْمَذْكُوْرُ: ذٰلِكَ کا اشارہ تمام مذکور کو شامل ہے۔ تحلیف شاہد۔ ردالی الورثہ۔

قوله: اَوْ اَقْرَبُ: اس سے اشارہ کیا کہ اَنْ يَخَافُوْا اس کا عطف يَاتوا پر ہے اَن يَاتوا پر نہیں۔

قوله: الْخَارِجِيْنَ: الکافرین مراد ہیں، نہ کہ گنہگار مؤمن۔



يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَاۤءَ۔۔۔

بےضرورت سوال کرنے کی ممانعت:

ان آیات میں اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ بعض لوگوں کو احکام الٰہیہ میں بلاضرورت تدقیق اور بال کی کھال نکالنے کا شوق ہوتا ہے، اور جو احکام نہیں دیئے گئے ان کے متعلق بغیر کسی داعیہ ضرورت کے سوالات کیا کرتے ہیں، اس آیت میں ان کو یہ ہدایت دی گئی کہ وہ ایسے سوالات نہ کریں جن کے نتیجہ میں ان پر کوئی مشقت پڑ جائے یا ان کو خفیہ رازوں کے اظہار سے رسوائی ہو۔

شانِ نزول: ان آیات کا شان نزول مسلم کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ جب حج کی فرضیت نازل ہوئی تو اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ کیا ہر سال ہمارے ذمہ حج فرض ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوال کا جواب نہ دیا، تو مکرر سوال کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی سکوت فرمایا، انہوں نے تیسری مرتبہ پھر سوال کیا، تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب کے ساتھ تنبیہ فرمائی کہ اگر میں تمہارے جواب میں یہ کہہ دیتا کہ ہاں ہر سال حج فرض ہے تو ایسا ہی ہو جاتا اور پھر تم اس کو پورا نہ کر سکتے، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جن چیزوں کے متعلق میں تمہیں کوئی حکم نہ دوں ان کو اسی طرح رہنے دو، ان میں کھود کرید کر کے سوالات نہ کرو، تم سے پہلے بعض امتیں اسی کثرت سوال کے ذریعہ ہلاک ہو چکی ہیں، کہ جو چیزیں اللہ اور اس کے رسول

ﷺ نے فرض نہیں کی تھیں سوال کر کر کے ان کو فرض کرا لیا، اور پھر اس کی خلاف ورزی میں مبتلا ہو گئے، تمہارا وظیفہ یہ ہونا چاہئے کہ جس کام کا میں حکم دوں اس کو مقدور بھر پورا کرو اور جس چیز سے منع کر دوں اس کو چھوڑ دو (مراد یہ ہے کہ جن چیزوں سے سکوت کیا جائے ان کے متعلق کھود کرید نہ کرو)۔ اسکے علاوہ بھی اس کے اسباب نزول بیان کیے گئے ہیں۔

اسباب نزول متعدد بھی ہو سکتے ہیں اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آیت کریمہ میں مسلمانوں کو اس بات کی ہدایت فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ سے ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کیا کرو جن کی ضرورت نہیں ہے، اور جن کے ظاہر کرنے سے سوال کرنے والے کو ناگواری ہوگی اور جواب اچھا نہ لگے گا ایک آدمی نے پوچھ لیا کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہے آپ نے جواب دیدیا کہ دوزخ میں ہے بات معلوم کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ پھر جو جواب ملا وہ گوارا نہ تھا یوں تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین مسائل واحکام تو دریافت کیا ہی کرتے تھے اور سوال کرنے کا حکم بھی ہے جیسا کہ سورۂ نحل اور سورۂ انبیاء میں ارشاد ہے: (فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ) (سو سوال کرو اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے) معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا آیت میں جن چیزوں کے بارے میں سوال کرنے سے ممانعت فرمائی ہے وہ ایسی چیزیں ہیں جن کی ضرورت نہ ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ ـــــــ

اپنے نفسوں کی اصلاح کرو:

اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ اپنی جانوں کی فکر کریں اعمال صالحہ میں لگے رہیں اور گناہ سے بچتے رہیں۔ اگر خود ہدایت پر ہوں گے تو دوسرا کوئی شخص جو گمراہ ہوگا وہ ضرر نہ پہنچا سکے گا۔

الفاظ کے عموم سے یہ ابہام ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری نہیں، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس وہم کو دور فرما دیا اور فرمایا کہ تم لوگ یہ آیت: (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ) پڑھتے ہو اور اس کا مطلب غلط لیتے ہو کہ نہی عن المنکر ضروری نہیں تمہارا یہ سمجھنا صحیح نہیں۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ لوگ جب منکر کو دیکھیں اور اس کی تغییر نہ کریں (یعنی اسے دور نہ کریں) تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر عام عذاب بھیج دے گا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۰۹، از مسند احمد)

مفسر ابن کثیر نے بحوالہ عبد الرزاق نقل کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے آیۃ شریفہ: (عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ) کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ یہ وہ زمانہ نہیں ہے (جس میں اپنی ذات کو لے کر بیٹھ جاؤ اور نہی عن المنکر نہ کرو) آج تو بات مانی جاتی ہے۔ (یعنی تبلیغ کا اثر لیا جاتا ہے) ہاں عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ تم امر بالمعروف کرو گے تو تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے گا۔ یا یوں فرمایا کہ اس وقت تمہاری بات قبول نہ کی جائے گی۔ اس وقت آیت پر عمل کرنے کا موقع ہوگا۔

سنن ترمذی میں ابو امیہ شعبانی کا بیان نقل کیا ہے کہ میں حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور میں نے کہا اس آیت

کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس آیت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا آپ نے فرمایا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے رہو یہاں تک جب تم دیکھو کہ کنجوسی کا اتباع کیا جاتا ہے اور خواہشات کا اتباع کیا جاتا ہے اور ہر رائے والا اپنی رائے کو پسند کرتا ہے تو اس وقت اپنی جان کی حفاظت کر لینا اور عوام کو چھوڑ دینا۔ کیونکہ تمہارے پیچھے ایسے دن آنے والے ہیں کہ ان میں دین پر جمنے والا ایسا ہوگا جیسے اس نے ہاتھ میں آگ کے انگارے پکڑ لیے ہوں۔ ان دونوں میں عمل کرنے والے کو ایسے پچاس آدمیوں کا ثواب ملے گا جو تمہارا جیسا عمل کرے۔
(قال الترمذی ہذا حدیث حسن)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ آیت میں یہ نہیں بتایا کہ ہر شخص ابھی سے اپنی اپنی جان کو لیکر بیٹھ جائے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے۔ اپنی جان کی صلاح واصلاح کے ساتھ لے کر بیٹھنے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر چھوڑ دینے کا وقت اس وقت آئے گا جب کوئی کسی کی نہ سنے گا۔ اور جو شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام انجام دے گا اس کو لوگوں کی طرف سے ایسی مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ جیسے کوئی شخص ہاتھ میں چنگاری لے لے۔ البتہ اپنے اعمال ذاتیہ اور اپنی اصلاح کی خبر رکھنا ہر حال میں ضروری ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ ۔۔۔۔

ربط آیات: اوپر مصالح دینیہ کے متعلق احکام تھے، آگے مصالح دنیویہ کے متعلق بعض احکام کا ذکر کیا گیا ہے، اور اس میں اشارہ کر دیا کہ حق تعالیٰ اپنی رحمت سے مثل اصلاح معاد کے اپنے بندوں کی معاش کی اصلاح بھی فرماتے ہیں۔
(بیان القرآن)

شانِ نزول: آیات مذکورہ کے نزول کا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص "بدیل" نامی جو مسلمان تھا دو شخصوں تمیم وعدی کے ساتھ جو اس وقت نصرانی تھے۔ بغرض تجارت ملک شام کی طرف گیا، شام پہنچ کر بدیل بیمار ہوگیا، اس نے اپنے مال کی فہرست لکھ کر اسباب میں رکھ دی، اور اپنے دونوں رفیقوں کو اطلاع نہ کی، مرض جب زیادہ بڑھا، تو اس نے دونوں نصرانی رفقاء کو وصیت کی کہ کل سامان میرے وارثوں کو پہنچا دینا۔ انہوں نے سب سامان لا کر وارثوں کے حوالہ کر دیا، مگر چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کا ملمع یا نقش ونگار تھا اس میں سے نکال لیا، وارثوں کو فہرست اسباب میں سے دستیاب ہوئی۔ انہوں نے اوصیا سے پوچھا کہ میت نے کچھ مال فروخت کیا تھا یا کچھ زیادہ بیمار رہا کہ معالجہ وغیرہ میں خرچ ہوا ہو۔ ان دونوں نے اس کا جواب نفی میں دیا، آ کر معاملہ نبی کریم ﷺ کی عدالت میں پیش ہوا، چونکہ وارثوں کے پاس گواہ نہ تھے تو ان دونوں نصرانیوں سے قسم لی گئی کہ ہم نے میت کے مال میں کسی طرح کی خیانت نہیں کی، نہ کوئی چیز اس کی چھپائی، آخر قسم پر فیصلہ ان کے حق میں کر دیا گیا، کچھ مدت کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ پیالہ ان دونوں نے مکہ میں کسی سنار کے ہاتھ فروخت کیا ہے، جب سوال ہوا تو کہنے لگے کہ ہم نے میت سے خرید لیا تھا، چونکہ خریداری کے گواہ موجود نہ تھے اس لیے ہم نے پہلے اس کا ذکر نہیں کیا، مبادا ہماری تکذیب کر دی جائے۔

میت کے وارثوں نے پھر نبی کریم ﷺ کی طرف رجوع کیا، اب پہلی صورت کے برعکس اوصیا خریداری کے مدعی اور وارث منکر تھے، شہادت موجود نہ ہونے کی وجہ سے وارثوں میں سے دو شخصوں نے جو میت سے قریب تر تھے قسم کھائی کہ پیالہ میت کی ملک تھا، اور یہ دونوں نصرانی اپنی قسم میں جھوٹے ہیں۔ چنانچہ جس قیمت پر انہوں نے فروخت کیا تھا (ایک ہزار درہم پر) وہ وارثوں کو دلائی گئی۔

مسئلہ: میت جس شخص کو مال سپرد کر کے اس کے متعلق کسی کو دینے دلانے کیلئے کہہ جاوے وہ وصی ہے، اور وصی ایک شخص بھی ہوسکتا ہے، اور زیادہ بھی۔

مسئلہ ۲: وصی کا مسلمان اور عادل ہونا خواہ حالت سفر ہو یا حضر افضل ہے لازم نہیں۔

مسئلہ ۳: نزاع میں جو امر زائد کا مثبت ہو وہ مدعی اور دوسرا مدعٰی علیہ کہلاتا ہے۔

مسئلہ ۴: اوّل مدعی سے گواہ لیے جاتے ہیں، اگر موافق ضابطہ شرعی کے پیش کردے، مقدمہ وہ پاتا ہے، اور اگر پیش نہ کر سکے تو مدعٰی علیہ سے قسم لی جاتی ہے اور مقدمہ وہ پاتا ہے، البتہ اگر قسم سے انکار کر جائے تو پھر مدعی مقدمہ پالیتا ہے۔

مسئلہ ۵: قسم کی تغلیظ زمان یا مکان کے ساتھ جیسا کہ آیت مذکورہ میں کی گئی ہے، حاکم کی رائے پر ہے، لازم نہیں، اس آیت سے بھی لزوم ثابت نہیں ہوتا اور دوسری آیات وروایات سے اطلاق ثابت ہے۔

مسئلہ ۶: اگر مدعٰی علیہ کسی غیر کے فعل کے متعلق قسم کھاوے تو الفاظ یہ ہوتے ہیں کہ مجھ کو اس فعل کی اطلاع نہیں۔

مسئلہ ۷: اگر میراث کے مقدمہ میں وارث مدعٰی علیہ ہوں تو جن کو شرعاً میراث پہنچتی ہے ان پر قسم آوے گی خواہ وہ واحد ہو یا متعدد اور جو وارث نہیں ان پر قسم نہ ہوگی۔ (بیان القرآن)

ایک کافر کی شہادت دوسرے کافر کے معاملہ میں قابل قبول ہے:

(قوله تعالى): يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ (الى قوله) اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ، اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو دو ایسے آدمیوں کو وصی بناؤ جو تم میں سے ہوں اور نیک ہوں اور اگر اپنی قوم کے آدمی نہیں ہیں تو غیر قوم (یعنی کافر) سے بناؤ۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

(قوله تعالى) مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ (صلوۃ سے عصر کی نماز مراد ہے) اس وقت کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت کی تعظیم اہل کتاب بہت کرتے تھے، جھوٹ بولنا ایسے وقت میں خصوصاً ان کے ہاں ممنوع تھا، اس سے معلوم ہوا کہ قسم میں کسی خاص وقت یا خاص مقام وغیرہ کی قید لگا کر تغلیظ کرنا جائز ہے۔ (قرطبی)

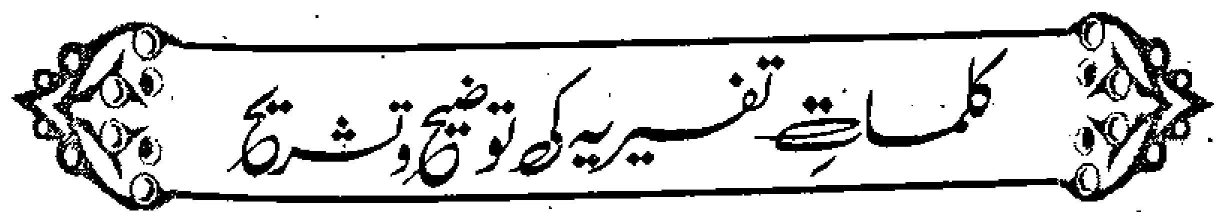
اُذْكُرْ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيَقُوْلُ لَهُمْ تَوْبِيْخًا لِقَوْمِهِمْ مَاذَآ اَيِ الَّذِيْ اُجِبْتُمْ بِهٖ حِيْنَ دَعَوْتُمْ اِلَى التَّوْحِيْدِ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا بِذٰلِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ مَا غَابَ عَنِ الْعِبَادِ ذَهَبَ عَنْهُمْ عِلْمُهُ لِشِدَّةِ هَوْلِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَفَزَعِهِمْ ثُمَّ يَشْهَدُوْنَ عَلٰٓى اُمَمِهِمْ لَمَّا يَسْكُنُوْنَ اُذْكُرْ

قوله: اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ بِشُكْرِهَا اِذْ اَيَّدْتُّكَ قَوَّيْتُكَ
بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۟ جِبْرَئِيْلَ تُكَلِّمُ النَّاسَ حَالٌ مِنَ الْكَافِ فِيْ اَيَّدْتُكَ فِي الْمَهْدِ اَيْ طِفْلًا وَّ
كَهْلًا ۚ يُفِيْدُ نُزُوْلَهٗ قَبْلَ السَّاعَةِ لِاَنَّهٗ رُفِعَ قَبْلَ الْكُهُوْلَةِ كَمَا سَبَقَ فِيْ اٰلِ عِمْرَانَ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ كَصُوْرَةِ الطَّيْرِ وَالْكَافُ
اِسْمٌ بِمَعْنٰى مِثْلِ مَفْعُوْلٌ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ بِاِرَادَتِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ
الْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى مِنْ قُبُوْرِهِمْ اَحْيَاءً بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ
حِيْنَ هَمُّوْا بِقَتْلِكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ الْمُعْجِزَاتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ مَا هٰذَآ اَلَّذِيْ
جِئْتَ بِهٖ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَفِيْ قِرَاءَةٍ سَاحِرٌ اَيْ عِيْسٰى وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَمَرْتُهُمْ عَلٰى
لِسَانِهٖ اَنْ اَيْ بِاَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ عِيْسٰى قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهِمَا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اُذْكُرْ اِذْ
قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ اَيْ يَفْعَلُ رَبُّكَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَنَصْبِ مَا
بَعْدَهٗ اَيْ تَقْدِرُ اَنْ تَسْاَلَهٗ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ لَهُمْ عِيْسٰى اتَّقُوا اللّٰهَ فِي اقْتِرَاحِ
الْاٰيَاتِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ سُؤَالَهَا مِنْ اَجْلِ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ تَسْكُنَ
قُلُوْبُنَا بِزِيَادَةِ الْيَقِيْنِ وَنَعْلَمَ نَزْدَادَ عِلْمًا اَنْ مُخَفَّفَةٌ اَيْ قَدْ صَدَقْتَنَا فِي ادِّعَاءِ النُّبُوَّةِ وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا
مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا اَيْ
يَوْمَ نُزُوْلِهَا عِيْدًا نُعَظِّمُهٗ وَنُشَرِّفُهٗ لِّاَوَّلِنَا بَدَلٌ مِنْ لَنَا بِاِعَادَةِ الْجَارِ وَاٰخِرِنَا مِمَّنْ يَاْتِيْ بَعْدَنَا وَاٰيَةً
مِّنْكَ ۚ عَلٰى قُدْرَتِكَ وَنُبُوَّتِيْ وَارْزُقْنَا اِيَّاهَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ مُسْتَجِيْبًا لَهٗ اِنِّيْ
مُنَزِّلُهَا بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ اَيْ بَعْدَ نُزُوْلِهَا مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا
ع ۱۵ ۷ ۵ لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع فَنَزَلَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ بِهَا مِنَ السَّمَاءِ عَلَيْهَا سَبْعَةُ اَرْغِفَةٍ وَّ سَبْعَةُ
اَحْوَاتٍ فَاَكَلُوْا مِنْهَا حَتّٰى شَبِعُوْا قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَفِيْ حَدِيْثٍ اُنْزِلَتِ الْمَآئِدَةُ مِنَ

السَّمَاءِ خُبْزًا وَلَحْمًا فَأُمِرُوْا اَنْ لَا يَخُوْنُوْا وَلَا يَدَّخِرُوْا لِغَدٍ فَخَانُوْا وَادَّخَرُوْا فَرُفِعَتْ فَمُسِخُوْا قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ

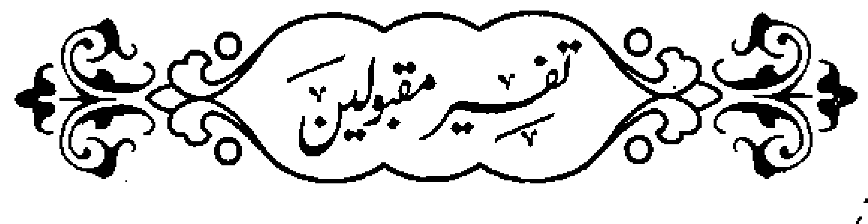
ترجمہ: (یاد کیجیے) اس دن کو جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع کریں گے (مراد قیامت کا دن ہے، مفسر علام نے یوم سے قبل اذکر فعل کی تقدیر نکال کر اشارہ کیا ہے کہ یوم کا عامل اذکر فعل مقدر ہے اور یوم اذکر فعل مقدر کا مفعول ہے) پھر فرمائیں گے (ان رسولوں سے، یعنی حق تعالیٰ ان کی قوم کو سرزنش کرنے کے لیے رسولوں سے پوچھیں گے، مفسر علام نے تَوْبِيْخًا لِقَوْمِهِمْ کا اضافہ کر کے ایک شبہ کا ازالہ کیا ہے۔ شبہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ علام الغیوب ہیں۔ پھر انبیاءؑ سے سوال کیوں؟ جواب یہ دیا گیا کہ انبیاءؑ سے یہ سوال قوم کی سرزنش اور توبیخ کے لیے ہوگا۔ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ تمہیں کیا جواب دیا گیا؟ (مفسر علامؒ نے اَيِ الَّذِيْ سے اشارہ کیا ہے کہ ذا بمعنی الذی موصول ہے اور ما استفہامیہ ہے یعنی کیا ہے وہ جواب جو تمہیں امتوں کی طرف سے دیا گیا تھا جب تم نے ان کو توحید کی دعوت دی تھی؟) قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ انبیاء جواب میں کہیں گے ہم کو (اس کا) کچھ علم نہیں بلاشبہ آپ ہی تمام غیبوں کے جاننے والے ہیں (جو باتیں بندوں سے غائب ہیں، ذَهَبَ عَنْهُمْ الخ سے یعنی روزِ قیامت کی شدت ہول اور گھبراہٹ سے انبیاء کو اس علم سے ذہول ونسیان ہوگا پھر جب سکون پائیں گے تو اپنی امتوں کے خلاف گواہی دیں گے کہ ان لوگوں نے ایسا ایسا کیا) اِذْ قَالَ اللّٰهُ الخ (یاد کرو وہ وقت) جب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے میرے اس انعام اور احسان کو یاد کرو جو تیرے اوپر اور تیری والدہ پر تھا (یعنی اس نعمت کا شکر گزار ہو۔ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ قف (اور اے عیسیٰ اس وقت کو یاد کرو) جب میں نے تیری مدد کی (تجھ کو قوت دی) روح القدس (یعنی جبرئیل) کے ذریعہ تُكَلِّمُ النَّاسَ الخ درآنحالیکہ آپ باتیں کرتے تھے لوگوں سے (یہ جملہ کے اَيَّدْتُّكَ کے کاف خطاب مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے) گود میں بھی (یعنی بچپن اور شیر خوارگی میں) اور بڑی عمر (اُدھیڑ عمر) میں بھی (اس سے معلوم ہوا کہ قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام زمانہ کہولت سے پہلے آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ اور (یاد کرو اس وقت کو) جبکہ میں نے تم کو لکھنا اور سمجھ اور توریت اور انجیل سکھائیں۔ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ الخ اور (یاد کرو اس وقت کو) جبکہ تو میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی شکل (وصورت) بناتا تھا (كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ میں کاف اسمیہ بمعنی مثل ہے اور تخلق کا مفعول ہے) پھر تو اس (مصنوعی) صورت میں پھونک مارتا تھا پھر وہ (تیری بنائی ہوئی صورت) میرے حکم (میرے ارادہ) سے (سچ مچ کا جاندار) پرندہ بن جاتا تھا وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ الخ اور (یاد کرو اس وقت کو) جبکہ اچھا کر دیتے تھے مادر زاد اندھے اور برص کے بیمار (کوڑھی) کو میرے حکم سے اور جبکہ تو مُردوں کو نکالتا تھا (ان کی قبروں سے زندہ کر کے) میرے حکم سے۔ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الخ اور (یاد کرو اس وقت کو) جبکہ میں نے بنی اسرائیل (یعنی یہودیوں کو تم سے یعنی تمہارے قتل سے) باز رکھا (جبکہ یہودیوں نے تیرے قتل کا ارادہ کیا تھا) اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ الخ جبکہ تو ان کے پاس (اپنی نبوت کے روشن

دلائل) معجزات لے کر پہنچا تھا تو ان میں کے کافروں نے کہا تھا نہیں ہیں یہ معجزات (جن کو آپ لے کر آئے ہیں) مگر کھلا جادو (ایک قراءت میں سحر کے بجائے ساحر ہے یعنی عیسیٰ بجز جادوگر کے کچھ نہیں ہیں۔ وَاِذْ اَوْحَيْتُ الخ اور (یاد کرو اس وقت کو) جبکہ میں نے وحی کی حواریین کو (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی حواریین کو حکم دیا) کہ تم ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول (عیسیٰ علیہ السلام) پر، تو انہوں نے کہا کہ ہم (ان دونوں پر) ایمان لے آئے اور (اے عیسیٰ) آپ گواہ رہیے کہ ہم فرمانبردار ہیں اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ الخ (یاد کیجیے) اس وقت کو جبکہ حواریین نے (عیسیٰ علیہ السلام سے) عرض کیا: اے عیسیٰ ابن مریم کیا آپ کے پروردگار ایسا کر سکتے ہیں کہ ہم پر آسمان سے (پکا پکایا کھانے سے بھرا ہوا) ایک خوان اتار دے؟ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ الخ فرمایا: (یعنی عیسیٰ علیہ السلام نے حواریین سے فرمایا) اللہ سے ڈرو (معجزات کے طلب کرنے میں) اگر تم ایماندار ہو قَالُوْا نُرِيْدُ الخ حواریین بولے ہم یہ چاہتے ہیں کہ کھائیں اس میں سے (سکون پالیں) ہمارے قلوب (یقین کی زیادتی کی وجہ سے) اور ہم جان لیں (یعنی ہمارا علم ویقین بڑھ جائے) کہ بلاشبہ آپ (نبوت کے دعویٰ میں) سچے ہیں اور ہم (یہ چاہتے ہیں کہ) اس معجزہ پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں۔ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ الخ۔ عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی، اے اللہ! ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے (کھانا چنا ہوا) خوان نازل فرما جو ہو جائے ہمارے لیے عید (یعنی نزول مائدہ کا دن ہمارے لیے خوشی کا دن بنے کہ ہم اس دن کی تعظیم کریں اور عزت کریں) لِّاَوَّلِنَا الخ ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے (لِاَوَّلِنَا بدل ہے لنا سے اعادہ حرف جار کے ساتھ۔ وَاٰيَةً مِّنْكَ اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو جائے (تیری قدرت اور میری نبوت پر) اور ہمیں عطا فرمائیے (وہ مائدہ) اور آپ سب عطا کرنے والوں میں سب سے بہتر عطا کرنے والے ہیں۔ قَالَ اللّٰهُ الخ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ان کی درخواست منظور فرماتے ہوئے) بے شک میں تم لوگوں پر وہ مائدہ نازل کرنے والا ہوں (مُنَزِّلُهَا میں ایک تشدید کے ساتھ ہے از تفعیل اور دوسری قراءت تخفیف کے ساتھ از افعال) فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ پھر تم میں سے جو کوئی اس کے بعد (یعنی نزول مائدہ کے بعد) ناشکری کرے گا تو میں اس کو ایسا عذاب دوں گا جو جہاں والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا (چنانچہ آسمانوں سے فرشتے اس مائدہ کو لے کر اترے جس پر سات چپاتیاں اور سات مچھلیاں تھیں، پس حواریوں نے اس سے خوب شکم سیر ہو کر کھایا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی طرح بیان فرمایا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ وہ مائدہ آسمان سے اترا، اس میں گوشت تھا اور روٹی تھی اور اس کے متعلق یہ حکم دیا گیا کہ اس میں خیانت نہ کریں اور نہ آئندہ کل کے لیے ذخیرہ کریں، مگر انہوں نے خیانت بھی کی اور کل کے لیے ذخیرہ بھی کیا۔ پس مائدہ اٹھا لیا گیا اور وہ لوگ جنہوں نے ایسا کیا تھا بندر اور سور کی شکل میں مسخ ہوئے۔



قوله: تَوْبِيْخًا لِقَوْمِهِمْ: اشارہ کیا کہ یہ استفہام توبیخی ہے۔

قوله: مَاغَابَ: اس سے مراد بندوں کی نسبت سے جو غائب ورنہ علام الغیوب تو کچھ چھپا نہیں۔
قوله: اُذْكُرْ: اذ اذکر محذوف سے منصوب ہے۔
قوله: طِفْلًا: یعنی مهد سے مراد بچپنا ہے نہ کہ وہ پنگھوڑا، گود۔
قوله: بِاِذْنِيْ: اس سے اشارہ کیا کہ صنعت صورت ذی روح وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھی۔
قوله: اَمَرْتِهِمْ: وحی کے ذریعہ عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے حکم دینا مراد ہے۔ کیونکہ حواری تو پیغمبر نہ تھے۔
قوله: اُذْكُرْ اِذْ: اس سے اشارہ ہے کہ اِذْ یہ قَالُوْا اٰمَنَّا کا ظرف نہیں کیونکہ اس سوال کا وقت تو اقرار ایمان سے متاخر ہے۔
قوله: سَوَالَهَا: اس سے اشارہ ہے کہ نرید کا مفعول محذوف ہے اَنْ نَّاْكُلَ نہیں۔
قوله: مِنْ اَجْلِ اَنْ: اس سے اشارہ ہے کہ اَنْ نَّاْكُلَ یہ مفعول لہ ہے۔ بدل اور مفعول ثانی نہیں۔
قوله: يَوْمَ نُزُوْلِهَا: دو مضاف مقدر مانے کیونکہ عید وہ دن ہے جس میں مخصوص خوشی ہو۔



يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ....

قیامت کے دن رسولوں سے اللہ جل شانہ کا سوال:

ان دو آیات میں سے پہلی آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ جل شانہ قیامت کے دن اپنے رسولوں سے سوال فرمائے گا۔ (جنہیں مختلف امتوں کی طرف دنیا میں مبعوث فرمایا تھا) کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا۔ وہ حضرات جواب میں عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں بے شک آپ غیبوں کے خوب جاننے والے ہیں۔ بظاہر اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام (علیہم السلام) اپنی امت کے خلاف گواہی دیں گے۔ لہٰذا ان کا یہ جواب دینا کہ ''ہمیں کچھ خبر نہیں'' کیونکر صحیح ہوسکتا ہے اس کے کئی جواب ہیں جن کو مفسرین کرام نے اکابر سلف سے نقل کیا ہے۔

ایک جواب یہ ہے کہ یہ سوال و جواب قیامت کے دن بالکل ابتداء میں ہوگا اس دن کی ہولناکی کی وجہ سے وہ یوں کہہ دیں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں۔ صاحب روح المعانی نے ج ۱ ص ۵۵ یہ جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے پھر اس پر ایک اشکال کیا اور اس کا جواب بھی نقل کیا ہے بظاہر یہ جواب ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ (لَا عِلْمَ لَنَا) سے علم تحقیقی اور واقعی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہمیں جو کچھ علم تھا وہ ظاہر تھا اور وہ درجہ گمان میں تھا ہم اسے حقیقی علم نہیں سمجھتے باطن میں کسی کا کیا عقیدہ تھا اور کیا نیت تھی اس کا ہمیں کچھ علم نہیں حقائق کا آپ ہی کو علم ہے۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے اللہ تعالیٰ کا خطاب اور نعمتوں کی یاد دہانی، اور ان کے معجزات کا تذکرہ:

اس کے بعد سیدنا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو خطاب فرمانے کا ذکر ہے۔ کہ اللہ جل شانہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے فرمائیں

گے کہ تم اور تمہاری والدہ کو جو میں نے نعمتیں دیں انہیں یاد کرو۔ جو نعمتیں قرآن مجید میں مذکور ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) ان کی والدہ پر یہ انعام فرمایا کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں تھیں تو غیب سے ان کے پاس پھل آتے تھے (۲) ان کو پاک دامن رکھا (۳) ان کو بغیر باپ کے فرزند عطا فرمایا۔ (۴) اس فرزند نے گہوارہ میں ہوتے ہوئے بات کی۔

اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر اوّل تو یہ نعمت فرمائی کہ انہیں حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا فرمایا جو اللہ کی برگزیدہ بندی تھیں۔ اور بنی اسرائیل سے آپ کی حفاظت فرمائی۔ پھر آپ کو گود کی حالت میں بولنے کی قوت عطا فرمائی نیز نبوت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کو توریت اور انجیل کا بھی علم عطا فرمایا، بنی اسرائیل آپ کے دشمن تھے اس لیے حضرت روح القدس یعنی جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ آپ کی حفاظت فرمائی اور آپ کو کھلے کھلے معجزات عطا فرمائے جن میں ایک یہ تھا کہ آپ مٹی کے گارے سے پرندہ کی شکل کی ایک چیز بنالیتے تھے پھر آپ اس میں پھونک مار دیتے تو وہ مٹی کی بنائی ہوئی تصویر سچ مچ کا پرندہ ہوکر اڑ جاتی تھی۔

اور ایک معجزہ یہ تھا کہ جو مادرزاد اندھے ہوتے تھے یا جو برص کے مریض ہوتے تھے ان پر داہنا ہاتھ پھیر دیتے تھے تو اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ برص و مرض کا اثر چلا جاتا تھا اور نابینا بینا ہو جاتا تھا۔ اور ایک معجزہ یہ تھا کہ قبروں پر جا کر مردہ کو آواز دیتے تو مردے زندہ ہوکر نکل آتے تھے ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ لوگ جو گھروں میں کھاتے پیتے تھے یا ذخیرہ کر دیتے تھے آپ اس سے بھی باخبر کر دیتے تھے آپ بنی اسرائیل کو ایمان کی دعوت دیتے۔ اور مذکورہ بالا معجزات آپ سے ظاہر ہوتے تھے۔ باوجود ان معجزات کے بنی اسرائیل آپ کے دشمن ہو گئے اور آپ کو تکلیف دینے کے درپے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے آپ کے قتل کا منصوبہ بھی بنالیا۔ اللہ جل شانہ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی حفاظت فرمائی اور بنی اسرائیل کو تکلیف پہنچانے سے باز رکھا۔ جیسے دیگر انبیاء (علیہم السلام) کی امتوں کی عادت تھی کہ وہ حضرات انبیاء (علیہم السلام) کے معجزات دیکھ کر جادو کہہ دیا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے امتی بھی پیش آئے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے کھلے معجزات کو صریح اور کھلا جادو بتا دیا، بنی اسرائیل نے معجزات کو نہ مانا اور آپ کی تکذیب کی اور چند افراد نے آپ کے دین کو قبول کیا جن کو حواری کہا جاتا تھا۔ (حواریوں کا ذکر اور ان کا مائدہ کا سوال بھی عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ آتا ہے) جنہیں نہ ماننا تھا انہوں نے آپ کی تکذیب کی، اور کچھ اتنے آگے بڑھے کہ آپ کو اللہ کا بیٹا بتا دیا اور معبود بنالیا حالانکہ آپ نے خوب واضح طور پر فرما دیا تھا (اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ) (کہ بلاشبہ میرا ربّ اور تمہارا رب اللہ ہے سو اس کی عبادت کرو) جگہ جگہ قرآن مجید میں نصاریٰ کی تردید فرمائی ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر اور لائق فکر ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے معجزات کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ جل شانہ نے "باذنی" فرمایا ہے اس سے یہ بتا دیا کہ مٹی سے پرندہ کی شکل بنانا اور پھر پھونک مارنے سے اس کا اصلی پرندہ بن کر اڑ جانا اور نابینا اور برص والے کا اچھا ہو جانا اور قبروں سے مردوں کا نکلنا یہ سب اللہ کے حکم سے ہے۔

کوئی شخص ظاہر کو دیکھ کر مخلوق کے بارے میں یہ عقیدہ نہ بنالے کہ یہ پرندہ کا بنانا، اڑانا، نابینا کا اچھا ہونا، مردہ کا زندہ ہونا

بندہ کا حقیقی تصرف ہے۔ خالق اور قادر اور مصور اور شافی اور محی (زندہ کرنے والا) درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس نے اپنے نبیوں کی نبوت کی دلیل کے طور پر خلاف عادت جو چیزیں ظاہر فرمائیں حقیقت میں ان کے وجود کا انتساب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے اگر وہ نہ چاہتا تو کسی نبی سے کوئی بھی معجزہ ظاہر نہ ہوتا۔ (انوار البیان)

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ....

حواریوں کا سوال کرنا کہ مائدہ نازل ہو:

یہ پانچ آیات ہیں ان میں سے ایک آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ پاک نے بذریعہ وحی عیسیٰ (علیہ السلام) کے حواریوں کو یہ حکم دیا کہ اللہ پاک پر ایمان لائیں اور اس کے رسول پر۔ ان لوگوں نے کہ ہم ایمان لائے اور آپ ہمارے فرمانبردار ہونے کے گواہ ہو جائیں۔ لفظ اَوْحَیْتُ سے کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ وحی تو حضرات انبیاء کرام (علیہم السلام) پر آتی تھی پھر حواریوں پر کیسے وحی آئی جو نبی نہ تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ وحی کا اصل معنی ہے دل میں ڈال دینا جیسا کہ شہد کی مکھی کے لیے بھی لفظ اَوْحٰی وارد ہوا ہے۔ اَوْحَیْت کا معنی اگر یہ لیا جائے تو بنی اسرائیل کے دلوں میں اللہ نے یہ بات ڈالی کہ ایمان قبول کریں ایمان پر جمے رہیں تو درست ہے اس بات میں کوئی استبعاد نہیں۔ اور اَوْحَیْت کے اگر یہ معنی لیے جائیں کہ اللہ نے اپنے رسول حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے ذریعہ پیغام بھیجا تو یہ بھی صحیح ہے۔

اس کے بعد چار آیات میں سیدنا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے حواریوں کا ''مائدہ'' یعنی خوان اترنے کا سوال کرنا پھر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا ان کو جواب دینا اور پھر اللہ جل شانہ سے مائدہ کا سوال کرنا مذکور ہے۔ حضرت سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) جو معجزے دکھاتے تھے (جن کا ذکر عنقریب ہی گذرا ہے) وہ معجزے ایک سمجھدار آدمی کے لیے کافی تھے لیکن حواریوں نے مزید سوال کئے اور سوال بھی عجیب کیا اور وہ یہ کہ آسمان سے خوان نازل ہو جائے جس میں پکا پکایا کھانا ہو، طرز سوال بھی مناسب نہ تھا۔ انہوں نے یوں نہیں کہا کہ آپ اللہ سے عرض کریں کہ مائدہ نازل فرمادے بلکہ یوں کہا کہ کیا تمہارا رب یوں کرسکتا ہے کہ آسمان سے خوان نازل فرمادے۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو ان کا سوال اور طرز سوال ناگوار ہوا اور فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ (هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ) کہنے سے ان کا مقصد اللہ کی قدرت میں شک کرنا نہیں تھا بلکہ مطلب یہ تھا کہ آپ اگر سوال کریں تو آپ کا یہ سوال پورا فرمادے گا یا نہیں لیکن ان کے الفاظ نامناسب تھے اس لیے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے مؤاخذہ میں شدت نہیں فرمائی بلکہ (اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ) فرما کر ناگواری کی طرف اشارہ فرمادیا اور اس میں یہ بھی بتادیا کہ اپنی طرف سے معجزات کی فرمائشیں کرنا مومنین کا کام نہیں۔ بعض سابقہ امتوں نے ایسی فرمائشیں کیں پھر ان کی فرمائشوں کے مطابق معجزہ ظاہر ہوا تب بھی ایمان نہ لائے۔ قوم ثمود نے سوال کیا کہ پہاڑ سے اونٹنی نکل آئے اونٹنی پہاڑ سے نمودار ہوگئی تب بھی اسلام قبول نہ کیا۔ بالآخر عذاب میں گرفتار ہوئے اور برباد ہوئے۔ جب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو تو وہ کہنے لگے کہ ہمارا تو یہ مقصد ہے کہ اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور عین الیقین کے طریقہ پر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ آپ نے جو کچھ ہم سے فرمایا وہ سب سچ ہے اور یہ اطمینان قلبی حاصل ہونے کا ارادہ ایسا ہی ہے جیسے

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے (رَبِّ اَرِنِی کَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی) کی دُعا کر کے (لِیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ) کہا تھا۔

حواریین نے یہ بھی کہا کہ اس مائدہ کے نازل ہونے کا یہ بھی فائدہ ہوگا کہ جن لوگوں نے اس کو نہیں دیکھا ہوگا ہم ان کے لیے گواہی دینے والوں میں سے بن جائیں گے۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا نزول مائدہ کے لیے سوال کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملنا:

الحاصل حضرت سیّدنا عیسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ پاک کے حضور میں آسمان سے مائدہ اتارے جانے کی درخواست پیش کر دی اور عرض کیا کہ اے اللہ! آسمان سے مائدہ نازل فرما دیجیے جو ہمارے اس زمانہ کے لوگوں کے لیے عید ہو اور ہمارے بعد والے لوگوں کے لیے بھی۔

اللہ جل شانہ ارشاد فرمایا کہ میں تم پر دستر خوان اتارنے والا ہوں اس کے اتر جانے کے بعد تم میں سے جو شخص ناشکری کرے گا اس کو وہ عذاب دوں گا جو جہانوں میں سے کسی کو بھی نہ دوں گا۔

بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ مائدہ نازل نہیں ہوا۔ لیکن قرآن مجید کا سیاق یہی بتاتا ہے کہ مائدہ نازل ہوا اور بعض احادیث میں بھی مائدہ نازل ہونے کا ذکر ملتا ہے۔

تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۳۴۸ میں بحوالہ ترمذی وغیرہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان سے مائدہ نازل کیا گیا تھا اس میں روٹی اور گوشت تھا ان کو حکم تھا کہ خیانت نہ کریں اور کل کے لیے نہ رکھیں لیکن ان لوگوں نے خیانت بھی کی اور ذخیرہ بھی بنا کر رکھا۔ لہٰذا وہ بندروں اور سوروں کی صورتوں میں مسخ کر دیے گئے۔

(حدیث مرفوع لکن قال الترمذی الوقف اصح)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری بہت بری چیز ہے اس کا بڑا وبال ہے ناشکری کرنے سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں۔

وَاذۡكُرۡ اِذۡ قَالَ اَیۡ يَقُوۡلُ اللّٰهُ لِعِيۡسٰى فِى الۡقِيٰمَةِ تَوۡبِيۡخًا لِقَوۡمِهٖ يٰعِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِىۡ وَاُمِّىَ اِلٰهَيۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ عِيۡسٰى وَقَدۡ اَرۡعَدَ سُبۡحٰنَكَ تَنۡزِيۡهًا لَكَ مِمَّا لَا يَلِيۡقُ بِكَ مِنَ الشَّرِيۡكِ وَغَيۡرِهٖ مَا يَكُوۡنُ يَنۡبَغِىۡ لِىۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ مَا لَيۡسَ لِىۡ ۖ بِحَقٍّ ؕ خَبَرُ لَيۡسَ وَلِىۡ لِلتَّبۡيِيۡنِ اِنۡ كُنۡتُ قُلۡتُهٗ فَقَدۡ عَلِمۡتَهٗ ؕ تَعۡلَمُ مَا اُخۡفِيۡهِ فِىۡ نَفۡسِىۡ وَلَاۤ اَعۡلَمُ مَا فِىۡ نَفۡسِكَ ؕ اَیۡ مَا تُخۡفِيۡهِ مِنۡ مَعۡلُوۡمَاتِكَ اِنَّكَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلۡتُ لَهُمۡ اِلَّا مَاۤ اَمَرۡتَنِىۡ بِهٖۤ وهو اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىۡ وَرَبَّكُمۡ ۚ وَكُنۡتُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا رَقِيۡبًا اَمۡنَعُهُمۡ مِمَّا يَقُوۡلُوۡنَ مَّا دُمۡتُ فِيۡهِمۡ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِىۡ قَبَضۡتَنِىۡ بِالرَّفۡعِ اِلَى السَّمَاۤءِ كُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِيۡبَ عَلَيۡهِمۡ ؕ الۡحَفِيۡظَ لِاَعۡمَالِهِمۡ وَاَنۡتَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مِنۡ قَوۡلِىۡ

لَهُمْ وَقَوْلِهِمْ بَعْدِيْ وَغَيْرِ ذٰلِكَ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ مُطَّلِعٌ عَالِمٌ بِهِ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ اَيْ مَنْ اَقَامَ عَلَى الْكُفْرِ مِنْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاَنْتَ مَالِكُهُمْ تَتَصَرَّفُ فِيْهِمْ كَيْفَ شِئْتَ لَا اِعْتِرَاضَ عَلَيْكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ اَيْ لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْغَالِبُ عَلٰى اَمْرِهِ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ فِيْ صُنْعِهِ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا اَيْ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ فِي الدُّنْيَا كَعِيْسٰى صِدْقُهُمْ ۗ لِاَنَّهُ يَوْمُ الْجَزَاءِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۗ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ بِطَاعَتِهِ وَرَضُوْا عَنْهُ ۗ بِثَوَابِهِ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ وَلَا يَنْفَعُ الْكَاذِبِيْنَ فِي الدُّنْيَا صِدْقُهُمْ فِيْهِ كَالْكُفَّارِ لِمَا يُؤْمِنُوْنَ عِنْدَ رُؤْيَةِ الْعَذَابِ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خَزَائِنُ الْمَطَرِ وَالنَّبَاتِ وَالرِّزْقِ وَغَيْرِهَا وَمَا فِيْهِنَّ ۗ اَتٰى بِمَا تَغْلِيْبًا لِغَيْرِ الْعَاقِلِ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾ وَمِنْهُ اِثَابَةُ الصَّادِقِ وَتَعْذِيْبُ الْكَاذِبِ وَخَصَّ الْعَقْلُ ذَاتَهُ تَعَالٰى فَلَيْسَ عَلَيْهَا بِقَادِرٍ ع ۱۶ ۵

ترجمہ: اور (یاد کیجیے) جبکہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے (قال بمعنی یقول ہے یعنی اللہ تعالیٰ قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام سے ان کی قوم کو ملامت وسرزنش کرنے کے لیے فرمائیں گے) اے عیسیٰ ابن مریم کیا تو نے ہی لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی اللہ کے علاوہ معبود بنالو، عرض کریں گے (عیسیٰ علیہ السلام کانپتے ہوئے) سُبْحٰنَكَ الخ میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں (تو پاک ہے اس شریک وغیرہ سے جو تیری شان کے لائق نہیں ہے) میرے لیے سزاوار نہ تھا کہ جس بات کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہ تھا وہ بات کہتا) (بِحَقٍّ ۚ لَیْسَ کی خبر ہے اور لی تبیین کے لیے ہے اگر میں نے یہ بات کہی ہوگی تو آپ کو اس کا علم ضرور ہوگا (اس لیے کہ) آپ تو جانتے ہیں جو میرے دل میں (مخفی) ہے اور جو آپ کے جی میں ہے میں بالکل نہیں جانتا (یعنی آپ کی معلومات میں سے جس کو آپ پوشیدہ رکھیں گے) بلاشبہ آپ ہی تمام غیوب کے جاننے والے ہیں میں نے تو ان سے صرف وہی کہا تھا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا الخ اور (اے پروردگارِ عالم) میں ان کا نگران رہا (یعنی مجھے ان کے صرف وہ حالات معلوم ہیں جو میرے سامنے پیش آئے) پھر جب آپ نے مجھ کو اٹھالیا (یعنی آسمان کی طرف اٹھا کر اپنے قبضہ میں لے لیا) تو آپ ہی ان پر نگہبان تھے (یعنی آپ ہی ان کے اعمال کے نگران تھے) اور آپ ہی ہر چیز پر نگران ہیں (خواہ ان سے میرا کہنا ہو اور خواہ میرے بعد ان کا کہنا وغیرہ ۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ الخ اگر آپ ان کو سزا دیں (یعنی ان لوگوں کو جو ان میں سے کفر پر قائم رہے) تو وہ آپ کے بندے ہیں (اور آپ ہی ان کے مالک ہیں آپ جو چاہیں ان کے بارے میں تصرف کرسکتے ہیں آپ پر کوئی اعتراض نہیں) وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ الخ اور اگر آپ انہیں معاف فرمادیں (یعنی ان میں سے ایمان والوں کو اگر

آپ معاف فرما دیں) تو بلاشبہ آپ غالب ہیں (اپنے کام میں زبردست ہیں) اور حکمت والے ہیں (اپنے کام میں) قَالَ اللّٰهُ الخ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے یہ (قیامت کا دن) وہ دن ہے کہ سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا (یعنی جو لوگ دنیا میں سچے تھے جیسے عیسیٰ علیہ السلام ان کا صدق ان کو نفع دے گا کیونکہ یہ بدلے کا دن ہے) ان کے لیے باغات ہوں گے، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے اللہ ان سے راضی ہوا (ان کی فرمانبرداری کی وجہ سے) اور وہ اللہ سے راضی ہوئے (اللہ کے ثواب سے۔ یہی بڑی کامیابی ہے (دنیا میں جھوٹ بولنے والوں کو قیامت میں سچ بولنا نفع نہیں دے گا جیسے کافر لوگ، کیونکہ عذاب کو آنکھوں دیکھ کر ایمان لاتے ہیں۔ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الخ اللہ ہی کے لیے ہے، بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان چیزوں کی جو ان کے اندر ہیں (یعنی بارش، گھاس اور رزق وغیرہ لفظ ما کا لانا غیر عاقل کی تغلیب کے لیے ہے، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۲۰ اور وہی ہر چیز پر قادر ہے (منجملہ ہر شئ کے صادق کو ثواب دینا اور کاذب و کافر کو عذاب دینا ہے اور عقل نے اس کلیہ سے ذاتِ باری تعالیٰ کو خاص کر لیا، پس اپنی ذات پر قادر نہیں ہے، مفسر علام نے اس عبارت سے ایک شبہ کا ازالہ کیا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: تَوْبِيْخًا: یہ استفہام توبیخی ہے۔

قوله: مِمَّا لَا يَلِيْقُ بِكَ: اس سے اشارہ کیا، ان کا دو معبود بنانا یہ تیری الوہیت میں شریک ٹھہرانا ہے۔

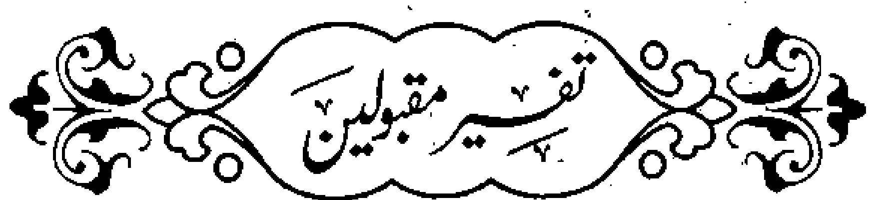
قوله: يَنْبَغِيْ لِيْ: اس سے اشارہ کیا کہ ما نفی جواز کے لیے ہے۔

قوله: وهُوَ: اس سے اشارہ ہے کہ اَنِ اعْبُدُوا یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، یہ ضمیر سے بدل نہیں۔

قوله: بِالرَّفْعِ اِلَى السَّمَاءِ: کیونکہ توفی چیز کو پورا پورا لینا اور موت اس کی ایک نوع ہے، عین نہیں۔

قوله: مَنْ اَقَامَ: اس سے زجاج کے قول کی طرف اشارہ کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہو چکا تھا کہ ان میں کچھ قائم رہیں گے اور کچھ منکر ہو جائیں گے، اسی اعتبار سے کفار کے لیے فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ کہا اور مؤمنین کے متعلق تَغْفِرْ لَهُمْ فرمایا۔

قوله: صِدْقُهُمْ فيه: کیونکہ یہ تکلیف کا وقت نہیں ہے بلکہ جزاء کا ہے۔



تفسیر مقبولین

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ....

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے اللہ عزوجل کا دوسرا خطاب:

قیامت کے دن حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے جو اللہ جل شانہ کا سوال ہوگا ان میں سے ایک یہ بھی سوال ہے کہ کیا تم نے

لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنالو۔ یہ سوال قیامت کے دن اس وقت ہوگا جبکہ میدان قیامت میں اولین و آخرین سب جمع ہوں گے۔

نصاریٰ جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو ماننے کے مدعی ہیں ان کے سامنے سوال ہوگا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے اپنے کو اور اپنی والدہ کو معبود بنانے کی دعوت تھی اور تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنالو۔ وہ برملا سب کے سامنے جواب دیں گے کہ میں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں۔ آپ ہر طرح کے شریک سے منزہ ہیں میرے لیے یہ شایان شان نہیں کہ میں شرک کی دعوت دوں، اگر میں نے کہا ہوتا تو آپ کو ضرور معلوم ہوتا چونکہ آپ کے علم میں نہیں لہٰذا میں نے کہا بھی نہیں۔ میرے نفس میں جو کچھ ہے وہ آپ جانتے ہیں۔ اور میں آپ کی تمام معلومات کو نہیں جانتا آپ غیبوں کو جاننے والے ہیں۔ میں نے وہی بات کہی جس کا آپ نے مجھ کو حکم فرمایا۔ اور وہ یہ کہ اللہ کی عبادت کرو میرا اور تمہارا رب وہی ہے۔ میں نے ان کو شرک کی دعوت نہیں دی توحید ہی کی دعوت دیتا رہا۔ میں جب تک ان میں موجود تھا ان کے حالات سے باخبر تھا۔ پھر جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو آپ ہی ان کے نگران تھے اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے ہیں۔ میرے بعد انہوں نے کیا کیا۔ اور شرک کی گمراہی میں کیسے پڑے۔ اور عقیدہ تثلیث (تین خداؤں کا ماننا) ان میں کیسے آیا اس کا آپ ہی کو علم ہے۔

واضح رہے کہ یہ سوال و جواب ان لوگوں کے سامنے ہوگا جو سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) کے دین پر ہیں اس سوال و جواب سے واضح طور پر ان پر حجت قائم ہو جائے گی کہ وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے دین پر نہیں ہیں۔ وہ ان لوگوں کے سامنے عقیدہ تثلیث باطل ہونا ظاہر فرمادیں گے اور اتمام حجت کے بعد ان کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ معلوم ہے۔ لیکن نصاریٰ کی ملامت اور سرزنش کے لیے اور اتمام حجت کے واسطے مذکورہ بالا سوال و جواب ہوگا۔

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ ....

گمراہوں کی تردید:

بعض گمراہ لوگ ایسے نکلے ہیں جو لفظ (فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ) سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) کی وفات ہوگئی۔ اور یہ لوگ سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) کے رفع الی السماء یعنی آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے منکر ہیں۔ یہ لوگ آیت قرآنیہ: (بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ) کے اور بیسیوں حدیثوں کے منکر ہیں۔ جن میں سیدنا عیسیٰ کا قیامت سے پہلے آسمانوں سے اترنا اور اس دنیا میں رہنا طبعی وفات پانا مذکور ہے اوّل تو لفظ توفی ضروری نہیں کہ موت ہی کے لیے استعمال ہو۔ قرآن مجید میں نیند کے لیے استعمال ہوا ہے۔

سورۂ انعام میں ہے: (وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ) اور سورۂ زمر میں ہے۔ (اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا)

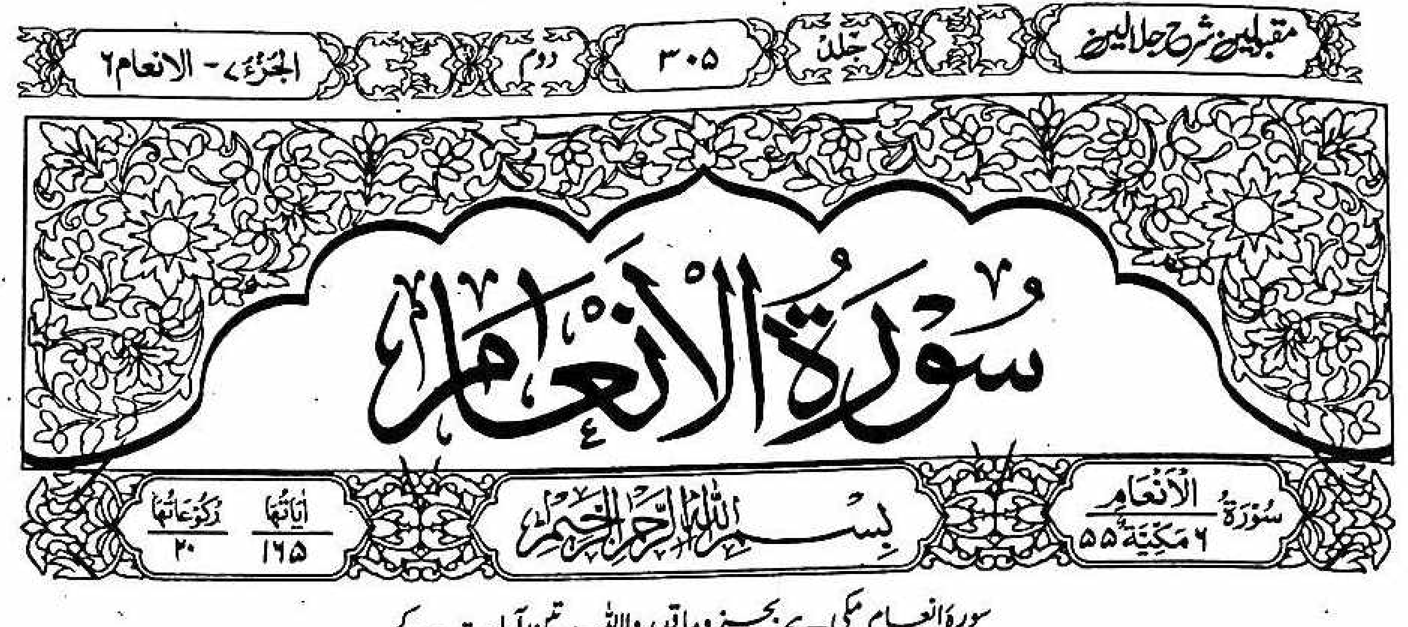
ان دونوں آیتوں میں توفی کو منام یعنی نیند کے لیے استعمال فرمایا۔ درحقیقت توفی کا معنی ہے کسی چیز کو پورا پورا لے لینا۔

یہ مفہوم زندہ اٹھا لینے اور سلا دینے اور موت دیدینے تینوں کو شامل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ گفتگو قیامت کے میدان میں ہو رہی ہے، اور اس وقت سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) آسمان سے تشریف لا کر زمین میں رہ کر طبعی موت پا کر دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں گے۔ لہٰذا تَوَفَّیۡتَنِیۡ کو موت کے معنی میں لیا جائے تب بھی ان ملحدوں کا استدلال صحیح نہیں۔ جو اپنے تراشیدہ عقیدہ کے مطابق قرآن مجید کے مفاہیم تجویز کرتے ہیں۔

اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ ....

یعنی آپ اپنے بندوں پر ظلم اور بیجا سختی نہیں کر سکتے اس لیے اگر ان کو سزا دیں گے تو عین عدل وحکمت پر مبنی ہوگی اور فرض کیجیے معاف کر دیں تو یہ معافی بھی از راہ عجز وسفہ نہ ہوگی۔ چونکہ آپ عزیز (زبردست اور غالب) ہیں اس لیے کوئی مجرم آپ کے قبضہ قدرت سے نکل کر بھاگ نہیں سکتا کہ آپ اس پر قابو نہ پا سکیں۔ اور چونکہ حکیم (حکمت والے) ہیں۔ اس لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ کسی مجرم کو یونہی بے موقع چھوڑ دیں۔ بہر حال جو فیصلہ آپ ان مجرمین کے حق میں کریں گے وہ بالکل حکیمانہ اور قادرانہ ہوگا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ کلام چونکہ محشر میں ہوگا جہاں کفار کے حق میں کوئی شفاعت اور استدعاء رحم وغیرہ نہیں ہو سکتی، اسی لیے حضرت مسیح نے عزیز حکیم کی جگہ غفور رحیم وغیرہ صفات کو اختیار نہیں فرمایا برخلاف اس کے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے دنیا میں اپنے پروردگار سے عرض کیا تھا۔ (رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضۡلَلۡنَ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنۡ تَبِعَنِىۡ فَاِنَّهٗ مِنِّىۡ ۚ وَمَنۡ عَصَانِىۡ فَاِنَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ) (ابراہیم: ۳۶) (اے پروردگار ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو گمراہ کر دیا تو جو ان میں سے میرے تابع ہوا وہ میرا آدمی ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو پھر تو غفور رحیم ہے) یعنی ابھی موقع ہے کہ تو اپنی رحمت سے آئندہ ان کو توبہ اور رجوع الی الحق کی توفیق دے کر پچھلے گناہوں کو معاف فرما دے۔



سورۂ انعام مکی ہے بجز وما قدروا اللہ تین آیات کے

اَلْحَمْدُ وَهُوَ الْوَصْفُ بِالْجَمِيْلِ ثَابِتٌ لِلّٰهِ وَهَلِ الْمُرَادُ الْاِعْلَامُ بِذٰلِكَ لِلْاِيْمَانِ بِهٖ اَوْ لِلثَّنَاءِ بِهٖ اَوْ هُمَا
اِحْتِمَالَاتٌ اَفْيَدُهَا الثَّالِثُ قَالَهُ الشَّيْخُ فِيْ سُوْرَةِ الْكَهْفِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ خَصَّهُمَا
بِالذِّكْرِ لِاَنَّهُمَا اَعْظَمُ الْمَخْلُوْقَاتِ لِلنَّاظِرِيْنَ وَجَعَلَ خَلَقَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ اَیْ كُلَّ ظُلْمَةٍ وَنُوْرٍ
وَجَمَعَهَا دُوْنَهٗ لِكَثْرَةِ اَسْبَابِهَا وَهٰذَا مِنْ دَلَائِلِ وَحْدَانِيَّتِهٖ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَعَ قِيَامِ هٰذَا الدَّلِيْلِ
بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝١ يُسَوُّوْنَ بِهٖ غَيْرَهٗ فِي الْعِبَادَةِ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ بِخَلْقِ اَبِيْكُمْ اٰدَمَ مِنْهُ
ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ؕ لَكُمْ تَمُوْتُوْنَ عِنْدَ انْتِهَائِهٖ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى مَضْرُوْبٌ عِنْدَهٗ لِبَعْثِكُمْ ثُمَّ اَنْتُمْ اَيُّهَا
الْكُفَّارُ تَمْتَرُوْنَ ۝٢ تَشُكُّوْنَ فِي الْبَعْثِ بَعْدَ عِلْمِكُمْ اَنَّهُ ابْتَدَاَ خَلْقَكُمْ وَمَنْ قَدَرَ عَلَى الْاِبْتِدَاءِ فَهُوَ
عَلَى الْاِعَادَةِ اَقْدَرُ وَهُوَ اللّٰهُ مُسْتَحِقٌّ لِلْعِبَادَةِ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ
مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تَجْهَرُوْنَ بِهٖ بَيْنَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝٣ تَعْمَلُوْنَ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ وَمَا تَاْتِيْهِمْ اَیْ
اَهْلَ مَكَّةَ مِّنْ زَائِدَةٌ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝٤ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ
بِالْقُرْاٰنِ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا عَوَاقِبُ مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٥ اَلَمْ يَرَوْا فِيْ
اَسْفَارِهِمْ اِلَى الشَّامِ وَغَيْرِهَا كَمْ خَبَرِيَّةٌ بِمَعْنٰى كَثِيْرًا اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ اُمَّةٍ مِّنَ الْاُمَمِ
الْمَاضِيَةِ مَّكَّنّٰهُمْ اَعْطَيْنَاهُمْ مَكَانًا فِي الْاَرْضِ بِالْقُوَّةِ وَالسَّعَةِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ نُعْطِ لَّكُمْ فِيْهِ الْتِفَاتٌ

عَنِ الْغَيْبَةِ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ الْمَطَرَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا مُتَتَابِعًا وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ تَحْتَ
مَسَاكِنِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ بِتَكْذِيْبِهِمُ الْاَنْبِيَاءَ وَ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۞ وَ لَوْ
نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا مَكْتُوْبًا فِيْ قِرْطَاسٍ وَرَقٍ كَمَا اقْتَرَحُوْهُ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ اَبْلَغُ مِنْ عَايَنُوْهُ لِاَنَّهٗ
اَنْفٰى لِلشَّكِّ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ تَعَنُّتًا وَ عِنَادًا وَ قَالُوْا لَوْ لَآ هَلَّا اُنْزِلَ
عَلَيْهِ عَلٰى مُحَمَّدٍ مَلَكٌ يُصَدِّقُهٗ وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا كَمَا اقْتَرَحُوْهُ فَلَمْ يُؤْمِنُوْا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ
بِهِلَاكِهِمْ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۞ يُمْهَلُوْنَ لِتَوْبَةٍ اَوْ مَعْذِرَةٍ كَعَادَةِ اللّٰهِ فِيْمَنْ قَبْلَهُمْ مِنْ اِهْلَاكِهِمْ عِنْدَ
وُجُوْدِ مُقْتَرَحِهِمْ اِذَا لَمْ يُؤْمِنُوْا وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ اَيِ الْمُنَزَّلَ اِلَيْهِمْ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ اَيِ الْمَلَكَ رَجُلًا اَيْ عَلٰى
صُوْرَتِهٖ لِيَتَمَكَّنُوْا مِنْ رُؤْيَتِهٖ اِذْ لَا قُوَّةَ لِلْبَشَرِ عَلٰى رُؤْيَةِ الْمَلَكِ وَّ لَوْ اَنْزَلْنٰهُ وَ جَعَلْنَاهُ رَجُلًا لَّلَبَسْنَا
شَبَّهْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۞ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِاَنْ يَّقُوْلُوْا مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ
مِّنْ قَبْلِكَ فِيْهِ تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَاقَ نَزَلَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
ع ۱۰ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۞ وَهُوَ الْعَذَابُ فَكَذَا يَحِيْقُ بِمَنِ اسْتَهْزَأَ بِكَ

ترجمہ: ہر طرح کی ستائش (حمد کے معنی اچھی خوبی کے ہیں جو ثابت ہے) اللہ کے لیے ہے (اس جملہ کا مقصد اس عقیدہ پر ایمان لانا یا صرف اللہ کی مدح سرائی مقصود ہے یا دونوں مراد ہیں زیادہ مفید تیسرا احتمال ہے۔ چنانچہ جلال الدین محلیؒ نے بھی سورۂ کہف میں یہی فرمایا ہے) جنہوں نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا (خاص طور پر ان دونوں چیزوں کا ذکر اس لیے کیا کہ دیکھنے والوں کی نظر میں یہ سب سے بڑی مخلوق ہے) اور نمودار (پیدا) کیں اندھیریاں اور اُجالا (یعنی ہر ظلمت و نور لیکن اول کو جمع سے تعبیر کیا ہے۔ دوسرے لفظ کو جمع سے تعبیر نہیں کیا۔ کیونکہ ظلمت کے بہت سبب ہوتے ہیں اور یہ اللہ کے دلائل وحدانیت میں سے ہے) پھر بھی کفر کرنے والے جو لوگ ہیں (باوجود دلیل کے) اپنے پروردگار کے برابر (عبادت میں غیر اللہ کو) سمجھتے ہیں اللہ ہی ہیں جنہوں نے تمہیں (آدمؑ کو) مٹی سے پیدا کیا پھر تمہارے لیے ایک مدت مقرر کر دی (کہ اس کو پورا کر کے مر جاؤ گے) اور ایک دوسری مدت بھی ان کے علم میں مقرر ہے (تمہارے قبروں سے اُٹھانے کے لیے طے ہے) پھر بھی تم ہو (اے کفار) کہ شک میں پڑے رہتے ہو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے میں تمہیں تردد ہے حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ ابتداءً اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ پس جو ذات

ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہو دوبارہ پیدا کرنے پر تو بدرجہ اولیٰ اسے قدرت حاصل ہونی چاہیے) وہی اللہ ہے (مستحق عبادت) آسمانوں میں اور زمین میں جانتے ہیں تمہاری چھپی اور کھلی چیزوں کو (جو باتیں تم چھپا کر یا کھلم کھلا کرتے ہو آپس میں) جو کچھ (اچھی بری) کمائی کرتے ہو وہ بھی ان کے علم سے باہر نہیں ہے اور کوئی نشانی نہیں کہ جو اُن (اہل مکہ) کے پاس (من زائدہ ہے) نہ آئی ہو۔ پروردگار کی (قرآنی) نشانیوں میں سے کہ انہوں نے اس سے گردن نہ موڑ لی ہو۔ چنانچہ جب سچائی (قرآن) ان کے پاس آئی تو انہوں نے جھٹلا دیا۔ سو جس بات کی یہ لوگ ہنسی اڑاتے رہے ہیں۔ عنقریب انہیں اس کی حقیقت (انجام) معلوم ہو کر رہے گی۔ کیا یہ لوگ (سفر شام وغیرہ میں) نہیں دیکھتے کہ کتنے (کثیر) لوگوں کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے ان سے پہلے دَور کے (پچھلی قوموں کے) جنہیں ہم نے اس طرح جما دیا تھا (ٹھکانا دے دیا تھا) ملکوں میں (طاقت و تصرف سے) کہ تمہیں بھی اس طرح نہیں جمایا (قبضہ دیا) ہے۔ (اس میں غیبوبت سے التفات ہے) ہم نے ان پر آسمانی بارش اس طرح بھیج دی تھی کہ موسلا دھار برستی رہی اور ان کی آبادیوں (مکانات) کے نیچے نہریں چلا دیں تھیں۔ لیکن پھر ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے (انبیاء کو جھٹلانے کے سبب) انہیں ہلاک کر دیا اور ان کے بعد دوسری قوموں کے دَور پیدا کر دیئے اور اگر ہم اُتار دیتے (آپ پر) کوئی کتاب (لکھی لکھائی) ایک کاغذ پر اور یہ لوگ اُسے ہاتھوں سے چھو کر دیکھ لیتے (تا کہ کوئی اشکال باقی نہ رہتی) پھر بھی جن لوگوں نے راہِ انکار اختیار کر رکھی ہے وہ یہی کہتے ہیں (ان بمعنی ما نافیہ ہے) کہ یہ کھلی جادوگری ہے (سرکشی اور عناد کے سبب) اور ان لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ کیوں نہیں (لولا بمعنی ھلاّ ہے) اس پر (محمدؐ پر) اُترتا فرشتہ (جو اس کی تصدیق کرتا) اگر ہم فرشتہ نازل کرتے (اُن کی فرمائش کے مطابق اور پھر بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے) تو ساری باتوں کا فیصلہ ہی ہو جاتا (ان کی تباہی کے باب میں) پھر اُن کے لیے مہلت ہی کب رہتی (توبہ یا معذرت کیلئے ان کو مہلت نہ دیتے۔ جیسا کہ اللہ کی عادتِ پہلے لوگوں کے باب میں رہی ہے کہ ان کی فرمائش پورا ہونے کے بعد اگر ایمان نہیں لاتے تھے تو پھر تباہ کر دیئے جاتے تھے) اور اگر ہم کسی فرشتہ کو پیغمبر بناتے (کہ جس کی طرف وحی نازل ہوتی) تو اسے (فرشتہ کو) بھی انسان ہی بناتے (یعنی انسانی شکل و صورت پر ہی اتارتے تا کہ اس کا دیکھنا ممکن ہو تا ورنہ انسان میں تو فرشتے کے دیکھنے کی طاقت نہیں ہے) اور اگر ہم فرشتہ (انسانی شکل میں) اُتارتے) تب بھی ہم انہیں ویسے ہی شبہات (شکوک) میں ڈال دیتے جس طرح کے شبہات میں اب یہ پڑے ہوئے ہیں (ان کے دلوں میں ہیں۔ چنانچہ: مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ کہتے ہیں) اور یہ واقعہ ہے کہ آپ سے پہلے بھی رسولوں کی ہنسی اڑائی گئی ہے (اس میں آنحضرت ﷺ کے لیے تسلی ہے) تو جن لوگوں نے ہنسی اڑائی تھی۔ ہنسی کی وہ بات ان ہی پر آ پڑی (یعنی عذاب الٰہی۔ پس اس طرح جو لوگ آپ سے استہزاء کرتے ہیں وہ بھی اس سے دو چار ہوں گے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: خَلَقَ : سے اشارہ کیا کہ جعل احدث اور انشا کے معنی میں ہے۔ صیر کے معنی میں نہیں، اسی وجہ سے دو مفعول کی طرف متعدی نہیں کیا جعل وخلق میں فرق یہ ہے کہ خلق میں تقدیر ہے اور جعل کسی چیز کے ضمن میں دوسری چیز بنا دینا۔ اسی وجہ سے ظلمت ونور کو جعل سے تعبیر فرمایا۔

قوله: لِكَثْرَةِ اَسْبَابِهَا: مثلاً ظلمت لیل، ظلمت بحر، ظلمت مکان، اور نور ایک ہی قسم ہے۔

قوله: مَعَ قِيَامِ هٰذَا: اس سے اشارہ کر دیا کہ اس کا عطف الحمد للہ پر ہے نہ کہ خلق پر۔

قوله: بِهٖ غَيْرَهٗ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ مفعول کو حذف کیا تا کہ اصل فعل پر توبیخ ہو۔

قوله: تَمُوْتُوْنَ عِنْدَ انْتِهَائِهٖ :اجل اول سے مرد اتمام مدت ہے جبکہ اجل ثانی سے مراد آخر مدت ہے۔

قوله: عِنْدَهٗ: یعنی اس میں غیر کا دخل نہیں، نہ علم کے لحاظ سے اور نہ قدرت کے اعتبار سے۔

قوله: مُسْتَحِقٌّ لِلْعِبَادَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ ھو مبتداء اور اللہ اس کی خبر ہے اور فی السماوات کے تعلق کو درست رکھنے کے لیے مستحق کے معنی میں لیا۔

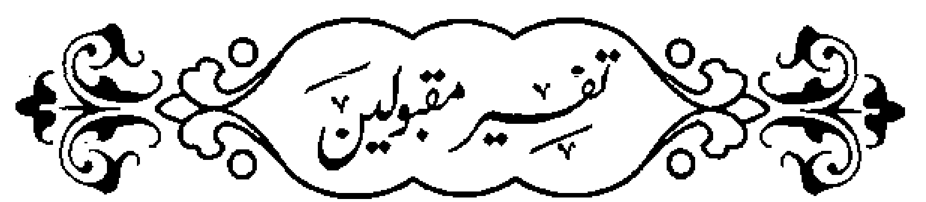
قوله: اُمَّةٍ مِنَ الْاُمَمِ: یعنی مراد اہل قرآن ہے تا کہ ضمیر کا لوٹنا درست ہو سکے۔

قوله: الْمَطَرَ: محل کو ذکر کر کے حال مراد لیا کیونکہ وہ مبدء مطر ہے۔

قوله: تَحْتَ مَسَاكِنِهِمْ: کیونکہ تحتھم ہوتا تو اس سے استفادہ ممکن نہ تھا۔

قوله: الْمُنَزَّلَ اِلَيْهِمْ: اس سے اشارہ ہے کہ ضمیر کا مرجع رسول ہے، ملک نہیں۔

قوله: لَوْ اَنْزَلْنٰهُ: لَلَبَسْنَا یہ شرط محذوف کا جواب ہے، یہ جَعَلْنٰهُ کا معطوف نہیں۔



اللہ عزوجل نے زمین وآسمان اور ظلمات اور نور کو پیدا فرمایا اور ہر ایک کی اجل مقرر فرمائی:

یہاں سے سورۂ انعام شروع ہے یہ سورت مکی ہے البتہ بعض مفسرین نے تین چار آیات کو مستثنیٰ لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ مدنی ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب سورۃ انعام نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سبحان اللہ کہا پھر فرمایا کہ اس سورت کو اتنے فرشتوں نے رخصت کیا جنہوں نے افق یعنی آسمان کے کناروں کو بھر دیا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ستر ہزار فرشتوں نے اس کو رخصت کیا۔ (من روح المعانی ج ۷ ص ۷۶)

اس سورت میں انعام یعنی چوپاؤں کے بعض احکام بیان فرمائے ہیں اس لیے سورۃ الانعام کے نام سے موسوم ہے۔

اس سورت میں احکام کم ہیں۔ زیادہ تر توحید کے اصول اور توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں۔ سورۂ فاتحہ کی طرح اس کی ابتداء بھی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں وہ ہر تعریف کا مستحق ہے اس کو کسی حمد اور تعریف کی حاجت نہیں۔ کوئی حمد کرے یا نہ کرے وہ اپنی ذات وصفات کاملہ کے اعتبار سے محمود ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت بیان فرمائی۔

اور فرمایا: (اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ) کہ اس کی وہ عظیم ذات ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا۔ آسمان وزمین سب کی نظروں کے سامنے ہیں جس ذات پاک نے ان کی تخلیق فرمائی ظاہر ہے کہ وہ مستحق حمد وثنا ہے۔

پھر فرمایا: (وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ) کہ اس نے تاریکیوں کو بنایا اور نور کو بنایا۔ روشنی اور اندھیریاں بھی آسمان و زمین کی طرح نظروں کے سامنے ہیں ان میں بھی انقلاب ہوتا رہتا ہے۔ کبھی روشنی ہے اور کبھی اندھیرا۔ یہ انقلاب اور الٹ پھیر بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خود بخود وجود میں نہیں آئیں۔ ان کو وجود دینے والی کوئی ذات ہے اس بات کے ماننے کے لیے کسی خاص غور وفکر کی ضرورت نہیں سب پر عیاں ہے۔

(السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ) کے ساتھ خلق اور ظلمات اور نور کے ساتھ لفظ جعل لانے کے بارے میں بعض مفسرین نے یہ نکتہ بتایا ہے کہ آسمان وزمین اجسام واجرام ہیں اپنے وجود میں کسی دوسری مخلوق کے محتاج نہیں اور اندھیرا اور اجالا عوارض ہیں قائم بالذات نہیں ان کو محل ومکان یعنی جگہ کی ضرورت ہے، جو لوگ آسمانوں کے وجود کو نہیں مانتے ان کے وجود میں متردد ہیں۔ اس آیت شریفہ میں ان کی بھی تردید ہوگئی۔

اور جو لوگ دو خدا مانتے ہیں یعنی یزداں اور اھرمن (اور یزداں کو خالق خیر اور اھرمن کو خالق شر بتاتے ہیں پھر ان دونوں کو نور اور ظلمت سے تعبیر کرتے ہیں) آیت شریفہ سے ان کی بھی تردید ہوگئی اس کے بعد ارشاد فرمایا: (ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ) (پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے ربّ کے برابر قرار دیتے ہیں) یعنی خالق جل مجدہ جس نے اتنی بڑی کائنات کو پیدا فرمایا اس کے شرکاء تجویز کرتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں جو بہت بڑی حماقت اور سفاہت ہے۔ پھر فرمایا: (هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ) (اللہ ہی ہے جس نے تم کو کیچڑ سے پیدا فرمایا) انسان کی ابتدائی تخلیق چونکہ مٹی سے ہے اس لیے سبھی کی اصل مٹی ہے۔ آدم علیہ السلام بلا واسطہ مٹی سے پیدا ہوئے اور ان کی نسل اپنے باپ کی توسط سے مٹی سے پیدا ہوئی قرآن مجید میں (خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ) بھی فرمایا: (سورۃ مومن) یعنی تم کو مٹی سے پیدا فرمایا اور (خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ) بھی فرمایا: (سورۂ انعام) یعنی تم کو کیچڑ سے پیدا کیا اور (اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ) بھی فرمایا: (سورۂ صافات) یعنی ہم نے ان کو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا اور (خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ) بھی فرمایا: (سورۂ رحمن) اس نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا فرمایا جو ٹھیکری جیسی تھی اور یہ بھی فرمایا: (وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ) (اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو بجتی ہوئی سڑی ہوئی مٹی سے)۔ (سورۂ حجر)

بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو زمین کے مختلف حصوں سے مٹی جمع فرمائی۔ اس مٹی میں پانی ڈال دیا گیا تو طین (کیچڑ) ہوگئی۔ پھر وہ کیچڑ پڑی رہی تو سڑ گئی پھر اس سے آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا گیا۔ وہ پتلا سوکھ گیا تو بجنے والی مٹی ہوگئی۔ اس کے بعد اس میں روح پھونکی گئی۔ چونکہ یہ مختلف ادوار اس مٹی پر گذرے اس لیے انسان کی تخلیق بیان کرتے ہوئے کبھی تُرَابٍ کبھی طِيْنٍ اور کبھی حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ فرمایا۔

تخلیق انسانی بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: (ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ؕ) (پھر اجل مقرر فرمادی) اس سے موت کا وقت مراد ہے جو ہر فرد کے لیے مقرر ہے اس سے آگے پیچھے نہ ہوگا جیسا کہ سورۂ منافقون میں فرمایا: (وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا) (اور اللہ تعالیٰ ہرگز کسی جان کو مہلت نہ دے گا جبکہ اس کی اجل مقرر آجائے)۔

اس کے بعد فرمایا: (وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ) (اور ایک اجل اس کے پاس مقرر ہے) اس سے قیامت کے دن صور پھونکے جانے اور قبروں سے اٹھنے کی اجل مراد ہے۔ فرد کی اجل جو مقرر ہے وہ اس کی موت کے وقت پوری ہوجاتی ہے اور ساری دنیا کی جو اجل مقرر ہے وہ قیامت کے دن پوری ہوجائیگی۔ پہلی اجل کا علم فرشتوں کو ہوجاتا ہے کیونکہ انہیں روح قبض کرنا ہوتا ہے اور دوسری اجل کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ کے علم کے مطابق جب قیامت کے آنے کا وقت ہوگا تو اچانک آجائیگی۔

پھر فرمایا: (ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ) (پھر تم شک کرتے ہو) پہلی آیت میں توحید کے دلائل بیان فرمائے اور دوسری آیت میں بعث ونشور یعنی قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کی دلیل بیان فرمائی۔

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ ....

یعنی عاد وثمود وغیرہ جن کو تم سے بڑھ کر طاقت اور ساز وسامان دیا گیا تھا۔ بارشوں اور نہروں کی وجہ سے ان کے باغ اور کھیت شاداب تھے، عیش وخوشحالی کا دور دورہ تھا۔ جب انھوں نے بغاوت اور تکذیب پر کمر باندھی اور نشا نہائے قدرت کی ہنسی اڑانے لگے۔ تو ہم نے ان کے جرموں کی پاداش میں ایسا پکڑا کہ نام ونشان بھی باقی نہ چھوڑا۔ پھر انکے بعد دوسری امتیں پیدا کیں اور منکرین ومکذبین کے ساتھ یہ ہی سلسلہ جاری رہا کیا۔ مجرمین تباہ ہوتے رہے اور دنیا کی آبادی میں کچھ خلل نہیں پڑا۔

وَ لَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِىْ قِرْطَاسٍ ....

ربط: گزشتہ آیات میں اثبات صانع اور توحید کا بیان تھا اب ان آیات میں معاندین اور منکرین نبوت کے چند شبہات کا جواب دیتے ہیں کفار مکہ قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں اور نبی کی نبوت میں کبھی تو یہ شبہ کرتے کہ آسمان سے لکھی ہوئی کتاب کیوں نہیں اتری اور کبھی یہ کہتے کہ فرشتہ اپنی اصلی شکل میں نمودار ہوکر ہمارے سامنے آکر آپ کی صدق کی گواہی کیوں نہیں دیتا اور کبھی یہ کہتے کہ نبی بشری اور انسانی صورت میں کیوں بھیجا گیا فرشتہ کو نبی بنا کر کیوں نہیں بھیجا گیا ان آیات میں اس قسم کے مزخرفات اور مہملات کا رد کیا گیا ہے۔

وَ قَالُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ ....

مشرکوں کی اس بات کا جواب کہ فرشتوں کو کیوں مبعوث نہیں کیا گیا:

اس کے بعد مشرکین کے ایک مطالبہ کا تذکرہ فرمایا، ارشاد فرمایا: (وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ) (اور انہوں نے کہ کیوں نہ نازل ہوا فرشتہ) مشرکین مکہ یہ بھی مطالبہ کرتے تھے کہ محمد ﷺ کے پاس فرشتہ آتا اور ان کی تصدیق کرتا تو ہم ایمان لے آتے۔ اس کے جواب میں فرمایا: (وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ) (کہ اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو فیصلہ ہو جاتا اور پھر انکو ذرا مہلت نہ دی جاتی) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ جو لوگ اپنی طرف سے کوئی معجزہ تجویز کر کے طلب کرتے ہیں اور پھر وہ معجزہ ظاہر ہو جاتا ہے اور اس کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے تو پھر ان کے کو ڈھیل نہیں دی جاتی اور بغیر مہلت عذاب دیا جاتا ہے۔ قال صاحب معالم التنزیل قال قتادہ: لو انزلنا ملکا لا یومنو العجل لهم العذاب ولم یوخروا طرف عین اور بعض مفسرین نے (لَقُضِيَ الْاَمْرُ) کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اگر ہم فرشتہ بھیج دیتے اور وہ اپنی صورت میں ہوتا تو یہ لوگ اس کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے اور اسے دیکھ کر مر جاتے۔ نقله فی معالم التنزیل عن الضحاک۔

قُلْ لَّهُمْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۱ الرُّسُلَ مِنْ هَلَاكِهِمْ
بِالْعَذَابِ لِتَعْتَبِرُوْا قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ اِنْ لَمْ يَقُوْلُوْهُ لَا جَوَابَ غَيْرُهُ كَتَبَ
قَضٰى عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ فَضْلًا مِنْهُ وَفِيْهِ تَلَطُّفٌ فِيْ دُعَائِهِمْ اِلَى الْاِيْمَانِ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ
الْقِيٰمَةِ لِيُجَازِيَكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ لَا رَيْبَ شَكَّ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِتَعْرِيْضِهَا لِلْعَذَابِ
مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۲ وَلَهٗ تَعَالٰى مَا سَكَنَ حَلَّ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَيْ كُلُّ شَيْءٍ فَهُوَ
رَبُّهٗ وَخَالِقُهٗ وَمَالِكُهٗ وَهُوَ السَّمِيْعُ لِمَا يُقَالُ الْعَلِيْمُ ۝۱۳ بِمَا يُفْعَلُ قُلْ لَّهُمْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا اَعْبُدُهٗ
فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مُبْدِعِهِمَا وَهُوَ يُطْعِمُ يَرْزُقُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ يُرْزَقُ لَا قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ
اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ لِلّٰهِ تَعَالٰى مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَقِيْلَ لِيْ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۴ بِهٖ قُلْ اِنِّيْٓ
اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ بِعِبَادَةِ غَيْرِهٖ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۵ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ مَنْ يُّصْرَفْ بِالْبِنَاءِ
لِلْمَفْعُوْلِ اَيِ الْعَذَابُ وَلِلْفَاعِلِ اَيِ اللّٰهُ وَالْعَائِدُ مَحْذُوْفٌ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ تَعَالٰى اَيْ
اَرَادَ لَهُ الْخَيْرَ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝۱۶ اَلنَّجَاةُ الظَّاهِرَةُ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ بَلَاءٍ كَمَرَضٍ وَفَقْرٍ
فَلَا كَاشِفَ رَافِعَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ كَصِحَّةٍ وَغِنًى فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۷

وَمِنْهُ مَسُّكَ بِهٖ وَلَا يَقْدِرُ عَلٰى رَدِّهٖ عَنْكَ غَيْرُهٗ وَهُوَ الْقَاهِرُ الْقَادِرُ الَّذِيْ لَا يُعْجِزُهٗ شَيْءٌ مُسْتَعْلِيًا
فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ فِيْ خَلْقِهٖ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾ بِبَوَاطِنِهِمْ كَظَوَاهِرِهِمْ وَنَزَلَ لَمَّا قَالُوا لِلنَّبِيِّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ائْتِنَا بِمَنْ يَشْهَدُ لَكَ بِالنُّبُوَّةِ فَاِنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اَنْكَرُوْكَ قُلْ لَهُمْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ
شَهَادَةً ؕ تَمْيِيْزٌ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمُبْتَدَأِ قُلِ اللّٰهُ ۙ اِنْ لَمْ يَقُوْلُوْهُ لَا جَوَابَ غَيْرُهٗ هُوَ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَ
بَيْنَكُمْ ۙ عَلٰى صِدْقِيْ وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ يَا اَهْلَ مَكَّةَ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ عَطْفٌ عَلٰى
ضَمِيْرِ اُنْذِرَكُمْ اَيْ بَلَغَهُ الْقُرْاٰنُ مِنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ
اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ قُلْ لَهُمْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ بِذٰلِكَ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ وقف لازم
مَعَهٗ مِنَ الْاَصْنَامِ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ اَيْ مُحَمَّدًا بِنَعْتِهٖ فِيْ كِتَابِهِمْ كَمَا يَعْرِفُوْنَ وقف لازم
اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ مِنْهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ بِهٖ ع ٢ ١٠ ٨

ترجمہ: قُلْ الخ آپ (اے محمد ﷺ) فرما دیجیے (ان سے) کہ ذرا زمین میں چلو، پھر دیکھو کہ (رسولوں کو) جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ (جنہوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی ان کو عذاب سے ہلاک کر دیا گیا تا کہ تم عبرت حاصل کر سکو) پوچھو! کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کے لیے ہے؟ کہیے اللہ کے لیے (اگر یہ جواب نہ دیں سکیں تو بجز اس کے اور جواب ہو ہی کیا سکتا ہے؟) لازم کر لیا ہے (مقرر کر لیا ہے) اپنے اوپر انہوں نے رحمت کو (اپنے فضل سے اس میں ایمان کی طرف لطیف دعوت ہے) وہ ضرور تمہیں قیامت کے روز جمع کریں گے (تمہارے اعمال کا بدلہ دینے کے لیے) اس میں کوئی شک (شبہ) نہیں۔ جو لوگ اپنے کو تباہ کر چکے ہیں (نفس کو عذاب کے لیے پیش کر کے یہ مبتداء ہے۔ اس کی خبر آگے ہے) وہ کبھی ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اللہ (تعالیٰ) ہی کیلئے ہے جو کچھ ٹھہرا ہوا (حلول کیا ہوا) ہے رات، دن میں (یعنی سب چیزوں کے وہی ربّ اور خالق و مالک ہیں) اور وہ سننے والے ہیں (بات چیت) جاننے والے ہیں (کام) کہہ دیجئے (ان سے) کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو کارساز بنا لوں (جس کی پوجا کروں) جو آسمانوں کے اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں (ایجاد کرنے والے ہیں) وہ روزی (رزق) دیتے ہیں۔ ان کو کوئی کھانے کو (رزق) نہیں دیتا (میرے لیے ہرگز غیر اللہ کی پوجا مناسب نہیں) آپ کہہ دیجئے مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے آگے جھکنے والوں میں پہلا جھکنے والا میں ہوں (اللہ کے سامنے اس امت کے لحاظ سے) اور یہ (حکم بھی مجھے دیا گیا ہے) کہ (اللہ کے ساتھ) شرک کرنے والوں میں سے مت ہونا۔ آپ کہیے میں تو اپنے پروردگار کی نافرمانی اگر کروں (غیر اللہ کی بندگی کر کے) تو بہت بڑے دن (قیامت) کے عذاب سے

ڈرتا ہوں جس کے سر سے ٹل جائے (یہ لفظ مبنی للمفعول یعنی مجہول ہے۔ مراد عذاب ہے۔ اور مبنی للفاعل یعنی معروف بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی اللہ اور عائد محذوف ہوگا) اس دن تو اس پر اللہ تعالیٰ نے بڑا رحم کیا (یعنی اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے) اور بڑی سے بڑی کامیابی (کھلی نجات) یہی ہے۔ اور اگر اللہ تجھے دُکھ پہنچائے (بیماری یا تنگ دستی جیسی تکلیف) تو اس کا ٹالنے والا (دُور کرنے والا) کوئی نہیں۔ بجز اس کی ذات کے اور اگر تجھے کوئی بھلائی (تندرستی اور مالداری کی قسم کی) پہنچانا چاہے تو وہ ہر بات پر قادر ہے (منجملہ ان کے تجھے ان حالتوں میں مبتلا کرنا بھی ہے اور اس کے سوا کوئی اور تجھ سے اس کو دُور بھی نہیں کرسکتا) وہی ہیں جو زبردست ہیں (غلبہ رکھنے والے ہیں۔ کوئی چیز انہیں زور سے دبا نہیں سکتی) اپنے بندوں پر اور وہی بڑی حکمت رکھنے والے ہیں (پیدا کرنے میں) اور پُوری خبر رکھنے والے ہیں (ظاہر کی طرح باطن کی بھی کفار نے جب آنحضرت ﷺ سے فرمائش کی کہ اپنی نبوت پر دلیل پیش کرو۔ کیونکہ اہلِ کتاب تم کو نہیں مانتے ہیں؟ تو یہ آیات نازل ہوئیں) فرما دیجئے (ان سے) کون سی چیز ہے جس کی گواہی سب سے بڑی گواہی ہے (لفظ شَهَادَةً تمیز ہے جو دراصل مبتدا تھا) کہہ دیجئے کہ اللہ (اگر یہ کوئی جواب نہ دیں۔ کیونکہ اس کے سوا اور کوئی جواب ہے بھی نہیں۔ وہی) میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے (میرے سچا ہونے پر) مجھ پر اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تمہیں (اے اہل مکہ) اس کے ذریعے ڈراؤں اور ان لوگوں کو بھی جن کو اس قرآن کی تعلیم پہنچ چکی ہے (لِأُنذِرَكُم کی ضمیر پر اس کا عطف ہے یعنی انسان و جنات میں سے جن کو قرآن کی تبلیغ ہو چکی ہے) کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود بھی شریک ہیں (استفہام انکاری ہے) کہہ دو (ان سے) میں تو (اس کی) گواہی نہیں دے سکتا۔ کہہ دیجئے کہ صرف وہی معبود یگانہ ہے۔ اس کے ساتھ کوئی نہیں۔ اور جو کچھ (اس کے ساتھ بتوں کو) شریک ٹھہراتے ہو میں اس سے بیزار ہوں۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اُن کو (محمد ﷺ کو ان اوصاف کی وجہ سے جو ان کتابوں میں ہیں) اسی طرح پہچانتے ہیں۔ جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا جن لوگوں نے (ان اہل کتاب میں سے) اپنے آپ کو خسارہ میں ڈالا وہ ایمان نہیں لائیں گے (حضور اقدس ﷺ پر)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

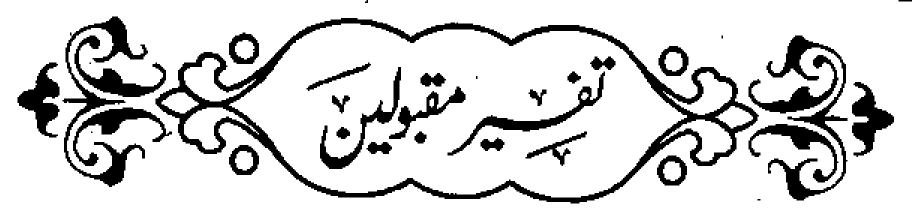
قوله: حَلَّ: اس سے اشارہ ہے کہ سَكَنَ سے مراد عموم مجاز ہے کیونکہ وہ سکون و سکنیٰ دونوں پر مشتمل ہے۔

قوله: اَعْبُدُہ: ولی سے یہاں معبود مراد ہے، ورنہ مسلمانوں سے دوستی تو درست ہے اس کا قرینہ ارادہ ہے۔

قوله: وَ قِيْلَ لِيْ: یعنی لَا تَكُوْنَنَّ کا عطف أُمِرْتُ پر ہے اس کا عطف اَكُوْنَ پر نہیں ہوسکتا۔

قوله: اَلَّذِيْ لَا يُعْجِزُہ شَيْءٌ: یہ استعارہ تمثیلیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت و غلبہ کو علو و فوقیت سے نفاذ تصرف میں تشبیہ دی۔

قوله: مُسْتَعْلِيًا: اس سے اشارہ ہے کہ فوق عبادہ قاھر کی ضمیر سے حال ہے اور فوقیت سے قدرت وشان کی بلندی مراد ہے۔
قوله: هُوَ: یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ لفظ اللہ تعالیٰ کو خبر نہیں بنایا تا کہ تقدیر خبر کی ضرورت ہو۔
قوله: عَطْفٌ عَلٰى ضَمِيْرِ اُنْذِرَكُمْ: منصوب مانیں۔
قوله: بَلَغَهُ الْقُرْاٰنُ: من کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے اور بلغ کا فاعل ضمیر ہے جو قرآن کی طرف لوٹتی ہے۔



قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ....

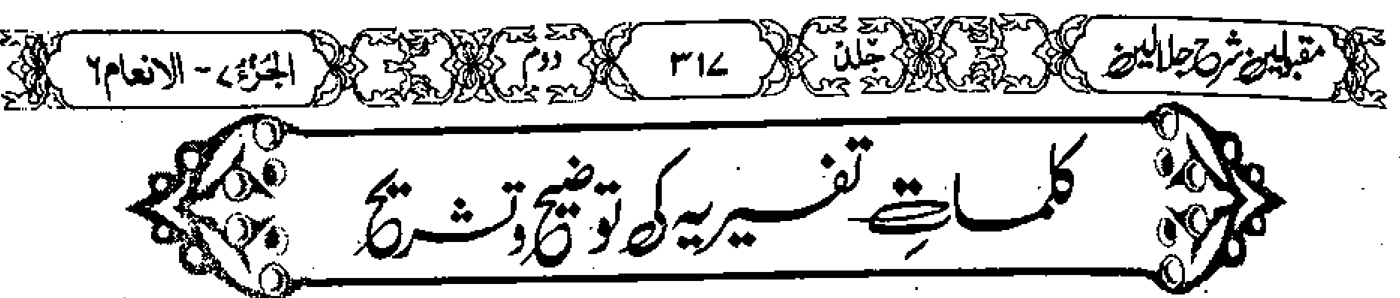
اس میں تعلیم وترغیب ہے اس کی کہ انسان پچھلی تباہ شدہ قوموں کے حالات سے عبرت ونصیحت حاصل کرے اور بڑی بڑی مہذب وبااقبال سلطنتوں کے آثار اور مٹے ہوئے کھنڈروں سے سبق لے۔۔۔۔ نقطہ نظر صحیح اور توحیدی ہو جائے تو مسلمان طالب علم کے لیے جغرافیہ تاریخ اور اثریات ان سارے علوم کا مطالعہ عبادت بن سکتا ہے۔ هذا السفر مندوب اليه اذا كان على سبيل الاعتبار باثار من خلا من الامم واهل الديار (قرطبی)" ثم انظروا" امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی نکتہ رسی نے یہاں ایک عجیب نکتہ پیدا کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر یہاں فانظروا ہوتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ اسی عبرت پذیری کی غرض سے سفر کرو۔" ثم انظروا" نے سفر کا دارومدار اس نظر عبرت پر نہ رکھا، بلکہ زیادہ گنجائش پیدا کردی، اب سفر ہر جائز غرض کے لیے مباح ہے۔ اور عبرت پذیری کی غرض سے واجب۔ اما قوله سيروا في الارض ثم انظروا فمعناه اباحة السير في الارض للتجارة وغيرها من المنافع وايجاب النظر في اثار الهالكين۔ (کبیر)

وَمَنْ اَیْ لَا اَحَدَ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا بِنِسْبَتِهِ الشَّرِيْكَ اِلَيْهِ اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ الْقُرْاٰنِ
اِنَّهٗ اَيِ الشَّانُ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۱ بِذٰلِكَ وَاذْكُرْ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا
تَوْبِيْخًا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝۲۲ اَنَّهُمْ شُرَكَاءُ اللّٰهِ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ
فِتْنَتُهُمْ بِالنَّصْبِ وَالرَّفْعِ اَيْ مَعْذِرَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا اَيْ قَوْلُهُمْ وَاللّٰهِ رَبِّنَا بِالْجَرِّ نَعْتٌ وَالنَّصْبِ
نِدَاءٌ مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝۲۳ قَالَ تَعَالٰى اُنْظُرْ يَا مُحَمَّدُ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِنَفْيِ الشِّرْكِ عَنْهُمْ
وَضَلَّ غَابَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۲۴ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِنَ الشُّرَكَاءِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ
اِذَا قَرَأْتَ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَغْطِيَةً لِ اَنْ لَا يَفْقَهُوْهُ اَنْ يَفْهَمُوا الْقُرْاٰنَ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ

صَمَمًا فَلَا يَسْمَعُوْنَهٗ سَمَاعَ قُبُوْلٍ وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ
يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ مَا هٰذَاۤ الْقُرْاٰنُ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ اَكَاذِيْبُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۲۵
كَالْاَضَاحِيْكِ وَالْاَعَاجِيْبِ جَمْعُ اُسْطُوْرَةٍ بِالضَّمِّ وَهُمْ يَنْهَوْنَ النَّاسَ عَنْهُ اَیْ عَنِ اتِّبَاعِ النَّبِيِّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ يَنْئَوْنَ يَتَبَاعَدُوْنَ عَنْهُ ۚ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقِيْلَ نَزَلَتْ فِیْ اَبِیْ طَالِبٍ كَانَ
يَنْهٰى عَنْ اَذَاهُ وَلَا يُؤْمِنُ بِهٖ وَ اِنْ مَا يُهْلِكُوْنَ بِالنَّاْيِ عَنْهُ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ لِاَنَّ ضَرَرَهٗ عَلَيْهِمْ وَ مَا
يَشْعُرُوْنَ ۝۲۶ بِذٰلِكَ وَ لَوْ تَرٰۤى يَا مُحَمَّدُ اِذْ وُقِفُوْا عُرِضُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا لِلتَّنْبِيْهِ يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ اِلَى
الدُّنْيَا وَ لَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲۷ بِرَفْعِ الْفِعْلَيْنِ اِسْتِئْنَافًا وَنَصْبِهِمَا فِیْ
جَوَابِ التَّمَنِّيْ وَرَفْعِ الْاَوَّلِ وَ نَصْبِ الثَّانِيْ وَجَوَابُ لَوْ لَرَاَيْتَ اَمْرًا عَظِيْمًا قَالَ تَعَالٰى بَلْ
لِلْاِضْرَابِ عَنْ اِرَادَةِ الْاِيْمَانِ الْمَفْهُوْمِ مِنَ التَّمَنِّيْ بَدَا ظَهَرَ لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۚ
يَكْتُمُوْنَ بِقَوْلِهِمْ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ بِشَهَادَةِ جَوَارِحِهِمْ فَتَمَنَّوْا ذٰلِكَ وَ لَوْ رُدُّوْا اِلَى الدُّنْيَا
فَرْضًا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ مِنَ الشِّرْكِ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۲۸ فِیْ وَعْدِهِمْ بِالْاِيْمَانِ وَ قَالُوْۤا اَیْ
مُنْكِرُوا الْبَعْثِ اِنْ مَا هِیَ اَیِ الْحَيٰوةُ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝۲۹ وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا
عُرِضُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ لَرَاَيْتَ اَمْرًا عَظِيْمًا قَالَ لَهُمْ عَلٰى لِسَانِ الْمَلٰٓئِكَةِ تَوْبِيْخًا اَلَيْسَ هٰذَا الْبَعْثُ
وَالْحِسَابُ بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ رَبِّنَا ؕ اِنَّهٗ لَحَقٌّ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۳۰ بِهٖ فِی ع ۱۰/۳/۹
الدُّنْيَا

ترجمہ: اور کون ہے (کوئی نہیں) اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اللہ کی طرف شریک کی نسبت کر کے) یا اس کی آیتوں (قرآن) کو جھٹلایا۔ بلاشبہ (شان یہ ہے کہ) کبھی کامیاب نہیں ہوں گے جو (یہ) ظلم کرنے والے ہیں۔ اور (دھیان کیجئے) اس دن کا جب ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے۔ پھر جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا ہے ان سے کہیں گے (سرزنش کے لیے) بتلاؤ تمہارے وہ شریک کہاں گئے جن کی نسبت تم باطل گمان رکھتے تھے (کہ وہ اللہ کے شریک ہیں) تو وہ اس وقت نہیں کرسکیں گے (تا اور یا کے ساتھ دونوں طرح لفظ تکن پڑھا گیا ہے) کوئی معذرت (فتنۃ نصب

اور رفع کے ساتھ ہے معذرت مراد ہے) اس کے سوا کہ کہیں (اَنْ قَالُوْا بمعنی قول ہے اَن مصدریہ کی وجہ سے) اللہ کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے (ربنا جر کے ساتھ نعت ہے اور نصب کے ساتھ نداء ہے) ہم شرک کرنے والے نہ تھے (حق تعالیٰ فرماتے ہیں) دیکھو (اے محمدؐ) کس طرح یہ اپنے اوپر جھوٹ بولنے لگے (اپنی جانب سے شرک کی نفی کر کے) اور کھوئی گئی (گم ہوگئیں) ان سے وہ سب افتراء پردازیاں جو کیا کرتے تھے (اللہ تعالیٰ کے لیے شرکاء تجویز کر کے) اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو سُننے کے لیے تمہاری طرف کان لگاتے ہیں (جب آپؐ تلاوت فرماتے ہیں) حالانکہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے (حجاب) ڈال دیئے ہیں۔ تاکہ (نہ) سمجھ سکیں اس (قرآن) کو اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے دی ہے (رُکاوٹ پیدا کردی کہ قبولیت کے کان سے اس کو نہیں سن سکتے) اگر یہ ہر ایک نشانی دیکھ بھی لیں تب بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں حتیٰ کہ جب آپؐ کے پاس آتے ہیں اور آپؐ سے جھگڑتے ہیں تو جن لوگوں نے راہِ کفر اختیار کر رکھی ہے وہ کہنے لگتے ہیں یہ (قرآن) اس کے سوا کچھ نہیں ہے (اِن بمعنی مَا نافیہ ہے) کہ پچھلوں کی (جھوٹی) کہانیاں ہیں (اَسَاطِیْرُ، اُسْطُوْرَۃ، بالضم کی جمع، اضاحیک اور اعاجیب کی طرح) اور یہ لوگ (دوسروں کو بھی) روکتے ہیں آپؐ کی طرف سے (یعنی آنحضرت ﷺ کی اتباع سے) اور خود بھی دُور بھاگتے ہیں (بعید ہو جاتے ہیں) آپؐ سے (کہ آپؐ پر ایمان نہیں لاتے اور بعض کی رائے ہے کہ ابوطالب کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے کہ آپ کو تکلیف دینے سے لوگوں کو تو روکتے تھے لیکن خود آنحضرت ﷺ پر ایمان نہیں لاسکے) اور وہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے (اِن بمعنی مَا نافیہ ہے آپ سے دور بھاگ کر) اپنے ہی کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں (کیونکہ اس کا وبال ان ہی پر آئے گا) لیکن (اس کا) شعور نہیں رکھتے اور اگر آپ (اے محمدؐ) اس وقت کو ملاحظہ فرمائیں جب کہ انہیں کھڑا کیا جائے گا (پیش کیا جائے گا) جہنم کے کنارے تو کہیں گے اے (یا تنبیہ کے لیے ہے) کاش ایسا ہو کہ ہم پھر لوٹا دیئے جائیں (دنیا کی طرف) اور اپنے پروردگار کی آیتیں نہ جھٹلائیں اور ایمان لانے والوں میں سے ہو جائیں (لَا نُکَذِّبَ اور نَکُوْنَ دونوں فعل مرفوع ہوں تو مستانفہ اور منصوب ہوں تو جواب تمنی اور تیسری صورت یہ ہے کہ اول مرفوع اور ثانی منصوب اور لَو کا جواب لَرَاَیْتَ اَمْرًا عَظِیْمًا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) بلکہ (یہ اعراض ہے ارادۂ ایمان سے جو تمنا سے مفہوم ہو رہا ہے) نمودار (ظاہر) ہوگیا ان پر اس کا بدلہ جو کچھ پہلے چھپایا کرتے تھے (اپنے اس قول سے چھپایا کرتے تھے: وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ، لیکن جب ان کے اعضاء گواہی دیں گے تو یہ تمنا ہوگی) اور اگر لوٹا دیئے جائیں (بالفرض دُنیا کی طرف) تو پھر اسی بات میں پڑ جائیں گے جس سے انہیں روکا گیا تھا (یعنی شرک) اور بلاشبہ یہ جھوٹے ثابت ہوں گے (اپنے وعدۂ ایمان میں) اور کہتے ہیں (منکرین قیامت) اس کے سوا کچھ نہیں ہے (اِن بمعنی مَا نافیہ ہے) کہ یہی (زندگی) دنیا کی زندگی ہے اور ہمیں مر کر پھر اُٹھنا نہیں ہے اور آپ اگر انہیں اس حالت میں دیکھیں گے جب یہ کھڑے کیے جائیں (ان سے سرزنش کے طور پر فرشتوں کی زبانی) کیا یہ (قبر سے اُٹھنا اور حساب) حقیقت نہیں ہے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں (قسم ہے ہمارے رب کی (ضرور حق ہے) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے پس چکھو عذاب کا مزہ اسی کفر کے عوض جو تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔



قوله: لَا اَحَدَ: یہ استفہام انکاری ہے۔

قوله: تَوْبِیْخًا: استفہام توبیخی ہے۔

قوله: مَعْذِرَتُهُمْ: فتنہ یہ معذرت کے معنی میں ہے کفر کے معنی میں نہیں۔

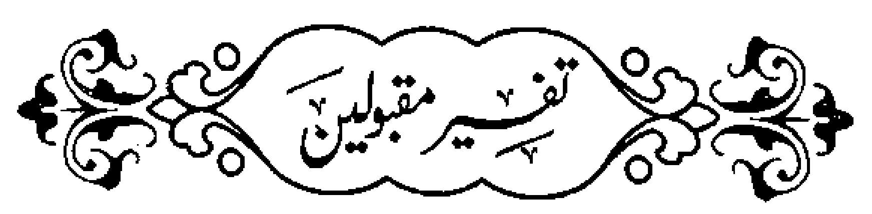
قوله: نَزَلَتْ فِیْ اَبِیْ طَالِبٍ: عنہ کی ضمیر محذوف مضاف کی طرف لوٹنے والی ہے جو کہ ھو ہے اور مضاف اذیٰ ہے۔

قوله: اِسْتِیْنَافًا: مبتداء محذوف ہے۔ اے نحن لا نکذب، یہ اس کا معنی عدم کذب الایمان کو ثابت کرنا ہے نہ کہ اس کی تمنا۔

قوله: عَنْ اِرَادَةِ الْاِیْمَانِ: ارادہ ایمان سے اعراض کے لیے ہے کیونکہ سچ پختہ ارادے سے نہیں۔

قوله: عُرِضُوْا: اس سے تفسیر اس لیے کی کیونکہ اللہ پر حقیقت وقوف ان کے لیے محال ہے۔ پس اشارہ کیا کہ وقوف عرض سے مجاز ہے۔

قوله: بِمَا کُنْتُمْ: میں مَا مصدریہ ہے۔



وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی ....

قیامت کے دن مشرکین سے سوال فرمانا اور ان کا مشرک ہونے کا انکار کرنا:

مشرکین کا یہ طریقہ تھا کہ شرک بھی کرتے تھے اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ پاک کے باغی مت بنو۔ توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار نہ کرو تو کہہ دیتے تھے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے اور جو آیات بینات نبیوں کے واسطہ سے ان تک پہنچی تھیں انہیں جھٹلا دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے۔ یہ ظالم سمجھتے ہیں کہ ہم منہ زوری کر کے جو گمراہی پر جمے ہوئے ہیں اور نبی کی بات کو قبول نہیں کرتے یہ کامیابی کی بات ہے۔ ان کا یہ سمجھنا جہالت اور سفاہت پر مبنی ہے۔

(اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ) (بلاشبہ بات یہ ہے کہ ظالم کامیاب نہ ہوں گے) یہ منہ زوری اور ہٹ دھرمی کام نہ آئے گی۔ آخرت میں دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ ....

یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو بغرض اعتراض وعیب جوئی قرآن کریم اور حضور ﷺ کی باتوں کی طرف کان لگاتے تھے ہدایت سے منتفع ہونا اور حق کو قبول کرنا مقصود نہ تھا۔ نصیحت وہدایت سے ممتد اعراض اور کانشنس کی مسلسل تعطیل کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ قبول حق کے وسائل وقوی انجام کار ماؤف ہو کر رہ گئے، حق کے سمجھنے سے ان کے دل محروم کر دیئے گئے۔ پیغام ہدایت کا سننا کانوں کو بھاری معلوم ہونے لگا، آنکھیں نظر عبرت سے ایسی خالی ہو گئیں کہ ہر قسم کے نشانات دیکھ کر بھی ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اور لطف یہ ہے کہ اس حالت موت پر قانع ومسرور بھی ہیں بلکہ فخر کے لہجہ میں اسکا اعلان کرتے ہیں۔ سورۂ حٰمٓ السَّجْدَة میں ہے: (فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝) (فصلت: ۴،۵) اس آیت سے معلوم ہوا کہ سماع آیات سے منتفع نہ ہونا اور دلوں پر پردہ پڑ جانا خود ان کے اعراض کا نتیجہ تھا اور یہ اعراض ہی اس کیفیت کے حدوث کا سبب ہوا ہے۔ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ (لقمان: ۷) (اسباب پر مسببات کا مرتب کرنا چونکہ خالق جل وعلا کے سوا کسی کا کام نہیں ہو سکتا اسی لیے آیت حاضرہ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ (الاسراء: ۴۶) (میں پردے وغیرہ ڈالنے کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کر دی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ ۚ ....

شانِ نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر آیت کا نزول ابوطالب رضی اللہ عنہ کے حق میں ہوا جو مشرکوں کو رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دینے سے روکتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ جو دین وقرآن لے کر آئے تھے اس کو نہیں مانتے تھے خود اس سے دور رہتے تھے۔ کذا اخرج الحاکم وغیرہ اس صورت میں جمع کی ضمیر ابوطالب رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کی طرف راجع ہوگی۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن ابی ہلال کی روایت سے بیان کیا ہے کہ آیت کا نزول رسول اللہ ﷺ کے چچیروں کے حق میں ہوا جن کی تعداد دس تھی علی الاعلان تو وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی تھے لیکن اندرونی طور پر رسول اللہ ﷺ کے سخت مخالف تھے رسول اللہ ﷺ کو ایذا دینے سے لوگوں کو تو روکتے تھے لیکن اتباع رسول ﷺ سے خود دور رہتے تھے بغوی نے لکھا ہے مشرکوں کے کچھ مڈ ابوطالب کے پاس جمع ہوئے اور درخواست کی کہ محمد ﷺ کو ہمارے سپرد کر دیجئے اور اس کے عوض ہمارے کسی حسین ترین جوان کو لے لیجئے۔ ابوطالب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تم نے یہ انصاف کی بات نہیں کہی میں تو اپنا بچہ تم کو دے دوں کہ تم اس کو قتل کر دو اور تمہارے بچہ کی میں پرورش کروں۔

روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوطالب رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دعوت دی ابوطالب رضی اللہ عنہ نے کہا اگر قریش کے عار دلانے کا مجھے اندیشہ نہ ہوتا تو میں (مسلمان ہو کر) تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ پھر بھی جب تک زندہ ہوں دشمنوں کو تمہاری طرف سے دفع کرتا رہوں گا۔ ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے دعوت کے سلسلے میں یہ شعر کہے ہیں۔

میرے قبر میں دفن ہونے تک یہ لوگ اپنے جتھوں کے ساتھ بھی آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ آپ علی الاعلان اپنا کام کریں آپ کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہوسکتی اور اپنے کام سے آپ خوش اور خنک چشم رہیں آپ نے مجھے دعوت دی ہے اور میں جانتا ہوں کہ آپ میرے خیر خواہ سچے اور امین ہیں اور ایسا دین پیش کر رہے ہیں جو سب لوگوں کے مذاہب سے اچھا ہے مگر مجھے ملامت کا اندیشہ ہے اگر لوگوں کے ملامت کرنے اور عار دلانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو آپ مجھے علی الاعلان بسہولت قبول کرنے والا پاتے۔

وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ اور وہ محض اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں اور (اس بات کو) نہیں سمجھتے کہ اس فعل سے خود انہی کو نقصان پہنچے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا کچھ ضرر نہ ہوگا۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۔۔۔۔ اور اگر (اے محمد ﷺ) آپ دیکھیں اس حالت کو جب ان کو ان کے مالک کے سامنے۔ سوال اور سرزنش کے لیے روکا جائے گا (تو آپ کے سامنے عجیب منظر آئے گا) رب کے سامنے کھڑے کئے جانے سے مراد مجازی معنی ہے یعنی سوال اور سرزنش کے لیے روکا جائے گا۔ علی ربہم کا معنی فیصلۂ رب اور جزاء رب بھی کہا گیا ہے یا یہ مطلب ہے کہ اس وقت کامل طور پر وہ خدا کو پہچان لیں گے۔

قَالَ: وہ یعنی اللہ کہے گا یا باجازت الٰہی دوزخ کے کارندے کہیں گے گویا ایک محذوف سوال کا یہ جواب ہے کلام مذکور سن کر کوئی شخص پوچھ سکتا تھا کہ مذکورہ بالا کلام کا ان کو جواب کیا ملے گا تو جواب دیا گیا اللہ فرمائے گا۔

اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ : کیا یہ یعنی قبروں سے زندہ ہو کر اٹھنا اور اس کے ثواب و عذاب حساب و کتاب حق نہیں ہیں (کیا اب بھی اس میں کچھ شبہ ہے) یہ سوال محض سرزنش کرنے اور تکذیب پر عار دلانے کے لیے ہوگا (طلب فہم اور دریافت خیر کے لیے نہ ہوگا)۔

قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا : وہ کہیں گے بے شک وشبہ (حق ہے) اپنے مالک کی قسم چونکہ واقعات بالکل سامنے ہوں گے اور شرک و تکذیب سے وہ براءت ظاہر کرنی چاہیں گے اس لیے اپنے اقرار کو قسم سے مؤکد کریں گے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ گفتگو قیامت کے ایک موقف پر ہوگی اور قیامت کے مختلف موقف ہوں گے کسی موقف پر کافر انکار کریں گے اور کسی پر اقرار۔

قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ (اللہ یا فرشتہ) کہے گا تو اپنے گزشتہ کفر کے (سبب یا کفر کے) عوض اب عذاب کا مزہ چکھو۔ بما میں باسببیہ ہے یا عوض کے لیے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ بِالْبَعْثِ حَتّٰٓى غَايَةٌ لِلتَّكْذِيْبِ اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ الْقِيٰمَةُ بَغْتَةً فجاة قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا هِيَ شِدَّةُ التَّالُّمِ وَنِدَاءُهَا مَجَازٌ اَيْ هٰذَا اَوَانُكِ فَاحْضُرِيْ عَلٰى مَا فَرَّطْنَا قَصَّرْنَا فِيْهَا ۙ اَيِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ بِاَنْ تَاْتِيَهُمْ عِنْدَ الْبَعْثِ فِيْ اَقْبَحِ

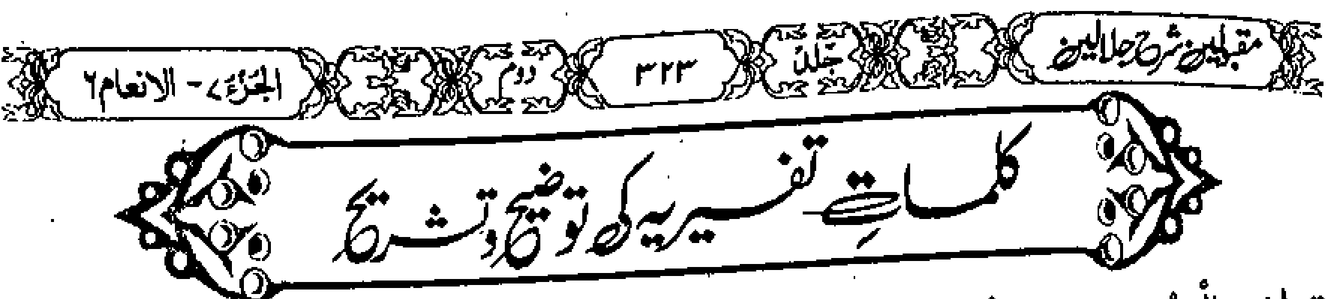
شَیْءٍ صُوْرَۃً وَاَنْتَنِہٖ رِیْحًا فَتَرْکَبُھُمْ اَلَا سَآءَ بِئْسَ مَا یَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ یَحْمِلُوْنَہٗ حَمْلُھُمْ ذٰلِکَ وَمَا الْحَیٰوۃُ
الدُّنْیَآ اَیِ الْاِشْتِغَالُ فِیْھَا اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَھْوٌ ط وَاَمَّا الطَّاعَاتُ وَمَا یُعِیْنُ عَلَیْھَا فَمِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَۃِ وَ
لَلدَّارُ الْاٰخِرَۃُ وَفِیْ قِرَاءَۃٍ وَلَدَارُ الْاٰخِرَۃِ اَیِ الْجَنَّۃُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ط الشِّرْکَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾
بِالْیَاءِ وَالتَّاءِ ذٰلِکَ فَیُؤْمِنُوْنَ قَدْ لِلتَّحْقِیْقِ نَعْلَمُ اِنَّہٗ اَیِ الشَّانُ لَیَحْزُنُکَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ لَکَ مِنَ
التَّکْذِیْبِ فَاِنَّھُمْ لَا یُکَذِّبُوْنَکَ فِی السِّرِّ لِعِلْمِھِمْ اَنَّکَ صَادِقٌ وَفِیْ قِرَاءَۃٍ بِالتَّخْفِیْفِ اَیْ لَا یَنْسِبُوْنَکَ
اِلَی الْکِذْبِ وَلٰکِنَّ الظّٰلِمِیْنَ وَضَعَہٗ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ اَیِ الْقُرْاٰنِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ یُکَذِّبُوْنَ وَ
لَقَدْ کُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِکَ فِیْہِ تَسْلِیَۃٌ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصَبَرُوْا عَلٰی مَا کُذِّبُوْا وَ اُوْذُوْا
حَتّٰی اَتٰھُمْ نَصْرُنَا ج بِاِھْلَاکِ قَوْمِھِمْ فَاصْبِرْ حَتّٰی یَاْتِیَکَ النَّصْرُ بِاِھْلَاکِ قَوْمِکَ وَ لَا مُبَدِّلَ
لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ج مَوَاعِیْدِہٖ وَ لَقَدْ جَآءَکَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۳۴﴾ مَا یَسْکُنُ بِہٖ قَلْبُکَ وَ اِنْ کَانَ کَبُرَ
عَظُمَ عَلَیْکَ اِعْرَاضُھُمْ عَنِ الْاِسْلَامِ لِحِرْصِکَ عَلَیْھِمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا سَرَبًا فِی
الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا مُصْعِدًا فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِیَھُمْ بِاٰیَۃٍ ط مِمَّا اقْتَرَحُوْا فَافْعَلِ الْمَعْنٰی اِنَّکَ لَا تَسْتَطِیْعُ
ذٰلِکَ فَاصْبِرْ حَتّٰی یَحْکُمَ اللّٰہُ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰہُ ھِدَایَتَھُمْ لَجَمَعَھُمْ عَلَی الْھُدٰی وَلٰکِنْ لَمْ یَشَأْ ذٰلِکَ فَلَمْ
یُؤْمِنُوْا فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ ﴿۳۵﴾ بِذٰلِکَ اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ دُعَاءَکَ اِلَی الْاِیْمَانِ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ ط
سِمَاعَ تَفَھُّمٍ وَاعْتِبَارٍ وَ الْمَوْتٰی اَیِ الْکُفَّارُ شَبَّھَھُمْ بِھِمْ فِیْ عَدَمِ السِّمَاعِ یَبْعَثُھُمُ اللّٰہُ فِی الْاٰخِرَۃِ
ثُمَّ اِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ یُرَدُّوْنَ فَیُجَازِیْھِمْ بِاَعْمَالِھِمْ وَ قَالُوْا اَیْ کُفَّارُ مَکَّۃَ لَوْ لَا ھَلَّا نُزِّلَ عَلَیْہِ اٰیَۃٌ
مِّنْ رَّبِّہٖ ط کَالنَّاقَۃِ وَالْعَصَا وَالْمَائِدَۃِ قُلْ لَھُمْ اِنَّ اللّٰہَ قَادِرٌ عَلٰی اَنْ یُّنَزِّلَ بِالتَّشْدِیْدِ وَالتَّخْفِیْفِ اٰیَۃً
مِمَّا اقْتَرَحُوْا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ اَنَّ نُزُوْلَھَا بَلَاءٌ عَلَیْھِمْ لِوُجُوْبِ ھَلَاکِھِمْ اِنْ جَحَدُوْھَا
وَ مَا مِنْ زَائِدَۃٌ دَآبَّۃٍ تَمْشِیْ فِی الْاَرْضِ وَ لَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ فِی الْھَوَاءِ بِجَنَاحَیْہِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ ط فِیْ
تَقْدِیْرِ خَلْقِھَا وَرِزْقِھَا وَاَحْوَالِھَا مَا فَرَّطْنَا تَرَکْنَا فِی الْکِتٰبِ اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ مِنْ زَائِدَۃٌ شَیْءٍ فَلَمْ

نَكْتُبُهُ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ﴿٣٨﴾ فَيَقْضِيْ بَيْنَهُمْ وَيَقْتَصُّ لِلْجَمَّاءِ مِنَ الْقَرْنَاءِ ثُمَّ يَقُوْلُ لَهُمْ كُوْنُوْا
تُرَابًا وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا الْقُرْاٰنِ صُمٌّ عَنْ سِمَاعِهَا سِمَاعَ قُبُوْلٍ وَّبُكْمٌ عَنِ النُّطْقِ بِالْحَقِّ فِي
الظُّلُمٰتِ ؕ الْكُفْرِ مَنْ يَّشَإِ اللّٰهُ اِضْلَالَهٗ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ هِدَايَتَهٗ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ طَرِيْقٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٩﴾ دِيْنِ الْاِسْلَامِ قُلْ يَا مُحَمَّدُ لِاَهْلِ مَكَّةَ اَرَءَيْتَكُمْ اَخْبِرُوْنِيْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ فِي
الدُّنْيَا اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ الْقِيٰمَةُ الْمُشْتَمِلَةُ عَلَيْهِ بَغْتَةً اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ لَا اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿٤٠﴾ فِيْ اَنَّ الْاَصْنَامَ تَنْفَعُكُمْ فَادْعُوْهَا بَلْ اِيَّاهُ لَا غَيْرَهٗ تَدْعُوْنَ فِي الشَّدَائِدِ فَيَكْشِفُ مَا
تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اَيْ يَكْشِفُهٗ عَنْكُمْ مِنَ الضُّرِّ وَنَحْوِهٖ اِنْ شَآءَ كَشْفَهٗ وَتَنْسَوْنَ تَتْرُكُوْنَ مَا
تُشْرِكُوْنَ ﴿٤١﴾ ع مَعَهٗ مِنَ الْاَصْنَامِ فَلَا تَدْعُوْنَهٗ

ع ۱۱ ۱۰

ترجمہ: قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ بے شک خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے مرنے کے بعد زندہ ہو کر اللہ سے ملنے کی تکذیب کی (یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر) یہاں تک کہ (یہ تکذیب انتہاء ہے) جب آ جائے گی ان پر (قیامت کی) گھڑی اچانک (ایک دم) تو اس وقت کہیں گے افسوس (حسرۃ کے معنی سخت رنج کے ہیں۔ اس کو نداء کرنا مجازاً ہے یعنی تیرے آنے کا یہی وقت ہے اس لیے آ جا) ہماری کوتاہی (فروگذاشت) پر جو اس (دنیا) میں رہتے ہوئے ہوئی اور اس وقت اپنے گناہوں کا بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے (اس طرح کہ قیامت میں نہایت بری شکل اور بدبودار حالت میں گناہ ان کے سامنے آئیں گے اور ان پر لد جائیں گے) کیا ہی برا بوجھ ہے جو (یہ) لادر ہے ہیں (اپنی کمروں پر اُٹھائے ہوئے ہیں) اور دنیا کی زندگانی تو کچھ نہیں (یعنی دنیا میں دلی انہماک) مگر کھیل اور تماشہ ہے (البتہ طاعات اور اس کے اسباب یہ سب آخرت کی چیزیں ہیں) اور آخرت کا گھر (اور ایک قراءت میں وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ ہے بہر صورت مراد جنت ہے) متقیوں کے لیے بہتر ہے (جو شرک سے بچنے والے ہیں) کیا تم سمجھتے نہیں ہو (یا اور تا کے ساتھ ہے یعنی اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ ایمان لے آؤ) ہم خوب جانتے ہیں (قَدْ تحقیق کے لیے ہے) کہ بلاشبہ (ضمیر شان ہے) آپ کے لیے ملالِ خاطر ہیں وہ باتیں جو یہ لوگ (آپ کی شان میں) بکتے ہیں (تکذیب کے سلسلہ میں) بلاشبہ وہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے (باطن میں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ آپ سچے ہیں اور ایک قراءت میں تخفیف کے ساتھ ہے یعنی وہ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے) اور لیکن ظالم (اسم ظاہر کو مضمر کی جگہ پر رکھا ہے) اللہ کی آیات (یعنی قرآن) کا انکار کرتے ہیں (تکذیب کرتے ہیں) اور یہ واقعہ ہے کہ آپ سے پہلے بھی اللہ کے رسول جھٹلائے گئے ہیں (اس میں آنحضرت ﷺ کیلئے تسلی ہے) سو انہوں نے لوگوں کے جھٹلانے اور دُکھ پہنچانے پر صبر کیا یہاں تک کہ ہماری مدد ان کے پاس آ پہنچی (ان کی قوم کو برباد کر دیا۔ آپ بھی صبر کیجیے تا کہ

آپؐ کی مدد میں آپؐ کی قوم بھی تباہی کے کنارے لگے) اور اللہ کی باتوں (وعدوں) کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے اور رسولوں کی بہت سی خبریں آپؐ تک پہنچ چکی ہیں (جو آپؐ کے قلب کے لیے تسکین بخش ہو سکتی ہیں) اور اگر گراں (کٹھن) گزرتی ہے آپؐ پر اُن کی رُوگردانی (اسلام سے اور آپؐ کو ان سے امید ہے) تو اگر تم سے ہو سکے تو زمین کے اندر کوئی سُرنگ (زمین دوز راستہ) ڈھونڈ نکالو یا کوئی سیڑھی (جو چڑھا دے) آسمان میں اور اس طرح انہیں کوئی نشانی لا دکھاؤ (ان کی فرمائشی چیزوں میں سے تو ضرور کر گزریئے ۔ حاصل یہ ہے کہ آپؐ ایسا نہیں کر سکتے ۔ اس لیے صبر سے رہیے جب تک اللہ کوئی فیصلہ نہ کر دیں) اور اللہ میاں اگر چاہتے (ان کو ہدایت دینا) تو ان سب کو ہدایت پر جمع فرما سکتے تھے (لیکن انہوں نے نہیں چاہا اس لیے یہ ایمان نہیں لا سکے) سو آپؐ ان لوگوں میں سے نہ ہو جایئے جو (ان باتوں سے) ناواقف ہوتے ہیں ۔ آپؐ (کی دعوتِ ایمانی) کا جواب تو وہی دے سکتے ہیں جو آپؐ کی پکار سنتے ہیں (غور اور اعتبار سے) لیکن جو مُردے ہیں (یعنی کفار نہ سننے میں کفار کو مُردوں سے تشبیہ دی گئی ہے) اُنہیں تو اللہ ہی اٹھائیں گے (آخرت میں) پھر ان کے حضور لوٹائے جائیں گے (پیش کیے جائیں گے ۔ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا) اور کہتے ہیں (کفارِ مکہ) کیوں نہیں (لولا بمعنی ھلا ہے) اتاری گئی ان پر کوئی نشانی ان کے پروردگار کی طرف سے (جیسے اُونٹنی، عصا اور مائدہ کے معجزات) آپؐ کہہ دیجئے (ان سے) اللہ یقیناً اس پر قادر ہیں کہ اُتار دیں (تشدید اور تخفیف کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں) کوئی نشانی (ان کی فرمائش) لیکن ان میں سے اکثر آدمی جانتے نہیں (کہ نشانی کا اُترنا ان کے حق میں بلا ہوگا ۔ کیونکہ اگر انہوں نے پھر انکار کیا تو ضرور برباد ہو کر رہیں گے) اور نہیں ہے (من زائد ہے) کوئی جانور زمین پر (چلنے والا) اور کوئی پرندہ (ہوا میں) اُڑنے والا پروں کے ساتھ جو تمہاری طرح گلے اور ٹکڑیاں نہ رکھتا ہو (اپنی پیدائش اور رزق اور عام حالات کے لحاظ سے) ہم نے فرو گذاشت نہیں کی (نہیں چھوڑی) نوشتہ (لوحِ محفوظ) میں کوئی بات بھی (جس کو ہم نے نہ لکھ لیا ہو اس میں من زائد ہے) پھر سب اپنے پروردگار کے حضور جمع کیے جائیں گے (اور ان کے مابین فیصلے کیے جائیں گے ۔ بے سینگ جانور کیلئے سینگ والے جانور تک بدلے لیے جائیں گے ۔ پھر ان سے کہا جائے گا ۔ کہ مٹی ہو جاؤ) اور جن لوگوں نے ہماری آیات (قرآن) جھٹلائیں وہ بہرے ہیں (قبولیت کے کانوں سے سنتے نہیں) اور گونگے ہیں (حق بات کہنے سے) اندھیریوں میں (کفر کی) گم ہیں ۔ اللہ جس کو چاہیں (گمراہ کرنا) اس کو گمراہ کر دیتے ہیں اور جس کو چاہیں (ہدایت دینا) لگا دیتے ہیں سیدھی راہ (دین اسلام) پر ۔ آپ فرما دیجئے (اے محمدؐ ! مکہ والوں سے) کیا تم نے اس پر بھی غور کیا (مجھے بتلاؤ) کہ اگر اللہ کا عذاب تم پر آ جائے (دنیا میں) یا (قیامت کی) گھڑی (جو اس عذاب پر مشتمل ہوا چانک) تمہارے سامنے آ کھڑی ہو تو اس وقت بھی تم اللہ کے سوا دوسروں کو پکارو گے (ہرگز نہیں) اگر تم سچے ہو (اس بارے میں کہ بت، تمہیں نفع پہنچا سکتے ہیں تو انہیں بلا لو) بلکہ صرف اسی کو (دوسرے کو نہیں) تم پکارو گے (مصیبت کے وقت) اور وہی دُور کر دیں گے تمہاری مصیبت (یعنی تمہاری تکلیف وغیرہ دور کر سکتے ہیں) اگر وہ چاہیں (دور کرنا) اور بھول جاؤ گے (چھوڑ بیٹھو گے) جو کچھ تم شرک کرتے رہے تھے (اللہ کے ساتھ بتوں کو شریک کر رکھا تھا ۔ لہٰذا بتوں کو مت پکارو) ۔



قوله: بِالْبَعْثِ: اس سے اشارہ ہے لقاء اللہ سے مراد بعث اور اس کے دیگر احوال ہیں۔

قوله: لِلتَّكْذِيبِ: اشارہ کیا کہ خسر تکذیب کے معنی میں ہے تاکہ اس کی غایت حسرت ہو۔

قوله: نِدَاءُ: حسرت کو آواز دینا تو محال ہے، اس سے یہ مجاز ہے۔ هٰذَا اَوَانُكَ فَاحْضُرِي ۔

قوله: بِاَنْ تَاتِيْهُمْ: حمل سے حقیقی معنی مراد ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، تمثیل نہیں۔

قوله: فَتَرْكَبُهُمْ: یعنی کافر پر خروجِ قبر کے بعد اس کا عمل سیئہ اس پر لاد دیا جائے گا، وہ کہے گا دنیا میں تُو مجھ پر سوار آج میں تجھ پر۔

قوله: الْاِشْتِغَالُ: مراد ہے کیونکہ نفس حیات کے ساتھ لعب ولہو فٹ نہیں آتے۔

قوله: وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ: یعنی ولدار الساعه الاخره۔ کیونکہ شئی کی اضافت اپنی صفت کی طرف نہیں ہوتی۔

قوله: قَدْ لِلتَّحْقِيْقِ: اگرچہ یہ مضارع پر ہے مگر تحقیق کے لیے آیا ہے۔

قوله: لٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ: اس کا مقصد حزن سے روکنا اور تسلی ہے کہ یہ تیری تکذیب نہیں میری تکذیب ہے۔

قوله: يُكَذِّبُوْنَ: یعنی يَجْحَدُوْنَ کا باء سے تعدیہ یہ تکذیب کا معنی اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔

قوله: فَافْعَلِ: یعنی دوسری شرط کا جواب محذوف ہے اور وہ فافعل ہے اور اول کا جواب وہ مرکب جملہ ہے جو شرطِ ثانی اور اس کے جواب سے ملا ہے۔

قوله: اَلْمَعْنٰى اِنَّكَ: دوسرا جملہ شرطیہ شرط اول کی محذوف جزاء کی علت ہے یعنی فاصبر فانك۔

قوله: شَبَّهَهُمْ: یعنی عدم سماع میں ان کو مردوں کی طرح قرار دیا۔ ای کالموتٰی۔

قوله: فِي الْهَوَاءِ: زمین میں اڑنا مراد نہیں معطوف ومعطوف علیہ ایک حکم میں ہوتے ہیں۔

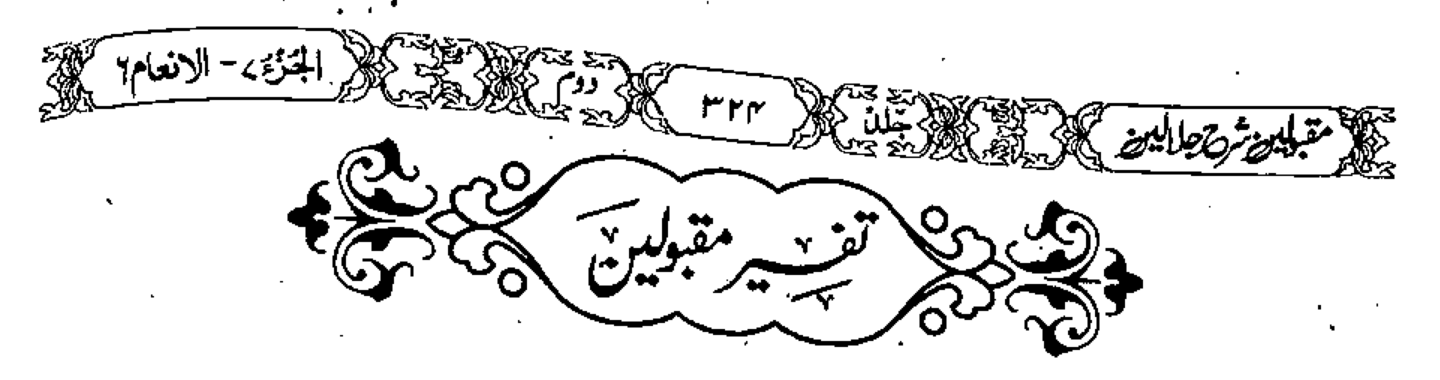
قوله: فَلَمْ نَكْتُبْهُ: اس میں اشارہ ہے شئی مفعول بہ ہے۔

قوله: الْكُفْرِ: یعنی ان کے کفر کے اندھیرے، حرب وضرب جزیہ اور ہمیشہ کا عذاب۔

قوله: اَخْبِرُوْنِيْ: یہاں رویت استخبار کے معنی میں ہے۔ خطاب عام مخاطب متعدد کو شامل ہے اور وہ مفرد کا مؤکد ہوا کرتا ہے۔

قوله: كَشْفَه: یہ کھلنا اس کا مدار مشیت پر ہے اور قیامت میں مشیت نہیں۔

قوله: تَتْرُكُوْنَ: اس سے تفسیر کی کیونکہ وہ اس کو بھول جائیں گے بلکہ بے فائدہ سمجھ کر خود چھوڑ دیں گے۔



تفسیر مقبولین

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ۔۔۔۔

ان آیات میں اوّل تو اللہ جل شانہٗ نے یہ فرمایا کہ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا یعنی قیامت کے دن کا انکار کیا اور اس دن کے آنے کو نہ مانا وہ خسارہ میں پڑ گئے۔ اور انہوں نے اپنا نقصان بھی کیا؟ دنیا میں تو کچھ مال ہی کا نقصان ہو جاتا ہے آخرت کے اعتبار سے انہوں نے اپنی جانوں ہی کا نقصان کر دیا اور اپنی جانوں کو عذاب میں ڈالنے کا ذریعہ بن کر بالکل ہی جانوں کو کھو بیٹھے، روز قیامت کا انکار کر دیا۔ اور انکار کرتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جب اچانک قیامت آ جائیگی تو کہیں گے کہ کتنی بڑی حسرت کی چیز ہے جو ہم نے دنیا میں تقصیر کی، دنیا میں لگے رہے اسی کو سب کچھ سمجھا اور آخرت کی حاضری کو نہ مانا۔ اس وقت یہ لوگ اپنے گناہوں کے بوجھ اپنے اوپر لادے ہوئے ہوں گے۔ اور کفر اور دیگر اعمال کی سزا اور پاداش سے بچنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔ موت کے وقت توبہ کے سب دروازے بند ہو گئے اور گناہوں کا بوجھ اتار کر پھینکنے کا کوئی راستہ نہ رہا۔ اب تو ان گناہوں کی سزا بھگتنی ہی ہوگی۔

خبردار! خوب سمجھ لیں کہ جو بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں وہ بہت برا بوجھ ہے جو ان کے دائمی عذاب کا ذریعہ بن رہا ہے۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَیَحْزُنُكَ ۔۔۔۔

فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ: یعنی یہ کفار در حقیقت آپ ﷺ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ آیات اللہ کی تکذیب کرتے ہیں، اس کا واقعہ تفسیر مظہری میں بروایت سُدّی یہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ کفار قریش کے دو سردار اخنس بن شریق اور ابوجہل کی ملاقات ہوئی تو اخنس نے ابوجہل سے پوچھا کہ اے ابوالحکم (عرب میں ابوجہل ابوالحکم کے نام سے پکارا جاتا تھا اسلام میں اس کے کفر و عناد کے سبب ابوجہل کا لقب دیا گیا) یہ تنہائی کا موقع ہے میرے اور تمہارے کلام کو کوئی تیسرا نہیں سن رہا ہے، مجھے محمد بن عبداللہ ﷺ کے متعلق اپنا خیال صحیح صحیح بتلاؤ کہ ان کو سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا۔

ابوجہل نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ بلاشبہ محمد ﷺ سچے ہیں۔ انہوں نے عمر بھر میں کبھی جھوٹ نہیں بولا لیکن بات یہ ہے کہ قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنو قصی میں ساری خوبیاں اور کمالات جمع ہو جائیں باقی قریش خالی رہ جائیں اس کو ہم کیسے برداشت کریں؟ جھنڈا بنی قصی کے ہاتھ میں ہے حرم میں حجاج کو پانی پلانے کی اہم خدمت ان کے ہاتھ میں ہے۔ بیت اللہ کی دربانی اور اس کی کنجی ان کے ہاتھ میں ہے، اب اگر نبوت بھی ہم انہی کے اندر تسلیم کر لیں تو باقی قریش کے پاس کیا رہ جائے گا۔

ایک دوسری روایت ناجیہ ابن کعب سے منقول ہے کہ ابوجہل نے ایک مرتبہ خود رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہمیں آپ ﷺ پر جھوٹ کا کوئی گمان نہیں، اور نہ ہم آپ ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں، ہاں ہم اس کتاب یا دین کی تکذیب کرتے ہیں جس کو آپ ﷺ لائے ہیں۔ (مظہری)

ان روایات کی بناء پر آیت کو اپنے حقیقی مفہوم میں بھی لیا جاسکتا ہے کہ یہ کفار آپ ﷺ کی نہیں بلکہ آیات اللہ کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور اس آیت کا یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ یہ کفار اگرچہ ظاہر میں آپ ﷺ ہی کی تکذیب کرتے ہیں، مگر درحقیقت آپ کی تکذیب کا انجام خود اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات کی تکذیب ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جو شخص مجھے ایذاء پہنچاتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچانے کے حکم میں ہے۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ....

رسول اللہ ﷺ کو اس کی بہت زیادہ حرص تھی کہ میری قوم اسلام قبول کرلے وہ لوگ ایمان قبول نہیں کرتے تھے اور بطور عناد طرح طرح کے معجزات کی فرمائش کرتے تھے کہ یہ معجزہ دکھاؤ اور یہ کام کرکے بتاؤ آپ کی خواہش ہوتی تھی کہ ان کی فرمائش کے معجزات ظاہر ہوجائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی فرمائش پوری نہ کی جاتی تھی۔ خود قرآن کریم ان کے پاس بہت بڑا معجزہ موجود تھا اور دوسرے بھی معجزات سامنے آتے رہتے تھے لیکن وہ کہتے رہے کہ ایسا ہوجائے تو ہم مان لیں گے جب فرمائشی معجزات کا ظہور نہ ہوتا تھا تو آنحضرت ﷺ کبیدہ خاطر ہوتے تھے یعنی طبعی طور پر آپ کو ملال ہوتا تھا، اللہ جل شانہٗ نے آپ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر آپ کو ان کا اعراض کرنا گراں گزر رہا ہے تو اگر آپ سے ہوسکے تو آپ زمین میں کوئی سرنگ یا کوئی زینہ آسمان میں جانے کو تلاش کرلیں پھر آپ ان کے پاس معجزہ لے آئیں تو آپ ایسا کرلیجیے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر آپ زمین میں نیچے اتر کر یا آسمان کے اوپر جاکر ان کا فرمائشی معجزہ لاسکتے ہیں تو آپ ایسا کرلیجیے۔ ان کی فرمائش کے مطابق معجزہ پیدا کرنا لازم نہیں ہے آپ کو اگر اصرار ہے تو آپ خود ہی فرمائشی معجزہ دکھادیجیے لیکن اللہ کی مشیت کے بغیر تو کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے آپ صبر ہی سے کام لیں اور تکوینی طور پر سب کو مسلمان ہونا بھی نہیں اس لیے اس فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ سب مسلمان ہوجائیں۔

(وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى) (اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع فرمادیتا) (فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ) (تو آپ نادانوں میں سے نہ ہوجایئے) جو کچھ ہے اللہ کی حکمت کے مطابق ہے۔ آپ اللہ کی حکمت اور قضاوقدر پر راضی رہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ زَائِدَةٌ قَبْلِكَ رُسُلًا فَكَذَّبُوْهُمْ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ شِدَّةِ الْفَقْرِ وَالضَّرَّآءِ الْمَرَضِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ يَتَذَلَّلُوْنَ فَيُؤْمِنُوْنَ فَلَوْلَآ فَهَلَّا اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا عَذَابُنَا تَضَرَّعُوْا اَىْ لَمْ يَفْعَلُوْا ذٰلِكَ مَعَ قِيَامِ الْمُقْتَضٰى لَهٗ وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ فَلَمْ تَلِنْ لِلْاِيْمَانِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ مِنَ الْمَعَاصِىْ فَاَصَرُّوْا عَلَيْهَا فَلَمَّا نَسُوْا تَرَكُوْا مَا ذُكِّرُوْا وُعِظُوْا وَخُوِّفُوْا بِهٖ مِنَ الْبَاْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ فَلَمْ يَتَّعِظُوْا فَتَحْنَا بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَىْءٍ مِنَ النِّعَمِ

اِسْتِدْرَاجًا لَهُمْ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا فَرِحَ بَطَرٍ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ بَغْتَةً فَجَأَةً فَاِذَا هُمْ
مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ اٰيِسُوْنَ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ اَیْ اٰخِرُهُمْ بِاَنِ اسْتُوْصِلُوْا وَ
الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾ عَلٰى نَصْرِ الرُّسُلِ وَهَلَاكِ الْكٰفِرِيْنَ قُلْ لِاَهْلِ مَكَّةَ اَرَءَيْتُمْ اَخْبِرُوْنِیْ
اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ اَصَمَّكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ اَعْمَاكُمْ وَ خَتَمَ طَبَعَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ فَلَا تَعْرِفُوْنَ شَيْئًا
مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ بِمَا اَخَذَهٗ مِنْكُمْ بِزَعْمِكُمْ كَيْفَ نُصَرِّفُ نُبَيِّنُ الْاٰيٰتِ الدَّلَالَاتِ
عَلٰى وَحْدَانِيَّتِنَا ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ عَنْهَا فَلَا يُؤْمِنُوْنَ قُلْ لَهُمْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ
بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً لَيْلًا اَوْ نَهَارًا هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ الْكٰفِرُوْنَ اَیْ مَا يُهْلَكُ اِلَّا هُمْ وَمَا
نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِالْجَنَّةِ وَ مُنْذِرِيْنَ ۚ مَنْ كَفَرَ بِالنَّارِ فَمَنْ اٰمَنَ بِهِمْ وَ
اَصْلَحَ عَمَلَهٗ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ فِی الْاٰخِرَةِ وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ
الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَخْرُجُوْنَ عَنِ الطَّاعَةِ قُلْ لَهُمْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ
الَّتِیْ مِنْهَا يُرْزَقُ وَ لَآ اَنِّیْ اَعْلَمُ الْغَيْبَ مَا غَابَ عَنِّیْ وَلَمْ يُوْحَ اِلَیَّ وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ مِنَ
الْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ مَا اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَیَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِی الْاَعْمٰى الْكَافِرُ وَ الْبَصِيْرُ ؕ الْمُؤْمِنُ لَا اَفَلَا
تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع فِیْ ذٰلِكَ فَتُؤْمِنُوْنَ ۹/۱۱

ترجمہ: اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے بھیجے ہیں آپؐ سے پہلی امتوں (من زائد ہے) کی طرف (اپنے رسول لیکن لوگوں نے ان کو جھٹلایا) اور ہم نے انہیں سختی (تنگدستی) اور تکلیف (بیماری) میں گرفتار کیا کہ عجب نہیں وہ ڈھیلے پڑ جائیں۔ (کس بل نکل جائیں اور ایمان لے آئیں) ایسا کیوں نہ ہوا (لولا بمعنی ھلا ہے) کہ جب ہماری طرف سے ان پر سختی (عذاب) ہوئی تو وہ گڑگڑاتے (یعنی ڈھیلے پڑنے کا سامان ہوتے ہوئے پھر انہوں نے ایسا کیوں نہیں کیا) اس لیے ان کے دل سخت پڑ گئے تھے (جن میں ایمان کے لیے نرمی نہ آسکی) اور شیطان نے ان کی نظروں میں خوشنما بنا کر دکھلا دیا ان کی بدعملیاں (گناہ چنانچہ ان پر اصرار کرتے رہے) پھر جب بھلا دیا (چھوڑ دیا) جو کچھ ان کو نصیحت کی گئی (وعظ کہا گیا اور ڈرایا گیا) اس (سختی اور آفت) کے بارے میں (لیکن انہوں نے کسی نصیحت کا اثر نہیں لیا) تو ہم نے کھول دیئے (تخفیف و تشدید کے ساتھ ہے) ہر طرح کے دروازے (نعمتوں میں ان کو ڈھیل دی) یہاں تک کہ اپنی کامرانیوں پر خوشیاں منانے لگے (اترانے لگے) تو ہم نے انہیں پکڑ

لیا (عذاب میں) اچانک (ایک دم) پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ ہو کر رہ گئے (ہر طرح کی بھلائی سے ناامید ہو گئے) پھر اس گروہ کی جڑ تک کاٹ دی گئی جو ظلم کرنے والا تھا (یعنی آخر تک ان کی نسل ہی مٹا دی گئی) اور اللہ کا شکر ہے جو سارے عالم کے پروردگار ہیں (اپنے رسولوں کی مدد کرنے پر اور اس پر کہ ان پاپیوں کا پاپ کٹا) کہیے (اہل مکہ سے) کہ تم نے اس پر بھی غور کیا (مجھے بتلاؤ) کہ اللہ اگر تمہارے کان لے لے (تمہیں بہرا کر دے) اور تمہاری آنکھیں لے لے (اندھا بنا دے) اور تمہارے دلوں پر مہر (سیل) لگا دے (کہ تم کسی چیز کو سمجھ نہ سکو) تو اس کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں یہ چیزیں (جو تم سے چھین لی ہیں) دلا دے (تمہارے گمان کے مطابق) دیکھو ہم کس طرح مختلف پہلوؤں سے پیش کرتے ہیں (بیان کرتے ہیں) دلائل (اپنی وحدانیت کی دلیلیں) پھر بھی یہ لوگ ہیں کہ منہ پھیرے ہوئے ہیں (ان دلائل سے چنانچہ ایمان لانے کے لیے تیار نہیں) کہہ دو (ان سے) تم نے اس پر بھی غور کیا کہ اگر تم پر آ جائے اللہ کا عذاب دفعۃً یا آگاہ کر کے (رات یا دن میں) تو ظالموں (کافروں) کے سوا اور کون ہو سکتا ہے جو ہلاک کیا جائے گا (یعنی بجز ان کے اور کوئی تباہ نہیں ہوگا) اور ہم پیغمبروں کو نہیں بھیجا کرتے۔ مگر (مسلمانوں کو جنت کی) خوشخبری سنانے کیلئے اور (کفار کو جہنم سے) ڈرانے کے لیے۔ پھر (ان میں سے) جس نے ایمان قبول کر لیا اور (اپنے عمل کو) سنوار لیا تو اس کے لیے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ہوگا اور نہ غمگین ہوگی (آخرت میں) اور جن لوگوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں تو اپنی بدعملی (ہماری اطاعت سے نکل جانے) کی وجہ سے ضروری ہے کہ ہمارے عذاب کی لپیٹ میں آ جائیں۔ تم (ان سے) کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے غیبی خزانے ہیں (جن سے وہ روزی پہنچاتا ہے) اور نہ (میں) غیب کا جاننے والا ہوں (جو چیزیں مجھ سے غائب ہیں اور مجھ پر ان کی وحی بھی نہیں کی گئی) اور نہ میرا کہنا یہ ہے کہ میں فرشتہ ہوں (ملائکہ میں سے ہوں) میری حیثیت تو فقط یہ ہے کہ اس بات پر چلتا ہوں جس کی اللہ نے مجھ پر وحی فرما دی ہے ان سے پوچھو! کیا اندھا (کافر) اور بینا (مؤمن) دونوں برابر ہو سکتے ہیں (ہرگز نہیں) کیا تم غور و فکر نہیں کرتے (ان باتوں میں پھر ایمان لے آؤ نا)

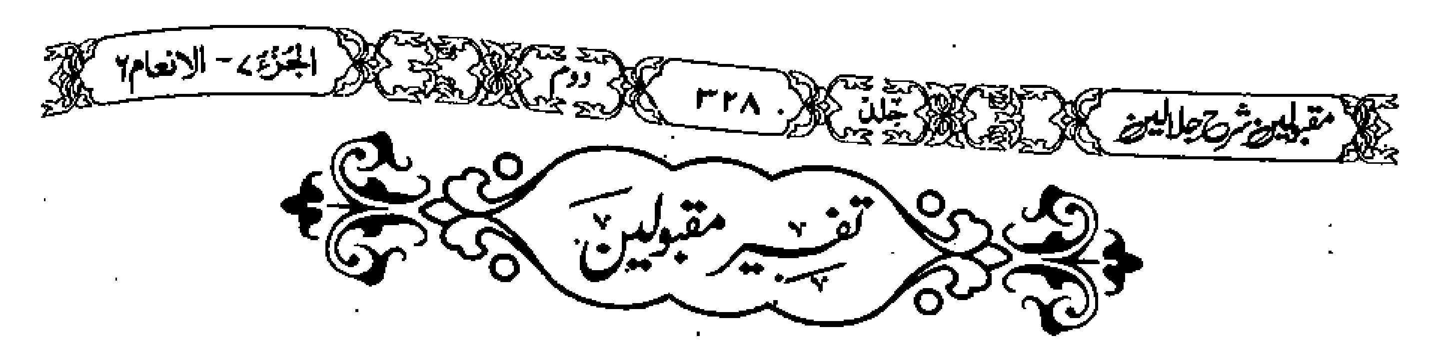
کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: رُسُلًا: اس سے اشارہ کیا کہ اَرْسَلْنَآ کا مفعول دلالت کی وجہ سے محذوف ہے۔

قوله: لَمْ يَفْعَلُوْا: اس سے اشارہ کیا کہ اگرچہ یہ کلام تندیم کے لیے آتا ہے مگر یہاں تضرع کی نفی کے لیے تحسین استدراک کے لیے لایا گیا ہے۔

قوله: بِمَا اَخَذَه: ضمیر مفرد کو جمع کی طرف بتاویل ماخوذ لوٹایا گیا ہے۔

قوله: اِنِّيْ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ لا اعلم یہ لا اقول کا مقولہ ہے۔ یہ قل کا مقولہ نہیں۔



تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ ....

سابقہ امتوں کا تذکرہ جو خوشحالی پر اترانے کی وجہ سے ہلاک ہوگئیں:

ان آیات میں پچھلی امتوں کا حال بتایا اور نبی اکرم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ہم نے ان کے پاس بھی اپنے رسول بھیجے انہوں نے ان کو جھٹلایا لہٰذا ہم نے ان کو سختی اور دکھ تکلیف کے ذریعہ پکڑ لیا لفظ (بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ) کے عموم میں وہ سب تکلیفیں داخل ہیں جو عام طور پر اہل دنیا کو انفرادی اور اجتماعی طور پر وقتاً فوقتاً پہنچتی رہتی ہیں۔

قحط، بھوک، مہنگائی، وبائی امراض جانوں اور مالوں کا نقصان یہ سب چیزیں ان دونوں لفظوں کے عموم میں آ جاتی ہیں۔ جب ان چیزوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمائی تا کہ عاجزی کریں اور گڑگڑائیں اور اپنے کفر سے توبہ کریں تو وہ الٹی چال چلے اور بجائے تضرع وزاری کے اور توبہ اور عاجزی کے اپنی گمراہی اور معصیت میں ہی لگے رہے ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظروں میں اچھا کر کے دکھایا اور بتایا کہ تم جس طریقہ پر ہو یہ خوب اور بہتر ہے۔ جب مصائب اور تکالیف کے باوجود حق کو اختیار نہ کیا اور کفر سے باز نہ آئے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور تبلیغ کو بھول بھلیاں کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یعنی بہت زیادہ نعمتیں دیدیں اور مال ومتاع سے نواز دیا۔ خوب آرام وراحت سے عیش وعشرت کی زندگی گزارنے لگے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی بجائے نعمتوں پر اترانے لگے اور ایسے اترائے کہ نعمتیں دینے والے کو بھول ہی گئے۔

یعنی یہ خیال ہی نہ رہا کہ جس ذات پاک نے یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس کے حضور میں جھکیں جب یہ حال ہو گیا تو اللہ پاک نے اچانک ان کی گرفت فرمائی اور عذاب میں مبتلا فرما دیا۔ اور اب بالکل ہی رحمت سے ناامید ہو گئے۔ اور اس طرح سے ظالموں کی جڑ کٹ گئی اور ان کا کوئی فرد باقی نہ رہا۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ ....

اس آیت میں منصب رسالت پر روشنی ڈالی گئی ہے یعنی کوئی شخص جو مدعی نبوت ہو، اس کا دعویٰ یہ نہیں ہوتا کہ تمام مقدورات الٰہیہ کے خزانے اس کے قبضہ میں ہیں کہ اس سے کسی امر کی فرمائش کی جائے وہ ضرور ہی کر دکھلائے یا تمام معلومات غیبیہ وشہادیہ پر خواہ ان کا تعلق فرائض رسالت سے ہو یا نہ ہو، اس کو مطلع کر دیا گیا ہے کہ جو کچھ تم پوچھو، وہ فوراً بتلا دیا کرے یا نوع بشر کے علاوہ وہ کوئی اور نوع ہے جو لوازم وخواص بشریہ سے اپنی برأت ونزہت کا ثبوت پیش کرے۔ جب ان باتوں میں سے وہ کسی چیز کا مدعی نہیں تو فرمائشی معجزات اس سے طلب کرنا یا ازراہ تعنت وعناد اس قسم کا سوال کرنا کہ قیامت کب آئے گی؟ یا یہ کہنا کہ یہ رسول کیسے ہیں جو کھانا کھاتے اور بازاروں میں خرید وفروخت کیلئے جاتے ہیں اور انہی امور کو معیار تصدیق و

تکذیب ٹھہرانا کہاں تک صحیح ہوسکتا ہے۔

اگرچہ پیغمبر نوع بشر سے علیحدہ کوئی دوسری نوع نہیں۔ لیکن اس کے اور باقی انسانوں کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے۔ انسانی قوتیں دو قسم کی ہیں علمی و عملی۔ قوت علمیہ کے اعتبار سے نبی کے دل کی آنکھیں ہر وقت مرضیات الٰہی اور تجلّیات ربانی کے دیکھنے کیلئے کھلی رہتی ہیں، جسکے بلا واسطہ مشاہدہ سے دوسرے انسان محروم ہیں اور قوت عملیہ کا حال یہ ہوتا ہے کہ پیغمبر اپنے قول و فعل اور ہر ایک حرکت و سکون میں رضائے الٰہی اور حکم خداوندی کے تابع و منقاد ہوتے ہیں، وحی سماوی اور احکام الٰہیہ کے خلاف نہ کبھی ان کا قدم اٹھ سکتا ہے نہ زبان حرکت کر سکتی ہے۔ ان کی مقدس ہستی اخلاق و اعمال اور کل واقعات زندگی میں تعلیمات ربانی اور مرضیات الٰہی کی روشن تصویر ہوتی ہے جسے دیکھ کر غور و فکر کرنے والوں کو ان کی صداقت اور مامور من اللہ ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں رہ سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَ اَنْذِرْ خَوِّفْ بِهٖ بِالْقُرْاٰنِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ اَیْ غَيْرِهٖ وَلِیٌّ يَّنْصُرُهُمْ وَّ لَا شَفِيْعٌ يَشْفَعُ لَهُمْ وَجُمْلَةُ النَّفْیِ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ يُحْشَرُوْا وَهِیَ مَحَلُّ الْخَوْفِ وَالْمُرَادُ بِهِمُ الْمُؤْمِنُوْنَ الْعَاصُوْنَ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ اللّٰهَ بِاِقْلَاعِهِمْ عَمَّا هُمْ فِيْهِ وَ عَمَلِ الطَّاعَاتِ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَجْهَهٗ تَعَالٰى لَا شَيْئًا مِنْ اَغْرَاضِ الدُّنْيَا وَهُمُ الْفُقَرَاءُ وَكَانَ الْمُشْرِكُوْنَ طَعَنُوْا فِيْهِمْ وَ طَلَبُوْا اَنْ يَطْرُدَهُمْ لِيُجَالِسُوْهُ وَ اَرَادَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ طَمْعًا فِیْ اِسْلَامِهِمْ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ زَائِدَةٌ اِنْ كَانَ بَاطِنُهُمْ غَيْرَ مَرْضِیٍّ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَیْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ جَوَابُ النَّفْیِ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ فَعَلْتَ ذٰلِكَ وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا اِبْتَلَيْنَا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ اَیِ الشَّرِيْفَ بِالْوَضِيْعِ وَالْغَنِیَّ بِالْفَقِيْرِ بِاَنْ قَدَّمْنَاهُ بِالسَّبْقِ اِلَى الْاِيْمَانِ لِّيَقُوْلُوْٓا اَیِ الشُّرَفَاءُ وَالْاَغْنِيَاءُ مُنْكِرِيْنَ اَهٰٓؤُلَآءِ الْفُقَرَاءُ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا بِالْهِدَايَةِ اَیْ لَوْ كَانَ مَا هُمْ عَلَيْهِ هُدًى مَا سَبَقُوْنَا اِلَيْهِ قَالَ تَعَالٰى اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ لَهٗ فَيَهْدِيْهِمْ بَلٰى وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ لَهُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ قَضٰى رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ اَیِ الشَّاْنُ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْفَتْحِ بَدَلٌ مِنَ الرَّحْمَةِ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ مِنْهُ حَيْثُ ارْتَكَبَهٗ ثُمَّ تَابَ رَجَعَ مِنْۢ بَعْدِهٖ بَعْدَ عَمَلِهٖ عَنْهُ وَ اَصْلَحَ عَمَلَهٗ

فَاَنَّهٗ اَیِ اللّٰهُ غَفُوْرٌ لَّهٗ رَّحِیْمٌ ۝ بِهٖ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْفَتْحِ اَیْ فَالْمَغْفِرَةُ لَهٗ وَ كَذٰلِكَ كَمَا بَیَّنَّا مَا ذُكِرَ
ع ۵ ۱۲ نُفَصِّلُ نُبَیِّنُ الْاٰیٰتِ الْقُرْاٰنَ لِیَظْهَرَ الْحَقُّ فَیُعْمَلَ بِهٖ وَ لِتَسْتَبِیْنَ تَظْهَرَ سَبِیْلُ طَرِیْقُ الْمُجْرِمِیْنَ ۝
فَتُجْتَنَبَ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالتَّحْتَانِیَّةِ وَفِیْ اُخْرٰی بِالْفَوْقَانِیَّةِ وَنَصْبِ سَبِیْلِ خِطَابٌ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: اور آپ متنبہ کر دیجئے (ڈرادیجئے) اس (قرآن پاک) کے ذریعہ ان لوگوں کو جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے حضور لے جائے جائیں نہ تو اللہ کے سوا (علاوہ) ان کا کوئی مددگار ہوگا (کہ ان کی مدد کر سکے) اور نہ کوئی سفارشی ہوگا (کہ ان کی سفارش کر سکے اور لَیْسَ لَهُمْ حال ہے ضمیر یُحْشَرُوْا سے یہی محل خوف ہے۔ ان لوگوں سے مراد گنہگار مؤمن ہیں) عجب نہیں کہ ڈر جائیں (اللہ سے اپنی بداعمالیوں سے الگ ہو کر اور نیک کام اختیار کر کے) اور مت ہٹائیے اپنے پاس سے ان لوگوں کو جو صبح شام اللہ کے حضور مناجات کرتے ہیں۔ چاہتے ہیں (عبادت کر کے) خوشنودی (باری تعالیٰ کی۔ دنیا کی اور کوئی غرض ان کو نہیں ہے مسلمان فقراء مراد ہیں جن کے متعلق مشرکین طعن و تشنیع کرتے رہتے تھے اور خود مجلسِ نبوی پر قبضہ کرنے کے لیے مجلس سے ان کو نکلوا دینا چاہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی ان کے مشرف باسلام ہونے کے لالچ میں ایسا ارادہ کر لیا تھا) ان کے کسی کام (مِن زائد ہے) کی جوابدہی آپ کے ذمہ نہیں ہے (اگر واقعی ان کا باطن خراب ہے) نہ آپ کے فعل کی جوابدہی ان کے ذمہ ہے کہ ان غرباء کو دھکے دے کر نکالنے لگو (یہ جواب نفی ہے) ورنہ آپ زیادتی کرنے والوں میں شمار ہوگے (اگر آپ نے یہ کارروائی کر لی) اور اسی طرح ہم نے آزمایا ہے (امتحان کیا ہے) بعض انسانوں کو بعض انسانوں کے ساتھ (شریف کا امتحان غیر شریف کے ساتھ، امیر کا فقیر کے ساتھ کہ ان کو ایمان میں سابق کر دیا) تاکہ کہا کریں (یعنی اُونچے اور امیر لوگ انکاری لب ولہجہ میں) کیا یہی (فقراء) ہیں جنہیں اللہ نے انعام کے لیے ہم میں سے چُن لیا ہے؟ (ہدایت سے سرفراز کرنے کیلئے یعنی واقعی اگر ان کا طریقہ درست ہوتا تو ہرگز ہم سے بازی نہیں لے جا سکتے تھے۔ جوابی ارشاد ہے) کیا اللہ بہتر جاننے والے نہیں ہیں؟ (اپنے) حق شناسوں کو (کہ ان کو ہدایت سے ہمکنار کر دیا ہو۔ ہاں ایسا ہی ہے) اور وہ لوگ جب آپ کے پاس آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھنے والے ہیں تو کہنا (اُن سے) تم پر سلام ہو۔ لازم ٹھہرا لی ہے (مقرر کر لی ہے) تمہارے پروردگار نے اپنے اُوپر رحمت بلاشبہ (اس میں ضمیر شان ہے اور ایک قراءت میں ان مفتوح ہے۔ رحمت سے بدل ہے جو کوئی (تم میں سے) بُرائی کر بیٹھے نادانی سے (مبتلا ہو جائے) اور پھر توبہ کر لے (باز آ جائے) اس (کارروائی کرنے) کے بعد اور (اپنی حالت) سنوار لے تو اللہ میاں بخشنے والے ہیں (اس کو) اور (اس پر) رحم فرمانے والے ہیں (ایک قراءت میں انّ فتح کے ساتھ ہے یعنی اس کے لیے مغفرت ہے) اور اسی طرح (مذکورہ بیان کے طرز پر) ہم کھول کھول کر بیان کرتے رہتے ہیں اپنی آیات (قرآن) تاکہ واضح ہو جائے اور اس پر عمل کیا جا سکے) اور تاکہ نمایاں (عیاں) ہو جائے طریقہ (راستہ) مجرمین کا (جس سے بچا جا سکے۔ ایک قراءت میں تستبین یا ئی تحتانیہ کے ساتھ ہے اور دوسری قراءت میں تاء

فوقانیہ کے ساتھ ہے اور سبیل منصوب ہے اور آنحضور ﷺ کو خطاب ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ يُحْشَرُوْا : یہ الذین کی صفت نہیں کیونکہ یہ معرفہ ہے اور جمع حکم نکرہ میں ہے اور نہ یہ يُحْشَرُوْا کی ضمیر کی صفت ہے کیونکہ ضمیر موصوف نہیں بنتی۔

قوله: الْعَاصُوْنَ: اگر وہ حشر کے منکر ہیں تو حشر سے ڈرانا کوئی معنی نہیں رکھتا، ان کا اسے قبول کرنا محال ہے۔

قوله: فَتَكُوْنَ : یہ نہی کا جواب ہے۔

قوله: بِالسَّبْقِ: اس میں باسببیہ ہے۔

قوله: لِيَقُوْلُوْا : اس کا لام عاقبت والا ہے۔

قوله: لَوْكَانَ مَا هُمْ عَلَيْهِ: ان کا استفہام انکاری ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حق ان کو مل جائے اور ہم محروم ہوں، حالانکہ ان کی ظاہر حالت یہ ہے۔

قوله: فَيَهْدِيْهِمْ: اس کو مقدر مانا تا کہ یہ جواب بنے اور ان کی بات کی تردید ہو۔

قوله: بَلٰى: اس کا استفہام تقریر واثبات کے لیے ہے۔

قوله: قَضٰى: کتب کا مطلب اپنی رحمت سے اس نے تم سے مؤکد وعدہ کر دیا ہے۔ وہ اس پر فرض نہیں۔

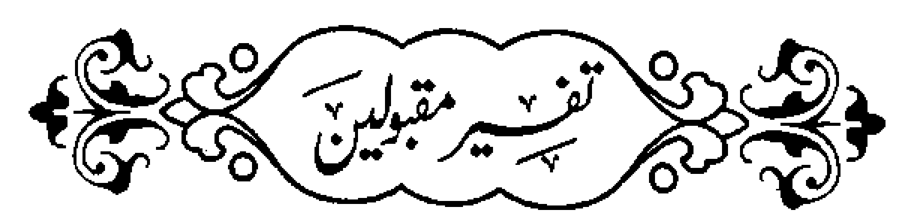
قوله: حَيْثُ ارْتَكَبَهٗ: جو اعمال ضرر تک پہنچانے والے ہوں ان کا ارتکاب اہل جہالت کا کام ہے۔

قوله: فَالْمَغْفِرَةُ: فتحہ کی قراءت ہو تو اس کی خبر محذوف ہے اور وہ لہ ہے۔

قوله: لِيَظْهَرَ الْحَقُّ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ واوَ لِتَسْتَبِيْنَ کا عطف علت مقدرہ پر ہے۔

قوله: رَفَعَ السَّبِيْلُ : مرفوع ہونے کی صورت میں فاعل ہے کیونکہ سبیل مذکر ومؤنث آتا ہے اور نصب کی صورت میں یہ مفعول ہے۔

قوله: خِطَابٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اس کا اس طرح ہوگا تا کہ آپ ﷺ ان کی راہ کو خوب واضح کر دیں اور ان سے وہی معاملہ کرے جس کے وہ حقدار ہیں۔



تفسیر مقبولین

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ....

اس آیت میں رسول کریم ﷺ کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ ان واضح بیانات کے بعد بھی اگر یہ لوگ اپنی ضد سے باز نہ

آئیں تو ان سے بحث و مباحثہ کو موقوف کر دیجئے اور جو اصلی کام ہے رسالت کا یعنی تبلیغ اس میں مشغول ہو جایئے، اور تبلیغ وانذار کا رخ ان لوگوں کی طرف پھیر دیجئے، جو قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی اور حساب کتاب کا عقیدہ رکھتے ہیں، جیسے مسلمان یا وہ جو کم از کم اس کے منکر نہیں، بطور احتمال کے ہی سہی، کم از کم ان کو خطرہ تو ہے کہ شاید ہمارے اعمال کا ہم سے حساب لیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے متعلق تین طرح کے آدمی ہیں، ایک وہ جو یقینی طور پر اس کے معتقد ہیں، دوسرے وہ جو متردد ہیں، تیسرے وہ جو بالکل منکر ہیں، اور تبلیغ وانذار کا حکم انبیاء علیہم السلام کو اگرچہ ان تینوں طبقوں کے لیے عام ہے، جیسا کہ بہت سے ارشادات قرآنی سے واضح ہے، لیکن پہلے دو طبقوں میں چونکہ اثر قبول کرنے کی توقع زیادہ ہے، اس لیے اس آیت میں خاص طور پر ان کی طرف توجہ کرنے کی ہدایت فرمائی گئی،

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ ....

صبح وشام جو لوگ اپنے ربّ کو پکارتے ہیں انہیں دور نہ کیجیے:

ان آیات میں اوّل تو رسول اکرم ﷺ کو خطاب فرمایا کہ آپ قرآن کے ذریعہ ان لوگوں کو ڈرایئے جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اپنے ربّ کی طرف جمع کیے جائیں گے جب اس وقت وہاں ان کا کوئی مددگار اور سفارش کرنے والا نہ ہو گا۔ آپ ان کو تبلیغ کریں حق پہنچائیں اس امید پر کہ کفر سے اور معاصی سے بچ جائیں۔

قال صاحب الروح وجوّز ان یکون حالاً عن ضمیر الامر ای انذرهم راجیا تقواهم

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ جو لوگ اپنے ربّ کو صبح وشام پکارتے ہیں ان کو دور نہ کیجیے۔

فقراء صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی فضیلت اور ان کی دلداری کا حکم:

معالم التنزیل ج ۲ ص ۹۹ میں ہے کہ حضرت سلمان فارسی اور خباب بن الارت رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی۔ اقرع بن یابس تمیمی اور عیینہ بن حصن فزاری اور دوسرے لوگ جو مؤلفۃ القلوب میں سے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (یہ لوگ اپنے قبیلوں کے رؤسا تھے) جب یہ آئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بلال، صہیب، عمار، خباب اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ تشریف فرما ہیں یہ وہ صحابہ تھے جنہیں دنیاوی اعتبار سے کمزور سمجھا جاتا تھا۔ آنے والے رؤسا نے جب ان کو آپ کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا تو ان پر حقارت کی نظریں ڈالیں اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اچھا ہوتا آپ ممتاز جگہ پر بیٹھتے اور ان لوگوں کو ہم سے دور کر دیتے۔ ان کے کپڑوں میں بو آ رہی ہے ان سے ہم محفوظ ہو جاتے ان حضرات کے اس وقت اونی کپڑے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے کپڑے موجود نہ تھے۔ ان رؤسا نے کہا کہ اگر ان کو ہٹا دیں اور اپنے سے دور کر دیں تو ہم آپ کے ساتھ بیٹھیں اور کچھ حاصل کریں آپ نے فرمایا میں مومنین کو دور کرنے والا نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا تو آپ یوں کیجیے کہ ہمارے لیے کوئی

مجلس خاص مقرر فرما دیجیے تا کہ عرب لوگ ہماری فضیلت جان لیں آپ کے پاس عرب کے وفد آتے ہیں۔ ہمیں اس بات سے شرم آتی ہے کہ عرب کے لوگ ہمیں ان لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا دیکھیں۔ جب ہم آیا کریں تو آپ ان کو اٹھا دیا کریں۔ پھر جب ہم فارغ ہو جائیں تو اگر آپ چاہیں تو ان کے ساتھ تشریف رکھیں آپ نے فرمایا ہاں! یہ کر سکتا ہوں کہنے لگے اس بات کی توثیق کے لیے ہمیں لکھ کر دیجیے آپ نے کاغذ منگوایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھنے کے لیے بلوایا۔ حضرت سلیمان اور خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت ہم ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی وقت جبرائیل علیہ السلام آیت کریمہ (وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ) لے کر نازل ہوئے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کاغذ اپنے دست مبارک سے پھینک دیا۔ اور ہم لوگوں کو بلایا، ہم حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: (سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ) (تم پر سلام ہو تمہارے ربّ نے اپنے اوپر رحمت کو لازم فرمالیا) اس کے بعد ہم آپ کے ساتھ بیٹھے رہتے تھے اور آپ جب چاہتے ہمیں چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے (سورۂ کہف کی) یہ آیت نازل فرمائی: (وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ) (اور آپ ان کے ساتھ جم کر بیٹھے رہیے جو اپنے ربّ کو صبح و شام پکارتے اور ان کی رضا کو چاہتے ہیں) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس بیٹھے رہتے تھے۔ اور ہم آپ سے بہت قریب ہو کر بیٹھتے تھے اور اب یہ ہوتا تھا کہ اٹھنے کا وقت ہوتا تو ہم پہلے اٹھ جاتے تھے۔ تا کہ آپ بلا تکلف اٹھ کر جا سکیں۔

جب یہ ماجرا ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((الحمد لله الذی لم یمتنی حتی امرنی ان اصبر نفسی مع قوم من امتی)) (سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے اس وقت تک موت نہ دی جب تک کہ مجھے یہ حکم نہ فرمایا کہ میں اپنی امت میں سے ایک جماعت کے ساتھ جم کر بیٹھوں) پھر ہم لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا: ((معکم المحیا و معکم الممات)) (تمہارے ہی ساتھ میرا جینا ہے اور تمہارے ہی ساتھ میرا مرنا ہے)۔

اللہ جل شانہٗ نے ان لوگوں کی رعایت و دلداری کا حکم فرمایا جو دین اسلام قبول کر چکے تھے اور اپنے ربّ سے لو لگائے رہتے تھے۔ ان کی رعایت و دلداری منظور فرمائی اور مکہ کے رؤسا نے جو یہ کہا کہ ان کو ہٹا دیا جائے تو ہم آپ کے پاس بیٹھیں گے ان کی درخواست رد فرما دی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان کی دلداری کا خیال فرمایا تھا (جو اس مشفقانہ جذبہ پر مبنی تھا کہ جو لوگ اپنے ہو گئے ہیں۔ اگر ان کو مجلس میں بعض مرتبہ ساتھ نہ بٹھایا تو محبت اور تعلق میں کمی کرنے والے نہیں ہیں۔ اور یہ رؤسا جو علیحدہ مجلس کے لیے درخواست کر رہے ہیں ان کی بات مان لی جائے تو ان کا بہانہ بھی ختم ہو جائے اور ممکن ہے کہ ہدایت قبول کر لیں) اس خیال کی بھی اللہ تعالیٰ نے تائید نہیں فرمائی۔

اس سے جہاں ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی فضیلت معلوم ہوئی جن کو غریبی کی وجہ سے رؤسا عرب نے حقیر سمجھا تھا۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں ان کی رعایت اور دلداری ان لوگوں سے مقدم ہے جو ابھی تک منکرین اسلام ہیں۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ فِیْ
عِبَادَتِهَا قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا اِنِ اتَّبَعْتُهَا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ بَیَانٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ
كَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ بِرَبِّیْ حَیْثُ اَشْرَكْتُمْ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ مِنَ الْعَذَابِ اِنِ مَا الْحُكْمُ فِی
ذٰلِكَ وَ غَیْرِهٖ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ وَحْدَهٗ یَقُصُّ الْقَضَاءَ الْحَقَّ وَ هُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿۵۷﴾ الْحَاكِمِیْنَ وَفِیْ قِرَاءَةٍ
یَقْضِ اَیْ یَقُوْلُ قُلْ لَّهُمْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ؕ بِاَنْ اُعَجِّلَهٗ
لَكُمْ وَاَسْتَرِیْحَ وَلٰكِنَّهٗ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾ مَتٰی یُعَاقِبُهُمْ وَ عِنْدَهٗ تَعَالٰی مَفَاتِحُ
الْغَیْبِ خَزَائِنُهٗ اَوِ الطُّرُقُ الْمُوْصِلَةُ اِلٰی عِلْمِهٖ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَهِیَ الْخَمْسَةُ الَّتِیْ فِیْ قَوْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ
عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ الْاٰیَةُ كَمَا رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَ یَعْلَمُ مَا یَحْدُثُ فِی الْبَرِّ الْقِفَارِ وَ الْبَحْرِ ؕ الْقُرٰی
الَّتِیْ عَلَی الْاَنْهَارِ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ زَائِدَةٌ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ
لَا یَابِسٍ عَطْفٌ عَلٰی وَرَقَةٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۹﴾ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ وَالْاِسْتِثْنَاءُ بَدَلُ اشْتِمَالٍ
مِنَ الْاِسْتِثْنَاءِ قَبْلَهٗ وَ هُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ یَقْبِضُ اَرْوَاحَكُمْ عِنْدَ النَّوْمِ وَ یَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ
كَسَبْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ اَیِ النَّهَارِ بِرَدِّ اَرْوَاحِكُمْ لِیُقْضٰۤی اَجَلٌ مُّسَمًّی ۚ هُوَ اَجَلُ الْحَیٰوةِ
ع ۵ ۱۳ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ بِالْبَعْثِ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ فَیُجَازِیْكُمْ بِهٖ

ترجمہ: (آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے) کہیے کہ مجھے اس بات سے روکا گیا ہے کہ میں ان کی بندگی کروں جنہیں تم پکارتے ہو (بندگی کرتے ہو) اللہ کے سوا۔ کہہ دیجئے میں تمہاری نفسانی خواہشوں پر چلنے والا نہیں ہوں (ان کی پوجا کر کے) ورنہ اس وقت گمراہ ہو جاؤں گا (اگر میں نے خواہشاتِ نفس کی پیروی کر لی) اور راہ پانے والوں میں نہیں رہوں گا۔ آپ کہیے میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی اور دلیل پر ہوں اور تم نے جھٹلایا ہے اس کو (میرے پروردگار کو اس کے ساتھ شرک کر کے) میرے اختیار میں تو نہیں ہے جس (عذاب) کے بارے میں تم جلدی مچا رہے ہو۔ حکم تو بس (تنہا) اللہ ہی کے لیے ہے (اس بارے میں بھی اور دوسرے معاملات میں بھی) وہی کرتے ہیں سچے فیصلے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے (حاکم) ہیں (اور ایک قراءت میں یقص بمعنی یقول ہے) کہہ دو (ان سے) جس بات کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو۔ اگر وہ میرے اختیار میں ہوتی تو مجھ میں اور تم میں کبھی کا فیصلہ ہو گیا ہوتا (ایک دم نمٹا کر فارغ ہو جاتا۔ لیکن فیصلہ اللہ کے قبضہ

میں ہے) اور وہ ظلم کرنے والوں کی حالت اچھی طرح جاننے والے ہیں (کب ان پر عذاب آنا چاہیے) اللہ (تعالیٰ) ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں۔ (غیب کے خزانے یا اُس تک رسائی کے طریقے) ان کے سوا کوئی نہیں جانتا (اور وہ پانچ غیبی باتیں ہیں جن کو آیت: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَه عِلْمُ السَّاعَةِ میں بیان کیا گیا ہے، بخاری) اور وہ جانتے ہیں جو کچھ (پیداوار ہوتی ہے) خشکی (میدان) میں یا سمندروں میں (دریا کے ساحلی علاقوں میں) ہے اور درختوں سے کوئی پتہ (من زائد ہے) نہیں جھڑتا مگر وہ اسے جانتے ہیں اور نہ زمین کی تہوں میں کوئی دانہ پھوٹتا ہے اور خشک وتر کوئی پھل نہیں گرتا (اس کا عطف ورقۃ پر ہے) مگر روشن نوشتہ میں درج ہے (لوحِ محفوظ مراد ہے اور دوسرا پہلے استثناء سے بدل الاشتمال ہے) اور وہی ہیں جو رات کے وقت تمہاری رُوح ایک گونہ قبض کر لیتے ہیں (سونے کے وقت تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے)۔ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم نے کیا ہے (کمایا ہے) پھر تم کو دن میں اٹھا دیتا ہے (یعنی صبح کو تمہاری روحوں کو واپس لوٹا کر جگا اٹھاتا ہے) تاکہ مقررہ مدت (یعنی دنیاوی مدتِ حیات) پوری کر دی جائے پھر (بعث بعد الموت کے ذریعہ) تم سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے پھر (قیامت کے دن حساب کے وقت) تم کو بتلا دے گا جو کچھ تم (دنیا میں) کرتے تھے (چنانچہ اس عمل کے مطابق جزاء دیں گے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: بَيَانٌ: بَيِّنَةٍ یہ مصدر ہے اور بیان بمعنی دلیل آتا ہے۔

قوله: قَدْ: اس کو مقدر مانا کیونکہ بغیر قَدْ کے حال نہیں بن سکتا۔

قوله: اَلْقَضَاءَ: الحق منصوب ہے، اس طرح کہ وہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔

قوله: يَقُوْلُ: قص۔ یہ قص الخبر سے لیا گیا ہے جس کا معنی حق کی اتباع و پیروی ہے۔

قوله: وَلٰكِنَّه عِنْدَاللّٰهِ: واللہ اعلم یہ استدراک کے معنی میں ہے گویا اس طرح کہا: لکن الامر الی اللہ وھو اعلم۔

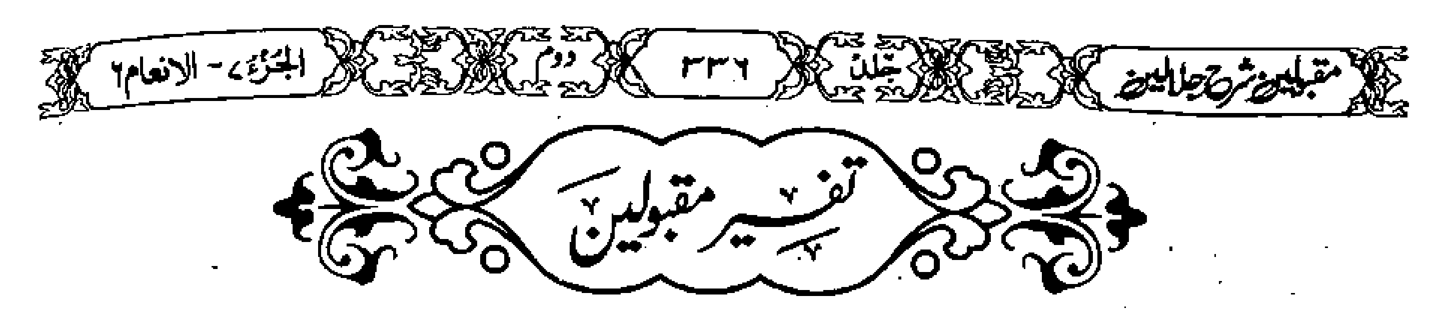
قوله: خَزَائِنُه: یہ استعارہ مکنیہ غیب کو خزائن کہا۔ گویا علم بالمغیبات کی تعبیر ہے۔

قوله: اَوِ الطُّرُقُ الْمُوْصِلَةُ: یہ استعارہ بالکنایہ ہے، غیب کو تالے میں مقفل چیزوں سے تشبیہ دی۔

قوله: عَطْفٌ عَلٰى وَرَقَةٍ: اس سے اشارہ کیا کہ عطف اس لیے ہے تاکہ ورقہ کی صفت میں یہ شریک ہو جائے۔ وہ لَا يَعْلَمُهَا ہے۔

قوله: عِنْدَ النَّوْمِ: توفی کو استعارہ کے طور پر مشارکت کی وجہ سے نوم سے تشبیہ دی۔

قوله: فَيُجَازِيْكُمْ: رجوع سے مراد اس کی جزاء کی طرف رجوع ہے۔



قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ ----

گمراہوں کا اتباع کرنے کی ممانعت:

ان آیات میں چند امور مذکور ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے چند باتوں کا اعلان کروایا ہے اولاً تو یہ فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے فرمادیں کہ میں اللہ کے حکم کا پابند ہوں۔ میں معبودان باطلہ کی عبادت نہیں کرسکتا جنہیں تم پکارتے ہو، مجھ سے یہ امید نہ رکھنا کہ میں کبھی تمہارے باطل کا ساتھ دے دوں اور تمہاری خواہشوں کا اتباع کروں (العیاذ باللہ) خدانخواستہ میں ایسا کروں تو تمہاری طرح میں بھی گمراہ ہوجاؤں گا اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ رہوں گا۔ یہ وہی مضمون ہے جس کا سورۂ کافرون میں اعلان فرمایا۔

ثانیاً اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ آپ اعلان فرمادیجیے کہ میں اپنے ربّ کی طرف سے دلیل پر ہوں مجھے پورا یقین ہے کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور رسول اللہ ہوں اور میں جس بات کی دعوت دے رہا ہوں وہ صحیح ہے دلائل واضحہ میرے دعویٰ کی سچائی پر قائم ہیں جس پر مجھے مکمل یقین ہے اور کسی طرح کا شک وشبہ نہیں۔ میں تمہاری باتوں کا کیسے ساتھ دے سکتا ہوں؟ مجھے تو اپنے دعوے کی صحت پر دلیل کے ساتھ یقین ہے اور تم اس کی تکذیب کررہے ہو۔ تکذیب ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہو کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر کوئی عذاب لاکر دکھاؤ۔ ہمارے انکار و تکذیب کی وجہ سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟

عذاب بھیجنا اللہ کے اختیار میں ہے۔ میرے اختیار میں نہیں۔ حکم صرف اللہ ہی کا ہے۔ تکوینی اور تشریعی حکم کا صرف وہی مالک ہے۔ وہ عذاب بھیجے نہ بھیجے میرے اختیار میں کچھ نہیں اور یہ ضد کرنا کہ عذاب آجائے تب ہی آپ کے دعوے کو سچا مانا جائے جہالت وحماقت کی بات ہے حق دلائل سے واضح ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حق کو بیان فرمادیا۔ دلائل سے واضح کردیا۔ دلائل ہوتے ہوئے حق کو نہ ماننا اور عذاب آجانے ہی کو ثبوت حق کا ذریعہ سمجھنا یہ تمہاری اپنی سمجھ ہے۔ اور تمہارا خیال غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہوا وہوس کا پابند نہیں کہ تم جو کہو وہ کرے، جسے حق قبول کرنا ہو اس کے لیے واضح طور پر حق کا بیان ہوجانا کافی ہے۔ (یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ)

ثالثاً یہ فرمایا کہ آپ اعلان فرمادیں کہ جس چیز کی تم جلدی مچاتے ہو یعنی عذاب لانے کی تو یہ میرے پاس نہیں اگر میرے پاس ہوتا تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہوچکا ہوتا۔ یعنی عذاب آگیا ہوتا۔ وہ تو اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے تم واضح حق کو نہیں جانتے عذاب چاہتے ہو اور ظلم کررہے ہو حق قبول نہ کرنا ظلم ہے اور اللہ کو ظالموں کا پتہ ہے اور وہ دنیا میں عذاب نہیں بھیجتا تو یہ نہ سمجھ لینا کہ آخرت میں بھی عذاب نہیں۔ (انوار البیان)

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ....

مضمون آیت کا حاصل یہ ہے کہ عالم غیب وشہادت کی کوئی خشک وتر اور چھوٹی بڑی چیز حق تعالیٰ کے علم ازلی محیط سے خارج نہیں ہوسکتی۔ بناء علیہ ان ظالموں کے ظاہری وباطنی احوال اوران کی سزادہی کے مناسب وقت ومحل کا پورا پورا علم اسی کو ہے (تنبیہ) مفاتح کو جن علماء نے بفتح المیم کی جمع قرار دیا ہے انھوں نے مفاتح الغیب کا ترجمہ غیب کے خزانوں سے کیا اور جن کے نزدیک مفتح بکسر المیم کی جمع ہے وہ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ کا ترجمہ مترجم رحمہ اللہ کے موافق کرتے ہیں، یعنی غیب کی کنجیاں مطلب یہ ہے کہ غیب کے خزانے اوران کی کنجیاں صرف خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی ان میں سے جس خزانہ کو جس وقت اور جس قدر چاہے کسی پر کھول سکتا ہے کسی کو یہ قدرت نہیں کہ اپنے حواس وعقل وغیرہ آلات ادراک کے ذریعہ سے علوم غیبیہ تک رسائی پا سکے یا جتنے غیوب اس پر منکشف کردیے گئے ہیں ان میں ازخود اضافہ کرلے کیونکہ علوم غیبیہ کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں نہیں دی گئیں۔ خواہ لاکھوں کروڑوں جزئیات واقعات غیبیہ پر کسی بندے کو مطلع کردیا گیا ہو۔ تاہم غیب کے اصول وکلیات کا علم جن کو مفاتح غیب کہنا چاہیے، حق تعالیٰ نے اپنے ہی لیے مخصوص رکھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الْقَاهِرُ مُسْتَعْلِيًا فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً مَلٰئِكَةً تُحْصِي اَعْمَالَكُمْ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ وَفِي قِرَاءَةٍ تَوَفَّاهُ رُسُلُنَا الْمَلٰئِكَةُ الْمُوَكَّلُوْنَ بِقَبْضِ الْاَرْوَاحِ وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ يُقَصِّرُوْنَ فِيْمَا يُؤْمَرُوْنَ ثُمَّ رُدُّوْٓا اَيِ الْخَلْقُ اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ مَالِكُهُمُ الْحَقِّ الثَّابِتِ الْعَادِلِ لِيُجَازِيَهُمْ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ الْقَضَاءُ النَّافِذُ فِيْهِمْ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾ يُحَاسِبُ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ فِي قَدْرِ نِصْفِ نَهَارٍ مِنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا لِحَدِيْثٍ بِذٰلِكَ قُلْ يَا مُحَمَّدُ لِاَهْلِ مَكَّةَ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ اَهْوَالِهِمَا فِي اَسْفَارِكُمْ حِيْنَ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا عَلَانِيَةً وَّخُفْيَةً سِرًّا تَقُوْلُوْنَ لَئِنْ لَامُ قَسَمٍ اَنْجٰنَا وَفِي قِرَاءَةٍ اَنْجَانَا اَيِ اللّٰهُ مِنْ هٰذِهٖ الظُّلُمٰتِ وَالشَّدَائِدِ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ الْمُؤْمِنِيْنَ قُلِ لَهُمُ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ غَمٍّ سِوَاهَا ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ بِهٖ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ مِنَ السَّمَاءِ كَالْحِجَارَةِ وَالصَّيْحَةِ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ كَالْخَسْفِ اَوْ يَلْبِسَكُمْ يَخْلِطَكُمْ شِيَعًا فِرَقًا مُخْتَلِفَةَ الْاَهْوَاءِ وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ بِالْقِتَالِ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذَا اَهْوَنُ وَاَيْسَرُ وَلَمَّا نَزَلَ مَا قَبْلَهٗ قَالَ اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوٰى مُسْلِمٌ حَدِيْثَ سَأَلْتُ رَبِّيْ

اَنْ لَّا يَجْعَلَ بَاْسَ اُمَّتِيْ بَيْنَهُمْ فَمَنَعَنِيْهَا وَفِيْ حَدِيْثٍ لَمَّا نَزَلَتْ قَالَ اَمَا اِنَّهَا كَائِنَةٌ وَلَمْ يَاْتِ تَاْوِيْلُهَا
بَعْدُ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ الدَّالَّاتِ عَلٰى قُدْرَتِنَا لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ يَعْلَمُوْنَ اَنَّ مَا هُمْ
عَلَيْهِ بَاطِلٌ وَ كَذَّبَ بِهٖ بِالْقُرْاٰنِ قَوْمُكَ وَ هُوَ الْحَقُّ ؕ الصِّدْقُ قُلْ لَهُمْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ
بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ فَاُجَازِيْكُمْ اِنَّمَا اَنَا مُنْذِرٌ وَاَمْرُكُمْ اِلَى اللّٰهِ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ لِكُلِّ نَبَاٍ خبر مُّسْتَقَرٌّ
وَقْتٌ يَقَعُ فِيْهِ وَيَسْتَقِرُّ وَمِنْهُ عَذَابُكُمْ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾ تَهْدِيْدٌ لَهُمْ وَ اِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ
فِيْٓ اٰيٰتِنَا الْقُرْاٰنِ بِالْاِسْتِهْزَاءِ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَلَا تُجَالِسْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَ اِمَّا فِيْهِ
اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِيْ مَا الزَّائِدَةِ يُنْسِيَنَّكَ بِسُكُوْنِ النُّوْنِ وَالتَّخْفِيْفِ وَفَتْحِهَا وَالتَّشْدِيْدِ
الشَّيْطٰنُ فَقَعَدْتَ مَعَهُمْ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى اَيْ تَذَكُّرِهٖ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ فِيْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ
مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ وَقَالَ الْمُسْلِمُوْنَ اِنْ قُمْنَا كُلَّمَا خَاضُوْا لَمْ نَسْتَطِعْ اَنْ نَجْلِسَ فِي الْمَسْجِدِ وَاَنْ
نَطُوْفَ فَنَزَلَ وَ مَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اللّٰهَ مِنْ حِسَابِهِمْ اَيِ الْخَائِضِيْنَ مِّنْ زَائِدَةٌ شَيْءٍ اِذَا
جَالَسُوْهُمْ وَّ لٰكِنْ عَلَيْهِمْ ذِكْرٰى تَذْكِرَةٌ لَهُمْ وَمَوْعِظَةٌ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ الْخَوْضَ وَ ذَرِ اُتْرُكِ
الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمُ الَّذِيْ كُلِّفُوْهُ لَعِبًا وَّ لَهْوًا بِاسْتِهْزَائِهِمْ بِهٖ وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَلَا
تَتَعَرَّضْ لَهُمْ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ وَ ذَكِّرْ عِظْ بِهٖٓ بِالْقُرْاٰنِ النَّاسَ لِاَنْ لَا تُبْسَلَ نَفْسٌۢ تُسْلَمَ اِلَى
الْهَلَاكِ بِمَا كَسَبَتْ ۖ عَمِلَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيْ غَيْرِهٖ وَلِيٌّ نَاصِرٌ وَّ لَا شَفِيْعٌ ۚ يَمْنَعُ عَنْهَا
الْعَذَابَ وَ اِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ تَفْدِ كُلَّ فِدَاءٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ مَا تَفْدِيْ بِهٖ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا
بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ مَاءٍ بَالِغٍ نِهَايَةَ الْحَرَارَةِ وَّ عَذَابٌ اَلِيْمٌ مُؤْلِمٌ بِمَا كَانُوْا
ع ۸ ۱۰ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ بِكُفْرِهِمْ ۱۴

ترجمہ: اور وہی زور (غلبہ) رکھنے والے ہیں اپنے بندوں پر اور تم پر بھیجتے رہتے ہیں حفاظت کرنے والے (فرشتے جو تمہارے اعمال نوٹ کرتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو وفات دے دیتے ہیں (اور ایک قراءت میں توفاہ ہے) ہمارے بھیجے ہوئے (مقررہ فرشتے جو ارواح قبض کرنے پر مقرر ہیں) وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے

(جو حکم ملتا ہے اس میں ذرہ برابر قصور نہیں کرتے) پھر تمام (مخلوق) لوٹا دی جائے گی اپنے مولیٰ (مالک) حقیقی کی طرف (جو واقعۃً منصف ہیں بدلہ دینے کے لیے) یادرکھو! حکم ان ہی کا ہے (جو مخلوق میں نافذ ہوتا رہتا ہے) اور حساب لینے والوں میں ان سے جلد حساب لینے والا کوئی نہیں ہے (ساری مخلوق کا حساب کتاب دنیا کے حساب سے آدھے دن کی مقدار وقت میں چکا دیں گے۔ جیسا کہ اس بارے میں حدیث وارد ہوئی ہے) کہو (اے محمدؐ! مکہ والوں سے) وہ کون جو تمہیں بیابانوں اور سمندروں کی اندھیریوں میں نجات دیتا ہے (جو ان کی دہشتیں تم کو سفر میں پیش آتی رہتی ہیں (جب کہ) تم اس کی جناب میں آہ وزاری کرتے ہو (علانیہ) اور چھپ چھپ کر دعائیں مانگتے ہو (پوشیدہ طریقہ سے اور کہتے ہو) اگر (لام قسمیہ ہے) خدایا آپ نے ہمیں نجات دے دی (ایک قراءت میں اَنْجَانَا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہم کو نجات دے) ان (اندھیروں اور مصیبتوں) سے تو پھر ضرور شکر گزار (مؤمن) بندے ہو کر رہیں گے۔ آپؐ کہیے (ان سے) اللہ ہی ہے جو تمہیں نجات دیں گے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے) اس بلا سے۔ اور ہر طرح کے دُکھ (غم) سے (اس کے علاوہ) لیکن اس پر بھی تم ہو کہ ان کے ساتھ شریک ٹھیراتے ہو۔ کہہ دو! وہ اس پر قادر ہیں کہ تم پر کوئی عذاب اُوپر سے بھیج دیں (آسمان سے جیسے پتھراؤ اور چیخ) یا تمہارے پاؤں تلے سے کوئی عذاب اٹھا دیں (جیسے زمین میں دھنسا دینا) یا تم کو بھڑا دیں (ٹکرا دیں) ٹکڑیاں کر کر کے (مختلف خواہشات رکھنے والے گروہ بنا دیں) اور ایک دوسرے کو آپس کی لڑائی کا مزہ چکھا دیں (لڑا بھڑا کر۔ اس آیت کے نازل ہونے پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ پر یہ کارروائی تو بہت سہل اور آسان ہے اور جب پہلی آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے اللہ سے پناہ مانگی۔ جیسا کہ امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے اور مسلم نے حدیث نقل کی ہے کہ "میں نے اپنے پروردگار سے درخواست کی کہ میری اُمت میں آپس کی پھوٹ نہ پڑے۔ لیکن درخواست منظور نہ ہوئی اور دوسری حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو ہو کر رہنے والی بات ہے۔ تاہم اس پیشینگوئی کا وقوع نازل ہونے کے بعد تو ہوا نہیں) سو دیکھو! کس طرح ہم گوناگوں طریقہ سے بیان کرتے ہیں (ان کے لیے) دلائل (جو ہماری قدرت کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں) تا کہ وہ سمجھیں بوجھیں (جس طریقہ پر وہ قائم ہیں اس کا باطل ہونا واضح ہو جائے) اور جھٹلایا ہے اس (قرآن) کو آپؐ کی قوم نے۔ حالانکہ وہ حق (سچ) ہے۔ آپ کہہ دیجئے (ان سے) میں تم پر کچھ ٹنڈیل نہیں بنایا گیا ہوں (کہ تم کو تمہارے کئے کا بدلہ دوں۔ میرا کام تو صرف تنبیہ کر دینے کا ہے اور تمہیں اللہ کی طرف بلانا ہے۔ یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) ہر خبر (اطلاع) کے لیے ایک ٹھہرایا ہوا وقت ہے (جس میں وہ خبر واقع ہو جاتی ہے اور جم جاتی ہے۔ منجملہ اس کے تمہارے لیے عذاب بھی ہے) اور عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا (یہ ان کے لیے دھمکی ہے) اور جب آپؐ ایسے لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں میں عیب جوئی کرتے ہیں (قرآن کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں) تو آپؐ ان سے کنارہ کشی کر لیجئے (اور ان کے ساتھ مت بیٹھئے) یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر (ان شرطیہ کے نون کا ادغام مَا زائدہ کے میم میں ہو رہا ہے) تمہیں بھلا دے (نون ساکن مخففہ ہے یا فتح اور تشدید کے ساتھ ہے) جو شیطان (کہ تم ان کے ساتھ شریک مجلس ہو جاؤ) تو یاد آ جانے کے بعد مت بیٹھو ایسے لوگوں کے ساتھ جو ظلم کرنے والے

ہیں (یہاں اسم ظاہر کو بجائے ضمیر کے لایا گیا ہے مسلمانوں نے جب یہ شکایت کی اگر ان کی اس قسم کی گفتگو سے ہم اُٹھ بھی جائیں تو پھر نہ ہم مسجد میں بیٹھ سکیں گے اور نہ طواف ہی کر پائیں گے۔ کیونکہ مسجد حرام میں ان کی مجلس بازی ہوتی رہتی ہے۔ تب اگلی آیت نازل ہوئی) اور جو لوگ (اللہ سے) ڈرنے والے ہیں ان پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے ان (طعنہ زنی کرنے والوں) کے کاموں کی کچھ بھی (من زائد ہے۔ اگر وہ ان کے شریک مجلس بھی ہوں) ہاں البتہ (ان کے ذمہ) نصیحت ہے (ان کو یاددہانی اور فہمائش کر دینا ہے) تاکہ وہ بھی بچ جائیں (ان خرافات سے) اور چھوڑ دیجئے (نظر انداز کر دیجئے) ایسے لوگوں کو جنہوں نے بنا لیا ہے اپنے دین کو (جس کے وہ پابند کئے گئے تھے) کھیل اور تماشہ (دین کا مذاق اڑا کر) اور دنیا کی زندگانی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے (آپ ان کو منہ نہ لگائیے۔ یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اور نصیحت (وعظ) کہتے رہیے (کلامِ الٰہی کے ذریعہ ان لوگوں کو) تاکہ (کہیں ایسا نہ ہو کہ) کوئی نفس ہلاک (نہ) ہو جائے (تباہی میں نہ پڑ جائے) اپنے کرتوت (عمل) کی وجہ سے اللہ کے سوا (علاوہ) کوئی نہیں ہے جو اس کا مددگار (معین) یا شفاعت کر کے (عذاب سے اسے بچا لے) اگرچہ دنیا بھر کا بھی معاوضہ دے ڈالے (پورے طور پر بھی بدلہ دے دے) تب بھی اس سے نہ لیا جائے (دیا ہوا فدیہ) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ہلاکت میں چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ ان کے لیے پینے کو سخت گرم پانی ہوگا (یعنی ایسا گرم پانی جو گرمی کی انتہاء کو پہنچ جائے اور دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہے اس وجہ سے کہ کفر کرتے تھے (یعنی اپنے کفر کے سبب)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: حَتّٰی: یہ نہایت فوقیت کے لیے ہے اس کا غلبہ اس حد تک ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قاصدوں کی مخالفت نہیں کر سکتے۔

قوله: فِیْ قَدْرِ نِصْفِ نَهَارٍ: حقیقی معنی میں حساب نصف یوم کی مقدار میں کر دیا جائے گا۔

قوله: اَهْوَالِهِمَا: ظلمت کو شدائد کے لیے بطور استعارہ لائے ہیں کیونکہ ہول میں دونوں شریک ہیں۔

قوله: یَخْلُطَكُمْ: یعنی ان کی باہمی لڑائی ان میں باقی رکھی جائے۔

قوله: عَلَیْهِمْ: ذکری محل رفع میں مبتداء اور اس کی خبر محذوف ہے۔ من شئی کے محل پر اس کا عطف نہیں۔

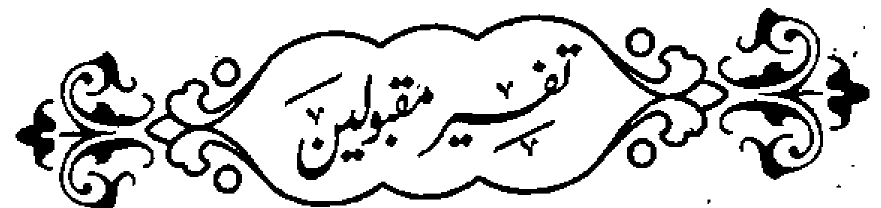
قوله: تَذْكِرَةً: یعنی ذکری یہ تذکیر کے معنی میں ہے نہ کہ التذکر کے معنی میں جیسا کہ اس آیت میں: فلا تقعد بعد الذکری۔

قوله: تَسْلِمُ اِلَی الْهِلَاكِ: سپرد کرنے کو البسال کہا، اس کا اصل معنی روکنا ہے۔

قوله: تَفْدِ كُلِّ فِدَاءٍ: عدل فداء کے معنی میں ہے جو چھڑانے کو دیا جاتا ہے کیونکہ وہ مفدی کے برابر ہوتا ہے۔

قوله: مَا تَفْدِیْ بِهٖ: یہ نائب فاعل ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ فعل کی نسبت ضمیر عدل کی طرف بمعنی فدیہ ہے۔ مصدری معنی میں نہیں۔

قوله: بِكُفْرِهِمْ: اشارہ کیا کہ مَا مصدریہ ہے نہ کہ موصولہ۔



وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۔۔۔۔

ان آیات میں اوّل تو یہ فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں پر غالب ہے اسے کوئی عاجز نہیں کرسکتا وہ اپنے بندوں کے بارے میں جو کچھ ارادہ فرمائے اس سے کوئی روک نہیں سکتا۔

پھر فرمایا: (وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً) اور وہ تم پر اپنے نگران بھیجتا ہے۔ اس سے اعمال لکھنے والے فرشتے مراد ہیں جیسا کہ سورۃ الانفطار میں فرمایا: (وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ) (اور تمہارے اوپر نگران ہیں جو عزت والے کاتب ہیں وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو) بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے کاتبین کے علاوہ دوسرے فرشتے مراد ہیں جو آگے پیچھے آتے جاتے رہتے ہیں۔ اور بندوں کی حفاظت کرتے ہیں جیسے سورۃ رعد میں فرمایا: (لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ) اگر عموم لفظ سے دونوں قسم کے فرشتے مراد لیے جائیں تو اس میں بھی کوئی بُعد نہیں۔ اعمال لکھنے والے فرشتے حسنات اور سیئات لکھتے ہیں۔ جس میں اقوال و اعمال سب آجاتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے پاس رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے آگے پیچھے آتے جاتے ہیں۔ اور فجر اور عصر کی نماز میں ان کا اجتماع ہو جاتا ہے پھر وہ فرشتے جو رات کو تمہارے پاس رہے تھے اوپر چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ ان سے دریافت فرماتے ہیں حالانکہ وہ اپنے بندوں کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ جواب میں عرض کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا اور جب ہم ان کے پاس گئے تو اس وقت بھی نماز پڑھ رہے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج۱ ص ۶۲ از بخاری و مسلم)

پھر فرمایا: (حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا) (یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کے پاس موت آجاتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے قاصد اس کو اٹھا لیتے ہیں) یعنی زندگی بھر جو فرشتے بندوں کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں وہ کار مفوضہ انجام دیتے رہتے ہیں پھر جب زندگی کی مدت ختم ہو جاتی ہے اور مقرر اجل آپہنچتی ہے تو وہ فرشتے روح قبض کر لیتے ہیں جو اس کام پر مقرر ہیں۔

صاحب روح المعانی نے ج ۷ ص ۱۱۶ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہاں رُسُلُنَا سے ملک الموت کے اعوان یعنی مددگار مراد ہیں۔ (وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ) (اور یہ فرشتے جو روح قبض کرنے پر مقرر ہیں کچھ بھی کوتاہی نہیں کرتے)۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۔۔۔۔

پھر فرمایا: (قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ) (آپ فرما دیجیے کون ہے جو تم کو نجات دیتا ہے خشکی اور سمندر

کی تاریکیوں میں) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ظلمات البر والبحر سے شدائد یعنی سختیاں اور مشکلات ومصائب مراد ہیں۔ جب انسان سختیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ کی طرح رجوع کرتا ہے۔ جو لوگ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں اور انہیں پکارتے ہیں وہ لوگ بھی مصیبت کے وقت سب کو چھوڑ کر اللہ ہی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ (تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً) میں بیان فرمایا کہ تم آڑے وقت میں عاجزی کے ساتھ پوشیدہ طور پر اللہ ہی کو پکارتے ہو۔ اور یوں کہتے ہو: (لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ) (اگر ہمیں اس مصیبت سے نجات دیدے تو ہم ضرور بالضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے) یعنی آئندہ ہمیشہ شکر میں لگے رہیں گے۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ....

اس میں عذاب کی تین قسمیں بیان فرمائیں: (۱) جو اوپر سے آئے، جیسے پتھر برسنا یا طوفانی ہوا اور بارش (۲) جو پاؤں کے نیچے سے آئے، جیسے زلزلہ یا سیلاب وغیرہ یہ دونوں خارجی اور بیرونی عذاب ہیں۔ جو اگلی قوموں پر مسلط کئے گئے۔ حضور ﷺ کی دعا سے اس امت کو اس قسم کے عام عذاب سے محفوظ کر دیا گیا ہے یعنی اس قسم کا عام عذاب جو گزشتہ اقوام کی طرح اس امت کا استیصال کر دے نازل نہ ہوگا۔ جزئی اور خصوصی واقعات اگر پیش آئیں تو اس کی نفی نہیں۔ (۳) ہاں تیسری قسم عذاب کی جسے اندرونی اور داخلی عذاب کہنا چاہیے اس امت کے حق میں باقی رہی ہے اور وہ پارٹی بندی، باہمی جنگ وجدل اور آپس کی خونریزی کا عذاب ہے۔ موضح القرآن میں ہے کہ قرآن شریف میں اکثر کافروں کو عذاب کا وعدہ دیا۔ یہاں کھول دیا کہ عذاب وہ بھی ہے جو اگلی امتوں پر آیا آسمان سے یا زمین سے اور یہ بھی ہے کہ آدمیوں کو آپس میں لڑا دے اور انکو قتل یا قید یا ذلیل کرے، حضرت نے سمجھ لیا کہ اس امت پر یہ ہی عذاب ہوگا، اکثر عذاب الیم اور عذاب مہین اور عذاب شدید اور عذاب عظیم ان ہی باتوں کو فرمایا ہے آخرت کا عذاب بھی ہے ان پر جو کافر ہی مرے۔

وَ اِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ....

اہل باطل کی مجلسوں سے پرہیز کا حکم

آیات مذکورہ میں مسلمانوں کو ایک اہم اصولی ہدایت دی گئی ہے کہ جس کام کا خود کرنا گناہ ہے اس کے کرنے والوں کی مجلس میں شریک رہنا بھی گناہ ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہیے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ:

پہلی آیت میں لفظ یخوضون، خوض سے بنا ہے، جس کے اصلی معنی پانی میں اترنے اور اس میں گزرنے کے ہیں، اور لغو فضول کاموں میں داخل ہونے کو بھی خوض کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ عموماً اسی معنی میں استعمال ہوا ہے، (آیت) وکنا نخوض مع الخائضین اور فی خوضهم یلعبون، وغیرہ آیات اس کی شاہد ہیں۔

اسی لیے خوض فی الایات کا ترجمہ اس جگہ عیب جوئی یا جھگڑے کا کیا گیا ہے، یعنی جب آپ ﷺ ان لوگوں کو دیکھیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں محض لہو ولعب اور استہزاء وتمسخر کے لیے دخل دیتے ہیں اور عیب جوئی کرتے ہیں تو آپ ﷺ ان سے اپنا رخ پھیر لیں۔

اس آیت کا خطاب عام ہر مخاطب کو ہے، جس میں نبی کریم ﷺ بھی داخل ہیں، اور امت کے افراد بھی، اور در حقیقت رسول اللہ ﷺ کو خطاب بھی عام مسلمانوں کو سنانے کے لیے ہے ورنہ آپ ﷺ تو بچپن میں بھی کبھی ایسی مجالس میں شریک نہیں ہوئے، اس لیے کسی ممانعت کی آپ ﷺ کو ضرورت نہ تھی۔

پھر اہل باطل کی مجلس سے رخ پھیرنے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ اس مجلس سے اٹھ جائیں، دوسرے یہ کہ وہاں رہتے ہوئے کسی دوسرے شغل میں لگ جائیں، ان کی طرف التفات نہ کریں، لیکن آخر آیت میں بتلادیا گیا کہ مراد پہلی ہی صورت ہے، کہ ان کی مجلس میں بیٹھے نہ رہیں، وہاں سے اٹھ جائیں۔

آخر آیت میں فرمایا کہ اگر تم کو شیطان بھلادے، یعنی بھول کر ان مجلس میں شریک ہو گئے خواہ اس طرح کہ ایسی مجلس میں شریک ہونے کی ممانعت یاد نہ رہی، یا اس طرح کہ یہ یاد نہ رہا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف تذکرے اپنی مجلس میں کیا کرتے ہیں، تو اس صورت میں جس وقت بھی یاد آجائے اسی وقت اس مجلس سے اٹھ جانا چاہیے، یاد آجانے کے بعد وہاں بیٹھا رہنا گناہ ہے، دوسری ایک آیت میں بھی یہی مضمون ارشاد ہوا ہے، اور اس کے آخر میں یہ فرمایا ہے کہ اگر تم وہاں بیٹھے رہے تو تم بھی انہی جیسے ہو۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں فرمایا ہے کہ اس آیت کا اصل منشاء گناہ کی مجلس اور مجلس والوں سے اعراض اور کنارہ کشی ہے، جس کی بہتر صورت تو یہی ہے کہ وہاں سے اٹھ جائے لیکن اگر وہاں سے اٹھنے میں اپنی جان یا مال یا آبرو کا خطرہ ہو تو عوام کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ کنارہ کشی کی کوئی دوسری صورت اختیار کرلیں، مثلاً کسی دوسرے شغل میں لگ جائیں، اور ان لوگوں کی طرف التفات نہ کریں، مگر خواص جن کی دین میں اقتداء کی جاتی ہے ان کے لیے وہاں سے بہر حال اٹھ جانا ہی مناسب ہے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا نَعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا بِعِبَادَتِهٖ وَلَا يَضُرُّنَا بِتَرْكِهَا وَهُوَ الْاَصْنَامُ وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا نَرْجِعُ مُشْرِكِيْنَ بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ اِلَى الْاِسْلَامِ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ اَضَلَّتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ مُتَحَيِّرًا لَا يَدْرِىْ اَيْنَ يَذْهَبُ حَالٌ مِنَ الْهَاءِ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ رُفْقَةٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى اَىْ لِيَهْدُوْهُ الطَّرِيْقَ يَقُوْلُوْنَ لَهُ ائْتِنَا فَلَا يُجِيْبُهُمْ فَيَهْلِكُ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلْاِنْكَارِ وَجُمْلَةُ التَّشْبِيْهِ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ نُرَدُّ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ الَّذِىْ هُوَ الْاِسْلَامُ هُوَ الْهُدٰى وَمَا عَدَاهُ ضَلَالٌ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ اَىْ بِاَنْ نُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَىْ بِاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ تَعَالٰى وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ تُجْمَعُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِلْحِسَابِ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

بِالْحَقِّ ۭ اَیْ مُحِقًّا وَاذْکُرْ یَوْمَ یَقُوْلُ لِلشَّیْءِ کُنْ فَیَکُوْنُ ۭ۬ ھُوَیَوْمُ الْقِیٰمَۃِ یَوْمَ یَقُوْلُ لِلْخَلْقِ قُوْمُوْا
فَیَقُوْمُوْنَ قَوْلُہُ الْحَقُّ ۭ اَلصِّدْقُ الْوَاقِعُ لَا مَحَالَۃَ وَ لَہُ الْمُلْکُ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ۭ اَلْقَرْنِ النَّفْخَۃُ
الثَّانِیَۃُ مِنْ اِسْرَافِیْلَ لَا مِلْکَ فِیْہِ لِغَیْرِہٖ لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ لِلّٰہِ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ ۭ مَا غَابَ وَمَا
شُوْھِدَ وَ ھُوَ الْحَکِیْمُ فِیْ خَلْقِہٖ الْخَبِیْرُ ﴿۷۳﴾ بِبَاطِنِ الْاَشْیَاءِ کَظَاھِرِھَا وَ اذْکُرْ اِذْ قَالَ اِبْرٰھِیْمُ
لِاَبِیْہِ اٰزَرَ ھُوَلَقَبُہٗ وَاسْمُہٗ تَارِحُ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِھَۃً ۚ تَعْبُدُھَا اِسْتِفْھَامُ تَوْبِیْخٍ اِنِّیْٓ اَرٰىکَ وَقَوْمَکَ
بِاتِّخَاذِھَا فِیْ ضَلٰلٍ عَنِ الْحَقِّ مُّبِیْنٍ ﴿۷۴﴾ بَیِّنٍ وَ کَذٰلِکَ کَمَا اَرَیْنَاہُ اِضْلَالَ اَبِیْہِ وَقَوْمِہٖ نُرِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ
مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لِیَسْتَدِلَّ بِہٖ عَلٰی وَحْدَانِیَّتِنَا وَ لِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ﴿۷۵﴾ بِھَا وَ جُمْلَۃُ
وَکَذٰلِکَ وَمَا بَعْدَھَا اِعْتِرَاضٌ وَعَطْفٌ عَلٰی قَالَ فَلَمَّا جَنَّ اَظْلَمَ عَلَیْہِ الَّیْلُ رَاٰ کَوْکَبًا ۚ قِیْلَ ھُوَ
الزُّھْرَۃُ قَالَ لِقَوْمِہٖ وَکَانُوْا نَجَّامِیْنَ ھٰذَا رَبِّیْ ۚ فِیْ زَعْمِکُمْ فَلَمَّآ اَفَلَ غَابَ قَالَ لَآ اُحِبُّ
الْاٰفِلِیْنَ ﴿۷۶﴾ اَنْ اَتَّخِذَھُمْ اَرْبَابًا لِاَنَّ الرَّبَّ لَا یَجُوْزُ عَلَیْہِ التَّغَیُّرُ وَالْاِنْتِقَالُ لِاَنَّھُمَا مِنْ شَانِ الْحَوَادِثِ
فَلَمْ یَنْجَعْ فِیْھِمْ ذٰلِکَ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا طَالِعًا قَالَ لَھُمْ ھٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَھْدِنِیْ
رَبِّیْ یُثَبِّتْنِیْ عَلَی الْھُدٰی لَاَکُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ﴿۷۷﴾ تَعْرِیْضٌ لِقَوْمِہٖ بِاَنَّھُمْ عَلٰی ضَلَالٍ فَلَمْ
یَنْجَعْ فِیْھِمْ ذٰلِکَ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَۃً قَالَ ھٰذَا ذَکَّرَہٗ لِتَذْکِیْرِ خَبَرِہٖ رَبِّیْ ھٰذَآ اَکْبَرُ ۚ مِنَ
الْکَوَاکِبِ وَالْقَمَرِ فَلَمَّآ اَفَلَتْ وَقَوِیَتْ عَلَیْھِمُ الْحُجَّۃُ وَلَمْ یَرْجِعُوْا قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا
تُشْرِکُوْنَ ﴿۷۸﴾ بِاللّٰہِ تَعَالٰی مِنَ الْاَصْنَامِ وَالْاَجْرَامِ الْمُحْدَثَۃِ الْمُحْتَاجَۃِ اِلٰی مُحْدِثٍ فَقَالُوْا لَہٗ مَا تَعْبُدُ
قَالَ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ قَصَدْتُ بِعِبَادَتِیْ لِلَّذِیْ فَطَرَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَیِ اللّٰہُ حَنِیْفًا مَائِلًا
اِلَی الدِّیْنِ الْقَیِّمِ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۷۹﴾ بِہٖ وَ حَآجَّہٗ قَوْمُہٗ ۭ جَادَلُوْہُ فِیْ دِیْنِہٖ وَھَدَّدُوْہُ بِالْاَصْنَامِ
اَنْ تُصِیْبَہٗ بِسُوْءٍ اِنْ تَرَکَھَا قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ بِتَشْدِیْدِ النُّوْنِ وَ تَخْفِیْفِھَا بِحَذْفِ اِحْدَی النُّوْنَیْنِ وَھِیَ
نُوْنُ الرَّفْعِ عِنْدَ النُّحَاۃِ وَ نُوْنُ الْوِقَایَۃِ عِنْدَ الْقُرَّاءِ اَیْ اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْ وَحْدَانِیَّۃِ اللّٰہِ وَ قَدْ ھَدٰىنِ ۭ

تَعَالٰی اِلَیْھَا وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِکُوْنَ بِہٖٓ مِنَ الْاَصْنَامِ اَنْ تُصِیْبَنِیْ بِسُوْءٍ لِعَدَمِ قُدْرَتِھَا عَلٰی شَیْءٍ اِلَّآ
لٰکِنْ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْئًا ط مِنَ الْمَکْرُوْہِ یُصِیْبُنِیْ فَیَکُوْنُ وَسِعَ رَبِّیْ کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ط اَیْ وَسِعَ عِلْمُہٗ
کُلَّ شَیْءٍ اَفَلَا تَتَذَکَّرُوْنَ ۝۸۰ بِھٰذَا فَتُؤْمِنُوْنَ وَکَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَکْتُمْ بِاللّٰہِ وَھِیَ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ
وَلَا تَخَافُوْنَ اَنْتُمْ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی اَنَّکُمْ اَشْرَکْتُمْ بِاللّٰہِ فِی الْعِبَادَۃِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ بِعِبَادَتِہٖ عَلَیْکُمْ
سُلْطٰنًا ط حُجَّۃً وَّبُرْھَانًا وَھُوَ الْقَادِرُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ج اَنَحْنُ اَمْ اِنْ
کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۸۱ مِنَ الْاَحَقُّ بِہٖ اَیْ وَھُوَ نَحْنُ فَاتَّبِعُوْہُ قَالَ تَعَالٰی: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا
یَخْلِطُوْا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اَیْ شِرْکٍ کَمَا فُسِّرَ بِذٰلِکَ فِیْ حَدِیْثِ الصَّحِیْحَیْنِ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ
مِنَ الْعَذَابِ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ ۝۸۲ ع

ع ۹ ۱۲ ۱۵ منزل۲

ترجمہ: قُلْ اَنَدْعُوْا آپ (ان مشرکوں سے) کہہ دیجیے کیا ہم اللہ کے سوا کسی ایسی چیز کو پکاریں (پوجا کریں) جو نہ ہمیں نفع پہنچا سکیں (اپنی پرستش کے لحاظ سے) اور نہ نقصان پہنچا سکیں (بندگی چھوڑ دینے کی وجہ سے۔ اس سے مراد بُت ہیں) اور ہم اُلٹے پاؤں پھر جائیں (شرکیہ عقائد کی طرف لوٹ جائیں) باوجودیکہ اللہ ہمیں سیدھی راہ (اسلام کی طرف) دکھلا چکے ہیں اور ہماری مثال اس آدمی کی سی ہو جائے جسے شیطانوں نے بیابان میں گمراہ کر دیا ہو (بھٹک رہا ہو) حیران پھر رہا ہے (ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے یہی پتہ نہیں چلتا کہ کہاں جائے۔ یہ لفظ اسْتَھْوَتْہُ کی ضمیر سے حال واقع ہے) اس کے ساتھی (ہمراہی) ہیں جو اسے راہ کی طرف بُلا رہے ہیں (یعنی یہ کہتے ہوئے اس کی رہنمائی کر رہے ہیں کہ) ادھر آ جا (اور وہ ان کو جواب نہیں دیتا۔ پس اس طرح وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ استفہام انکاری ہے اور جملہ تشبیہی حال ہے ضمیر نردسے) کہہ دیجیے کہ اللہ کی ہدایت (یعنی اسلام) وہی ہدایت ہے (اس کے علاوہ گمراہی ہے) اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ سرِ اطاعت جھکا دیں (پورے طور پر مطیع ہو جائیں) پروردگارِ عالم کے آگے۔ نیز یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ (اَنْ بمعنی بان ہے) نماز قائم کرو اور ڈرتے رہو (اللہ تعالیٰ سے) اور ان ہی کی طرف تم سب اکٹھے لے جائے جاؤ گے (قیامت کے روز حساب کے لیے جمع کیے جاؤ گے) اور وہی ہیں جنہوں نے آسمانوں کو اور زمین کو حقیقت کے ساتھ (یعنی حق کے طور پر) پیدا کیا اور (یاد کرو) جس دن وہ کہہ دیں (کسی چیز کے متعلق) ہو جا تو وہ چیز ہو جائے (قیامت کا دن مراد ہے۔ جب حق تعالیٰ تمام مخلوق سے فرمائیں گے کہ کھڑے ہو جاؤ تو وہ کھڑے ہو جائیں گے ان کا قول حق ہے (سچ ہے جو لامحالہ پورا ہو کر رہتا ہے) اور ان ہی کی بادشاہی ہو گی جس روز صُور پھونکا جائے گا (صُور سے مراد قرن اور سینگ ہے۔ اسرافیل علیہ السلام کا دوسری مرتبہ صُور پھونکنا مراد ہے۔ اس وقت اللہ کے سوا کسی کی سلطنت نہیں ہو گی۔ اور کون ہے جس کی حکومت اس روز ہو؟ بجز اللہ کے؟) وہ غیب و شہادت (جو محسوس

اور غیر محسوس ہو اس کے) جاننے والے ہیں اور وہ بڑی حکمت والے ہیں (اپنی مخلوق میں) اور پوری خبر رکھنے والے ہیں (ظاہر کی طرح باطن کا حال جاننے والے ہیں) اور (یاد کیجئے) جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آذرؔ سے کہا۔ (یہ اس کا لقب تھا اور نام تارخ تھا) کیا تم بتوں کو معبود مانتے ہو؟ (جن کی تم پوجا پاٹ کرتے ہو۔ یہ استفہام توبیخی ہے) میرے نزدیک تو تم اور تمہاری قوم (یہ کارروائی کر کے) واضح (کھلی) گمراہی میں (حق سے ہٹ کر) پڑ چکے ہو۔ اور اسی طرح (جیسا کہ ہم نے ابراہیمؑ کو ان کے باپ اور قوم کی گمراہی کھول کر دکھلا دی) ہم نے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہتوں (ملک) کے جلوے دکھا دیئے (تاکہ اس سے وہ ہماری وحدانیت پر استدلال کر سکیں) اور تاکہ وہ یقین رکھنے والوں میں سے ہو جائیں (کَذٰلِکَ اور اس کے بعد کی عبارت جملہ معترضہ ہے اور قَالَ پر معطوف ہے) پھر جب ان پر رات کی اندھیری چھا گئی (پھیل گئی) تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا (بعض کے نزدیک وہ ستارہ زہرہ تھا) کہنے لگے (اپنی نجومی قوم سے) یہ میرا پروردگار ہے (بقول تمہارے) لیکن جب وہ ڈوب گیا (چھپ گیا) تو کہنے لگے کہ میں ڈوبنے والے کو پسند نہیں کرتا (ان کو ربّ بنانا۔ کیونکہ پروردگار ردّوبدل اور تبدیلی کو قبول نہیں کیا کرتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں حادث کی علامت ہوتی ہیں۔ لیکن اس تقریر سے ان کے جونک نہیں لگی) پھر جب چاند چمکتا ہوا نکلا (طلوع ہوا) تو کہنے لگے (ان سے) یہ میرا پروردگار ہے۔ لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہنا پڑا کہ اگر میرے پروردگار نے مجھے راہ نہ دکھلا دی ہوتی (مجھے ہدایت پر نہ جما دیا ہوتا) تو میں ضرور سیدھی راہ سے بھٹکنے والے گروہ میں سے ہوتا (یہ اپنی قوم پر تعریض ہوئی کہ وہ لوگ گمراہ ہیں لیکن اس سے بھی ان کو کچھ نفع نہ ہوا) پھر جب سورج دمکتا ہوا طلوع ہوا تو ابراہیمؑ کہنے لگے یہ (لفظ ھٰذَا کو مذکر لانا خبر کے مذکر ہونے کی وجہ سے ہے) میرا پروردگار ہے۔ یہ سب سے بڑا ہے (ستاروں اور چاند میں) لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا (اور ان کے برخلاف دلیل مضبوط ہو گئی اور پھر بھی وہ باز نہ آئے) تو کہنے لگے اے میری قوم! میں اس سے بیزار ہوں جو کچھ تم شریک ٹھہراتے ہو (اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ بت ہوں یا دوسرے نو پیدا اجسام۔ جو اپنے پیدا کرنے والے کے محتاج ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ حضرت ابراہیمؑ سے پوچھنے لگے کہ تم کس کی پوجا کرتے ہو؟ فرمایا کہ) میں نے صرف اس ہستی کی طرف اپنا رُخ کر لیا ہے (مقصدِ عبادت بنا لیا ہے) جو آسمانوں اور زمین کی بنانے والی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ) ہر طرف سے منہ موڑ کر (دین مستقیم کی طرف جھکتے ہوئے) اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو (ان کے ساتھ) شریک ٹھہراتے ہیں اور پھر ابراہیمؑ کے ساتھ ان کی قوم نے ردّوکد کی (ان کے مذہب کے بارے میں کٹ حجتی کرنے لگے، اور بتوں کے متعلق ڈرانا چکانا شروع کر دیا کہ کہیں ان کو چھوڑنے سے تم پر وبال نہ آ جائے۔ ابراہیمؑ نے) کہا کیا تم مجھ سے ردّوکد کرتے ہو (یہ لفظ نون کی تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے۔ ایک نون حذف کرتے ہوئے۔ نحویین کے نزدیک تو نونِ رفع محذوف ہوگا اور قراء کے نزدیک نونِ وقایہ حذف ہوگا۔ یعنی کیا تم مجھ سے حجت بازی کرتے ہو؟) اللہ (کی وحدانیت) کے بارے میں۔ حالانکہ انہوں نے (اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف) مجھ کو راہ دکھا دی ہے اور جن چیزوں کو تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا (یعنی بتوں سے کہ کہیں مجھے کوئی گزند نہ پہنچا دیں۔ کیونکہ انہیں کسی چیز پر قدرت حاصل نہیں ہے۔ ہاں لیکن) اگر میرے پروردگار ہی کوئی

بات چاہنے لگیں (ناگوار چیز کہ وہ مجھے لگ جائے تو وہ ضرور لگ جائے گی) میرے پروردگار اپنے علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں (یعنی ان کا علم ہر چیز پر حاوی ہے) پھر کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے (ان باتوں سے کہ ایمان لے آؤ) اور میں ان ہستیوں سے کیوں ڈروں جنہیں تم نے (اللہ کا) شریک ٹھہرالیا ہے (حالانکہ وہ نقصان اور نفع نہیں پہنچاسکتیں) جب کہ تم (اللہ تعالیٰ سے) نہیں ڈرتے ہو کہ تم اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراؤ (اس کی عبادت کرنے میں) کہ نہیں اُتری اس کی (بندگی کی) تم پر کوئی سند (دلیل اور حجت۔ حالانکہ وہ ہر چیز پر قادر ہیں) بتلاؤ! ہم دونوں میں سے کس فریق کی راہ امن کی راہ ہوئی (ہماری یا تمہاری) اگر تم علم رکھتے ہو (کہ کون امن کا زیادہ حقدار ہے یعنی مستحق امن ہم ہیں۔ لہٰذا تمہیں اس کا اتباع کرنا چاہیے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) جو لوگ ایمان لے آئے اور اپنے ایمان کو ظلم (یعنی شرک) کے ساتھ نہیں ملایا (جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ظلم کی تفسیر اسی شرک کے ساتھ کی گئی ہے) ایسے ہی لوگوں کے لیے امن ہے (عذاب قیامت سے) اور وہی راہ راست پر ہیں (دنیا میں)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَضَلَّتْهُ: گمراہی کو جن کے جانے سے تشبیہ دی اور اس کو استہواء کہا جو کہ جانے کو کہتے ہیں۔

قوله: مُتَحَيِّرًا: مصدر نہیں۔

قوله: حَالٌ: استہوتہ کی ضمیر سے حال ہے، اس کی صفت نہیں۔

قوله: حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ: کا فاعل نصب میں حال ہونے کی وجہ سے مصدریت کی وجہ سے نہیں۔

قوله: بِاَنْ نُسْلِمَ: یہاں لام با کے معنی میں ہے۔

قوله: بِاَنْ: اس کا عطف نُسْلِمَ پر ہے اور اشارہ کیا لام مقدر یہاں بھی با کے معنی میں ہے۔

قوله: لِلْحِسَابِ: اس سے اشارہ کیا کہ ضمیر الیہ کی طرف جس کی نسبت کی ہے وہ محذوف ہے اور وہ حساب ہے۔

قوله: مُحِقًّا: جار و مجرور محقا کی تاویل سے حال ہیں۔

قوله: اذْكُرْ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ یوم کا عامل محذوف ہے اس کو مبتداء وغیرہ بنانا درست نہیں۔

قوله: عٰلِمُ الْغَيْبِ: یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، اے ھو عالم الغیب۔

قوله: مَا غَابَ: یہ مصدر مفعول کے معنی میں ہے۔

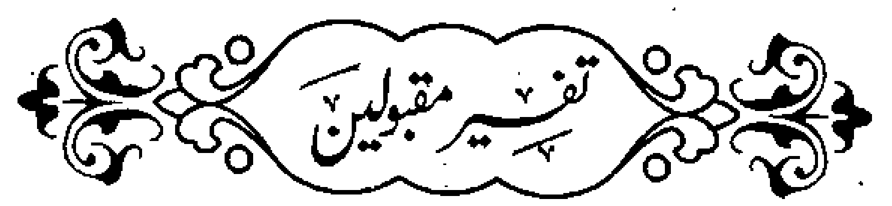
قوله: اذْكُرْ: اس سے اشارہ کیا کہ اذ یہ خلق کا ظرف نہیں۔

قوله: اِضْلَالَ اَبِيْهِ: اس سے اشارہ کیا کہ اضلال کی نسبت ان کی بجائے فقط قوم و باپ ہی کی طرف کرنا زیادہ درست ہے۔

قوله: لِيَسْتَدِلَّ بِهِ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ و لیکون کا عطف علت مقدرہ پر قرینہ مقام سے ہے۔

قوله: وَمَا بَعْدَهَا: یہ جملہ معترضہ ہے۔

قوله: فِیْ زَعْمِکُمْ: یہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذات سے متعلق نہیں کہا بلکہ قوم کے خلاف حجت کے لیے کہا۔
قوله: اَنِ اتَّخِذُھُمْ اَرْبَابًا: یعنی ان سے خاص حاجت روائی والی محبت رکھتے ہو۔
قوله: یُثَبِّتُنِیْ: یعنی ہدایت سے تو وہ پہلے ہی بہرہ ور تھے اب ثبات ہی کا تذکرہ ان سے فرما رہے ہیں۔
قوله: تَعْرِیْضٌ: کیونکہ وہ جانتے تھے کہ غیر اللہ کو اللہ ماننے والا گمراہ ہے۔
قوله: فَقَالُوْا لَهٗ مَا تَعْبُدُ: اس سے اشارہ کیا کہ اِنِّیْ وَجَّھْتُ یہ جملہ مستانفہ ہے۔
قوله: فِیْ وَحْدَانِیَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ مضاف مقدر ہے کیونکہ جھگڑا وحدانیت میں تھا نہ کہ ذات میں۔
قوله: بِعِبَادَتِه: عبادة کو اشراک کی تاویل سے یہاں لائے۔
قوله: مَنِ الْاَحَقُّ: تَعْلَمُوْنَ کا مفعول مقدر ہے۔
قوله: وَھُوَ نَحْنُ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ استفہام توبیخی ہے۔
قوله: فَاتَّبِعُوْهُ: یہ شرط محذوف کی جزاء ہے۔



قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ....

شانِ نزول: تفسیر درمنثور ج ۲ میں نقل کیا ہے کہ مشرکین نے اہل ایمان سے کہا کہ تم ہمارے راستہ کا اتباع کرلو اور محمد ﷺ کا راستہ چھوڑ دو۔ اس پر آیت کریمہ: (قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا) نازل ہوئی۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بطور مثال ایک شخص کی حالت بیان فرمائی ہے جو کہ راستہ سے بھٹک گیا اور جو لوگ اس کے ساتھ تھے اسے صحیح راستہ کی طرف بلا رہے ہیں اور جنگل میں جہاں وہ راہ گم کر چکا تھا وہاں شیاطین بھی موجود ہیں انہوں نے اسے پریشان کر رکھا ہے وہ اسے اپنی خواہشوں پر چلانا چاہتے ہیں۔ اس حالت میں وہ حیران کھڑا ہے۔ اگر وہ شیاطین کی طرف جاتا ہے تو وہ ہلاکت میں پڑتا ہے۔ اور اگر اپنے ساتھیوں کی آواز پر جاتا ہے تو ہدایت پا جاتا ہے اور شیاطین سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

اہل ایمان کو کافروں نے واپس گمراہی کی طرف لوٹ جانے کی دعوت دی اور بت پرستی کی ترغیب دی۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ تم ان کو جواب دیدو کیا اللہ کو چھوڑ کر جو پوری طرح نفع وضرر کا مالک ہے ہم ان کو پکاریں جو کچھ بھی نفع وضرر نہیں دے سکتے اور کیا اللہ کی طرف سے ہدایت مل جانے کے بعد الٹے پاؤں واپس ہو جائیں؟ ایسا نہیں ہوگا۔ خدانخواستہ العیاذ باللہ! اگر ہم ایسا کرلیں تو ہماری وہی مثال ہو جائیگی جیسے کوئی شخص جنگل میں راہ بھٹکا ہوا کھڑا ہوا سے شیاطین نے حیران وہلکان کر رکھا ہو وہ اسے اپنی گمراہی میں ڈالنا چاہتے ہیں اور اس کے ساتھی اسے ہدایت کی طرف بلا رہے ہیں۔

خدانخواستہ اگر ہم کافروں کی بات مان لیں تو ہماری وہی حالت ہو جائے گی جو اس حیران پریشان شخص کی حالت ہوتی ہے

جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔

(قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى) (آپ فرما دیجیے کہ بلاشبہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے) جب ہمیں اللہ نے ہدایت کی نعمت سے نواز دیا تو اب کفر وشرک کی طرف کیوں جائیں؟ (وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ) (اور ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ربّ العالمین ہی کے فرماں بردار رہیں)

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ....

(اور یہ بھی حکم دیا ہے کہ نماز قائم کرو اور ربّ العالمین سے ڈرو) (وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ) (اور وہی ربّ العالمین ہے جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے) جب اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اس وقت سب کے فیصلے ہو جائیں گے۔ ہم اس کی عبادت کو کیسے چھوڑ دیں اور اس کی توحید سے کیسے منہ موڑیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ ....

چاند، سورج اور ستاروں کی پرستش کے بارے میں ابراہیم (علیہ السلام) کا مناظرہ:

حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و (علیہ السلام) اپنے بعد آنے والے تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے باپ ہیں ان کی قوم بابل کے آس پاس رہی تھی جو آج کل عراق کا ایک شہر ہے اس وقت وہاں کا بادشاہ نمرود نامی ایک شخص تھا وہ خدائی کا دعویدار تھا۔ ساری قوم بت پرست تھی۔

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا والد جس کا نام آزر تھا وہ بھی بت پرست تھا اور ساری دنیا کفر وشرک میں مبتلا تھی۔ ایسے موقع پر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی پیدائش ہوئی وہ خالص موحد تھے۔ اللہ پاک کی توحید کی طرف انہوں نے اپنے باپ اور قوم کو دعوت دی اور اس بارے میں انہوں نے بہت تکلیف اٹھائی۔ نمرود سے آپ کا مناظرہ ہوا۔ (جس کا ذکر سورۃ بقرہ کی آیت (اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهِيْمَ فِيْ رَبِّهٖٓ) (میں گزر چکا ہے) اپنی قوم کو انہوں نے طرح طرح سے سمجھایا اور قائل کیا لیکن قوم نے ایک نہ مانی بت پرستی پر جمے رہے اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو آگ میں ڈال دیا۔ جس کا واقعہ سورۃ انبیاء (رکوع ۵) میں اور سورۃ صافات (رکوع نمبر ۳) میں مذکور ہے۔

تبلیغ ودعوت میں حکمت وتدبیر سے کام لینا سنت انبیاء ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا۔ یعنی ایک رات میں جب تاریکی چھا گئی اور ایک کوکب یعنی ستارہ پر نظر پڑی تو اپنی قوم کو سنا کر کہا کہ یہ ستارہ میرا ربّ ہے، مطلب یہ تھا کہ تمہارے خیالات وعقائد کی رو سے یہی میرا اور تمہارا ربّ یعنی پالنے والا ہے، اب تھوڑی دیر میں اس کی حقیقت دیکھ لینا۔ چنانچہ کچھ دیر کے بعد وہ غروب ہو گیا تو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو قوم پر حجت قائم کرنے کا واضح موقعہ ہاتھ آیا، اور فرمایا: لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ، آفلین کا یہ لفظ افول سے بنا ہے، جس کے معنی ہیں غروب ہونا۔

مطلب یہ ہے کہ میں غروب ہوجانے والی چیزوں سے محبت نہیں رکھتا، اور جس کو خدا یا معبود بنایا جائے ظاہر ہے کہ وہ سب سے زیادہ محبت وعظمت کا مستحق ہونا چاہیے، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر میں اسی واقعہ کو بیان فرمایا ہے

خلیل آسا در ملک یقیں زن۔ نوائے لا احب الآفلین زن

اس کے بعد پھر کسی دوسری رات میں چاند چمکتا ہوا نظر آیا تو پھر اپنی قوم کو سنا کر وہی طریقہ اختیار فرمایا اور کہا کہ (تمھارے عقائد کے مطابق) یہ میرا ربّ ہے، مگر اس کی حقیقت بھی کچھ دیر کے بعد سامنے آجائے گی، چنانچہ جب چاند غروب ہوگیا تو فرمایا اگر میرا ربّ مجھے ہدایت نہ کرتا رہتا تو میں بھی تمھاری طرح گمراہوں میں داخل ہوجاتا، اور چاند ہی کو اپنا ربّ اور معبود سمجھ بیٹھتا۔ لیکن اس کے طلوع وغروب کے بدلنے والے حالات نے مجھے متنبہ کردیا کہ یہ ستارہ بھی قابل عبادت نہیں۔

اس آیت میں اس کی طرف بھی اشارہ کردیا کہ میرا ربّ کوئی دوسری شے ہے، جس کی طرف سے مجھے ہدایت ہوتی رہتی ہے۔

اس کے بعد ایک روز آفتاب کو نکلتے ہوئے دیکھا تو پھر قوم کو سنا کر اسی طریقہ پر فرمایا کہ (تمھارے خیال کے مطابق) یہ میرا ربّ ہے، اور یہ تو سب سے بڑا ہے، مگر اس بڑے کی حقیقت وحیثیت بھی عنقریب تمھارے سامنے آجائے گی۔ چنانچہ آفتاب بھی اپنے وقت پر غروب ہوگیا، تو قوم پر آخری حجت تمام کرنے کے بعد اب اصل حقیقت کو واضح طور پر بیان فرمادیا کہ اے میری قوم! میں تمہارے ان مشرکانہ خیالات سے بیزار ہوں، کہ تم نے خدا تعالیٰ کی مخلوقات کو ہی خدا کا شریک بنا رکھا ہے۔

اس کے بعد اس حقیقت کو بتلادیا کہ میرا اور تمھارا ربّ (پالنے والا) ان تمام مخلوقات میں سے کوئی نہیں ہوسکتا، جو خود اپنے وجود میں دوسرے کی محتاج ہیں، اور ہر وقت ہر آن عروج ونزول اور طلوع وغروب کے تغیرات میں گھری ہوئی ہیں، بلکہ ہمارا سب کا ربّ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ان میں پیدا ہونے والی تمام مخلوقات کو پیدا کیا ہے، اس لیے میں اپنا رخ تمہارے سب خود تراشیدہ بتوں اور تغیرات وتاثرات میں گھرے ہوئے ستاروں سے پھیر کر صرف ایک خدائے وحدہ لاشریک لہ کی طرف کرلیا ہے، اور میں تمھاری طرح مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

اس واقعہ مناظرہ میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے پیغمبرانہ حکمت وموعظت سے کام لے کر یکبارگی ان کی نجوم پرستی کو غلط یا گمراہی نہیں فرمایا، بلکہ ایک ایسا انداز قائم کیا، جس سے ہر ذی عقل انسان کا قلب ودماغ خود متاثر ہوکر حقیقت کو پہچان لے، ہاں بت پرستی کے خلاف بات کرنے میں اوّل ہی شدت اختیار فرمائی، اور اپنے باپ اور پوری قوم کا گمراہی پر ہونا صاف طور پر بیان کردیا، وجہ یہ تھی کہ بت پرستی کا نامعقول گمراہی ہونا بالکل واضح اور کھلا ہوا تھا، بخلاف نجوم پرستی کے کہ اس کی گمراہی اتنی واضح اور جلی نہیں تھی۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے نجوم پرستی کے خلاف اپنی قوم کے سامنے جو استدلال بیان فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جو چیز تغیر پذیر ہو اور اس کے حالات اوّل بدل ہوتے رہتے ہوں، اور وہ اپنی حرکات میں کسی دوسری طاقت کے تابع ہو وہ ہرگز اس لائق نہیں کہ اس کو اپنا ربّ قرار دیں، اس استدلال میں سیاروں کے طلوع وغروب اور درمیانی تمام حالات سے استدلال کے لیے ان سیاروں کے غروب کو پیش کیا، کیونکہ ان کا غروب عوام کی نظروں میں ایک طرح سے ان کا زوال سمجھا جاتا ہے، اور انبیاء علیہم السلام کا عام طرز استدلال وہ ہوتا ہے جو عوام کے ذہنوں پر اثر انداز ہو، وہ فلسفیانہ حقائق کے

پیچھے زیادہ نہیں پڑتے، بلکہ عام ذہنوں کے مطابق خطاب فرماتے ہیں، اس لیے ان سیاروں کی بے بسی اور بے اثری ثابت کرنے کے لیے ان کے غروب کو پیش کیا، ورنہ ان کے بے بس اور بے قدرت ہونے پر تو طلوع سے بھی استدلال ہو سکتا تھا، اور اس کے بعد غروب سے پہلے تک جتنے تغیرات پیش آتے ہیں ان سے بھی اس پر دلیل پکڑی جا سکتی ہے۔

مبلغین اسلام کے لیے چند ہدایات:

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے اس طرز مناظرہ سے علماء و مبلغین کے لیے چند اہم ہدایات حاصل ہوئیں: اوّل یہ کہ قوموں کی تبلیغ و اصلاح میں نہ ہر جگہ سختی مناسب ہے نہ ہر جگہ نرمی، بلکہ ہر ایک کا ایک موقعہ اور ایک حد ہے، چنانچہ بت پرستی کے معاملہ میں حضرت خلیل اللہ نے سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں، کیونکہ اس کی گمراہی مشاہدہ میں آنے والی چیز ہے، اور نجوم پرستی کے معاملہ میں ایسے سخت الفاظ استعمال نہیں فرمائے، بلکہ ایک خاص تدابیر سے معاملہ کی حقیقت کو قوم کے ذہن نشین فرمایا، کیونکہ سیاروں اور ستاروں کا بے بس اور بے اختیار ہونا اتنا واضح اور کھلا ہوا نہیں تھا جتنا خود تراشیدہ بتوں کا، اس سے معلوم ہوا کہ عوام اگر کسی ایسی غلطی میں مبتلا ہوں جس کا غلطی اور گمراہی ہونا عام نظروں میں واضح نہ ہو تو عالم اور مبلغ کو چاہئے کہ تشدد کے بجائے ان کے شبہات کو دور کرنے کی تدبیر کرے۔

دوسری ہدایت اس میں یہ ہے کہ اظہار حق و حقیقت کے لیے اس میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے قوم کو یوں خطاب نہیں کیا کہ تم ایسا کرو، بلکہ اپنا حال بتلا دیا کہ میں تو ان طلوع و غروب کے چکر میں رہنے والی چیزوں کو معبود قرار نہیں دے سکتا، اس لیے میں نے اپنا رخ ایک ایسی ہستی کی طرف کر لیا جو ان سب چیزوں کو پیدا کرنے والی اور پالنے والی ہے، مقصد تو یہی تھا کہ تم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔ مگر حکیمانہ انداز میں صریح خطاب سے پرہیز فرمایا، تاکہ وہ ضد پر نہ آ جائیں، اس سے معلوم ہوا کہ مصلح اور مبلغ کا صرف یہ کام نہیں کہ حق بات کو جس طرح چاہے کہہ ڈالے، بلکہ اس پر لازم ہے کہ ایسے انداز سے کہے جو لوگوں کے لیے مؤثر ہو۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

وَ تِلْكَ مبتدأ ويبدل منه حُجَّتُنَآ الَّتِي احْتَجَّ بِهَا اِبْرَاهِيمُ عَلٰی وَحْدَانِيَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰی مِنْ اُفُوْلِ الْكَوْكَبِ وَمَا بَعْدَهٗ وَالْخَبَرُ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ اَرْشَدْنَاهُ لَهَا حُجَّةً عَلٰی قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ۭ بِالْاِضَافَةِ وَالتَّنْوِيْنِ فِی الْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ فِیْ صُنْعِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾ بِخَلْقِهٖ وَ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ۭ اِبْنَهٗ كُلًّا مِنْهُمَا هَدَيْنَا ۚ وَ نُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ اَیْ قَبْلَ اِبْرَاهِيْمَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ اَیْ نُوْحٍ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ اِبْنَهٗ وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ اِبْنَ يَعْقُوْبَ وَ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ ۭ وَ كَذٰلِكَ كَمَا جَزَيْنٰهُمْ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰی اِبْنَهٗ وَ عِيْسٰی اِبْنَ مَرْيَمَ يُفِيْدُ اَنَّ الذُّرِّيَّةَ يَتَنَاوَلُ اَوْلَادَ الْبِنْتِ وَ

اِلْیَاسَ ط اِبْنَ اَخِیْ هَارُوْنَ اَخِیْ مُوْسٰی کُلٌّ مِّنْهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝۸۵ وَ اِسْمٰعِیْلَ ابْنَ اِبْرَاهِیْمَ وَ الْیَسَعَ
اَللَّامُ زَائِدَةٌ وَ یُوْنُسَ وَ لُوْطًا ط اِبْنَ هَارَانَ اَخِیْ اِبْرَاهِیْمَ وَ کُلًّا مِّنْهُمْ فَضَّلْنَا عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝۸۶ بِالنُّبُوَّةِ وَ
مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ ج عَطْفٌ عَلٰی کُلًّا اَوْ نُوْحًا وَ مِنْ لِلتَّبْعِیْضِ لِاَنَّ بَعْضَهُمْ لَمْ یَکُنْ
لَهٗ وَلَدٌ وَ بَعْضُهُمْ کَانَ فِیْ وُلْدِهٖ کَافِرٌ وَ اجْتَبَیْنٰهُمْ اَخْتَرْنَاهُمْ وَ هَدَیْنٰهُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۸۷ ذٰلِكَ
الَّذِیْ هُدُوْا اِلَیْهِ هُدَی اللّٰهِ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط وَ لَوْ اَشْرَکُوْا فَرْضًا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا
کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۸۸ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ بِمَعْنَی الْکُتُبِ وَ الْحُکْمَ الْحِکْمَةَ وَ النُّبُوَّةَ ج فَاِنْ
یَّکْفُرْ بِهَا اَیْ بِهٰذِهِ الثَّلٰثَةِ هٰٓؤُلَآءِ اَیْ اَهْلُ مَکَّةَ فَقَدْ وَ کَّلْنَا بِهَا اَرْصَدْنَا لَهَا قَوْمًا لَّیْسُوْا بِهَا
بِکٰفِرِیْنَ ۝۸۹ هُمُ الْمُهَاجِرُوْنَ وَ الْاَنْصَارُ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدَی هُمُ اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمْ طَرِیْقِهِمْ مِنَ التَّوْحِیْدِ
وَالصَّبْرِ اقْتَدِهْ ط بِهَاءِ السَّکْتِ وَقْفًا وَ وَصْلًا وَ فِیْ قِرَاءَةٍ بِحَذْفِهَا وَصْلًا قُلْ لِاَهْلِ مَکَّةَ لَآ اَسْئَلُکُمْ
ع ۸ ۱۶ عَلَیْهِ اَیِ الْقُرْاٰنِ اَجْرًا ط تُعْطُوْنِیْهِ اِنْ هُوَ مَا الْقُرْاٰنُ اِلَّا ذِکْرٰی عِظَةٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝۹۰ ع الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ

ترجمہ: تِلْكَ اسم اشارہ مبدل منہ اور حُجَّتُنَآ اس کا بدل مل کر مبتداء ہے اور اسی مبتداء کی خبر آگے آ رہی ہے یہ ہماری حجت ہے (جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ستاروں کے غروب وغیرہ سے استدلال کیا ہے۔ اور اس کی خبر آ گے ہے) جو ہم نے ابراہیم کو دی (اس دلیل کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی ہے) ان کی قوم کے مقابلہ میں ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں (لفظ دَرَجٰتٍ اضافت کے ساتھ بھی ہے اور تنوین کے ساتھ بھی۔ اور مراد درجات علم وحکمت ہیں) اور یقیناً آپ کے پروردگار بڑے حکمت والے ہیں (اپنی کارگزاری میں) اور بڑے علم رکھنے والے ہیں (اپنی مخلوق کا) اور ہم نے ابراہیم کو اسحق اور یعقوب (ان کے صاحبزادے) دیئے۔ ہم نے (ان دونوں کو) سیدھی راہ دکھلائی۔ اور (ابراہیم سے) پہلے نوح کو ہم راہ دکھا چکے ہیں اور ان کی (نوح کی) نسل سے داؤد اور (ان کے صاحبزادہ) سلیمان اور ایوب اور یوسف (صاحبزادۂ یعقوب) اور موسیٰ اور ہارون کو بھی نیز اسی طرح (جس طرح ہم نے ان کو بدلہ دیا ہے) نیک کرداروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور زکریا (اور ان کے صاحبزادہ) یحییٰ، عیسیٰ (ابن مریم۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذریت کا لفظ دختری اولاد کو بھی شامل ہوتا ہے) اور الیاس کو (جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون کے بھتیجے ہیں) کہ (ان میں سے) سب نیک تھے اور نیز اسماعیل (صاحبزادۂ ابراہیم) الیسع (اس میں الف لام زائد ہے) یونس اور لوط (حضرت ابراہیم کے بھائی ہاران کے بیٹے) کہ ہر ایک کو (ان میں سے) ہم نے دنیا والوں پر برتری دی تھی (نبوت کی

بدولت) اور ان کے آباؤ اجداد اور ان کی نسل اور ان کے بھائی بندوں میں سے بھی کتنوں ہی کو (اس کا عطف کُلاً پر یا نوحا پر ہے اور مِن تبعیض کے لیے ہے۔ کیونکہ ان میں سے بعض لا دلد ہوئے اور بعض کی اولاد کافر ہوئی ہے) ان سب کو ہم نے برگزیدہ کیا (چُن لیا) تھا اور ان کو ہم نے راہِ راست کی ہدایت کی تھی یہ (دین جس کی طرف ان سب کی رہنمائی فرمائی گئی ہے) اللہ کی ہدایت ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں اس کی روشنی دکھلا دیں اور اگر یہ لوگ (بالفرض) شرک کرتے تو ان کا سارا کیا دھرا اکارت ہو جاتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب (کتابیں) دی اور حکمت (دانش) اور نبوت عطا فرمائی۔ پھر اگر انکار کرتے ہیں ان (تینوں نعمتوں) سے یہ لوگ (مکہ والے) تو ہم نے حوالہ کر دی (اس کے لیے تیار کر دی ہے ہم نے) ایسی قوم جو سچائی سے انکار کرنے والے نہیں ہے (یعنی مہاجرین وانصار) یہ وہ لوگ ہیں (جنہیں) اللہ نے راہِ حق دکھا دی۔ پس تم بھی ان ہی کی راہ (طریقہ توحید وصبر) کی پیروی کرو (وصل اور وقف کی حالت میں ہائے سکتہ کے ساتھ ہے اور ایک قرأت میں وصل کی حالت میں حذف ہا کے ساتھ ہے) آپ کہہ دیجئے (مکہ والوں سے) کہ میں نہیں مانگتا اس (قرآن) پر کوئی معاوضہ (کہ تم اس کو دے دو) نہیں ہے یہ قرآن (مگر وعظ ہے) تمام جہانوں کے لوگوں کے لیے (خواہ انسان ہوں یا جن)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: حُجَّةً: کو حذف اس سے مانا گیا تا کہ معلوم ہو کہ قومه علی تو وہ اس سے متعلق ہے نہ اٰتَیْنٰهَا ہے۔ ای نوح سے ذریتہ کی ضمیر کا مرجع متعین کیا۔

قوله: مِنْ ذُرِّیَّتِه: اشارہ کیا ہ کی ضمیر نوح علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ ابراہیم علیہ السلام کی طرف۔

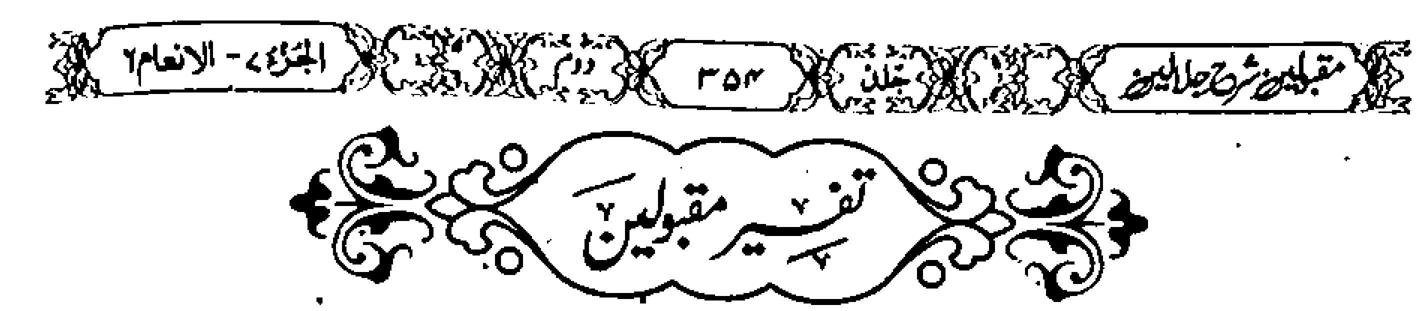
قوله: اِلْیَاسَ: کے ساتھ ابن اخی موسیٰ کے بجائے ابن اخی ہارون اخی موسیٰ کہہ کر اشارہ کیا کہ ہارون، موسیٰ کی کے صرف ماں جائے بھائی ہیں مگر یہ نہایت کمزور قول ہے۔

قوله: وَ کَّلْنَا بِهَا: یہاں توکیل کا معنی ہے یعنی ایمان کی توفیق دی گئی کہ وہ اس کے حقوق بجالائیں۔

قوله: مِنَ التَّوْحِیْدِ وَالصَّبْرِ: لاکر بتلایا اقتداء اثبات میں ہے فروعات میں نہیں۔

قوله: اقْتَدِهْ: کی ہا سکتہ ہے جو وقف کے وقت بڑھاتے ہیں اور اقتداء کا عقل وشرع کے لحاظ سے اسے اختیار کرنا۔

قوله: عِظَةً: اس سے اشارہ ہے کہ اِلَّا ذِکْرٰی تذکیر کے معنی میں ہے۔



وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ....

اس آیت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے جو اپنی قوم کے مناظرہ میں کھلی فتح پائی، اور ان کو لاجواب کر دیا، یہ ہمارا ہی انعام تھا کہ ان کو صحیح نظریہ عطا کیا پھر اس کے واضح دلائل بتلا دیئے، کسی کو اپنی عقل وفہم یا تقریر اور زور خطابت پر ناز نہ ہونا چاہئے بغیر خدا تعالیٰ کی امداد و اعانت کے کسی کا بیڑا پار نہیں ہوتا، نری عقل انسانی ادراک حقائق کیلئے کافی نہیں جس کا مشاہدہ ہر دور میں ہوتا رہتا ہے، کہ بڑے بڑے ماہر فلاسفر گمراہی کے راستہ پر پڑ جاتے ہیں اور بہت سے اَن پڑھ جاہل صحیح عقیدہ اور نظریہ کے پابند ہو جاتے ہیں،

آخر آیت میں فرمایا: نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ. یعنی ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کر دیتے ہیں، اس میں اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو جو پورے عالم میں اور قیامت تک آنے والی نسلوں میں خاص عزت و مقام عطا ہوا کہ یہودی، نصرانی، مسلمان، بُدھ مت وغیرہ سب کے سب ان کے تقدس کے قائل اور ان کی تعظیم کرتے چلے آئے ہیں، یہ بھی ہمارا ہی فضل وانعام ہے کسی کے کسب واکتساب کا اس میں دخل نہیں۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ....

اس کے بعد کی چھ آیتوں میں سترہ انبیاء علیہم السلام کی فہرست شمار کی گئی ہے جن میں سے بعض حضرات ابراہیم (علیہ السلام) کے آباء واجداد ہیں، اور اکثر ان کی اولاد ہیں، اور بعض ان کے بھائی بھتیجے ہیں، ان آیتوں میں ایک طرف تو ان حضرات کا ہدایت پر ہونا، صالحین ہونا، صراط مستقیم پر ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ اور یہ بتلایا گیا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ہی اپنے دین کی خدمت کے لیے منتخب اور قبول فرمالیا ہے، اور دوسری طرف یہ جتلایا گیا ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اللہ کی راہ میں اپنے باپ اور برادری اور وطن کو چھوڑ دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آخرت کے درجات عالیہ اور دائمی اور بے مثال راحتوں سے پہلے دنیا میں بھی ان کو اپنی برادری سے بہتر برادری اور وطن سے بہتر وطن عطا فرمایا، اور یہ شرف عظیم عطا فرمایا کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے بعد قیامت تک جتنے انبیاء ورسل مبعوث فرمائے گئے وہ سب ان کی اولاد میں ہیں، ایک شاخ جو حضرت اسحاق علیہ السلام سے چلی اس میں سیّد الاولین والآخرین نبی الانبیاء خاتم النبیین ﷺ پیدا ہوئے، اور یہ سب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی ذرّیت ہیں، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ عزت وذلت اور نجات وعذاب کا اصل مدار انسان کے اپنے ذاتی اعمال پر ہے، لیکن آباء واجداد میں کسی نبی، ولی کا ہونا یا اولاد میں علماء صلحاء کا ہونا بھی ایک بڑی نعمت ہے، اور اس سے بھی انسان کو فائدہ پہنچتا ہے۔

ان سترہ انبیاء علیہم السلام میں جن کی فہرست آیات مذکورہ میں دی گئی ہے ایک حضرت نوح علیہ السلام تو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے جد امجد ہیں، باقی سب کو ان کی ذریت فرمایا ہے۔ (آیت) ومن ذریته داود وسلیمٰن الآیۃ، اس میں ایک اشکال تو

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں ہوسکتا ہے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی دختری اولاد میں سے ہیں، یعنی پوتے نہیں بلکہ نواسے ہیں، توان کو ذریت کہنا کیسے صحیح ہوگا؟ اس کا جواب عام علماء وفقہاء نے یہ دیا ہے کہ لفظ ذریت پوتوں اور نواسوں دونوں کو شامل ہے، اور اسی سے استدلال کیا ہے کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کی ذریت میں داخل ہیں۔

دوسرا اشکال حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق ہے کہ وہ اولاد میں نہیں بلکہ بھتیجے ہیں، لیکن اس کا جواب بھی واضح ہے کہ عرب میں چچا کو باپ اور بھتیجے کو بیٹا کہنا بہت ہی متعارف ہے۔

آیات مذکورہ میں حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر انعامات الٰہیہ بیان فرما کر ایک طرف تو یہ قانون قدرت بتلادیا گیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی محبوب چیزوں کو قربان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں بھی اس سے بہتر چیزیں عطا فرما دیتے ہیں، دوسری طرف مشرکین مکہ کو یہ حالات سنا کر اس طرف ہدایت کرنا مقصود ہے کہ تم لوگ محمد مصطفیٰ ﷺ کی بات نہیں مانتے تو دیکھو جن کو تم بھی سب بڑا مانتے ہو یعنی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کا پورا خاندان وہ سب یہی کہتے چلے آئے ہیں کہ قابل عبادت صرف ایک ذات حق تعالیٰ ہے، اس کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک کرنا یا اس کی مخصوص صفات کا ساجھی بتلانا کفر وگمراہی ہے، تم لوگ خود اپنے مسلمات کی رو سے بھی ملزم ہو۔

وَمَا قَدَرُوا اَيِ الْيَهُوْدُ اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اَیْ مَا عَظَّمُوْهُ حَقَّ عَظْمَتِهٖ اَوْ مَا عَرَفُوْهُ حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ اِذْ قَالُوْا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ خَاصَمُوْهُ فِي الْقُرْاٰنِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ لَهُمْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاۗءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ فِي الْمَوَاضِعِ الثَّلٰثَةِ قَرَاطِيْسَ اَيْ يَكْتُبُوْنَهٗ فِيْ دَفَاتِرِ مُقَطَّعَةٍ تُبْدُوْنَهَا اَيْ مَا يُحِبُّوْنَ اِبْدَاءَهٗ مِنْهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ مِمَّا فِيْهَا كَنَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعُلِّمْتُمْ اَيُّهَا الْيَهُوْدُ فِي الْقُرْاٰنِ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَاۗؤُكُمْ ۭ مِنَ التَّوْرٰىةِ بِبَيَانِ مَا الْتَبَسَ عَلَيْكُمْ وَاخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ قُلِ اللّٰهُ ۙ اَنْزَلَهٗ اِنْ لَمْ يَقُوْلُوْهُ لَا جَوَابَ غَيْرُهٗ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ بَاطِلِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝۹۱ وَهٰذَا الْقُرْاٰنُ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ قَبْلَهٗ مِنَ الْكُتُبِ وَلِتُنْذِرَ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ عَطْفٌ عَلٰى مَعْنٰى مَا قَبْلَهٗ اَيْ اَنْزَلْنَاهُ لِلْبَرَكَةِ وَالتَّصْدِيْقِ وَلِتُنْذِرَ بِهٖ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ اَيْ اَهْلَ مَكَّةَ وَسَائِرَ النَّاسِ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰي صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝۹۲ خَوْفًا مِنْ عِقَابِهَا وَمَنْ اَيْ لَا اَحَدَ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

كَذِبًا بِادِّعَاءِ النُّبُوَّةِ وَلَمْ يَكُنْ نَبِيًّا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَ لَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ نَزَلَتْ فِي مُسَيْلَمَةَ الْكَذَّابِ
وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَهُمُ الْمُسْتَهْزِءُوْنَ قَالُوْا لَوْ نَشَاۤءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا وَ لَوْ تَرٰۤى يَا
مُحَمَّدُ اِذِ الظّٰلِمُوْنَ الْمَذْكُوْرُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ۚ اِلَيْهِمْ
بِالضَّرْبِ وَالتَّعْذِيْبِ يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ تَعْنِيْفًا اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِلَيْنَا لِنَقْبِضَهَا اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ
الْهُوْنِ الْهَوَانِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ بِدَعْوَى النُّبُوَّةِ وَالْاِيْحَاءِ كِذْبًا وَ كُنْتُمْ عَنْ
اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ تَتَكَبَّرُوْنَ عَنِ الْاِيْمَانِ بِهَا جَوَابُ لَوْ لَرَأَيْتَ اَمْرًا فَظِيْعًا وَ يُقَالُ لَهُمْ اِذَا بُعِثُوْا لَقَدْ
جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى مُنْفَرِدِيْنَ عَنِ الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَيْ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا وَّ
تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ اَعْطَيْنَاكُمْ مِنَ الْاَمْوَالِ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ فِي الدُّنْيَا بِغَيْرِ اخْتِيَارِكُمْ وَ يُقَالُ لَهُمْ
تَوْبِيْخًا مَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الْاَصْنَامَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ اَيْ فِي اسْتِحْقَاقِ عِبَادَتِكُمْ
شُرَكٰٓؤُا ؕ اللّٰهِ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وُصْلُكُمْ اَيْ تَشَتَّتَ جَمْعُكُمْ وَ فِي قِرَاءَةٍ بِالنَّصْبِ ظَرْفٌ اَيْ
ع ۱۲ وَصْلُكُمْ بَيْنَكُمْ وَ ضَلَّ ذَهَبَ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ فِي الدُّنْيَا مِنْ شَفَاعَتِهَا

ترجمہ: اور ان لوگوں نے (یعنی یہودیوں نے) اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جیسی اس کی قدر چاہیے تھی۔ (یعنی جو ان کی عظمت کا حق تھا وہ ادا نہیں کیا۔ یا ان کی معرفت کا حق پورا نہیں کیا) جب کہ یوں کہہ دیا (نبی کریم ﷺ سے قرآن کریم کے سلسلہ میں ردوکد کرتے ہوئے) کہ اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز ہی نہیں اُتاری تم (ان سے) کہو کہ وہ کتاب کس نے اُتاری؟ جو موسیٰ لائے تھے جو لوگوں کے لیے روشنی اور ہدایت ہے جسے تم نے تیار کیا ہے (تینوں جگہ یا اور تا کے ساتھ آیا ہے) چند اوراق کا مجموعہ (متفرق اوراق میں الگ الگ لکھ چھوڑا ہے) لوگوں کو دکھاتے ہو (جن باتوں کا ظاہر کرنا تمہارے مَن پسند ہوتا ہے) اور بہت سی باتیں چھپا لیتے ہو (آنحضرت ﷺ کی خوبیاں اور اوصاف کی قسم سے جو باتیں اس میں ہیں) نیز تمہیں سکھائی گئی ہیں (اے یہودیو! قرآن کریم میں) وہ باتیں جو پہلے نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا (تورات کی وہ باتیں جو تم پر مشتبہ ہو گئیں اور تم اختلافات میں پڑ گئے) آپ کہہ دیجئے اللہ نے (وہ کتاب اُتاری ہے۔ اگر یہ خود جواب نہ دے سکیں۔ کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی جواب ہے نہیں) پھر انہیں ان کی کاوشوں (کج بحثیوں) میں چھوڑ دیجئے کہ یہ کھیلتے رہیں اور یہ (قرآن) کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا برکت والی اور اپنے سے پہلی کتاب کی تصدیق کرنے والی (جو کتابیں اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں) اور اس لیے نازل کی تا کہ تم متنبہ کر دو (تا اور یا کے ساتھ عطف ہے ماقبل پر۔

یعنی ہم نے برکت وتصدیق کے لیے اور ڈرانے کے لیے اس کو نازل کیا ہے) ام القریٰ کے باشندوں اور آس پاس چاروں طرف بسنے والوں کو (یعنی مکہ معظمہ کے رہنے والوں اور باقی تمام دنیا کے لوگوں کو) سو جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں وہ اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور اپنی نمازوں کی نگہداشت سے غافل نہیں ہوتے (عذاب سے ڈرتے ہوئے) اور کون ہے؟ (یعنی کوئی نہیں) اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا۔ جو اللہ پر جھوٹ بول کر افتراء کرے (نبی نہ ہو اور دعوائے نبوت کرے) یا کہے مجھ پر وحی کی گئی ہے۔ حالانکہ اس پر کوئی وحی نہیں آئی (یہ آیت مسیلمہ کذاب کے بارہ میں نازل ہوئی ہے) اور اس سے بھی جو کہے میں بھی ایسی ہی بات اُتار دکھاؤں گا۔ جیسی اللہ نے اتاری ہے (اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو استہزاء کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ "اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام ہم بھی کہہ سکتے ہیں") اور آپ (اے محمد!) اس وقت کو ملاحظہ کریں جب کہ (یہ) ظالم لوگ جان کنی (موت) کی مدہوشیوں میں پڑے ہوں گے اور فرشتے ہاتھ بڑھائے ہوں گے (ان کی طرف مارنے اور عذاب دینے کے لیے اور سختی سے جھڑکتے ہوئے کہتے ہوں گے کہ) اپنی جانیں نکال باہر کرو (ہماری جانب تا کہ ہم ان پر قبضہ کر سکیں) آج کا دن وہ ہے جس میں تمہیں رسوا کرنے والا (ذلت آمیز) عذاب دیا جائے گا۔ ان باتوں کی پاداش میں جو تم اللہ پر تہمتیں باندھا کرتے تھے (غلط طور پر دعوائے نبوت ووحی کر کے) اور ان کی آیات سے گھمنڈ کرتے تھے (ان پر ایمان لانے سے کبر اختیار کرتے تھے اور لَو کا جواب لَرَأَيْتَ اَمْرًا فَظِيْعًا ہے) اور (مرنے کے بعد جب دوبارہ زندہ ہوں گے تو ان سے کہا جائے گا) دیکھو بالآخر تم ہمارے حضور اکیلی جان آگئے (گھر بار، بال بچوں، سے الگ تھلگ ہو کر) جس طرح تمہیں پہلی مرتبہ اکیلا پیدا کیا گیا تھا (یعنی ننگے پاؤں، ننگے جسم، بغیر ختنہ) اور جو کچھ تمہیں (مال) دیا تھا وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ آئے (دنیا میں اور ان سے ڈانٹتے ہوئے کہا جائے گا کہ) ہم تمہارے ساتھ نہیں دیکھتے ان ہستیوں (بتوں) کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تمہارا خیال اور دعویٰ تھا کہ وہ تمہارے معاملہ میں (یعنی تمہاری عبادت کے استحقاق میں (اللہ کے) شریک ہیں واقعی منقطع ہو گیا وہ (تعلق اور جوڑ) جو تمہارے اور ان کے آپس میں تھا (ترجمہ اس قراءت کی صورت میں ہے کہ بَيْنَكُمْ، تَقَطَّعَ کا فاعل ہونے کی بناء پر مرفوع پڑھا جائے اور ایک قراءت جو جمہور کی قراءت نصب کے ساتھ ظرف ہے اور تَقَطَّعَ کا فاعل ضمیر ہے جو راجع الی الوصل ہوگا یعنی تمہارے آپس میں قطع تعلق ہو گیا) اور گم ہو گیا (گیا گزرا ہو گیا) تم سے جو کچھ تم گمان کرتے تھے (دنیا میں ان کی سفارش کے متعلق سب کیا گزرا ہو گیا)۔

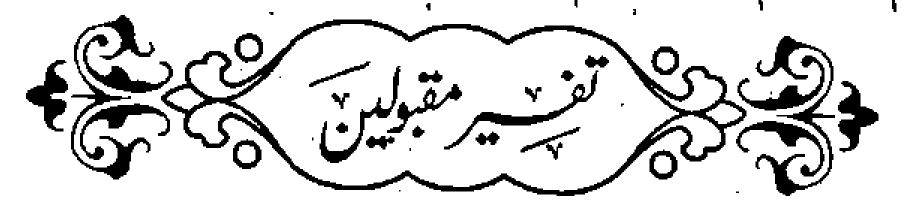
کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَلْيَهُوْدُ: اس کے قائل یہود ہیں نہ کہ مشرکین مکہ۔ قرینہ تجعلونہ قراطیس الآیۃ ہے۔

قوله: فِيْ دَفَاتِرِ مُقَطَّعَةٍ: اس سے اشارہ ہے کہ قراطیس کا نصب ظرفیت کی وجہ سے جعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے نہیں۔

قوله: اَنْزَلَهٗ: لفظ اللہ مبتداء ہے قرینہ سوال سے خبر محذوف ہے۔

قوله: مِنَ الْكُتُبِ: اشارہ کیا کہ تمام پہلی کتب مراد ہیں۔
قوله: اَهْلَ مَكَّةَ: ام القریٰ میں مضاف محذوف ہے۔
قوله: اَوْ قَالَ: ایک افتراء تو ادعاء نبوت تھا اور دوسرا وحی کا جھوٹا دعویٰ تھا۔
قوله: الْهَوَانِ: یعنی عذاب ذلت سے ملا ہوگا۔
قوله: يُقَالُ لَهُمْ تَوبِيخًا: اس سے اشارہ ہے کہ ماتری کا عطف ولقد جئتمونا پر ہے۔
قوله: تَشَتَّتْ جَمْعُكُمْ: کہ بین یہ وصل کے معنی میں ہے اور تقطع کا فاعل واقع ہوا ہے مکان کے معنی میں ظرف نہیں۔
قوله: وَصْلُكُمْ بَيْنَكُمْ: سے بَيْنَكُمْ کے ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہونے کی طرف اشارہ کیا۔



وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ....

یہودیوں کی ضد اور عناد کا ایک واقعہ:

ان آیات میں اوّل تو یہ فرمایا کہ لوگوں نے اللہ کو ایسا نہیں پہچانا جیسا کہ پہچاننا چاہئے تھا بہت سے لوگ تو ذات باری تعالیٰ کے منکر ہی رہے اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو مانا ان میں سے بہت سوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنا دیئے اور اللہ کی صفات کمالیہ علم وقدرت وغیرہ کو ماننے کی طرح نہ مانا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے موافق حضرات انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور کتابیں نازل فرمائیں بہت سے لوگ ان کے منکر ہو گئے۔ (اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ) (جبکہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں کیا) حضرت مجاہد تابعی نے فرمایا اس سے مشرکین مکہ مراد ہیں جنہوں نے یہ بات کہی، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے یہودی مراد ہیں۔ درمنثور ج ۳ ص ۲۹ میں ہے کہ مالک بن صیف ایک یہودی تھا وہ آنحضرت ﷺ سے جھگڑا کرنے لگا۔ یہ علماء یہود میں سے تھا اور بھاری بدن والا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل فرمائی کیا تو توریت میں یہ مضمون پاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھاری جسم والے عالم سے بغض رکھتا ہے یہ سن کر وہ غصہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ اللہ کی قسم اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ وہ ضد میں آ کر یہ بات کہہ گیا۔ اور الفاظ کے عموم سے توریت شریف کے نازل ہونے کی بھی نفی ہو گئی۔ اس کے ساتھی جو موجود تھے انہوں نے احساس بھی دلایا اور کہا کہ افسوس ہے تو ایسی بات کہہ رہا ہے۔ کیا موسیٰ علیہ السلام پر بھی کچھ نازل نہیں ہوا؟ اس نے پھر وہی اپنی بات دہرائی کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں فرمایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ یہ عناد کی آخری حد ہے کہ ضد میں آ کر انسان اپنے مسلمہ عقائد کا بھی انکار کر بیٹھے اور اپنے دین وایمان کا بھی منکر ہو جائے۔

بعض لوگ بہت ہی نڈر ہوتے ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں لیکن اللہ کی بطش شدید اور مواخذہ سے نہیں

ڈرتے۔ جوشِ غضب میں کفریہ باتیں کہہ جاتے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا: (وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ) (کہ انہوں نے اللہ کی ذات وصفات کو ایسا نہیں مانا جس طرح ماننا تھا) اللہ کی ناراضگی اور گرفت کا اندیشہ انہیں بالکل نہیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ اللہ نے کتابیں نازل فرمائی ہیں پھر بھی جرأت جاہلانہ کر کے یہ کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا ان لوگوں کی تردید میں فرمایا: (قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ) (آپ فرما دیجیے کس نے اتاری وہ کتاب جسے موسیٰ لائے جو نور تھی اور لوگوں کے لیے ہدایت تھی) اس میں بطور استفہام تقریری ان ہی لوگوں سے سوال فرمایا جو منکر ہو رہے تھے اور عناد میں یوں کہہ گئے کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ ان سے سوال فرمایا کہ اب تک تو تم یہ کہتے اور مانتے رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت شریف نازل فرمائی۔ اور اب کہہ رہے ہو کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا کیا یہ حق اور حقیقت کا انکار نہیں ہے؟

ساتھ ہی علماء یہود کے ایک بدترین کردار کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ: (تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا) (کہ تم نے توریت کو بجائے اکٹھی مجموعی یکجا کتاب بنانے کے مختلف اوراق میں رکھ چھوڑا ہے۔ جس میں سے کچھ ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو)۔ جب ان کے عوام کچھ بات پوچھنے کے لیے آتے تھے تو صندوق وغیرہ میں ہاتھ ڈال کر کوئی سا بھی ایک ورق نکال لیتے تھے اور سائل کے مطلب کے مطابق پڑھ کر سنا دیتے تھے۔ تاکہ اس سے کچھ مال مل جائے نیز توریت شریف میں جو حضور اقدس ﷺ کی نعت وصفت بیان کی گئی تھی جسے وہ جانتے تھے اپنے عوام سے اس کو چھپاتے تھے۔ توریت شریف کے احکام جو اس وقت تک ان کے پاس موجود تھے ان کو بھی چھپاتے تھے۔ اور ان کی بجائے دوسرا حکم بتا دیتے تھے۔ جیسا کہ زانیوں کے رجم کے بیان میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ (انوار البیان ج ۲)

پھر فرمایا: (وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ) (اور تم کو وہ باتیں بتائی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے) (قُلِ اللّٰهُ) آپ فرما دیجیے اللہ نے نازل فرمائی۔ اس کی تفسیر میں اور ترکیب نحوی میں متعدد اقوال ہیں جو صاحب روح المعانی نے ذکر کیے ہیں اقرب ترین تفسیر ہمارے نزدیک وہ ہے جو صاحب بیان القرآن نے اختیار کی۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جس توریت کی یہ حالت ہے کہ اس کو اولاً تو تم مانتے ہو دوسرے بوجہ نور اور ہدیٰ ہونے کے ماننے کے قابل بھی ہے۔ تیسرے ہر وقت تمہارے استعمال میں ہے گو استعمال شرم ناک ہے لیکن اس کی وجہ سے گنجائش انکار تو نہیں رہی۔ چوتھے تمہارے حق میں وہ بڑی نعمت اور منت کی چیز ہے۔ اس کی بدولت عالم بنے بیٹھے ہو۔ اس حیثیت سے بھی اس میں گنجائش انکار کی نہیں۔ یہ بتلاؤ کہ اس کو کس نے نازل کیا اور چونکہ اس سوال کا جواب ایسا متعین ہے کہ وہ لوگ بھی اس کے سوا کوئی جواب نہ دیتے اس لیے خود ہی جواب دینے کے لیے حضور کو حکم ہے کہ: (قُلِ اللّٰهُ) کہ آپ ہی کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب مذکور کو نازل فرمایا ہے۔

پھر فرمایا: (ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ) (پھر ان کو چھوڑ دیجیے اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں گے) مطلب یہ ہے کہ جو کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی یہ لوگ اسے مانتے بھی ہیں اور پھر عناد میں یوں بھی کہہ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ ان سے یہ سوال فرمانے کے بعد کہ توریت کس نے نازل فرمائی خود ہی جواب دیجیے کہ اللہ نے نازل

فرمائی۔ پھر یہ جواب سنا کر ان کو چھوڑ دیجیے یعنی ان کے پیچھے نہ لگیے آپ کا فرض منصبی بتا دینا ہے منوانا نہیں ہے وہ اپنی خرافات میں لگے رہیں گے۔ اپنا انجام دیکھ لیں گے اور انہیں پتہ چل جائے گا کہ حسن عاقبت مومنین متقین کے لیے ہے۔ قال ابن کثیر ای ثم دعهم فی جهلهم و ضلالهم یلعبون حتی یاتیهم من الله الیقین فسوف یعلمون الهم العاقبة أم لعباد الله المتقین۔ (انوار البیان)

إِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ شاقُّ الْحَبِّ عَنِ النَّباتِ وَالنَّوٰى عَنِ النَّخْلِ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ كَالْإِنْسانِ وَالطَّائِرِ مِنَ النُّطْفَةِ وَالْبَيْضَةِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ النُّطْفَةِ وَالْبَيْضَةِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذٰلِكُمُ الْفالِقُ الْمُخْرِجُ اللّٰهُ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ ﴿۹۵﴾ فَكَيْفَ تُصْرَفُونَ عَنِ الْإِيمانِ مَعَ قِيامِ الْبُرْهانِ فالِقُ الْإِصْباحِ ۚ مَصْدَرٌ بِمَعْنَى الصُّبْحِ اَيْ شاقُّ عُمُوْدِ الصُّبْحِ وَهُوَ اَوَّلُ ما يَبْدُوْ مِنْ نُوْرِ النَّهارِ عَنْ ظُلْمَةِ اللَّيْلِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا يَسْكُنُ فِيهِ الْخَلْقُ مِنَ التَّعَبِ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلَى مَحَلِّ اللَّيْلِ حُسْبانًا ۚ حِسابًا لِلْاَوْقاتِ اَوِ الْباءُ مَحْذُوفَةٌ وَهُوَ حالٌ مِنْ مُقَدَّرٍ اَيْ يَجْرِيانِ بِحُسْبانٍ كَما فِيْ سُوْرَةِ الرَّحْمٰنِ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرُ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ فِيْ مُلْكِهٖ الْعَلِيمِ ﴿۹۶﴾ بِخَلْقِهٖ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِها فِي ظُلُماتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ فِي الْاَسْفارِ قَدْ فَصَّلْنَا بَيَّنَّا الْآياتِ الدَّالّاتِ عَلَى قُدْرَتِنا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۹۷﴾ يَتَدَبَّرُوْنَ وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وّاحِدَةٍ هِيَ اٰدَمُ فَمُسْتَقَرٌّ مِنْكُمْ فِي الرَّحِمِ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۗ مِنْكُمْ فِي الصُّلْبِ وَفِيْ قِراءَةٍ بِفَتْحِ الْقافِ اَيْ مَكانُ قَرارٍ لَّكُمْ قَدْ فَصَّلْنَا الْآياتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ﴿۹۸﴾ ما يُقالُ لَهُمْ وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّماءِ ماءً ۚ فَأَخْرَجْنا فِيهِ الْتِفاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ بِهٖ بِالْماءِ نَباتَ كُلِّ شَيْءٍ يَنْبُتُ فَأَخْرَجْنا مِنْهُ اَيِ النَّباتِ شَيْئًا خَضِرًا بِمَعْنٰى اَخْضَرَ نُخْرِجُ مِنْهُ مِنَ الْخَضِرِ حَبًّا مُتَراكِبًا ۚ يَرْكَبُ بَعْضُهٗ بَعْضًا كَسَنابِلِ الْحِنْطَةِ وَنَحْوِها وَمِنَ النَّخْلِ خَبَرٌ وَيُبْدَلُ مِنْهُ مِنْ طَلْعِها اَوَّلُ ما يَخْرُجُ مِنْها فِيْ اَكْمامِها وَالْمُبْتَدَأُ قِنْوانٌ عَراجِيْنُ دانِيَةٌ قَرِيْبٌ بَعْضُها مِنْ بَعْضٍ وَّ اَخْرَجْنا بِهٖ جَنّٰتٍ بَساتِيْنَ مِنْ أَعْنابٍ وَّالزَّيْتُونَ وَالرُّمّانَ مُشْتَبِهًا وَرَقُهُما حالٌ وَّغَيْرَ مُتَشابِهٍ ۗ ثَمَرُهُما انْظُرُوا يا مُخاطَبِيْنَ نَظَرَ اِعْتِبارٍ إِلٰى ثَمَرِهٖ بِفَتْحِ الثّاءِ وَالْمِيْمِ وَبِضَمِّهِما وَهُوَ جَمْعُ ثَمَرَةٍ

كَشَجَرَةٍ وَشَجَرٍ وَخَشَبَةٍ وَخُشُبٍ اِذَآ اَثْمَرَ اَوَّلُ مَا يَبْدُوْ كَيْفَ هُوَ وَاِلٰى يَنْعِهٖ نُضْجِهٖ اِذَا اَدْرَكَ
كَيْفَ يَعُوْدُ اِنَّ فِىْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ دَالَّاتٍ عَلٰى قُدْرَتِهٖ تَعَالٰى عَلَى الْبَعْثِ وَغَيْرِهٖ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٩٩﴾
خُصُّوْا بِالذِّكْرِ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا فِى الْاِيْمَانِ بِخِلَافِ الْكَافِرِيْنَ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مَفْعُوْلٌ ثَانٍ
شُرَكَآءَ مَفْعُوْلٌ اَوَّلُ وَيُبْدَلُ مِنْهُ الْجِنَّ حَيْثُ اَطَاعُوْهُمْ فِىْ عِبَادَةِ الْاَوْثَانِ وَقَدْ خَلَقَهُمْ فَكَيْفَ
يَكُوْنُوْنَ شُرَكَائَهٗ وَخَرَقُوْا بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ اَىِ اخْتَلَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ حَيْثُ
قَالُوْا عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَالْمَلٰئِكَةُ بَنٰتُ اللّٰهِ سُبْحٰنَهٗ تَنْزِيْهًا لَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٠٠﴾ بِاَنَّ لَهٗ وَلَدًا ع ۱۲ ۶ ۱۸

ترجمہ: اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا (شق و چاک کرنے والا) ہے دانہ کو (پودا سے) اور گٹھلی کو (کھجور کے درخت سے) وہ جاندار کو بے جان چیز سے نکالتے ہیں (جیسے انسان اور پرندے کو نطفہ اور انڈے سے) اور بے جان (نطفہ، انڈے) کو جاندار چیز سے۔ وہی (جو شق کرنے اور نکالنے والے ہیں) اللہ ہیں پھر تم کدھر کو بہکے چلے جا رہے ہو؟ (دلیل و برہان موجود ہوتے ہوئے۔ پھر کس طرح ایمان سے روگردانی کر رہے ہو) وہ صبح کو نمودار کرنیوالے ہیں (اصباح مصدر ہے بمعنی صبح یعنی سپیدۂ صبح نمودار کرنے والے ہیں اور اس سے مراد تڑکہ کا وہ حصہ ہے جو رات کی اندھیری چاک کر کے دن کا اجالا نمایاں کر دیتا ہے) اور رات کو سکون کا ذریعہ بنا دینے والے ہیں (مخلوق تھک کر رات میں آرام پاتی ہے) اور سورج اور چاند کو (نصب کے ساتھ محل لیل پر عطف کرتے ہوئے) معیارِ حساب بنا دیا ہے (اوقات کا انضباط یا بآ محذوف ہے اور فعل مقدر سے حال ہے۔ اَیْ یَجْرِیَانِ بِحُسْبَانٍ جیسا کہ سورۂ رحمٰن میں ہے) یہ (مذکورہ) اندازہ ہے اس ذات کا جو (اپنے ملک میں) سب پر غالب آنے والے اور (اپنی مخلوق کا) سب حال جاننے والے ہیں۔ وہی ہیں جنہوں نے تمہارے لیے ستارے بنا دیئے تاکہ تم راہ پالو ان کی علامتوں کے ذریعہ بیابانوں اور سمندروں کی اندھیریوں میں (سفر کرتے ہوئے) بلاشبہ ہم نے کھول کھول کر بیان کر دی (بتلا دی) ہیں نشانیاں (اپنی قدرت کی علامات) ان لوگوں کے لیے جو جاننے والے ہیں (غور و فکر سے کام لیتے ہیں) اور پھر وہی ہیں جنہوں نے تمہیں اکیلی جان (آدم) سے نشوونما دی (پیدا کیا) پھر تمہارے لیے قرار پانے کی جگہ ہے (رحم مادر میں) اور ایک جگہ چندے رہنے کی ہے (تمہارے لیے باپ کی پشت اور ایک قرأت میں لفظ مستقر فتح قاف کے ساتھ ہے یعنی تمہارے لیے قرار گاہ) بلاشبہ ہم نے کھول کھول کر بیان کر دی ہیں اپنی نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو سمجھتے بوجھتے ہیں (جو کچھ ان سے کہا جائے) اور وہی ہیں جو آسمان سے پانی برساتے ہیں۔ پھر ہم پیدا کرتے ہیں (اس میں غیبوبت سے التفات پایا گیا ہے) اس (پانی) سے ہر قسم کی روئیدگی (جس کی پیداوار ہوتی ہے) پھر ہم نے نکالی اس (روئیدگی) سے ہری ہری ٹہنیاں (خضر بمعنی اخضر ہے) کہ نمودار کرتے ہیں ہم اس (سبز ٹہنیوں) سے اوپر تلے

چڑھے ہوئے دانے (ایک دوسرے پر تہ بتہ جمے ہوئے ہوتے ہیں جیسے گیہوں وغیرہ کی بالیں) اور کھجور کے درخت (یہ خبر ہے اس کا بدل آگے ہے) جس کی شاخوں میں گچھے ہیں (کھجور کے درخت میں سے جو گچھے پھوٹتے ہیں۔ اگلا لفظ مبتداء ہے) جھکے پڑتے ہیں (لٹکے جاتے ہیں) تہ بتہ ہیں (ایک دوسرے سے گندھے ہوئے ہیں) اور (ہم نے نکالے ہیں اس پانی سے) باغات (چمن) انگوروں کے اور زیتون اور انار کے کہ آپس میں ملتے جلتے ہیں (ان کے پتے۔ یہ حال ہے) اور ایک دوسرے سے مختلف (ان کے پھل) دیکھو! (اے مخاطب بنظرِ عبرت) ان کے پھلوں کو (ثاء اور میم کے فتح اور ضمہ کے ساتھ ثمر جمع ہے ثمرۃ کی جیسے شجرۃ کی جمع شجر اور خشبۃ کی جمع خشب آتی ہے) جب درخت پھل لاتا ہے (شروع میں جب کیریاں آتی ہیں تو کس طرح نکلتی ہیں) اور پھر ان کے پکنے کو دیکھو (کہ کس طرح پکنے کے بعد مکمل ہوگیا اور انتہائی حالت پر پہنچ گیا) بلاشبہ اس میں بڑی نشانیاں ہیں (جو اللہ تعالیٰ کے دوبارہ زندہ کرنے پر دلالت کر رہی ہیں) جو ان لوگوں کے لیے یقین رکھتے ہیں (خاص طور پر ان کا ذکر اس لیے کیا کہ ایمان لانے میں ایسے ہی لوگ نفع اُٹھا سکتے ہیں برخلاف کفار کے) اور ان لوگوں نے اللہ کے ساتھ ٹھیرا رکھے ہیں (یہ جَعَلُوْا کا مفعول ثانی ہے) شریک (یہ مفعول اول ہے۔ اس کا بدل آگے ہے) جنوں کو (کیونکہ بت پرستی میں ان کی اطاعت کرتے ہیں) حالانکہ انہیں بھی اللہ ہی نے پیدا کیا ہے (پھر کس طرح یہ شریکِ خدائی بن سکتے ہیں) اور انہوں نے تراش لی ہیں (تخفیف وتشدید کے ساتھ اس کو پڑھا گیا ہے۔ یعنی انہوں نے شریک اختراع کرلیا ہے) اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں بغیر علمی روشنی کے (چنانچہ حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے) اللہ تعالیٰ پاک اور برتر ہے (اس کے لیے پاکی ہے) ان تمام باتوں سے جن کو یہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ اس کو اولاد ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: شَاقَّ الْحَبِّ: اس کو مقدر مانا کیونکہ شق نفس دانے پر واقع نہیں بلکہ اس کے حال پر واقع ہے کہ شق کا تعلق اخراج سے ہے۔

قوله: مُخْرِجُ الْمَيِّتِ: اسم کے ساتھ لائے تاکہ خالق الحب پر اس کو محمول کرسکیں اور عطف درست ہو۔

قوله: مَصْدَرٌ بِمَعْنَى الصُّبْحِ: حال سے محل کا نام رکھ دیا کیونکہ یہ صبح میں داخلے کا نام ہے۔

قوله: عَلٰى مَحَلِّ اللَّيْلِ: کیونکہ یہ محل نصب میں جاعل کا مفعول اور اضافت محض لفظی ہے کیونکہ بمعنی ماضی ہے۔

قوله: وَهُوَ حَالٌ: جو جاعل مقدر کا مفعول ثانی نہیں ہے۔

قوله: يَتَدَبَّرُوْنَ: اس سے اشارہ ہے کہ علم مع التدبیر مفید ہے۔

قوله: مِنْكُمْ فِي الرَّحِمِ: اس سے اشارہ کیا کہ مستقر اسم فاعل ہے اور وہ مبتداء ہے اس کی خبر محذوف ہے۔

قوله: نَبَاتَ: اس میں ضمیر نبات کی طرف راجع ہے۔ ماء کی طرف نہیں۔

قوله: مِنَ النَّخْلِ: یہ خبر ہے قنوان مبتداء ہے نہ کہ فاعل یخرج۔

قوله: نَضْجِه: یَنْعِهٖ کا یہ معنی کر کے اشارہ ہے کہ یہ مضارع نہیں بلکہ مصدر ہے۔

قوله: مَفْعُوْلٌ ثَانٍ: زیادہ اہتمام کے لیے مقدم لائے اور شرکاء یہ مفعول اول ہے۔

تفسیر مقبولین

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى ۔۔۔

(ربط) گزشتہ آیات میں اثبات نبوت کا بیان تھا اب اس کے بعد پھر اسی مضمون توحید کی طرف رجوع فرماتے ہیں جو شروع سورت سے چلا آرہا ہے ان آیات میں حق تعالیٰ شانہ نے اشیاء متضادہ ومختلفہ پر اپنی قدرت کاملہ کے آثار اور اپنی مخلوقات کے عجائب حالات کو بیان کیا تاکہ وجود صانع اور اس کی کمال قدرت اور کمال علم وحکمت کی دلیل بنیں اور مشرکین پر یہ امر واضح ہو جائے کہ ان کے تمام معبودان باطلہ اور شرکاء مہملہ ان عجائب قدرت میں سے ایک ادنی سے ادنی چیز کے بھی پیدا کرنے سے عاجز ہیں پس وہ مستحق عبادت کیسے ہو سکتے ہیں اس سلسلہ میں حق تعالیٰ نے عالم علوی اور عالم سفلی سے پانچ دلیلیں بیان کیں تاکہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل ہو اور یہ پانچ دلیلیں اہل بصیرت کے لیے بمنزلہ آئینہ کے ہیں جن میں سے خداوند ذوالجلال کے جمال باکمال کا جلو نظر آتا ہے۔

دلیل اول: اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۞ بے شک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا ہے دانہ کا اور گٹھلیوں کا یعنی جب دانہ اور گٹھلی کو زمین بو یا جاتا ہے تو اس سے قسم قسم کے پھل اور پھول نمودور ہوتے ہیں جو باعتبار صورت اور شکل اور حرارت اور برودت اور کیفیت اور خاصیت اور تلخی اور حلاوت کے مختلف ہوتے ہیں حالانکہ مادہ اور طبیعت سب کی ایک ہے اور چاند اور سورج کی روشنی اور ہوا سب کی ایک ہے اور یہ ایسی عجیب وغریب صنعت ہے جو عقل انسانی سے کہیں بالا اور برتر ہے معلوم ہوا کہ یہ کسی بڑے صانع حکیم اور قادر علیم کی کارسازی ہے جو اس کی کمال قدرت اور کمال حکمت پر دلالت کرتی وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے یعنی ایک ضد کو دوسری ضد سے نکالتا ہے جیسے ایک نطفہ بے جان سے انسان اور حیوان کو نکالتا ہے اور انسان اور حیوان سے نطفہ بیجان نکالتا ہے اور انڈے سے مرغی کا بچہ اور مرغی سے انڈا نکالتا ہے اور مومن زندہ ہے اور کافر مردہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کافر سے مومن کو اور مومن سے کافر کو نکالتا ہے یعنی پیدا کرتا ہے یہ ہے اللہ جو ایک ضد کو دوسری ضد سے نکالتا ہے اور عدم کو پھاڑ کر اس میں سے موجود کو نکالتا ہے یہ مادہ اور نیچر اور طبیعت کا کام نہیں کہ صنعت کے ایسے عجیب وغریب کرشمے دکھا سکے پس تم کہاں حق سے پھرے جاتے ہو یعنی خدا تو یہ خالق ہے جس کی صنعت سے عقل حیران ہے ایسے خدا کی عبادت کرو مادہ اور طبیعت اور پتھر کا کیوں نام لیتے ہو۔

دلیل دوم: فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَ جَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۹۶﴾ وہ صبح کا پھاڑنے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ رات کی ظلمت اور تاریکی کو پھاڑ کر صبح کا ستون نکالتا ہے یعنی رات ختم ہوجاتی ہے اور صبح صادق نمودار ہوجاتی ہے اور رات کے اندھیرے میں سے صبح صادق کا اجالا نکالنا یہ بھی اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے اور اس نے رات کو راحت اور سکون کا ذریعہ بنایا کہ دن کا تکان رات کے سونے سے جاتا رہتا ہے اور اس نے چاند اور سورج کو حساب کا ذریعہ بنایا جس سے لوگوں نے مہینے اور سال مقرر کیے یہ اندازہ ہے زورآور علم والے کا جس میں کوئی غلطی نہیں ہوتی۔ گھڑی غلط ہوجاتی ہے مگر خدا کی گھڑی یعنی چاند اور سورج اپنے طلوع اور غروب میں غلطی نہیں کرتی۔

دلیل سوم: وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اور وہ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے نفع اور فائدہ کے لیے ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ذریعہ جنگلوں اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کرسکو اندھیری رات میں ستاروں کے ذریعہ راستہ کی سمت معلوم ہوتی ہے۔ تحقیق ہم نے اپنی قدرت کی نشانیاں ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان کردی ہیں جو علم اور عقل رکھتے ہیں یعنی علم اور عقل والوں کو ہم نے استدلال کا طریقہ بتلادیا کہ وہ ان چیزوں سے خدا کی وحدانیت اور قدرت پر استدلال کرسکتے ہیں ستاروں کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے پیدا کیا تاکہ وہ آسمان کی زینت ہوں اور شیاطین کے رجم کا سامان ہوں اور رات کی تاریکیوں میں ان سے راستہ اور سمت معلوم ہوسکے باقی ستاروں کی تاثیرات کا قائل ہونا بالکل غلط ہے تاثیر کے معنی کسی چیز میں اپنی قدرت سے اثر کرنے کے ہیں تو ستارے بالذات تو کسی چیز میں مؤثر نہیں ہوسکتے ہیں کیونکہ ستارے مخلوق ہیں اور مخلوق بالذات کسی چیز میں مؤثر نہیں ہوسکتی اور اگر یہ کہا جائے کہ ان میں اللہ نے یہ تاثیر رکھی ہے تو اس کے لیے کوئی دلیل نہیں اور اسباب ظاہری کی طرح ان میں تجربہ اور مشاہدہ مفقود ہے اور اگر بالفرض اللہ نے ان میں کوئی تاثیر رکھی ہے تو وہ اللہ ہی کو معلوم ہے ہمیں اس تاثیر کا کوئی علم نہیں اللہ تعالیٰ نے جتنا بتلادیا وہ حق ہے اس کے سوا سب وہم وگمان ہے۔

دلیل چہارم: وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ اور وہ وہ ہے کہ جس نے تم کو ایک جان آدم سے پیدا کیا اور سلسلہ توالد اور تناسل کا جاری کیا پھر تمہارے لیے ایک مستقر یعنی جائے قرار ہے یعنی ٹھہرنے کی جگہ ہے اس سے مراد دنیا ہے اور ایک مستودع یعنی سونپے جانے کی جگہ ہے اس سے مراد قبر ہے جہاں انسان عارضی طور پر ودیعت رکھا جاتا ہے

مطلب یہ ہے کہ پیدا کرنے کے بعد ایک مدت تک تم کو دنیا میں رکھتا ہے قال تعالیٰ: وَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۳۶﴾ پھر اس کے بعد تم کو مارتا ہے اور مرنے کے بعد تم کو قیامت تک قبروں میں رکھتا ہے اور اس کے بعد تم کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرے گا اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مستودع سے چند روزہ دنیا مراد ہے اور مستقر سے قبر مراد ہے جس میں ایک طویل عرصہ تک ٹھہرنا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مستقر سے پشت پدر مراد ہے اور مستودع بمعنی جائے امانت سے رحم مادر مراد ہے تحقیق ہم نے اپنی قدرت کی نشانیاں ان لوگوں کے لیے بیان کردیں جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں سمجھ جائیں کہ ایک اصل (یعنی نفس واحدہ) سے بے شمار مختلف الانواع اور مختلف الاشکال اشخاص کا پیدا کرنا کمال قدرت اور کمال حکمت کی دلیل

ہے جس پر سوائے خداوند قدوس کے کوئی قادر نہیں اور فلاسفہ اور سائنسدانوں کا یہ دعویٰ کہ یہ تمام تغیرات اور انقلابات محض مادہ بسیطہ اور اس کے اجزاء لاتجزی کی حرکت قدیمہ سے ظہور میں آئے ہیں دعویٰ بلا دلیل ہے جیسا کہ اس ناچیز نے اپنے رسالہ (اثبات صانع عالم وابطال دہریت و مادیت) میں تفصیل کے ساتھ اس دعوے کا مہمل ہونا واضح کر دیا ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔

دلیل پنجم: وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ... الی ... اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾ اور جس طرح خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک نفس واحدہ (آدم) سے مختلف قسم کے انسان پیدا کیے اسی طرح اس خدا نے آسمان یعنی بادل سے ایک قسم کا پانی اتارا پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ سے باوجود اس پانی کے ایک ہونے کے ہر قسم کی اگنے والی چیزیں اگائیں جن کے اقسام اور انواع کی شمار بھی انسان کی قدرت اور اختیار سے باہر ہے پھر ہم نے اس میں سے سبزہ نکالا جس سے ہم اناج کے دانے نکالتے ہیں جو تہہ بہ تہہ ہوتے ہیں یعنی اس سے ایسے دانے نکالتے ہیں جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہوتے ہیں یہ تو غلوں کی کیفیت کا بیان ہوا جنکا اجمالی طور پر فالق الحب میں ذکر آچکا ہے اب آئندہ آیات میں درختوں اور پھلوں کا ذکر کرتے ہیں جو گٹھلیوں سے پیدا ہوتے ہیں جن کا اجمالی ذکر والنوی میں آچکا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور کھجور کے درختوں سے یعنی اس کے گابھے سے بعض خوشے ایسے ہوتے ہیں جو لٹکے اور جھکے ہوئے ہوتے ہیں جس تک آدمی کا ہاتھ بآسانی پہنچ سکتا ہے اور بعض بلندی پر ہوتے ہیں اس سے بھی خدا کی قدرت کا کمال ظاہر ہوتا ہے اور اسی ایک پانی سے ہم نے انگوروں کے باغ نکالے اور زیتون اور انار کے درخت نکالے اس حال میں کہ ان کے بعضے پھل صورت اور شکل اور رنگ اور مزہ میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں یعنی یکساں اور ملتے جلتے ہوتے ہیں اور بعض مختلف اور جدا ہوتے ہیں بعضے پھل تاثیر اور خاصیت میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں اور بعض مختلف ہوتے ہیں اس سے بھی خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کا پتہ چلتا ہے کہ مادہ ایک ہے اور خواص اور آثار مختلف ہیں ذرا ان درختوں کے پھلوں کی طرف نظر تو کرو جب درخت پھل لا دے کہ اس کا رنگ اور مزہ کیسا اور بو کیسی اور اس کے پکنے کو دیکھو کہ کس طرح بتدریج پکتا جاتا ہے اور اس کا رنگ اور مزہ بدلتا جاتا ہے اس سے بھی خدا تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا اندازہ لگاؤ بے شک ان امور مذکورہ بالا میں خدا تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال صنعت کی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں ذرا سے غور سے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ تمام تغیرات کسی قادر مختار کی قدرت کے کرشمے ہیں بے جان اور بے شعور طبیعت اور مادہ سے اسی عجیب وغریب صنعتوں کا ظہور عقلاً محال ہے۔

ان آیات میں حق تعالیٰ نے کھیتی کے بعد چار قسم کے درخت ذکر فرمائے۔ کھجور، انگور، زیتون، انار اور کھیتی کو اس لیے مقدم کیا کہ وہ انسان کی غذا ہے اور یہ پھل ہیں اور یہ چاروں میوے تمام میووں سے افضل ہیں اور فوائد اور منافع میں سب سے بڑھ کر ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے صرف ان چار کے ذکر پر اقتصار فرمایا۔

برگ درختان سبز درنظر ہوشیار ۔ ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

ظاہر میں توحید کے پانچ دلائل ذکر کیے مگر درحقیقت ہر دلیل بے شمار دلیلوں پر مشتمل ہے۔

(معارف القرآن مولانا ادریس کاندہلوی)

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ مُبْدِعُهُمَا مِنْ غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ اَنّٰى كَيْفَ يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ
صَاحِبَةٌ ؕ زَوْجَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ مِنْ شَانِهٖ اَنْ يَخْلُقَ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَحِّدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ حَفِيْظٌ لَا تُدْرِكُهُ
الْاَبْصَارُ اَیْ لَا تَرَاهُ وَهٰذَا مَخْصُوْصٌ بِرُؤْيَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ
اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ وَحَدِيْثِ الشَّيْخَيْنِ اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَقِيْلَ الْمُرَادُ
لَا تُحِيْطُ بِهٖ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ اَیْ يَرَاهَا وَلَا تَرَاهُ وَلَا يَجُوْزُ فِیْ غَيْرِهٖ اَنْ يُّدْرِكَ الْبَصَرَ وَهُوَ
لَا يُدْرِكُهٗ اَوْ يُحِيْطُ بِهَا عِلْمًا وَهُوَ اللَّطِيْفُ بِاَوْلِيَائِهٖ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾ بِهِمْ قُلْ يَا مُحَمَّدُ لَهُمْ قَدْ جَآءَكُمْ
بَصَآئِرُ حُجَجٌ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَهَا فَاٰمَنَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ اَبْصَرَ لِاَنَّ ثَوَابَ اِبْصَارِهٖ لَهٗ وَمَنْ عَمِیَ
عَنْهَا فَضَلَّ فَعَلَيْهَا ؕ وَبَالُ ضَلَالِهٖ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ رَقِيْبٌ لِاَعْمَالِكُمْ اِنَّمَا اَنَا نَذِيْرٌ وَ
كَذٰلِكَ كَمَا بَيَّنَّا مَا ذُكِرَ نُصَرِّفُ نُبَيِّنُ الْاٰيٰتِ لِيَعْتَبِرُوْا وَ لِيَقُوْلُوْا اَیِ الْكُفَّارُ فِیْ عَاقِبَةِ الْاَمْرِ دَرَسْتَ
ذَاكَرْتَ اَهْلَ الْكِتَابِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ دَارَسْتَ اَیْ كُتُبَ الْمَاضِيْنَ وَجِئْتَ بِهٰذَا مِنْهَا وَ لِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ
يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ اَیِ الْقُرْاٰنَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَ
لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ رَقِيْبًا فَنُجَازِيْهِمْ بِاَعْمَالِهِمْ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ
بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾ فَتُجْبِرُهُمْ عَلَى الْاِيْمَانِ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ هُمْ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ اَیِ الْاَصْنَامِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا اِعْتِدَاءً وَظُلْمًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَیْ جَهْلٍ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ كَذٰلِكَ كَمَا
زَيَّنَّا لِهٰؤُلَآءِ مَا هُمْ عَلَيْهِ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۖ مِنَ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ فَاَتَوْهُ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فِی
الْاٰخِرَةِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَيُجَازِيْهِمْ بِهٖ وَ اَقْسَمُوْا اَیْ كُفَّارُ مَكَّةَ بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ
اَیْ غَايَةَ اِجْتِهَادِهِمْ فِيْهَا لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ مِمَّا اقْتَرَحُوْا لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ لَهُمْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ
اللّٰهِ يُنَزِّلُهَا كَمَا يَشَاءُ وَاِنَّمَا اَنَا نَذِيْرٌ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ يُدْرِيْكُمْ بِاِيْمَانِهِمْ اِذَا جَآءَتْ اَیْ اَنْتُمْ لَا تَدْرُوْنَ

ذٰلِكَ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ لِمَا سَبَقَ فِيْ عِلْمِيْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالتَّاءِ خِطَابًا لِلْكُفَّارِ وَفِيْ
اُخْرٰى بِفَتْحِ اَنَّ بِمَعْنٰى لَعَلَّ اَوْ مَعْمُوْلَةً لِمَا قَبْلَهَا وَ نُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ نُحَوِّلُ قُلُوْبَهُمْ عَنِ الْحَقِّ فَلَا
يَفْهَمُوْنَهُ وَ اَبْصَارَهُمْ عَنْهُ فَلَا يُبْصِرُوْنَهُ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَيْ بِمَا اُنْزِلَ مِنَ الْاٰيَاتِ
اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ نَذَرُهُمْ نَتْرُكُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ ضَلَالِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ يَتَرَدَّدُوْنَ مُتَحَيِّرِيْنَ ع ۱۳ / ۱۰ / ۱۹

ترجمہ: بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ الخ (وہ) آسمانوں اورزمین کا موجد ہے (یعنی بغیر کسی سابق مثال اور نمونہ کے عدم سے وجود میں لانے والا ہے۔انّٰی بمعنی کیف ہے) کیسے (کس طرح) ہوسکتا ہے کہ کوئی ان کا بیٹا ہو جب کہ ان کی بیوی نہیں ہے۔ انہوں ہی نے تمام چیزیں پیدا فرمائیں ہیں (ان کی شان ہی پیدا کرنا ہے) اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والے ہیں۔یہی اللہ تمہارے پروردگار ہیں۔ان کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔وہی سب چیزوں کے پیدا کرنے والے ہیں۔سو دیکھو ان ہی کی بندگی کرو (توحید مانو) وہی ہر چیز کے کارساز (محافظ) ہیں انہیں نگاہیں نہیں پاسکتیں۔لیکن مؤمنین بلحاظ آخرت اس سے مستثنیٰ ہیں۔ارشاد ربانی ہے: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ اسی طرح حدیث شیخین میں ہے کہ "تم اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھو گے جیسے چاندنی رات میں چودھویں کے چاند کو دیکھا کرتے ہو" اور بعض کی رائے یہ ہے کہ کسی کی نگاہ اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکے گی) لیکن وہ تمام نگاہوں کو پار رہے ہیں (یعنی اللہ ان نگاہوں کو دیکھتے ہیں مگر وہ نگاہیں ان کو نہیں دیکھ سکتیں۔لیکن کسی دوسری چیز کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تو نگاہوں کو دیکھتی ہو مگر نگاہیں اسے نہ دیکھتی ہوں یا یہ مراد ہے کہ وہ سب چیزوں کا احاطۂ علمی رکھتے ہیں) وہ بڑے ہی مہربان ہیں (اپنے دوستوں کے لیے) اور (ان سے) باخبر ہیں (فرما دیجئے اے محمدؐ!) آ چکی ہیں دلیل (حجت) کی روشنیاں تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہارے پاس۔پس اب جو کوئی (ان کو) دیکھ کر (ایمان لے آئے) تو خود اسی کے لیے ہے (یہ دیکھنا کیونکہ اس غور کرنے کا فائدہ خود اسی کو ہوگا) اور جو کوئی اپنی آنکھوں سے کام نہ لے (اور اندھا ہو کر بھٹک جائے) تو اسی کے سر آئے گا (گمراہی کا وبال) اور میں تم پر کچھ پاسبان نہیں ہوں (تمہارے اعمال کا نگران۔میرا کام تو صرف متنبہ کر دینا ہے) اور اسی طرح (جیسے کہ مذکورہ چیزیں بتلائی ہیں) گوناگوں طریقوں سے بیان (واضح) کرتے ہیں آیتیں (تاکہ وہ عبرت حاصل کریں) اور تاکہ وہ بول اٹھیں (یعنی کفار بالآخر) کہ تم نے کسی سے پڑھ لیا ہے (اہل کتاب سے مذاکرہ کر لیا ہے اور ایک قراءت میں دارست ہے۔یعنی آپ نے تاریخی کتابیں پڑھی ہیں اور یہ قرآن اسی سے بنایا ہے) نیز اس لیے کہ دانشمندوں کے لیے اس کو خوب روشن کر دیں۔خود اس راہ پر چلتے رہیے جس کی وحی آپؐ کے پروردگار کی طرف سے آپؐ پر کی گئی ہے (یعنی قرآن) اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور مشرکین کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔اگر اللہ چاہتے تو یہ لوگ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان کا نگران (محافظ) نہیں بنایا پس ان کے عملوں کی جزاء ہم دیں گے) اور نہ آپ ان پر مختار ہیں (کہ آپ ان کو ایمان لانے پر مجبور کر سکیں۔یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسری ہستیوں (بتوں) کو پکارتے ہیں ان کو تم گالیاں نہ دو۔کہ پھر وہ بھی اللہ کو برا بھلا کہنے

لگیں حد سے متجاوز ہو کر (تعدی اور ظلم کرتے ہوئے) بے سمجھے بوجھے (اللہ کے مرتبہ سے ناواقفی کی وجہ سے) اسی طرح (جیسے ان کے لیے ان کی کارستانیوں کا آراستہ کر رکھا ہے) ہر قوم کے لیے اس کے کاموں کو ہم نے خوشنما بنا دیا تھا (خواہ اچھے کام ہوں یا برے۔ اسی لیے وہ ان کو کرتے رہتے ہیں) پھر بالآخر سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے (آخرت میں) اس وقت وہ ان سب پر ان کے کاموں کی حقیقت کھول دیں گے جو وہ کرتے رہے ہیں (پھر اسی کے مطابق وہ ان کو بدلہ دیں گے) اور یہ (کفارِ مکہ) اللہ کی بڑی ہی (زوردار) قسمیں کھا کر کہتے ہیں۔ اگر کوئی نشانی ان کے پاس (فرمائشی) آجائے تو وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے۔ تم کہہ دو (ان سے) نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں (جس طرح چاہتے ہیں ظاہر کرتے ہیں۔ میری حیثیت تو صرف ڈرانے والے کی ہے) اور تمہیں کیا معلوم (ان کے ایمان کا حال جب کہ نشانی آجائے گی۔ یعنی تم اس کو نہیں جانتے) اگر نشانیاں آبھی جائیں جب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں (جیسا کہ علم الٰہی میں آچکا ہے اور ایک قرأت تاء کے ساتھ ہے کفار کو خطاب کرتے ہوئے اور دوسری قراءت میں ان مفتوح کے ساتھ لعل کے معنی میں یا ماقبل کا معمول قرار دیتے ہوئے) اور ہم ان کے دلوں کو الٹ دیں (ان کے قلوب حق سے پھیر دیں کہ وہ اس کو سمجھ ہی نہ سکیں) اور ان کی نگاہوں کو (حق سے ہٹا دیں کہ وہ اس کو دیکھ کر ایمان ہی نہ لا سکیں) جس طرح ایمان نہیں لائے اس قرآن پر (جو کچھ آیات نازل ہوئیں پہلی مرتبہ) وَّ نَذَرُهُمْ الخ اور ہم ان کو چھوڑیں گے ان کی سرکشی (گمراہی) میں بھٹکتے پھریں (حیران و سرگرداں رہیں)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: هُوَ بَدِيْعُ: ھو کو مقدر مانا تا کہ اشارہ ہو جائے بدیع مبتداء محذوف کی خبر ہے یہ مبتداء نہیں کہ اس کی خبر اَنّٰى يَكُوْنُ ہو۔

قوله: مُبْدِعُهُمَا: اس سے اشارہ کیا کہ یہ اسم فاعل کے معنی میں ہے نہ کہ صفت مشبہ۔

قوله: مِنْ شَانِه: اول کل شئی سے ذات اللہ تعالیٰ کے علاوہ مراد ہے اور دوسرا کل عام ہے عموم کے لحاظ سے عام مخصوص البعض۔

قوله: فَاٰمَنَ: اس کو مقدر مانا کیونکہ ابصار بغیر ایمان کے چنداں مفید نہیں۔

قوله: لِيَعْتَبِرُوْا: اس کو مقدر مانا کہ لِيَقُوْلُوْا کا عطف علت مقدرہ پر ہے۔

قوله: فِيْ عَاقِبَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ لام عاقبۃ کا ہے نہ کہ تعلیل کا۔ پس مطلب یہ ہے کہ ان کے معاملے کا انجام یہ ہے کہ ان آیات کو استعمال کرتے ہوئے بول اٹھیں۔

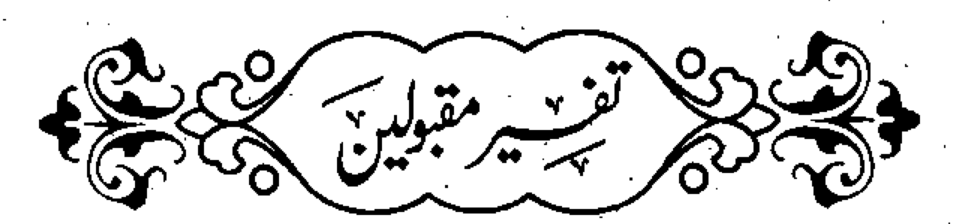
قوله: وَلِنُبَيِّنَهٗ: لام تعلیل ہے کیونکہ تصریف کا مقصود تبیین ہے۔ اور ضمیر آیات کی طرف عبارت قرآن کے لحاظ سے ہے۔

قوله: فَاتَوْهُ: اس کو مقدر مانا تا کہ: ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ کا اس پر عطف ہو یہ وعدہ وعید ہے۔

قوله: غَايَةَ اِجْتِهَادِهِمْ: یہ مصدر ہے جو حال کی جگہ ہے۔ اي مجتهدين مفعول مطلق نہیں۔

قوله: اَوْ مَعْمُوْلَةً لِمَا قَبْلَهَا: یہ یُشْعِرُکُمْ کا مفعول ہے اور یہ استفہام انکاری ہے، یعنی تم نہیں جانتے۔

قوله: وَنُقَلِّبُ: اس کا عطف یُؤْمِنُوْنَ پر ہے۔



تفسیر مقبولین

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ....

جس نے تنہا تمام آسمان وزمین بدوں کسی نمونہ اور توسط آلات وغیرہ کے ایسے انوکھے طرز پر پیدا کر دیئے۔ آج اس کو شرکاء کی امداد اور بیٹے پوتے کا سہارا ڈھونڈھنے کی کیا ضرورت ہے۔

تعجب ہے کہ جب کسی مخلوق کو تم حقیقۃً خدا کی اولاد قرار دیتے ہو تو ان بچوں کی ماں کسے تجویز کرو گے اور اس ماں کا تعلق خدا کے ساتھ کس قسم کا مانو گے۔ عیسائی حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں لیکن یہ جسارت وہ بھی نہیں کر سکے اور کہ مریم صدیقہ کو (العیاذ باللہ) خدا کی بیوی قرار دیکر زناشوی کے قائل ہو جائیں۔ جب ایسا نہیں تو مریم کے بطن سے پیدا ہونے والا خدا کا بیٹا کیونکر بن گیا۔ دنیا کے دوسرے بچوں کو بھی خدا تعالیٰ ماؤں کے پیٹ سے پیدا کرتا ہے اور وہ معاذ اللہ خدا کی نسلی اولاد نہیں کہلاتے۔ یہ فرق کہ کوئی بچہ محض نفخہء جبریلیہ سے بدوں توسط اسباب عادیہ کے پیدا کر دیا جائے اور دوسروں کو عام اسباب کے سلسلہ میں پیدا فرمائیں ابوت وبنوت کے مسئلہ پر کچھ اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ اسباب ومسببات ہوں یا خوارق عادات سب کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے اور وہ ہی جانتا ہے کہ کس چیز کو کس وقت پیدا کرنا مصلحت وحکمت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ ....

ان پانچ آیات میں سے پہلی آیت میں ابصار، بصر کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں نگاہ اور دیکھنے کی قوت، اور ادراک کے معنی پالنا، پکڑ لینا، احاطہ کر لینا ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس جگہ ادراک کی تفسیر احاطہ کر لینا بیان فرمائی ہے۔ (بحر محیط)

معنی آیت کے یہ ہو گئے کہ ساری مخلوقات جن وانس وملائکہ اور تمام حیوانات کی نگاہیں مل کر بھی اللہ جل شانہ کو اس طرح نہیں دیکھ سکتیں کہ یہ نگاہیں اس کی ذات کا احاطہ کر لیں، اور اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کی نگاہوں کو پوری طرح دیکھتے ہیں اور ان کا دیکھنا ان سب پر محیط ہے، اس مختصر آیت میں حق تعالیٰ کی دو مخصوص صفتوں کا ذکر ہے، اوّل یہ کہ ساری کائنات میں کسی کی نگاہ بلکہ سب کی نگاہیں مل کر بھی اس کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر جہان کے سارے انسان اور جنات اور فرشتے اور شیطان جب سے پیدا ہوئے، اور جب تک پیدا ہوتے رہیں گے وہ سب کے سب مل کر ایک صف میں کھڑے ہو جائیں تو سب مل کر بھی اس کی ذات کا اپنی نگاہ میں احاطہ نہیں کر سکتے۔ (مظہری بحوالہ ابن ابی حاتم)

اور یہ خاص صفت حق جل شانہ کی ہی ہو سکتی ہے، ورنہ نگاہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی قوت بخشی ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے جانور

کی چھوٹی سے چھوٹی آنکھ دنیا کے بڑے سے بڑے کُرّے کو دیکھ سکتی اور نگاہ سے اس کا احاطہ کرسکتی ہے، آفتاب و ماہتاب کتنے بڑے بڑے کُرّے ہیں کہ زمین اور ساری دنیا کی ان کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے، مگر ہر انسان بلکہ چھوٹے سے چھوٹے جانور کی آنکھ ان کُرّوں کو اسی طرح دیکھتی ہے کہ نگاہ میں ان کا احاطہ ہوجاتا ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ نگاہ تو انسانی حواس میں سے ایک حاسہ ہے، جس سے صرف محسوس چیزوں کا علم حاصل ہوسکتا ہے، حق تعالیٰ کی ذات پاک تو عقل و وہم کے احاطہ سے بھی بالاتر ہے، اس کا علم اس حاسہ بصر سے کیسے حاصل ہو

تو دل میں آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا ۔ بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے

حق تعالیٰ کی ذات و صفات غیر محدود ہیں، اور انسانی حواس اور عقل و خیال سب محدود چیزیں ہیں، ظاہر ہے کہ ایک غیر محدود کسی محدود چیز میں نہیں سما سکتا، اسی لیے دنیا کے عقلاء و فلاسفر جنہوں نے عقلی دلائل سے خالق کائنات کا پتہ لگانے اور اس کی ذات و صفات کے ادراک کے لیے اپنی عمریں بحث و تحقیق میں صرف کیں، اور صوفیائے کرام جنہوں نے کشف و شہود کے راستہ سے اس میدان کی سیاحت کی، سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ اس کی ذات و صفات کی حقیقت کو نہ کسی نے پایا نہ پاسکتا ہے، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

دور بینان بارگاہ الست ۔ غیر ازیں پی نہ بردہ اند کہ ہست

اور حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

چہ شبہا نشستم دریں سیرگم ۔ کہ حیرت گرفت آستینم کہ قم

رُویتِ باری تعالیٰ کا مسئلہ:

انسان کو حق تعالیٰ کی زیارت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں تمام علماء اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اس عالم دنیا میں حق تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ اور زیارت نہیں ہوسکتی، یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ درخواست کی کہ رَبِّ اَرِنِیْ "اے میرے پروردگار مجھے اپنی زیارت کرا دیجئے"۔ تو جواب میں ارشاد ہوا کہ لَنْ تَرَانِیْ "آپ ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے"۔ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب یہ جواب ملتا ہے تو پھر اور کسی جن و بشر کی کیا مجال ہے، البتہ آخرت میں مؤمنین کو حق تعالیٰ کی زیارت ہونا صحیح و قوی احادیث متواترہ سے ثابت ہے، اور خود قرآن کریم میں موجود ہے:

"قیامت کے روز بہت سے چہرے تر و تازہ ہشاش بشاش ہوں گے اور اپنے ربّ کی طرف دیکھ رہے ہوں گے"۔

البتہ کفار و منکرین اس روز بھی سزا کے طور پر حق تعالیٰ کی رویت سے مشرف نہ ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم کی ایک آیت میں ہے:

"یعنی کفار اس روز اپنے ربّ کی زیارت سے محجوب و محروم ہوں گے"۔

اور آخرت میں حق تعالیٰ کی زیارت مختلف مقامات پر ہوگی، عرصہ محشر میں بھی، اور جنت میں پہنچنے کے بعد بھی، اور اہل جنت کے لیے ساری نعمتوں سے بڑی نعمت حق تعالیٰ کی زیارت ہوگی۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے تو حق تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ جو نعمتیں جنت میں مل چکی ہوں ان سے زائد اور کچھ چاہئے تو بتلاؤ کہ ہم وہ بھی دیدیں، یہ لوگ عرض کریں گے، یا اللہ! آپ نے ہمیں دوزخ سے نجات دی، جنت میں داخل فرمایا، اس سے زیادہ ہم اور کیا چاہیں؟ اس وقت حجاب درمیان سے اٹھا دیا جائے گا، اور سب کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوگی، اور جنت کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت ہوگی، یہ حدیث صحیح مسلم میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

اور صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات چاند کی چاندنی میں تشریف فرما تھے، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مجمع تھا، آپ ﷺ نے چاند کی طرف نظر فرمائی اور پھر فرمایا کہ (آخرت میں) تم اپنے رب کو اسی طرح عیاناً دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔

ترمذی اور مسند احمد کی ایک حدیث میں بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو جنت میں خاص درجہ عطا فرمائیں گے، ان کو روزانہ صبح و شام حق تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں کسی کو حق تعالیٰ کی زیارت نہیں ہو سکتی، اور آخرت میں سب اہل جنت کو ہوگی، اور رسول کریم ﷺ کو جو شب معراج میں زیارت ہوئی وہ بھی درحقیقت عالم آخرت ہی کی زیارت ہے، جیسا شیخ محی الدین ابن عربی نے فرمایا کہ دنیا صرف اس جہان کا نام ہے جو آسمانوں کے اندر محصور ہے، آسمانوں سے اوپر آخرت کا مقام ہے، وہاں پہنچ کر جو زیارت ہوئی اس کو دنیا کی زیارت نہیں کہا جاسکتا۔

اب سوال یہ رہتا ہے کہ جب آیت قرآنی: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی رویت ہو ہی نہیں سکتی تو پھر قیامت میں کیسے ہوگی؟ اس کا جواب کھلا ہوا یہ ہے کہ آیت قرآنی کے یہ معنی نہیں کہ انسان کے لیے حق تعالیٰ کی رویت و زیارت ناممکن ہے، بلکہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ انسانی نگاہ اس کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتی، کیونکہ اس کی ذات غیر محدود اور انسان کی نظر محدود ہے۔

قیامت میں بھی جو زیارت ہوگی وہ اسی طرح ہوگی کہ نظر احاطہ نہیں کر سکے گی، اور دنیا میں انسان اور اس کی نظر میں اتنی قوت نہیں جو اس طرح کی رویت کو بھی برداشت کر سکے، اس لیے دنیا میں رویت مطلقاً نہیں ہو سکتی، اور آخرت میں قوت پیدا ہو جائے گی، تو رویت و زیارت ہو سکے گی، مگر نظر میں ذات حق کا احاطہ اس وقت بھی نہ ہو سکے گا۔

دوسری صفت حق تعالیٰ شانہ کی اس آیت میں یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کی نظر ساری کائنات پر محیط ہے، دنیا کا کوئی ذرہ اس کی نظر سے چھپا ہوا نہیں، یہ علم مطلق اور احاطہ علمی بھی حق تعالیٰ شانہ کی ہی خصوصیت ہے، اس کے سوا کسی مخلوق کو تمام اشیاء کائنات اور ذرہ ذرہ کا علم نہ کبھی حاصل ہوا نہ ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ مخصوص صفت ہے رب العزت جل شانہ کی۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ----

مشرکین کے معبودوں کو برا مت کہو:

ان آیات میں اوّل تو یہ فرمایا کہ جو لوگ غیر اللہ کو پکارتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں ان کے معبودوں کو برے

الفاظ میں یادمت کرو، چونکہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو اور انہیں تم سے دشمنی ہے اس لیے ضد میں آ کر اپنی جہالت سے اللہ پاک کو برے الفاظ سے یاد کریں گے، ضد وعناد والے کو یہ ہوش نہیں ہوتا کہ میری بات کہاں لگے گی، یوں تو مشرکین بھی اللہ تعالیٰ کو ماننے کا دعویٰ کرتے اور اس کے بارے میں خالق کائنات ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں لیکن جب ضد میں آئیں گے تو صرف یہ دیکھیں گے کہ مسلمانوں نے ہمارے معبودوں کو برا کہا ہے لہٰذا ہمیں بھی ان کے معبود کو برا کہنا چاہئے، یہ لوگ ضد اور عناد کے سبب حد ادب کے پھاند جائیں گے۔ اور اللہ وحدہٗ لاشریک کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کریں گے، چونکہ یہ حرکت بد ان کی تمہارے عمل کے جواب میں ہوگی۔ اس لیے ان کے معبودانِ باطلہ کو برے الفاظ میں یاد کر کے اس کا سبب نہ بنو کہ وہ لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہٗ وتقدس کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کریں۔

لباب النقول ص ۱۰۳ میں مصنف عبدالرزاق سے نقل کیا ہے کہ کافروں کے بتوں کو اہل ایمان برے الفاظ میں یاد کرتے تھے تو وہ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی شان میں نازیبا کلمات کہہ جاتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت (وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ) نازل فرمائی۔ حضرات علماء کرام نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جو کام خود کرنا جائز نہیں اس کا سبب بننا بھی جائز نہیں، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کبیرہ گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دے گا اور کسی کی ماں کو دے گا تو وہ اس کی ماں کو گالی دے گا (اس طرح سے وہ اپنے ماں باپ کو گالی دینے والا بن جائے گا) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۹ از بخاری ومسلم)

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ....

معجزوں کے طالب لوگ:

صرف مسلمانوں کو دھوکا دینے کیلئے اور اس لیے بھی کہ خود مسلمان شک شبہ میں پڑ جائیں کافر لوگ قسمیں کھا کھا کر بڑے زور سے کہتے تھے کہ ہمارے طلب کردہ معجزے ہمیں دکھا دیئے جائیں تو واللہ ہم بھی مسلمان ہو جائیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ہدایت فرماتا ہے کہ آپ کہہ دیں کہ معجزے میرے قبضے میں نہیں یہ اللہ کے ہاتھ میں ہیں وہ چاہے دکھائے چاہے نہ دکھائے ابن جریر میں ہے کہ مشرکین نے حضور ﷺ سے کہا کہ آپ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک پتھر پر لکڑی مارتے تھے تو اس سے بارہ چشمے نکلتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں میں جان ڈال دیتے تھے اور حضرت ثمود علیہ السلام نے اونٹنی کا معجزہ دکھایا تھا تو آپ بھی جو معجزہ ہم کہیں دکھا دیں واللہ ہم سب آپ کی نبوت کو مان لیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا کیا معجزہ دیکھنا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ آپ صفا پہاڑ کو ہمارے لیے سونے کا بنا دیں پھر تو قسم اللہ کی ہم سب آپ کو سچا جاننے لگیں گے۔ آپ ﷺ کو ان کے اس کلام سے کچھ امید بندھ گئی اور آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنی شروع کی وہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمانے لگے سنیے اگر آپ ﷺ چاہیں تو اللہ ابھی اس صفا پہاڑ کو سونے کا کر دے گا لیکن اگر یہ ایمان نہ لائے تو اللہ کا عذاب ان سب کو فنا کر دے گا ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے عذابوں کو روکے ہوئے ہے ممکن ہے ان میں نیک سمجھ والے بھی ہوں اور وہ ہدایت پر آ جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں اللہ تعالیٰ میں صفا کا سونا نہیں چاہتا بلکہ میں چاہتا ہوں کہ تو ان پر مہربانی فرما کر انہیں عذاب نہ کر اور ان میں سے جسے چاہے ہدایت نصیب فرما۔ اسی پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى كَمَا اقْتَرَحُوْا وَ حَشَرْنَا جَمَعْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ
قُبُلًا بِضَمَّتَيْنِ جَمْعُ قَبِيْلٍ اَيْ فَوْجًا فَوْجًا وَبِكَسْرِ الْقَافِ وَفَتْحِ الْبَاءِ اَيْ مُعَايَنَةً فَشَهِدُوْا بِصِدْقِكَ مَّا
كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا لِمَا سَبَقَ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ اِلَّآ لٰكِنْ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ اِيْمَانَهُمْ فَيُؤْمِنُوْنَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ذٰلِكَ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا كَمَا جَعَلْنَا هٰٓؤُلَاءِ اَعْدَائَكَ وَيُبْدَلُ مِنْهُ شَيٰطِيْنَ
مَرَدَةَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ يُوَسْوِسُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ مُمَوَّهَهُ مِنَ الْبَاطِلِ غُرُوْرًا
اَيْ لِيَغُرُّوْهُمْ وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ اَيِ الْاِيْحَاءَ الْمَذْكُوْرَ فَذَرْهُمْ دَعِ الْكُفَّارَ وَ مَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾
مِنَ الْكُفْرِ وَ غَيْرِهِ مِمَّا زُيِّنَ لَهُمْ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ وَ لِتَصْغٰٓى عَطْفٌ عَلٰى غُرُوْرٍ اَيْ تَمِيْلُ اِلَيْهِ
اَيِ الزُّخْرُفِ اَفْئِدَةُ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ لِيَرْضَوْهُ وَ لِيَقْتَرِفُوْا يَكْتَسِبُوْا مَا هُمْ
مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ مِنَ الذُّنُوْبِ فَيُعَاقَبُوْا عَلَيْهِ وَ نَزَلَ لَمَّا طَلَبُوْا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَهُ
بَيْنَهُمْ حَكَمًا اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ اَطْلُبُ حَكَمًا قَاضِيًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَّ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ
الْقُرْاٰنَ مُفَصَّلًا مُبَيَّنًا فِيْهِ الْحَقُّ مِنَ الْبَاطِلِ وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ التَّوْرٰةَ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ رضي الله عنه وَ
اَصْحَابِهِ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ مُنَزَّلٌ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾
الشَّاكِّيْنَ فِيْهِ وَالْمُرَادُ بِذٰلِكَ التَّقْرِيْرُ لِلْكُفَّارِ اَنَّهُ حَقٌّ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ بِالْاَحْكَامِ وَالْمَوَاعِيْدِ صِدْقًا
وَّ عَدْلًا تَمْيِيْزٌ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ بِنَقْصٍ اَوْ خُلْفٍ وَ هُوَ السَّمِيْعُ لِمَا يُقَالُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ بِمَا يُفْعَلُ وَ
اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اَيِ الْكُفَّارِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دِيْنِهِ اِنْ مَا يَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ
فِيْ مُجَادَلَتِهِمْ لَكَ فِيْ اَمْرِ الْمَيْتَةِ اِذْ قَالُوْا مَا قَتَلَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَاْكُلُوْهُ مِمَّا قَتَلْتُمْ وَ اِنْ مَا هُمْ اِلَّا
يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ يَكْذِبُوْنَ فِيْ ذٰلِكَ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ اَيْ عَالِمٌ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ
بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَيُجَازِيْ كُلًّا مِّنْهُمْ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اَيْ ذُبِحَ عَلَى اسْمِهِ اِنْ كُنْتُمْ
بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ مِنَ الذَّبَائِحِ وَ قَدْ فَصَّلَ بِالْبِنَاءِ

لِلْمَفْعُوْلِ وَلِلْفَاعِلِ فِي الْفِعْلَيْنِ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ فِيْ اٰيَةِ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ
اِلَيْهِ ۭ مِنْهُ فَهُوَ اَيْضًا حَلَالٌ لَكُمُ الْمَعْنٰى لَا مَانِعَ لَكُمْ مِنْ اَكْلِ مَا ذُكِرَ وَقَدْ بَيَّنَ لَكُمُ الْمُحَرَّمُ اَكْلُهُ وَهٰذَا
لَيْسَ مِنْهُ وَ اِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِفَتْحِ الْيَاءِ وَضَمِّهَا بِاَهْوَآئِهِمْ بِمَا تَهْوَاهُ اَنْفُسُهُمْ مِنْ تَحْلِيْلِ الْمَيْتَةِ
وَغَيْرِهَا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ يَعْتَمِدُوْنَهُ فِيْ ذٰلِكَ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ الْمُتَجَاوِزِيْنَ الْحَلَالَ
اِلَى الْحَرَامِ وَ ذَرُوْا اُتْرُكُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ۭ عَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ وَالْاِثْمُ قِيْلَ الزِّنَا وَقِيْلَ كُلُّ مَعْصِيَةٍ
اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ فِي الْاٰخِرَةِ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ يَكْتَسِبُوْنَ وَ لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا
لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ بِاَنْ مَاتَ اَوْ ذُبِحَ عَلَى اسْمِ غَيْرِهٖ وَاِلَّا فَمَا ذَبَحَهُ الْمُسْلِمُ وَلَمْ يُسَمِّ فِيْهِ عَمَدًا
اَوْ نِسْيَانًا فَهُوَ حَلَالٌ قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ وَ اِنَّهٗ اَيِ الْاَكْلُ مِنْهُ لَفِسْقٌ ۭ
خُرُوْجٌ عَمَّا يَحِلُّ وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ يُوَسْوِسُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ الْكُفَّارِ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ فِيْ
ع تَحْلِيْلِ الْمَيْتَةِ وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ فِيْهِ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

ترجمہ: وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ الآیۃ اور اگر ہم ان کے پاس فرشتوں کو بھیج دیں اور ان سے مُردے (زندہ ہو کر) باتیں کرنے لگیں (ان کی فرمائش کے مطابق) اور ہر چیز کو ان کے پاس گروہ گروہ جمع کر دیں (قُبُلًا ضمتین کے ساتھ قَبِیْلٌ کی جمع ہے۔ دوسری قراءت بکسر القاف ہے یعنی قاف کے کسرہ کے اور باء کے فتحہ کے ساتھ ہے یعنی آنکھوں کے سامنے، روبرو۔ آپ کی صداقت وسچائی کی شہادت دیں) تب بھی یہ معاندین ایمان لانے والے نہیں ہیں (چونکہ علم الٰہی میں پہلے ہی طے ہو چکا ہے) مگر (لیکن) یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی چاہے (یعنی اللہ ہی کو منظور ہو ان کا ایمان لانا تو یہ ایمان لا سکتے ہیں) لیکن اکثر ان میں سے ایسے ہیں کہ نہیں جانتے ہیں۔ اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن پیدا کر دیے تھے (جیسا کہ ان کافروں کو آپ کا دشمن بنایا ہے اور اس عَدُوًّا سے بدل ہو رہا ہے شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ) کچھ شیطان (سرکش انسان ہیں) جن میں سے بعض بعض کی طرف چکنی چپڑی (یعنی ایسی جھوٹی باتیں جو طمع کی ہوتی ہوں) کا القاء کرتے ہیں (وسوسہ ڈالتے ہیں) دھوکہ دینے کے لیے (تا کہ لوگوں کو دھوکہ میں ڈال دیں) وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ الآیۃ اور اگر آپ کا پروردگار چاہے تو ہ شیاطین یہ کام نہ کرتے (یعنی وسوسہ مذکور نہ ڈالتے) پس آپ ان (کافروں) کو چھوڑ دیجیے اور جو کچھ یہ کفار (دین کے ے میں) افتراء پردازی کر رہے ہیں (یعنی کفر وغیرہ جو ان کے لیے مزیّن کیے گئے ہیں۔ یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ۔ اور اس (دلفریب قول) کی طرف ان لوگوں کے قلوب مائل ہو جائیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ہیں تا کہ اس (جھوٹی

ملمع بات) کو پسند کرلیں تا کہ وہ کماتے رہیں جو کچھ کمارہے ہیں (یعنی گناہ کررہے ہیں وہ کرتے جائیں تا کہ اس پر سزا دیئے جائیں)۔ وَ نَزَلَ لَمَّا طَلَبُوْا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الخ جب کفارِ قریش نے نبی اکرم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ اپنے اوران کے درمیان اختلاف کا فیصلہ کرنے کے لیے کسی کو حکم مقرر کردیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ الآیۃ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور حکم کو ڈھونڈوں (تلاش کروں جو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والا ہو؟) حالانکہ وہ خداوند قدوس ہے جس نے تمہارے پاس ایک کامل کتاب (قرآن مجید) بھیج دی ہے درآنحالیکہ وہ مفصل ہے (یعنی جس میں حق کو باطل سے واضح کردیا ہے) اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب (تورات) دی ہے (جیسے عبداللہ بن سلام اوران کے رفقاء) وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ قرآن آپ کے ربّ کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کی ہوا ہے (منزل تخفیف اور تشدید کے ساتھ) فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں، کافروں کے لیے تقریر ہے کہ قرآنِ مجید حق ہے۔ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الآیۃ اور آپ کے پروردگار کا کلام (یعنی قرآن) سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے (یعنی احکام اور وعدہ وعید میں۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ اس کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں (کوئی نقصان یا خلاف ثابت کرکے) وَ هُوَ السَّمِيْعُ الآیۃ اور وہ خوب سن رہے ہیں (جو کچھ کہا جارہا ہے اور خوب جان رہے ہیں (جو کچھ کیا جارہا ہے) وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ الآیۃ اور اگر (بفرضِ محال) آپ اکثر اہل زمین (یعنی کفار) کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ (دین) سے گمراہ کردیں گے۔ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ الآیۃ (ان بمعنی ما نافیہ ہے) نہیں پیروی کرتے ہیں یہ لوگ مگر گمان اور خیال کی (یعنی مردار جانور کے بارہ میں آپ سے مجادلہ (کٹ دلیلی) کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو مارا ہے وہ تمہارے مارے ہوئے یعنی ذبح کیے ہوئے سے زیادہ کھانے کے لائق ہے) یہ لوگ صرف اپنے اندازہ وتخمینہ پر چلتے ہیں (یعنی اس سلسلے میں جھوٹ بولتے ہیں) اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ الآیۃ بالیقین آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے اس شخص کو جو اس کی راہ سے بھٹکتا ہے اور وہ (ہی) ان لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ پر چلتے ہیں (چنانچہ ان میں سے ہر ایک کو بدلہ دیں گے) فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الآیۃ پس تم اس میں سے کھاؤ جس پر (بوقت ذبح) اللہ کا نام لیا گیا ہو (یعنی جو اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہے اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو) وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا الآیۃ اور تم کو کیا ہوا کہ تم اس (ذبیحہ) میں سے نہ کھاؤ جس پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے (دوسری آیات میں جیسے حرمت علیکم المیتہ الآیۃ پ ۶ ع ۵) میں تمہارے لیے ان چیزوں کی تفصیل کردی ہے جو اس نے تم پر حرام کی ہیں۔ قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ میں دونوں فعل معروف اور مجہول دونوں طرح کی قراءت ہے) اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ مگر وہ بھی (ان محرمات میں سے) جس کی طرف تم (شدتِ بھوک کی وجہ سے) مجبور وہ لاچار ہو جاؤ (تو بقدر سدرمق تمہارے لیے کھانا حلال ہے)۔ حاصل یہ ہے کہ مذکورہ چیزوں کے کھانے میں یعنی جس پر بوقت ذبح بسم اللہ پڑھا گیا ہو کوئی رکاوٹ نہیں ہے جب کہ تمہارے واسطے بیان کردیا جس کا کھانا حرام ہے اور یہ بنام الٰہی ذبیحہ اس محرم میں سے نہیں ہے) وَ اِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ الآیۃ (یضلون

میں دوقراءت ہے یاء کے فتحہ کے ساتھ یاء کے ضمہ کے ساتھ اور بے شک بہتیرے لوگ (یعنی مشرکین) گمراہ کرتے ہیں اپنی خواہشوں سے (یعنی مردار وغیرہ کے حلال کرنے میں جوان کے نفس کو خواہش ہوتی ہے) بلاکسی سند کے (جو اس بارے میں قابل اعتماد ہو) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کا پروردگار حد سے نکل جانے والوں کو خوب جانتا ہے (جو حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرتے ہیں) وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ الخ اور تم چھوڑ دو (ترک کردو) ظاہری گناہ کو بھی اور باطنی گناہ کو بھی (علانیہ ہو یا پوشیدہ ہر قسم کے گناہ کو چھوڑ دو، اثم سے مراد بعض کے نزدیک زنا ہے اور عند البعض ہر گناہ) بلاشبہ جو لوگ گناہ کماتے ہیں وہ ضرور (آخرت میں) سزا پائیں گے جو کچھ وہ کر رہے ہیں (کما رہے ہیں)۔ وَ لَا تَاْكُلُوْا الآیۃ اور اس جانور میں سے مت کھاؤ جس پر (بوقت ذبح) اللہ کا نام نہیں لیا گیا ہے، (مثلاً خود مر گیا ہے یا غیر کے نام پر ذبح کیا گیا ہے) فَمَا ذَبَحَہٗ الخ۔ ورنہ تو جس حلال جانور کو مسلمان نے ذبح کیا اور اس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا یعنی بوقت ذبح بسم اللہ قصداً نہیں پڑھا یا بھولے سے رہ گیا تو وہ حلال ہے یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ (یعنی وَ اِنَّهٗ الآیۃ اور بے شک یہ کام) یعنی اس میں سے کھانا جس پر بوقت ذبح اللہ کا نام لیا گیا ہو) البتہ یہ بڑا گناہ ہے (حلال اور جائز سے خروج ہے، نافرمانی ہے) وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ الآیۃ اور بے شک شیاطین سکھاتے رہتے ہیں (وسوسے ڈالتے رہتے ہیں) اپنے دوستوں کو (یعنی کفار و مشرکین کو) تا کہ وہ تم سے جھگڑا کریں (مردار کو حلال کرنے میں) اور اگر تم اس کی اطاعت کرنے لگو (اس بارے میں) تو یقیناً تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: قُبُلًا: یہ کُلَّ سے حال ہے۔

قوله: وَيُبْدَلُ: اس میں فصل کی وجہ ذکر فرمائی۔

قوله: مَرَدَةً: کا لفظ بتا رہا ہے کہ ان کو سرکشی کی وجہ سے مجازاً شیطان کہا گیا ہے۔

قوله: يُوْحِيْ: کی تفسیر يُوَسْوِسُ سے کر کے بتلایا کہ شیاطین کے لیے وحی ممکن نہیں، ان کے لیے وساوس ہوتے ہیں۔

قوله: لِيَغُرُّوْهُمْ: وَ لِتَصْغٰى کا عطف غُرُوْرًا الخ پر ہے کیونکہ وہ اس کی علت ہے۔ لِيَغُرُّوْهُمْ پر مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے نہ کہ مفعول مطلق۔

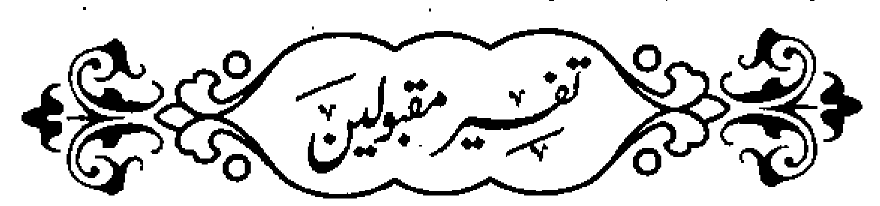
قوله: اَعْلَمُ: کی تفسیر عالم سے کر کے بتلایا تفضیل اپنے معنی میں نہیں ہے۔

قوله: قُلْ: اس کو مقدر اس لیے مانا تا کہ خبردار کیا جائے کہ یہ کلام لسانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وارد ہوا ہے۔

قوله: التَّقْرِيْرُ لِلْكُفَّارِ: اس سے آپ کو شک سے منع کرنا مراد نہیں کیونکہ آپ کو تو شک تھا ہی نہیں۔

قوله: تَمَّتْ: قرآن کے وعدے اور خبریں سچائی میں انتہاء کو پہنچنے والی ہیں اور احکام و قضایا نہایت عادلانہ ہیں۔

قوله: فِیْ اَمْرِ الْمَیْتَةِ: یعنی ظن سے مخصوص ظن مراد ہے۔
قوله: مَا: اس سے اشارہ ہے کہ ان نافیہ ہے، شرطیہ نہیں۔
قوله: ذُبِحَ عَلٰی اسْمِهٖ: یہ تخصیص شانِ نزول کے پیش نظر کی ہے کیونکہ نزاع میتہ میں تھا نہ کہ سب ماکولات میں۔
قوله: فَهُوَ اَیْضًا: حلال۔ اس کو مقدر مانا اس لیے یہ استثنا منقطع ہونے کی وجہ سے کلام مکمل ہونا چاہیے تھا۔
قوله: لَامَانِعَ لَکُمْ: یہ استفہام انکاری ہے۔



وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَیْهِمُ ....

معاندین کا مزید تذکرہ اور شیاطین کی شرارتیں:

ان آیات میں معاندین کا مزید عناد بیان فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ فرمائشی معجزے طلب کرنا حق قبول کرنے کے لیے نہیں محض باتیں بنانے اور بہانے تراشنے کے لیے ہے۔ اگر ہم ان پر فرشتے اتار دیں اور مردے ان سے باتیں کرلیں اور ہم ہر چیز ان کے سامنے لے آئیں یعنی غیب کی چیزیں ان کے سامنے ظاہر کردیں۔ مثلاً دوزخ دکھا دیں تب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ ایمان لانا مقصود نہیں ہے پھر بھی فرمائشیں کرتے ہیں جو سراپا جہالت ہے پھر فرمایا: (وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ (الآیۃ) اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے کہ یہ لوگ جو دشمنی میں لگے ہوئے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ آپ سے پہلے جو نبی آئے ہم نے ان کے لیے انسانوں میں اور جنات میں سے دشمن بنا دیئے تھے۔
یہ دشمن ایک دوسرے کو ایسی ایسی باتیں سمجھاتے ہیں جو بظاہر بہت اچھی معلوم ہوتی تھیں۔ جیسے کسی بدصورت چیز پر ملمع کر کے بظاہر خوبصورت بنا دی جائے یہ لوگ ایسی باتیں سامنے لاکر اپنے لوگوں کو دھوکہ دیتے تھے تاکہ ایمان قبول نہ کریں۔ جو حال انبیاءؑ سابقین کے دشمنوں کا تھا وہی ان لوگوں کا حال ہے جو آپ کی مخالفت کررہے ہیں۔ لہٰذا آپ غم نہ کیجیے ایسا ہوتا ہی رہا ہے۔
(وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ) (اگر آپ کا ربّ چاہتا تو یہ لوگ ایسا نہ کرتے) ان لوگوں کا وجود اور ان کی مخالفت حکمتوں پر مبنی ہے (فَذَرْهُمْ وَ مَا يَفْتَرُوْنَ) (سو جب اس میں اللہ کی حکمتیں ہیں تو آپ فکرمند نہ ہوں ان کو اور یہ جو کچھ افتراء کررہے ہیں اس کو چھوڑ دیے) یعنی اس غم میں نہ پڑیے کہ یہ لوگ مخالفت میں لگے ہوئے ہیں۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ ....

اللہ کی کتاب مفصل ہے اور اس کے کلمات کامل ہیں:

گذشتہ آیات میں یہ بیان ہوچکا کہ یہ کافر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور ایسے ضدی اور عنادی ہیں کہ جن معجزات کی وہ

خواہش رکھتے ہیں ان کے ظاہر ہونے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے اگر دل میں کچھ بھی قبول حق کا مادہ ہوتا تو پہلے ہی مرتبہ آیات بینات دیکھ کر ایمان لے آتے اس لیے کہ اوّل تو قرآن کریم آپ کا عظیم ترین معجزہ ہے اور آپ کی نبوت و رسالت کی روشن دلیل ہے اس کی طرف رجوع کر لینا کافی ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ گر دلیلے بایداز وے رومتاب

ایسی روشن دلیل کے بعد کسی اور فیصلہ کرنے والے کی طرف رجوع کرنا نادانی ہے اور دوم یہ کہ علماء اہل کتاب قرآن کریم کی حقانیت سے بخوبی واقف ہیں ایسی کافی اور شافی دلیل اور برہان کے بعد کسی فرمائشی معجزہ کی ضرورت نہیں لہٰذا جب آپ کی نبوت ثابت ہوگئی تو اے نبی کریم آپ ان مشرکین سے کہہ دیجیے کہ بھلا خدا سے بڑھ کر کس کی شہادت ہوسکتی ہے جس کی تم فرمائش کرتے ہو اور وہ شہادت خداوندی یہ قرآن کریم ہے اور دوسری شہادت علماء بنی اسرائیل کی شہادت ہے ان دو شہادتوں کے بعد آپ کو اہل ضلال و اہل جدال کی اتباع سے منع فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں کیا ان دلائل قاہرہ اور براہین باہرہ کے بعد میں تمہارے اور اپنے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے سوائے خدا کے کسی منصف اور فیصلہ کرنے والے کو ڈھونڈوں کفار آنحضرت سے یہ کہتے کہ تو ہمارے اور اپنے درمیان کوئی ثالث مقرر کر لے تاکہ وہ ہمارے اور تیرے درمیان فیصلہ کر دے کہ کون حق پر ہے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ سے بڑھ کر کون فیصل ہوسکتا ہے خدا تعالیٰ نے دعائے نبوت میں میرے حق میں فیصلہ کر دیا ہے اور اس نے میرے دعوائے نبوت پر بہت سے شواہد ظاہر کر دیے ہیں اب کسی اور فیصل کی کیا ضرورت رہی میری نبوت و رسالت کی سب سے بڑی دلیل یہ قرآن کریم ہے اور وہ فیصلہ کرنے والا وہ خداوند قدوس ہے جس نے تمہاری طرف یہ مفصل کتاب اتاری جس نے نیک اور بد اور حق اور باطل اور سعادت اور شقاوت کو کھول کر بیان کر دیا ہے اور ایک کو دوسرے سے جدا کر دیا ہے اور یہ کتاب عجیب و غریب حقائق و معارف اور احکام پر مع دلائل اور براہین کے مشتمل ہے اور شکوک و شبہات کے ازالہ میں کافی اور شافی ہے اس کتاب مفصل نے میرے اور تمہارے درمیان میں قطعی فیصلہ کر دیا کہ میں حق پر ہوں اور تم باطل پر، کتاب کے مفصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں حلال و حرام اور امر و نہی اور وعد و وعید سب کچھ مذکور ہے اور اس کا اعجاز لفظی اور معنوی سب کے سامنے ہے اور علاوہ ازیں اس کتاب کی ایک صفت یہ ہے کہ جن لوگوں کو ہم نے توریت و انجیل دی ہے یعنی علماء یہود و نصاریٰ وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی کتاب ہے جو حق کے ساتھ متلبس ہے یعنی علماء اہل کتاب خوب جانتے ہیں کہ یہ قرآن وہی آسمانی کتاب ہے جس کی کتب سابقہ میں بشارت دی گئی ہے پس جس کتاب کی یہ شان ہو تو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں جسے ایسی مفصل اور مکمل کتاب کی شہادت کے بعد کسی ثالث اور فیصل کے مقرر کرنے کی ضرورت نہیں اور علاوہ ازیں اس کتاب کی ایک صفت یہ ہے کہ تیرے پروردگار کی بات سچائی اور انصاف میں پوری ہے یعنی اس قرآن کی منزل من اللہ ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس کی تمام خبریں سچی ہیں اور اسکے تمام احکام عین عدل اور عین انصاف ہیں معلوم ہوا کہ یہ کتاب کدا کی اتاری ہوئی ہے اگر خدا کی طرف سے نہ ہوتی تو اس میں کوئی نقصان اور غلطی ضرور ہوتی قرآن مجید کے مضامین دو قسم کے ہیں ایک اخبار اور قصص اور دوم احکام یعنی اوامر و نواہی، صدق کا تعلق اخبار سے ہے قرآن کی سب خبریں سچی ہیں اور عدل کا تعلق احکام سے ہے یعنی قرآن کریم کے تمام احکام عین عدل اور عین انصاف ہیں کوئی حکم خلاف انصاف نہیں۔ یا یوں کہو

کہ عدل سے اعتدال مراد ہے کہ اس کے احکام غایت درجہ معتدل ہیں اور افراط اور تفریط سے پاک ہیں اور قرآن کریم کی ایک صفت یہ ہے کہ کوئی اس کی باتوں کو بدل نہیں سکتا یعنی قرآن کریم میں نہ تو تحریف وتبدیل راہ پاسکتی ہے اور کوئی اس کا وعدہ اور خبر غلط ہوسکتی ہے اور وہی سننے والا جاننے والا ہے ان مکذبین کی زخرف القول کو یعنی ان کی ملمع کاری کی باتوں کو سنتا ہے اور ان کے دلوں کے رازوں اور نیتوں کو جانتا ہے پس اے پیغمبر ان کلمات الہیہ کے ہوتے ہوئے جو صدق اور عدل کے اعتبار سے مکمل ہیں آپ کو کسی حکم اور ثالث کی ضرورت نہیں آپ اللہ تعالیٰ کی وحی کا اتباع کیجیے اور ان نادانوں کے کہنے سننے کی پروانہ کیجیے اور اگر بالفرض والتقدیر آپ اکثر اہل زمین کا کہنا ماننے لگیں اور ان کے کہنے پر چلنے لگیں تو یہ خود بھی گمراہ ہیں اور آپ کو بھی اللہ کے راستہ سے گمراہ کردیں گے اس لیے کہ ان کو حقیقۃ الامر کا علم نہیں۔ (معارف القرآن مولانا ادریس کاندھلوی)

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ...

حلال ذبیحہ کھاؤ، اور حرام جانوروں کے کھانے سے پرہیز کرو:

درمنثور ج ۳ ص ۴۱ میں ان آیات کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہودی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے بطور اعتراض یوں کہا کہ جس جانور کو ہم قتل کردیں (یعنی ذبح کردیں) اسے تو آپ کھالیتے ہیں اور جس جانور کو اللہ تعالیٰ قتل کردے (یعنی اسے موت دیدے اور وہ بغیر ذبح کے مرجائے) آپ اس کو نہیں کھاتے۔

ایک روایت یوں بھی ہے جسے ابن کثیر نے ج ۲ ص ۱۶۹ میں نقل کیا ہے کہ فارس کے لوگوں نے قریش مکہ کو آدمی بھیج کر یہ سمجھایا کہ تم محمد ﷺ سے یوں بحث کرو کہ آپ اپنے ہاتھ میں چھری لے کر جس جانور کو ذبح کرتے ہیں وہ تو آپ کے نزدیک حلال ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ سونے کی چھری سے ذبح کرتے ہیں وہ آپ کے نزدیک حرام ہے۔

امام ترمذی نے تفسیر سورۃ الانعام میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوال کیا کہ یارسول اللہ! ہم جسے خود قتل کرتے ہیں اسے کھالیتے ہیں اور جسے اللہ قتل کرتا ہے اسے نہیں کھاتے (یہ انہوں نے بطور اعتراض کے کہا) اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: (فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِن كُنتُم بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ) نازل فرمائی۔ (قال الترمذی ہذا حدیث حسن غریب)

پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ یہ اعتراض یہود نے کیا تھا اور دوسری روایت سے معلوم ہوا ہے کہ اہل فارس کے سمجھانے اور بجھانے پر قریش مکہ نے کہا تھا۔ مفسر ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہودیوں سے اس اعتراض کا صادر ہونا بعید ہے کیونکہ وہ خود میتہ یعنی غیر ذبیحہ کو نہیں کھاتے تھے لیکن اس بات کی وجہ سے روایت کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ معترض اندھا تو ہوتا ہی ہے جسے اعتراض کرنا ہو وہ کہاں سوچتا ہے کہ یہ بات مجھ پر بھی آسکتی ہے۔ اعتراض کرنے والے جاہلوں نے صرف موت کو دیکھ لیا اور ذبیحہ اور غیر ذبیحہ کے درمیان جو فرق ہے اس کو نہیں دیکھا لہٰذا اعتراض کر بیٹھے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہر جانور کے کھانے کی اجازت نہیں دی۔ قرآن مجید میں اجمالاً ارشاد فرمایا کہ پاکیزہ جانور حلال ہیں اور خبیث جانور حرام ہیں۔

سورۂ اعراف میں ارشاد ہے: (يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ) کہ رسول اللہ ﷺ پاکیزہ چیزوں کو

حلال اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں۔ نیز بَهِيْمَةُ الْأَنْعَامِ کے کھانے کی اجازت دیدی سوائے ان جانوروں کے جن کا استثناء فرمادیا (أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ) اور مزید تفسیر کا بیان رسول اللہ ﷺ کی طرف سپرد فرمادیا۔ آپ نے حلال اور حرام جانوروں کی تفسیر بتادی لیکن جن جانوروں کو حلال قرار دیا ہے ان کے حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ ان کو ذبح کر دیا جائے۔

ذبح کا مطلب یہ ہے کہ گلے کی رگیں کاٹ دی جائیں جن سے جانور سانس لیتا ہے اور کھاتا پیتا ہے اور جن میں خون گزرتا ہے۔ ذبح کرنے سے بھی کسی جانور کا کھانا اس وقت حلال ہوگا جبکہ ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھی گئی ہو۔ (یعنی اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو)۔ ذبح کرنے والا جو اللہ کا نام لے کر ذبح کرے مسلمان یا کتابی یعنی یہودی یا نصرانی ہو۔ ان کے علاوہ اور کسی کا ذبیحہ حلال نہیں۔ ذبح کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ جانور کے اندر جو خون ہے وہ رگیں کٹنے سے نکل جاتا ہے خون کا کھانا پینا حرام ہے۔ جب خون نکلتا ہے تو اب گوشت بغیر خون کے رہ گیا لہٰذا ذبیحہ کا کھانا حلال ہو گیا۔

اعتراض کرنے والے نے فرق کو تو دیکھا نہیں اور اس بات کو سمجھا نہیں کہ ذبح کرنے میں کیا حکمت ہے اور ذبح کرنے سے جانور کیوں حلال ہوتا ہے اور اپنی موت مرجانے سے کیوں حرام ہوتا ہے یہ خون نکلنے والی بات ان کو سمجھ میں نہ آئی جو ذبیحہ اور غیر ذبیحہ میں فرق کرنے والی چیز ہے۔

اگر کوئی مسلم یا کتابی کسی جانور کو لاٹھی مار مار کر ہلاک کر دے۔ اگرچہ بسم اللہ پڑھ لے تو وہ جانور حلال نہ ہوگا۔ کیونکہ لاٹھیوں سے مارنے سے خون نہیں نکلا جو گلے کی رگوں سے نکل جاتا ہے ایسے جانور کا نام "موقوذہ" ہے جس کا ذکر سورۂ مائدہ کے شروع میں گزر چکا۔

جب معترضین نے اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیات بالا نازل فرمائیں اور مسلمانوں کو خطاب فرمایا کہ جب حلال جانور پر اللہ کا نام لیا گیا یعنی اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا اسے کھاؤ۔ اور جس جانور پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا گیا اسے مت کھاؤ، دشمنوں کی باتوں میں نہ آؤ اور ان کے اعتراض کو کوئی وزن نہ دو اللہ نے تمہیں حلال کی تفصیل بتادی، اللہ کے حلال کیے ہوئے جانور کو نہ کھانا اور دشمنوں کی باتوں میں آجانا اہل ایمان کی شان کے خلاف ہے۔ (انوار البیان)

وَنَزَلَ فِيْ أَبِيْ جَهْلٍ وَغَيْرِهِ أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنٰهُ بِالْهُدٰى وَجَعَلْنَا لَهُ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهِ فِي النَّاسِ يَتَبَصَّرُ بِهِ الْحَقَّ مِنْ غَيْرِهِ وَهُوَ الْإِيْمَانُ كَمَنْ مَّثَلُهُ مَثَلُ زَائِدٌ أَيْ كَمَنْ هُوَ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۚ وَهُوَ الْكَافِرُ لَا كَذٰلِكَ كَمَا زُيِّنَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ الْإِيْمَانُ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ مِنَ الْكُفْرِ وَالْمَعَاصِيْ وَكَذٰلِكَ كَمَا جَعَلْنَا فُسَّاقَ مَكَّةَ أَكَابِرَهَا جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ أَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۚ بِالصَّدِّ عَنِ الْإِيْمَانِ وَمَا يَمْكُرُوْنَ إِلَّا بِأَنْفُسِهِمْ لِأَنَّ وَبَالَهُ عَلَيْهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

بِذٰلِكَ وَإِذَا جَآءَتْهُمْ اَیْ اَھْلَ مَکَّۃَ اٰیَۃٌ عَلٰی صِدْقِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِہٖ
حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰہِ مِنَ الرِّسَالَۃِ وَیُوْحٰی اِلَیْنَا لِاَنَّا اَکْثَرُ مَالًا وَّ اَکْبَرُ سِنًّا قَالَ تَعَالٰی
اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ بِالْجَمْعِ وَالْاِفْرَادِ وَحَیْثُ مَفْعُوْلٌ بِہٖ لِفِعْلٍ دَلَّ عَلَیْہِ اَعْلَمُ اَیْ یَعْلَمُ
الْمَوْضِعَ الصَّالِحَ لِوَضْعِھَا فِیْہِ فَیَضَعُھَا وَھٰٓؤُلَاءِ لَیْسُوْا اَھْلًا لَّھَا سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا بِقَوْلِھِمْ ذٰلِكَ
صَغَارٌ ذُلٌّ عِنْدَ اللّٰہِ وَ عَذَابٌ شَدِیْدٌ بِمَا کَانُوْا یَمْکُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَیْ بِسَبَبِ مَکْرِھِمْ فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ
یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ بِاَنْ یَّقْذِفَ فِیْ قَلْبِہٖ نُوْرًا فَیَنْفَسِحُ لَہٗ وَیَقْبَلُہٗ کَمَا وَرَدَ فِیْ حَدِیْثٍ وَ
مَنْ یُّرِدْ اللّٰہُ اَنْ یُّضِلَّہٗ یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا بِالتَّخْفِیْفِ وَالتَّشْدِیْدِ عَنْ قُبُوْلِہٖ حَرَجًا شَدِیْدُ الضِّیْقِ
بِکَسْرِ الرَّاءِ صِفَۃٌ وَفَتْحِھَا مَصْدَرٌ وُصِفَ بِہٖ مُبَالَغَۃً کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ وَفِیْ قِرَاءَۃٍ یَصَّاعَدُ وَفِیْھِمَا اِدْغَامُ التَّاءِ
فِی الْاَصْلِ فِی الصَّادِ وَ فِیْ اُخْرٰی بِسُکُوْنِھَا فِی السَّمَآءِ اِذَا کُلِّفَ الْاِیْمَانَ لِشِدَّتِہٖ عَلَیْہِ کَذٰلِكَ
الْجَعْلُ یَجْعَلُ اللّٰہُ الرِّجْسَ الْعَذَابَ اَوِ الشَّیْطَانَ اَیْ یُسَلِّطُہٗ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَھٰذَا الَّذِیْ
اَنْتَ عَلَیْہِ یَا مُحَمَّدُ صِرَاطُ طَرِیْقُ رَبِّكَ مُسْتَقِیْمًا لَا عِوَجَ فِیْہِ وَنَصْبُہٗ عَلَی الْحَالِ الْمُؤَکَّدَۃِ لِلْجُمْلَۃِ
وَالْعَامِلُ فِیْھَا مَعْنَی الْاِشَارَۃِ قَدْ فَصَّلْنَا بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّذَّکَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ فِیْہِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِی الْاَصْلِ فِی
الذَّالِ اَیْ یَتَّعِظُوْنَ وَخُصُّوْا بِالذِّکْرِ لِاَنَّھُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِھَا لَھُمْ دَارُ السَّلٰمِ اَیِ السَّلَامَۃِ وَھِیَ الْجَنَّۃُ
عِنْدَ رَبِّھِمْ وَھُوَ وَلِیُّھُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَ اذْکُرْ یَوْمَ یَحْشُرُھُمْ بِالنُّوْنِ وَالْیَاءِ اَیِ اللّٰہُ الْخَلْقَ
جَمِیْعًا وَیُقَالُ لَھُمْ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَکْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ بِاِغْوَائِکُمْ وَقَالَ اَوْلِیٰٓؤُھُمُ الَّذِیْ
اَطَاعُوْھُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ اِنْتَفَعَ الْاِنْسُ بِتَزْیِیْنِ الْجِنِّ لَھُمُ الشَّھَوٰتِ وَالْجِنُّ
بِطَاعَۃِ الْاِنْسِ لَھُمْ وَّ بَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا وَھُوَ یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ وَھٰذَا تَحَسُّرٌ مِّنْھُمْ قَالَ تَعَالٰی
لَھُمْ عَلٰی لِسَانِ الْمَلٰٓئِکَۃِ النَّارُ مَثْوٰکُمْ مَاْوٰکُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الْاَوْقَاتِ الَّتِیْ
یَخْرُجُوْنَ فِیْھَا لِشُرْبِ الْحَمِیْمِ فَاِنَّھَا خَارِجَھَا کَمَا قَالَ تَعَالٰی ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَھُمْ لَاِلَی الْجَحِیْمِ وَعَنِ ابْنِ

عَبَّاسٍ اَنَّهٗ فِیْ مَنْ عَلِمَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنَّهُمْ یُؤْمِنُوْنَ فَمَا بِمَعْنٰی مَنْ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ فِیْ صُنْعِهٖ

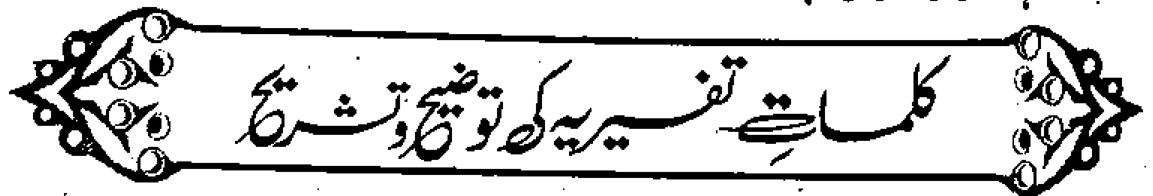
عَلِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾ بِخَلْقِهٖ وَ كَذٰلِكَ كَمَا مَتَّعْنَا عُصَاةَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ نُوَلِّیْ مِنَ الْوِلَایَةِ بَعْضَ

ع ۱۵ ۸ ۲ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا اَیْ عَلٰی بَعْضٍ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ مِنَ الْمَعَاصِیْ

ترجمہ: وَنَزَلَ فِیْ اَبِیْ جَهْلٍ وَغَیْرِهٖ الخ اور یہ آیت آئندہ اَوَمَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ ابوجہل وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے) کیا وہ شخص جو (کفر کی وجہ سے) مردہ تھا پھر ہم نے اس کو (ہدایت دے کر) زندہ کیا اور ہم نے اس کو ایک ایسی روشنی دی جس کو وہ (ہر وقت) اپنے ساتھ لیے ہوئے لوگوں میں چلتا پھرتا ہے (وہ نور اور روشنی ایمان ہے جس سے وہ حق اور ناحق دیکھ لیتا ہے) كَمَنْ مَّثَلُهٗ (مثل زائد ہے اَیْ كَمَنْ هُوَ فِی الظُّلُمٰتِ الآیۃ) کیا اس شخص کے مانند (برابر) ہوسکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ (گمراہی کی) تاریکیوں میں (گھرا ہوا) ہے کہ جن سے وہ باہر نہیں نکل سکتا (مراد کافر ہے، یعنی دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔ كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلْكٰفِرِیْنَ الآیۃ اسی طرح (جیسے مسلمانوں کے لیے ایمان کو خوشنما اور دل پسند بنادیا گیا ہے) کافروں کے لیے دل پسند بنادیئے گئے ہیں وہ اعمال جو وہ کرتے ہیں (یعنی کفر و معاصی) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا الآیۃ اور اسی طرح) جس طرح ہم نے مکہ کے اکابر یعنی رئیسوں کو فاسق و مجرم بنایا ہے) ہم نے ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں کو ہی جرائم کا مرتکب بنایا تاکہ وہ لوگ وہاں فریب و فساد پھیلائیں (ایمان سے روک کر) اور وہ (درحقیقت) اپنی ہی جانوں سے فریب کر رہے ہیں (کیونکہ ان کے فریب کا وبال ان ہی پر پڑے گا اور وہ (اس کا) شعور نہیں رکھتے) وَاِذَا جَآءَتْهُمْ الآیۃ اور جب ان (یعنی اہل مکہ) کے پاس (نبی اکرم ﷺ کی صداقت پر) کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ان (نبی ﷺ) پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہمیں بھی ایسی چیز دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے (یعنی رسالت اور وحی سے ہمیں بھی سرفراز کیا جائے کیونکہ ہم مالدار بھی زیادہ ہیں اور عمر میں بھی بڑے ہیں اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا) اَللّٰهُ اَعْلَمُ الآیۃ اللہ خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنی رسالت کو رکھتا ہے (ایک قراءت جمع کے ساتھ رسالاتہ ہے لیکن حفصؒ کی قراءت بصیغہ مفرد رسالتہ ہے اور لفظ حیث ایسے فعل کا مفعول ہے جس پر اعلم اسم تفضیل دلالت کرتا ہے۔ اَیْ یَعْلَمُ الْمَوْضِعَ الصَّالِحَ یعنی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اس مقام اور محل کو جو رسالت کے لائق ہے اس لیے رسالت وہیں رکھتے ہیں یہ مکار اور سرکش لوگ اس نعمت کے اہل نہیں ہیں)۔ سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا الآیۃ عنقریب ان لوگوں کو جنہوں نے یہ جرم کیا ہے (ان کے اس قولِ باطل کی وجہ سے اللہ کے پاس ذلت (حقارت) پہنچے گی اور سخت عذاب ہوگا بدلہ میں ان شرارتوں کے جو یہ کیا کرتے تھے (یعنی ان کے مکر و شرارت کی وجہ سے۔ فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ الآیۃ پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے (اس طرح پر کہ اللہ تعالیٰ اس کے قلب میں ایک نور ڈال دیتے ہیں جس کی وجہ سے اس کا دل کشادہ ہوجاتا ہے اور ایمان کو قبول کر لیتا ہے جیسا کہ

حدیث میں آیا ہے) اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرنا چاہتے ہیں اس کے سینہ (یعنی قلب) کو بہت تنگ کر دیتے ہیں (قبولِ اسلام سے، لفظ ضیق تخفیف وتشدید کے ساتھ۔ حَرَجًا شَدِيْدُ الضِّيْقِ نہایت تنگ راء کے کسرہ کے ساتھ صفت مشبہ کا صیغہ ہے اور راء کے فتحہ کے ساتھ مصدر ہے مبالغہ کے لیے حرج سے صفت لایا ہے یعنی بہت تنگ کر دیتے ہیں) جیسے کوئی آسمان پر چڑھ رہا ہے جبکہ اس کو ایمان لانے کا کہا جائے، ایما کے اس پر مشکل ہونے کی وجہ سے) يَصَّعَّدُ اور ایک قراءت میں يَصَّاعَدُ ہے ہے ان دونوں صورتوں میں بتشدید الصاد ہے جو دراصل یتصعد اور یتصاعد تھا تاء کو صاد کر کے صاد میں ادغام کر دیا اور ایک دوسری قراءت میں صاد کے سکون کے ساتھ ہے۔ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الآیۃ اسی طرح (یعنی اسی کارروائی کی طرح ڈال دیتا ہے پھٹکار (عذاب یا شیطان مسلط کر دیتا ہے) ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے ہیں۔ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا اور یہ راستہ (جس پر اے محمد! آپ چل رہے ہیں یعنی دین اسلام) آپ کے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے (جس میں کوئی کجی نہیں ہے اور مُسْتَقِيْمًا چونکہ جملہ هٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ سے حال ہو رہا ہے اس لیے منصوب ہے اور عامل اس میں معنی اشارہ ہے۔ قَدْ فَصَّلْنَا الآیۃ بلاشبہ ہم نے نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے آیات کو صاف صاف بیان کر دیا ہے (واضح کر دیا ہے، لفظ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ اصل میں یتذکرون تھا تاء کو ذال سے بدل کر ذال میں ادغام کر دیا ہے بمعنی يَتَّعِظُوْنَ، یعنی جو لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں۔ ذکر میں ان لوگوں کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ یہی لوگ ان آیات سے نفع حاصل کرنے والے ہیں) لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ الآیۃ ان ہی (نصیحت قبول کرنے والے) لوگوں کے لیے ان کے پروردگار کے پاس دارالسلام (یعنی سلامتی کی گھر) ہے (اور وہ جنت ہے) اور وہ (پروردگار) ان کے اعمال (حسنہ) کی وجہ سے ان کا مددگار ہے۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ الآیۃ اور (یاد کرو) جس روز ہم جمع کریں گے (نون کی قراءت کے ساتھ اور حفص کی قراءت یاء کے ساتھ ہے یعنی جس روز اللہ تعالیٰ (سب) مخلوق کو جمع کریں گے اور ان سے کہا جائے گا اے گروہِ جنات! تم نے انسانوں کے گمراہ کرنے میں بڑا حصہ لیا۔ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ الآیۃ اور انسانوں میں سے جو ان کے دوست تھے (جنہوں نے ان شیاطین کی اطاعت کی تھی (وہ اقراراً کہیں گے (مطلب یہ ہے کہ شیاطین الجن کی طرح انسانوں سے پوچھا جائے گا: الم اعهد اليكم يبني ادم ان لا تعبدوا الشيطن الآیۃ تب وہ اقراراً کہیں گے بے شک ہم قصوروار ہیں) ہم میں ایک نے دوسرے سے فائدہ حاصل کیا تھا (انسانوں نے جنات سے یہ فائدہ اٹھایا کہ جنوں نے ان کے لیے شہوات یعنی مشتہیات ومرغوبات کو خوشنما اور دل پسند بنا دیا اور جنوں نے یہ فائدہ اٹھایا کہ انسانوں نے ان کی اطاعت کی، اتباع کی) اور (اسی طرح ہم دنیا میں مست اور سرشار رہے یہاں تک کہ) ہم اس معین معیاد کو پہنچ گئے جو آپ نے ہمارے لیے مقرر کی تھی (مراد قیامت کا دن ہے اور یہ کلام ان کا بطور حسرت ہوگا) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے (ان کفار جن وانس سے فرشتوں کی زبانی) تم سب کا ٹھکانہ (پناہ گاہ) دوزخ ہے اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے مگر یہ کہ خدا ہی کو (نکالنا) منظور ہو (یعنی یہ لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ الا ماشاء اللہ بجز ان اوقات کے جن میں اللہ تعالیٰ ہی نکالنا چاہیں یعنی بجز اُن اوقات کے جن میں ماء حمیم گرم پانی پینے کے لیے نکالے جائیں گے کیونکہ حمیم اس سے باہر ہے جیسا کہ

ارشادِ خداوندی ہے: ثم ان مرجعهم لا الی الجحیم (پ ۲۳ ع ۶) یعنی پھر انہیں حمیم پینے کے بعد لوٹ کر جہنم جانا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ان لوگوں کے بارے میں ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ یہ لوگ ایمان لائیں گے پس اس صورت میں مَا بمعنی مَن ہوگا) بلاشبہ آپ کا پروردگار بڑی حکمت والا ہے (اپنے کام میں) خوب جاننے والا ہے (اپنی مخلوق کو) وَ كَذٰلِكَ نُوَلِّيْ الآیۃ اور جیسا کہ ہم نے جن وانس میں سے بعض گنہگاروں کو بعض سے فائدہ دیا) اسی طرح (دوزخ میں) بعض ظالموں کو بعض ظالموں کے ساتھ ملا دیں گے (لفظ نُوَلِّيْ ولایت سے ماخوذ ہے) ان کی کمائی کی وجہ سے (یعنی نافرمانیوں کی وجہ سے جو وہ کرتے تھے)۔



قوله: مَثَلٌ: کو زائد کہہ کر تکرار کی نفی کی۔

قوله: قَالَ تَعَالٰى: اَللّٰهُ اَعْلَمُ کا قول اللہ تعالیٰ کی طرف استیناف ہے جو ان کی تردید کے لیے لایا گیا ہے۔

قوله: اَعْلَمُ : اَعْلَمُ کو یہاں عالم کے معنی میں لایا گیا جیسا کہ ھو اعلم من یضل میں ہے۔اس سے اشارہ کیا کہ ہر دو وجہ جائز ہیں۔

قوله: مَكْرِهِمْ: اس سے اشارہ ہے کہ باسببیہ ہے اور ما مصدریہ ہے، موصولہ نہیں۔

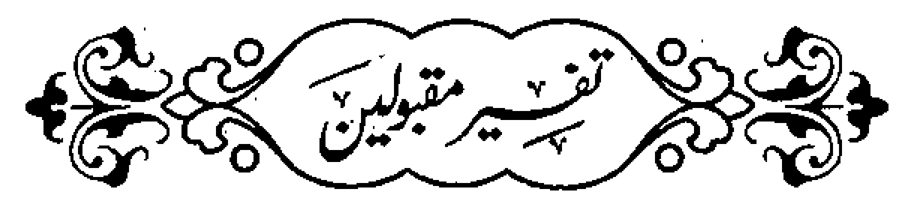
قوله: الْجَعْلُ: کاف محل نصب میں مفعول مطلق ہے۔

قوله: بِاِغْوَائِكُمْ: اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ کا مطلب بہت سے لوگوں کو ان میں سے گمراہ کرنا ہے۔اور تم نے ان کو اپنا مطیع کر لیا۔

قوله: وَهٰذَا تَحَسُّرٌ مِنْهُمْ: گویا یہ کلام ان کی طرف سے بطورِ حسرت ہے۔

قوله: شُرْبِ الْحَمِيْمِ: اس کو لانے کا مقصد اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ کے استثناء کو درست کرنا ہے۔

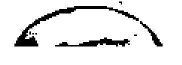
قوله: مِنَ الْوِلَايَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ تسلط کرنے کے معنی میں ہے۔ نُوَلِّيْ بمعنی قرب نہیں۔



اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ ....

مومن زندہ ہے اس کے لیے نور ہے اور کافر اندھیریوں میں گھرا ہوا ہے:

علامہ بغوی معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۲۸ میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت دو خاص آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ پھر ان



دو آدمیوں کے تعین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ (وَجَعَلْنَا لَهُ نُوْرًا) سے حضرت حمزہ بن عبد المطلب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا) مراد ہیں، اور (مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمٰتِ) سے ابو جہل مراد ہے۔ واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ ابو جہل نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گھوڑے کی لید پھینک دی تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس کا پتہ چلا جو شکار کر کے ہاتھ میں کمان لیے ہوئے آ رہے تھے اور ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ابو جہل کی حرکت کا علم ہوا تو غصہ میں بپھر گئے اور ابو جہل کے پاس آ کر اس کے سر پر کمان ماری وہ عاجزی کرنے لگا اور کہنے لگا کہ تم دیکھتے نہیں ہو کہ یہ کیسا دین لے کر آئے ہمیں بے وقوف بناتے ہیں اور ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں اور ہمارے باپ دادوں کے مخالف ہیں۔ اس پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم سے بڑھ کر بے وقوف کون ہوگا تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے ہو۔ پھر انہوں نے اسی وقت: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ اس پر آیت کریمہ (اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ) نازل ہوئی۔ سبب نزول جو بھی ہو۔ آیت کا عموم ہر کافر اور ہر مومن کو شامل ہے۔

جو لوگ پہلے کافر تھے وہ کفر کی وجہ سے مردہ تھے۔ جس نے اسلام قبول کر لیا وہ زندوں میں شمار ہو گیا اور اسے نور ایمان مل گیا۔ وہ اسی نور ایمان کو لے کر لوگوں میں پھرتا ہے اور یہ نور ایمان اسے خیر کا راستہ بتاتا ہے اور اعمال صالحہ کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا جو مردہ تھا اسے ہم نے زندہ کر دیا ایمان کا نور دیدیا وہ اس جیسا کہاں ہو سکتا ہے جو اندھیریوں میں ہے۔ برابر انہیں میں گھرا ہوا ہے وہاں سے نکلنے والا نہیں۔

پھر فرمایا: (كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ) جس طرح اہل ایمان کے لیے ایمان مزین کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح کافروں کے لیے ان کے اعمال کفریہ مزین کر دیئے گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے اور وہ اپنی حرکت بد کو اچھا سمجھ رہے ہیں۔ (انوار البیان)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ ....

ہر بستی میں وہاں کے بڑے مجرم ہوتے ہیں:

اس کے بعد فرمایا: (وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا) (اور اس طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے بڑوں کو مجرم بنا دیا) مطلب یہ ہے کہ جیسے اہل مکہ میں دنیاوی اعتبار سے بڑے لوگ مجرم بنے ہوئے ہیں اسی طرح ہم نے ہر بستی میں آپ سے پہلے ایسے لوگ مقرر کیے جو ان لوگوں کے سردار تھے اور گناہوں میں پیش پیش تھے۔

(لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا) تاکہ یہ لوگ مکر کریں یعنی اللہ کی ہدایت نہ پھیلنے دیں اور اس کے خلاف شرارتیں کریں۔ (وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ) (اور ان کا مکر ان کی جانوں ہی کے ساتھ ہے اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔ اسلام کے خلاف شرارتیں کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ اس کا وبال انہیں پر پڑتا ہے۔

صاحب معالم التنزیل (لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا) کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اہل مکہ نے مکہ کے اطراف و جوانب میں ہر راستہ پر چار چار آدمی بٹھا دیئے تھے۔ تاکہ وہ لوگوں کو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے روکتے رہیں۔ جو شخص باہر سے آتا

اور مکہ میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ اس سے یہ لوگ کہتے تھے کہ دیکھنا اس شخص سے بچ کر رہنا کیونکہ وہ جادوگر ہے جھوٹا ہے۔
درحقیقت ہر بستی اور علاقہ کے رئیس اور چودھری اور اہل اقتدار اور اہل مال ہی عوام الناس کو ہدایت پر نہیں آنے دیتے۔ نہ خود ہدایت قبول کرتے ہیں نہ اپنے عوام کو حق قبول کرنے دیتے ہیں۔ جیسا کہ پورے عالم میں اس کا ظاہرہ ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ۚ ....

قیامت کے دن جنات سے اور انسانوں سے سوال:

اس کے بعد قیامت کے دن جو سوالات ہوں گے ان میں سے ایک سوال کا ذکر فرمایا: (وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا) کہ جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو یعنی جنات اور انسانوں کو محشر میں جمع فرمائے گا اور جنات سے اللہ تعالیٰ کا یوں خطاب ہوگا۔ (يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ) کہ اے جنات کے گروہ تم نے کثیر تعداد میں انسانوں کو اپنے تابع کر لیا۔ جنات سے شیاطین مراد ہیں۔

جب ابلیس مردود ہوا تھا اس نے کہا تھا: (لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا) (کہ میں تیرے بندوں میں سے حصہ مقرر بنا لوں گا) اور یہ بھی کہا تھا۔ (لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ) (کہ میں ان کے لیے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا۔ پھر ان کے سامنے سے اور پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے آؤں گا اور آپ ان میں سے اکثر کو شکرگزار نہ پائیں گے۔)

ابلیس نے جو کہا تھا وہ برابر اپنی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ اس کی ذریت بھی اس کی کوششوں میں اس کی معاون و مددگار ہے۔ اور انسانوں کی غفلت کی وجہ سے شیاطین اپنی محنت میں کامیاب ہیں انہوں نے اکثر انسانوں کو اپنا بنا لیا ہے اور صراط مستقیم سے ہٹ کر گمراہ کر دیا شیاطین جن سے اللہ جل شانہٗ فرمائیں گے کہ انسانوں میں سے کثیر تعداد کو تم نے اپنا بنا لیا ہے اور ان کو صراط مستقیم سے ہٹا دیا۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ کا یہ خطاب توبیخ کے طور پر ہوگا یعنی بطور ڈانٹ ڈپٹ ان سے یہ خطاب ہوگا۔

انسانوں کا جواب اور اقرار جرم:

(وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا) (اور شیاطین کے دوست جو انسانوں میں سے تھے جنہوں نے ان کا اتباع کیا تھا یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم میں بعض سے بعض نے انتفاع کیا) یعنی انسان جنات سے اور جنات انسانوں سے منتفع ہوئے۔

صاحب روح المعانی نے حضرت حسن اور ابن جریج وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ انسانوں کا جنات سے نفع حاصل کرنا یوں تھا کہ جب ان میں سے کوئی شخص سفر پر جاتا اور جنات کا خوف ہوتا تو جس منزل پر اترنا ہوتا تو یوں کہتے کہ: اَعُوْذُ بِسَيِّدِ هٰذَا الوادي (کہ میں اس وادی کے سردار کی پناہ لیتا ہوں) اللہ کی پناہ لینے کی بجائے شیاطین کی پناہ لیتے تھے۔ اور شیاطین کا

انسانوں سے نفع حاصل کرنا یہ تھا کہ جب یہ لوگ اعوذ بِسَید ھذا الوادی کہتے تھے تو جنات خوش ہوتے اور کہتے تھے کہ دیکھو انہوں نے ہم کو پناہ دینے پر قادر سمجھا اور جو پناہ اللہ سے مانگنی چاہیے تھی ہم سے مانگی۔ انسانوں کا گروہ آپس میں ایک دوسرے سے نفع حاصل کرنے کا اقرار کرنے کے بعد یوں کہے گا۔ کہ: (وَبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا) اور ہم پہنچ گئے اس مقرر میعاد کو جو ہمارے لیے آپ نے مقرر فرمائی تھی) اس اجل یعنی مقررہ میعاد سے بعض حضرات نے موت اور بعض نے قیامت کا دن مراد لیا ہے انسانوں کا گروہ یہ بات بطور اقرار جرم کہے گا۔ جس میں اظہار ندامت بھی ہے کہ ہم نے ایسا کیوں کیا! حسرت بھی ہے کہ اگر ایسا نہ کرتے تو اچھا ہوتا۔

(قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ دوزخ تمہارے ٹھہرنے کی جگہ ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ابلیس کو خطاب کر کے بتا دیا تھا (لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ) (کہ میں ضرور دوزخ کو بھر دوں گا۔ تجھ سے اور ان تمام لوگوں سے جو تیرا اتباع کریں گے) یہ اعلان اسی وقت فرما دیا تھا جب ابلیس نے تکبر کیا اور اس نے بنی آدم کو بہکانے کی قسم کھا کر اپنا مضبوط ارادہ ظاہر کیا اللہ تعالیٰ نے اس کے دعوے پر اسے اور اس کے ماننے والوں کو دوزخ میں بھیجنے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ اسی کے مطابق آج دوزخ میں شیطان کے ماننے والوں کا ٹھکانا ہوگا۔ (انوار البیان)

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ اَیْ مِنْ مَجْمُوْعِكُمْ الصَّادِقُ بِالْاِنْسِ اَوْ رُسُلُ الْجِنِّ نُذُرُهُمُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ الرُّسُلِ فَيُبَلِّغُوْنَ قَوْمَهُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا اَنْ قَدْ بَلَغَنَا قَالَ تَعَالٰى وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَلَمْ يُؤْمِنُوْا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝۱۳۰ ذٰلِكَ اَیْ اِرْسَالُ الرُّسُلِ اَنْ اَللَّامُ مُقَدَّرَةٌ وَهِیَ مُخَفَّفَةٌ اَیْ لِاَنَّهٗ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ مِنْهَا وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۝۱۳۱ لَمْ يُرْسَلْ اِلَيْهِمْ رَسُوْلٌ يُبَيِّنُ لَهُمْ وَلِكُلٍّ مِنَ الْعَامِلِيْنَ دَرَجٰتٌ جَزَاءٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۳۲ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ عَنْ خَلْقِهٖ وَعِبَادَتِهِمْ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ يَا اَهْلَ مَكَّةَ بِالْاِهْلَاكِ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ مِنَ الْخَلْقِ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝۱۳۳ اَذْهَبَهُمْ وَلٰكِنَّهٗ تَعَالٰى اَبْقَاكُمْ رَحْمَةً لَكُمْ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ مِنَ السَّاعَةِ وَالْعَذَابِ لَاٰتٍ ۙ لَا مَحَالَةَ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۱۳۴ فَائِتِيْنَ عَذَابَنَا قُلْ لَهُمْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ حَالَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ عَلٰى حَالَتِیْ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ مَوْصُوْلَةٌ مَفْعُوْلُ الْعِلْمِ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اَیِ الْعَاقِبَةُ الْمَحْمُوْدَةُ

فِى الدَّارِ الْاٰخِرَةِ اَنَحْنُ اَمْ اَنْتُمْ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ يَسْعدُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ الْكَافِرُوْنَ وَ جَعَلُوْا اَىْ كُفَّارُ مَكَّةَ لِلّٰهِ
مِمَّا ذَرَاَ خَلَقَ مِنَ الْحَرْثِ الزَّرْعِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا يَصْرِفُوْنَهٗ اِلَى الضِّيفَانِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَلِشُرَكَائِهِمْ
نَصِيْبًا يَصْرِفُوْنَهٗ اِلٰى سَدَنَتِهَا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ بِالْفَتْحِ وَالضَّمِّ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَكَانُوْا اِذَا
سَقَطَ فِىْ نَصِيْبِ اللّٰهِ شَىْءٌ مِنْ نَصِيْبِهَا اِلْتَقَطُوْهُ اَوْ فِىْ نَصِيْبِهَا شَىْءٌ مِنْ نَصِيْبِهٖ تَرَكُوْهُ وَقَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ
عَنْ هٰذَا كَمَا قَالَ تَعَالٰى فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ اَىْ لِجِهَتِهٖ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ
اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ بِئْسَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ حُكْمُهُمْ هٰذَا وَ كَذٰلِكَ كَمَا زَيَّنَ لَهُمْ مَا ذُكِرَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ
مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ بِالْوَادِ شُرَكَآؤُهُمْ مِنَ الْجِنِّ بِالرَّفْعِ فَاعِلُ زَيَّنَ وَ فِىْ قِرَاءَةٍ بِبِنَائِهٖ
لِلْمَفْعُوْلِ وَرَفْعِ قَتْلَ وَنَصْبِ الْاَوْلَادِ بِهٖ وَجَرِّ شُرَكَائِهِمْ بِاِضَافَتِهٖ وَفِيْهِ الْفَصْلُ بَيْنَ الْمُضَافِ وَالْمُضَافِ
اِلَيْهِ بِالْمَفْعُوْلِ وَلَا يَضُرُّ وَبِاِضَافَةِ الْقَتْلِ اِلَى الشُّرَكَاءِ لِاَمْرِهِمْ بِهٖ لِيُرْدُوْهُمْ يُهْلِكُوْهُمْ وَ لِيَلْبِسُوْا يَخْلِطُوْا
عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۗ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَ قَالُوْا هٰذِهٖ اَنْعَامٌ وَّ حَرْثٌ
حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ مِنْ خَدَمَةِ الْاَوْثَانِ وَغَيْرِهِمْ بِزَعْمِهِمْ اَىْ لَا حُجَّةَ لَهُمْ فِيْهِ وَ اَنْعَامٌ
حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا فَلَا تُرْكَبُ كَالسَّوَائِبِ وَالْحَوَامِىْ وَ اَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا عِنْدَ
ذَبْحِهَا بَلْ يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اَصْنَامِهِمْ وَ نَسَبُوْا ذٰلِكَ اِلَى اللّٰهِ افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۗ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا
يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ عَلَيْهِ وَ قَالُوْا مَا فِىْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ الْمُحَرَّمَةِ وَ هُوَ السَّوَائِبُ وَالْبَحَائِرُ خَالِصَةٌ
حَلَالٌ لِّذُكُوْرِنَا وَ مُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ اَىِ النِّسَاءِ وَ اِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً بِالرَّفْعِ وَالنَّصْبِ مَعَ تَانِيْثِ
الْفِعْلِ وَ تَذْكِيْرِهٖ فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۗ سَيَجْزِيْهِمُ اللّٰهُ وَصْفَهُمْ ۗ ذٰلِكَ بِالتَّحْلِيْلِ وَالتَّحْرِيْمِ اَىْ جَزَائَهٗ
اِنَّهٗ حَكِيْمٌ فِىْ صُنْعِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ بِخَلْقِهٖ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْا بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ اَوْلَادَهُمْ بِالْوَادِ
سَفَهًا جَهْلًا سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ مِمَّا ذُكِرَ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۗ قَدْ ضَلُّوْا وَ مَا
ع ۱۶/۱۱/۲ كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

ترجمہ: اے گروہ جن وانس! کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے تھے (یعنی تمہارے مجموعہ میں سے جو انسانوں پر صادق آتا ہے یا جنات کے رسولوں سے مراد وہ ڈرانے والے (مبلغین) ہوں جو انسانی رسول اور پیغمبر کا کلام سن کر اپنی قوم میں تبلیغ کرتے تھے۔ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ (الآیۃ جو تم سے میرے احکام (عقائد واحکام کے متعلق) بیان کرتے تھے اور اس دن کی پیشی سے تم کو ڈراتے تھے وہ سب عرض کریں گے کہ ہم اپنے اوپر شہادت دیتے ہیں (اقرار کرتے ہیں کہ رسول نے ہمیں احکام پہنچائے) حق تعالیٰ فرماتے ہیں اور ان کو (یہاں) دنیوی زندگانی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے (اسی لیے وہ ایمان نہیں لا سکے) اور وہ خود اپنی جانوں کے خلاف گواہی دیں گے (اقرار کریں گے) کہ وہ (یعنی ہم) کافر تھے یہ (رسولوں کا بھیجنا) اس لیے ہے کہ (ان سے پہلے لام تعلیلیہ مقدر ہے اور یہ اَن مخففہ من المثقلہ ہے۔ اَیْ لِاَنَّہٗ لَمْ يَكُنْ (الآیۃ آپ کا پروردگار ایسا نہیں ہے کہ (دنیا میں) بستیوں کو (یعنی کسی بستی والوں کو) بسبب ظلم کے (یعنی ان کے شرک وکفر کی وجہ سے) ہلاک کر دیں درآنحالیکہ وہاں کے لوگ (احکام سے) بے خبر ہوں (یعنی ان کے پاس کوئی پیغمبر نہ بھیجا گیا ہو جو ان سے احکام بیان کر دے۔ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ (الآیۃ اور ہر ایک کے لیے درجے ہیں (یعنی جزاء و بدلہ ہے) اس عمل (خیر وشر) کی وجہ سے جو انہوں نے کیا (مفسرؒ نے دَرَجٰتٌ کی تفسیر جزاء سے کر کے ازالہ شبہ کیا ہے جو تشریح میں آئے گا) اور آپ کا پروردگار ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے (یعلمون میں ایک قراءت یاء کے ساتھ ہے دوسری قراءت تاء کے ساتھ) وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ (الآیۃ اور آپ کا پروردگار بے نیاز ہے (اپنی مخلوق اور ان کی بندگی سے) رحمت والے ہیں اگ وہ چاہے تو تم سب کو (دنیا سے دفعتاً) لے جائے (اے مکہ والو! اگر وہ چاہیں تو تم سب کو یکلخت ہلاک کر دیں) اور تمہارے بعد جس کو چاہیں (مخلوق میں سے) تمہارا جانشین کر دیں جیسا کہ تم کو پیدا کیا دوسری قوم کی نسل سے (ان کو اٹھا لیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے تمہیں باقی رکھا ہے) بے شک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے (یعنی قیامت اور عذاب کا) وہ ضرور آنے والی ہے (یقیناً) اور تم عاجز نہیں کر سکتے (ہمارے عذاب سے بچ کر) قُلْ يٰقَوْمِ (الآیۃ (اے نبی!) آپ ﷺ فرما دیجیے (ان لوگوں سے) اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر (اپنی حالت پر) کام کرتے رہو میں بھی (اپنی حالت پر) کام کر رہا ہوں۔ پس عنقریب تم جان لو گے (من موصولہ ہے اور علم یعنی تَعْلَمُوْنَ کا مفعول ہے) اس شخص کو جس کے واسطے دار آخرت حاصل ہوگا (دار آخرت میں اچھا انجام جس کو حاصل ہوگا وہ تم جان لو گے کہ ہم ہیں یا تم؟) یہ یقینی بات ہے کہ فلاح یاب نہیں ہو سکتے ہیں (نیک بخت نہیں ہو سکتے ہیں) ظالم لوگ (یعنی کفار) وَجَعَلُوْا (الآیۃ اور ان لوگوں نے (یعنی کفار مکہ نے) اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشی میں سے ایک حصہ اللہ کے لیے مقرر کیا۔ يَصْرِفُوْنَهٗ اِلَى الضِّيْفَانِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَ لِشُرَكَائِهِمْ، اس حصہ کو مہمانوں اور مسکینوں پر خرچ کرتے لِشُرَكَائِهِمْ، نَصِيْبًا يَصْرِفُوْنَهٗ اِلٰى سَدَنَتِهَا اور ایک حصہ اپنے شرکاء یعنی بتوں کے لیے مقرر کر لیتے جس کو ان کے خادموں یعنی مجاوروں پر خرچ کرتے۔ فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ (الآیۃ پھر کہتے ہیں کہ یہ حصہ اللہ کا ہے اپنے گمان کے مطابق (بفتح زاء اور زاء کے ضمہ کے ساتھ) وَهٰذَا لِشُرَكَائِنَا (الآیۃ اور ہمارے معبودوں کا ہے (چنانچہ بتوں کے حصہ میں سے اگر کچھ اللہ کے حصہ

میں گر جاتا اتفاقاً جاتا تو اس کو اٹھالیتے اور اگر اللہ کے حصہ میں سے کچھ بتوں کے حصہ میں گر جاتا تو چھوڑ دیتے اور کہنے لگتے کہ اللہ بے نیاز ہے اس سے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا) فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ (الآیۃ پس جو حصہ ان کے معبودوں کا ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچ سکتا (اللہ کی طرف اور جو حصہ اللہ (کے نام) کا ہے وہ ان کے بتوں کو پہنچ جاتا ہے۔ کیا ہی برا ہے وہ فیصلہ جو وہ کر رہے ہیں۔ وَكَذٰلِكَ (الآیۃ اور اسی طرح (جس طرح مذکورہ افعال قبیحہ کو ان کے لیے مزین کر دیا ہے اسی طرح) بہت سے مشرکوں کی نظر میں ان کی اولاد ان کے قتل کو (زندہ درگور کر کے) ان کے شرکاء (یعنی وہ جو بتوں سے متعلق ہیں یعنی شیاطین) نے مزین و مستحسن کر دکھایا ہے، پسندیدہ فعل بنا دیا ہے۔ لفظ شُرَكَآؤُهُمْ رفع کے ساتھ زَيَّنَ کا فاعل ہے اور ایک قراءت میں زُيِّنَ بصیغہ مجہول ہے اور اس کی وجہ سے لفظ قَتْلُ مرفوع اور اَوْلَادِهِمْ منصوب ہے اور لفظ قَتْلَ کے لفظ شُرَكَآ کے درمیان اَوْلَادِهِمْ مفعول کا فاصلہ ہو جائے گا۔ وَلَا يُضُرُّ اور اس میں کوئی حرج نہیں، اور قَتْلَ کی اضافت شُرَكَآ کی طرف ان کے آمر ہونے کی وجہ سے ہے۔ لِيُرْدُوْهُمْ (الآیۃ تا کہ وہ شیاطین ان (مشرکین) کو برباد (ہلاک) کر دیں۔ اور تا کہ ان پر ان کا دین مشتبہ (خلط ملط) کر دیں اگر اللہ چاہتا تو یہ نہ کرتے پس آپ ان کو اور جو کچھ یہ افتراء کر رہے ہیں چھوڑ دیجیے۔ قَالُوْا هٰذِهٖٓ (الآیۃ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ مخصوص چوپائے ہیں اور مخصوص کھیت ہیں جو ممنوع (حرام) ہیں۔ اس کو کوئی نہیں کھا سکتا مگر صرف وہ لوگ جن کو ہم چاہیں (یعنی بتوں کے مجاور اور مہنت وغیرہ) اپنے خیال کے مطابق (یعنی اس تحریم میں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ کچھ مویشی ہیں جن کی پیٹھیں حرام کر دی گئی ہیں (چنانچہ ان پر سوار نہیں ہوتے جیسے سوائب اور حوامی اور کچھ مویشی (مخصوص) ہیں جن پر اللہ کا نام (اس کے ذبح کے وقت) نہیں لیتے (بلکہ اپنے بتوں کا نام ذکر کرتے اور اس کی نسبت اللہ کی طرف کر دیتے) اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ کر۔ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو سزا دے گا، ان کے افتراء کی۔ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ (الآیۃ اور وہ (یہ بھی) کہتے ہیں کہ جو کچھ ان مویشیوں کے پیٹ میں ہے (یعنی ان حرام کردہ مویشی سوائب اور بحائر کے پیٹ میں وہ صرف خالص ہے (حلال ہے) ہمارے مردوں کے لیے اور ہماری ازواج (یعنی عورتوں) پر حرام ہے اور اگر وہ بچہ مردہ ہو تو وہ سب (مردہ اور عورت) اس میں شریک ہیں (بالرفع الخ لفظ میتۃ رفع کے ساتھ ہے۔ نصب کے ساتھ اور فعل مذکر اور مؤنث دونوں طرح پڑھا گیا۔ سَيَجْزِيْهِمُ اللّٰهُ وَصْفَهُمْ (الآیۃ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کی غلط بیانی کی سزا دیں گے (یہ غلط بیانی تحلیل و تحریم کے بارے میں، یعنی اس کی سزا ہوگی) بے شک وہ حکمت والا ہے (اپنی صنعت میں) اور باخبر ہے (اپنی مخلوق سے)۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ (الآیۃ بے شک گھاٹے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو بیوقوفی (جہالت) سے قتل کر دیا بغیر جانے (زندہ درگور کر کے) قَتَلُوْٓا تخفیف اور تشدید کے ساتھ۔ وَحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ (الآیۃ۔ اور اللہ پر افتراء کر کے (جھوٹ باندھ کر) انہوں نے ان (مذکورہ جانوروں) کو حرام کر لیا جو اللہ نے ان کو کھانے پینے کو دی تھیں، بے شک وہ گمراہ ہوئے اور ہدایت پانے والے نہ ہوئے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ: یَقَالُ لَھُم: کواس لیے لایا گیا کہ یہ بتلا دیا جائے کہ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ کا عامل یہی ہے نہ کہ نحشرھم۔

قولہ: مَجْمُوْعِکُمْ: سے اشارہ کیا کہ رسول انسان ہی کو بنایا گیا اور خطاب مجموعہ کے لحاظ سے ہے۔

قولہ: اَوْرُسُلُ الْجِنِّ: اس سے مراد انبیاء علیہم السلام کے صحابہؓ جنات جو دوسروں کی طرف ہے۔

قولہ: ذٰلِكَ: یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، ای الامر ذلك۔

قولہ: قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾: اس سے مراد کشتی نوح علیہ السلام والے لوگ۔ اَذْھَبَھُمْ یہ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ کی صفت ہے۔

قولہ: حَالَتِکُمْ: مکانہ کا لفظ حقیقی مصدری معنی میں ہے۔ مجازی معنی مراد نہیں۔

قولہ: مَنْ مَوْصُوْلَۃٌ: یہ کہہ کر اس کے استفہامیہ ہونے کی نفی کی ہے اور تعلمون یہاں تعرفون کا معنی دے رہا ہے۔

قولہ: فِی الدَّارِ الْاٰخِرَۃِ: اس سے اشارہ کیا کہ اضافت بطریق ظرفیت ہے۔

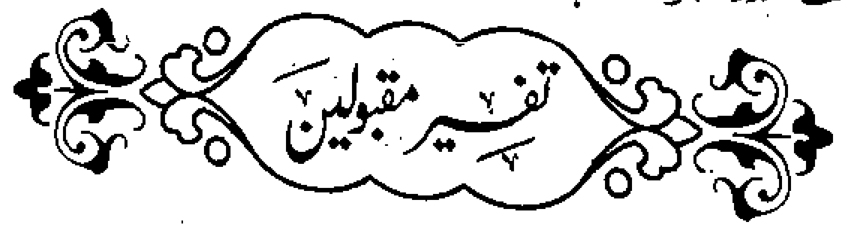
قولہ: لِجِھَتِہٖ: اللہ تعالیٰ کی جہت مثلاً صدقہ، مہمان نوازی وغیرہ میں خرچ کرتے تھے۔

قولہ: نَسَبُوْا ذٰلِكَ: افتراء مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جو کہ محذوف ہے، یہ مصدر نہیں۔

قولہ: وَالنَّصَبِ: اس صورت میں یہ کان کی خبر ہے۔ تقدیر یہ ہوگی۔ ان یکن مافی بطونھا میتۃ۔

قولہ: تَذْکِیْرِہٖ: فعل کو مذکر اس لیے لاسکتے ہیں کیونکہ مَّیْتَۃً مردہ پر بولا جاتا ہے، خواہ نر ہو یا مادہ۔

قولہ: جَزَائَہٗ: وصف مصدر یجزی کا ہے اور مضاف مقدر ہے مفعول بہ نہیں۔



تفسیر مقبولین

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔۔۔

اس آیت میں ایک سوال و جواب کا ذکر ہے جو محشر میں جنات اور انسانوں کو مخاطب کر کے کیا جائے گا، کہ تم جو کفر اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا ہوئے اس کا کیا سبب ہے؟ کیا تمہارے پاس ہمارے رسول نہیں پہنچے جو تمہاری قوم میں سے تھے، جو میری آیات تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے اور آج کے دن کی حاضری اور حساب سے ڈراتے تھے؟ اس کے جواب میں ان سب کی طرف سے رسولوں کے آنے اور پیغام حق سنانے کا اور اس کے باوجود کفر و نافرمانی میں مبتلا ہونے کا اقرار ذکر کیا گیا ہے، اور ان

کی طرف سے کوئی وجہ اور سبب اس غلط کاری کا ذکر نہیں کیا گیا، بلکہ حق تعالیٰ نے ہی اس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ: وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا یعنی ان لوگوں کو دنیا کی زندگی اور لذتوں نے دھوکہ میں ڈال دیا، کہ وہ اسی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے جو درحقیقت کچھ نہ تھا، اور انجام و عاقبت سے غافل ہو گئے، اس آیت میں ایک بات تو یہ قابل غور ہے کہ بعض دوسری آیات میں تو یہ مذکور ہے کہ مشرکین سے جب محشر میں ان کے کفر و شرک کے متعلق سوال ہوگا تو وہ اپنے جرم سے مکر جائیں گے، اور ربّ الارباب کے دربار میں قسم کھا کر یہ جھوٹ بولیں گے کہ: "یعنی قسم ہے ہمارے پروردگار اللہ تعالیٰ کی ہم مشرک ہرگز نہ تھے"۔ اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے کفر و شرک کا ندامت کے ساتھ اقرار کرلیں گے، ان دونوں میں بظاہر تعارض اور اختلاف معلوم ہوتا ہے، مگر دوسری آیات میں اس کی تشریح و توضیح اس طرح موجود ہے کہ ابتداء میں جب ان سے سوال ہوگا تو مکر جائیں گے، مگر اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ان کی زبانیں بند کردیں گے، ہاتھوں، پیروں اور دوسرے اعضاء سے گواہی لیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ان کو گویائی عطا ہوگی، اور وہ صاف صاف اس کے اعمال کا کچا چٹھا بیان کردینگے اور اس وقت جن وانس کو یہ معلوم ہوگا کہ ہمارے ہاتھ پاؤں اور کان اور زبان سب قدرت کے کارخانہ کی خفیہ پولیس کے افراد تھے۔ جنہوں نے سارے معاملات اور حالات کی سچی اور صحیح شہادت دیدی، تو اب ان کو انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہ رہے گی، اس وقت یہ سب لوگ صاف صاف اعتراف جرم کرلیں گے۔

کیا جنات میں بھی رسول ہوتے ہیں:

دوسری بات اس جگہ قابل غور یہ ہے کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے جنات اور انسانوں کی دونوں جماعتوں کو خطاب کرکے فرمایا ہے کہ کیا ہمارے رسول تمہارے پاس نہیں پہنچے جو تمہاری ہی قوم سے تھے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح انسانوں کے رسول انسان اور بشر بھیجے گئے ہیں اسی طرح جنات کے رسول جنات کی قوم سے بھیجے گئے ہیں۔

اس مسئلہ میں علماء تفسیر و حدیث کے اقوال مختلف ہیں بعض کا کہنا یہ ہے کہ رسول اور نبی صرف انسان ہی ہوئے اور ہوتے چلے آئے ہیں، جنات کی قوم میں سے کوئی شخص رسول بلا واسطہ نہیں ہوا، بلکہ ایسا ہوا ہے کہ انسانی رسول اور پیغمبر کا کلام اپنی قوم کو پہنچانے کے لیے جنات کی قوم میں کچھ لوگ ہوئے ہیں جو درحقیقت رسولوں کے قاصد اور پیغمبر ہوتے تھے، مجازی طور پر ان کو بھی رسول کہہ دیا جاتا ہے، ان حضرات کا استدلال قرآن مجید کی ان آیات سے ہے جن میں جنات کے ایسے اقوال مذکور ہیں کہ انہوں نے نبی کا کلام یا قرآن سن کر اپنی قوم کو پہنچایا، (آیت) مثلاً ولوا الی قومھم منذرین، اور سورۃ جن کی (آیت) فقالوا انا سمعنا قرانا عجبا یھدی الی الرشد فامنا بہ، وغیرہ۔ لیکن ایک جماعت علماء اس آیت کے ظاہری معنی کے اعتبار سے اس کی بھی قائل ہیں کہ خاتم الانبیاء ﷺ سے پہلے ہر گروہ کے رسول اسی گروہ میں سے ہوتے تھے، انسانوں کے مختلف طبقات میں انسانی رسول آتے تھے، اور جنات کے مختلف طبقات میں جنات ہی میں سے رسول ہوتے تھے، حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کو سارے عالم کے انسانوں اور جنات کا واحد رسول بنا کر بھیجا گیا اور وہ بھی کسی ایک زمانہ کیلئے نہیں، بلکہ قیامت تک پیدا ہونے والے تمام جن وانس آپ ﷺ کی امت ہیں، اور آپ ﷺ ہی سب کے رسول و پیغمبر ہیں۔

ہندوؤں کے اوتار بھی عموماً جنات ہیں، ان میں کسی رسول ونبی ہونے کا احتمال:

ائمہ تفسیر میں سے کلبی رحمۃ اللہ علیہ اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں اسی قول کو اختیار فرماتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے پہلے جنات کے رسول جنات ہی کی قوم میں سے ہوتے تھے، اور جبکہ یہ ثابت ہے کہ زمین پر انسانوں سے ہزاروں سال پہلے سے جنات آباد تھے اور وہ بھی انسانوں کی طرح احکام شرع کے مکلف ہیں، تو از روئے عقل وشرع ضروری ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے والے رسول وپیغمبر ہوں۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہندوستان کے ہندو جو اپنی وید کی تاریخ ہزار ہا سال پہلے کی بتلاتے ہیں اور اپنے مقتداء وبزرگ جن کو وہ اوتار کہتے ہیں اسی زمانہ کے لوگوں کو بتاتے ہیں، کچھ بعید نہیں کہ وہ یہی جنات کے رسول وپیغمبر ہوں اور انہی کی لائی ہوئی ہدایات کسی کتاب کی صورت میں جمع کی گئی ہوں، ہندوؤں کے اوتاروں کی جو تصویریں اور مورتیاں مندروں میں رکھی جاتی ہیں وہ بھی اسی انداز کی ہیں، کہ کسی کے کئی چہرے ہیں، کسی کے بہت سے ہاتھ پاؤں ہیں، کسی کے ہاتھی کی طرح سونڈ ہے، جو عام انسانی شکلوں سے بہت مختلف ہیں، اور جنات کا ایسی شکلوں میں متشکل ہونا کچھ مستبعد نہیں، اس لیے کچھ بعید نہیں کہ ان کے اوتار جنات کی قوم میں آئے ہوئے رسول یا ان کے نائب ہوں اور ان کی کتاب بھی ان کی ہدایت کا مجموعہ ہو، پھر رفتہ رفتہ جیسے دوسری کتابوں میں تحریف ہوگئی، اس میں بھی تحریف کر کے شرک وبت پرستی داخل کر دی گئی۔

اور بہر حال اگر وہ اصل کتاب اور رسل جن کی صحیح ہدایات بھی موجود ہوتیں تو رسول کریم ﷺ کی بعثت اور رسالت عامہ کے بعد وہ بھی منسوخ اور ناقابل عمل ہی ہو جائیں اور مسخ ومحرف ہونے کے بعد تو اس کا ناقابل عمل ہونا خود ہی واضح ہے۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ....

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ کافر اپنی کھیتی میں سے اور مواشی کے بچوں میں سے اللہ کی نیاز نکالتے اور بتوں کی بھی نیاز نکالتے۔ پھر بعضا جانور اللہ کے نام کا بہتر دیکھا تو بتوں کی طرف بدل دیا۔ مگر بتوں کی طرف کا اللہ کی طرف نہ کرتے، ان سے زیادہ ڈرتے۔ اسی طرح غلہ وغیرہ میں سے اگر بتوں کے نام کا اتفاقاً اللہ کے حصہ میں مل گیا تو پھر جدا کر کے بتوں کی طرف لوٹا دیتے اور اللہ نام کا بتوں کے حصہ میں جا پڑا تو اسے نہ لوٹاتے۔ بہانہ یہ کرتے تھے کہ اللہ تو غنی ہے اس کا کم ہو جائے تو کیا پروا ہے بخلاف بتوں کے کہ وہ ایسے نہیں۔ تماشہ یہ ہے کہ یہ کہہ کر بھی شرماتے نہ تھے کہ جو ایسے محتاج ہوں ان کو معبود ومستعان ٹھہرانا کہاں کی عقلمندی ہے۔ بہر حال ان آیات میں سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ سے مشرکین کی اس تقسیم کا رد کیا گیا ہے۔ یعنی خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مواشی وغیرہ میں سے اوّل تو اس کے مقابل غیر اللہ کا حصہ لگانا، پھر بری اور ناقص چیز خدا کی طرف رکھنا کس قدر ظلم اور بے انصافی ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ خَلَقَ جَنّٰتٍ بَسَاتِیْنَ مَّعْرُوْشٰتٍ مَبْسُوْطَاتٍ عَلَی الْاَرْضِ کَالْبِطِّیْخِ وَّ غَیْرَ

مَعْرُوْشٰتٍ بِاَنِ ارْتَفَعَتْ عَلٰى سَاقٍ كَالنَّخْلِ وَّ اَنْشَا النَّخْلَ وَ الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ ثَمَرُهٗ وَحَبُّهٗ فِي الْهَيْئَةِ

وَالطَّعْمِ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَرَقُهُمَا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ط طَعْمُهُمَا كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ قَبْلَ

النُّضْجِ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ زَكٰوتَهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ز بِالْفَتْحِ وَالْكَسْرِ مِنَ الْعُشْرِ اَوْ نِصْفِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا ط بِاِعْطَاءِ كُلِّهٖ

فَلَا يَبْقٰى لِعِيَالِكُمْ شَيْءٌ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٤١﴾ الْمُتَجَاوِزِيْنَ مَاحَدَّلَهُمْ وَ اَنْشَا مِنَ الْاَنْعَامِ

حَمُوْلَةً صَالِحَةً لِلْحَمْلِ عَلَيْهَا كَالْاِبِلِ الْكِبَارِ وَّ فَرْشًا ط لَاتَصْلَحُ لَهٗ كَالْاِبِلِ الصِّغَارِ وَالْغَنَمِ سُمِّيَتْ

فَرْشًا لِاَنَّهَا كَالْفَرْشِ الْاَرْضِ لِدُنُوِّهَا مِنْهَا كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ط طَرَائِقَهٗ

فِي التَّحْلِيْلِ وَالتَّحْرِيْمِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٤٢﴾ بَيِّنُ الْعَدَاوَةِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ج اَصْنَافٍ بَدَلٌ مِنْ

حَمُوْلَةً وَفَرْشًا مِنَ الضَّاْنِ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ذَكَرًا وَاُنْثٰى وَ مِنَ الْمَعْزِ بِالْفَتْحِ وَالسُّكُوْنِ اثْنَيْنِ ط قُلْ يَا

مُحَمَّدُ لِمَنْ حَرَّمَ ذُكُوْرَ الْاَنْعَامِ تَارَةً وَاِنَاثَهَا اُخْرٰى وَنَسَبَ ذٰلِكَ اِلَى اللّٰهِ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ مِنَ الضَّاْنِ وَالْمَعْزِ

حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ مِنْهُمَا اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ط ذَكَرًا كَانَ اَوْ اُنْثٰى

نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ عَنْ كَيْفِيَّةِ تَحْرِيْمِ ذٰلِكَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٤٣﴾ فِيْهِ الْمَعْنٰى مِنْ اَيْنَ جَاءَ التَّحْرِيْمُ فَاِنْ

كَانَ مِنْ قِبَلِ الذُّكُوْرَةِ فَجَمِيْعُ الذُّكُوْرِ حَرَامٌ اَوِ الْاُنُوْثَةِ فَجَمِيْعُ الْاِنَاثِ اَوِ اشْتِمَالِ الرَّحْمِ فَالزَّوْجَانِ

فَمِنْ اَيْنَ التَّخْصِيْصُ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلْاِنْكَارِ وَ مِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ط قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ

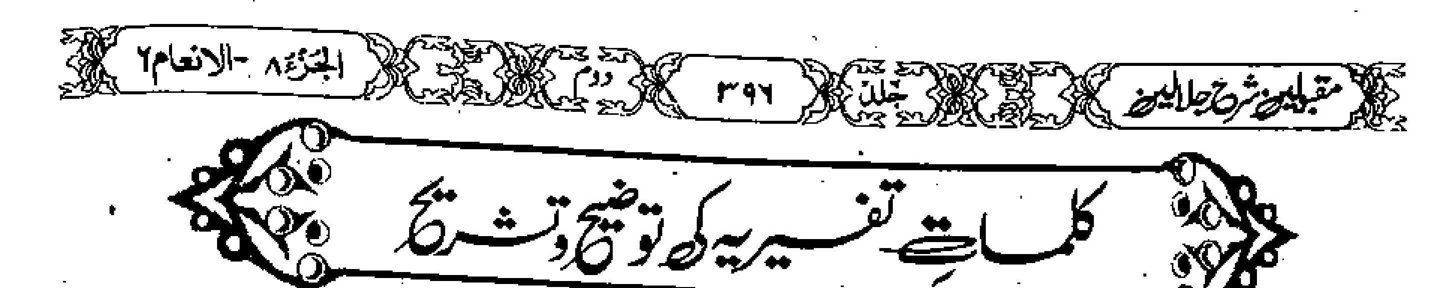
حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ط اَمْ بَلْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ حُضُوْرًا اِذْ

وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ج التَّحْرِيْمِ فَاعْتَمَدْتُمْ ذٰلِكَ لَا بَلْ اَنْتُمْ كَاذِبُوْنَ فِيْهِ فَمَنْ اَيْ لَا اَحَدَ اَظْلَمُ مِمَّنِ

ع اِفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا بِذٰلِكَ لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٤﴾

ترجمہ: اور وہ ہی ہے جس نے مختلف قسم کے باغات پیدا کیے۔ کچھ تو بیلوں پر چڑھائے جاتے ہیں (یعنی زمین پر پھیلے ہوئے جیسے خربوزہ اور) کچھ بیلوں پر نہیں چڑھائے جاتے (بایں طور کہ اپنے تنے پر بلند ہیں جیسے کھجور کا درخت (اس نے پیدا کیے) کھجور کے درخت اور کھیتی جن کے پھل مختلف ہیں (یعنی پھل اور اس کا دانہ شکل وصورت اور مزہ میں مختلف ہیں) اور زیتون اور انار جو ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں (یعنی دونوں کے پتے) اور ایک دوسرے کے مشابہ نہیں ہوتے ہیں

(یعنی ان دونوں کے مزے مختلف ہیں۔ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ (الآیۃ) تم اس کے پھل کھاؤ جبکہ وہ پھلدار ہو جائے (پکنے سے پہلے بھی) اور اس کاٹنے (یا توڑنے) کے دن اس کا حق (زکوٰۃ) ادا کرو۔ حصاد بفتح الحاء اور حصاد بکسر الحاء دونوں قراءت ہے یعنی عشر پیداوار کا دسواں حصہ یا نصف عشر پیداوار کا بیسواں حصہ۔ وَلَا تُسْرِفُوْا اور (اس دینے میں) حد سے تجاوز نہ کرو (کُل کا کُل دے کر اہل وعیال کے لیے کچھ باقی نہ رہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا (یعنی اللہ نے جو حد مقرر کر دی ہے اس سے تجاوز کرنے والوں کو) اور (اللہ نے پیدا کیے ہیں) چوپایوں میں سے کچھ تو بوجھ اٹھانے والے (جو اس لائق ہیں کہ اس پر بوجھ لادیں جیسے بڑے اونٹ) اور کچھ زمین سے ملے ہوئے (جو بوجھ اٹھانے کے لائق نہیں جیسے چھوٹے اونٹ اور بکری، بھیڑ وغیرہ چھوٹے قد کے چوپایوں کو فرش اس لیے کہا گیا کہ زمین سے قریب ہوتے ہیں گویا کہ وہ فرشِ زمین ہیں) كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ (الآیۃ) کھاؤ، اللہ کے رزق میں سے جو اس نے تم کو دیا ہے اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو (یعنی تحلیل وتحریم کے بارے میں شیطان کے طریقہ کی پیروی نہ کرو، حلال کو حرام نہ کرو) بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے (جس کی دشمنی ظاہر ہے) ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ (الآیۃ) آٹھ اقسام (پیدا کیے، اَزْوَاجٍ بمعنی اقسام ہیں یہ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ بدل واقع ہو رہا ہے حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا سے۔ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ (الآیۃ) بھیڑ میں سے دو قسم (ایک نر اور ایک مادہ) اور بکری میں س دو قسم (ایک نر اور ایک مادہ، معز میں ایک قراءت بفتح العین اور ایک قراءت بسکون العین ہے قُلْ (الآیۃ) (اے محمدؐ) آپ پوچھیے (ان مشرکوں سے جو کبھی نر چوپائے کو حرام کر دیتے ہیں اور کبھی مادہ چوپائے کو اور اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں) کہ کیا اللہ نے ان دونوں (بھیڑ بکری) کے نروں کو حرام کیا ہے یا ان دونوں (بھیڑ بکری) کے ماداؤں کو (حرام کیا ہے) یا اس (بچہ) کو جس پر دونوں ماداؤں کے رحم (یعنی بچہ دانی) مشتمل ہیں (خواہ وہ بچہ نر ہو یا مادہ) تم مجھ کو دلیل کے ساتھ بتلاؤ (اس کی تحریم کی کیفیت کے متعلق) اگر تم سچے ہو (اس بارے میں، حاصل یہ ہے کہ تحریم کہاں سے آئی ہے؟ اگر یہ حرمت نر کی طرف سے آئی تو سارے نروں کو حرام ہونا چاہیے یا مادہ کی طرف سے؟ تو ساری مادائیں حرام ہوں گی یا پیٹ کے بچہ کی وجہ سے تو نر و مادہ دونوں کو حرام ہونا چاہیے آخر یہ تخصیص کہاں سے آئی؟ اور استفہامِ انکاری ہے) وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ (الآیۃ) اور (اسی طرح اللہ تعالیٰ نے) اونٹ سے دو قسم (ایک نر اور ایک مادہ) اور گائے سے دو قسم (ایک نر اور ایک مادہ پیدا کیے) آپ (ان سے) کہیے کہ کیا اللہ نے ان دونوں کے نروں کو حرام کیا ہے یا ان دونوں کے ماداؤں کو (حرام کیا ہے) یا اس بچہ کو جس کو دونوں ماداؤں کی بچہ دانی اپنے اندر لیے ہوئے ہے؟ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ (الآیۃ) (ام بمعنی بل ہے) کیا تم اس وقت حاضر تھے جبکہ اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا تھا (یعنی اللہ نے تحریم کا حکم دیا پس تم نے اس حکم پر اعتماد کر لیا؟ نہیں! بالکل ایسا نہیں ہوا بلکہ تم اس بارے میں بالکل جھوٹے ہو) پس اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے؟ (یعنی کوئی نہیں) جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے (اس تحریم کے بارے میں) تاکہ لوگوں کو بغیر تحقیق کے گمراہ کرے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہدایت (یعنی توفیق) نہیں دیتے ظالموں کو۔



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: وَّ اَنْشَاَ النَّخْلَ: اس سے اشارہ کیا کہ نخل کا عطف جنات پر ہے قریب پر نہیں اور وہ وہ غیر معروشات ہے۔

قوله: اُكُلُهٗ: اس سے اشارہ کیا کہ ضمیر کا مرجع زرع ہے اور باقی اس پر مقیس علیہ ہے۔

قوله: مِنْ ثَمَرِهٖٓ: اس سے اشارہ کیا کہ ہ کا مرجع كل احد من ذلك ہے۔

قوله: يَوْمَ حَصَادِهٖ: اس سے مقید اس لیے کیا تا کہ اس کا اتمام ہو وقت اداء سے مؤخر نہ کیا جا سکے۔

قوله: فَلَا يَبْقٰى لِعِيَالِكُمْ: اسراف سے تصدق میں حد سے نکلنا ہے، زکوٰۃ مراد نہیں۔

قوله: وَ اَنْشَاَ مِنَ الْاَنْعَامِ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ اس کا عطف قریب جنات پر ہے۔

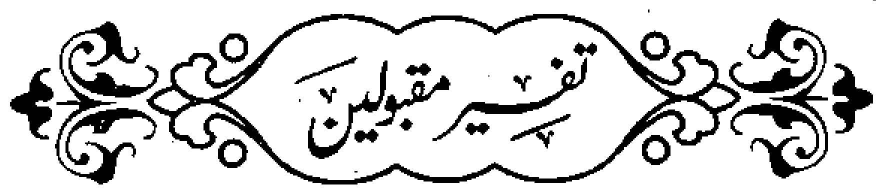
قوله: صَالِحَةً لِلْحَمْلِ: حَمُوْلَةً سے مراد وہ جانور جو قوت کے اعتبار سے بوجھ اٹھانے کے قابل ہوں۔

قوله: بَدَلٌ مِنْ حَمُوْلَةٍ: یہ فعل محذوف کا مفعول نہیں۔

قوله: عَنْ كَيْفِيَّةٍ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ علم اپنے معنی میں ہے امر معلوم کے معنی میں نہیں۔

قوله: اَلْمَعْنٰى: یعنی مقصود فعل تحریم کا انکار ہے، مگر انکار مفعول کی صورت میں لائے۔ اس طریقے سے انکار مع البرھان انکار ہے۔

قوله: لَا بَلْ اَنْتُمْ: یہ ان کے معنی میں ہے اور ام منقطعہ ہمزہ و بل کے معنی میں ہے، متصلہ نہیں۔



تفسیر مقبولین

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ غَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ ۔۔۔

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے اپنے ان انعامات کا تذکرہ فرمایا جو اپنی مخلوق پر پھلوں اور کھیتیوں کے ذریعے فرمائے ہیں۔

اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو طرح کے باغ پیدا فرمائے کچھ باغ ایسے ہیں جو معروشات ہیں یعنی ان کی بیلیں جو چھپریوں پر چڑھائی جاتی ہیں جیسے انگوروں کی اور بعض سبزیوں کی بیلیں، اور بہت سے باغ ایسے ہیں جن کی شاخیں اوپر نہیں چڑھائی جاتیں۔ اس دوسری قسم میں کچھ درخت ایسے ہوتے ہیں جن کا تنا ہوتا ہے اس کی بیل ہی نہیں ہوتی جیسے زیتون، انار، انجیر، کھجور، آم اور جیسے گیہوں وغیرہ جو اپنے مختصر سے تنے پر کھڑے رہتے ہیں اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کی بیلیں تو ہوتی ہیں لیکن انہیں چھپریوں پر چڑھایا نہیں جاتا جیسے کدو، خربوزہ، تربوز وغیرہ اللہ تعالیٰ نے کسی درخت کو تنے والا بنایا اور کسی کو بیل والا

اس سب میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔

جو سبزیاں بیل والی ہیں عموماً وہ بھاری بھاری ہوتی ہیں جیسے تربوز، خربوزہ، کھیتی کے بارے میں فرمایا: (وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ) کہ اللہ تعالیٰ نے کھیتی پیدا فرمائی جس میں طرح طرح کے کھانے کی چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک ہی آب وہوا اور ایک ہی زمین سے نکلنے والے غلوں میں کئی قسم کا تفاوت ہوتا ہے پھر ان کے فوائد اور خواص اور ذائقے بھی مختلف ہیں۔ صاحب معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۳۰ پر لکھتے ہیں۔

ثمرہ وطعمہ منہا الحلو والحامض والجید والردی۔

یعنی کھیتیوں کے پھل مختلف ہیں کوئی میٹھا ہے کوئی کھٹا ہے کوئی بڑھیا ہے کوئی ردی ہے پھر فرمایا: (وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ) یعنی اللہ تعالیٰ نے زیتون اور انار پیدا فرمائے۔ ان میں سے ایک جنس کے پھل دیکھنے میں دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن مزے میں مشابہ نہیں ہوتے رنگ ایک اور مزہ مختلف ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: (كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ (الآية) کہ اس کے پھلوں میں سے کھاؤ جب وہ پھل لائے۔ (وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ) اور کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس حق سے پیداوار کی زکوٰۃ مراد ہے جو بعض صورتوں میں عشر یعنی ۱/۱۰ اور بعض صورتوں میں نصف العشر ۱/۲۰ واجب ہوتی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ چونکہ آیت کریمہ مکیہ ہے اور زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی اس لیے اس سے زکوٰۃ کے علاوہ محتاجوں پر خرچ کرنا مراد ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ شروع میں کھیتی کاٹنے کے وقت غیر معین مقدار غریبوں کو دینا واجب تھا پھر یہ وجوب زکوٰۃ کی فرضیت سے منسوخ ہو گیا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مذکورہ بالا آیت مدنیہ ہے (اگرچہ سورۃ مکیہ ہے) اس صورت میں پیداوار کی زکوٰۃ مراد لینا بھی درست ہے۔ (من روح المعانی)

پھر فرمایا: (وَلَا تُسْرِفُوْا) (اور حد سے آگے مت بڑھو) بے شک حد سے آگے بڑھنے والوں کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔ عربی میں اسراف حد سے آگے بڑھنے کو کہتے ہیں۔ عام طور سے اس لفظ کا ترجمہ فضول خرچی سے کیا جاتا ہے اور چونکہ اس میں بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے اس لیے یہ معنی بھی صحیح ہے۔

اور فضول خرچی کے علاوہ جن افعال اور اعمال میں حد سے آگے بڑھا جائے ان سب کے بارے لفظ اسراف مشتمل ہوتا ہے۔ اگر سارا ہی مال فقراء کو دیدے اور تنگ دستی کی تاب نہ ہو تو یہ بھی اسراف میں شمار ہوتا ہے۔

صاحب روح المعانی نے ج ۸ ص ۳۸ پر حضرت ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے ایک دن کھجوروں کے باغ کے پھل توڑے اور کہنے لگے کہ آج جو بھی شخص آئے گا اسے ضرور دے دوں گا، لوگ آتے رہے اور یہ دیتے رہے حتیٰ کہ شام کے وقت ان کے پاس کچھ بھی نہ بچا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ شيئا مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ مَيْتَةً
بِالنَّصْبِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ مَعَ التَّحْتَانِيَّةِ اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا سَائِلًا بِخِلَافِ غَيْرِهٖ كَالْكَبِدِ وَالطِّحَالِ اَوْ
لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ حَرَامٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ اَيْ ذُبِحَ عَلٰى اسْمِ غَيْرِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ اِلٰى
شَيْءٍ مِمَّا ذُكِرَ فَاَكَلَهٗ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ لَهٗ مَا اَكَلَ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ بِهٖ وَيَلْحَقُ بِمَا ذُكِرَ
بِالسُّنَّةِ كُلُّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَمِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا اَيِ الْيَهُوْدِ حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ
ظُفُرٍ ۚ وَهُوَ مَا لَمْ تُفَرَّقْ اَصَابِعُهٗ كَالْاِبِلِ وَالنَّعَامِ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ الثُّرُوْبَ
وَشَحْمَ الْكُلٰى اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَيْ مَا عَلِقَ بِهِمَا مِنْهُ اَوِ حَمَلَتْهُ الْحَوَايَآ الْاَمْعَاءُ جَمْعُ
حَاوِيَاءٍ اَوْ حَاوِيَةٍ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ مِنْهُ وَهُوَ شَحْمُ الْاَلْيَةِ فَاِنَّهٗ اُحِلَّ لَهُمْ ذٰلِكَ التَّحْرِيْمُ جَزَيْنٰهُمْ بِهٖ
بِبَغْيِهِمْ بِسَبَبِ ظُلْمِهِمْ بِمَا سَبَقَ فِيْ سُوْرَةِ النِّسَاءِ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِيْ اَخْبَارِنَا وَمَوَاعِيْدِنَا فَاِنْ
كَذَّبُوْكَ فِيْمَا جِئْتَ بِهٖ فَقُلْ لَّهُمْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ حَيْثُ لَمْ يُعَاجِلْكُمْ بِالْعُقُوْبَةِ بِهٖ وَفِيْهِ
تَلَطُّفٌ بِدُعَائِهِمْ اِلَى الْاِيْمَانِ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَذَابُهٗ اِذَا جَاءَ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ
اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا نحن وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ فَاِشْرَاكُنَا وَتَحْرِيْمُنَا بِمَشِيَّتِهٖ
فَهُوَ رَاضٍ بِهٖ قَالَ تَعَالٰى كَذٰلِكَ كَمَا كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ رُسُلَهُمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ عَذَابَنَا
قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ بِاَنَّ اللّٰهَ رَاضٍ بِذٰلِكَ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اَيْ لَا عِلْمَ عِنْدَكُمْ اِنْ مَا تَتَّبِعُوْنَ
فِيْ ذٰلِكَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ مَا اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ تَكْذِبُوْنَ فِيْهِ قُلْ اِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ حُجَّةٌ فَلِلّٰهِ
الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ التَّامَّةُ فَلَوْ شَآءَ هِدَايَتَكُمْ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ اَحْضِرُوْا شُهَدَآءَكُمُ
الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ الَّذِيْ حَرَّمْتُمُوْهُ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ
ع ۱۸ ۶ ۵ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ يُشْرِكُوْنَ

ترجمہ: قُلْ لَّآ اَجِدُ (الآیۃ) آپ کہہ دیجیے کہ (جن حیوانات کی حرمت کو تم اللہ کی طرف منسوب کرتے ہو) میں اس

وحی میں جو مجھ پر کی گئی ہے اس میں (کوئی چیز) کھانے والے پر جو اس کو کھائے حرام نہیں پاتا ہوں۔ میتة نصب کے ساتھ ہے اور ایک قراءت میں رفع کے ساتھ ہے تحتانیہ کے ساتھ۔ اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا (الآیۃ) یا بہتا ہو خون (بخلاف اس خون کے جو بہتا ہوا نہ ہو جیسے جگر اور تلی کا گوشت ہو یا خنزیر کا گوشت کیونکہ وہ تو بالکل ناپاک (حرام) ہے یا وہ (جانور) جو گناہ کا ذریعہ ہو کہ (بقصد تقرب) غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو (یعنی غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا۔ فَمَنِ اضْطُرَّ (الآیۃ) پھر جو شخص (مذکورہ بالا اشیاء میں سے کسی چیز کے کھانے کی طرف) بے تاب ہو جائے بشرطیکہ وہ طالب لذت نہ ہو اور نہ (مقدار ضرورت وحاجت سے) تجاوز کرنے والا ہو مذکورہ چاروں محرمات میں سنت کے ذریعہ لاحق ہوں گے کچلیوں والے تمام درندے اور جنگل سے شکار کرنے والے پرندے۔ تو بے شک تیرا پروردگار بخشنے والا ہے (اس کو جس نے کھالیا) اور (اس پر) مہربان ہے۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا (الآیۃ) اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن (کھر) والے جانور کو حرام کیا تھا (اور وہ وہ جانور ہیں جن کی انگلیاں الگ الگ نہ ہوں جیسے اونٹ، شتر مرغ وغیرہ) اور گائے اور بکری میں سے ہم نے ان پر ان دونوں کی چربیاں حرام کر دی تھیں (یعنی آنتوں وغیرہ کی باریک جھلی اور گردوں کی چربی) مگر جو ان کی پیٹھ پر لگی ہو (یعنی اس چربی میں سے وہ مستثنیٰ ہے جو ان دونوں کی پشت سے متعلق ہو) یا انتڑیوں سے لگی ہو (حوایا بمعنی امعاء انتڑیاں ہیں، جمع ہے حاویاء یا حاویة کی) یا وہ چربی جو ہڈی سے لگی ہوئی ہو (اور وہ چکی یعنی سرین کی چربی ہے جو ان کے لیے حلال تھی) یہ (تحریم) ہم نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی تھی (یعنی ہم نے تحریم کی یہ سزا ان کے ظلم وشرارت کی وجہ سے دی تھی جیسا کہ سورۂ نساء میں گزر چکا ہے۔ اور ہم اپنی خبروں اور وعدوں میں سچے ہیں۔ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ (الآیۃ) پھر اگر یہ (مشرکین) آپ کو جھٹلائیں (یعنی جس پیغام کو لے کر آپ ان کے پاس پہنچے ہیں تو آپ فرما دیجیے کہ تمہارا پروردگار بڑی وسیع رحمت والا ہے (اس لحاظ سے کہ تمہاری سزا میں جلدی نہیں کرتا۔ وَ فِيْهِ تَلَطُّفٌ بِدُعَائِهِمْ اِلَى الْاِيْمَانِ اور اس میں ایمان کی طرف دعوت دینے میں نرمی برتنا، مہربانی کا برتاؤ ہے۔ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهٗ (الآیۃ) اور اس کا عذاب (جب آ جائے گا) تو مجرم لوگوں سے) نہیں ٹلے گا۔ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا (الآیۃ) عنقریب مشرک لوگ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا (شرک کرتے) اور نہ ہم کوئی چیز (ازخود) حرام کر سکتے (پس ہمارا شرک کرنا اور حرام ٹھہرانا اللہ کی مشیت سے ہے، پس معلوم ہوا کہ وہ (ہمارے) اس فعل سے راضی ہے، اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں۔ كَذٰلِكَ (الآیۃ) اسی طرح (جیسے ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا ہے) جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے، انہوں نے (اپنے رسولوں کو) جھٹلایا یہاں تک کہ (اس تکذیب پر) ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ (الآیۃ) آپ (ان سے) کہیے کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے؟ (کہ اللہ تمہارے شرک اور تحریم سے راضی ہے) تو تم اس کو ہمارے سامنے نکالو اور ظاہر کرو (حقیقت یہ ہے کہ تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ (الآیۃ) (ان بمعنی ما نافیہ ہے) تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو (اس دعوے میں) اور تم اٹکل سے باتیں کرتے ہو (یعنی جھوٹ بولتے ہو) قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ آپ کہہ دیجیے اگر تمہارے پاس دلیل

نہیں، پس اللہ ہی کی دلیل محکم (پوری) رہی۔ فَلَوْ شَآءَ الآیۃ پس (سمجھ لو کہ وہ فعال لما یرید) اگر چاہتا (تم کو ہدایت دینا) تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ قُلْ هَلُمَّ الآیۃ آپ (ان سے) کہیے کہ تم لاؤ (حاضر کرو) اپنے گواہوں کو جو اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام کر دیا ہے (جنہیں تم حرام کہتے ہو) پس اگر وہ گواہی دے دیں تب بھی آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیجیے اور آپ ان لوگوں کی خواہشوں پر نہ چلیے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ اپنے پروردگار کے ساتھ دوسروں کو برابر کرتے ہیں (یعنی شرک کرتے ہیں)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: شَيْئًا: اس کو مقدر ماننے سے اشارہ کر دیا کہ اَجِدُ کے دو مفعول میں سے ایک مقدر ہے اور مقدر ملفوظ کی طرح ہوتا ہے۔

قوله: فِسْقًا: اس سے اشارہ کیا کہ اس کا عطف قریب نہیں بلکہ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ پر ہے۔

قوله: بَيْنَ اَصَابِعِه: اب اس پر البقر وغیرہ کا عطف صحیح ہو جائے گا۔ اس کا عطف ظُهُوْرُهُمَا پر ہے شُحُوْمَهُمَا پر نہیں کیونکہ لفظ و معنی کے اعتبار سے بعید نہیں۔

قوله: حَاوِيَاءٍ اَوْحَاوِيَةٍ: ہر چیز کی انتڑیوں وغیرہ کی گولائی۔

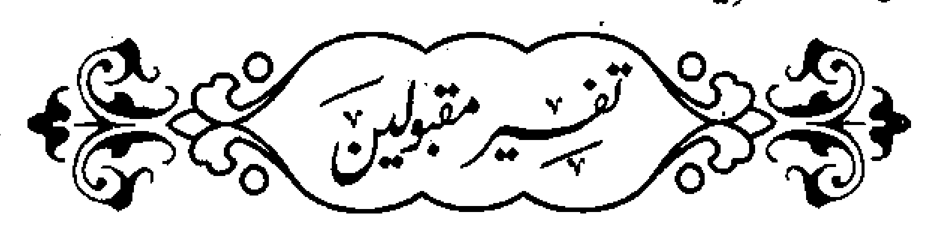
قوله: نَحْنُ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ اَشْرَكْنَا کی ضمیر کی تاکید مقدر ہے۔

قوله: فَهُوَ رَاضٍ بِه: مشیت سے مراد رضاء اور اس رضاء کی تمہارے پاس کیا سند ہے۔

قوله: اِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ حُجَّةٌ: اس سے اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کا قول: فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ یہ شرط محذوف کی جزاء ہے۔

قوله: اُحْضُرُوْا: هَلُمَّ کا استعمال یہاں لغت مجاز کے مطابق اسم فعل غیر منصرف کے معنی میں ہوا ہے۔

قوله: يُشْرِكُوْنَ: اس کے ساتھ شریک و معادل ٹھہرائے ہیں۔



تفسیر مقبولین

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا....

کیا کیا چیزیں حرام ہیں؟

مشرکین عرب نے جانوروں کے کھانے پینے اور استعمال کرنے میں جو اپنی طرف سے تحریم و تحلیل کا معاملہ کر لیا تھا جس کا

اوپر کی آیات میں ذکر ہو چکا ہے۔ اس کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میرے ربّ نے میری طرف جو وحی بھیجی ہے میں اس میں صرف ان چیزوں کو حرام پاتا ہوں۔

(اول): مردار (جو جانور خود اپنی موت سے مر جائے)

(دوم): دم مسفوح یعنی بہنے والا خون (یہ قید اس لیے لگائی کہ ذبح شرعی کے بعد جو خون گوشت میں لگا رہ جاتا ہے اس کا کھانا جائز ہے۔ نیز تلی اور جگر کا کھانا جائز ہے، یہ دونوں اگرچہ خون ہیں لیکن منجمد ہونے کی وجہ سے دم مسفوح نہیں رہے)۔

(سوم): خنزیر کا گوشت۔ اس کے بارے میں (فَاِنَّهٗ رِجْسٌ) فرمایا کہ وہ پورا کا پورا بجمیع اجزاء ناپاک ہے۔ اس کا گوشت چربی ہڈی بال کوئی چیز بھی پاک نہیں ہے کیونکہ یہ نجس العین ہے اس لیے ذبح کر دینے سے بھی اس کی کوئی چیز پاک نہ ہو گی۔ برخلاف دوسرے جانوروں کے کہ اگر وہ بلا ذبح بھی مر جائیں تب بھی ان کے بال اور ہڈی پاک ہیں۔

(چہارم): وہ جانور جس پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ چار چیزوں کی حرمت بیان فرما کر حالت اضطراری میں ذرا سا کھا لینے کی اجازت دیدی جس سے دو چار لقمے کھا کر وقتی طور پر جان بچ جائے اور وہاں سے اٹھ کر حلال کھانے کی جگہ تک پہنچ سکے۔

ان چیزوں کی توضیح اور تشریح سورۂ بقرہ کی آیت (اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ) (رکوع ۷۱) اور سورۂ مائدہ کی آیت: (حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ) (رکوع اول) کے ذیل میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔

آیت بالا میں یہ بتایا ہے کہ کسی چیز کی حرمت وحلت کا فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوسکتا ہے اور وحی صرف انبیاء کرام علیہ السلام پر ہی آتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء تھے۔ اس لیے اللہ کی وحی کا انحصار صرف آپ پر ہو گیا۔ اور آپ پر اس وقت تک جو وحی آئی تھی اس کے موافق صرف مذکورہ بالا چیزیں حرام تھیں بعد میں دوسری چیزوں کی حرمت بھی نازل ہوئی جو سورۂ مائدہ میں مذکور ہیں۔

حلت اور حرمت کا اصول اجمالی طور پر سورۂ اعراف میں (يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ) فرما کر بیان فرما دیا ہے۔ لہٰذا کوئی شخص آیت بالا سے یہ استدلال نہیں کر سکتا کہ مذکورہ بالا چاروں چیزوں کے علاوہ باقی سب حلال ہیں کیونکہ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب قرآن مجید نازل ہو رہا تھا اور اس کے بعد بہت سے احکام نازل ہوئے۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا ....

یعنی اصلی حرمت تو ان چیزوں میں ہے جو اوپر مذکور ہوئیں، البتہ وقتی مصلحت سے بعض چیزیں عارضی طور پر بعض اقوام پر پہلے حرام کی جا چکی ہیں۔ مثلاً یہود پر ان کی شرارتوں کی سزا میں ہر ناخن (کھر) والا جانور جس کی انگلیاں پھٹی نہ ہوں جیسے اونٹ، شترمرغ، بطخ وغیرہ حرام کیا گیا تھا۔ نیز گائے بکری کی جو چربی پشت یا انتڑیوں پر لگی ہوئی ہو یا ہڈی کے ساتھ نہ ملی ہو ان پر حرام کر دی گئی تھی جیسے گردہ کی چربی۔ بنی اسرائیل کا دعویٰ غلط ہے کہ یہ چیزیں ابراہیم نوح کے زمانہ ہی سے مستمر طور پر حرام چلی آتی ہیں سچی بات یہ کہ ان میں سے کوئی چیز عہد ابراہیمی میں حرام نہ تھی یہود کی نافرمانیوں اور شرارتوں کی وجہ سے یہ سب چیزیں حرام ہوئیں جو کوئی اس کے خلاف دعویٰ کرے جھوٹا ہے، جیسے پارہ (لن تنالوا ۴) کے شروع میں (قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ) (آل عمران: ۹۳) سے ان دعویٰ کرنے والوں کو تنبیہ دیا گیا ہے۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ اقرأ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ مفسرة اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ
وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ بالوأد مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ فقر تخافونه نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ ۚ وَ لَا تَقْرَبُوا
الْفَوَاحِشَ الكبائر كالزنا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ ۚ اى علانيتها وسرها وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ
حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ كالقود وحد الردة ورجم المحصن ذٰلِكُمْ المذكور وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ تتدبرون وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ اى بالخصلة التى هِيَ اَحْسَنُ وهى ما فيه
صلاحه حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ بان يحتلم وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ بالعدل وترك البخس
لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ طاقتها فى ذلك فان اخطأ فى الكيل والوزن والله يعلم صحة نيته فلا
مؤاخذة عليه كما ورد فى حديث وَ اِذَا قُلْتُمْ فى حكم او غيره فَاعْدِلُوْا بالصدق وَ لَوْ كَانَ المقول
له او عليه ذَا قُرْبٰى ۚ قرابة وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ بالتشديد
تتعظون والسكون وَ اَنَّ بالفتح على تقدير اللام والكسر استينافا هٰذَا الذى وصيتكم به صِرَاطِيْ
مُسْتَقِيْمًا حال فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ الطرق المخالفة له فَتَفَرَّقَ فيه حذف احدى التائين
تميل بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ دينه ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التورٰة وثم
لترتيب الاخبار تَمَامًا للنعمة عَلَى الَّذِيْۤ اَحْسَنَ بالقيام به وَ تَفْصِيْلًا بيانا لِّكُلِّ شَيْءٍ يحتاج اليه فى
ع ۱۹ ۶ الدين وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ اى بنى اسرائيل بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ بالبعث يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

ترجمہ: قُلْ تَعَالَوْا (الآیۃ) آپ (ان مشرکین سے) کہیے کہ آؤ میں تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہوں (پڑھتا ہوں) جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمایا ہے (اَلَّا تُشْرِكُوْا (الآیۃ) کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ (اس میں ان مفسرہ ہے۔ وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کیا کرو اور اپنی اولاد کو (زندہ درگور کر کے) افلاس کے سبب قتل مت کیا کرو (یعنی فقر و محتاجی کے خوف سے) ہم تم کو اور ان کو رزق (مقدر) دیں گے (بے حیائی، زنا جیسے کبائر) کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ اعلانیہ ہوں یا پوشیدہ۔ اور جس کا خون کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو مگر حق (شرعی) کی بنا پر جیسے قصاص اور ارتداد کی حد اور محصن کا رجم اس سب کا (جو بیان کیے گئے ہیں) اللہ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ سمجھو

(غور وفکر کر کے عمل کرو) اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو بہت ہی اچھا ہو (اور طریقہ مستحسن وہی ہے جس میں اس کی بھلائی ہو، ترقی ہو)۔ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ الآیۃ یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائے (یعنی بالغ ہو جائے) اور ناپ تول پوری پوری کیا کرو، انصاف کے ساتھ (یعنی برابری کے ساتھ نقصان و کمی چھوڑ کر۔ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا الآیۃ ہم کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے (یعنی اس حکم میں کسی کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے (یعنی اس حکم میں کسی کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ناپ تول میں خطا کر جائے، بھول چوک ہو جائے اور اللہ اس کی نیک نیتی سے خواب واقف ہے تو اس خطاء و چوک پر مؤاخذہ نہیں ہوگا جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا الآیۃ اور جب تم کوئی بات کہو (کسی فیصلہ یا شہادت وغیرہ کے متعلق) تو عدل کرو (سچائی کے ساتھ) اگر چہ وہ شخص جس کے نفع کے لیے یعنی موافق یا جس کے خلاف کہی گئی) قرابتدار (رشتہ دار) ہی ہو۔ وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ الآیۃ اور اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد (جیسے قسم اور نذر) پورا کیا کرو۔ یہ باتیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ تم نصیحت پکڑو (تشدید کاف کے ساتھ بمعنی تَتَّعِظُوْنَ ہے یعنی نصیحت پکڑو اور سکون کے ساتھ۔ وَ اَنَّ هٰذَا (اکثر کی قراءت بفتح الہمزہ ہے بتقدیر اللام اور دوسری قراءت میں ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے اس صورت میں جملہ مستانفہ ہوگا اور (بلاشبہ یہ دین (یعنی اسلام جس کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے) میرا راستہ ہے سیدھا (مُسْتَقِيْمًا حال ہے) اس لیے تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں کا اتباع مت کرو (یعنی ان راستوں پر مت چلو جو اس دین اسلام کے خلاف ہے) فَتَفَرَّقَ بِكُمْ (میں ایک تاء کو حذف کر دیا گیا ہے اصل میں تتفرق تھا بمعنی تمیل) کہ وہ راہیں تم کو جدا کر دیں گی اللہ کی راہ سے (یعنی اس کے دین سے) ذٰلِكُمْ الآیۃ اس کا تم کو اللہ نے تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ تم بچتے رہو۔ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ الآیۃ پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی (یعنی توریت دی اور ثُمَّ یہاں خبروں کی ترتیب کے لیے ہے۔ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ۔ تا کہ تکمیل ہو جائے (نعمت کی) اس شخص پر جو نیک عمل کرے (اس پر قائم رہ کر اور ہر امر کی (جو دین میں ضروری ہو) تفصیل ہو جائے اور لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہو تا کہ وہ لوگ (یعنی بنی اسرائیل) اپنے پروردگار کی ملاقات کا (یعنی بعث بعد الموت کا یقین کر لیں)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله :مُفَسِّرَةٌ: ان ناصبہ نہیں بلکہ مفسرہ ہے، اگر ناصبہ ہوتا تو امر کا عطف جو کہ وَاَحْسِنُوْا مقدر ہے، درست نہ ہوتا اور نہ لَا تَقْتُلُوْٓا نہی کا۔ اور وَاَحْسِنُوْا کو مقدر بھی درستی عطف کے لیے مانا ہے۔

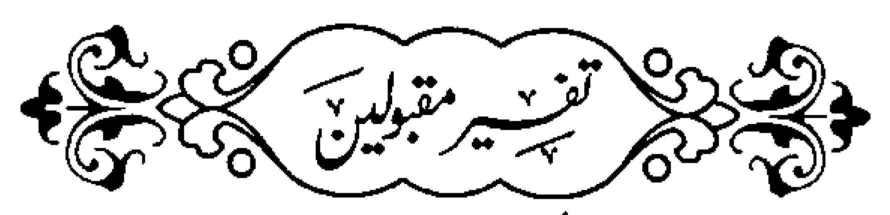
قوله :مِّنْ اَجَلِ :اس کو مقدر مانا تا کہ جنہوں نے خشية کو مقدر مانا اس کی تردید ہو جائے۔ وجہ یہ ہے کہ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ --- کا خطاب فقراء کو اور لَا تَقْتُلُوْٓا کا خطاب اغنیاء کو ہے، فتامل

قوله: بِالْفَتْحِ عَلٰی تَقْدِیْرِ اللَّامِ: تقدیر عبارت یہ ہے۔ لان ھذا صراطی فاتبعوہ۔ پس واؤ استنافیہ اور فا زائدہ ہوگی۔

قوله: تَمِیْلُ بِکُمْ: کی با تعدیہ کی ہے اور فَتَفَرَّقَ کی فا یہ نہی و مضارع محذوف کا جواب ہے، ان کی وجہ سے منصوب ہے۔

قوله: وَثُمَّ لِتَرْتِیْبِ الْاَخْبَارِ: ترتیب وجودی کے لیے نہیں، یعنی پھر ہم نے تم کو اطلاع دی کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی۔

قوله: لِلنِّعْمَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ تمامًا مفعول بہ کی جگہ ہے اور لام کا حذف بھی جائز ہے۔ تفصیلاً کا عطف بھی تمامًا پر ہے۔



قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّکُمْ عَلَیْکُمْ....

دس ضروری احکام

معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۴۰ میں لکھا ہے کہ مشرکین نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا چیزیں حرام کی ہیں وہ بتایئے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: (قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّکُمْ عَلَیْکُمْ اَلَّا تُشْرِکُوْا (الآیۃ)

ان آیات میں دس چیزوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن میں بعض اوامر ہیں اور بعض نواہی ہیں جن چیزوں کو بصورت امر بیان فرمایا چونکہ ان کے مقابل چیزیں حرام ہیں اس لیے یوں فرمایا کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں۔

(۱) اوّل یہ فرمایا کہ اپنے ربّ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

(۲) یہ کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

(۳) اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو عرب کے بے رحم جاہل اپنی اولاد کو دو وجہ سے قتل کر دیتے تھے۔ اوّل اس لیے کہ یہ بچے کہاں سے کھائیں گے؟ ان کو ساتھ کھلانے سے تنگ دستی آ جائے گی یہ نہیں سمجھتے تھے کہ رازق اللہ تعالیٰ شانہٗ ہے وہ خالق بھی اور رازق بھی ہے اس نے پیدا کیا تو رزق بھی دے گا اسی کو فرمایا: (نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَاِیَّاھُمْ) کہ ہم تمہیں رزق دیں گے اور انہیں بھی۔

اولاد کو قتل کرنے کا دوسرا سبب یہ تھا کہ عرب کے بعض علاقوں اور بعض خاندانوں میں جس کسی شخص کے یہاں لڑکی پیدا ہو

جاتی تو وہ مارے شرم کے لوگوں کے سامنے نہیں آتا تھا چھپا چھپا پھرتا تھا۔ جیسا کہ سورۃ نحل میں فرمایا: (يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ) جب بچی پیدا ہوتی تھی تو اس وقت اسے زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اسی کو سورۃ التکویر میں فرمایا: (وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ) (اور جبکہ زندہ دفن کی ہوئی بچی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی)۔

بے حیائی کے کاموں سے بچو:

بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ جو ظاہر ہیں اور باطن ہیں اس میں ہر طرح کی بے حیائی کے کاموں کی ممانعت آ گئی زنا اور اس کے لوازم، اور ننگا رہنا، ستر دکھانا، لوگوں کے سامنے ننگے نہانا۔ ان چیزوں کی ممانعت الفاظ قرآنیہ سے ثابت ہوگئی۔ سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار چیزیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے طریقہ زندگی والی ہیں۔ اول حیا، دوسرے عطر لگانا، تیسرے مسواک کرنا، چوتھے نکاح کرنا۔

سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ کھلے میدان میں غسل کر رہا ہے۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ شرم والا ہے چھپا ہوا ہے۔ شرم کرنے کو پسند فرماتا ہے۔ سو تم میں سے جب کوئی شخص غسل کرے تو پردہ کرے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا حیاء وایمان دونوں ساتھ ساتھ ہیں سو جب ان میں سے ایک اٹھایا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۲)

ناجائز طور پر خون کرنے کی ممانعت:

کسی جان کو قتل نہ کرو جس کا خون کرنا اللہ نے حرام قرار دیا۔ ہاں اگر حق کے ساتھ قتل کیا جائے تو اس کی اجازت ہے۔

آج کل قتل کی گرم بازاری ہے ایک مسلمان کو دوسرا مسلمان دنیاوی دشمنی کی وجہ سے یا دنیا کے حقیر نفع کے لیے قتل کر دیتا ہے قتل مسلم کا وبال بہت زیادہ ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ آسمان زمین والے سب مل کر اگر کسی مومن کے قتل میں شریک ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اوندھے منہ کر کے دوزخ میں ڈال دے گا۔ (مشکوٰۃ ص ۳۰۰)

مسلمان کی تو بہت بڑی شان ہے جو کافر مسلمانوں کی عملداری میں رہتے ہیں جنہیں ذمی کہا جاتا ہے اور جن کافروں سے حفاظت جان کا معاہدہ ہوجائے ان کو بھی قتل کرنا حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری امت پر تلوار لے کر نکلا جو نیک اور بد کو مارتا چلا جاتا ہے اور ان کے قتل سے پرہیز نہیں کرتا اور جو معاہدہ والے عہد پورے نہیں کرتا تو ایسا شخص مجھ سے نہیں اور نہ میں اس سے ہوں۔

(رواہ المسلم کما فی المشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۱۹)

ان امور کو بیان فرما کر ارشاد فرمایا: (ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ) (کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا تمہیں اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو اور عقل سے کام لو)۔

یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ:

یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ سوائے اس صورت کے جو اچھی ہو۔ یعنی جس میں یتیم کی خیر خواہی اور بھلائی ہو۔ یتیم کے مال کو ناحق نہ اڑاؤ اور ظلماً نہ کھاؤ جس کا ذکر سورۂ بقرہ (رکوع نمبر ۲۶) اور سورۂ نساء (رکوع نمبر ۱) میں ہو چکا ہے۔

ناپ تول میں انصاف کرو:

انصاف کے ساتھ ناپ تول کو پورا کرو۔ بہت سے لوگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اپنے لیے ناپ تول کریں تو ناپ تول پورا کر کے لیں اور دوسروں کو ناپ تول کر دیں تو کم ناپیں اور کم تولیں۔ اسی کو فرمایا: (وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ * الَّذِيْنَ إِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ * وَإِذَا كَالُوْهُمْ أَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ) (ہلاکت ہے کمی کرنے والوں کے لیے جو لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب لوگوں کو ناپ یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں)

ناپ تول میں کمی کرنے کا وبال:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپ تول کرنے والوں سے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ تم لوگ ایسی دو چیزوں میں مبتلا کیے گئے ہو جن کے بارے میں تم سے پہلی امتیں ہلاک ہو چکی ہیں۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵۰ از ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ ناپ اور تول میں کمی نہ کرو۔ اس حرکت بد کی وجہ سے گزشتہ امتوں پر عذاب آ چکا ہے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس قوم میں خیانت کا رواج ہو جائے اللہ ان کے دلوں میں رعب ڈال دے گا۔ اور جس قوم میں زنا کاری پھیل جائے ان میں موت زیادہ ہو گی اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے ان کا رزق منقطع ہو جائے گا اور جو لوگ ناحق فیصلے کریں گے ان میں قتل و خون عام ہو جائے گا۔ اور جو لوگ عہد کی خلاف ورزی کریں گے ان پر دشمن مسلط کر دیے جائیں گے۔

ساتھ یہ بھی فرمایا: (لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا) کہ ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ عمل کرنے کا حکم نہیں دیتے۔ لٰہذا ان احکام کے بجالانے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔

قال البغوی فی معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۴۲ مفسرًا الهم یکلف المعطی اکثر مما واجب علیه و لم یکلف صاحب الحق الرضا باقل من حقه حتی لا تضیق نفسه عنه بل امر کل واحدٍ منهما بما یسعه مما لا حرج علیه فیه اھ۔

فائدہ: جس طرح ناپ تول میں کمی کرنا حرام ہے اسی طرح وقت کم دینا، تنخواہ پوری لینا یا کام کیے بغیر جھوٹی خانہ پری کر دینا رشوت کی وجہ سے اس کام کو نہ کرنا جس کی ملازمت کی ہے۔ یہ سب حرام ہے اور جن محکموں میں ملازمت کرنا حرام ہے ان کی تنخواہ بھی حرام ہے اگرچہ ڈیوٹی پوری دیتا ہو۔

انصاف کی بات کرو:

جب تم بات کہو تو انصاف کی بات کہو۔ اور یہ نہ دیکھو کہ ہماری انصاف کی بات کس کے مخالف پڑے گی۔ گواہی دینی ہو تو حق کے موافق گواہی دو۔ انصاف کرنا ہو تو حق کے موافق فیصلہ کرو اگر تمہارا قریبی عزیز ہو اور اس کے مخالف سچی گواہی دینی پڑے اور اس کے خلاف حق کا فیصلہ کرنا پڑے تو کر ڈالو اس کی تشریح اور توضیح سورۂ نساء کی آیت (یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ) کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ (انوار البیان جلد اول)

اللہ کے عہد کو پورا کرو:

اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو۔ یہ مضمون سورۂ بقرہ کے تیسرے رکوع اور سورۂ مائدہ کے پہلے رکوع کی تفسیر میں گزر چکا ہے، جو بندے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں ان کا اللہ تعالیٰ سے عہد ہے کہ وہ احکام کی تعمیل کریں گے۔ اور امر کے مطابق چلیں گے۔ اور جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے اجتناب کریں گے لہٰذا ہر مومن بندہ اپنے عہد پر قائم رہے۔ اور (اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ) کا جو عہد لیا تھا وہ تو سارے ہی انسانوں سے لیا گیا تھا اور سب ہی نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا۔ پھر اس اقرار کو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے یاد دلایا لہٰذا ہر انسان پر لازم ہے کہ اس عہد کی پاسداری کرے۔ اور اپنے عقیدہ اور عمل سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرے اور اس دین کو قبول کرے جو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔

ان امور کو بیان فرما کر ارشاد فرمایا: (ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ) (یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو)

صراط مستقیم کا اتباع کرو:

بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اس کا اتباع کرو۔ اور دوسرے راستوں کا اتباع نہ کرو کیونکہ یہ راستے تمہیں اللہ کے راستہ سے ہٹا دیں گے، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے قرآن نازل فرمایا اور آنحضرت ﷺ کو قرآن کا مبلغ اور معلم اور مبین (بیان کرنے والا) بنایا۔ اور آپ کی اطاعت فرض کی۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و اتباع یہ سیدھا راستہ ہے جو صحابہ کرام اور تابعین عظام سے لے کر ہم تک پہنچا ہے جو لوگ اسلام کے متبع نہیں جیسے یہود و نصاریٰ اور جو لوگ دین اسلام کے مدعی ہیں لیکن اصحاب اہواء ہیں اپنی خواہشوں کے مطابق دین بناتے ہیں اور الحاد و زندقہ کی باتیں کرتے ہیں ایسے لوگ رسول اللہ ﷺ کے راستہ پر نہیں ہیں۔

ان لوگوں کے راستے پر جو شخص چلے گا وہ صراط مستقیم سے ہٹ جائے گا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی راہ پر نہ رہے گا، آخرت میں اسی کی نجات ہے جو آنحضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے راستہ پر ہو۔

صراط مستقیم کے علاوہ سب راستے گمراہی کے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے اور اس

کے دائیں بائیں خطوط کھینچے اور فرمایا کہ یہ مختلف راستے ہیں ان میں سے ہر راستے پر شیطان ہے جو اس کی طرف بلاتا ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: (وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ (الآیۃ)) (رواہ احمد والنسائی والدارمی کمافی المشکوٰۃ ص ۳۰) پھر ارشاد فرمایا: (ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ) (کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا تمہیں اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو) تقویٰ اختیار کرنے میں ہر بات آ گئی یعنی اوامر کی بھی پابندی کی جائے اور جن چیزوں سے منع فرمایا ان سے اجتناب بھی کیا جائے۔ برے اعمال، عقائد باطلہ، کفر، شرک سب سے بچنا تقویٰ کے مفہوم میں داخل ہے۔

فائدہ: آیات بالا میں دس باتوں کا حکم دیا ہے۔ یہ دس باتیں بہت اہم ہیں جن میں حقوق اللہ اور حقوق العباد سب کی رعایت کرنے کا حکم دیا ہے اور آخر میں صراط مستقیم سے ہٹنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو دیکھنا چاہے جس پر آپ کی مہر ہے تو یہ آیات: (قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ) سے لے کر (لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ) تک پڑھ لے۔ (رواہ الترمذی تفسیر سورۃ انعام)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سورۃ انعام میں یہ آیات محکمات ہیں جو ام الکتاب ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے آیات بالا تلاوت کیں۔ (ابن کثیر ج ۲ ص ۱۸۷)

وَهٰذَا القرآن كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ يا اهل مكة بالعمل بما فيه وَاتَّقُوْا الكفر لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُوْنَ ۝ انزلناه لـ اَنْ لا تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ اليهود والنصارى مِنْ قَبْلِنَا
وَاِنْ مخففة واسمها محذوف اى انا كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ قراءتهم لَغٰفِلِيْنَ ۝ لعدم معرفتنا لها اذ
ليست بلغتنا اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ لجودة اذهاننا فَقَدْ جَآءَكُمْ
بَيِّنَةٌ بيان مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لمن اتبعه فَمَنْ اى لا احد اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ وَصَدَفَ اعرض عَنْهَا سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ اى اشده بِمَا
كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ۝ هَلْ يَنْظُرُوْنَ ما ينتظرون المكذبون اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ بالتاء والياء الْمَلٰٓئِكَةُ
لقبض ارواحهم اَوْ يَاْتِىَ رَبُّكَ اى امره بمعنى عذابه اَوْ يَاْتِىَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ اى علاماته الدالة
على الساعة يَوْمَ يَاْتِىْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ وهو طلوع الشمس من مغربها كما فى حديث
الصحيحين لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ الجملة صفة نفس او نفسا لم تكن اَوْ
كَسَبَتْ فِىْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا طاعة اى لا تنفعها توبتها كما فى الحديث قُلِ انْتَظِرُوْٓا احد هذه الاشياء

اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ ذٰلِكَ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ بِاخْتِلَافِهِمْ فِيْهِ فَاَخَذُوْا بَعْضَهٗ وَتَرَكُوْا بَعْضَهٗ وَكَانُوْا
شِيَعًا فِرَقًا فِيْ ذٰلِكَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ فَارَقُوْا اَيْ تَرَكُوْا دِيْنَهُمُ الَّذِيْ اُمِرُوْا بِهٖ وَهُمُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى لَّسْتَ
مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ فَلَا تَتَعَرَّضُ لَهُمْ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ يَتَوَلَّاهُ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ بِمَا كَانُوْا
يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ فَيُجَازِيْهِمْ بِهٖ وَهٰذَا مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ السَّيْفِ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ اَيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَلَهٗ عَشْرُ
اَمْثَالِهَا ۚ اَيْ جَزَاءُ عَشْرِ حَسَنَاتٍ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا اَيْ جَزَاؤُهٗ وَهُمْ لَا
يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ يُنْقَصُوْنَ مِنْ جَزَائِهِمْ شَيْئًا قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ وَيُبْدَلُ مِنْ مَحَلِّهٖ
دِيْنًا قِيَمًا مُسْتَقِيْمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ
عِبَادَتِيْ مِنْ حَجٍّ وَغَيْرِهٖ وَمَحْيَايَ حَيَاتِيْ وَمَمَاتِيْ مَوْتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ فِيْ
ذٰلِكَ وَبِذٰلِكَ اَيِ التَّوْحِيْدِ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا
اِلٰهًا اَيْ لَا اَطْلُبُ غَيْرَهٗ وَّهُوَ رَبُّ مَالِكُ كُلِّ شَيْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ذَنْبًا اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ
تَحْمِلُ نَفْسٌ وَّازِرَةٌ اٰثِمَةٌ وِّزْرَ نَفْسٍ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ
تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ جَمْعُ خَلِيْفَةٍ اَيْ يَخْلُفُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فِيْهَا وَرَفَعَ
بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ بِالْمَالِ وَالْجَاهِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ لِّيَبْلُوَكُمْ لِيَخْتَبِرَكُمْ فِيْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ اَعْطَاكُمْ
لِيَظْهَرَ الْمُطِيْعُ مِنْكُمْ وَالْعَاصِيْ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ لِمَنْ عَصَاهُ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ
رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾ ع بِهِمْ.

ترجمہ: یہ (قرآن مجید) ایک کتاب ہے جس کو ہم نے (آپ پر) نازل کیا ہے بڑی خیر و برکت والی ہے۔ پس تم اسی کا اتباع کرو (اے مکہ والو! جو احکام و نصائح اس قرآن میں ہیں اس پر عمل کر کے اور (کفر سے) بچتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ اَنْ تَقُوْلُوْۤا یا اس کو نازل کیا تا کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ کتاب تو ہم سے پہلے دو فرقوں یعنی یہود و نصاریٰ پر نازل کی گئی تھی اور ہم اس کے پڑھنے پڑھانے سے ناواقف تھے۔ ہماری زبان میں ان کتابوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں ان کی معرفت حاصل نہ تھی۔ ان مخففہ اس کا اسم محذوف ہے یعنی اِنَّا ، یعنی یہ کہنے لگو (قیامت کے دن) کہ اگر ہم پر بھی کتاب نازل کی جاتی

تو ہم (یہود ونصاریٰ) سے زیادہ ہدایت پر ہوتے (اپنی ذہنی عمدگی کی وجہ سے) فَقَدۡ جَآءَكُمۡ الآیۃ ۔ سواب تمہارے پاس (بھی) تمہارے پروردگار کے پاس سے ایک واضح کتاب (بیان) اور ہدایت ورحمت آچکی ہے (جو اس کا اتباع کرے اس کے لیے ہدایت ورحمت ہے) فَمَنۡ اَظۡلَمُ پس اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا یعنی کوئی نہیں) جس نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے اعراض کرتے ہیں عنقریب ہم ان لوگوں کو برے عذاب (یعنی سخت ترین عذاب) کی سزا دیں گے جو ہماری آیتوں سے روگردانی کرتے ہیں اس سبب سے کہ وہ اعراض کرتے ہیں۔ هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ کیا انتظار کرتے ہیں (یعنی نہیں انتظار کرتے ہیں جھٹلانے والے اور روگردانی کرنے والے) مگر اس بات کا کہ ان کے پاس آئیں (ان کی روحیں قبض کرنے کے لیے) یا ان کے پاس آجائے آپ کا پروردگار (یعنی اللہ کا حکم مراد عذاب ہے) اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِيَهُمُ تاء کے ساتھ بھی ہے یاء کے ساتھ بھی ہے۔ اَوۡ يَاۡتِىَ بَعۡضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ الآیۃ یا آپ کے پروردگار کی کوئی بڑی نشانی آجائے (یعنی حق تعالیٰ کی ان علامات میں سے کوئی علامت ظاہر ہوجائے جو قیامت پر دلالت کرتی ہیں) جس يَوۡمَ يَاۡتِىۡ بَعۡضُ الآیۃ جس روز آپ کے پروردگار کی نشانی آپہنچے گی (مراد آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے) لَا يَنۡفَعُ نَفۡسًا اِيۡمَانُهَا لَمۡ تَكُنۡ اٰمَنَتۡ مِنۡ قَبۡلُ ۔ اس روز کسی ایسے شخص کا ایمان لانا نفع نہیں دے گا جو اس نشانی سے پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا (جملہ نفس کی صفت ہے۔ اَوۡ كَسَبَتۡ فِىۡۤ اِيۡمَانِهَا خَيۡرًا ؕ جس شخص نے اپنے ایمان کی حالت میں نیکی نہ کمائی ہوگی یعنی کسی ایسے شخص کی توبہ نفع نہیں دے گی جیسا کہ حدیث میں ہے۔ قُلِ انْتَظِرُوۡۤا الآیۃ آپ فرما دیجیے کہ تم انتظار کرو (ان اشیاء میں سے کسی ایک کا) ہم بھی (اس کا) انتظار کر رہے ہیں۔ اِنَّ الَّذِيۡنَ فَرَّقُوۡا الآیۃ بلاشبہ جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کردیا (یعنی دین کے اندر باہمی اختلاف کرکے کہ بعض کو لیا اور بعض کو چھوڑ دیا) اور گروہ گروہ بن گئے (یعنی اس میں مختلف فرقے ہوگئے۔ ایک قراءت میں بجائے فَرَّقُوۡا کے فارقوا دینهم ہے یعنی جس دین کا انہیں حکم دیا گیا تھا، جس کے وہ مکلف تھے اس کو چھوڑ دیا مراد یہود ونصاریٰ ہیں) آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، آپ ان لوگوں سے بری اور علیحدہ ہیں، پس آپ ان سے کچھ تعرض نہ کیجیے۔ بس ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے (وہ دیکھ بھال رہے ہیں) پھر (آخرت میں) اللہ ان کو بتادے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے (چنانچہ ان لوگوں کو اس تفریق کی سزا دیں گے۔ اور یہ حکم آیت سیف سے منسوخ ہے۔ مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ الآیۃ جو شخص نیکی لے کر آئے گا (یعنی ایمانی کلمہ، کلمہ توحید لے کر آئے گا) تو اس کے لیے اس کا دس گنا ثواب ہے (یعنی دس نیکیوں کا ثواب ملے گا) اور جو شخص برائی لے کر آئے گا تو اس کو اس برائی کے برابر ہی (سزا) دی جائے گی اور ان لوگوں پر کوئی ظلم نہ ہوگا (یعنی ان کے بدلہ میں کمی نہیں کی جائے گی۔ قُلۡ اِنَّنِىۡ هَدٰٮنِىۡ الآیۃ آپ کہہ دیجیے کہ بلاشبہ مجھ کو میرے پروردگار نے ایک سیدھا راستہ بتادیا ہے۔ صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۚ کہ کہ اسی صراطِ مستقیم کے محل سے بدل واقع ہو رہا ہے دِيۡنًا قِيَمًا) جو صحیح دین (مستقیم) ہے جو ابراہیم (علیہ السلام) کا طریقہ ہے وہ حق کی طرف مائل تھے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ قُلۡ اِنَّ صَلَاتِىۡ الآیۃ آپ فرما دیجیے کہ بالیقین میری نماز اور میری قربانی (یعنی میری عبادت حج وغیرہ اور میرا جینا (میری زندگی) اور میرا مرنا

(میری موت) سب اللہ ہی کے لیے ہے جو پروردگار ہے سارے جہانوں کا، اس کا کوئی شریک نہیں۔ وَبِذٰلِكَ الاٰیۃ اور اسی (توحید) کا مجھ کو حکم دیا گیا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا (ماننے والا) ہوں۔ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ الاٰیۃ آپ (ان سے یہ بھی) (کہہ دیجیے کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو ربّ (معبود) بنانے کے لیے تلاش کروں (یعنی میں اللہ کے سوا کسی اور کا طالب نہیں۔ حالانکہ وہی رب ہے (مالک ہے) ہر چیز کا اور ہر شخص جو کچھ عمل (گناہ) کرتا ہے وہ اسی پر رہتا ہے۔ وَلَا تَزِرُ الاٰیۃ (تَزِرُ بمعنی تَحْمِلُ ہے اور اس کا فاعل نَفْسٌ ہے) یعنی اور کوئی شخص بوجھ نہیں اٹھائے گا بوجھ اٹھانے والا (یعنی گنہگار) دوسرے شخص کا بوجھ۔ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ الاٰیۃ پھر تم سب کو اپنے ربّ کے پاس لوٹنا ہوگا پھر وہ تم کو ان باتوں سے خبردار کرے گا جن میں تم (دنیا میں) اختلاف کرتے تھے اور وہ (اللہ) ہے جس نے تم کو زمین میں (اگلوں کا) جانشین کیا (خلائف خلیفہ کی جمع ہے یعنی تم میں سے بعض کو بعض کا جانشین بنا دیا ہے اس زمین میں) اور تم میں سے بعض کے بعض پر درجے بلند کیے (مال و جاہ وغیرہ میں) تاکہ وہ تم کو آزمائے (تمہارا امتحان کرے) ان نعمتوں میں جو تم کو دی ہیں (تاکہ ظاہر ہو جائے تم میں سے فرمانبردار اور نافرمان) بلاشبہ آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے (نافرمانوں کو) اور بالیقین بڑا بخشنے والا ہے (مسلمانوں کو) اور (ان پر) مہربان ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: لِاَنْ: لام کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ یہ مفعول ہے اور یہ بھی اشارہ ہے۔ یہ اَنْ ناصبہ ہے۔ اسی وجہ سے تَقُوْلُوْا کا نون ساقط ہوا ہے اور لا کو مقدر اس لیے مانا کہ بذاتِ خود قول مفعول لہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

قوله: اَوْ تَقُوْلُوْا: اس سے اشارہ کیا کہ اس کا عطف پہلے تَقُوْلُوْا پر ہے۔ ان لام مقدرہ کے ساتھ جس اول کا ناصب ہے، اسی طرح دوسرے کا بھی۔

قوله: مَا يَنْتَظِرُوْنَ: یہ استفہام انکاری ہے۔

قوله: اَیْ اَمْرَہٗ: ربّ تعالیٰ کی طرف سے اتیان غیر مقصود ہے، اس لیے امر رب سے تاویل کی۔

قوله: عَلَامَاتُهٗ: آیات سے مراد قیامت کی نشانیاں ہیں، قرآن کی آیات مراد نہیں۔

قوله: وَهُوَ طُلُوْعُ الشَّمْسِ: بعض بعض مبہم معین ہیں کیونکہ بعض دیگر کے ظہور کے باوجود ایمان قابل قبول ہوگا۔

قوله: لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ: اس وقت وہ ایمان بالمشاہدہ ہو جائے گا، ایمان بالغیب معتبر ہے۔

قوله: صِفَةُ نَفْسٍ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ ایمان کی صفت نہیں جیسا قرب کی وجہ سے ذہن میں متبادر ہوتا ہے۔

قوله: جَزَاءُ عَشْرِ حَسَنَاتٍ: امثال جمع مکسر کے اس لیے عَشْرِ اور عَشْرَۃِ دونوں درست ہیں یا یہ

حَسَنَاتٍ کے معنی میں ہے۔

قوله جَزَاؤُهُ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں مضاف محذوف ہے۔ جزاء سیئہ کو سیئہ مشاکلت کی وجہ سے کہا۔

قوله: مِنْ مَحَلِّهِ: کیونکہ یہ حقیقتاً مفعول بہ ہے۔

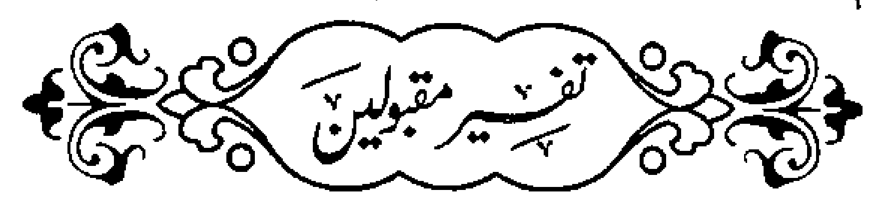
قوله: مَحْيَايَ: یہ مصدر میمی ہے جو حیات کے معنی میں ہے۔

قوله: نَفْسٌ: کو مقدر مان کر اشارہ کیا۔ وَازِرَةٌ یہ نفس کی صفت ہے۔

قوله: جَمْعُ خَلِيْفَةٍ اَيْ: یعنی یہ خلف کی جمع نہیں، اس کا معنی اولاد ہے۔

قوله: يُخْلِفُ: یعنی وہ ایک دوسرے کے بعد آئیں گے۔ یہ معنی نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خلفاء ہوں گے۔

قوله: اَعْطَاكُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ ایتاء کے معنی میں ہے اتیان سے نہیں۔



وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

یعنی تورات تو تھی ہی جیسی کچھ تھی، لیکن ایک یہ کتاب ہے (قرآن کریم) جو اپنے درخشاں اور ظاہر و باہر حسن و جمال کے ساتھ تمہارے سامنے ہے اس کی خوبصورتی اور کمال کا کیا کہنا۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ اس کی ظاہری و باطنی برکات اور صوری و معنی کمالات کو دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے۔

بہار عالم حسنش دل وجاں تازہ میدارد۔ برنگ اصحاب صورت رابہ بوار باب معنی را

اب دائیں بائیں دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اگر خدا کی رحمت سے حظ وافر لینا چاہتے ہو تو اس آخری اور مکمل کتاب پر چل پڑو اور خدا سے ڈرتے رہو کہ اس کتاب کے کسی حصہ کی خلاف ورزی ہونے نہ پائے۔

اَنْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ....

اہل عرب کی کٹ حجتی کا جواب:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے جو یہ کتاب نازل کی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ تم یوں نہ کہنے لگو کہ ہم سے پہلے دو جماعتوں پر کتاب نازل ہوئی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ پر) اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے وہ ہماری زبان میں نہ تھی لہٰذا ہم اس سے استفادہ نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرما کر اس عذر کو ختم کر دیا۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ تم یوں کہتے کہ ہمیں کتاب نہیں دی گئی اگر ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم خوب اچھی طرح عمل کرتے اور ہم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی عمل کرنے میں ان سے بڑھ چڑھ کر ثابت ہوتے۔ اور ان کے مقابلہ میں زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔

اللہ جل شانہٗ نے فرمایا: (فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ) کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے۔ یعنی قرآن کریم اور وہ ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی (اب اس پر عمل کرنا اور ہدایت پر چلنا تمہارا کام ہے)۔

اس کے بعد فرمایا: (فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا) کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور جو شخص اس پر عمل کرنا چاہے اس کو عمل سے روکے اور باز رکھے اللہ کی کتاب نازل ہونے سے ہدایت پر عمل کرنے کی بجائے تکذیب کرنا خود بھی عمل نہ کرنا اور دوسروں کو روکنا یہ خود کو ہلاکت اور عذاب میں ڈالنے کا سبب ہے۔

(سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ) جو لوگ ہماری آیات سے ہٹتے ہیں ہم ان کے اس عمل کی وجہ سے انہیں برا عذاب دیں گے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اہل عرب کی اس کٹ حجتی کو ختم فرما دیا کہ ہم سے پہلے اہل کتاب کو کتاب دی گئی تھی ہم ان کی لغت کو نہیں جانتے تھے۔ اب جب اہل عرب کی لغت میں کتاب نازل ہوگئی تو یہ عذر ختم ہوگیا۔

اسی طرح یہ بات کہ ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم ایسا ایسا کرتے اور یوں عمل کر کے دکھاتے اور خوب بڑھ چڑھ کر ہدایت میں آگے بڑھتے اس بارے میں بھی ان پر حجت پوری ہوگئی، شاید کوئی شخص یہ اشکال پیش کرے کہ قرآن تو عربی زبان میں نازل ہوا جو قومیں عربی زبان نہیں جانتیں ان کی حجت کا کیا جواب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل عرب کی زبان میں نازل فرمانا یہ ان کے ساتھ خصوصی انعام ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی اور زبان میں نازل فرما دیتا اور سارے انسانوں کو اس کے اتباع کا حکم دیتا جن میں اہل عرب بھی تھے تو یہ بھی صحیح ہوتا، ساری مخلوق اس کی مملوک ہے وہ کسی کا پابند نہیں اس نے عربی میں قرآن مجید نازل فرمایا اور خاتم النبیین ﷺ کو عرب میں مبعوث فرمایا اور سارے عالم کے انسانوں کو اپنے آخری رسول اور آخری کتاب پر ایمان لانے کا مکلف فرمایا۔

قرآن مجید کو (هُدًى لِّلنَّاسِ) (سب لوگوں کے لیے ہدایت) فرمایا، اور سید المرسلین ﷺ کے بارے میں فرمایا: (وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا) (اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر) اس سے آپ کی عمومی بعثت کا اعلان فرما دیا۔ سارے انسانوں کو آپ کی دعوت پہنچ چکی ہے۔ اب جو شخص اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر ایمان نہ لائے اپنا برا خود کرے گا۔ اس لیے کہ تم یوں کہنے لگتے کہ ہم سے پہلے دو فرقوں پر کتاب نازل کی گئی تھی اور اگر اللہ تعالیٰ عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں اپنی آخری کتاب نازل فرماتا اور عربوں کو حکم دیتا کہ تم اس کا اتباع کرو تو اس پر بھی کسی کو کچھ اعتراض کرنے کی گنجائش نہ تھی۔ جب اللہ جل شانہٗ نے سارے انسانوں کو قرآن کے اتباع کا حکم دے دیا تو سب پر لازم ہے کہ اس کے احکام کو سیکھیں۔ قرآن مجید کو پڑھیں اور پڑھائیں پورے عالم میں بیسیوں زبانیں ہیں جس جس نے اسلام قبول کر لیا وہ سب پڑھتے پڑھاتے ہیں اور اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ بلکہ قرآن مجید کی تفسیریں زیادہ تر غیر عرب ہی نے لکھی ہیں۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی....

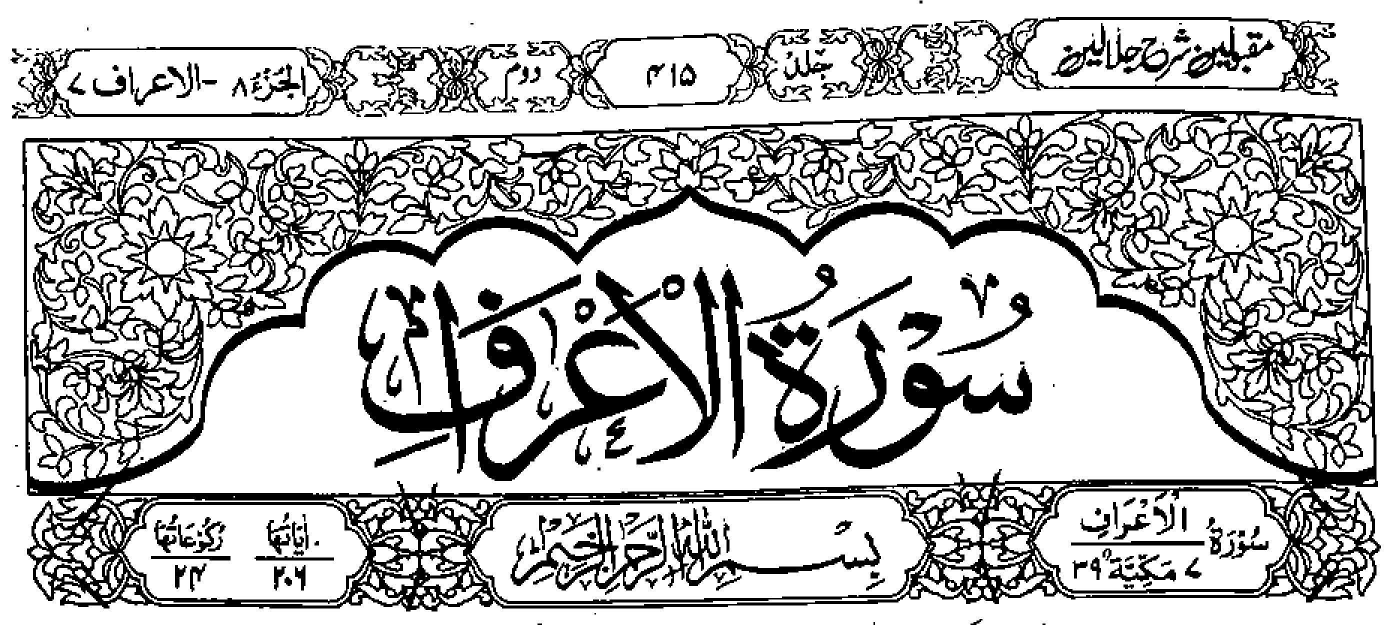
کسی کے گناہ کا بھار دوسرا نہیں اٹھا سکتا:

آیت میں مشرکین مکہ ولید بن مغیرہ وغیرہ کی اس بات کا جواب ہے جو وہ رسول اللہ ﷺ اور عام مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ، تو تمہارے سارے گناہوں کا بھار ہم اٹھا لیں گے، اس پر فرمایا: (آیت) قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ، اس میں رسول اللہ ﷺ کو ارشاد ہے کہ آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا تم مجھ سے یہ چاہتے ہو کہ تمہاری طرح میں بھی اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کر لوں، حالانکہ وہی سارے جہان اور ساری کائنات کا رب ہے، اس گمراہی کی مجھ سے کوئی امید نہ رکھو، باقی تمہارا یہ کہنا کہ ہم تمہارے گناہوں کا بھار اٹھا لیں گے یہ خود ایک حماقت ہے، گناہ تو جو شخص کرے گا اسی کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا، اور وہی اس کی سزا کا مستحق ہوگا، تمہارے اس کہنے سے وہ گناہ تمہاری طرف کیسے منتقل ہو سکتا ہے، اور اگر خیال ہو کہ حساب اور نامہ اعمال میں تو انہی کے رہے گا لیکن میدان حشر میں اس پر جو سزا مرتب ہوگی وہ سزا ہم بھگت لیں گے، تو اس خیال کو بھی اس آیت کے اگلے جملہ نے رد کر دیا، وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی، "یعنی قیامت کے روز کوئی شخص دوسرے کا بھار گناہ نہیں اٹھائے گا"۔

اس آیت نے مشرکین کے بیہودہ قول کا جواب تو دیا ہی ہے، عام مسلمانوں کو یہ ضابطہ بھی بتلا دیا کہ قیامت کے معاملہ کو دنیا پر قیاس نہ کرو کہ یہاں کوئی شخص جرم کر کے کسی دوسرے کے سر ڈال سکتا ہے، خصوصاً جب کہ دوسرا خود رضامند بھی ہو، مگر عدالت الٰہیہ میں اس کی گنجائش نہیں، وہاں ایک کے گناہ میں دوسرا ہرگز نہیں پکڑا جا سکتا، اسی آیت سے استدلال فرما کر رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ولد الزنا پر والدین کے جرم کا کوئی اثر نہیں ہوگا، یہ حدیث حاکم نے بسند صحیح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔

اور ایک میت کے جنازہ پر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کسی کو روتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ زندوں کے رونے سے مردہ کو عذاب ہوتا ہے، ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے نقل کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم ایک ایسے شخص کا یہ قول نقل کر رہے ہو جو نہ کبھی جھوٹ بولتا ہے اور نہ ان کی ثقاہت میں کوئی شبہ کیا جا سکتا ہے، مگر کبھی سننے میں بھی غلطی ہو جاتی ہے، اس معاملہ میں تو قرآن کا ناطق فیصلہ تمہارے لیے کافی ہے: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی "یعنی ایک کا گناہ دوسرے پر نہیں پڑ سکتا، تو کسی زندہ آدمی کے رونے سے مردہ بے قصور کس طرح عذاب میں ہو سکتا ہے۔ (درمنثور)

آخر آیت میں ارشاد فرمایا کہ "پھر تم سب کو بالآخر اپنے رب ہی کے پاس جانا ہے، جہاں تمہارے سارے اختلاف کا فیصلہ سنا دیا جائے گا"۔ مطلب یہ ہے کہ زبان آوری اور کج بحثی سے باز آؤ، اپنے انجام کی فکر کرو۔



شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سورۂ اعراف مکی ہے بجز واسئلهم عن القرية الخ آٹھ یا پانچ آیات کے جس میں دو سو پانچ یا چھ آیات ہیں

الٓمّٓصٓ ① اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِذٰلِكَ هٰذَا كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ خِطَابٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ ضِيْقٌ مِّنْهُ اَنْ تُبَلِّغَهُ مَخَافَةَ اَنْ تُكَذَّبَ لِتُنْذِرَ مُتَعَلِّقٌ بِاُنْزِلَ اَيْ لِلْاِنْذَارِ بِهٖ وَذِكْرٰى تذكرة لِلْمُؤْمِنِيْنَ ② بِهٖ قُلْ لَهُمْ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَيِ الْقُرْاٰنَ وَلَا تَتَّبِعُوْا تتخذوا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَيِ اللّٰهِ اَيْ غَيْرِهٖ اَوْلِيَآءَ ۭ تُطِيْعُوْنَهُمْ فِيْ مَعْصِيَتِهٖ تَعَالٰى قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ تَتَّعِظُوْنَ وَفِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الذَّالِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِسُكُوْنِهَا وَمَا زَائِدَةٌ لِتَاكِيْدِ الْقِلَّةِ وَكَمْ خَبَرِيَّةٌ مَفْعُوْلٌ مِّنْ قَرْيَةٍ اُرِيْدَ اَهْلُهَا اَهْلَكْنٰهَا اَرَدْنَا اِهْلَاكَهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا عَذَابُنَا بَيَاتًا لَيْلًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ④ نَائِمُوْنَ بِالظَّهِيْرَةِ وَالْقَيْلُوْلَةُ اِسْتِرَاحَةُ نِصْفِ النَّهَارِ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهَا نَوْمٌ اَيْ مَرَّةً جَاءَهَا لَيْلًا وَمَرَّةً نَهَارًا فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ قَوْلُهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑤ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ اَيِ الْاُمَمَ عَنْ اِجَابَتِهِمُ الرُّسُلَ وَعَمَلِهِمْ فِيْمَا بَلَغَهُمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ⑥ عَنِ الْاِبْلَاغِ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ لَنُخْبِرَنَّهُمْ عَنْ عِلْمٍ بِمَا فَعَلُوْهُ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ⑦ عَنْ اِبْلَاغِ الرُّسُلِ وَالْاُمَمِ الْخَالِيَةِ فِيْمَا عَمِلُوْا وَالْوَزْنُ لِلْاَعْمَالِ اَوْ لِصَحَائِفِهَا بِمِيْزَانٍ لَهٗ لِسَانٌ وَكِفَّتَانِ كَمَا وَرَدَ فِيْ حَدِيْثٍ كَائِنٌ يَوْمَئِذِ اَيْ يَوْمَ السُّؤَالِ الْمَذْكُوْرِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ بِالْحَقِّ ۚ الْعَدْلُ صِفَةُ الْوَزْنِ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ بِالْحَسَنَاتِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑧ الْفَائِزُوْنَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ بِالسَّيِّاٰتِ فَاُولٰٓئِكَ

الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ بتصییرھا الی النار بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۞ یجحدون وَ لَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ

یٰبنی اٰدم فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ بالیاء اسبابا تعیشون بھا جمع معیشة قَلِيْلًا مَّا

ع ۸ لتاكید القلة تَشْكُرُوْنَ ۞

ترجمہ: الٓمّٓصٓ ۞ (اس کلام کی مراد سے اللہ ہی خوب واقف ہے) كِتٰبٌ اُنْزِلَ الآیۃ یہ (قرآن مجید) ایک کتاب ہے جو (اللہ کی جانب سے) آپ کی طرف نازل کی گئی ہے (نبی اکرم ﷺ کو خطاب ہے فَلَا یَكُنْ الآیۃ پس آپ کے دل میں اس سے (یعنی اس کی تبلیغ سے) بالکل کوئی تنگی نہ ہونی چاہیے، یعنی جھٹلائے جانے کے خوف سے۔ تا کہ آپ اس کے ذریعہ سے (لوگوں کو) ڈرائیں (لِتُنْذِرَ کا تعلق اُنْزِلَ سے ہے یعنی کتاب نازل کی گئی ہے ڈرانے کے لیے) اور تا کہ (اس پر) ایمان والوں کے لیے نصیحت یاددہانی ہو، آپ ان لوگوں سے یہ کہیے کہ) تم لوگ اس (قرآن) کا اتباع کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری جانب نازل کیا گیا ہے۔ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ اور اللہ کے علاوہ دوستوں کا اتباع مت کرو (ای لا تتخذوا من دونہ .... یعنی اللہ کے سوا غیر اللہ کو دوست نہ بناؤ کہ اللہ کی نافرمانی میں ان کی اطاعت کرنے لگو۔ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۞ تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو (بالتاء والیاء .... بالتاء یعنی تذكرون ۞ اور اس میں اصل میں تا کا ذال میں ادغام ہے، بمعنی تتعظون اور ایک قراءت میں ذال کے سکون کے ساتھ ہے اور لفظ ما کی یادتی قلت کی تاکید کے لیے ہے۔ وَ كَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ الآیۃ اور کتنی ہی بستیاں۔ مراد اہل قریہ ہے۔ اَهْلَكْنٰهَا ہم نے ان کو ہلاک کیا (یعنی ہلاک کرنے کا ارادہ کیا) تو ان پر ہمارا عذاب آیا (باس بمعنی عذاب ہے) سوتے وقت (یعنی رات کو) یا وہ قیلولہ کر رہے تھے (یعنی دوپہر کے وقت سو رہے تھے اور قیلولہ دوپہر کے وقت آرام کرنے اور لیٹنے کو کہتے ہیں اگرچہ نیند نہ ہو یعنی کبھی ان پر عذاب آیا رات کو اور کبھی دن کو۔ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ الآیۃ سو جس وقت ان پر ہمارا عذاب آیا اس وقت ان کا قول بجز اس کے کچھ نہ تھا کہ بے شک ہم ظالم تھے۔ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الآیۃ پھر ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے (یعنی ان امتوں سے رسولوں کی دعوت قبول کرنے کے متعلق اور ہمارے ان احکام پر عمل کے متعلق جو ان کو پہنچا) اور ہم رسولوں سے بھی ضرور پوچھیں گے (احکام پہنچانے کے متعلق، پھر ہم اپنے علم سے ان پر بیان کر دیں گے، جو کچھ بھی انہوں نے کیا سب ان سے بیان کر دیں گے اپنے جاننے سے) اور ہم ان سے غائب نہ تھے (رسولوں کی تبلیغ اور گزشتہ امتوں کے اعمال واحوال سے) وَ الْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ ۚ الآیۃ اور اس روز کا وزن حق ہے (یعنی اس دن اعمال کا وزن یا دفاتر اعمال کا وزن ایسی ترازو سے ہوگا جس میں ایک زبان اور دو پلے ہوں گے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اس روز واقع ہونے والا ہے اس روز سے مراد قیامت کا دن ہے۔ الْحَقُّ صفت ہے وَزْنُ کی یعنی ٹھیک اور صحیح وزن ہوگا۔ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ الآیۃ پھر جن لوگوں پلڑے (نیکیوں کے) بھاری ہوں گے

وہی لوگ فلاح پانے والے (کامیاب) ہوں گے اور جن لوگوں کے پلڑے ہلکے ہوں گے (گناہوں کی وجہ سے) تو یہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارہ میں ڈالا (جہنم کی طرف اپنا ٹھکانہ بنا کر) بسبب اس کے کہ ہماری آیتوں کی حق تلفی کرتے تھے (انکار کرتے تھے) وَ لَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ الآیۃ اور بے شک ہم نے تم کو (اے آدم کی اولاد) زمین پر بسا دیا اور تمہارے لیے اس میں قسم قسم کے اسباب معیشت پیدا کیے (مَعَايِشَ یاء کے ساتھ ہے، ایسے اسباب جس کے ذریعہ زندگی بسر کرسکو۔ تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔ ما کمی کی تاکید کے لیے آیا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: هٰذَا: اس سے اشارہ کیا کہ کتاب مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

قوله: لِلْاِنْذَارِ: ان مصدریہ مقدرہ ہے۔

قوله: تذکرۃ: یہ تذکیر سے ہے، تذکر سے نہیں۔

قوله: قُلْ لَهُمْ: قل کو مقدر مانا کیونکہ یہاں التفات کا کوئی مطلب نہیں۔

قوله: خَبْرِيَّةٌ مَفْعُوْلٌ: یہ اهلکت مقدر کا مفعول ہے اور یہ اَهْلَكْنٰهَا اس کی تفسیر کر رہا ہے۔

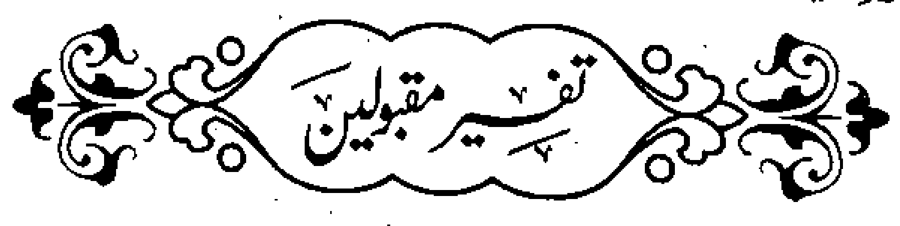
قوله: اَرَدْنَا اِهْلَاكَهَا: اردنا کو اسی وجہ سے مقدر مانا کہ یہ مجاز ہے۔ اہلاک سے رادۂ اہلاک مراد ہے اور فاقجاء ھا میں تفسیریہ ہے، کیونکہ ہلاکت تو عذاب کے بعد ہوتی ہے نہ کہ پہلے۔

قوله: مَرَّةً جَاءَهَا: اَوْ تنویع کے لیے ہے، شک وتشکیک کے لیے نہیں۔

قوله: اَوْ: یہاں واو کے معنی میں ہے، اسی وجہ سے لَيْلًا وَمَرَّةً نَهَارًا کہا۔

قوله: كَانَ: اس کو مقدر مانا اس سے اشارہ کیا کہ اَلْوَزْنُ مبتداء ہے اور يَوْمَئِذٍ متعلق کے اعتبار سے اس کی خبر ہے۔

قوله: صِفَةُ الْوَزْنِ: یہ اشارہ کیا کہ حق اس کی خبر نہیں صفت ہے۔



خلاصہ مضامین سورۃ

تمام سورۃ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں زیادہ تر مضامین معاد (آخرت) اور رسالت سے متعلق ہیں، اور پہلی ہی آیت كِتٰبٌ اُنْزِلَ میں نبوت کا اور آیت نمبر 6 میں فَلَنَسْئَلَنَّ میں معاد وآخرت کی تحقیق کا مضمون ہے، اور رکوع چہارم کے نصف سے رکوع ششم کے ختم تک بالکل آخرت کی بحث ہے۔ پھر رکوع ہشتم سے اکیسویں رکوع تک وہ معاملات مذکور ہیں

جو انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں سے ہوتے ہیں۔ یہ سب مسئلے رسالت سے متعلق ہیں، اور ان قصص میں ساتھ ساتھ منکرین رسالت کی سزاؤں کا بھی ذکر چلا آیا ہے، تاکہ منکرین موجودین کو عبرت حاصل ہو، اور رکوع بائیس کے نصف سے تیئس کے ختم تک پھر معاد کی بحث ہے، صرف ساتویں اور بائیسویں رکوع کے شروع میں اور آخری رکوع چوبیس کے اکثر حصہ میں توحید پر خاص بحث ہے، باقی بہت کم حصہ سورت کا ایسا ہے جس میں جزوی فروعی احکام بمناسب مقام مذکور ہیں۔ (بیان القرآن)

شانِ نزول: آنحضرت ﷺ جب مکہ مکرمہ میں تشریف فرماتے تو کافروں کا بہت زور تھا اور مسلمان تھوڑے اور کمزور تھے احکام الٰہی کا نزول زور وشور سے ہو رہا تھا۔ توحید اور رسالت اور قیامت کے مسائل کو دلائل قاہرہ سے بیان کیا جاتا تھا جس سے مشرکین کی دشمنی اور عداوت دن بدن بڑھتی جاتی تھی اس سے آنحضرت ﷺ کو طبعی طور پر گرانی پیش آتی تھی تو اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ الْحَقُّ ۔۔۔

وزن اعمال کی کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ نفس اعمال کا وزن ہوگا قیامت کے دن جو چیز ترازو میں رکھی جائے گی وہ اعمال ہونگے۔ اعمال اگرچہ اعراض ہیں اور غیر قائم بالذات ہیں مگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو اجساد بنادے گا۔ یعنی قیامت کے دن اعمال کو قابل وزن جواہر بنادیا جائے گا۔ امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ قیامت کے دن سورۃ بقرہ اور آل عمران دو بادل یا دو چھتری یا دو پرندوں کے پر کی طرح آویں گی اور حدیث میں ہے کہ مومن کے پاس قبر میں ایک خوبصورت اور خوشبودار جوان سامنے آئیگا تو مومن اس سے پوچھے گا کہ تو کون ہے تو وہ کہے گا کہ میں تیرا عمل صالح ہوں اور کافر اور منافق کے حق میں اس کے برعکس ذکر فرمایا اور حدیث میں ہے: ((کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمٰن سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم)) اس حدیث سے بھی نفس اعمال کا میزان میں تولا جانا ظاہر ہے۔

دوسرا قول: اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اعمال تو نہیں تولے جائیں گے بلکہ اعمال نامے تولے جائیں گے یعنی وہ صحیفے جن میں فرشتوں نے بندہ کے اچھے اور برے اعمال لکھے ہیں وہ تولے جائیں گے جیسا کہ ترمذی اور مسند احمد کی حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص لایا جائے گا جس کے 99 سجل یعنی ننانوے طومار نامۂ اعمال میزان کے ایک پلے میں رکھے جائیں گے اور ہر سجل (طومار) مدبصر تک ہوگا اس کے بعد اسی شخص کا ایک بطاقہ یعنی ایک پرچۂ کاغذ لایا جائے گا جس میں لا الہ الا اللہ لکھا ہوگا وہ شخص یہ ہے کہے گا کہ اے پروردگار ان سجلات کے سامنے اس بطاقہ کی کیا ہستی ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھ پر ظلم نہ ہوگا پھر اس بطاقہ کو ترازو کے دوسرے پلہ میں رکھ کر سب اعمال کا وزن کیا جائے گا آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: ((فطارت السجلات وثقلت البطاقۃ)) یعنی اس وقت گناہوں کے وہ تمام طومار ہلکے ہو جائیں گے اور وہ پرچہ بھاری ہو جائیگا۔ یہ حدیث ترمذی میں ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ

معاملہ سب کے ساتھ نہ ہوگا بلکہ میدان حشر میں صرف ایک شخص کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائیگا تا کہ لوگوں پر کلمہ توحید کا وزن اور ثقل ظاہر ہوجائے کہ یہ کلمہ کس قدر وزنی ہے کہ توحید کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔ مقصود نمونہ دکھلانا ہوگا لہٰذا نمونے کے لیے ایک ہی شخص کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے گا۔

تیسرا قول: اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ خود صاحب عمل کو تولا جائے گا جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک بڑا موٹا شخص لایا جائیگا اور اس کو تولا جائے گا تو وہ ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ نکلے گا بظاہر یہاں بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ سب کافروں کے ساتھ نہ کیا جائیگا بلکہ صرف ایک کافر کے ساتھ کیا جائیگا تا کہ اہل محشر پر کافر کی خفت اور بے حیثیت و بے وقعت ہونا سب کو آنکھوں سے نظر آجائے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ان اخبار وآثار میں توفیق اور تطبیق بھی ممکن ہے وہ یہ کہ یہ کہا جائے کہ یہ سب امور حق اور درست ہیں کبھی نفس اعمال کا وزن ہوگا اور کبھی صحائف اعمال یعنی نامہائے اعمال کا وزن ہوگا اور کبھی صاحب اعمال کا وزن ہوگا۔

ان اقوال میں سب سے زیادہ صحیح اور ارجح پہلا قول ہے کہ نفس اعمال کو تولا جائے گا اور سلف صالح اکثر اسی کے قائل ہیں اور اعمال اگرچہ بظاہر اس وقت اعراض معلوم ہوتے ہیں جو بظاہر ایسی چیز نہیں جو تولی جائے لیکن یہی اعمال جو اس دنیا میں اعراض ہیں قیامت کے دن ان کو اعیان اور اجسام کی صورت میں مجسم بنا دیا جائے گا اور خود نفس اعمال کو ترازوں میں رکھ کر تولا جائے گا جس نے عمل کو اخلاص اور بروقت اور برمحل کیا ہوگا اس کا عمل ثقیل اور وزنی ہوگا اور جس نے ریاکاری سے یا خلاف شرع کام کیا ہوگا وہ ہلکا ہوجائے گا اور عقلاً یہ جائز ہے کہ ایک ہی شئے ایک محل اور موطن میں جوہر ہو اور دوسرے موطن میں وہی عرض ہو ہر محل اور موطن کے احکام علیحدہ اور جدا ہیں آگ وجود خارجی میں محرق جلانے والی چیز ہے اور وجود ذہنی آگ کی صورت ذہنیہ جلانے والی چیز نہیں۔

2۔ احادیث صحیحہ اور متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ قیامت کے دن ایک میزان لاکر رکھی جائے گی جس میں کفتین (دو پلے) اور ایک لسان یعنی زبان ہوگی اس پر ایمان لانا اور اس کو حق سمجھنا ضروری ہے رہا یہ امر کہ اس میزان کے دونوں پلوں کی کیا نوعیت اور کیا کیفیت ہوگی اور اس سے وزن معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہوگا۔ سو یہ چیزیں ہماری حیطۂ عقل اور دائرۂ ادراک سے باہر ہیں اور نہ ہم اس کے جاننے کے مکلف ہیں۔ عالم غیب کی چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے اور ان کی نوعیت اور کیفیت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہیے میزان کو اس حسی اور عرفی ترازو میں منحصر سمجھ لینا صحیح نہیں اسی دنیا میں دیکھ لو کہ ترازو کی کتنی قسمیں ہیں ایک میزان وہ ہے جو ریلوے اسٹیشن پر ہوتی ہے جس سے مسافروں کا سامان تلتا ہے۔ ان کے علاوہ ایک مقیاس الہواء اور مقیاس الحرارت ہے جس سے حرارت اور برودت کا درجہ معلوم ہوتا ہے اور ایک تھرمامیٹر ہے جس سے اندرونی حرارت کا درجہ معلوم ہوتا ہے کہ کس درجہ کا بخار ہے۔ ایک میزان شعر ہے جس سے شعر کا وزن معلوم ہوتا ہے۔ پس جب دنیا میں مختلف قسم کی میزانیں موجود ہیں جن سے اعیان اور اعراض کے اوزان اور درجات کا تفاوت معلوم ہوجاتا ہے تو اس قادر مطلق کو کیا مشکل ہے کہ وہ قیامت کے دن ایک ایسی حسی اور مقداری میزان قائم کردے جس سے بندوں کے اعمال کے اوزان اور درجات اور مراتب کا

تفاوت اور فرق صورۃ اور حسا ظاہر ہو جائے۔ وما ذلك على الله بعزيز۔
بعض خام عقل لوگوں نے جیسے معتزلہ نے ایسی میزان کو بعید از عقل وقیاس سمجھ کر یہ کہدیا کہ وزن سے حسی ترازو میں تولنا مراد نہیں بلکہ وزن سے عدل اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا مراد ہے یعنی اس دن نہایت جچے تلے فیصلے ہوں گے اور اس دن اعمال کا فیصلہ انصاف کے ساتھ ہوگا۔ حقیقۃ اس دن کوئی ترازو نہ ہوگی۔ مگر افسوس کہ یہ لوگ اپنی اس تاویل کے ثبوت میں سوائے اپنی عقلی استبعاد کے نہ کوئی عقلی دلیل پیش کر سکے اور نہ نقلی۔ صحابہ وتابعین سے بڑھ کر دنیا میں کون عقلمند ہو سکتا ہے جب انہوں نے اس کو تسلیم کر لیا تو عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ہم بھی اس کو تسلیم کر لیں۔

3۔ نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ ترازو ایک ہوگی یا متعدد ہوگی۔ صحیح قول یہ ہے کہ ترازو ایک ہوگی اور قرآن کریم میں جو بعض جگہ صیغہ جمع آیا ہے وہ باعتبار کثرت اعمال کے ہے یا باعتبار کثرت اصحاب اعمال کے ہے اسی بناء پر بعض علماء نے کہا ہے کہ موازین جمع میزان کی نہیں بلکہ جمع موزون کی ہے اور مراد اعمال موزونہ ہیں۔

4۔ حق تعالیٰ جل شانہ نے فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ سے متقین کا ذکر فرمایا: فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ میں میں کافروں کا ذکر فرمایا لیکن گنہگار مسلمانوں کا حال ذکر نہیں فرمایا ان کا معاملہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے جس پر چاہے رحمت فرمائے اور جس کو چاہے عذاب دے۔ کما قال تعالی: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ الآیۃ (معارف القرآن مفتی شفیعؒ)

وَ لَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ اَیْ اٰبَائَکُمْ اٰدَمَ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ اَیْ صَوَّرْنَاہُ وَاَنْتُمْ فِیْ ظَھْرِہٖ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ سُجُوْدَ تَحِیَّۃٍ بِالْاِنْحِنَاءِ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبَا الْجِنِّ کَانَ بَیْنَ الْمَلٰئِکَۃِ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝۱۱ قَالَ تَعَالٰی مَا مَنَعَكَ اَلَّا زَائِدَۃٌ تَسْجُدَ اِذْ حِیْنَ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝۱۲ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا اَیْ مِنَ الْجَنَّۃِ وَقِیْلَ مِنَ السَّمٰوٰتِ فَمَا يَكُوْنُ یَنْبَغِیْ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ مِنْهَا اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝۱۳ الذَّلِیْلِیْنَ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اَخِّرْنِیْ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝۱۴ اَیِ النَّاسُ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝۱۵ وَفِیْ اٰیَۃٍ اُخْرٰی اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ اَیْ وَقْتِ النَّفْخَۃِ الْاُوْلٰی قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ اَیْ بِاِغْوَائِكَ لِیْ وَالْبَاءُ لِلْقَسَمِ وَجَوَابُہٗ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ اَیْ لِبَنِیْ اٰدَمَ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۱۶ اَیْ عَلَی الطَّرِیْقِ الْمُوْصِلِ اِلَیْکَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ اَیْ مِنْ کُلِّ جِھَۃٍ فَاَمْنَعُھُمْ عَنْ سُلُوْکِہٖ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَلَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یَّاْتِیَ مِنْ فَوْقِھِمْ لِئَلَّا یَحُوْلَ بَیْنَ الْعَبْدِ وَبَیْنَ رَحْمَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ

شٰكِرِيْنَ ﴿١٧﴾ مُؤْمِنِيْنَ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا بِالْهَمْزَةِ مَعِيْبًا مَمْقُوْتًا مَّدْحُوْرًا ۭ مُبْعَدًا عَنِ الرَّحْمَةِ
لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ مِنَ النَّاسِ وَاللَّامُ لِلْاِبْتِدَاءِ وَمُوَطِّئَةٌ لِلْقَسَمِ وَهُوَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٨﴾
اَیْ مِنْكَ بِذُرِّيَّتِكَ وَمِنَ النَّاسِ وَفِيْهِ تَغْلِيْبُ الْحَاضِرِ عَلَى الْغَائِبِ وَفِى الْجُمْلَةِ مَعْنٰى جَزَاءٍ مِنَ الشَّرْطِيَّةِ
اَیْ مَنِ اتَّبَعَكَ اُعَذِّبُهٗ وَقَالَ وَ يٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ تَاكِيْدٌ لِلضَّمِيْرِ فِى اُسْكُنْ لِيُعْطَفَ عَلَيْهِ وَ زَوْجُكَ حَوَّآءُ
بِالْمَدِّ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ بِالْاَكْلِ مِنْهَا وَهِیَ الْحِنْطَةُ فَتَكُوْنَا مِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ اِبْلِيْسُ لِيُبْدِیَ يُظْهِرَ لَهُمَا مَاوٗرِیَ فُوْعِلَ مِنَ الْمُوَارَاةِ عَنْهُمَا
مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَ قَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ كراهة اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ وَقُرِئَ
بِكَسْرِ اللَّامِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿٢٠﴾ اَیْ وَذٰلِكَ لَازِمٌ عَنِ الْاَكْلِ مِنْهَا كَمَا فِىْ اٰيَةٍ اُخْرٰى هَلْ اَدُلُّكَ
عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى وَ قَاسَمَهُمَآ اَیْ اَقْسَمَ لَهُمَا بِاللّٰهِ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٢١﴾ فِیْ
ذٰلِكَ فَدَلّٰىهُمَا حَطَّهُمَا عَنْ مَنْزِلَتِهِمَا بِغُرُوْرٍ ۚ مِنْهُ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ اَیْ اَكَلَا مِنْهَا بَدَتْ لَهُمَا
سَوْاٰتُهُمَا اَیْ ظَهَرَ لِكُلٍّ مِنْهُمَا قُبُلُهٗ وَ قُبُلُ الْاٰخَرِ وَدُبُرُهٗ وَسُمِّیَ كُلٌّ مِنْهُمَا سَوْأَةً لِاَنَّ اِنْكِشَافَهٗ يَسُوْءُ
صَاحِبَهٗ وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ اَخَذَا يَلْزَقَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ لِيَسْتَتِرَا بِهٖ وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ
اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٢٢﴾ بَيِّنُ الْعَدَاوَةِ وَالْاِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٌ
قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ بِمَعْصِيَتِنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ
اهْبِطُوْا اَیْ اٰدَمُ وَحَوَّاءُ بِمَا اشْتَمَلْتُمَا عَلَيْهِ مِنْ ذُرِّيَّتِكُمَا بَعْضُكُمْ بَعْضُ الذُّرِّيَّةِ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ مِنْ ظُلْمِ
بَعْضِهِمْ بَعْضًا وَ لَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ مَكَانُ اِسْتِقْرَارٍ وَّ مَتَاعٌ تَمَتُّعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٢٤﴾ تَنْقَضِیْ فِيْهِ اٰجَالُكُمْ
قَالَ فِيْهَا اَیِ الْاَرْضِ تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿٢٥﴾ بِالْبَعْثِ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ ع ۱۵ ۹

ترجمہ: وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ (الآیۃ) اور ہم نے تم کو (یعنی تمہارے باپ آدم کو) پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی (یعنی آدم کی صورت بنائی اور تم اس وقت ان کی پشت میں تھے) پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو (یعنی جھک کر سجدۂ تعظیمی کرو) فَسَجَدُوْٓا (الآیۃ) تو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے (جو جنوں کا باپ تھا اور فرشتوں میں تھا) وہ سجدہ کرنے

والوں میں شامل نہ ہوا، حق تعالیٰ نے فرمایا (اے ابلیس!) کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے روکا (لا زائدہ ہے) جب میں نے تجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا، ابلیس نے کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں (آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اس کو خاک سے پیدا کیا۔ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا الآیۃ حق تعالیٰ نے فرمایا: تو (جنت سے اور بعض نے کہا آسمانوں سے) نیچے اتر تیرے لیے جائز نہیں (لائق نہیں) کہ تو تکبر کرے آسمان میں رہ کر (نکل جا بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے۔ قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ ابلیس نے کہا مجھے اس دن تک مہلت دیجیے (پیچھے کر دیجیے، چھوٹ دیجیے) کہ جس دن (لوگ) اٹھائے جائیں گے۔ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۱۵﴾ ۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک تو ان لوگوں میں سے ہے جن کو مہلت دی گئی (اور دوسری آیت میں ہے: اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۔ یعنی نفخہ اولیٰ کے وقت تک) قَالَ فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ الآیۃ پس قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا (یعنی قسم تیرے اغواء کرنے کی مجھ کو اور باء قسمیہ ہے اور جواب اس کے آگے ہے) تو میں ضرور ان کے لیے (یعنی اولادِ آدم کی رہزنی کے لیے) تاک میں بیٹھوں گا تیرے سیدھے راستہ پر (یعنی اس راہ پر جو آپ تک پہنچانے والی ہوتی) پھر میں ان کے پاس آؤں گا (حملہ کر دوں گا) ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے داہنے سے اور ان کے بائیں سے (یعنی ہر طرف سے اور صراطِ مستقیم پر چلنے سے روک دوں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: شیطان اوپر کی جانب سے نہیں آسکتا تاکہ بندہ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے درمیان حائل ہو جائے۔ آپ ان میں سے اکثر کو شکر گزار مومن نہیں پائیں گے۔ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا الآیۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو یہاں سے ذلیل ہو کر مردود ہو کر نکل جا (مذؤم ہمزہ کے ساتھ عیب دار مبغوض و پھٹکارا ہوا مَّدْحُوْرًا ۔ رحمت سے دور کیا ہوا، مردود) لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ الآیۃ ان (لوگوں سے جو شخص تیرے پیچھے چلے گا (مِنْهُمْ کا مرجع اولادِ آدم ہے یعنی انسانوں میں سے لوگوں میں سے اور ابتدائیہ ہے اور قسم کی تمہید ہے۔ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۸﴾ میں ضرور تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا (یعنی تم ابلیس مع تمہاری ذرّیت کے اور لوگوں میں سے) فِیْهِ تَغْلِیْبُ الْحَاضِرِ عَلَى الْغَائِبِ، اس پر حاضر کی تغلیب غائب پر ہے اور جملہ میں مَنِ شرطیہ کے جزاء کے معنی ہیں یعنی جو شخص تیری راہ پر چلے گا میں اس کو عذاب دوں گا) وَ یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ الآیۃ اور (حق تعالیٰ نے فرمایا) اے آدم! تم اور تمہاری بیوی (حوّا مد کے ساتھ) جنت میں رہو (اَنْتَ ضمیر فصل اُسْكُنْ کی ضمیر کے لیے تاکید ہے تاکہ اس پر عطف صحیح ہو سکے) پھر جہاں سے چاہو دونوں آدمی کھاؤ اور (اتنا خیال رہے کہ) اس درخت کے پاس مت جاؤ (یعنی اس کے کھانے کے پاس مت جاؤ اور وہ درخت گیہوں ہے) ورنہ تم بھی بے کام کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے پھر شیطان (ابلیس) نے ان دونوں کو بہکایا تاکہ (ان دونوں کے سامنے ظاہر کر دے ان کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں (وُرِیَ ماضی مجہول بروزن فوعل ہے از باب مفاعلہ مواراۃ سے مشتق ہے)۔ وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا الآیۃ اور کہا کہ تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت (کے کھانے) سے منع نہیں فرمایا مگر اس (ناگواری کی) وجہ سے کہ (اس کو کھا کر) تم دونوں فرشتے ہو جاؤ ایک قراءت میں ملکین بکسر اللام پڑھا گیا ہے۔ (یا ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ (یعنی اس درخت کے کھا لینے کا لازمی اثر ہے، اس درخت کی خاصیت ہی یہی

ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: قال یادم ھل الآیۃ یعنی شیطان نے کہا: اے آدم! ایسا درخت بتاؤں جس سے اَبدی زندگی اور لازوال بادشاہت حاصل ہوتی ہے، ان دونوں کے سامنے قسمیں کھائیں یعنی ان دونوں کے سامنے اللہ کی قسم کھائی کہ) یقین جانیے کہ میں آپ دونوں کا (اس بارے میں) دل سے خیر خواہ ہوں، پس کھینچ لیا ان دونوں کو (اپنے) فریب سے (یعنی ان دونوں کو ان کے درجے اور مرتبے سے اتار دیا) فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ الآیۃ پس جوں ہی ان دونوں نے درخت کو چکھا (یعنی اس درخت کا پھل کھایا) تو دونوں کا مستور بدن ایک دوسرے کے سامنے کھل گیا (یعنی ظاہر ہوگئی دونوں میں سے ہر ایک کو اپنا قُبل یعنی آگے کی شرمگاہ اور دوسرے کے آگے اور پیچھے کی شرمگاہ اور ان دونوں شرمگاہوں میں سے ہر ایک کو سَوْأَةٌ اس لیے کہا گیا کہ اس کا کھلنا صاحب ستر کو برا لگتا ہے۔ وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ الآیۃ اور دونوں اپنی شرمگاہوں کے) اوپر جنت کے (درختوں کے) پتے چپکانے لگے (جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے تاکہ اپنے ستر کو چھپائیں) اور (اس وقت) ان کے ربّ نے ان کو پکارا کہ کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کر دیا تھا اور کیا میں نے تم سے نہیں کہہ دیا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے (جس کی دشمنی کھلی ہوئی ہے اور استفہام تقریری ہے) دونوں کہنے لگے اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا (ہم نے نافرمانی کر کے) اور اگر آپ (ہمارا قصور) معاف نہ کریں اور ہم پر رحم نہ فرمائیں تو بلاشبہ ہم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ قَالَ اهْبِطُوْا الآیۃ حق تعالیٰ نے فرمایا: تم سب اتر جاؤ (یعنی اے آدم اور حوّا تم مع اپنی ان اولاد کے جس پر تم دونوں مشتمل ہو) بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ الآیۃ تم (یعنی تمہاری بعض اولاد) ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے (یعنی بعض اولاد کے بعض پر ظلم کرنے کی وجہ سے ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے) اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانہ (رہنے کی جگہ) ہے اور (سامانِ دنیوی سے) نفع اندوز ہونا ایک وقت تک (جس میں تمہاری مدتیں پوری ہوں۔ فرمایا تم اسی (زمین) میں زندگی بسر کرو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی میں سے نکالے جاؤ گے۔ لفظ تُخْرَجُوْنَ ۝ معروف و مجہول دونوں طرح ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ: اس سے اس وہم کو دور کیا کہ ممکن ہے اس نے اس وقت کے بعد سجدہ کیا ہو تو یہ فرما کر اس وہم کا قلع قمع کر دیا کہ وہ سرے سے سجدہ کرنے والوں سے نہ ہوا۔

قوله: زَائِدَةٌ: یعنی لا زائدہ ہے اور معنی فعل کی تاکید ہے گویا اس طرح کہا گیا کہ تجھے اپنے لیے سجدہ کے ثابت و لازم کرنے سے کس چیز نے روکا۔

قوله: بِاِغْوَائِكَ: ما مصدریہ ہے، موصولہ نہیں۔

قوله: وَالْبَاءُ لِلْقَسَمِ: پس اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے تیرے اغواء کرنے کی قسم۔ لَاَقْعُدَنَّ سے متعلق ہے کیونکہ لام

اس سے انکاری ہے۔اس نے اغواء کی قسم اٹھائی اس لیے کہ اغواء تکلیف ہے اور مکلف بنانا اللہ تعالیٰ کے بہترین افعال سے ہے۔پس قسم کے لائق ہوا۔

قوله: عَلَى الطَّرِيْقِ: یہ نزع خافض سے مجرور ہے یعنی ظرفیت کی وجہ سے۔

قوله: الْمُوْصِل اِلَيْكَ :اس سے اشارہ کیا صراط کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اس تک پہنچانے والا ہے۔

قوله: فَاَمْنَعُهُمْ عَنْ سُلُوْكِهٖ:اس سے اشارہ کیا کہ یہ بنی آدم کے وسوسہ کے مشابہ تھا، جس جہت سے بھی اس کو آنا ممکن ہوا۔

قوله: فِي الْجُمْلَةِ مَعْنٰى جَزَاءٍ:اشارہ کیا کہ جملہ جواب شرط کے قائم مقام ہے۔

قوله: اِبْلِيْسُ :اس سے اشارہ کیا کہ الشَّيْطٰنُ کا الف لام عہد کا ہے۔

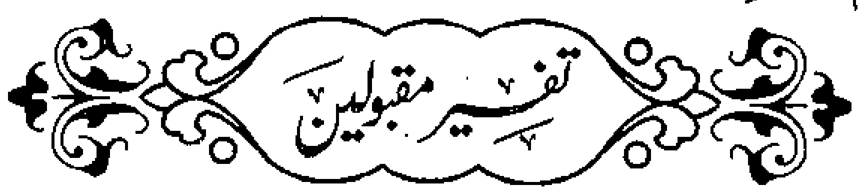
قوله: فُوْعِلَ: میں عدم ثقل اور دوسری واؤ کے ساکن ہونے کی وجہ سے قلب لازم نہیں۔

قوله: كَرَاهَةَ اِلَّا: مضاف مقدر ہے کیونکہ غرض عدم ملکیت ہے

قوله: اَقْسَمَ لَهُمَا: اس میں قَاسَمَهُمَا کی ضمیر مفعولی کا بیان ہے۔اس سے اشارہ کیا کہ قسم صرف شیطان کی جانب سے تھی، مفاعلہ صرف مبالغہ کے لیے لائے۔

قوله: فَدَلّٰىهُمَا: یعنی کھانے کی طرف اتار لایا۔تدلیہ لٹکانے کو کہتے ہیں۔فتدلّٰی

قوله: بَعْضُكُمْ :یہ اهْبِطُوْا کے فاعل سے حال ہے اور ابلیس تو انسانوں میں سے نہیں۔



وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ...

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ : اور ہم نے تمہارا اندازہ کیا۔یعنی اپنے علم میں ہم نے تمہارا اندازہ کر لیا تھا جبکہ تم (عالم وجود و مادیت میں آنے سے پہلے) اعیان ثابتہ (حقائق کونیہ ماہیات امکانیہ اور مرتبہ تقرر) میں تھے (اعیان ثابتہ کا مرتبہ وجود ہونے سے پہلے کا تھا جب کہ ہر ممکن الوجود چیز اللہ کے کشفی اجمالی علم کے اندر اپنی تمام کیفیات وکمیات کے ساتھ مستقر تھی)

ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ : پھر تمہاری صورت بنائی یعنی تمہارے باپ آدم کی صورت بنائی مطلب یہ کہ تمہاری تخلیق اور صورت سازی کا آغاز اس طرح کیا کہ تمہارے باپ آدم (علیہ السلام) کا اوّل علمی اندازہ کیا پھر اس کی صورت بنائی یہی تمہاری تخلیق وصورت گری کی ابتدا ہوئی۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ رضی اللہ عنہ، ضحاک اور سدی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کی تشریح اس طرح کی کہ ہم نے تمہارے اصول وآباء کو پیدا کیا۔پھر ماؤں کے پیٹوں میں تمہاری صورتیں بنائیں۔مجاہد نے کہا ہم نے تم کو یعنی تمہارے باپ آدم (علیہ السلام)

کو بنایا۔ پھر آدم (علیہ السلام) کی پشت میں تمہاری صورتیں بنائیں۔ آدم چونکہ ابوالبشر تھے اس لیے ان کی تخلیق کو تمام نسل کی تخلیق قرار دیا۔ بعض نے صَوَّرْنٰكُمْ کا مطلب اس طرح لکھا ہے کہ روز میثاق میں تمہاری صورتیں پیدا کیں جبکہ چیونٹیوں کی طرح تم کو برآمد کیا۔

عکرمہ نے کہا ہم نے باپوں کی پشت میں تم کو پیدا کیا پھر ماؤں کے پیٹوں کے اندر تمہاری شکلیں پیدا کیں۔ یمان نے کہا رحم کے اندر انسان کو بنایا پھر اس کی صورت گری کی۔ کان، آنکھیں اور انگلیاں چیریں۔ بعض علماء کے نزدیک آیت میں لفظ ثُمَّ (تراخی کے لیے نہیں ہے بلکہ) واؤ کی طرح صرف عطف کے لیے ہے یعنی تم کو پیدا کیا اور تمہاری صورت بنائی (یہ صراحت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ) بعض مخلوقات کو صورت نہیں دی گئی ہے جیسے ارواح (اور ہوائیں)۔

ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ پھر ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہیں ہوا۔ اگر مخاطب کی ضمیر (جمع) سے صرف آدم مراد ہوں تو کسی تاویل کی ضرورت نہیں اور اگر نسل آدم مراد ہو تو (اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ نسل آدم کو پیدا کرنے کے بعد تو سجدہ کرنے کا فرشتوں کو حکم نہیں دیا گیا) اس وقت توجیہ کرنی ہوگی اس صورت میں بعض کے نزدیک ثم مطلق عطف کے لیے ہوگا اور بعض کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ تم کو پیدا کرنے کے بعد ہم نے تم کو اطلاع دی کہ ہم نے فرشتوں کو سجدۂ آدم کا حکم دیا تھا۔ آیت کی پوری تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾

ابلیس کا نکالا جانا:

ابلیس کو اس کی انا (میں) لے ڈوبی۔ اگر وہ واقعتاً آدم علیہ السلام سے افضل ہوتا تب بھی احکم الحاکمین کا حکم بجا لانا ضروری تھا۔ لیکن اللہ کے حکم کو غلط قرار دیا اور حجت بازی پر اتر آیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا) (تو یہاں سے اتر جا تیرے لیے یہ درست نہیں تھا کہ تو اس میں تکبر کرے) (فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ) (تو نکل جا بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے) مِنْهَا اور فِيْهَا کی ضمیر کس طرف راجع ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی (ج ۸ ص ۹۰) لکھتے ہیں کہ ضمیر جنت کی طرف راجع ہے اور ابلیس پہلے سے وہاں رہتا تھا پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد دنیا کا ایک باغیچہ ہے جو عدن میں تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام وہیں پیدا کیے گئے تھے۔ (ابلیس کو وہیں سجدہ کرنے کا حکم ہو) اس نے سجدہ نہ کیا اور تکبر کیا تو وہاں سے نکل جانے کا حکم فرما دیا۔

پھر لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے سماء یعنی آسمان کی طرف ضمیر راجع کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ ایک جماعت کا قول ہے لیکن اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ ابلیس کے مردود اور ملعون ہونے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو جنت عالیہ میں ٹھہرایا گیا اور اس کے بعد ابلیس نے وسوسہ ڈالا اور ان کو بہکایا۔ اگر وہ اس سے پہلے ہی آسمان سے اتار دیا گیا تھا تو پھر اس نے کیسے وسوسہ ڈالا۔ اور یہ اشکال اس صورت میں بھی ہوتا ہے جبکہ سجدہ کا واقعہ عدن والے باغ میں مانا جائے، سجدہ کا انکار کرنے کے بعد عدن

والے باغ سے نکال دینے کے بعد اس نے کیسے وسوسہ ڈالا؟ سیدھی اور صاف بات جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہی ہے کہ ابلیس عالم بالا میں یعنی اوپر ہی رہتا تھا اور سجدہ کا حکم جو ہوا وہ بھی وہیں عالم بالا ہی میں ہوا تھا۔ جب ابلیس نے سجدہ نہ کیا تو ابلیس وہاں سے نکال دیا گیا اور آدم وحوا (علیہما السلام) کو جنت میں ٹھہرنے کا حکم دیا گیا۔ ابلیس عالم بالا سے نکالا تو گیا لیکن ابھی زمین پر نہیں آیا تھا کہ اس نے دونوں میاں بیوی کے دل میں وسوسہ ڈالا اور ان کو بہکا کر شجرہ ممنوعہ کھلانے پر آمادہ کر دیا۔ وسوسہ کس طرح ڈالا اس کا کوئی جواب یقینی طور پر نہیں دیا جا سکتا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جنت کے دروازے پر کھڑے ہو کر دور سے آواز دیدی تھی۔ اس بارے میں اور بھی اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔ صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے بہر حال ابلیس ذلت کے ساتھ نکالا گیا۔ ملعون ہوا۔ اللہ کی رحمت سے دور ہوا۔ اس پر پھٹکار پڑی، دھتکارا گیا۔

ابلیس کا زندہ رہنے کے لیے مہلت طلب کرنا:

چونکہ اسے یہ پہلے سے معلوم تھا کہ یہ نئی مخلوق زمین میں آباد کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہے اور انہیں خلافت ارضی سونپی جائے گی اور اسے جو ملعونیت کا داغ لگا وہ بھی نئی مخلوق کی وجہ سے لگا اس لیے اس نے اوّل تو اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ مجھے مہلت دی جائے یعنی میری عمر اتنی لمبی کر دی جائے کہ جس دن لوگ قبروں سے اٹھیں گے اس وقت تک جیتا رہوں اللہ تعالیٰ نے یوں تو نہیں فرمایا کہ قبروں سے اٹھنے کے دن تک تجھے مہلت ہے البتہ یوں فرمایا: (فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ) کہ تجھے وقت معلوم کے دن تک مہلت دی گئی۔ (سورۂ حجر اور سورۂ ص میں یہی الفاظ ہیں)

فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ ....

لغزش کے بعد کیا ہوا؟

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کا قد مثل درخت کھجور کے بہت لمبا تھا اور سر پر بہت لمبے لمبے بال تھے، درخت کھانے سے پہلے انہیں اپنی شرمگاہ کا علم بھی نہ تھا نظر ہی نہ پڑی تھی۔ لیکن اس خطا کے ہوتے ہی وہ ظاہر ہو گئی، بھاگنے لگے تو بال ایک درخت میں الجھ گئے، کہنے لگے اے درخت مجھے چھوڑ دے درخت سے جواب ملا کہ ناممکن ہے، اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ اے آدم مجھ سے بھاگ رہا ہے؟ کہنے لگے یا اللہ شرمندگی ہے، شرمسار ہوں، گو یہ روایت مرفوع بھی مروی ہے لیکن زیادہ صحیح موقوف ہونا ہی ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، درخت کا پھل کھالیا اور چھپانے کی چیز ظاہر ہوگئی، جنت کے پتوں سے چھپانے لگے، ایک کو ایک پر چپکانے لگے، حضرت آدم مارے غیرت کے ادھر ادھر بھاگنے لگے لیکن ایک درخت کے ساتھ الجھ کر رہ گئے اللہ تعالیٰ نے ندا دی کہ آدم مجھ سے بھاگتا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں یا اللہ مگر شرماتا ہوں۔ جناب باری نے فرمایا آدم جو کچھ میں نے تجھے دے رکھا تھا کیا وہ تجھے کافی نہ تھا؟ آپ نے جواب دیا بیشک کافی تھا لیکن یا اللہ مجھے یہ علم نہ تھا کہ کوئی تیرا نام لے کر تیری قسم کھا کر جھوٹ کہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب تو میری نافرمانی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور تکلیفیں اٹھانا ہوں گی۔ چنانچہ جنت سے دونوں کو اتار دیا گیا، اب اس کشادگی کے بعد کی یہ تنگی ان پر بہت گراں گذری کھانے

پینے کو ترس گئے، پھر انہیں لوہے کی صنعت سکھائی گئی، کھیتی کا کام بتایا گیا، آپ نے زمین صاف کی دانے بوئے، وہ آگے بڑھے، بالیں نکلیں، دانے پکے، پھر توڑے گئے، پھر پسائے گئے، آٹا گندھا، پھر روٹی تیار ہوئی، پھر کھائی جب جا کر بھوک کی تکلیف سے نجات پائی۔ تین کے پتوں سے اپنا آگا پیچھا چھپاتے پھرتے تھے جو مثل کپڑے کے تھے، وہ نورانی پردے جن سے ایک دوسرے سے یہ اعضا چھپے ہوئے تھے، نافرمانی ہوتے ہی ہٹ گئے اور وہ نظر آنے لگے، حضرت آدم اسی وقت اللہ کی طرف رغبت کرنے لگے توبہ استغفار کی طرف جھک پڑے، بخلاف ابلیس کے کہ اس نے سزا کا نام سنتے ہی اپنے ابلیسی ہتھیار یعنی ہمیشہ کی زندگی وغیرہ طلب کی۔ اللہ نے دونوں کی دعا سنی اور دونوں کی طلب کردہ چیزیں عنایت فرمائی۔ مروی ہے کہ حضرت آدم نے جب درخت کھالیا اسی وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کی سزا یہ ہے کہ حمل کی حالت میں بھی تکلیف میں رہیں گی بچہ ہونے کے وقت بھی تکلیف اٹھائیں گی، یہ سنتے ہی حوّاء نے نوحہ شروع کیا، حکم ہوا کہ یہی تجھ پر اور تیری اولاد پر لکھ دیا گیا۔ حضرت آدم نے جناب باری میں عرض کی اور اللہ نے انہیں دعا سکھائی، انہوں نے دعا کی جو قبول ہوئی۔ قصور معاف فرما دیا گیا فالحمد للہ!۔

(تفسیر ابن کثیر)

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا اَىْ خَلَقْنَاهُ لَكُمْ يُّوَارِيْ يَسْتُرُ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ط هُوَ مَا يَتَجَمَّلُ بِهٖ مِنَ الثِّيَابِ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى لا اَلْعَمَلُ الصَّالِحُ اَوِ السَّمْتُ الْحَسَنُ بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلٰى لِبَاسًا وَالرَّفْعِ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ جُمْلَةُ ذٰلِكَ خَيْرٌ ط ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ دَلَائِلِ قُدْرَتِهٖ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿٢٦﴾ فَيُؤْمِنُوْنَ فِيْهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ يُضِلَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ اَىْ لَا تَتَّبِعُوْهُ فَتُفْتَنُوْا كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ بِفِتْنَتِهٖ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ حَالٌ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ط اِنَّهٗ اَيِ الشَّيْطٰنُ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ وَجُنُوْدُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ط لِلَطَافَةِ اَجْسَادِهِمْ اَوْ عَدَمِ اَلْوَانِهِمْ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ اَعْوَانًا وَقُرَنَاءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً كَالشِّرْكِ وَطَوَافِهِمْ بِالْبَيْتِ عُرَاةً قَائِلِيْنَ لَا نَطُوْفُ فِيْ ثِيَابٍ عَصَيْنَا اللّٰهَ فِيْهَا فَنُهُوْا عَنْهَا قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا فَاقْتَدَيْنَا بِهِمْ وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ط اَيْضًا قُلْ لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ط اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨﴾ اَنَّهٗ قَالَهٗ اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ قف اَلْعَدْلِ وَاَقِيْمُوْا مَعْطُوْفٌ عَلٰى مَعْنٰى بِالْقِسْطِ اَىْ قَالَ اَقْسِطُوْا وَاَقِيْمُوْا اَوْ قَبْلَهٗ فَاَقْبِلُوْا مُقَدَّرًا وُجُوْهَكُمْ لِلّٰهِ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ اَىْ اَخْلِصُوْا لَهٗ سُجُوْدَكُمْ وَّادْعُوْهُ اُعْبُدُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ط مِنَ الشِّرْكِ كَمَا بَدَاَكُمْ خَلَقَكُمْ وَلَمْ تَكُوْنُوْا شَيْئًا تَعُوْدُوْنَ ﴿٢٩﴾ اَىْ يُعِيْدُكُمْ

اَحْيَاءً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرِيْقًا هَدٰى وَ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ اَیْ غَیْرِہٖ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ اَیْ سَتْرَ عَوْرَتِکُمْ عِنْدَ كُلِّ
ع ۳/۱۰ مَسْجِدٍ عِنْدَ الصَّلٰوةِ وَالطَّوَافِ وَّ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مَا شِئْتُمْ وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝

ترجمہ: يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ (الآیۃ) اے اولادِ آدم! ہم نے تم پر ایک لباس اتارا (یعنی ہم نے تمہارے لیے لباس پیدا کیا) جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا ہے (پردہ پوشی کرتا ہے) اور موجب زینت بھی ہے (مراد وہ کپڑے ہیں جس سے زیب و زینت حاصل ہوتی ہے)۔ وَ لِبَاسُ التَّقْوٰى (الآیۃ) تقویٰ کا لباس ہے، عمل صالح ہے یا اچھی ہیئت ہے، نصب کے ساتھ لِبَاسًا پر عطف کرتے ہوئے اور رفع کے ساتھ مبتداء ہے اور اس کی خبر (آئندہ) جملہ ہے) ذٰلِكَ خَيْرٌ یہ بہتر ہے۔ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں (ان کی قدرت کے دلائل) میں سے ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں (اور ایمان لے آئیں، اس میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہے۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ (الآیۃ) اے اولادِ آدم! شیطان تمہیں بہکا نہ دے (گمراہ نہ کر دے یعنی اس کی پیروی مت کرو ورنہ تم فتنہ میں پڑ جاؤ گے) جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو (اپنے فتنہ سے یعنی دھوکہ دے کر) جنت سے نکلوا دیا ایسی حالت میں ان کا لباس بھی ان سے اُتروا دیا (يَنْزِعُ حال ہے) تاکہ اُن دونوں کو ایک دوسرے کی شرمگاہ دکھلائے۔ اِنَّهٗ (الآیۃ) بلاشبہ وہ (شیطان) اور اس کا جتھا (لشکر) تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو (عادتاً) نہیں دیکھتے ہو (ان کے اجسام کے لطیف و خفیف ہونے کی وجہ سے یا ان میں کسی قسم کا رنگ نہ ہونے کی وجہ سے۔ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ (الآیۃ) بلاشبہ ہم نے شیطان کو ان ہی لوگوں کا دوست (مددگار اور ساتھی) بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً (الآیۃ) اور وہ لوگ جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں (جیسے شرک کرنا اور ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنا یہ کہہ کر کہ ہم ایسے کپڑوں میں طواف نہیں کرتے جن میں ہم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے پھر اس فاحشہ سے منع کیے جاتے ہیں تو) کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر پایا ہے (لہٰذا ہم نے ان کی اقتداء کی ہے) اور اللہ تعالیٰ نے (بھی) ہم کو یہی حکم دیا ہے۔ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ (الآیۃ) آپ کہہ دیجیے (ان سے) کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیا کرتے، کیا تم اللہ کی طرف وہ بات منسوب کرتے ہو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں (کہ اللہ نے ایسا حکم دیا ہے یہ استفہامِ انکاری ہے) قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ (الآیۃ) آپ کہہ دیجیے کہ میرے پروردگار نے انصاف کرنے (عدل کرنے) کا حکم دیا ہے۔ وَ اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ (الآیۃ) اور یہ (حکم دیا ہے کہ) تم ہر سجدہ (یعنی عبادت) کے وقت اپنا رُخ سیدھا (اللہ کی طرف) رکھا کرو (یعنی اپنے سجدوں کو خالص اللہ ہی کے لیے رکھا کرو، وَ اَقِيْمُوْا معطوف ہے بِالْقِسْطِ کے معنی پر یعنی فرمایا: اَقْسِطُوْا وَ اَقِيْمُوْا۔ یعنی اللہ نے حکم فرمایا کہ انصاف سے کام لو اور اس پر قائم رہو یا اس سے پہلے فَاقْبَلُوْا مقدر ہے۔ اور اللہ کو ایسی طرح پکارو (یعنی اللہ کی عبادت اس طور پر کرو) کہ اللہ ہی کے لیے (شرک

سے) خالص کرنے والے ہو اطاعت کو كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿٢٩﴾ جس طرح اللہ نے تم کو شروع میں پیدا کیا حالانکہ تم کچھ نہیں تھے، اسی طرح تم دوبارہ لوٹو گے (یعنی قیامت کے دن تم کو زندہ کر کے دوبارہ اٹھایا جائے گا) ایک فریق کو (تم میں سے) اللہ نے ہدایت کردی ہے اور ایک فریق پر گمراہی کا ثبوت ہو چکا ہے کیونکہ ان لوگوں نے شیاطین کو اپنا رفیق بنالیا، اللہ کو چھوڑ کر (یعنی غیر اللہ کو) اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ راہ راست پر ہیں۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ (الآیۃ) اے اولادِ آدم! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت (یعنی نماز اور طواف کے وقت) اپنا لباس پہن لیا کرو (جو تمہارے ستر کو ڈھانک دے اور کھاؤ پیو (جو چاہو) اور حد شرعی سے مت نکلو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: خَلَقْنَاهُ لَكُمْ: اس سے تفسیر اس لیے کی کیونکہ لباس تو آسمان سے اترنے والا نہیں بلکہ بندوں کے کسب سے حاصل ہو۔ کسب کے اسباب آسمان سے متعلق ہیں۔

قوله: لَا تَتَّبِعُوْهُ: اس کی اتباع سے باز رہو وہ تمہارے لیے داخلہ جنت سے مانع بن جائے گا۔

قوله: بِفِتْنَتِه: شیطان کی طرف نسبت اخراج سببت کے لحاظ سے ہے۔

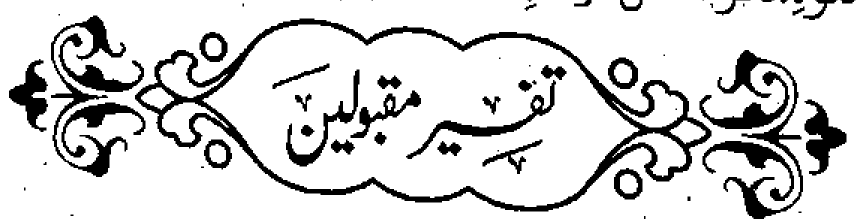
قوله: حَالٌ: یعنی یہ حال تمہارے باپ سے منقول ہے کیونکہ لباس کا اترنا اخراج سے پہلے تھا۔ یہ صفت نہیں۔

قوله: عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ: یعنی ہر سجدہ کے وقت۔

قوله: اَخْلِصُوْا: اقامت وجوہ للہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہے۔

قوله: مَا يَسْتُرُ عَوْرَتَكُمْ: حال کا ذکر کر کے محل کا ارادہ کیا۔

قوله: عِنْدَ الصَّلٰوةِ: ذكر المحل اراد بِه الحال کی قسم سے ہے۔



يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ...

مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت میں حق تعالیٰ نے تمام اولادِ آدم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ تمہارا لباس قدرت کی ایک عظیم نعمت ہے اس کی قدر کرو، یہاں خطاب صرف مسلمانوں کو نہیں، بلکہ پوری اولادِ آدم کو ہے، اس میں اشارہ ہے کہ ستر پوشی اور لباس انسان کی فطری خواہش اور ضرورت ہے، بغیر امتیاز کسی مذہب وملت کے سب ہی اس کے پابند ہیں، پھر اس کی تفصیل میں تین قسم کے لباسوں کا ذکر فرمایا:

اول: لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ اس میں یواری، موارات سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں چھپانے کے، اور سوٰۃ سوءۃ کی جمع ہے، ان اعضاء انسانی کو سوءۃ کہا جاتا ہے جن کے کھلنے کو انسان فطرۃً برا اور قابل شرم سمجھتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہاری صلاح وفلاح کے لیے ایک ایسا لباس اتارا ہے، جس سے تم اپنے قابل شرم اعضاء کو چھپا سکو۔

اس کے بعد فرمایا: وَرِیْشًا ؕ ریش اس لباس کو کہا جاتا ہے جو آدمی زینت وجمال کے لیے استعمال کرتا ہے، مراد یہ ہے کہ صرف ستر چھپانے کے لیے تو مختصر سا لباس کافی ہوتا ہے، مگر ہم نے تمہیں اس سے زیادہ لباس اس لیے عطا کیا کہ تم اس کے ذریعہ زینت وجمال حاصل کرسکو، اور اپنی ہیئت کو شائستہ بنا سکو۔

اس جگہ قرآن کریم نے انزلنا یعنی اتارنے کا لفظ استعمال فرمایا ہے، مراد اس سے عطا کرنا ہے، یہ ضروری نہیں کہ آسمان سے بنا بنایا اترا ہو، جیسے دوسری جگہ انزلنا الحدید کا لفظ آیا ہے، یعنی ہم نے لوہا اتارا، جو سب کے سامنے زمین سے نکلتا ہے، البتہ دونوں جگہ لفظ انزلنا فرما کر اس طرف اشارہ کردیا کہ جس طرح آسمان سے اترنے والی چیزوں میں کسی انسانی تدبیر اور صنعت کو دخل نہیں ہوتا، اسی طرح لباس کا اصل مادہ جو روئی یا اون وغیرہ ہے اس میں کسی انسانی تدبیر کو ذرّہ برابر دخل نہیں، وہ محض قدرت حق تعالیٰ کا عطیہ ہے، البتہ ان چیزوں سے اپنی راحت وآرام اور مزاج کے مناسب سردی گرمی سے بچنے کے لیے لباس بنا لینے میں انسانی صنعت گری کام آتی ہے، اور وہ صنعت بھی حق تعالیٰ ہی کی بتلائی اور سکھائی ہوئی ہے، اس لیے حقیقت شناس نگاہ میں یہ سب حق تعالیٰ ہی کا ایسا عطیہ ہے جیسے آسمان سے اتارا گیا ہو۔

لباس کے دو فائدے:

اس میں لباس کے دو فائدے بتلائے گئے، ایک ستر پوشی، دوسرے سردی گرمی سے حفاظت اور آرائش بدن اور پہلے فائدہ کو مقدم کرکے اس طرف اشارہ کردیا کہ انسانی لباس کا اصل مقصد ستر پوشی ہے، اور یہی اس کا عام جانوروں سے امتیاز ہے، کہ جانوروں کا لباس جو قدرتی طور پر ان کے بدن کا جزء بنا دیا گیا ہے اس کا کام صرف سردی گرمی سے حفاظت یا زینت ہے، ستر پوشی کا اس میں اتنا اہتمام نہیں، البتہ اعضائے مخصوصہ کی وضع ان کے بدن میں اس طرح رکھ دی کہ بالکل کھلے نہ رہیں، کہیں ان پر دم کا پردہ کہیں دوسری طرح کا۔

اور حضرت آدم وحواء اور اغواء شیطانی کا واقعہ بیان کرنے کے بعد لباس کے ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسان کے لیے ننگا ہونا اور قابل شرم اعضاء کا دوسروں کے سامنے کھلنا انتہائی ذلت ورسوائی اور بے حیائی کی علامت اور طرح طرح کے شر وفساد کا مقدمہ ہے۔

انسان پر شیطان کا پہلا حملہ اس کو ننگا کرنے کی صورت میں ہوا آج بھی نئی شیطانی تہذیب انسان کو برہنہ یا نیم برہنہ کرنے میں لگی ہوئی ہے

اور یہی وجہ ہے کہ شیطان کا سب سے پہلا حملہ انسان کے خلاف اسی راہ سے ہوا کہ اس کا لباس اتر گیا، اور آج بھی شیطان اپنے شاگردوں کے ذریعے جب انسان کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو تہذیب وشائستگی کا نام لے کر سب سے پہلے اس کو برہنہ یا نیم برہنہ کرکے عام سڑکوں اور گلیوں میں کھڑا کردیتا ہے اور شیطان نے جس کا نام ترقی رکھ دیا ہے وہ عورت کو شرم وحیاء سے محروم

کر کے منظر عام پر نیم برہنہ حالت میں لے آنے کے بغیر حاصل ہی نہیں ہوتی۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

وَإِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً....

جاہلوں کی جہالت، فحش کام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں انکا حکم دیا ہے:

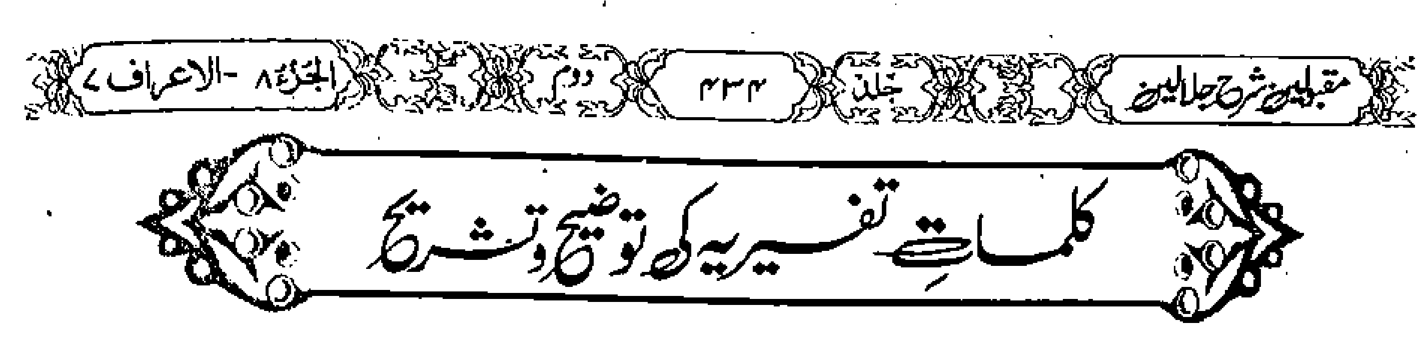
شیطان کی تعلیم وتلبیس کی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ حال تھا جو اوپر بیان فرمایا اور جو لوگ نبی اکرم ﷺ کے پیرو نہیں ہیں ان کا اب بھی یہی حال ہے کہ فواحش کے مرتکب ہوتے ہیں اور بے حیائی کے کام کرتے ہیں، جب انہیں سمجھایا جاتا ہے کہ یہ کام برا ہے تو وہ اپنی بدعملی اور بے حیائی کے جواز کے لیے یوں کہہ دیتے ہیں کہ اجی! ہمارے باپ دادے ایسا ہی کرتے آئے ہیں کیا ہمارے باپ دادوں کو اچھے برے کی تمیز نہ تھی۔ (اس کا جواب سورۂ مائدہ میں دیدیا گیا اور وہ یہ کہ (أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ) (کیا اپنے باپ دادوں کی اقتداء کریں گے۔ اگرچہ وہ کچھ بھی علم نہ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں) اور ایسے منچلے بھی ہیں جو فحش کام کرتے ہیں اور یوں کہہ دیتے ہیں کہ (وَاللّٰهُ أَمَرَنَا بِهَا) کہ اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے یہ کتنی ڈھٹائی ہے کہ برے کام کریں اور اللہ کے ذمہ لگادیں کہ اس نے ان کا حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (قُلْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ) (بے شک اللہ تعالیٰ برے کام کا حکم نہیں دیتا) (أَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ) (کیا تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاتے ہو جن کا تمہیں علم نہیں) بلا سند انکل پچو باتیں کرتے ہو۔

قُلْ إِنْكَارًا عَلَيْهِمْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ أَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ مِنَ اللِّبَاسِ وَالطَّيِّبٰتِ الْمُسْتَلَذَّاتِ مِنَ الرِّزْقِ ۚ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا بِالْاِسْتِحْقَاقِ وَاِنْ شَارَكَهُمْ فِيْهَا غَيْرُهُمْ خَالِصَةً خَاصَّةً بِهِمْ بِالرَّفْعِ وَالنَّصْبِ حَالٌ يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ نُبَيِّنُهَا مِثْلَ ذٰلِكَ التَّفْصِيْلِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ يَتَدَبَّرُوْنَ فَاِنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ الْكَبَائِرَ كَالزِّنَا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ اَيْ جَهْرَهَا وَسِرَّهَا وَالْاِثْمَ الْمَعْصِيَةَ وَالْبَغْيَ عَلَى النَّاسِ بِغَيْرِ الْحَقِّ هُوَ الظُّلْمُ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ بِاِشْرَاكِهٖ سُلْطٰنًا حُجَّةً وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ مِنْ تَحْرِيْمِ مَا لَمْ يُحَرَّمْ وَغَيْرِهٖ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ مُدَّةٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَيْهِ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا فِيْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِيْ مَا الْمَزِيْدَةِ يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى الشِّرْكَ وَاَصْلَحَ عَمَلَهٗ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ فِي الْاٰخِرَةِ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا تَكَبَّرُوْا عَنْهَآ فَلَمْ يُؤْمِنُوْا بِهَا

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٣٦﴾ فَمَنْ اَیْ لَا اَحَدَ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا بِنِسْبَةِ
الشَّرِيْكِ وَالْوَلَدِ اِلَيْهِ أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۚ الْقُرْاٰنِ أُولَٰئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُم حَظُّهُمْ مِّنَ الْكِتَابِ ۖ
مِمَّا كُتِبَ لَهُمْ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ مِنَ الرِّزْقِ وَالْاَجَلِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا الْمَلٰئِكَةُ
يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوا لَهُمْ تَبْكِيْتًا أَيْنَ مَا كُنتُمْ تَدْعُونَ تَعْبُدُوْنَ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا غَابُوْا
عَنَّا فَلَمْ نَرَهُمْ وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ عِنْدَ الْمَوْتِ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿٣٧﴾ قَالَ تَعَالٰى لَهُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ادْخُلُوا فِي جُمْلَةِ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي النَّارِ ۖ مُتَعَلِّقٌ بِادْخُلُوْا
كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ النَّارَ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ الَّتِیْ قَبْلَهَا لِضَلَالِهَا بِهَا حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا تَلَاحَقُوْا فِيهَا
جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ وَهُمُ الْاَتْبَاعُ لِأُولَاهُمْ اَیْ لِاَجْلِهِمْ وَهُمُ الْمَتْبُوْعُوْنَ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا
فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مُضَعَّفًا مِّنَ النَّارِ ۖ قَالَ تَعَالٰى لِكُلٍّ مِّنْكُمْ وَمِنْهُمْ ضِعْفٌ عَذَابٌ مُضَعَّفٌ
وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ مَا لِكُلِّ فَرِيْقٍ وَقَالَتْ أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن
فَضْلٍ لِاَنَّكُمْ لَمْ تَكْفُرُوْا بِسَبَبِنَا فَنَحْنُ وَاَنْتُمْ سَوَاءٌ قَالَ تَعَالٰى لَهُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ
تَكْسِبُونَ ﴿٣٩﴾ ع ۸ / ۱۱

ترجمہ: قُلْ (الآیۃ) آپ کہہ دیجیے (ان پر انکار کرتے ہوئے) کہ کس نے حرام کیا ہے اللہ کی زینت کو (یعنی اس لباس کو) جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے اور کھانے کی حلال چیزوں کو (جو عمدہ لذیذ چیزیں ہیں) قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا (الآیۃ) آپ کہہ دیجیے کہ یہ اشیاء دنیاوی زندگی میں دراصل ایمان والوں کے واسطے ہیں (استحقاق کے اعتبار سے اگرچہ اس دنیا کی زندگی میں غیر بھی شریک ہو جائیں) خالصۃً رفع کے ساتھ ہے اور حال ہونے کی وجہ سے نصب بھی ہے۔ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ (الآیۃ) اسی طرح ہم اپنے احکام کو بیان کرتے ہیں (اس تفصیل کی طرح ہم صاف صاف بیان کر دیتے ہیں) اس گروہ کے لیے جو علم رکھتے ہیں کیونکہ وہی ان سے نفع اٹھانے والے ہیں۔ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ (الآیۃ) آپ فرما دیجیے کہ میرے ربّ نے تو صرف بے حیائی کے کاموں جیسے زنا کو حرام کیا ہے چاہے چھپ کر ہوں یا کھلم کھلا) اور ہر قسم کے گناہ (یعنی معصیت کو اور ناحق ظلم کرنا لوگوں پر، الْبَغْیَ سے مراد ظلم و زیادتی ہے۔ اور اس بات کو تم اللہ کے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی (یعنی جس کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے پر) کوئی سند (دلیل) نازل نہیں فرمائی اور اس بات کو کہ تم اللہ کی طرف ایسی

بات منسوب کرو جس کا تم کو علم نہ ہو (یعنی جن چیزوں کو اللہ نے حرام نہیں کیا ہے ان کو اپنی طرف سے حرام کہنا وغیرہ۔ وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ اور وقت (مدت) مقرر ہے پس جب ان کا وقت مقرر آ جائے گا تو (اس وقت سے) ایک گھڑی نہ پیچھے ہو سکتے ہیں نہ (اس پر) آگے۔ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ ﴿الآیۃ﴾ اے اولادِ آدم! اگر تمہارے پاس رسول آئیں جو تم ہی میں سے ہوں گے (میں ان شرطیہ کے نون کا ادغام ما زائدہ میں ہو رہا ہے) جو تم پر میری آیتیں پڑھیں۔ پس جو پرہیز رکھے (شرک سے) اور (اپنے عمل کو) درست کرے تو ان لوگوں پر (آخرت میں) نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جنہوں نے ہمارے احکام کو جھٹلایا اور تکبر کیا، پس ان پر ایمان نہیں لائے۔ تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں، وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ فَمَنْ اَظْلَمُ ﴿الآیۃ﴾ اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا؟ (یعنی کوئی نہیں) جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا (اس کی طرف شرک اور اولاد کی نسبت کر کے) یا اس کی آیتوں کو (یعنی قرآن کو) جھٹلایا ایسے لوگوں کو ان کا نصیب (حصہ) نوشتۂ خداوندی سے ان کو پہنچے گا (یعنی لوحِ محفوظ میں ان کے لیے جو کچھ رزق اور عمر وغیرہ لکھ دی گئی ہے۔ حَتّٰٓی اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا ﴿الآیۃ﴾ یہاں تک کہ جب ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ان کی روحیں قبض کرنے کے لیے پہنچیں گے تو وہ کہیں گے (ان سے بطور زجر و توبیخ) کہ (بتلاؤ) کہاں ہیں وہ جن کو تم پکارا کرتے تھے اللہ کو چھوڑ کر۔ قَالُوْا ﴿الآیۃ﴾ وہ (کفار) کہیں گے وہ سب (معبود) ہم سے گم ہو گئے (غائب ہو گئے ہم ان کو نہیں دیکھ رہے ہیں اور (موت کے وقت) اپنی جانوں پر گواہی دیں گے کہ بے شک وہ کافر تھے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے (قیامت کے دن ان سے) تم سب دوزخ میں ان (جملہ) امتوں کے ساتھ شامل ہو جاؤ جو جنوں اور انسانوں میں سے تم سے پہلے گزر چکے ہیں (فِی النَّارِ ﴿الآیۃ﴾ متعلق ہے اُدْخُلُوْا کے۔ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ ﴿الآیۃ﴾ جب بھی کوئی جماعت داخل ہوگی (دوزخ میں) تو لعنت کرے گی اپنی جیسی دوسری جماعت پر (یعنی اپنے سے پہلی جماعت پر لعنت کرے گی کیونکہ اس سے پہلی جماعت کی اقتداء اور پیروی کی وجہ سے یہ گمراہ ہوئی) یہاں تک کہ جب سب (دوزخ میں جمع ہو جائیں گے (ایک دوسرے سے مل جاویں گے) تو ان کی پچھلی جماعت (مراد وہ لوگ ہیں جو تابع تھے) ان کی پہلی جماعت کی نسبت کہے گی۔ متبوعین کے واسطے کہیں گے۔ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ ﴿الآیۃ﴾ اے ہمارے پروردگار! ان ہی لوگوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا اس لیے ان لوگوں کو (بہ نسبت ہمارے) دوزخ کا عذاب دوگنا (دہرا عذاب) دیجیے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ہر ایک کے لیے (یعنی تم میں سے اور ان میں سے سب کے لیے) دوگنا عذاب ہے۔ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ لیکن تم (ابھی) جانتے نہیں تاء کے ساتھ اور یاء کے ساتھ ہے) وَ قَالَتْ اُوْلٰىهُمْ ﴿الآیۃ﴾ اور ان کی پہلی جماعت ان کی پچھلی جماعت سے کہے گی تو) پھر تم کو ہم پر کوئی فوقیت نہیں (کیونکہ تم نے ہماری وجہ سے کفر نہیں کیا اس لیے ہم اور تم برابر ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے) پھر تم سب عذاب کا مزہ چکھو اس کفر کے بدلہ میں جو تم کماتے تھے۔



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اِنْكَارًا عَلَيْهِمْ: یعنی یہ استفہام انکاری ہے۔

قوله: مِنَ اللِّبَاسِ: اشارہ کا کہ زینت کا ذکر کر کے مراد محل بطور مجاز لیا گیا ہے۔

قوله: وَالنَّصَبِ حَالٌ: اور یہ معنی ظرف میں جاگزیں ہے اور عامل ظرف ہے۔

قوله: عَلَى النَّاسِ: مبالغہ کے لیے فقط انہی کا تذکرہ کیا۔

قوله: مُدَّةٌ: اَجَلٌ سے تمام مدت مراد ہے، فقط آخر نہیں۔

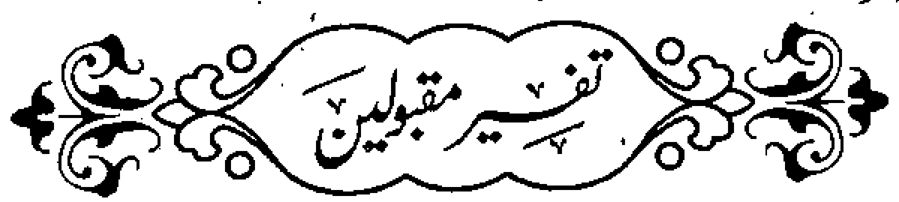
قوله: فِيْ جُمْلَةِ: اس سے اشارہ کردیا کہ جار مجرور متعلق کے اعتبار سے حال ہے۔ ای کائنتین یہ اُدْخُلُوْا سے متعلق نہیں۔

قوله: لِضَلَالِهَا بِهَا: ضَلَالِهَا کی ضمیر اُمَّةٌ کی طرف لوٹ رہی ہے اور بِهَا کا مرجع اُخْتَهَا۔

قوله: لِاَجْلِهِمْ: لام اجلیہ ہے۔ مگر قالت کا صلہ کیونکہ خطاب جناب باری تعالیٰ سے ہے، ان کے ساتھ نہیں۔

قوله: فَذُوْقُوا الْعَذَابَ: یہ روساء کا کلام ہے یا فریقین کے متعلق ارشادِ الٰہی ہے۔

قوله: مَالِكُلِّ فَرِيْقٍ: یہ يَعْلَمُوْنَ کا مفعول ہے۔



تفسیر مقبولین

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ...

(اے محمد ﷺ) آپ کہیے کہ جو زینت اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اس کو حرام کرنے والا کون ہے؟ یہ استفہام انکاری ہے یعنی اللہ نے لباس کا میٹریل پیدا کیا۔ روئی پوست ایسی (یعنی نقلی ریشم) زمین سے پیدا کی اون، بھیڑ، بکری کی کھال سے اور ریشم کیڑے سے پیدا کی۔ بندوں کے لیے پیدا کرنے سے مراد ہے۔ بندوں کے فائدے اور آرائش کے لیے پیدا کرنا۔

وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ: اور لذیذ چیزیں کھانے پینے کی پیدا کیں:

یعنی اللہ جو ان سب کا خالق اور مالک ہے اس نے تو ان چیزوں کو حرام نہیں قرار دیا پھر اور کون ان کو حرام وحلال بنا سکتا ہے پس کیا وجہ ہے کہ کافر اور مشرک دوران طواف میں کپڑے پہنے رہنا اور ایام حج میں گوشت اور چربی کھانا اور سوائب وغیرہ کو کام میں لانا حرام قرار دیتے ہیں۔ اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اگر اللہ نے حرام نہ قرار دیا ہو تو ہر چیز (اصل تخلیق کے لحاظ سے) حلال ہے (اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اصل اشیاء میں حلت ہے)۔

قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ....

آپ کہہ دیجئے کہ یہ چیزیں اس طور پر کہ قیامت کے دن بھی خالص رہیں دنیوی زندگی میں خاص اہل ایمان کے لیے ہیں یعنی یہ لباس آرائش اور پاک لذیذ کھانے پینے کی چیزیں دنیا میں اہل ایمان کے لیے پیدا کی گئی ہیں کہ وہ ان سے فائدہ اندوز ہوں اور ان کو استعمال کر کے اللہ کی عبادت کے لیے جسمانی طاقت حاصل کریں اور اللہ کا شکر ادا کریں۔ براہ راست کافروں کے لیے ان کو نہیں پیدا کیا گیا۔ مسلمانوں کے ساتھ کافروں کو ان نعمتوں میں اللہ نے بطور آزمائش شریک بنا دیا ہے تاکہ ان کو ڈھیل ملتی رہے۔

خَالِصَةً: سے یہ مراد ہے کہ قیامت کے دن یہ نعمتیں ہر کدورت و آلائش (خوف انقطاع) اور غم سے پاک صاف ہوں گی دنیا میں ضرور یہ کدورت آمیز اور غم آگیں ہیں یا خَالِصَةً کا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن یہ صرف اہل ایمان کو ملیں گی کافر محروم رہیں گے (اگرچہ دنیا میں دونوں مشترک ہیں)۔ (تفسیر مظہری)

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ....

یعنی یہ مجرمین جو ہر طرح کی سرکشی کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں پل رہے ہیں، اور دنیا میں بظاہر ان پر کوئی عذاب آتا نظر نہیں آتا اس عادۃ اللہ سے غافل نہ رہیں کہ اللہ تعالیٰ مجرموں کو اپنی رحمت سے ڈھیل دیتے رہتے ہیں، کہ کسی طرح یہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں اس ڈھیل اور مہلت کی ایک میعاد معین ہوتی ہے، جب وہ میعاد آ پہنچتی ہے تو ایک گھڑی بھی آگے پیچھے نہیں ہوتی، اور یہ عذاب میں پکڑ لیے جاتے ہیں، کبھی دنیا ہی میں کوئی عذاب آجاتا ہے اور اگر دنیا میں عذاب نہ آیا تو مرتے ہی عذاب میں داخل ہو جاتے ہیں۔

اس آیت میں میعاد معین سے آگے پیچھے نہ ہونے کا جو ذکر ہے یہ ایسا ہی محاورہ ہے جیسے ہمارے عرف میں خریدار دوکاندار سے کہتا ہے کہ قیمت میں کچھ کمی زیادتی ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ قیمت کی زیادتی اس کو مطلوب نہیں صرف کمی کو پوچھتا ہے، مگر تبعاً اس کے ساتھ زیادتی کا ذکر کیا جاتا ہے، اسی طرح یہاں اصل مقصد تو یہ ہے کہ میعاد معین کے بعد تاخیر نہیں ہوگی، اور تقدیم کا ذکر تاخیر کے ساتھ بطور محاورہ عوام کے کر دیا گیا۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ ....

موت کے وقت کافروں کی بدحالی اور دوزخ میں ایک دوسرے پر لعنت کرنا:

ان آیات میں اوّل تو یہ فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا اس کی آیات کی تکذیب کرے۔ طرز تو سوال کا ہے لیکن بتانا یہ ہے کہ ایسے لوگ ظلم میں سب ظالموں سے بڑھ کر ہیں۔

پھر یہ فرمایا کہ جو ان کا رزق مقدر ہے اور جو ان کی عمر مقرر ہے وہ تو اس دنیا میں ان کو مل جائے گی۔ ہاں موت کے وقت اور موت کے بعد ان کا برا حال ہوگا اور برا انجام ہوگا۔ موت کے وقت جو فرشتے ان کی جانیں قبض کرنے لگیں گے ان سے سوال

کریں گے کہ اللہ کو چھوڑ کر جن کو تم اپنی حاجتوں کے لیے پکارتے تھے اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟ اس موقع پر مذکورہ سوال کا باعث یہ ہوسکتا ہے کہ اب تم دنیا سے جارہے ہو موت آرہی ہے اللہ کو چھوڑ کر جن کو پکارا کرتے تھے اس وقت تم انہیں کیوں نہیں پکارتے اگر وہ مدد کر سکتے ہیں تو تمہیں موت سے بچالیں۔ یہ سوال سرزنش کے لیے ہوگا تا کہ موت کے وقت انہیں اپنے شر اور کفر کی قباحت اور شناعت معلوم ہوجائے۔ وہ بے بسی کے عالم میں جواب دیں گے کہ جن لوگوں کو ہم پکارا کرتے تھے۔ وہ سب غائب ہو گئے اور ساتھ ہی وہ اقرار کریں گے کہ واقعی ہم کافر تھے۔ اس طرح کا سوال قیامت کے دن بھی ہوگا۔ جیسا کہ سورۂ انعام (رکوع ۳) میں گزر چکا ہے برزخ کے عذاب میں مبتلا رہ کر جب قیامت کے دن اٹھیں گے، اور سوال و جواب وحساب وکتاب کے بعد کافروں کے بارے میں دوزخ میں جانے کا فیصلہ ہوگا تو جماعتیں بن بن کر دوزخ میں جاتے رہیں گے کچھ جماعتیں پہلے داخل ہوں گی اور کچھ بعد میں، جو لوگ بعد میں داخل ہوں گے ان سے اللہ کا فرمان ہوگا کہ تم سے پہلے جنات میں سے اور انسانوں میں سے جو جماعتیں دوزخ میں جا چکی ہیں تم بھی دوزخ کے عذاب میں ان کے ساتھی ہوجاؤ۔

اسی کو فرمایا: (قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ فِی النَّارِ) پھر فرمایا: (كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا) کہ جب ایک جماعت دوزخ میں جائے گی تو اپنی جیسی دوسری جماعت پر لعنت کرے گی۔ دنیا میں جو آپس میں ایک دوسرے سے تعلق تھا اور باہمی تعاون تھا وہ سب ختم ہوجائے گا۔ اور ہر بعد والی جماعت اپنی جیسی پہلی جماعت پر لعنت کرے گی اور وہاں بغض کی شان پیدا ہوگی۔

اور بعد میں داخل ہونے والے اپنے سے پہلے داخل ہونے والوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا لہٰذا انہیں بڑھتا چڑھتا دوزخ کا عذاب دیجیے۔

یہ تفسیر اس صورت میں ہے کہ اُخْرٰهُمْ سے اتباع مراد لیے جائیں اور اُوْلٰهُمْ سے ان کے سردار مراد لیے جائیں اور ساتھ ہی یہ بھی مانا جائے کہ سرداران قوم دوزخ میں اپنی قوم سے پہلے جائیں گے۔ جیسا کہ معالم التنزیل اور تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے اور بعض حضرات نے اُخْرٰهُمْ سے نیچے درجے کے لوگ اور اُوْلٰهُمْ سے سرداران قوم مراد لیے ہیں۔ اور اس میں دخول نار کی اولیت اور اخرویت کو ملحوظ نہیں رکھا۔ یہ قول روح المعانی میں لکھا ہے۔

دنیا میں تو اپنے بڑوں کی بات مانتے تھے اور ان کے کہنے پر چلتے تھے اللہ کی طرف سے جو ہدایت پہنچانے والے ہدایت کی طرف بلاتے تھے تو الٹا ان کو برا کہتے تھے اور اپنے بڑوں ہی کی باتوں پر چلتے تھے اور انہیں چپکے رہتے تھے اور جب آخرت میں عذاب دیکھیں گے تو گمراہ کرنے والوں پر لعنت کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ان کو ہمارے عذاب سے بڑھ کر خوب زیادہ ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا: (لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ) ہر ایک کے لیے خوب زیادہ عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے۔ یعنی تم میں سے ہر ایک کو جس قدر عذاب ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ اسے کہا ہی نہیں جاسکتا۔ پھر یہ عذاب ایک حالت پر نہیں رہے گا۔ بلکہ اس میں اضافہ ہوتا جائے گا جیسا کہ سورۂ نحل میں فرمایا: (اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یُفْسِدُوْنَ) (جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا ہم ان کو عذاب پر عذاب بڑھادیں

گے بسبب اس کے کروہ فساد کرتے تھے)۔ (انوار البیان)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا تكبروا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ اِذا
عرج بِاَرْوَاحِهِمْ اِلَيْهَا بَعْدَ الْمَوْتِ فَيُهْبَطُ بِهَا اِلٰى سِجِّيْنٍ بِخِلَافِ الْمُؤْمِنِ فَيُفْتَحُ لَهُ وَيُصْعَدُ بِرُوْحِهِ اِلَى
السَّمَاءِ السَّابِعَةِ كَمَا وَرَدَ فِيْ حَدِيْثٍ وَ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ يَدْخُلَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ
الْخِيَاطِ ؕ ثَقْبِ الْاِبْرَةِ وَهُوَ غَيْرُ مُمْكِنٍ فَكَذَا دُخُوْلُهُمْ وَ كَذٰلِكَ الْجَزَاءِ وَنَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝۴۰
بِالْكُفْرِ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ فِرَاشٌ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ اَغْطِيَةٌ مِنَ النَّارِ جَمْعُ غَاشِيَةٍ وَتَنْوِيْنُهُ
عِوَضٌ مِنَ الْيَاءِ الْمَحْذُوْفَةِ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۱ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مُبْتَدَأٌ وَقَوْلُهُ لَا
نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۫ طَاقَتَهَا مِنَ الْعَمَلِ اِعْتِرَاضٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ خَبَرِهِ وَهُوَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۴۲ وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ حِقْدٍ كَانَ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ
تَحْتَ قُصُوْرِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَ قَالُوا عِنْدَ الْاِسْتِقْرَارِ فِيْ مَنَازِلِهِمُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۙ الْعَمَلِ
هٰذَا جَزَاؤُهُ وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْ لَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ حُذِفَ جَوَابُ لَوْلَا لِدَلَالَةِ مَا قَبْلَهُ عَلَيْهِ لَقَدْ
جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَ نُوْدُوْٓا اَنْ مُخَفَّفَةٌ اَيْ اَنَّهُ اَوْ مُفَسِّرَةٌ فِي الْمَوَاضِعِ الْخَمْسَةِ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ
اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۴۳ وَ نَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ تَقْرِيْرًا وَتَبْكِيْتًا اَنْ قَدْ
وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا مِنَ الثَّوَابِ حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ مِنَ الْعَذَابِ حَقًّا ؕ قَالُوْا
نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ نَادٰى مُنَادٍ بَيْنَهُمْ بَيْنَ الْفَرِيْقَيْنِ اَسْمَعَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى
الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۴ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ النَّاسَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دِيْنِهِ وَ يَبْغُوْنَهَا اَيْ يَطْلُبُوْنَ السَّبِيْلَ عِوَجًا ۚ
مُعْوَجَّةً وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ۝۴۵ وَ بَيْنَهُمَا اَيْ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ حِجَابٌ ۚ حَاجِزٌ قِيْلَ هُوَ سُوْرُ
الْاَعْرَافِ وَ عَلَى الْاَعْرَافِ وَهُوَ سُوْرُ الْجَنَّةِ رِجَالٌ اِسْتَوَتْ حَسَنَاتُهُمْ وَسَيِّاٰتُهُمْ كَمَا فِي الْحَدِيْثِ
يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ بِسِيْمٰىهُمْ ۚ بِعَلَامَتِهِمْ وَهِيَ بَيَاضُ الْوُجُوْهِ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَسَوَادُهَا

لِلْكٰفِرِيْنَ لِرُؤْيَتِهِمْ لَهُمْ اِذْ مَوْضِعُهُمْ عَالٍ وَ نَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ قَالَ تَعَالٰى لَمْ

يَدْخُلُوْهَا اَيْ اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ الْجَنَّةَ وَ هُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ فِيْ دُخُوْلِهَا قَالَ الْحَسَنُ لَمْ يُطْمِعْهُمْ اِلَّا

لِكَرَامَةٍ يُرِيْدُهَا بِهِمْ وَرَوَى الْحَاكِمُ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ بَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ اِذْ طَلَعَ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ فَقَالَ قُوْمُوا

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ وَ اِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ اَيْ اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ تِلْقَآءَ جِهَةَ اَصْحٰبِ

ع ۸ ۱۲ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِي النَّارِ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا الآیۃ اس میں شک نہیں کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور (ان کے ماننے سے) تکبر کیا (چنانچہ ان پر ایمان نہیں لائے) ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے (مرنے کے بعد جب ان کی روحوں کو آسمان کی طرف لے جایا جائے گا تو سجین کی طرف دھکیل دیا جائے گا۔ بخلاف مومن کے کہ ان کے لیے آسمان کا دروازہ کھول دیا جائے گا اور ان کی روح ساتویں آسمان تک چڑھائی جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے) لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ الآیۃ اور وہ لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو جائے يَلِجَ بمعنی يَدْخُلَ ہے یعنی گھس جائے اور یہ ناممکن ہے پس اسی طرح ان کا جنت میں داخلہ ناممکن ہے۔ اور اسی (بدلہ کی) طرح ہم (کفر کے) مجرموں کو سزا دیا کرتے ہیں ان کے لیے جہنم کا فرش (بچھونا) ہوگا اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہوگا (یعنی آگ کا اوڑھنا ہوگا، غَوَاشٍ جمع ہے غَاشِيَةٍ بمعنی پردہ کی یائے محذوفہ کے بدلہ میں تنوین ہے اور اسی طرح ہم ظالموں کو سزا دیا کرتے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الآیۃ اور جو لوگ (آیاتِ الٰہیہ پر) ایمان لائے اور (انبیاء کی ہدایت کے مطابق) انہوں نے نیک عمل کیے (یہ مبتداء ہے اور وَقَوْلُهٗ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا جملہ معترضہ ہے مبتداء اور خبر کے درمیان) اور ہم کسی شخص کو اس کی قدرت (طاقت) سے زیادہ تکلیف (یعنی عمل کی تکلیف) نہیں دیتے (اور خبر یہ ہے) اُولٰٓئِكَ الآیۃ ایسے ہی لوگ جنتی ہیں وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ الآیۃ اور جو ان کے دلوں میں رنجش تھی ہم کھینچ کر باہر نکال دیں گے (یعنی ان مومنین صالحین کے اندر دنیا میں ان سے جو دلی کدورت وخلش تھی ہم اس کے دلوں سے نکال دیں گے (یعنی ان کے محلوں کے نیچے) نہریں جاری ہوں گی اور وہ لوگ (اپنی اپنی منزلوں میں پہنچ جانے کے بعد) کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اللہ تعالیٰ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہم کو یہاں تک پہنچایا (یعنی اس میں عمل کی ہدایت دی جس کا بدلہ یہ ہے) اور ہم کبھی بھی یہاں تک (بذاتِ خود) نہ پہنچتے اگر اللہ تعالیٰ ہم کو نہ پہنچاتے۔ حُذِفَ جَوَابُ لَوْلَا الخ، لَوْلَا کا جواب حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ کلام سابق اس پر دلالت کر رہا ہے) بے شک ہمارے پروردگار کے رسول سچی باتیں لے کر آئے تھے اور ان سے پکار کر کہا جائے گا کہ یہ جنت ہے جس کے تم اپنے اعمال کے عوض وارث بنائے گئے ہو۔ مفسر علام فرماتے ہیں کہ اَنْ تِلْكُمُ میں ان مخففہ من المثقلہ ہے اور اس کا اسم ضمیر شان ہے۔ ای انه یا ان مفسرہ ہے

پانچوں جگہوں میں۔ وَ نَادٰٓی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اور جنت والے اپنی خوشی کو پکا کرنے اور ان کی حسرت بڑھانے کے لیے دوزخ والوں کو پکاریں گے کہ ہم سے ہمارے پروردگار نے جس (ثواب) کا وعدہ فرمایا تھا ہم نے اس کو ٹھیک پایا کیا تم نے اس وعدہ کو ٹھیک پایا جو تمہارے پروردگار نے تم سے کیا تھا، کہیں گے کہ ہاں (فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ نَادٰی مُنَادٍ) پھر ان (دونوں فریق کے درمیان ایک پکارنے والے پکارے گا (یعنی ان سب کو سنائے گا) کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ان ظالموں پر جو (لوگوں کو) اللہ کی راہ (یعنی دین حق) سے روکتے تھے اور اس راستہ میں تلاش کرتے تھے (ڈھونڈتے تھے راستہ کی) کجی (عِوَجًا ۚ مصدر بمعنی مُعَوَّجَةً ہے یعنی ٹیڑھا پن۔ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ۝ اور وہ لوگ آخرت کے بھی منکر تھے۔ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ اور ان دونوں کے درمیان (یعنی اہل جنت اور اہل دوزخ کے درمیان) ایک آڑ ہے (روکنے والی دیوار حائل ہے، بعض نے کہا ہے کہ حجاب سے مراد سورِ اعراف ہے۔ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ (الآیۃ) اور اعراف پر (جنت کی دیوار پر) بہت سے آدمی ہوں گے (جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے) وہ لوگ (یعنی اہل اعراف) ہر ایک کو (اہل جنت اور اہل دوزخ میں سے) ان کی علامت سے پہچان لیں گے (اور وہ علامت یہ ہے کہ مؤمنوں کے چہرے نورانی سفید ہوں گے اور کافروں کے چہرے سیاہ ہوں گے اہل اعراف ان سب کو دیکھیں گے اس لیے کہ اونچی جگہ پر ہوں گے اور یہ اہل اعراف جنت والوں کو پکار کر کہیں گے: سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ تم پر سلام ہو (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) ابھی یہ (اہل اعراف) جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور وہ امیدوار ہوں گے (یعنی جنت میں داخل ہونے کی امید و توقع ہوگی۔ حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اللہ نے ان کے دلوں میں صرف اسی وجہ سے امید ڈال دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کرامت کا ارادہ فرمایا ہے اور حاکم نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کی ہے کہ یہ اہل اعراف اسی حالت میں ہوں گے کہ اچانک پروردگارِ عالم ان کے سامنے جلوہ افروز ہوں گے اور فرمائیں گے اٹھو اور جنت میں داخل ہو جاؤ میں نے تم کو بخش دیا)۔ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ (الآیۃ) اور جب ان کی نگاہیں (یعنی اہل اعراف کی نظریں دوزخ والوں کی طرف (جانب) پھیری جائیں گی، کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہم کو ان ظالم لوگوں کے ساتھ (دوزخ میں) شامل نہ کیجیے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: وَ تَنْوِيْنُه عِوَضٌ مِنَ الْيَاءِ: یہ سیبویہ کا قول ہے۔ غیر منصرف نہ رہنے کی وجہ سے اس کا حال ہوا اور یہ اعلال پر مقدم ہے۔

قوله: اِعْتِرَاضٌ بَيْنَه وَبَيْنَ خَبَرِه: اس جملہ معترضہ کا فائدہ یہ ہے کہ اس میں دائمی نعمتوں کے حتی الوسع کمانے کی ترغیب دی گئی۔

قوله: هٰذَا جَزَاؤُهٗ: عبارت میں حذف ہے جس کا حاصل هٰذَا لَنَا ہے اس لیے کہ وہ اس جزاء کا ملانے والا ہے۔

قوله :حُذِفَ جَوَابُ: تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔لو لا ھدایة الله تعالٰی لنا موجودة لشقینا وما کنا مھتدین۔اگر اللہ تعالیٰ کی راہنمائی ہمارے لیے موجود نہ ہوتی تو ہم بدنصیب ہو جاتے اور ہدایت نہ پاتے۔

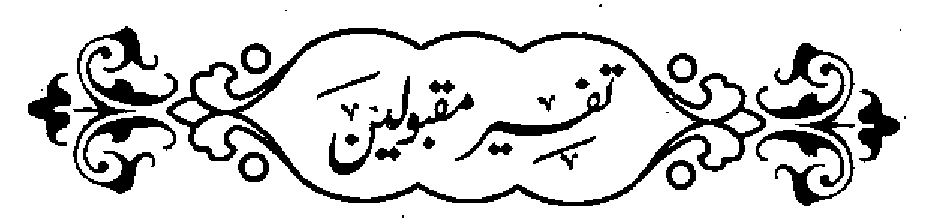
قوله :اَیْ اَنَّهُ: اس وقت اس کا اسم ضمیر شان ہوگی۔

قوله :فِی الْمَوَاضِعِ الْخَمْسَةِ: جن میں پہلا یہ مقام اَنْ تِلْکُمُ۔

قوله :اَو تَبکِیتًا: آئندہ استفہام رُلانے کے لیے ہے۔

قوله :وَهُوَ سُوْرُ الْجَنَّةِ: یہ وہ دیوار ہے جو جنت و نار کے درمیان حائل ہے۔یہ عرف الفرس سے لیا گیا ہے اس کی گردن کے بالوں کو کہا جاتا ہے۔

قوله :وَاِذَا صُرِفَتْ: اس سے اشارہ کیا کہ آگ والوں کی طرف ان کی نگاہ رغبت سے نہ ہوگی بلکہ ان کے رخ کو پھیرا جائے گا۔



اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا....

مکذبین و مستکبرین جنت میں نہ جاسکیں گے ان کا اوڑھنا، بچھونا آگ کا ہوگا:

پہلی آیت میں مکذبین یعنی آیات کے جھٹلانے والوں اور مستکبرین یعنی آیات الٰہیہ کے ماننے سے تکبر کرنے والوں کے مردود ہونے کی ایک حالت بتائی اور وہ یہ کہ ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے۔

حدیث شریف میں مومن اور کافر کی موت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت ملک الموت علیہ السلام مومن کی روح کو قبض کرتے ہیں تو وہ ایسی آسانی سے نکل آتی ہے جیسے (پانی کا) بہتا ہوا قطرہ مشکیزہ سے باہر آجاتا ہے جب وہ اس روح کو لے لیتے ہیں تو ان کے پاس جو دوسرے فرشتے جنتی کفن اور جنتی خوشبو لیے ہوئے بیٹھے ہوتے ہیں پل بھر بھی ان کے ہاتھ میں اس کی روح کو نہیں چھوڑتے پھر وہ اسے جنتی کفن اور جنت کی خوشبو میں رکھ کر آسمان کی طرف لے کر چل دیتے ہیں جب اس روح کو لے کر آسمان کی طرف چڑھنے لگتے ہیں تو فرشتوں کی جس جماعت پر ان کا گزر ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ کون پاکیزہ روح ہے؟ وہ اس کا اچھے سے اچھا نام لے کر جواب دیتے ہیں جس سے وہ دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے۔

اسی طرح پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں۔چنانچہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔(اور وہ اس روح کو لے کر اوپر چلے جاتے ہیں) حتیٰ کہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔ہر آسمان کے مقربین دوسرے آسمان تک رخصت کرتے ہیں۔(جب ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے کی کتاب علیین میں لکھ دو۔اور اسے زمین پر واپس لے جاؤ کیونکہ میں نے ان کو زمین ہی سے پیدا کیا اور اسی میں اس کو لوٹا دوں گا۔اور اسی سے اس کو دوبارہ

نکالوں گا۔

چنانچہ اس کی روح اس کے جسم میں واپس کردی جاتی ہے (اس کے بعد قبر میں جو اس کا اکرام ہوگا اس کا تذکرہ فرمایا) پھر کافر کی موت کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ بلاشبہ جب کافر بندہ دنیا سے جانے اور آخرت کا رخ کرنے کو ہوتا ہے تو سیاہ چہروں والے فرشتے آسمان سے اس کے پاس آتے ہیں جن کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں۔ اور اس کے پاس اتنی دور تک بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے۔ پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں حتیٰ کہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ اے خبیث جان! اللہ کی ناراضگی کی طرف چل۔ ملک الموت کا یہ فرمان سن کر روح اس کے جسم میں ادھر ادھر بھاگی پھرتی ہے۔ لہٰذا ملک الموت اس کی روح کو جسم سے زبردستی اس طرح نکالتے ہیں جیسے بھیگا ہوا اون کانٹے دار سیخ پر لپٹا ہوا ہو اور اس کو زور سے کھینچا جائے) پھر اس کی روح کو ملک الموت (اپنے ہاتھ میں) لے لیتے ہیں اور ان کے ہاتھ میں لیتے ہی دوسرے فرشتے پلک جھپکنے کے برابر بھی ان کے پاس نہیں چھوڑتے۔ اور ان سے فوراً لے کر اس کو ٹاٹوں میں لپیٹ دیتے ہیں (جو ان کے پاس ہوتے ہیں) اور ٹاٹوں میں ایسی بدبو آتی ہے جیسے کبھی کسی بدترین سڑی ہوئی مردہ نعش سے روئے زمین پر بدبو پھوٹی ہو، وہ فرشتے اسے لے کر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں۔ اور فرشتوں کی جس جماعت پر بھی پہنچتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ کون خبیث روح ہے؟ وہ اس کا برے سے برا وہ نام لے کر کہتے ہیں جس سے وہ دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے حتیٰ کہ وہ اسے لے کر قریب والے آسمان تک پہنچتے ہیں اور دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں مگر اس کے لیے دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ) (ان کے لیے آسمانوں کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ وہ کبھی جنت میں داخل ہوں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکے میں نہ چلا جائے)۔

اس حدیث سے (لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ) کا مطلب واضح ہوگیا کہ کفار کی ارواح کو آسمان کی طرف فرشتے لے جاتے ہیں تو ان کے لیے دروازے نہیں کھولے جاتے اور ان کو وہیں سے پھینک دیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر میں یہ بھی منقول ہے کہ کافروں کے اعمال اوپر نہیں اٹھائے جاتے اور نہ ان کی دُعا اوپر اٹھائی جاتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۳ ج ۱)

(وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ) (اور یہ لوگ جنت میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہ ہو جائے)۔

یہ تعلیق بالمحال کے طور پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو سکتا ہے اور نہ یہ لوگ جنت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ حضرت علامہ بیضاوی لکھتے ہیں۔ ذالك مما لا يكون وكذا مايتوقف عليه۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ ۔۔۔

اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ باہم جنتیوں میں نعمائے جنت کے متعلق کسی طرح کا حسد ورشک نہ ہوگا، ہر ایک اپنے کو اور دوسرے بھائی کو جس مقام میں ہے دیکھ کر خوش ہوگا۔ بخلاف دوزخیوں کے کہ وہ مصیبت کے وقت ایک دوسرے کو لعن طعن کریں گے۔ جیسا کہ پہلے گزرا۔ اور یا یہ مراد ہے کہ صالحین کے درمیان جو دنیا میں کسی بات پر خفگی ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے کی

طرف سے انقباض پیش آتا ہے وہ سب جنت میں داخل ہونے سے پیشتر دلوں سے نکال دیا جائے گا۔ وہاں سب ایک دوسرے سے سلیم الصدر ہونگے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ مجھے امید ہے کہ میں اور عثمان طلحہ زبیر رضی اللہ عنہم انہی لوگوں میں سے ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَادٰۤى اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ اَصۡحٰبَ النَّارِ ....

اہل جنت کا اہل دوزخ کو پکارنا اور دوزخیوں پر لعنت ہونے کا اعلان ہونا:

اہل جنت دوزخیوں کو آواز دیں گے اور ان کو خطاب کرتے ہوئے یوں پکاریں گے کہ ہمارے ربّ نے ہم سے ایمان اور اعمال صالحہ پر جو عنایت اور مہربانی اور بخششوں کا وعدہ فرمایا تھا دنیا میں ہم نے بغیر دیکھے اس سب کی تصدیق کر دی تھی۔ آج ہم نے یہاں ان سب وعدوں کے مطابق انعامات پالیے جو وعدے ہم سے فرمائے گئے تھے ان سب کو آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب تم کہو کہ کفر پر جو تمہارے ربّ نے تم کو اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ وعیدوں سے آگاہ فرمایا تھا کیا وہ وعیدیں سچی نکلیں اور اللہ تعالیٰ نے جو کفر کی سزا سے دنیا ہی میں باخبر فرما دیا تھا ان خبروں کو تم نے صحیح پایا؟

اس پر وہ لوگ جواب دیں گے: "نَعَمۡ" کہ ہاں! ہم نے ان سب باتوں کو صحیح پایا۔ واقعی کتابوں اور رسولوں کے واسطہ سے جو اللہ تعالیٰ نے عذاب کی خبریں دی تھیں وہ سب ٹھیک نکلیں۔ جب وہ لوگ اس کا اقرار کرلیں گے کہ ہمیں جو کچھ بتایا گیا تھا وہ سب سچ تھا ہم نے نہ مانا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اس پر ایک پکارنے والا دونوں فریق کے درمیان کھڑے ہو کر یوں پکارے گا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ظالموں پر جو اللہ کی راہ سے یعنی دین حق سے روکتے تھے بلکہ بزعم خود اس میں کجی تلاش کرتے تھے یعنی ایسی باتیں ڈھونڈتے تھے جن کے ذریعہ حق میں عیب نکالیں اور اعتراض کریں۔

یہ لوگ نہ دین حق کو مانتے تھے نہ یوم آخرت پر ایمان رکھتے تھے ان کی ان حرکتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیشہ ملعون ہو گئے ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھٹکار پڑ گئی اور دوزخ کے دائمی عذاب میں گرفتار ہو گئے۔

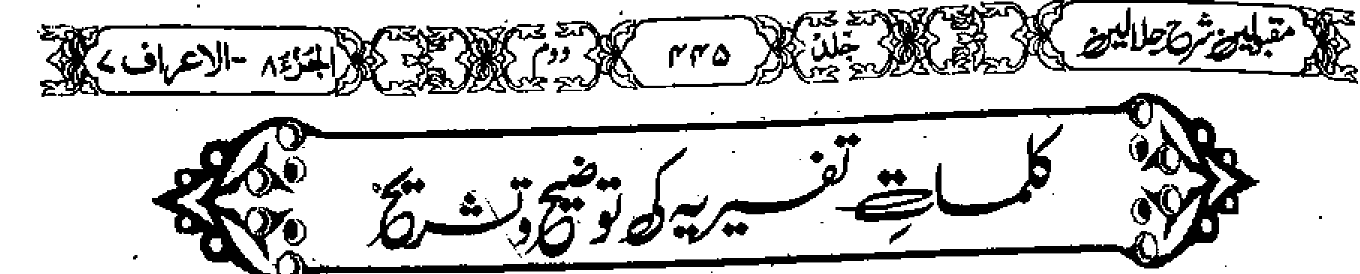
وَبَيۡنَهُمَا حِجَابٌ ....

حجاب کے معنی پردہ اور آڑ کے ہیں۔ یہاں پردہ کی دیوار مراد ہے جس کی تصریح سورۃ حدید میں کی گئی ہے (فَضُرِبَ بَيۡنَهُمۡ بِسُوۡرٍ لَّهٗ بَابٌ) [الحدید: ۱۳] دیوار جنت کی لذتوں کو دوزخ تک اور دوزخ کی کلفتوں کو جنت تک پہنچنے سے مانع ہوگی اس کی تفصیلی کیفیت کا ہم کو علم نہیں۔ اسی درمیانی دیوار کی بلندی پر جو مقام ہوگا اس کو اعراف کہتے ہیں۔ اصحاب اعراف کون لوگ ہیں؟ قرطبی نے اس میں بارہ قول نقل کئے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان میں راجح وہ ہی قول ہے جو حضرت حذیفہ، ابن عباس، ابن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ اور اکثر سلف و خلف سے منقول ہے۔ یعنی وزن اعمال کے بعد جن کے حسنات بھاری ہوں گے وہ جنتی ہیں اور جن کے سیئات غالب ہوئے وہ دوزخی۔ اور جن کے حسنات و سیات بالکل مساوی ہوں گے وہ اصحاب اعراف ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انجام کار اصحاب اعراف جنت میں چلے جائیں گے اور یہ ویسے بھی ظاہر ہے کہ جب عصاۃ مؤمنین جن کے سیئات غالب تھے جہنم سے نکل کر آخر کار جنت میں داخل ہوں گے، تو اصحاب اعراف

جن کے حسنات اور سیئات برابر ہیں وہ ان سے پہلے داخل ہونے چاہئیں گویا اصحاب اعراف کو اصحاب الیمین کی ایک کمزور قسم سمجھنا چاہئے۔ جس طرح سابقین مقربین فی الحقیقت اصحاب یمین کی ایک ایسی قسم ہے جو اپنی اولوالعزمیوں کی بدولت عام اصحاب یمین سے کچھ آگے نکل گئے ہیں، اس کے بالمقابل اصحاب اعراف گری ہوئی قسم ہے جو اپنے اعمال کی کثافت کی وجہ سے عام اصحاب یمین سے کچھ پیچھے رہ گئے ہیں یہ لوگ اہل جہنم اور اہل جنت کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے دونوں طبقے کے لوگوں کو ان کی مخصوص نشانیوں سے پہچانتے ہوں گے، جنتیوں کو ان کے سفید اور نورانی چہروں سے اور دوزخیوں کو ان کی روسیاہی اور بدرونقی سے۔ بہر حال جنت والوں کو دیکھ کر سلام کریں گے جو بطور مبارکباد ہوگا اور چونکہ خود ابھی جنت میں داخل نہیں ہو سکے اس کی طمع اور آرزو کریں گے جو آخر کار پوری کر دی جائے گی۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ
مِنَ النَّارِ جَمْعُكُمْ اَلْمَالَ اَوْ كَثْرَتُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَىْ وَاسْتِكْبَارُكُمْ عَنِ الْاِيْمَانِ وَيَقُوْلُوْنَ
لَهُمْ مُشِيْرِيْنَ اِلٰى ضُعَفَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ قَدْ قِيْلَ لَهُمْ
اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَقُرِئَ اُدْخِلُوْا بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَدَخَلُوْا فَجُمْلَةُ
النَّفْيِ حَالٌ اَىْ مَقُوْلًا لَهُمْ ذٰلِكَ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ
مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ مِنَ الطَّعَامِ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا مَنَعَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ
لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ نَتْرُكُهُمْ فِى النَّارِ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ
هٰذَا بِتَرْكِهِمِ الْعَمَلَ لَهُ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَىْ وَكَمَا جَحَدُوْا وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ اَىْ اَهْلَ
مَكَّةَ بِكِتٰبٍ قُرْاٰنٍ فَصَّلْنٰهُ بَيَّنَّاهُ بِالْاَخْبَارِ وَالْوَعْدِ وَالْوَعِيْدِ عَلٰى عِلْمٍ حَالٌ اَىْ عَالِمِيْنَ بِمَا فُصِّلَ فِيْهِ
هُدًى حَالٌ مِنَ الْهَاءِ وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ بِهٖ هَلْ يَنْظُرُوْنَ مَا يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ
عَاقِبَةَ مَا فِيْهِ يَوْمَ يَاْتِىْ تَاْوِيْلُهٗ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ تَرَكُوا الْاِيْمَانَ قَدْ
جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ هَلْ نُرَدُّ اِلَى الدُّنْيَا فَنَعْمَلَ غَيْرَ
الَّذِىْ كُنَّا نَعْمَلُ نُوَحِّدُ اللّٰهَ وَنَتْرُكُ الشِّرْكَ فَيُقَالُ لَهُمْ لَا قَالَ تَعَالٰى قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ اِذْ صَارُوْا اِلَى
الْهَلَاكِ وَضَلَّ ذَهَبَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ مِنْ دَعْوَى الشَّرِيْكِ ع ۱۳

ترجمہ: وَ نَادٰۤی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ (الآیۃ) اور اہل اعراف دوزخیوں میں سے بہت سے لوگوں کو جن کو وہ ان کی علامات سے پہچانتے ہوں گے پکاریں گے کہ تمہارے کچھ کام نہیں آیا (دوزخ سے بچانے میں) تمہارا (مال) جمع کرنا (یا تمہاری کثرت) اور وہ جو تم تکبر کرتے تھے (یعنی تمہارا ایمان لانے سے تکبر کرنا۔ اور اہل اعراف کمزور مسلمانوں کی طرف جو جنت میں ہوں گے اشارہ کر کے کہیں گے) اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ (الآیۃ) کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کی نسبت تم قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ان لوگوں کو اللہ کی رحمت نہیں پہنچے گی (حالانکہ ان لوگوں سے کہہ دیا گیا کہ) جنت میں داخل ہو جاؤ نہ تم پر کچھ خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے۔ وَقُرِئَ اُدْخُلُوْا جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک قراءت میں اُدْخِلُوا بصیغۂ ماضی مجہول اور دَخَلُوْا پڑھا گیا ہے۔ فَجُمْلَةُ النَّفْیِ سے مراد پورا جملہ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمْ وَ لَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ ہے اور یہ حال ہے یعنی (درآنحالیکہ یہ اُدْخِلُوْا یا دَخَلُوْا، ان ہی اہل اعراف کا مقولہ ہے) وَ نَادٰۤی اَصْحٰبُ النَّارِ (الآیۃ) اور دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ ہمارے اوپر تھوڑا پانی ہی ڈال دیا کرو یا اس (کھانا) میں سے جو اللہ نے تم کو دی ہے۔ جنت والے کہیں گے کہ اللہ نے ان دونوں چیزوں کو حرام کر دیا ہے (بندش کر رکھی ہے) کافروں پر جنہوں نے (دنیا میں) اپنے دین کو لہو ولعب (تماشا اور کھیل) بنا رکھا تھا اور ان کو دنیاوی زندگانی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ پس آج ہم بھی ان کو بھول جائیں (یعنی ہم انہیں دوزخ میں چھوڑ دیں گے) جیسا کہ انہوں نے (دنیا میں) اس دن کی پیشی اور ملنے کو فراموش کر دیا تھا (اس دن کے لیے عمل چھوڑ کر) اور جیسا کہ یہ لوگ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے (یعنی اور جیسا کہ ان لوگوں نے انکار کر دیا تھا) وَ لَقَدْ جِئْنٰهُمْ (الآیۃ) اور ہم نے ان لوگوں (یعنی اہل مکہ) کے پاس ایک ایسی کتاب (قرآن) پہنچا دی ہے جس کو ہم نے مفصل بیان کیا ہے (یعنی اخبار اور وعدہ وعید کو بیان کر دیا ہے) اپنے علم کامل سے یعنی درآنحالیکہ ہم اس کی تفصیلات سے باخبر ہیں) هُدًی وَّ رَحْمَةً (الآیۃ) درآنحالیکہ وہ کتاب ذریعہ ہدایت و رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو (اس کو سن کر) اس پر ایمان لے آتے ہیں۔ هَلْ یَنْظُرُوْنَ (الآیۃ) یہ کفار مکہ نہیں انتظار کر رہے مگر اخیر نتیجہ کا (یعنی جو کچھ قرآن میں ہے اس کے انجام کا انتظار کر رہے ہیں۔ جس دن اس کا (بتلایا ہوا) اخیر نتیجہ پیش آئے گا (یعنی قیامت کے دن، اس روز وہ لوگ جو اس روز کو بھولے ہوئے تھے اور اس پر ایمان چھوڑ بیٹھے تھے) کہیں گے واقعی ہمارے رب کے رسول (دنیا میں) حق لے کر آئے تھے۔ پس کیا ہمارے لیے کوئی سفارشی ہے کہ وہ ہمارے لیے (اللہ تعالیٰ سے) سفارش کر دے یا (کیا ہم دنیا میں) واپس لوٹا دیئے جائیں، پس ان اعمال کے خلاف عمل کریں جو ہم پہلے کرتے تھے (یعنی شرک کو چھوڑ کر اللہ کی توحید کا اقرار کریں گے، پس ان سے کہا جائے گا کہ اب کچھ نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) بلاشبہ ان لوگوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈال دیا (کیونکہ وہ ہلاکت میں پڑ گئے) اور ان سے وہ سب گم ہو گیا (کھو گیا) جو کچھ افتراء کرتے تھے (یعنی اللہ کے شریک کا دعویٰ)۔



قوله: وَاسْتِكْبَارُكُمْ: اس سے اشارہ ہے کہ مَا مصدریہ ہے۔

قوله: يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ ان کا قول أَهٰٓؤُلَآءِ مردوں کو کہی جانے والی بات تتمہ ہے۔

قوله: وَقَدْقِيْلَ لَهُمْ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سے کہا جائے گا نہ کہ اصحابِ اعراف کا قول۔

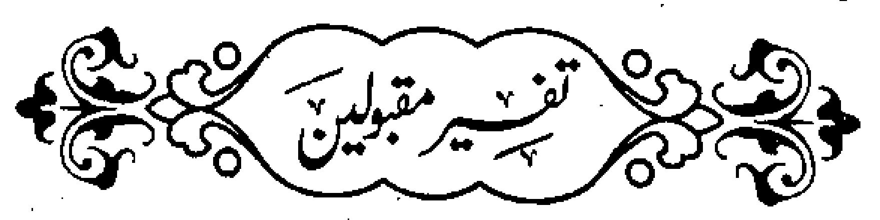
قوله: فَجُمْلَةُ النَّفْيِ: یہ حال ہے۔ یہ فصل کی وجہ کا بیان ہے۔ اور مَقُوْلًا سے ذی الحال کے ساتھ حال کے جوڑ لگنے کی وجہ بتائی گئی ہے۔

قوله: مِنَ الطَّعَامِ: اس سے اشارہ کیا کہ فقط الشربہ مراد لینا کمزور قول ہے۔

قوله: نَتْرُكُهُمْ: اس کی یہ تفسیر اس لیے کی کیونکہ نسیان سے ذاتِ باری تعالیٰ منزّہ ہے۔

قوله: بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ: اس سے اشارہ کیا کہ اس کا عطف نسوا پر ہے اور مضارع کَانَ کی وجہ سے ماضی استمراری بن گیا۔

قوله: أَوْهَلْ نُرَدُّ: یہاں هل کو مقدر مانا گیا کہ اس کا عطف ماقبل جملہ پر ہے اور وہ اس کے ساتھ حکم استفہام میں داخل ہے۔ فَيَشْفَعُوْا پر اس کا عطف نہیں۔



وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ....

اعراف والے کچھ لوگوں کو ان کی علامات سے پہچان کر پکار کر کہیں گے کہ (آج) تمہارے جتھے اور وہ چیزیں جن پر تم غرور کیا کرتے تھے تم کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے۔ غرور کرنے سے مراد ہے حق کو حقیر سمجھ کر اعراض کرنا یا مخلوق کے مقابلہ میں غرور کرنا۔ اعراف والے جن لوگوں سے یہ کلام کریں گے وہ وہی کافر ہوں گے جو دنیا میں بڑے مانے جاتے تھے۔ جمع سے مراد ہے قوم برادری، اولاد اور مددگاروں کے جتھوں کی کثرت اور مال جمع کرنا۔ کلبی نے کہا وہ دیوار اعراف پر سے پکاریں گے اے ولید بن مغیرہ، اے ابوجہل بن ہشام، اے فلاں اے فلاں پھر جنت کی طرف دیکھیں گے تو اس کے اندر وہ فقراء اور کمزور لوگ نظر آئیں گے جن سے کافر استہزاء کرتے تھے۔ جیسے سلمان فارسی، صہیب رومی، بلال حبشی، خباب رضی اللہ عنہم اجمعین، تو اس وقت دوزخی کافروں سے کہیں گے۔

اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ ----

اہل اعراف کا سوال و جواب اہل جنت اور اہل دوزخ

اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اہل اعراف کا سوال و جواب اہل جنت اور اہل دوزخ دونوں کے ساتھ ہو چکے گا، اس وقت ربّ العالمین اہل دوزخ کو خطاب کر کے یہ کلمات اہل اعراف کے بارے میں فرمائیں گے کہ تم لوگ قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ان کی مغفرت نہ ہوگی اور ان پر کوئی رحمت نہ ہوگی، سو اب دیکھو ہماری رحمت اور اس کے ساتھ ہی اہل اعراف کو خطاب ہوگا کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ نہ تم پر پچھلے معاملات کا کوئی خوف ہونا چاہئے اور نہ آئندہ کا کوئی غم و فکر۔ (ابن کثیر)

وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ النَّارِ ----

دوزخیوں کا اہل جنت سے پانی طلب کرنا اور دنیا میں واپس آنے کی آرزو کرنا:

اہل جنت اور اہل اعراف جو دوزخیوں سے خطاب کریں گے۔ گزشتہ آیات میں اس کا تذکرہ فرمایا۔ اس آیت میں اہل دوزخ کے خطاب کا ذکر ہے وہ اہل جنت سے اپنے عذاب کی تخفیف کے لیے سوال کریں گے اور ان سے اپنے لیے کچھ مانگیں گے، وہ کہیں گے کہ ہمارے اوپر کچھ پانی بہا دو۔ یا دوسری چیزیں جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہیں ان میں سے کچھ ہماری طرف بھی بھیج دو۔ اہل جنت جواب دیں گے کہ جنت کا پانی اور جنت کی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے کافروں پر حرام کر دی ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا ----

جنہوں نے اپنے دین کو کھیل کود بنا رکھا تھا اور دنیوی زندگی نے ان کو فریب دے رکھا تھا۔ بیضاوی نے لکھا ہے حرام سے مراد یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں اللہ نے کافروں سے روک دی ہیں (ممانعت فرمادی ہے) جیسے مکلف کو حرام چیز کی ممانعت کر دی جاتی ہے۔ صاحب مدارک نے لکھا ہے یہاں تحریم بمعنی منع ہے جیسے وحرمنا علیه المراضع میں حَرَّمْنَا کا معنی ہے مَنَعْنَا میں کہتا ہوں آیت: حرام علی قریة اهلکناها انهم لا یرجعون میں بھی حرام کا معنی منع ہی ہے۔

ابن ابی الدنیا اور رضیا نے زید بن رفیع کا بیان نقل کیا ہے کہ دوزخی دوزخ میں داخل ہو کر مدت تک آنسوؤں سے روئیں گے پھر مدت تک لہو کے آنسو بہائیں گے۔ دوزخ کے کارندے ان سے کہیں گے بدبختو تم دنیا میں نہیں روئے آج تم کس سے فریاد کر رہے ہو وہ چیخ کر پکاریں گے اے جنت والو اے گروہ پدراں و مادراں! اے اولاد! ہم قبروں سے پیاسے نکلے تھے میدان حشر میں بھی پوری مدت پیاسے رہے اور آج بھی پیاسے ہیں، اللہ نے پانی اور جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے ہماری طرف بھی اس میں سے کچھ بہا دو۔ چالیس (دن یا مہینے یا سال) تک مانگتے رہیں گے مگر کوئی جواب نہیں دے گا آخر ان کو جواب ملے گا تم کو (یونہی یہاں ہمیشہ) رہنا ہے یہ سن کر وہ ہر بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اسی آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ آدمی اپنے بھائی کو پکارے گا اور کہے گا بھائی میری فریاد رسی کر میں جل گیا وہ جواب دے گا۔ ان اللہ حرمهما علی الکافرین۔

فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ الآیۃ پس آج ہم بھی ان کو ایسے ہی فراموش کردیں گے جیسے انہوں نے اس دن کی پیشی کو فراموش کردیا تھا اور جیسے ہماری آیات کا انکار کردیا تھا۔ فراموش کردینے سے مراد ہے دوزخ میں ڈال کر چھوڑ دینا اور قیامت کے دن کی پیشی کو بھولنے سے مراد ہے ایسے اعمال ترک کردینا جو قیامت کے دن فائدہ رساں ہوں۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ مِنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا اَيْ فِيْ قَدْرِهَا لِاَنَّهُ لَمْ يَكُنْ ثَمَّ شَمْسٌ وَلَوْ شَاءَ خَلَقَهُنَّ فِيْ لَمْحَةٍ وَالْعُدُوْلُ عَنْهُ لِتَعْلِيْمِ خَلْقِهِ التَّثَبُّتُ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ هُوَ فِي اللُّغَةِ سَرِيْرُ الْمَلِكِ اسْتِوَاءً يَلِيْقُ بِهِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ مُخَفَّفًا وَ مُشَدَّدًا اَيْ يُغَطِّيْ كُلًّا مِنْهُمَا بِالْاٰخَرِ يَطْلُبُهٗ يَطْلُبُ كُلٌّ مِنْهُمَا الْاٰخَرَ طَلَبًا حَثِيْثًا ۙ سَرِيْعًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالرَّفْعِ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ مُسَخَّرٰتٍ مُذَلَّلَاتٌ بِاَمْرِهٖ ۭ بِقُدْرَتِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ جَمِيْعًا وَالْاَمْرُ ۭ كُلُّهٗ تَبٰرَكَ تَعَاظَمَ اللّٰهُ رَبُّ مَالِكُ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا حَالٌ تَذَلُّلًا وَّخُفْيَةً ۭ سِرًّا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ فِي الدُّعَاءِ بِالتَّشَدُّقِ وَرَفْعِ الصَّوْتِ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بِالشِّرْكِ وَالْمَعَاصِيْ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا بِبَعْثِ الرُّسُلِ وَادْعُوْهُ خَوْفًا مِنْ عِقَابِهٖ وَّطَمَعًا ۭ فِيْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ اَلْمُطِيْعِيْنَ وَتَذْكِيْرُ قَرِيْبٍ الْمُخْبَرِ بِهٖ عَنْ رَحْمَةٍ لِاِضَافَتِهَا اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ اَيْ مُتَفَرِّقَةً قُدَّامَ الْمَطَرِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِسُكُوْنِ الشِّيْنِ تَخْفِيْفًا وَفِيْ اُخْرٰى بِسُكُوْنِهَا وَفَتْحِ النُّوْنِ مَصْدَرًا وَفِيْ اُخْرٰى بِسُكُوْنِهَا وَضَمِّ الْمُوَحَّدَةِ بَدَلَ النُّوْنِ اَيْ مُبَشِّرٍ وَمُفْرَدُ الْاُوْلٰى نُشُوْرًا كَرَسُوْلٍ وَالْاٰخِيْرَةُ بَشِيْرٌ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ حَمَلَتِ الرِّيْحُ سَحَابًا ثِقَالًا بِالْمَطَرِ سُقْنٰهُ اَيِ السَّحَابَ وَفِيْهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ لَانَبَاتَ بِهٖ اَيْ لِاِحْيَائِهٖ فَاَنْزَلْنَا بِهِ بِالْبَلَدِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ بِالْمَاءِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ الْاِخْرَاجِ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى مِنْ قُبُوْرِهِمْ بِالْاِحْيَاءِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ فَتُؤْمِنُوْنَ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ الْعَذْبُ التُّرَابِ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ حَسَنًا بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ هٰذَا مَثَلٌ لِلْمُؤْمِنِ يَسْمَعُ الْمَوْعِظَةَ فَيَنْتَفِعُ بِهَا وَالَّذِيْ خَبُثَ تُرَابُهٗ لَا يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ اِلَّا نَكِدًا ۭ عُسْرًا بِمَشَقَّةٍ وَهٰذَا مَثَلٌ لِلْكَافِرِ كَذٰلِكَ كَمَا بَيَّنَّا مَا ذُكِرَ نُصَرِّفُ نُبَيِّنُ

ع۵ ۱۴ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اللّٰهَ فَيُؤْمِنُوْنَ

ترجمہ: اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الآیۃ بلاشبہ تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا (یعنی ایام دنیا کے چھ دن کی مقدار میں پیدا فرمایا کیونکہ اس وقت یعنی آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے آفتاب ہی نہیں تھا۔ وَلَوْشَآءَ الآیۃ اور اگر اللہ چاہتے تو ان تمام چیزوں کو ایک لحہ میں پیدا فرما دیتے لیکن اس سے عدول کیا اپنی مخلوق کو تثبت کی تعلیم دینے کے لیے۔ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ پھر عرش پر قائم ہوا (جو قیام اس کی شان کے لائق تھا عرش کے معنی لغت میں تخت شاہی کے ہیں) يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ وہ رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے (مُخَفَّفًا یعنی لفظ يُغْشِي میں ایک قراءت تخفیف کے ساتھ ہے۔ دوسری قراء تعین کے زبر اور شین کی تشدید کے ساتھ ہے۔ یعنی دن اور رات میں سے ہر ایک دوسرے کو چھپا دیتا ہے) يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا طلب کرتی ہے رات دن کو (یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو طلب کر لیتے ہیں) نہایت تیزی سے (جلدی سے) وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ الآیۃ اور سورج اور چاند اور ستاروں کو پیدا کیا (نصب کے ساتھ السَّمٰوٰتِ پر عطف ہے اور رفع کے ساتھ مبتدا ہے اس کی خبر آگے ہے یعنی) مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں (فرمانبردار ہیں۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۔ یادرکھو اللہ ہی کے لیے خاص ہے خالق ہونا (سب کا) اور حاکم ہونا (ہر قسم کا) تَبٰرَكَ اللّٰهُ الآیۃ بڑی برکت والا (انتہائی بزرگی والا) ہے اللہ جو پروردگار (مالک) ہیں تمام جہانوں کے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا اپنے پروردگار سے دعاء کیا کرو عاجزی سے (تَضَرُّعًا حال ہے اور چپکے چپکے (یعنی آہستہ) بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں فرماتے ہیں جو (دعاء میں) حد سے تجاوز کرتے ہیں (یعنی طول طویل اور بلند آواز سے دعاء کرتے ہیں) وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ اور زمین میں (یعنی دنیا میں) بعد اس کی اصلاح کے (بعثت و انبیاء کے ذریعہ) فساد مت پھیلاؤ (شرک ومعاصی کے ذریعہ) اور اللہ کو پکارو (اس کے عذاب سے) ڈرتے ہوئے اور (اس کی رحمت سے) امید کرتے ہوئے بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں (فرمانبرداروں) سے قریب ہے اور لفظ قَرِيْبٌ کا مذکر لانا اسی ذات کی وجہ سے ہے جس کی رحمت کی خبر دی گئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کیونکہ رحمت کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الآیۃ اور وہ (اللہ) ہے جو اپنی بارانِ رحمت سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لیے بھیجتا ہے (یعنی جو بارش سے پہلے متفرق و منتشر ہو جاتی ہے) وَفِيْ قِرَاءَةٍ الآیۃ کہ ایک قراءت میں سکون شین کے ساتھ بطریق تخفیف یہ ہے کہ: بضم النون و سکون الشین۔ وَفِيْ اُخْرٰى الآیۃ اور دوسری قراءت کے باء مؤحدہ کے ضمہ اور شین معجمہ کے سکون کے ساتھ ہے خوشخبری دینے والا۔ وَمُفْرَدُ الْاُوْلٰى نَشُوْرًا كَرَسُوْلٍ، اور اول قراءت یعنی نشرا کا مفرد نشور بروزن رسول ہے اور آخری قراءت کا مفرد یعنی بُشْرًا کا واحد بَشِيْرٌ ہے)۔ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ الآیۃ یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں اٹھاتی ہیں (ہوائیں لادلیتی ہیں) بھاری بادلوں کو (یعنی بارش سے بوجھ بادلوں کو) تو ہم اس کو (یعنی بادل کو) ہانک دیتے ہیں (اس میں غیبت سے التفات ہے تکلم کی طرف) ایک مردہ شہر کی طرف (یعنی خشک

زمین کی طرف جس میں کوئی گھاس پھونس نہیں ہے کو زندہ کرنے کے لیے) فَاَنْزَلْنَا بِهِ (الآية) پھر ہم اس سرزمین) میں پانی برساتے ہیں۔ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ پھر ہم اس (پانی) سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں، اس طرح (یعنی ایسے ہی نکالنے کی طرح) ہم مردوں کو (ان کی قبروں سے زندہ کر کے) نکالیں گے (تا کہ تم نصیحت پکڑو اور ایمان لے آؤ) وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ (الآية) اور جو جگہ ستھری ہے (خوشگوار مٹی ہے) اس کا سبزہ (پیداوار) تو پروردگار کے حکم سے نکلتا ہے (یہ مثال ہے اس مؤمن کی جو وعظ سنتا ہے اور اس سے فائدہ حاصل کرتا ہے) وَالَّذِىْ خَبُثَ ۔۔۔ اور جو خراب ہے (یعنی جس کی مٹی نکمی و بنجر ہے) اس کی سبزی نہیں نکلتی مگر نکمی، بے فائدہ (یعنی بہت ہی کم وہ بھی مشقت کے ساتھ یہ کافر کی مثال ہے۔ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ (الآية) جس طرح ہم نے مذکورہ باتیں بتلائیں، ہم اسی طرح بار بار دہراتے ہیں بیان کرتے ہیں، دلائل ان لوگوں کے لیے جو شکر کرتے ہیں (یعنی اللہ کا شکر کرتے ہیں اور ایمان لے آتے ہیں)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اِسْتَوَاءً: جو استواء ذاتِ باری تعالیٰ کے لائق و مناسب ہے۔

قوله: يُغْطِىْ كُلًّا مِنْهُمَا: غشیان سے مراد ہر ایک کا ایک دوسرے کو ڈھانپنا ہے نہ کہ ایک طرف کا تقابل لیل کا آنا اس کا قرینہ ہے۔

قوله: بِالتَّشَدُّقِ: سے تکلف کی اور خوف سے ریا کی نفی کر دی۔

قوله: مُتَفَرِّقَةً: اس سے اس کی تاویل کر کے اشارہ کیا کہ یہ حال ہے۔

قوله: مُبَشِّرًا: یہ تاویل اس کی حالیت ظاہر کرنے کی غرض سے ہے۔

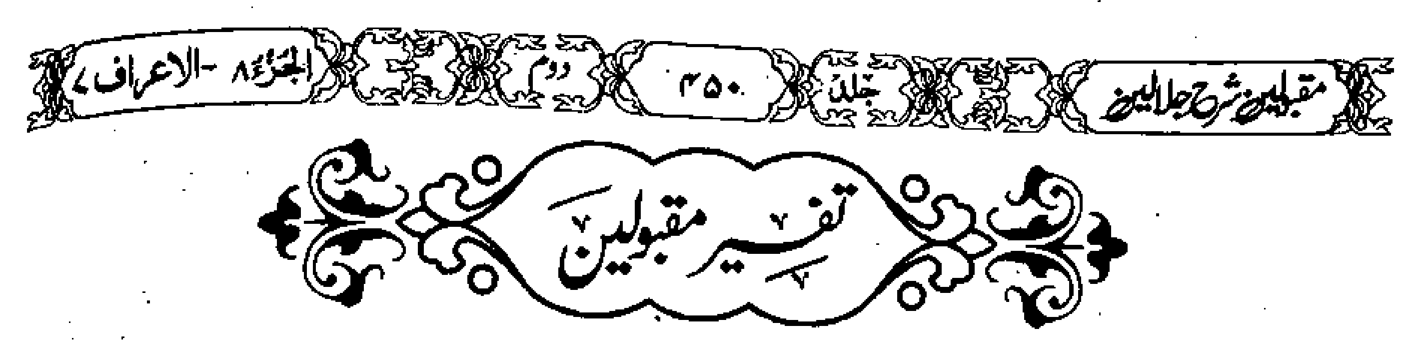
قوله: السَّحَابَ: اس کے لیے ضمیر کو مفرد لفظ کے لحاظ سے لایا گیا ہے۔

قوله: لِاِحْيَائِهٖ: مضاف کو مقدر مانا کیونکہ مَطْرِ کا نام یہ شہر کے نفع کو ظاہر نہیں کرتا۔

قوله: اِنَّ الطَّيِّبُ: یہ طیب طاہر کے معنی میں نہیں کیونکہ موقعہ کے مناسب نہیں۔ بلد کی طرف اس کی نسبت مجاز سے مٹی کے لحاظ سے ہے۔

قوله: حَسَنًا: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ بِاِذْنِ، یہ متعلق کے لحاظ سے حال ہے اور قرینہ نَكِدًا ہے۔

قوله: نَبَاتُهٗ: مضاف کو حذف کیا جو کہ نبات ہے اور مضاف الیہ ضمیر کو جو بلد کی طرف لوٹتی ہے اس کے قائم مقام لائے۔



اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ....

ربط: گزشتہ آیت میں جو معاد کا ذکر تھا، اس رکوع میں مبدا کی معرفت کرائی گئی ہے۔ (قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ) [الاعراف: ۵۳] سے بتلایا گیا تھا کہ جو لوگ دنیا میں انبیاء اور رسل سے منحرف رہتے تھے ان کو بھی قیامت کے دن پیغمبروں کی سچائی کی ناچار تصدیق کرنی پڑے گی۔ یہاں نہایت لطیف پیرایہ میں خدا کی حکومت یاد دلانے اور انبیاء و رسل کی ضرورت کی طرف اشارہ کرنے کے بعد بعض مشہور پیغمبروں کے احوال و واقعات کا تذکرہ پیش کیا جا رہا ہے کہ ان کی تصدیق یا تکذیب کرنے والے کا آخرت سے پہلے دنیا ہی میں کیا انجام ہوا۔ گو یا رکوع آنے والے کئی رکوعات کی تمہید ہے۔

مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت میں آسمان و زمین اور سیارات و نجوم کے پیدا کرنے اور ایک خاص نظام محکم کے تابع اپنے اپنے کام میں لگے رہنے کا ذکر اور اس کے ضمن میں حق تعالیٰ کی قدرت مطلقہ کا بیان کر کے ہر اہل عقل انسان کو اس کی دعوت فکر دی گئی ہے کہ جو ذات پاک اس عظیم الشان عالم کو عدم سے وجود میں لانے اور حکیمانہ نظام کے ساتھ چلانے پر قادر ہے اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ ان چیزوں کو معدوم کر کے قیامت کے روز دوبارہ پیدا فرما دے، اس لیے قیامت کا انکار چھوڑ کر صرف اسی ذات کو اپنا ربّ سمجھیں اسی سے اپنی حاجات طلب کریں، اسی کی عبادت کریں، مخلوق پرستی کی دلدل سے نکلیں اور حقیقت کو پہچانیں اس میں ارشاد فرمایا کہ "تمہارا ربّ اللہ ہی ہے، جس نے آسمان اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا"۔

آسمان وزمین کی تخلیق میں چھ روز کی مدت کیوں ہوئی؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ دن اور رات کا وجود آفتاب کی حرکت سے پہچانا جاتا ہے، آسمان اور زمین کی پیدائش سے پہلے جب نہ آفتاب تھا نہ ماہتاب، چھ دنوں کی تعداد کس حساب سے ہوئی۔

اس لیے بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ مراد چھ دن سے اتنا وقت اور زمانہ ہے جس میں چھ دن رات اس دنیا میں ہوتے ہیں، لیکن صاف اور بے غبار بات یہ ہے کہ دن اور رات کی یہ اصلاح کہ طلوع آفتاب سے غروب تک دن اور غروب سے طلوع تک رات، یہ تو اس دنیا کی اصطلاح ہے، پیدائش عالم سے پہلے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کی دوسری علامات مقرر فرما رکھی ہیں، جیسے جنت میں ہوگا کہ وہاں کا دن اور رات حرکت آفتاب کے تابع نہیں ہوگا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ ضروری نہیں کہ وہ چھ دن جس میں زمین و آسمان بنائے گئے وہ ہمارے چھ دن کے برابر ہوں بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس سے بڑے ہوں، جیسے آخرت کے دن کے بارے میں ارشاد قرآنی ہے کہ ایک ہزار سال کے برابر ایک دن ہوگا۔

ابو عبداللہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فلک اعظم کی حرکت اس دنیا کی حرکات کے مقابلہ میں اتنی تیز ہے کہ ایک دوڑنے والا

انسان ایک قدم اٹھا کر زمین پر رکھنے نہیں پاتا کہ فلک اعظم تین ہزار میل کی مسافت طے کر لیتا ہے۔ (بحر محیط)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہی ہے کہ یہاں چھ دن سے آخرت کے چھ دن مراد ہیں، اور بروایت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے۔

اور یہ چھ دن جن میں پیدائش عالم وجود میں آئی ہے، صحیح روایات کے مطابق اتوار سے شروع ہو کر جمعہ پر ختم ہوتے ہیں، یوم السبت یعنی ہفتہ کے اندر تخلیق عالم کا کام نہیں ہوا، بعض علماء نے فرمایا کہ سبت کے معنی قطع کرنے کے ہیں، اس روز کا یوم السبت اسی لیے نام رکھا گیا کہ اس پر کام ختم ہو گیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

آیت مذکورہ میں زمین و آسمان کی تخلیق چھ روز میں مکمل ہونے کا ذکر ہے اس کی تفصیل سورۃ حم سجدہ کی نویں اور دسویں آیات میں اس طرح آئی ہے کہ دو دن میں زمین بنائی گئی، پھر دو دن میں زمین کے اوپر پہاڑ، دریا، معادن، درخت، نباتات، اور انسان و حیوان کے کھانے پینے کی چیزیں بنائی گئیں، کل چار دن ہو گئے، ارشاد فرمایا: خلق الارض فی یومین اور پھر فرمایا: قدر فیها اقواتها فی اربعة ایام۔

پہلے دو دن جس میں زمین بنائی گئی، اتوار اور پیر ہیں، اور دوسرے دو دن جن میں زمین کی آبادی کا سامان پہاڑ، دریا بنائے گئے وہ منگل اور بدھ ہیں، اس کے بعد ارشاد فرمایا: فقضهن سبع سموات فی یومین، یعنی پھر ساتوں آسمان بنائے دو دن میں، ظاہر ہے کہ یہ دو دن جمعرات اور جمعہ ہوں گے، اس طرح جمعہ تک چھ دن ہو گئے۔

آسمان و زمین کی تخلیق کا بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ، یعنی پھر عرش پر قائم ہوا، استویٰ کے لفظی معنی قائم ہونے اور عرش شاہی تخت کو کہا جاتا ہے اب یہ عرش رحمن کیسا اور کیا ہے، اور اس پر قائم ہونے کا کیا مطلب ہے؟

اس کے متعلق بے غبار اور صاف و صحیح وہ مسلک ہے جو سلف صالحین صحابہ و تابعین سے اور بعد میں اکثر حضرات صوفیائے کرام سے منقول ہے کہ انسانی عقل اللہ جل شانہ کی ذات و صفات کی حقیقت کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے، اس کی کھوج میں پڑنا بیکار بلکہ مضر ہے ان پر اجمالاً یہ ایمان لانا چاہئے کہ ان الفاظ سے جو کچھ حق تعالیٰ کی مراد ہے وہ صحیح اور حق ہے، اور خود کوئی معنی متعین کرنے کی فکر نہ کرے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے یہی سوال کیا کہ استواء علی العرش کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے کچھ دیر تامل فرمانے کے بعد فرمایا کہ لفظ استواء کے معنی تو معلوم ہیں اور اس کی کیفیت اور حقیقت کا ادراک عقل انسانی نہیں کر سکتی، اور ایمان لانا اس پر واجب ہے، اور اس کے متعلق کیفیت و حقیقت کا سوال کرنا بدعت ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے سوالات نہیں کئے، سفیان ثوری، امام اوزاعی، لیث بن سعد، سفیان ابن عیینہ، عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا کہ جو آیات اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق آئی ہیں ان کو جس طرح وہ آئی ہیں اسی طرح بغیر کسی تشریح و تاویل کے رکھ کر ان پر ایمان لانا چاہئے۔ (مظہری)

اس کے بعد آیت مذکور میں فرمایا: يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ، یعنی اللہ تعالیٰ ڈھانپ دیتے ہیں رات کو دن پر اس طرح کہ رات جلدی کے ساتھ دن کو آ لیتی ہے، مراد یہ ہے کہ رات اور دن کا یہ انقلاب عظیم کہ پورے عالم کو نور سے اندھیرے میں یا

اندھیرے سے نور میں لے آتا ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ کے تابع اتنی جلدی اور آسانی سے ہوجاتا ہے کہ ذرا دیر نہیں لگتی۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا: وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ یعنی پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے آفتاب اور چاند اور تمام ستاروں کو اس حال پر کہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے امر وحکم کے تابع چل رہے ہیں۔

اس میں ایک ذی عقل انسان کے لیے دعوت فکر ہے جو مخلوق کی بنائی ہوئی مصنوعات کا ہر وقت مشاہدہ کرتا ہے کہ بڑے بڑے ماہرین کی بنائی مشینوں میں اوّل تو کچھ نقائص رہتے ہیں، اور نقائص بھی نہ رہیں تو کیسی فولادی مشینیں اور کل پرزے ہوں چلتے چلتے گھستے ہیں، ڈھیلے ہوتے ہیں، مرمت کی ضرورت ہوتی ہے، گریسنگ کی حاجت پیش آتی ہے، اور اس کیلئے کئی کئی دن بلکہ ہفتوں اور مہینوں مشین معطل رہتی ہے، لیکن ان خدائی مشینوں کو دیکھو کہ جس طرح اور جس شان سے پہلے دن ان کو چلایا تھا اسی طرح چل رہی ہیں، نہ کبھی ان کی رفتار میں ایک منٹ سیکنڈ کا فرق آتا ہے، نہ کبھی ان کا کوئی پرزہ گھستا ٹوٹتا ہے، نہ کبھی ان کو ورکشاپ کی ضرورت پڑتی ہے، وجہ یہ ہے کہ وہ مسخرات بامرہ چل رہی ہیں، یعنی ان کے چلنے چلانے کے لیے نہ کوئی بجلی کا پاور درکار ہے، نہ کسی انجن کی مدد ضروری ہے، وہ صرف امر الٰہی سے چل رہی ہیں، اسی کے تابع ہیں، اس میں کوئی فرق آنا ناممکن ہے، ہاں جب خود قادر مطلق ہی ان کے فنا کرنے کا ارادہ ایک معین وقت پر کریں گے تو یہ سارا نظام درہم برہم ہوجائے گا، جس کا نام قیامت ہے۔

ان چند مثالوں کے ذکر کے بعد حق تعالیٰ کی قدرت قاہرہ مطلقہ کا بیان ایک کلی قاعدے کی صورت میں اس طرح کیا گیا: الا لہ الخلق والامر، خلق کے معنی پیدا کرنا اور امر کے معنی حکم کرنا ہیں، معنی یہ ہیں کہ اسی کے لیے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا، اس کے سوا کوئی دوسرا نہ کسی ادنیٰ چیز کو پیدا کرسکتا ہے اور نہ کسی کو کسی پر حکم کرنے کا حق ہے، (بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے حکم کا کوئی خاصہ شعبہ کسی کے سپرد کردیا جائے تو وہ بھی حقیقت کے اعتبار سے اللہ ہی کا حکم ہے) اس لیے مراد آیت کی یہ ہوئی کہ یہ ساری چیزیں پیدا کرنا بھی اسی کا کام تھا، اور پیدا ہونے کے بعد ان سے کام لینا بھی کسی دوسرے کے بس کی بات نہ تھی وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے۔

صوفیاء کرام نے فرمایا کہ خلق اور امر دو عالم ہیں، خلق کا تعلق مادہ اور مادیات سے ہے، اور امر کا تعلق مجردات لطیفہ کے ساتھ ہے، (آیت) قل الروح من امر ربی۔ میں اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ روح کو امرِ ربّ سے فرمایا، خلق اور امر دونوں کا اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہونے کا مطلب اس صورت میں یہ ہے کہ آسمان وزمین اور ان کے درمیان جتنی چیزیں ہیں یہ تو سب مادی ہیں، ان کی پیدائش کو خلق کہا گیا، اور ما فوق السمٰوات جو مادہ اور مادیت سے بری ہیں ان کی پیدائش کو لفظ امر سے تعبیر کیا گیا۔ (مظہری)

آخر آیت میں ارشاد فرمایا: تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ اس میں لفظ تبارک، برکت سے بنا ہے اور لفظ برکت، بڑھنے زیادہ ہونے، ثابت رہنے وغیرہ کے کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے، اس جگہ لفظ تَبٰرَكَ کے معنی بلند وبالا ہونے کے ہیں، جو بڑھنے کے معنی سے بھی لیا جاسکتا ہے، اور ثابت رہنے کے معنی سے بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ قائم اور ثابت بھی ہیں، اور بلند وبالا بھی، بلند ہونے کے معنی کی طرف حدیث کے ایک جملہ میں بھی اشارہ کیا گیا ہے: ((تبارکت وتعالیت یا ذا الجلال))، یہاں

تَبَارَكَ کی تفسیر تَعَالَیتَ کے لفظ سے کر دی گئی ہے۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۔۔۔۔۔

دُعا کرنے کے آداب:

اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور حاکمیت بیان فرمانے کے بعد حکم فرمایا کہ اسی کی طرف متوجہ رہو اسی کو پکارو، اسی سے مانگو اسی سے اپنی حاجتوں کا سوال کرو۔ ساتھ ہی دُعا کا ادب بھی بتا دیا اور وہ یہ کہ تضرع یعنی عاجزی کے ساتھ دُعا کیا کرو دُعا میں اپنی عاجزی اختیار کرو اور دل سے مانو کہ واقعی ہم عاجز ہیں، نیز یہ بھی بتایا کہ چپکے چپکے دُعا کرو۔ بعض مواقع میں زور سے دُعا کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن عام حالت میں چپکے چپکے ہی دُعا کرنا چاہیے۔

سورۂ مریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعا کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: (اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا) (جبکہ زکریا نے اپنے رب کو پکارا پوشیدہ طریقہ پر) بات یہ ہے کہ خفیہ دُعا کرنے میں حضوریٔ قلب کا موقع زیادہ ہوتا ہے۔ اگر زور سے دُعا کی جائے تو اونچی آواز کرنے کی طرف بھی دھیان رہتا ہے اور اس میں توجہ بٹ جاتی ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ! کیا ہمارا رب قریب ہے اگر ایسا ہے تو ہم اس سے مناجات کریں یعنی خفیہ طریقہ پر مانگیں۔ یا وہ دور ہے جسے ہم زور سے پکاریں اس پر آیت کریمہ: (وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ) (الآیۃ) نازل ہوئی۔ (درمنثور ج ۱ ص ۱۹۴)

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انا عند ظن عبدی بی و انا معه اذا ذکرنی (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۶) میں اپنے بندوں کے گمان کے ساتھ ہوں وہ میرے بارے میں جو گمان کرے اور میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے۔

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ تمہارا رب تم سے اس سے بھی زیادہ قریب ہے جتنی تمہاری سواری والی اونٹنی کی گردن تم سے قریب ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۱ از بخاری و مسلم)

پس جب اللہ جل شانہٗ بندوں سے اس قدر قریب ہے تو دُعا میں چیخنے اور پکارنے کی ضرورت نہیں آہستہ دُعا کریں اور دل لگا کر مانگیں۔

پھر ارشاد فرمایا: (اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ) (بے شک وہ حد سے بڑھ جانے والوں کو پسند نہیں فرماتا) اس میں عمومی طور پر تمام اعمال میں اعتداء اور اسراف اور حد سے آگے بڑھ جانے کی ممانعت فرما دی۔ یہ اعتداء حد سے بڑھ جانا دُعا میں بھی ہوتا ہے۔

حضرات مفسرین نے بطور مثال کے لکھا ہے کہ دُعا میں ایک اعتداء یہ ہے کہ (مثلاً) اپنے لیے یہ سوال کرے کہ مجھے جنت میں حضرت انبیاء علیہم السلام کی منازل عطا کی جائیں اگر گناہ کرنے یا قطع رحمی کی دُعا کی جائے تو یہ بھی اعتداء کی ایک صورت ہے۔ سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو یوں دُعا کرتے ہوئے سنا: ((اللهم انی اسئلک القصر الابیض عن یمین الجنة)) (اے اللہ! میں آپ سے جنت کی دائیں جانب سفید محل کا سوال کرتا ہوں) یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے بیٹا! تو اللہ سے جنت کا سوال کر اور دوزخ سے پناہ مانگ (اپنی طرف سے

سفید محل تجویز نہ کر) میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عنقریب اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو طہور (وضو، غسل وغیرہ میں) اور دعاء میں اعتداء یعنی زیادتی کریں گے۔

زندگی کے دوسرے شعبوں میں جو حدود شرعیہ سے آگے بڑھ جاتے ہیں اس کی ممانعت بھی آیت کریمہ کے عموم الفاظ میں داخل ہے۔ نیکی تو بہت بڑی چیز ہے لیکن شرعاً اس کی بھی حدود مقرر ہیں کوئی شخص راتوں رات نماز پڑھے اپنی بیوی اور مہمانوں کی خبر نہ لے یا رات دن ذکر و تلاوت میں لگا رہے اور بیوی بچوں کی معاش کے لیے فکر مند نہ ہو اور ان کے لیے اتنی روزی نہ کمائے جس سے واجبات ادا ہوں یہ بھی اعتداء اور زیادتی ہے۔ (انوار البیان)

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ۔۔۔۔

پچھلی آیتوں میں ہر حاجت کے لیے خدا کو پکارنے کا طریقہ بتلایا گیا تھا۔ اس آیت میں مخلوق اور خالق دونوں کے حقوق کی رعایت سکھلائی۔ یعنی جب دنیا میں معاملات کی سطح درست ہو تو تم اس میں گڑبڑ نہ ڈالو، اور خوف و رجاء کے ساتھ خدا کی عبادت میں مشغول رہو۔ نہ اس کی رحمت سے مایوس ہو اور نہ اسکے عذاب سے مامون اور بے فکر ہو کر گناہوں پر دلیر بنو۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ۔۔۔۔

پچھلی آیات میں استواء علی العرش کے ساتھ فلکیات (چاند، سورج وغیرہ) میں جو خدائی تصرفات ہیں، ان کا بیان تھا، درمیان میں بندوں کو کچھ مناسب ہدایات کی گئیں۔ اب سفلیات اور کائنات الجو کے متعلق اپنے بعض تصرفات کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ لوگ معلوم کرلیں کہ آسمان زمین اور ان دونوں کے درمیانی حصہ کی کل حکومت صرف اسی رب العالمین کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ہوائیں چلانا، مینہ برسانا، قسم قسم کے پھول پھل پیدا کرنا ہر زمین کی استعداد کے موافق کھیتی اور سبزہ اگانا، یہ سب اسی کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے نشان ہیں۔ اسی ذیل میں مُردوں کا موت کے بعد جی اٹھنا اور قبروں سے نکلنا بھی سمجھا دیا۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک تو مردوں کا نکلنا قیامت میں ہے اور ایک دنیا میں یعنی جاہل ادنیٰ لوگوں میں (جو جہالت و ذلت کی موت سے مر چکے تھے) عظیم الشان نبی بھیجا اور انہیں علم دیا اور دنیا کا سردار کیا، پھر ستھری استعداد والے کمال کو پہنچے اور جن کی استعداد خراب تھی ان کو بھی فائدہ پہنچ رہا ناقص سا۔ گویا اس پورے رکوع میں بتلادیا گیا کہ جب خدا اپنی رحمت و شفقت سے رات کی تاریکی میں ستارے چاند، سورج سے روشنی کرتا ہے اور خشکی کے وقت زمین کو سرسبز و شاداب کرنے اور انسان و حیوانات کی زندگی کا سامان مہیا فرمانے کے لیے اوپر سے بارش بھیجتا ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایسا مہربان خدا اپنی مخلوق کو جہل و ظلم کی اندھیریوں سے نکالنے کے لیے کوئی چاند اور سورج پیدا نہ کرے اور بنی آدم کی روحانی غذا تیار کرنے اور قلوب کے کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے باران رحمت نازل نہ فرمائے۔ بلاشبہ اس نے ہر زمانہ کی ضرورت اور اپنی حکمت کے موافق پیغمبروں کو بھیجا جن کے منور سینوں سے دنیا میں روحانی روشنی پھیلی اور وحی الٰہی کی لگاتار بارشیں ہوئیں۔ چنانچہ آئندہ کئی رکوع میں ان ہی پیغمبروں کے بھیجنے کا ذکر کیا گیا ہے اور جیسا کہ بارش اور زمین کی مثال میں اشارہ کیا گیا کہ مختلف زمینیں اپنی اپنی استعداد کے موافق بارش کا اثر قبول کرتی ہیں، اسی طرح سمجھ لو کہ انبیاء علیہم السلام جو خیر و برکت لے کر آتے ہیں، اس سے منتفع ہونا بھی حسن

استعداد پر موقوف ہے جو لوگ ان سے انتفاع نہیں کرتے انہیں اپنی سوء استعداد پر رونا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

لَقَدْ جَوَابُ قَسَمٍ مَحْذُوْفٍ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ
بِالْجَرِّ صِفَةٌ لِاِلٰهٍ وَالرَّفْعِ بَدَلٌ مِنْ مَحَلِّهٖ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ اِنْ عَبَدْتُمْ غَیْرَهٗ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۵۹﴾
وَهُوَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ قَالَ الْمَلَاُ الْاَشْرَافُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾ بَیِّنٍ قَالَ یٰقَوْمِ
لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ هِیَ اَعَمُّ مِنَ الضَّلَالِ فَنَفْیُهَا اَبْلَغُ مِنْ نَفْیِهٖ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ
الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ بِالتَّخْفِیْفِ وَالتَّشْدِیْدِ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ اُرِیْدُ الْخَیْرَ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَكَذَّبْتُمْ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی لِسَانِ رَجُلٍ
مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ الْعَذَابَ اِنْ لَمْ تُؤْمِنُوْا وَلِتَتَّقُوا اللّٰهَ وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ بِهَا فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَیْنٰهُ
وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ مِنَ الْغَرَقِ فِی الْفُلْكِ السَّفِیْنَةِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا بِالطُّوْفَانِ اِنَّهُمْ
كَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ ﴿۶۴﴾ عَنِ الْحَقِّ ع ۸ ۶ ۱۵

ترجمہ: لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا الآیۃ بلاشبہ (یہ محذوف قسم کا جواب ہے) ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا پس نوح نے کہا اے میری قوم! تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود (ہونے کے قابل) نہیں۔ لفظ غَیْرُهٗ جر کے ساتھ اِلٰهٍ کی صفت ہے اور رفع کے ساتھ محل اِلٰهٍ سے بدل واقع ہوگا۔ اِنِّیْٓ اَخَافُ الآیۃ میں ڈر رہا ہوں تم پر (اگر تم غیر اللہ کی پرستش کرتے رہے) ایک بڑے دن کے عذاب سے (مراد قیامت کا دن ہے) ان کی قوم کے سرداروں نے کہا (اَلْمَلَاُ قوم کے اشراف یعنی باعزت لوگ۔ ہم تم کو صریح غلطی پر دیکھتے ہیں (مبین بمعنی بین ہے۔ قَالَ یٰقَوْمِ ۔۔۔ (نوح علیہ السلام نے) فرمایا: اے میری قوم! مجھ میں ذرا بھی گمراہی نہیں (وہ یعنی ضَلٰلَةٌ عام ہے ضَلَالٍ سے۔ اَبْلَغُ مِنْ نَفْیِهٖ، پس ضَلٰلَةٌ کی نفی زیادہ بلیغ ہوگی ضَلَالٍ کی نفی سے۔ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ الآیۃ لیکن میں پروردگارِ عالم کا رسول (فرستادہ) ہوں تم کو اپنے پروردگار کے پیغام (اور احکام) پہنچاتا ہوں۔ اُبَلِّغُكُمْ میں ایک قراءت تخفیف لام کے ساتھ ہے اور ایک قراءت تشدید لام کے ساتھ ہے۔ وَاَنْصَحُ لَكُمْ اور میں تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں (تمہاری بھلائی چاہتا ہوں) اور میں اللہ کی طرف سے ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے۔ كَذَّبْتُمْ اَوَعَجِبْتُمْ الآیۃ کیا تم نے جھٹلایا اور تعجب کیا) کیا تم کو اس سے تعجب ہوا کہ تمہارے پاس پروردگار کی طرف سے ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمہاری ہی جنس میں سے (بشر) ہے کوئی نصیحت آئی (ذِكْرٌ بمعنی مَوْعِظَةٌ) لِیُنْذِرَكُمْ الآیۃ

تا کہ وہ شخص تم کو ڈرائے (یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تم کو ڈرائے اگر تم ایمان نہیں لائے) اور تا کہ تم پر رحم کیا جائے (اس تقویٰ کی وجہ سے) پس وہ لوگ ان کی تکذیب ہی کرتے رہے تو ہم نے نوح کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے (غرق سے) بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو ہم نے (طوفان میں) غرق کر دیا بلاشبہ وہ لوگ (دل کے) اندھے تھے (یعنی حق سے اندھے تھے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: لَقَدْ: اس میں لام کے داخلے کی وجہ بتلائی کہ یہ جواب قسم ہے۔

قوله: هِيَ اَعْمُ: یہاں ضَلٰلَةٌ کو ضَلَال کے مقابلہ میں لا کر ہدایہ میں مبالغہ ظاہر کرنا ہے۔ فعالة کا وزن ایک بار پر دلالت کرتا ہے اور واحد لا کر مزید قلت کی طرف اشارہ کر دیا۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ مجھ میں تو اَقل قلیل گمراہی کا نام بھی نہیں۔ یہ بلیغ انداز سے نفی ہے۔

قوله: اَكَذَّبْتُمْ: واؤ عطف محذوف کے لیے ہے۔

قوله: عَنِ الْحَقِّ: اس سے اشارہ کیا کہ وہ آنکھوں کے اندھے نہ تھے، دلوں کے اندھے تھے۔



لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا۔۔۔

ربط: اس سورت کے شروع میں حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا اور پھر اسی ذیل میں فتنۂ شیطان سے بچنے کی تاکید فرمائی اور بعد ازاں اس عہد قدیم کو یاد دلایا کہ جو حق تعالیٰ نے اولاد آدم سے عالم ارواح میں لیا تھا اب اس کے بعد دیگر حضرات انبیاء کرامؑ کے قصے برعایت ترتیب بیان کرتے ہیں جو متعدد فوائد کو متضمن ہیں

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانا اور قوم کا سرکش ہو کر ہلاک ہونا:

امت حاضرہ کی یاد دلانی اور عبرت دلانے کے لیے قرآن مجید میں جگہ جگہ انبیاء سابقین (علیہم السلام) کے اور ان کی امتوں کے واقعات ذکر فرمائے ہیں کہیں ایک ہی نبی کا تذکرہ فرمایا اور کہیں متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا۔ کہیں تذکرے مختصر ہیں کہیں مفصل ہیں۔

یہاں سورۂ اعراف میں حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب (علیہم السلام) کی تبلیغ وتذکیر اور

ان کی امتوں کے انکار و تکذیب پھر اس پر ان کی سزا و تعذیب کا تذکرہ فرمایا ہے، اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے دشمن فرعون کا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کا تذکرہ فرمایا۔

سورۂ ہود میں بھی اسی ترتیب سے ان حضرات کے واقعات ذکر فرمائے ہیں پھر اسی ترتیب سے سورۂ شعراء میں ان کا تذکرہ فرمایا ہے چونکہ عبرت دلانا مقصود ہے اس لیے یہ تکرار نہایت ہی مفید ہے منکرین کی یہ نادانی ہے کہ ان واقعات سے عبرت لینے کے بجائے یوں سوال کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں تکرار کیوں ہے جسے شفقت ہوتی ہے بار بار تنبیہ و تذکیر کرتا ہے۔ اللہ جل شانہٗ ارحم الراحمین ہے اس نے اپنے غافل بندوں کی بار بار تذکیر فرمائی تو اس پر اعتراض کرنا جہالت وحماقت نہیں ہے تو کیا ہے۔ پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی تذکیر و تبلیغ کا تذکرہ فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے خطاب کر کے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ صرف اللہ ہی معبود ہے اس کے سوا واقعی اور حقیقی معبود کوئی نہیں۔ ان لوگوں نے بت بنا رکھے تھے جن میں سے بعض کے نام سورۂ نوح میں مذکور ہیں۔ جب حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں توحید کی دعوت دی تو آپس میں کہنے لگے: (لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا) (کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑو اور مت چھوڑو وَدّ کو اور سواع کو اور یغوث کو اور یعوق اور نسر کو) حضرت نوح علیہ السلام ان کے اندر ساڑھے نو سو سال رہے (جیسا کہ سورۂ عنکبوت کے دوسرے رکوع میں بیان فرمایا ہے) اور ان لوگوں کی تفہیم و تذکیر میں کوئی کسر اٹھا کر نہ رکھی۔ وہ لوگ بہت بری طرح پیش آتے تھے طرح طرح کے طنز کرتے تھے اور ان کے سردار اور چودھری ان باتوں میں پیش پیش تھے۔ کبھی کہتے تھے کہ تم تو ہمارے جیسے آدمی ہو اور جو تمہارے ساتھ لگے ہیں وہ تو ہماری نظر میں گھٹیا قسم کے لوگ ہیں۔
(سورۂ ہود)

کبھی آپس میں یوں کہتے تھے کہ یہ ہمارے جیسا آدمی ہے یہ تم پر سرداری کرنا چاہتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے مقابلہ میں بڑا بن کر رہے۔ (جیسا کہ سورۂ مومنون میں ہے (يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ) نیز حضرت نوح علیہ السلام دعوت دیتے تھے تو یہ لوگ کپڑے اوڑھ لیتے تھے اور کانوں میں انگلیاں دے لیتے تھے۔ (جیسے کہ سورۂ نوح میں مذکور ہے) اور نہ صرف یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام سے دور بھاگتے تھے بلکہ الٹا انہیں گمراہ بتاتے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ میں گمراہ نہیں ہوں میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔ میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور مجھے ان باتوں کا پتہ ہے جن کا تمہیں پتہ نہیں تمہیں اس بات سے تعجب ہو رہا ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک نصیحت آ گئی اور اس کا واسطہ تم میں کا ایک شخص بن گیا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جس شخص کے واسطہ سے تمہارے پاس یہ نصیحت آئی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہیں پروردگار کے عذاب سے ڈرائے جو تکذیب کرنے والوں اور نافرمانوں کے لیے مقرر ہے۔ تم ڈرو اور کفر سے بچو اس میں تمہاری بھلائی ہے رب العالمین جل مجدہ تم پر رحم فرمائے گا۔ ان لوگوں نے جو عذاب آنے کی بات سنی تو اس کے ماننے کی بجائے یوں ہی دھمکی سمجھی اور کہنے لگے کہ: (فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ) (جس عذاب کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو وہ عذاب لے آؤ اگر تم سچے ہو) ان کی تکذیب ضد اور عناد کے باعث پانی کا زبردست طوفان آیا، حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھی جو اہل ایمان تھے اور تعداد میں تھوڑے تھے اور کشتی

میں سوار ہو گئے تھے وہ نجات پا گئے اور سب کافر غرق کر دیئے گئے۔ ان لوگوں نے ہدایت کو نہ مانا۔ نصیحت پر کان نہ دھرا۔ گمراہی کو ہی اختیار کیا۔ اندھے بنے رہے۔ عقل وفہم کو بالائے طاق رکھ کر ضد اور عناد پر تلے رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی بربادی کا مفصل قصہ ان شاء اللہ العزیز سورۂ ہود (ع ٤) میں آئے گا۔

وَ اَرْسَلْنَا اِلٰى عَادٍ الأُوْلٰى اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحِّدُوْهُ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ
اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ تخافونه فتؤمنون قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ
جهالة وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ في رسالتك قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ
مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ بالوجهين رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ مامون على
الرسالة اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى لِسانِ رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ
جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ في الارض مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ قوة وطولا كان
طويلهم مائة ذراع وقصيرهم ستين فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ نعمه لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ تفوزون قَالُوْۤا
اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ نَذَرَ نترك مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ به من
العذاب اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾ في قولك قَالَ قَدْ وَقَعَ وجب عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ
عذاب وَّ غَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اي سميتم بها اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ اصناما
تعبدونها مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا اي بعبادتها مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ حجة وبرهان فَانْتَظِرُوْۤا العذاب اِنِّيْ مَعَكُمْ
مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ ذلك بتكذيبكم لي فارسلت عليهم الريح العقيم فَاَنْجَيْنٰهُ اي هودا وَ الَّذِيْنَ
مَعَهٗ من المؤمنين بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ قَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اي استاصلناهم وَ مَا كَانُوْا
ع ۹ ۸ ۱۶ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾ عطف على كذبوا۔

ترجمہ: وَ اِلٰى عَادٍ ... الآیۃ اور ہم نے قوم عاد (اولیٰ) کی طرف ان کے بھائی ہود (علیہ السلام) کو بھیجا۔ اس نے فرمایا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو (اس کی توحید بجالاؤ) اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا تم ڈرتے نہیں ہو (خوف نہیں کرتے ہو کہ ایمان لے آؤ) ان کی قوم کے سربرآوردہ کافروں نے (جواب میں) کہا کہ ہم تم کو کم عقلی (جہالت) میں مبتلا دیکھتے ہیں اور ہم بلاشبہ یہ سمجھتے ہیں کہ تو جھوٹوں میں سے ہے (اپنے دعویٰ رسالت میں) ہود (علیہ السلام) نے فرمایا: (اے

میری قوم! مجھ میں ذرا بھی کم عقلی نہیں لیکن میں پروردگارِ عالم کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں، میں تم کو اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں (اُبَلِّغُكُمْ حسب سابق تشدید و تخفیف دونوں طریقہ سے ہے) اور میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں اور امانتدار ہوں (رسالت پر معتمد ہوں) اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ (الآیۃ) کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک ایسے شخص کی معرفت (زبانی) جو تمہاری ہی جنس کا (بشر) ہے ایک نصیحت آ گئی تا کہ وہ شخص تم کو (عذابِ الٰہی سے) ڈرائے۔ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ ۔۔۔ اور یاد کرو تم (اللہ کے اس احسان کو) کہ اللہ نے تم کو قوم نوح کے بعد ان جانشین بنا دیا (رُوئے زمین میں) اور جسامت میں تم کو پھیلاؤ (بھی) زیادہ دیا (یعنی طاقتور اور دراز قامت بنایا چنانچہ ان میں لمبا آدمی سو ہاتھ کا اور ان کا پستہ قد ساٹھ ہاتھ کا ہوتا تھا) فَاذْكُرُوْٓا (الآیۃ) پس تم اللہ کے احسانات (اس کی نعمتوں) کو یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ (کامیاب ہو سکو) قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا (الآیۃ) وہ لوگ کہنے لگے (اے ہودؑ!) کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہم صرف ایک اللہ کی بندگی کریں اور ان بتوں کو چھوڑ دیں (ترک کردیں) جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے پس تم ہمارے پاس وہ (عذاب) لے آؤ جس کا وعدہ ہم سے کرتے ہو اگر تم سچے ہو (اپنے قول میں) قَالَ قَدْ وَقَعَ (الآیۃ) ہودؑ نے فرمایا: تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب آیا ہی چاہتا ہے۔ یعنی عذاب واجب ولازم ہو چکا۔ کیا تم مجھ سے ایسے (بے حقیقت) ناموں کے بارے میں جھگڑ رہے ہو جنہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (خود ہی) رکھ لیا ہے (یعنی تم نے گھڑ لیا ہے) ایسے بتوں کی جن کی تم عبادت کرتے ہو) اللہ نے ان کے بارے میں (یعنی ان کی عبادت و پرستش کے بارے میں) کوئی سند (دلیل و برہان) نہیں اتاری پس اب تم (نزولِ عذاب کے) منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں (یہ عذاب میری تکذیب کی وجہ سے ہے چنانچہ ان لوگوں پر سخت آندھی بھیجی گئی) پھر ہم نے ان کو (یعنی ہودؑ کو) اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ تھے (یعنی مؤمنین) اپنی مہربانی سے بچا لیا اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا (یعنی ہم نے ان کو ہلاک کر دیا) اور وہ لوگ ایمان لانے والے نہ تھے، یہ عطف ہے كَذَّبُوْا پر۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اَرْسَلْنَا اِلٰی عَادٍ: اس کا عطف نوح پر ہے۔

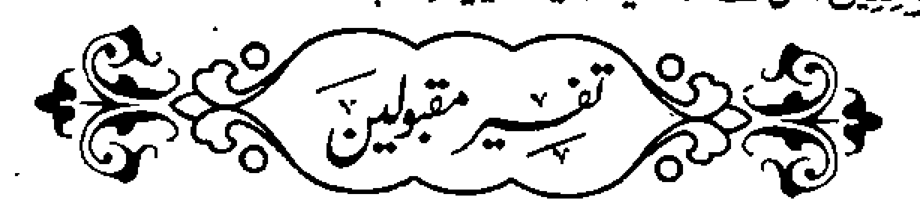
قوله: جَهَالَةٍ: جو رچی ہوئی ہے۔ پس اس میں ظرفیت مجازی ہے۔

قوله: مَامُوْنٌ: امین فعیل کا وزن مفعول کے معنی میں ہے۔

قوله: اِذْ جَعَلَكُمْ: یعنی اس وقت۔ پس اِذْ مفعول بہ ہے ظرف نہیں۔

قوله: اٰلَآءَ اللّٰهِ: یہ عموم کے بعد خصوص کے قبیل سے ہے۔

قوله: وَجَبَ: یہ لاکر اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی خبر درست ہے۔ وہ عذاب کے حقدار ہو چکے اگر چہ عذاب الٰہی اترا نہیں۔
قوله: سَمَّيْتُمْ: با کو مقدر مانا تا کہ نام کا نام لازم نہ ہو۔ با کو مقدر ماننے ھا ضمیر تو اسماء کی طرف لوٹ گئی اور سَمَّيْتُمْ کا مفعول مقدر ای مسمیات تلک اسماء ہوا۔
قوله: بِعِبَادَتِهَا: مضاف کو مقدر مانا کیونکہ حجت تو احکام کے لیے آئی نہ کہ اعیان کے لیے۔ فتدبر۔
قوله: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ: اس سے اشارہ کیا کہ معیت دینیہ مراد ہے۔



وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ....

حضرت ہود عَلَيْهِ السَّلَام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا اور قوم کا ہلاک ہونا:

ان آیات میں قوم عاد اور ان کے پیغمبر حضرت ہود عَلَيْهِ السَّلَام کا تذکرہ ہے قوم عاد بڑی قوت و طاقت والی تھی۔ یہ لوگ بڑے قد آور تھے ان کا ڈیل ڈول بھی بڑا تھا۔ ان کے بارے میں سورۂ فجر میں فرمایا: (الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ) (ان جیسی قوم شہروں میں پیدا نہیں کی گئی) عاد ایک شخص تھا جو حضرت نوح عَلَيْهِ السَّلَام کی پانچویں پشت میں سے تھا۔ اسی کے نام پر اس کی نسل قوم عاد کے نام سے مشہور ہوگئی۔ حضرت ہود عَلَيْهِ السَّلَام جو اسی نسل میں سے تھے وہ ان کی طرف مبعوث ہوئے قوم عاد کو اپنی قوت بازو اور طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ جب ہود عَلَيْهِ السَّلَام نے ان کو توحید کی دعوت دی اور عذاب سے ڈرایا تو وہ اپنی قوت اور طاقت جتلانے لگے اور کہنے لگے کہ (مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً) (کہ ہم سے طاقت کے اعتبار سے زیادہ سخت کون ہے) ان کو خالق کائنات جل مجدہ کی طاقت پر نظر نہ تھی اسی لیے ایسے بے ہودہ الفاظ کہہ گئے ان کے جواب میں فرمایا۔

(اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً) (کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ جس ذات نے انہیں پیدا فرمایا وہ ان سے زیادہ طاقتور ہے) (حم سجدہ ع ۲) ان لوگوں کو حضرت ہود عَلَيْهِ السَّلَام نے سمجھایا کہ تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ اللہ نے تمہیں نوح عَلَيْهِ السَّلَام کی قوم کے بعد اس دنیا میں بسا دیا۔ اور تمہیں بہت سی نعمتوں سے مالا مال فرما دیا اس نے تمہیں چوپائے دیئے بیٹے عطا فرمائے باغات دیئے چشمے دیئے۔ (اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ وَ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ) تم کفر سے باز آؤ ورنہ تم پر بڑا عذاب آ جائے گا۔

حضرت ہود عَلَيْهِ السَّلَام نے ان کو یہ بھی سمجھایا کہ تم نے جو معبود تجویز کر رکھے ہیں اور ان کے نام تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں یہ سب تمہاری اپنی تراشیدہ باتیں ہیں تم ان کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو، خود ہی معبود تجویز کرتے ہو۔ خود ہی ان کے نام رکھتے ہو اور خود ہی ان کی طرف تصرفات کی نسبت کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ خالق و مالک اللہ ہے۔ وہی دین اور عقیدہ قابل قبول ہے جو اس کی طرف سے اس کے رسولوں نے بتایا ہو۔ چونکہ

ان لوگوں کو حضرت ھود علیہ السلام کی باتوں پر اعتماد نہ تھا اور ان کو سچا نہیں سمجھتے تھے اس لیے کہا کہ تم بے وقوف ہو اور یہ بھی کہا کہ ہمارے خیال میں ہمارے معبودوں نے تم پر کچھ کر دیا ہے اسی لیے بہکی بہکی باتیں کرتے ہو (اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ) اور کہنے لگے کہ تمہارے وعظ سے ہم پر کوئی اثر ہونے والا نہیں (سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ) جب انہوں نے تکذیب کی اور یوں بھی کہا کہ عذاب لا کر دکھاؤ۔ تو حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا کہ بس اب تم پر اللہ کا عذاب اور غصہ نازل ہو ہی چکا۔ یعنی اس کے آنے میں دیر نہیں ہے تم بھی انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں پھر جب اللہ کا عذاب آیا تو حضرت ھود علیہ السلام اور ان کے ساتھ (جنہوں نے ایمان قبول کیا تھا) سب کو اللہ تعالیٰ نے عذاب سے محفوظ رکھا۔ اور باقی پوری قوم کو ہلاک اور تباہ و برباد کر دیا۔ قوم عاد پر جو عذاب آیا تھا سورۂ حٰم سجدہ، سورۂ احقاف، سورۂ ذاریات، سورۂ حاقہ اور سورۂ قمر میں اس کا ذکر ہے۔

سورہ حٰم سجدہ میں فرمایا: (فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا) اور سورۂ قمر میں فرمایا: (اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ)

اور سورۂ حاقہ میں فرمایا: (وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ) (اور لیکن عاد سو وہ ہلاک کیے گئے ٹھنڈی تیز ہوا کے ذریعہ، اللہ نے ان پر اس ہوا کو سات دن اور آٹھ رات لگاتار مسخر فرما دیا۔ اے مخاطب! تو دیکھے قوم کو کہ اس ہوا میں پچھاڑے ہوئے پڑے ہیں گویا کہ وہ کھوکھلے تنے ہیں کھجور کے، کیا تو ان میں دیکھتا ہے کہ کوئی باقی رہا)

سورۂ ذاریات میں فرمایا: (وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ) (اور قوم عاد میں عبرت ہے جبکہ ہم نے بھیجی ان پر ایسی ہوا جو بانجھ تھی یعنی خیر سے بالکل خالی تھی وہ جس چیز پر پہنچتی تھی اسے ایسا بنا کر رکھ دیتی تھی جیسے چورا ہو)۔

سورۂ احقاف میں ہے کہ جب ان لوگوں پر عذاب آنا شروع ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی وادیوں کی طرف بادل آ رہا ہے (وہ اسے دیکھ کر خوش ہوئے) اور کہنے لگے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا۔ (برسنے والا بادل کہاں تھا) بلکہ وہ تو عذاب ہے جس کی جلدی مچا رہے تھے۔ وہ تو ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے وہ اپنے ربّ کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر رہی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ اس حال میں ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ بھی نظر نہ آتا تھا ہم اسی طرح مجرمین کو سزا دیتے ہیں۔ (یہ سورۂ احقاف کی آیات کا ترجمہ ہے ۱۲)

عناصر اربعہ آگ، خاک، آب و ہوا سب اللہ کے مامور ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں اور اس کی مخلوق کے لیے نفع یا ضرر کا ذریعہ بن جاتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: (نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ) (کہ صبا کے ذریعہ میری مدد کی گئی اور قوم عاد بور کے ذریعے ہلاک کی گئی) (رواہ البخاری ص ۱۴۱)

(۱) صبا وہ ہوا ہے جو مشرق سے مغرب کو چلتی ہے اور دبور وہ ہوا ہے جو مغرب سے مشرق کو چلتی ہے۔

وَ اَرْسَلْنَا اِلٰى ثَمُوْدَ بِتَرْكِ الصَّرْفِ مُرَادًا بِهِ الْقَبِيْلَةُ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ
مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مُعْجِزَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ عَلٰى صِدْقِىْ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً
حَالٌ عَامِلُهَا مَعْنَى الْاِشَارَةِ وَكَانُوْا سَاَلُوْهُ اَنْ يُّخْرِجَهَا لَهُمْ مِنْ صَخْرَةٍ عَيَّنُوْهَا فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِىْٓ
اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ بِعَقْرٍ اَوْ ضَرْبٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ وَ اذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ
خُلَفَآءَ اَسْكَنَكُمْ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ اَسْكَنَكُمْ فِى الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا
تَسْكُنُوْنَهَا فِى الصَّيْفِ وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ تَسْكُنُوْنَهَا فِى الشِّتَاءِ وَنَصْبُهٗ عَلَى الْحَالِ
الْمُقَدَّرَةِ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ
تَكَبَّرُوْا عَنِ الْاِيْمَانِ بِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَىْ مِنْ قَوْمِهٖ بَدَلٌ مِمَّا قَبْلَهٗ بِاِعَادَةِ الْجَارِّ
اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِلَيْكُمْ قَالُوْٓا نَعَمْ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٧٥﴾ قَالَ الَّذِيْنَ
اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِىْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٧٦﴾ وَكَانَتِ النَّاقَةُ لَهَا يَوْمٌ فِى الْمَاءِ وَلَهُمْ يَوْمٌ فَمَلُّوْا عَنْ ذٰلِكَ
فَعَقَرُوا النَّاقَةَ عَقَرَهَا قُدَارٌ بِاَمْرِهِمْ بِاَنْ قَتَلَهَا بِالسَّيْفِ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَ قَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا
تَعِدُنَآ بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ عَلٰى قَتْلِهَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٧٧﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ الزَّلْزَلَةُ الشَّدِيْدَةُ مِنَ
الْاَرْضِ وَالصَّيْحَةُ مِنَ السَّمَاءِ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٧٨﴾ بَارِكِيْنَ عَلَى الرُّكَبِ مَيِّتِيْنَ فَتَوَلّٰى
اَعْرَضَ صَالِحٌ عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّىْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ
النّٰصِحِيْنَ ﴿٧٩﴾ وَاذْكُرْ لُوْطًا وَيُبْدَلُ مِنْهُ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ اَىْ اَدْبَارَ الرِّجَالِ مَا سَبَقَكُمْ
بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ اِنَّكُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ
بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿٨١﴾
مُتَجَاوِزُوْنَ الْحَلَالَ اِلَى الْحَرَامِ وَ مَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ لُوْطًا وَاَتْبَاعَهٗ مِّنْ
قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿٨٢﴾ مِنْ اَدْبَارِ الرِّجَالِ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ

الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ اَلْبَاقِيْنَ فِي الْعَذَابِ وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ هُوَ حِجَارَةُ السِّجِّيْلِ فَاَهْلَكَتْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَ اَرْسَلْنَا

۱۲/۱۷

ترجمہ: وَ اِلٰى ثَمُوْدَ (الآیۃ) اور (ہم نے بھیجا) قوم ثمود کی طرف (لفظ ثَمُوْدَ غیر منصرف ہے اس سے مراد قبیلہ ہے، ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو صالح نے کہا: اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ ۔۔۔ تحقیق تمہارے پاس پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل (معجزہ) آچکی ہے (میری صداقت پر) یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے ایک نشانی ہے (اٰيَةً حال ہے اور اس کا عامل اسم اشارہ کے معنی میں یعنی اشیر عامل ہے، ان لوگوں نے حضرت صالحؑ سے درخواست کی تھی کہ وہ یعنی صالح اسی پتھر سے جس کو ان لوگوں نے متعین کر دیا تھا اونٹنی نکالیں۔ فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ (الآیۃ) پس تم اس کو چھوڑ دو کہ وہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے۔ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ اور تم اس کو برے ارادہ (یعنی کاٹنے یا مارنے پیٹنے کے ارادہ سے) ہاتھ بھی نہ لگاؤ ورنہ تم کو دردناک عذاب آ پکڑے گا اور یاد کرو اللہ کے اس احسان کو کہ قوم عاد کے بعد تم کو (زمین پر جانشین بنایا اور تم کو ٹھکانہ دیا (یعنی تم کو اس طرح بسایا) کہ اس کی نرم زمین پر محل بناتے ہو (جن میں آرام لیتے ہو گرمیوں میں) اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے ہو (جن میں سردیوں کے اندر رہتے ہو، لفظ بُيُوْتًا کا نصب حال مقدرہ کی وجہ سے ہے) فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ (الآیۃ) پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور (کفر و شرک کر کے اور نبی کی مخالفت کر کے) زمین میں فساد مت پھیلاؤ، ان کی قوم کے سرداروں نے جو متکبر تھے (یعنی حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے سے تکبر کیا تھا) ان غریب لوگوں (کمزوروں) سے جو کہ ان میں سے (یعنی ان کی قوم میں سے) ایمان لے آئے تھے کہا: (مِنْهُمْ کا مرجع قوم ہے اور لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بدل ہے لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا سے۔ حرفِ جار لوٹا کر۔ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا (الآیۃ) کیا تم کو اس بات کا یقین ہے کہ صالح (علیہ السلام) اپنے پروردگار کی طرف سے (پیغمبر بنا کر) بھیجے گئے ہیں (تمہاری طرف) انہوں نے (یعنی اہل ایمان نے) کہا (ہاں) بے شک ہم تو اس (حکم) پر پورا یقین رکھتے ہیں جو ان کو دے کر بھیجا گیا ہے وہ متکبر لوگ کہنے لگے تمہیں جس چیز کا یقین ہے (ایمان ہے) ہم اس کے منکر ہیں (اور اونٹنی کا حال یہ تھا کہ پانی میں ایک دن اس کے لیے باری تھی اور ایک دن یعنی دوسرا دن اُن لوگوں کے لیے چنانچہ وہ لوگ ملولِ خاطر یعنی تنگ دل ہو گئے۔ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ غرض ان لوگوں نے اس اونٹنی کو کاٹ ڈالا (یعنی قدار نے سب کے کہنے سے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں کہ تلوار سے اس کو مار ڈالا) اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ اے صالح لے آیئے آپ وہ (عذاب) جس کا ہم سے وعدہ کرتے تھے (یعنی اونٹنی کے مار ڈالنے پر۔ اگر آپ پیغمبروں میں سے ہیں پھر پکڑا ان کو بھونچال نے (یعنی زمین سے سخت زلزلہ آیا اور آسمان سے ایک صیحہ (چنگھاڑ یعنی شدید آواز آئی) پس صبح کے وقت اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے (یعنی ان لوگوں نے جب صبح کی تو گھٹنوں کے بل مُردہ پڑے ہوئے تھے) پس (اس وقت صالح نے ان سے منہ پھیر لیا) اور فرمایا: اے میری قوم! میں نے تم

کو اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی لیکن (افسوس تو یہ ہے کہ) تم لوگ خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ وَ لُوْطًا ﴿الآیۃ﴾ اور (یاد کیجیے) لوط کا واقعہ (اور اس سے بدل بن رہا ہے اذ ظرفیہ) یعنی جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو (یعنی کیا تم مردوں کے دُبر میں لواطت کرتے ہو؟) جس کو تم سے پہلے دنیا جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا (نہ انسان نے اور نہ جن نے کیا) اِنَّكُمْ ۱۔ دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ۔ ۲۔ دوسری ہمزہ کی تسہیل کر کے۔ ۳۔ تحقیق و تسہیل دونوں صورتوں میں ہمزتین کے درمیان الف داخل کر کے۔ اِنَّكُمْ ﴿الآیۃ﴾ تم مردوں (یعنی لڑکوں) کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم حد (انسانیت) ہی سے گزرنے والے لوگ ہو (یعنی حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والے ہو) ان کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا، بجز اس کہنے کے کہ ان لوگوں کو (یعنی حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے پیروؤں کو) اپنے گاؤں سے نکال دو (کیونکہ) یہ لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں (امردوں کے دُبر یعنی لواطت سے) فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ ﴿الآیۃ﴾ پس ہم نے لوط کو اور ان کے متعلقین کو مگر ان کی بیوی ان لوگوں میں رہ گئی جو (عذاب میں باقی) رہ گئے تھے اور ہم نے ان پر ایک خاص طرح کا مینہ برسایا (یعنی کنکر کے پتھر برسا کر ان کو ہلاک کر دیا) فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ پس دیکھ تو سہی کہ ان مجرموں کا انجام کیسا ہوا۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: مُعْجِزَةٌ: اس سے تفسیر اس لیے کہ نئی کتاب تو نہ ملی تھی۔

قوله: هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ: یہ جملہ مستانفہ جو معجزہ کی حالت کو بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے گویا اس طرح کہا: ماھذہ البینۃ۔

قوله: عَلَى الْحَالِ الْمُقَدَّرَةِ: کیونکہ زمانہ تراشنے کا رہائش سے اول تھا۔

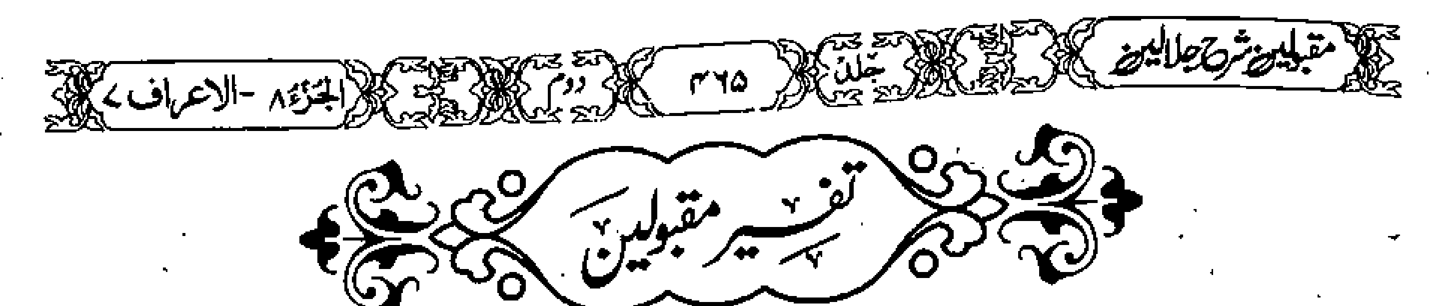
قوله: عَنِ الْاِيْمَانِ: اس سے اشارہ لوگوں پر تکبر نہیں بلکہ پیغمبر علیہ السلام پر ایمان سے تکبر اختیار کیا۔

قوله: مُرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ: یہ بات بطور استہزاء کے کہی نہ کہ وقار سے۔

قوله: نَعَمْ: اس سے اشارہ کیا کہ ان کا مرسل و رسول ہونا تو لاریب ہے۔ بقیہ بات تو ان پر ایمان لانے کی ہے اور وہ ہم اطلاع دیتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں۔

قوله: عَقَرَهَا قُدَارٌ: اشارہ کیا کہ تمام کی طرف عقر کی نسبت مجازی ہے جو ان کی رضا کی وجہ سے کی۔

قوله: اذْكُرْ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا یہ محذوف کا ظرف ہے اِذْ قَالَ اس کا بدل ہے۔ اس لیے کہ یہ ارسال کا زمانہ نہیں۔



وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ...

حضرت صالح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا اور سرکشی اختیار کر کے قوم کا ہلاک ہونا:

حضرت صالح علیہ السلام جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے وہ قوم ثمود تھی۔ عاد اور ثمود دونوں ایک ہی دادا کی اولاد ہیں۔ یہ دونوں دو شخصوں کے نام تھے۔ بنو عاد قوم عاد کے نام سے اور بنو ثمود قوم ثمود کے نام سے معروف و موسوم ہوئے۔ قوم ثمود عرب کے شمال مغرب میں رہتے تھے ان کے مرکزی شہر کا نام حجر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ۹ھ میں تبوک کی طرف تشریف لے گئے تو راستہ میں ان کے شہر اور مکانات پر سے گزر ہوا اور وہاں کچھ قیام کا بھی اتفاق ہوا لوگوں نے ان کے کنوئیں سے پانی بھرا اور اس سے آٹا گوندھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ جس قدر پانی بھرا گیا ہے پھینک دیا جائے پھر آپ نے وہاں سے کوچ فرمایا اور اس کنوئیں کے قریب جا کر قیام کیا جہاں سے صالح علیہ السلام کی ناقہ پانی پیتی تھی۔ اس کنوئیں سے آپ نے پانی پینے کا حکم دیا۔ یہ قوم نہایت مرفہ الحال تھی مگر یہ بدنصیب بُت پرست اور بدکار تھے اور علانیہ فواحش کے مرتکب تھے ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا صالح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو توحید اور احکام الٰہی کی دعوت دی تو انہوں نے امتحاناً ایک خاص معجزہ کا سوال کیا کہ اگر تم اس صخرہ (سنگ سخت یعنی چٹان) سے ایک حاملہ اونٹنی نکال دو تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے نماز پڑھ کر دُعا کی یکا یک وہ پتھر ہلا اور پھٹا اور اس میں سے ایک حاملہ اونٹنی نمودار ہوئی جسکے شکم میں اس کا بچہ جنبش کرتا تھا اس معجزہ کے ظاہر ہونے پر کچھ لوگ تو ایمان لے آئے اور اکثر لوگ کفر پر قائم رہے پھر اس اونٹنی کے ایک بچہ پیدا ہوا حضرت صالح علیہ السلام نے لوگوں سے کہہ دیا کہ دیکھو اس اونٹنی کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچانا ورنہ تم پر عذاب الٰہی نازل ہوگا۔ وہ اونٹنی نہایت قوی ہیکل اور ہیبت ناک تھی لوگوں کے جانور اس کو دیکھ کر بھاگ جاتے تھے جس دن وہ پانی پیتی اس دن کوئی جانور پانی نہیں پیتا تھا اور ایک دن اس کے پانی پینے کا مقرر تھا اور دوسرے دن اور لوگوں کے مواشی کا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: لھا شرب ولکم شرب یوم معلوم۔ جاننا چاہئے کہ خدا کی قدرت کے اعتبار سے ماں کا بطن اور صخرہ (چٹان) کا باطن سب برابر ہیں۔ جو خدا اپنی قدرت سے ایک انڈے میں سے چوزہ نکال سکتا ہے وہ پتھر میں سے اونٹنی بھی نکال سکتا ہے اس کی قدرت کے لحاظ سے چوزہ اور ناقہ سب برابر ہیں خوب سمجھ لو کہ ملاحدہ اور زنادقہ کے وسوسوں میں نہ پڑو۔

اس معجزے کو دیکھ کر جندع بن عمرو جو کہ روساء ثمود میں سے تھا وہ اور اس کے رفقاء ایمان لے آئے اور بقیہ اشراف اور رؤساء اور اکثر لوگ ایمان نہیں لائے بلکہ کفر اور عداوت میں اور شدید ہو گئے اور دشمنی پر تل گئے بالآخر لوگوں نے جوش عداوت میں اس اونٹنی کے پیر کاٹ ڈالے اور اس کو ذبح کر ڈالا اونٹنی کے بچہ نے جب یہ حال دیکھا تو بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور

جس پتھر سے صالح علیہ السلام کو جب یہ خبر ملی تو سخت ملول ہوئے اور قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمہارا وقت اب پورا ہو چکا ہے اب تم تین دن تک جو چاہو کرو چوتھے دن تم پر عذاب آئے گا بعض لوگوں نے یہ ارادہ کیا کہ عذاب آنے سے پہلے ہی صالح کو مار ڈالا جائے کہ اگر یہ سچا ہے تو ہم سے پہلے مارا جائے اور اگر جھوٹا ہے تو اس کو اس کی ناقہ سے ملا دیا جائے۔ کما قال تعالیٰ:

تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝۴۹ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۵۰

چنانچہ انہوں نے جب یہ فعل کیا تو پنجشنبہ کی صبح کے وقت ان کے چہرے زرد ہو گئے اور جمعہ کے دن ان کے چہرے سرخ ہو گئے اور شنبہ کے روز ان کے چہرے سیاہ ہو گئے تین دن گزرنے کے بعد چوتھے روز بروز یکشنبہ ان پر عذاب اس طرح آیا کہ آسمان کی طرف سے ایک صیحہ (چنگھاڑ) یعنی ایک سخت ہولناک آواز آئی اور زمین کی طرف سے ایک رجفہ (سخت زلزلہ) نمودار ہوا جس سے ایک دم میں سب کے سب مر کر رہ گئے سب اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے اس عذاب سے اس قوم میں کا صرف ایک شخص ابو رغال نامی بچا جو حرم میں رہ گیا تھا لیکن جب وہ حدود حرم سے باہر نکلا تو وہ بھی عذاب سے ہلاک ہو گیا۔

(تفسیر ابن کثیر صفحہ 227 ج 2 تا ص 229 ج 2 و روح المعانی ص 145 ج 8 تا ص 147 ج 8)

قوم ثمود کی ہلاکت اور بربادی کے بعد صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے مسلمان مکہ معظمہ آ کر مقیم ہو گئے اور وہیں صالح علیہ السلام کا انتقال ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ثمود کی ہلاکت کے بعد انہیں بستیوں میں آباد رہے۔

سورۂ اعراف میں فرمایا: (فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ) (ان کو پکڑ لیا سخت زلزلہ نے لہٰذا وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے)

اور سورۂ ہود میں فرمایا: (وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ) (اور پکڑ لیا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا چیخ نے، سو وہ لوگ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے جیسے ان میں کبھی رہے ہی نہ تھے۔ خبردار ثمود نے اپنے رب کی ناشکری کی، خبردار دوری ہے ثمود کے لیے)۔

دونوں آیتوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ قوم ثمود پر دونوں طرح کا عذاب آیا زلزلہ بھی آیا اور چیخ بھی۔ حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ زلزلہ نیچے سے آیا اور چیخ کی آواز انہوں نے اوپر سے سنی اور بعض حضرات نے یوں کہا ہے کہ زلزلہ سے جب زمین پھٹتی ہے تو اس سے آواز آتی ہے اور یہ آواز بھیانک ہوتی ہے جس کی وجہ سے سننے والوں کے دل لرز جاتے ہیں اور ہوش کھو بیٹھتے ہیں اس لیے زلزلہ کو صَيْحَةٌ (یعنی چیخ) سے تعبیر کیا۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ۔۔۔

قوم لوط کی ہلاکت:

یہ چوتھا قصہ لوط علیہ السلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور شہر سدوم کے رہنے والوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے یہ شہر شرق اردن کے علاقہ سے قریب ہے یہ لوگ بت پرست اور نہایت بدکار تھے لڑکوں سے بدفعلی کیا کرتے تھے۔ یہی

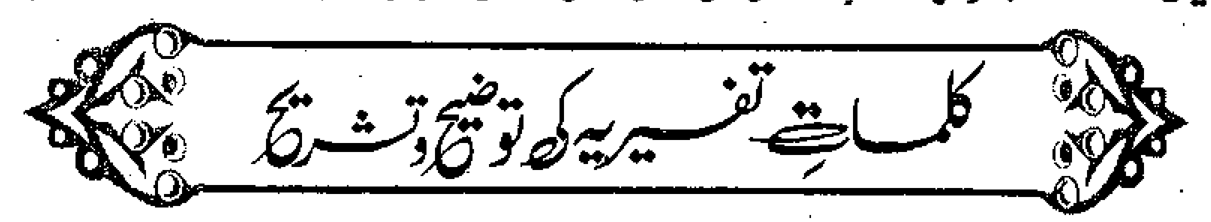
بد بخت قوم اس ناپاک عمل کی موجد تھی ان سے پہلے دنیا کی کسی قوم نے یہ خبیث فعل نہیں کیا تھا اور یہ لوگ لٹیرے بھی تھے تاجروں کو لوٹ لیتے تھے اور بے حیا اس قدر تھے کہ بھری مجلسوں میں بے حیائیوں کے مرتکب ہوتے حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا اور اس بدکاری اور بے حیائی سے منع کیا، مگر بدنصیبوں نے کچھ نہ سنا تب ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا اور چند فرشتے حسین لڑکوں کی صورت میں بن کر حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان ہوئے جب ان کی قوم کو یہ خبر ہوئی تو لوط علیہ السلام کا مکان آ کر گھیر لیا اور ان سے کہا کہ اپنے مہمانوں کو ہمارے حوالہ کرو۔ لوط علیہ السلام نے کہا کہ ایسا ظلم نہ کرو میری لڑکیاں موجود ہیں ان سے نکاح کر لو مگر میرے مہمانوں کو نہ ستاؤ انہوں نے بالکل نہ مانا تب فرشتوں نے کہا اے لوط اتم گھبراؤ نہیں ہم خدا کے فرشتے ہیں انہیں غارت کرنے کے لیے آئے ہیں تم اپنے تمام کنبے کو اور مسلمانوں کو لے کر نکل جاؤ چنانچہ وہ نکل گئے مگر ان کی بیوی جو کافرہ تھی وہ پیچھے رہ گئی اور عذاب میں مبتلا ہوئی جب وعدۂ خداوندی صبح کے وقت اس قوم پر یہ عذاب آیا کہ وہ تمام بستیاں الٹادی گئیں اور پھر اوپر سے ان پر پتھروں کا مینہ برسایا گیا۔ جبریل علیہ السلام نے قوم لوط کی بستیوں کو جڑ سے اکھاڑا اور آسمان کی طرف لے جا کر ان کو اوپر سے نیچے گرایا پھر اوپر سے ان پر پتھروں کا مینہ برسایا یہ قصہ ان شاء اللہ تعالیٰ سورہ ہود میں تفصیل کے ساتھ آئے گا۔

(معارف القرآن مولانا ادریس کاندھلوی)

اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ معجزة مِّنْ رَّبِّكُمْ على صِدْقِي فَاَوْفُوا اَتِمُّوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا تَنْقُصُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بِالْكُفْرِ وَالْمَعَاصِيْ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۭ بِبَعْثِ الرُّسُلِ ذٰلِكُمْ الْمَذْكُوْرُ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ مُرِيْدِيْ الْاِيْمَانِ فَبَادِرُوْا اِلَيْهِ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ طَرِيْقٍ تُوْعِدُوْنَ تُخَوِّفُوْنَ النَّاسَ بِاَخْذِ ثِيَابِهِمْ اَوِ الْمَكْسِ مِنْهُمْ وَتَصُدُّوْنَ تَصْرِفُوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دِيْنِهٖ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ بِتَوَعُّدِكُمْ اِيَّاهُ بِالْقَتْلِ وَتَبْغُوْنَهَا تَطْلُبُوْنَ الطَّرِيْقَ عِوَجًا ۚ مُعْوَجَّةً وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ قَبْلَكُمْ بِتَكْذِيْبِهِمْ رُسُلَهُمْ اَيْ اٰخِرُ اَمْرِهِمْ مِنَ الْهَلَاكِ وَاِنْ كَانَ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَاۗىِٕفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا به فَاصْبِرُوْا اِنْتَظِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَبَيْنَكُمْ بِاِنْجَاءِ الْمُحِقِّ وَاِهْلَاكِ الْمُبْطِلِ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ اَعْدَلُهُمْ

ترجمہ: اِلٰى مَدْيَنَ (الآیۃ) اور (ہم نے بھیجا) اہل مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو قَالَ يٰقَوْمِ ۔۔۔ شعیب

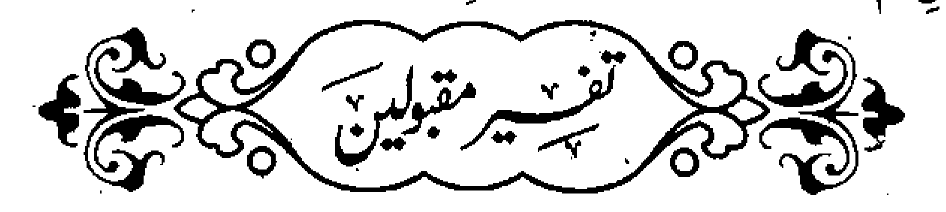
نے فرمایا: اے میری قوم تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے (یعنی میری صداقت پر معجزہ آچکا ہے) قَالَ يٰقَوْمِ الآیۃ پس تم ناپ اور تول پورا کیا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دو (یعنی لوگوں کی چیزوں میں کمی کر کے ان کو نقصان نہ پہنچاؤ) اور فساد مت پھیلاؤ، روئے زمین میں (کفر اور نافرمانی کر کے) اس کی درستگی (پیغمبروں کی بعثت کے ذریعہ) کے بعد، یہی (مذکورہ نصیحت تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو (یعنی ایمان لانے کا ارادہ ہے تو اس کی طرف جلدی کرو کہ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ الآیۃ اور نہ بیٹھو ہر راستہ پر (سڑکوں پر) اس غرض سے کہ دھمکیاں دو (یعنی لوگوں کو ڈراؤ، ان کے کپڑے چھین کر یا ان سے ٹیکس وصول کر کے اور ان کو روکو (پھیر دو) اللہ کی راہ سے (یعنی اللہ کے دین سے روکو) اللہ پر ایمان لانے والوں کو (انہیں قتل کی دھمکیاں دے کر) تَبْغُوْنَهَا الآیۃ اور اس میں (یعنی اللہ کی راہ میں) کجی کی تلاش میں لگے رہو۔؟؟



قوله: مُرِيْدِيَ الْاِيْمَانِ: مریدی، مضاف کو مقدر مانا کیونکہ وہ مؤمن تو نہ تھے۔

قوله: فَبَادِرُوْا: یہ شرطِ محذوف کی جزاء ہے نہ کہ ماقبل کی۔

قوله: اٰخِرُ اَمْرِهِمْ: سے مراد دنیا کا آخری معاملہ، انجامِ قیامت مراد نہیں۔



وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ....

قومِ شعیب کی ہلاکت:

یہ پانچواں قصہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے جو قوم لوط کی تباہی کے بعد پیش آیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام مدین کی طرف مبعوث ہوئے۔ مدین اصل میں حضرت ابراہیم کے ایک بیٹے کا نام ہے جو ملک عرب میں آکر آباد ہو گئے تھے ان کی نسل کے لوگ اس جگہ رہتے تھے اس لیے اس بستی کو یا اس قبیلہ کو مدین کہا جاتا ہے مدین کا اطلاق قبیلہ اور شہر دونوں پر آتا ہے اور یہ قبیلہ حجاز میں شام کے قریب آباد تھا یہ حجاز کا آخری حصہ ہے اسی قبیلہ میں سے اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کو ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا۔ حضرت شعیب کا لقب خطیب الانبیاء ہے کیونکہ آپ نہایت فصیح اللسان اور بلیغ البیان تھے۔ اس لیے اس لقب سے ملقب ہوئے۔ محمد بن اسحاق نے ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے شعیب بن میکائیل بن یشجر بن مدین بن ابراہیم۔ یہ وہی شعیب علیہ السلام ہیں جن کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے بھاگ کر آئے تھے اور دس برس ان کے پاس رہے اور ان کی صاحبزادی سے نکاح ہوا

پھر مصر کی طرف واپس ہوئے اور راستہ میں کوہ طور کے قریب اللہ کی تجلی دیکھی اور نبوت ملی۔

مدین کے لوگ بڑے شریر اور بت پرست تھے ماپ تول میں کمی کرتے تھے اور معاملات میں دغابازی ان کا عام دستور تھا، راہزن تھے راستہ چلنے والوں کو لوٹ لیتے تھے اور کھوٹے سکے چلاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو راہ راست کی طرف بلایا توحید کی دعوت دی اور حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی ان کو تعلیم دی تو ان لوگوں نے یہ ناشائستہ جواب دیا کہ ہم آپ کو اور آپ کے متبعین کو اپنے شہر سے نکالدیں گے نہیں تو آپ ہمارے مذہب میں آ جایئے۔ شعیب علیہ السلام نے ان کو بہت سمجھایا۔ بہت تھوڑے لوگ ان پر ایمان لائے اور اکثر اپنے اعمال بد پر مصر رہے بالآخر ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا جس سے وہ سب ہلاک ہو گئے اس جگہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا: فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ یعنی اس قوم کو ایک عظیم زلزلہ نے پکڑ لیا جس سے وہ اوندھے منہ گر کر مر گئے اور دوسرے مقام پر یہ ہے: فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ یعنی ان کو ایک سخت اور تاریک دھوئیں نے پکڑ لیا اس قوم پر جب عذاب کا وقت قریب آیا تو اللہ نے ان پر ایک سخت اور تاریک دھواں اٹھایا جس کی گرمی اور ظلمت نہایت مہیب تھی اس دھوئیں کو اللہ تعالیٰ نے ظُلّه سے تعبیر کیا ہے یعنی ان کو بادل والے عذاب نے پکڑ لیا۔ جس میں آگ تھی۔ اور تیسری جگہ یہ آیا ہے: وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ۔ ان ظالموں کو ایک سخت عذاب اور ہولناک آواز نے آ پکڑا سو جاننا چاہئے کہ ان تینوں عذابوں میں کوئی تعارض نہیں زمین سے ایک زلزلہ آیا جس میں ہیبت ناک آواز تھی اور آسمان کی طرف سے ایک ابر آتشیں آیا اس میں دھواں اور چنگاریاں اور بھڑکتی ہوئی آگ اور لپٹ تھی جب اس طرح اوپر اور نیچے سے عذاب آیا تو سب کا دم نکل گیا اور اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے اور اللہ نے دکھلا دیا کہ جو لوگ رسول کو شہر سے نکالنے کا ارادہ کر رہے تھے وہ سب کے سب نہایت ذلت و خواری سے تباہ ہو گئے اور حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کے متبعین اس عذاب سے محفوظ رہے۔

(تفسیر ابن کثیر)

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ عَنِ الْاِیْمَانِ لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ
قَرْیَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ تَرْجِعُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ دِیْنِنَا وَغَلَبُوْا فِی الْخِطَابِ الْجَمْعَ عَلَی الْوَاحِدِ لِاَنَّ شُعَیْبًا لَمْ
یَکُنْ فِیْ مِلَّتِهِمْ قَطُّ وَعَلٰی نَحْوِهٖ اَجَابَ قَالَ اَنَعُوْدُ فِیْهَا اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ ﴿۸۸﴾ لَهَا اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ قَدِ
افْتَرَیْنَا عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَ مَا یَكُوْنُ یَنْبَغِیْ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ
فِیْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ ذٰلِكَ فَیَخْذُلُنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَیْ وَسِعَ عِلْمُهٗ كُلَّ شَیْءٍ
وَمِنْهُ حَالِیْ وَحَالُكُمْ عَلَی اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ اُحْکُمْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَیْرُ
الْفٰتِحِیْنَ ﴿۸۹﴾ اَلْحَاكِمِیْنَ وَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ اَیْ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ لَئِنِ لَامُ قَسَمٍ
اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ الزَّلْزَلَةُ الشَّدِیْدَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ
جٰثِمِیْنَ ﴿۹۱﴾ بَارِكِیْنَ عَلَی الرُّكَبِ مَیِّتِیْنَ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ كَاَنْ مُخَفَّفَةٌ وَ اِسْمُهَا
مَحْذُوْفٌ اَیْ كَاَنَّهُمْ لَّمْ یَغْنَوْا یُقِیْمُوْا فِیْهَا ۚ فِیْ دِیَارِهِمْ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۹۲﴾
اَلتَّاكِیْدُ بِاِعَادَةِ الْمَوْصُوْلِ وَغَیْرِهٖ لِلرَّدِّ عَلَیْهِمْ فِیْ قَوْلِهِمُ السَّابِقِ فَتَوَلّٰی اَعْرَضَ عَنْهُمْ وَ قَالَ یٰقَوْمِ
لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَلَمْ تُؤْمِنُوْا فَكَیْفَ اٰسٰی اَحْزَنُ عَلٰی عَلٰی قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴿۹۳﴾
اِسْتِفْهَامٌ بِمَعْنَی النَّفْیِ

ترجمہ: ان کی (یعنی شعیبؑ کی) قوم کے سرداروں نے جنہوں نے ایمان لانے سے تکبر کیا کہا اے شعیب ہم آپ کو اور ان کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ ہو کہ تم واپس آ جاؤ (لوٹ آؤ) ہمارے مذہب میں (ہمارے دین میں) کافروں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو لَتَعُوْدُنَّ سے خطاب کرنے میں جمع کو واحد پر غالب کر لیا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے طریقہ پر کبھی نہیں رہے۔ قَالَ اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ ﴿۸۸﴾ (اسی طرز پر شعیبؑ نے جواب دیا) فرمایا کیا اگرچہ ہم بیزار ہوں (اس مذہب سے، استفہام انکاری ہے (بالفرض اگر ہم تمہارے دین میں لوٹ آئیں بعد اس کے کہ اللہ نے اس سے نجات دے دی ہے تو بیشک ہم نے اللہ پر جھوٹ بہتان باندھا۔ وَ مَا یَكُوْنُ یَنْبَغِیْ لَنَاۤ (لائق) اور ہمارے لیے ممکن (مناسب) نہیں کہ لوٹ آئیں اس (کفروشرک کی) ملت میں مگر یہ کہ اللہ ہی چاہیں جو ہمارے پروردگار ہیں (اس ارتداد کو اور وہ ہمیں رسوا کر دیں ہمارا پروردگار علم کے لحاظ سے ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے (یعنی اللہ تعالیٰ

کا علم ہر چیز کو محیط ہے اور ازاں جملہ میرا حال اور تم سب کا حال بھی ہے) ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا اے ہمارے پروردگار فیصلہ کر دیجئے (حکم دیجیے) ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے موافق اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا (حکم دینے والا) ہے۔ اور شعیب علیہ السلام کے کافر سرداروں نے کہا (یعنی ان کافروں میں سے بعض سے کہا) اگر (لَئِنِ میں لام قسمیہ ہے) تم شعیبؑ کی پیروی کرنے لگو گے تو بیشک تم بڑے خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ پس ان کو زلزلہ (سخت جھٹکا) نے آ پکڑا سو اپنے گھر میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے (یعنی گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے مردہ ہو گئے) جن لوگوں نے شعیب (علیہ السلام) کو جھٹلایا تھا (یہ مبتداء ہے اس کی خبر آگے كَاَنْ لَّمْ ہے یہ کان مخففة من المثقلة ہے اور اس کا اسم محذوف ہے اَیْ کَاَنَّهُمْ) گویا کہ وہ کبھی بسے ہی نہ تھے (ان کے گھروں میں ٹھہرے ہی نہ تھے)۔ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا، جنہوں نے شعیب (علیہ السلام) کی تکذیب کی تھی وہی خسارہ میں پڑ گئے (اَلَّذِیْنَ اسم موصول وغیرہ کو دوبارہ لا کر کافر سرداروں کے سابق قول للذین اتبعتم شعیبًا انکم اذ الخاسرون کی تاکیدی تردید کرنی ہے۔ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ، پھر شعیب علیہ السلام نے ان سے اعراض کیا۔ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَاَبْ اور فرمانے لگے: اے میری قوم میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیے اور تمہاری خیر خواہی کی (مگر تم لوگ ایمان نہیں لائے) تو اب میں ان کافر قوم پر کیوں رنج کروں (یہ استفہام نفی کے معنی میں ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

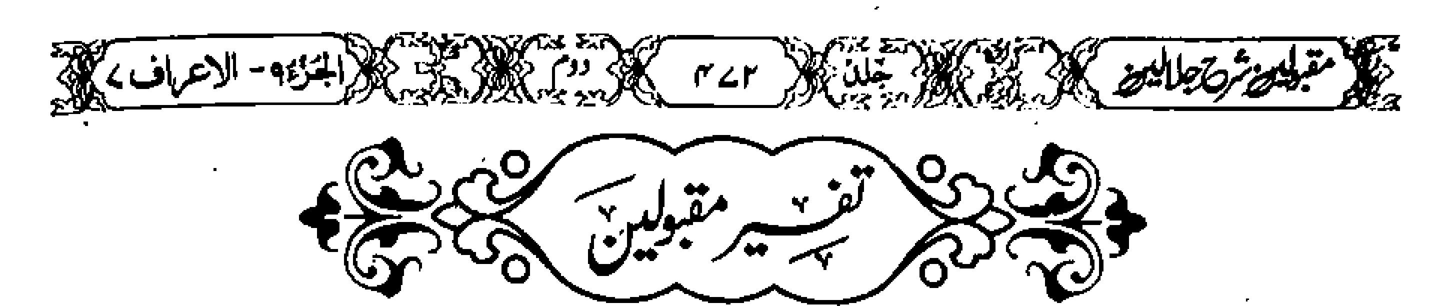
قوله: وَعَلٰی نَحْوِهٖ اَجَابَ: یہ کلام شعیب سمجھانے کے لیے اپنے کو عموم میں شامل کیا تو آپ پہلے بھی ان کے عقائد و اعمال سے معصوم تھے۔

قوله: اَنَعُوْدُ فِیْهَا: مستفہم عنہ محذوف ہے اور واقعہ حالیہ یعنی کیا کرامت کے باوجود لوٹنا پڑے گا۔ انہوں نے نعم کہا تو آپ نے فرمایا: قَدِ افْتَرَیْنَا پھر تو جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے والے ہوتے جو کہ ہو نہیں سکتا۔

قوله: مُخَفَّفَةٌ: یہ مصدریہ نہیں ہے۔

قوله: اَلَّذِیْنَ: یہ مبتداء ہے اور كَانُوْا یہ خبر ہے۔

قوله: وَغَیْرِهٖ لِلرَّدِّ: دوسرے جملے کو دہرایا اور پہلے کی طرح اسمیہ لائے یہ استفہام بمعنی نفی اسی طرح ہوتا ہے یعنی ان کو مستحق عذاب کی وجہ سے غم نہیں ہوا۔



قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ....

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا اہل ایمان کو کفر میں واپس آنے کی دعوت دینا اور تکذیب کی وجہ سے ہلاک ہونا:

جو قوم کے سردار ہوتے ہیں وہ متکبر بھی ہوتے ہیں متکبر سرداروں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا کہ اے شعیب ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تمہارے دین میں کیسے آ سکتے ہیں جبکہ ہم اسے برا جانتے ہیں۔ خدانخواستہ اگر ہم تمہارے دین میں واپس آ جائیں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہم نے اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات دی یعنی اگر ہم پھر تمہارا دین اختیار کر لیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمارا یہ اعتقاد غلط ہے کہ شعیب اللہ کے نبی ہیں اور جو دین اللہ کی طرف سے لے کر آئے ہیں یہ حق ہیں۔ اس طرح سے تو ہم اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے والے ہو جائیں گے۔ کفر کا عقیدہ رکھنا اور کفر کو دین حق سمجھنا یہ اللہ تعالیٰ پر تہمت دھرنا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ یہ دین اللہ تعالیٰ کو پسند ہے العیاذ باللہ۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس سے نجات دے دی اور ہم نے سوچ سمجھ کر قبول کر لیا تو اس کو چھوڑ دینا اور زیادہ تہمت کی چیز ہوگی۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھیوں نے یہ بھی کہا کہ ہمارے لیے یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ تمہارے دین میں واپس ہو جائیں، ہاں! اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو تو اور بات ہے (اس میں یہ بتایا کہ ہدایت پانا، اور گمراہ ہونا اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت اور قضا وقدر سے ہوتا ہے اور ایمان پر جمنا ہمارا کوئی کمال نہیں، جو استقامت ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کی ہوئی ہے)۔

ہمارا ربّ علم کے اعتبار سے ہر چیز کو محیط ہے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا ہے (اللہ تعالیٰ سے ہمیں امید ہے کہ وہ تمہارے مکر وفریب سے ہمیں بچا دے گا اور ہمیں اپنے محبوب دین پر استقامت سے رکھے گا) بستی والوں کو یہ جواب دے کر وہ حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور دُعا کی اے ہمارے ربّ ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیجیے اور آپ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والے ہیں۔

قوم کے سرداروں نے اپنے عوام سے یہ بھی کہا کہ اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو تم ضرور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے (اس میں انہوں نے اپنے ان عوام کو بھی حضرت شعیب علیہ السلام کے اتباع سے روکا جنہیں نے ایمان قبول نہیں کیا تھا اور اہل ایمان پر بھی تعریض کی کہ تم نقصان میں پڑ چکے ہو) (فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝) (سو ان لوگوں کو زلزلہ نے پکڑ لیا۔ سو وہ اپنے گھروں میں صبح کے وقت اوندھے منہ پڑے ہوئے رہ گئے) اس میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا ذکر ہے جیسے قوم ثمود کو زلزلہ کے ذریعہ ہلاک کیا گیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے رہ گئے اور وہیں کے وہیں ہلاک ہو گئے۔ اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا بھی حال ہوا۔ سورۃ ہود میں ہے۔ (اَلَا بُعْدًا

لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ (خبردار مدین کے لیے رحمت سے دوری ہے، جیسا کہ قوم رحمت سے دور ہوئی)۔
پھر فرمایا: (اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا) (جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا گویا وہ اپنے گھروں میں رہے ہی نہ تھے) (اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾) (جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی خسارہ میں پڑنے والے ہوئے) کہ اپنی جانوں کو تباہی میں ڈالا، نہ دنیا کے رہے نہ آخرت ملی۔ اہل ایمان کو وہ خسارہ میں بتا رہے تھے اور حقیقت میں خود خسارہ میں پڑ گئے۔

وَ مَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ فَكَذَّبُوْهُ اِلَّآ اَخَذْنَآ عاقبنا اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ شدة الفقر وَ الضَّرَّآءِ المرض لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ يتذللون فيؤمنون ثُمَّ بَدَّلْنَا اعطيناهم مَكَانَ السَّيِّئَةِ العذاب الْحَسَنَةَ الغنى و الصحة حَتّٰى عَفَوْا كثروا وَّ قَالُوْا كفرا للنعمة قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَ السَّرَّآءُ كما مسنا وهذه عادة الدهر وليست بعقوبة من الله فكونوا على ما انتم عليه قال تعالى فَاَخَذْنٰهُمْ بالعذاب بَغْتَةً فجاة وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ بوقت مجيئه قبله وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى المكذبين اٰمَنُوْا بالله ورسلهم وَ اتَّقَوْا الكفر و المعاصي لَفَتَحْنَا بالتخفيف و التشديد عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ بالمطر وَ الْاَرْضِ بالنبات وَ لٰكِنْ كَذَّبُوْا الرسل فَاَخَذْنٰهُمْ عاقبناهم بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى المكذبون اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا عذابنا بَيَاتًا ليلا وَّ هُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ غافلون عنه اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى نهارا وَّ هُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ استدراجه اياهم بالنعمة واخذهم بغتة فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ ع ۱۲/۲

ترجمہ: وَ مَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ الآیۃ اور ہم نے نہیں بھیجا کسی بستی میں کوئی نبی (اور اس بستی والوں نے اس نبی کو جھٹلایا) مگر ہم نے پکڑ لیا (مبتلا کیا) وہاں کے رہنے والوں کو سختی (محتاجی، تنگدستی) اور تکلیف (بیماری) میں تا کہ وہ گڑگڑائیں (شاید کہ وہ ڈر کر ہمارے آگے عاجزی کریں اور ایمان قبول کرلیں) ثُمَّ بَدَّلْنَا الآیۃ پھر ہم نے بدل دی (انہیں عطا کردی) بدحالی (عذاب) کی جگہ خوشحالی (مالداری اور تندرستی) حَتّٰى عَفَوْا الآیۃ یہاں تک کہ وہ بڑھ گئے (مال واولاد بہت ہوگئے) وَّ قَالُوْا كُفْرًا لِلنِّعْمَةِ الآیۃ اور کہنے لگے (کفران نعمت کے طور پر) ہمارے آباء و اجداد کو بھی تکلیف و راحت پہنچتی رہتی ہے (جس طرح ہم پر یہ حالتیں پہنچیں یہ تو زمانہ کی عادت و گردش ہے اور اللہ کی جانب سے کوئی عذاب نہیں ہے لہٰذا تم لوگ اپنے طور طریقہ پر قائم رہو۔ قَالَ تَعَالٰى : فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تو ہم نے ان کو پکڑ لیا (عذاب میں) دفعتاً (اچانک) وَّهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۹۵﴾ اور وہ جانتے نہ تھے (پہلے سے اس عذاب کے آنے کا وقت) وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے (جنہوں نے جھٹلایا) ایمان لے آتے (اللہ پر اور ان رسولوں پر اور پرہیز کرتے (کفر اور گناہوں سے) لَفَتَحْنَا تخفیف کے ساتھ فَتَحْنَا اور تشدید کے ساتھ فَتَّحْنَا۔ تو ہم کھول دیتے ان پر آسمان کی برکتیں (بارش کے ذریعہ) اور زمین کی برکتیں (پیداوار کے ذریعہ) وَ لٰكِنْ كَذَّبُوْا لیکن انہوں نے (رسولوں کی) تکذیب کی تو ہم نے ان کو پکڑ لیا (یعنی انہیں سزا دی) بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ ان کے اعمال (بد) کی وجہ سے۔ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى کیا پھر بھی ان (موجودہ) بستیوں کے رہنے والے (جھٹلانے والے) اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر بھی ہمارا عذاب آ پڑے رات کے وقت اس حال میں کہ وہ پڑے سو رہے ہوں (عذاب سے غافل و بے خبر ہوں)۔ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اور کیا ان (موجودہ) بستیوں کے رہنے والے بے خوف ہو گئے ہیں اس بات سے کہ ہمارا عذاب آ جائے (دن دوپہر در آنحالیکہ وہ کھیل تماشہ میں مشغول ہوں۔ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ کیا یہ (تکذیب کرنے والے) اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بے فکر ہو گئے ہیں (نعمت کے ذریعہ ان کو ڈھیل دینے، پھر اچانک پکڑ لینے سے۔ سو (سمجھ لو کہ) اللہ کی پکڑ سے (خفیہ تدبیروں سے) کوئی بے فکر نہیں ہوتا ہے مگر وہی لوگ جو زیاں کار ہیں، نقصان اٹھانے والے ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: فَكَذَّبُوْهُ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ اگر وہ ایمان قبول کر لیتے تو عذاب نہ دیئے جاتے۔

قوله: اَعْطَيْنَاهم: یہاں بَدَّلْنَا، اعطا کے معنی میں ہے۔ جو بذاتہ متعدی الی المفعولین ہوتا ہے باقی ھم کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ اوّل مفعول محذوف ہے۔

قوله: مَكَانَ السَّيِّئَةِ: یہ تو ظرف ہے مفعول نہیں، پس مقدر ماننا ضروری ہوا۔

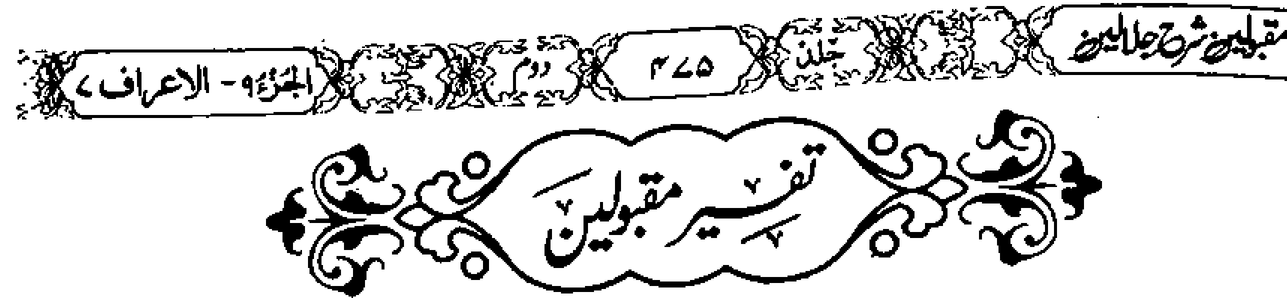
قوله: عَفَوْا: یہ عفت النباب سے ماخوذ ہے جب کھیتی کثرت سے ہو۔

قوله: كُفْرًا لِلنِّعْمَةِ: یہ قید اس لیے بڑھائی کہ اگر اسے بیان یا حسرت و ندامت کے لیے کہے تو مناسب نہیں ہوتا۔

قوله: وَلَيْسَتْ بِعُقُوْبَةٍ مِنَ اللّٰهِ: یعنی اگر وہ کہتے کہ معصیت کی بناء پر یہ ہمارے آباء کو پہنچا پس وہ اس سے بچ جاتے تو اس سزا کے سزاوار نہ تھے۔

قوله: الْمُكَذِّبِيْنَ: اس سے وہی بستیاں مراد ہیں جن کی دلالت وَمَآ اَرْسَلْنَا فِىْ قَرْيَةٍ الآیۃ میں ہے مطلق نہیں۔

قوله: اِسْتِدْرَاجه: اللہ تعالیٰ کی تدبیر بندے کے استدراج کے لیے ایسی طرح سے ہے کہ جس کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔



وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ....

جن بستیوں میں نبی بھیجے گئے ان کو خوشحالی اور بدحالی کے ذریعہ آزمایا گیا:

گزشتہ چند رکوع میں متعدد قوموں کی تکذیب اور تعذیب کا تذکرہ فرمایا۔ ان بستیوں کا حال بنی اسرائیل کو معلوم تھا اور قریش بھی تجارت کے لیے ملک شام کی طرف جاتے تھے وہ بھی ان میں سے بعض بستیوں پر گزرتے تھے اور اگر کسی کو ان کے حالات معلوم نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرما دیئے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے پڑھ کر سنا دیا۔ ان واقعات سے معلوم ہوگیا کہ سابقہ اقوام کی بربادی کا سبب ان کا کفر تھا اور ان کے اعمال بد تھے۔ اس رکوع میں اوّل تو یہ فرمایا کہ جس کسی بستی میں ہم نے نبی بھیجا وہاں کے رہنے والوں کو تنبیہ کرنے کے لیے پکڑا۔ یہ گرفت سختی اور دکھ و تکلیف کے ذریعہ تھی باساء سے سختی اور عام مصائب اور ضراء سے جسم و جان کی تکلیفیں مراد ہیں۔ ان کو یہ گرفت اس لیے تھی کہ یہ لوگ کفر و نافرمانی کی زندگی کو چھوڑ دیں اور اپنے خالق و مالک کے سامنے گڑگڑائیں اور عاجزی کریں اور کفر سے اور نافرمانیوں سے توبہ کریں۔ لیکن یہ لوگ برابر طغیانی اور سرکشی پر تلے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بدحالی کو اچھے حال سے بدل دیا۔ نعمتوں سے نوازا۔ خوشحالی عطا فرمائی۔ تندرستی دی۔ مال دیا، یہاں تک کہ جان و مال میں کثرت ہوگئی، پہلے تو تنگدستی و بدحالی کے ذریعہ آزمائے گئے تھے اب انہیں نعمتیں دے کر آزمایا گیا۔ پہلے امتحان میں تو فیل ہوئے ہی تھے دوسرے امتحان میں بھی فیل ہوگئے۔ نہ بدحالی میں مبتلا ہو کر راہ راست پر آئے نہ خوشحالی سے عبرت حاصل کی بلکہ الٹا یہ نتیجہ نکالا کہ اجی! یہ خوشحالی کچھ ایمان اور کفر اور اچھے کاموں اور برے کاموں سے متعلق نہیں ہے۔ یہ دنیا کا الٹ پھیر ہے۔ کبھی خوشحالی کبھی بدحالی، ہمارے باپ دادوں پر بھی یہ دونوں حالتیں گزری ہیں۔ لہٰذا ہم اپنا دین کیوں چھوڑ دیں۔ ہمارے باپ دادے بھی اپنے دین پر جمے رہے ہم بھی مضبوط ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے نہ تنگ دستی اور سختی سے عبرت لی اور نہ خوشحالی اور نعمتوں سے نوازے جانے پر شکر گزار ہوئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اچانک ان کی گرفت فرمائی۔ نزول عذاب کا پتہ بھی نہ چلا، اور مبتلائے عذاب ہو کر ہلاک ہوگئے۔

اَوَلَمْ یَهْدِ یَتَبَیَّنْ لِلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْاَرْضَ بِالسُّكْنٰى مِنْۢ بَعْدِ هَلَاكِ اَهْلِهَآ اَنْ فَاعِلُ مُخَفَّفَةٌ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَیْ اَنَّهٗ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ كَمَا اَصَبْنَا مَنْ قَبْلَهُمْ وَالْهَمْزَةُ فِی الْمَوَاضِعِ الْاَرْبَعَةِ لِلتَّوْبِیْخِ وَالْفَاءُ وَالْوَاوُ الدَّاخِلَةُ عَلَیْهَا لِلْعَطْفِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِسُكُوْنِ الْوَاوِ فِی الْمَوْضِعِ الْاَوَّلِ عَطْفًا بِاَوْ وَنَحْنُ وَنَطْبَعُ نختم عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ الْمَوْعِظَةَ سِمَاعَ تَدَبُّرٍ تِلْكَ

الْقُرٰى الَّتِي مَرَّ ذِكْرُهَا نَقُصُّ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ اَخْبَارِ اَهْلِهَا وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ ۚ الْمُعْجِزَاتِ الظَّاهِرَاتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا عِنْدَ مَجِيْئِهِمْ بِمَا كَذَّبُوْا كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ
قَبْلَ مَجِيْئِهِمْ بَلِ اسْتَمَرُّوْا عَلَى الْكُفْرِ كَذٰلِكَ الطَّبْعِ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَ مَا وَجَدْنَا
لِاَكْثَرِهِمْ اَيِ النَّاسِ مِّنْ عَهْدٍ ۚ اَيْ وَفَاءٍ بِعَهْدِ يَوْمَ اَخْذِ الْمِيْثَاقِ وَ اِنْ مُخَفَّفَةٌ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ
لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ اَيِ الرُّسُلِ الْمَذْكُوْرِيْنَ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ التِّسْعِ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۠ئِهٖ
قَوْمِهٖ فَظَلَمُوْا كَفَرُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ بِالْكُفْرِ مِنْ اِهْلَاكِهِمْ وَ قَالَ
مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ اِلَيْكَ فَكَذَّبَهُ فَقَالَ اَنَا حَقِيْقٌ جَدِيْرٌ عَلٰۤى اَنْ اَيْ بِاَنْ
لَاۤ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِتَشْدِيْدِ الْيَاءِ فَحَقِيْقٌ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ اَنْ وَمَا بَعْدَهُ قَدْ جِئْتُكُمْ
بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ اِلَى الشَّامِ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ وَكَانَ اسْتَعْبَدَهُمْ قَالَ فِرْعَوْنُ لَهُ اِنْ كُنْتَ
جِئْتَ بِاٰيَةٍ عَلٰى دَعْوَاكَ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فِيْهَا فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ
مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ حَيَّةٌ عَظِيْمَةٌ وَّ نَزَعَ يَدَهٗ اَخْرَجَهَا مِنْ جَيْبِهٖ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ ذَاتُ شُعَاعٍ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع ۱۳
خِلَافَ مَا كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْاُدْمَةِ

ترجمہ: اَوَ لَمْ يَهْدِ کیا ہدایت نہیں کی تو واضح نہیں ہوا؟ ان لوگوں کے لیے جو وارث ہو رہے ہیں زمین کے (اقامت کر کے) پہلے باشندوں کے (ہی ہلاک ہونے کے بعد) لَوْ نَشَآءُ ' یہ لَمْ يَهْدِ کا فاعل ہے ان مخففہ من الثقیلہ سے اس کا اسم محذوف ہے اصل میں انہ تھا اور ضمیرہ شان ہے یعنی کیا یہ شان ان وارثین پر ظاہر نہیں ہوئی کہ اگر ہم چاہتے تو ان کو بھی ہلاک کر ڈالتے (عذاب سے) ان کے گناہوں (کفر و تکذیب) کے سبب (جس طرح ہم نے ان سے قبل کے لوگوں کو ہلاک کیا ہے (وَالْهَمْزَةُ فِي الْمَوَاضِعِ الْاَرْبَعَةِ لِلْاٰيَةِ اور ہمزہ چاروں مواضع میں توبیخ کے لیے ہے اور فاء اور واؤ پر داخل ہیں وہ عطف کے لیے ہیں اور ایک قراءت پہلی جگہ میں سکون واؤ کے ساتھ ہے اوکو عاطفہ قرار دے کر) وَ نَحْنُ وَ نَطْبَعُ نختم ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں سو وہ نہیں سنتے) وعظ و نصیحت کو غور و فکر، سوچ سمجھ کے کان سے) تِلْكَ الْقُرٰى ' یہ بستیاں ہیں جن کا ذکر پہلے گزرا ہم بیان کرتے ہیں آپ سے اے محمد (ﷺ) ان بستیوں میں رہنے والوں کی کچھ خبریں ہیں (وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ الآیۃ اور بیشک ان سب (بستیوں کے رہنے والوں) کے پاس ان

کے رسول کھلی نشانیاں (واضح معجزات) لے کر آئے تھے پس نہ تھے (ان بستی کے بسنے والے) ایسے کہ ایمان لے آتے (ان بینات کے آنے کے وقت) اس بات پر جس کو وہ جھٹلا چکے تھے (اس کا انکار کر چکے تھے) ان دلائل کے آجانے سے پہلے بلکہ ہمیشہ کفر پر جمے رہے) اسی طرح (اسی مہر کی طرح) اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ مَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ اَیْ النَّاسِ اور ہم نے ان میں سے اکثر (یعنی اکثر لوگوں میں) ایفائے عہد کرنے والا نہ پایا (یعنی اس عہد کی وفا جو یوم میثاق میں لیا گیا تھا' وَاِنْ وَّجَدْنَا الآیۃ 'اِنْ مخففہ ہے ای انہ اور تحقیق ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں کو فاسق (نافرمان) ہی پایا۔ پھر بھیجا ہم نے ان کے بعد (یعنی ان رسولوں کے بعد جن کا ذکر اوپر کیا گیا موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں (نو معجزات) کے ساتھ فرعون اور اس (کی قوم) کے سرداروں کے پاس مگر انہوں نے بھی ہماری نشانیوں کے ساتھ ظلم کیا (کفر کیا) پس دیکھو کیا انجام ہوا مفسدوں کا (جو کفر کے ساتھ فساد پھیلا رہے تھے یعنی سب کے سب ہلاک ہوئے، اور موسیٰ علیہ السلام نے (فرعون کے پاس جا کر) فرمایا اے فرعون میں پروردگار عالم کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں (تیرے پاس (پس فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) لائق ہوں (سزاوار ہوں) اس بات کے کہ خدا پر سوائے سچ اور حق بات کے نہ کہوں (علی بمعنی با ہے، اور ایک قراءت میں یا پر تشدید کے ساتھ حقیق علی ہے، پس لفظ حقیق مبتدا ہوگا اور اس کی خبر ان اور اس کے مابعد کا جملہ ہے۔ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ الآیۃ، تحقیق میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے ایک بڑی دلیل (یعنی معجزہ) لے کر آیا ہوں۔ فَاَرْسِلْ مَعِيَ الآیۃ، سو تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ (ملک شام کی طرف) بھیج دے (فرعون نے ان سب کو غلام بنا رکھا تھا) قَالَ فِرْعَوْنُ لَہٗ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فرعون نے کہا (موسیٰ علیہ السلام سے) اگر آپ (منجانب اللہ اپنے دعویٰ پر) کوئی معجزہ لے کر آئے ہیں تو اس کو پیش کیجئے اگر آپ (اس دعوائے رسالت میں) سچے ہیں۔ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ الآیۃ پس موسیٰ علیہ السلام نے (فوراً) اپنا عصا (زمین پر) ڈال دیا سو دفعتاً وہ صاف ایک اژدہا (بڑا سانپ) بن گیا اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ نکالا (یعنی اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ یکایک سب دیکھنے والوں کے سامنے بہت ہی چمکتا ہوا سفید (روشن) ہو گیا (اپنے اصلی گندمی رنگ کے خلاف)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: يَتَبَيَّنْ: اس میں يَهْدِ کو لام سے متعدی بنانے کی وجہ کی طرف اشارہ ہے کہ یہ يَتَبَيَّنْ کے معنی کو متضمن ہے۔

قوله: بِالسُّكْنٰى: یہ قید لگائی کیونکہ ملکیت فقط ان کی ہلاکت کے سبب ان کے لیے ثابت نہیں ہو جاتی۔

قوله: وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ: لا ناصبہ ہے ورنہ نشاء نصب دیتا۔

قوله: لِلتَّوْبِيْخِ: ہمزہ توبیخ کی چاروں مواقع میں ہے۔

قوله: وَالْفَاءُ وَالْوَاوُ: فا سے عطف اس لیے ہے کیونکہ معنی یہ ہے انہوں نے کہا جو کہا پھر فاخذناهم بغتة۔ اس کے

بعد اہل قری کا اطمینان سے رہنا نہایت بعید تھا، پس اس کا مقصد ان کے بیچ رہنے کا انکار تھا۔ فرمایا: ان یاتیھم باسنابیاتا او ضحی۔ ان میں ترتیب کا اعتبار نہیں، اسی وجہ سے دوسرے کو واو سے عطف کیا۔

قوله: اَلدَّاخِلَۃُ: عطف جملہ علی الجملہ کی صورت میں حرف عطف پر استفہام درست ہے۔

قوله: وَلَو اَنَ اَھلُ القُرٰی: یہ جملہ معترضہ ہے۔

قوله: نَحنُ: اس سے اشارہ کیا کہ واو مستانفہ ہے۔

قوله: اَلَّتِیْ مَرَّذِ کْرُھَا: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ یہ مبتداء ہے اور اَلْقُرٰی یہ اس کی خبر ہے۔

قوله: اَخْبَارِ اَھْلِھَا: مضاف کو حذف کیا تا کہ آیت کا مفہوم درست سامنے آئے۔

قوله: اَیِ النَّاسِ: ضمیر لوگوں (الناس) کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ کفار کی طرف جن کا تذکرہ لِاَ کْثَرِ کے قرینہ سے ہے کیونکہ تمام کافر وعدے کو پورا نہ کرنے والے ہیں۔

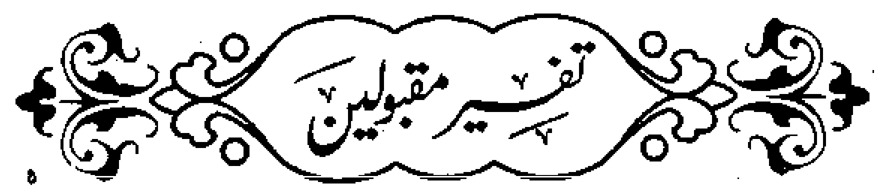
قوله: فَقَالَ اَنَا: اس سے اشارہ کیا کہ حقیق مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ اسی وجہ سے رَسُوْلٌ پر اس کا عطف نہیں کیا گیا۔

قوله: جَدِیْرٌ: اس سے اشارہ کیا کہ حقیق یہ واجب کے معنی میں نہیں بلکہ جدید (لائق) کے معنی میں ہے۔

قوله: اَیْ بِاَنْ: اس میں اشارہ ہے کہ علی یہ با کے معنی میں ہے۔

قوله: حَیَّۃٌ عَظِیْمَۃٌ: یعنی اس کے سانپ ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہ تھی۔

قوله: خِلَافَ مَا کَانَتْ: خرق عادت کے طور پر اور دیکھنے والوں کے لیے بیضاء تبھی ہوگا کہ اس کی شعاعیں سورج کی شعاعوں پر غالب آ جاتیں۔



اَوَ لَمْ یَھْدِ لِلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ اَھْلِھَآ ....

زمین کے وارث ہونے والے سابقہ امتوں سے عبرت حاصل کریں:

ہلاک ہونے والی چند امتوں کے جو واقعات گزشتہ چند رکوع میں بیان کیے گئے ان سے عبرت دلانے کے لیے ارشاد فرمایا کہ جو امتیں ہلاک کی گئیں ان کی جگہ جو لوگ زمین پر آباد ہوئے کیا ان بعد میں آنے والوں کو ان واقعات سے عبرت حاصل نہ ہوئی اور کیا انہیں اس بات کا علم نہیں کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو بھی ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیں۔ اور بات یہ ہے کہ ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ لہٰذا وہ سنتے ہی نہیں۔ کانوں سے سن لیتے ہیں لیکن قبول کرنے کی نیت سے نہیں سنتے۔ لہٰذا سنا بے سنا برابر ہو جاتا ہے اور یہ مہر لگانا ایسا ہی ہے، جیسا کہ سورۂ نساء میں فرمایا: (بَلْ طَبَعَ اللّٰہُ عَلَیْھَا بِکُفْرِھِمْ) (بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ان کے کفر کی وجہ سے مہر لگا دی ہے) اور اسی کو سورۂ صف میں فرمایا: (فَلَمَّا

زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (سو جب وہ ٹیڑھے رہے تو اللہ نے ان کے دلوں کو اور ٹیڑھا کر دیا) جب انسان کفر کو اختیار کر لیتا ہے اور اسی پر جما رہتا ہے اور دلائل واضحہ کے ہوتے ہوئے حق قبول نہیں کرتا تو اللہ کی طرف سے یہ سزا بھی دی جاتی ہے کہ دل پر مہر لگا دی جاتی ہے جس کی وجہ سے حق قبول کرنے کا موقع ختم ہو جاتا ہے۔

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ....

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ عہد سے مراد عہد الست ہے جو ازل میں تمام مخلوقات کے پیدا کرنے سے پہلے ان سب کی روحوں کو پیدا فرما کر لیا گیا تھا، جس میں حق تعالیٰ نے فرمایا: الست بربکم یعنی کیا میں تمہارا پروردگار نہیں، اس وقت تمام ارواح انسانی نے اقرار اور عہد کے طور پر جواب دیا بلی یعنی ضرور آپ ہمارے رب ہیں، دنیا میں آ کر اکثر لوگ اس عہد ازل کو بھول گئے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر مخلوق پرستی کی لعنت میں گرفتار ہو گئے، اس لئے اس آیت میں فرمایا کہ ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں میں عہد نہ پایا، یعنی عہد کی پاسداری اور ایفاء نہ پایا۔ (کبیر) اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ عہد سے مراد عہد ایمان ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا: اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا، اس میں عہد سے عہد ایمان و طاعت مراد ہے، تو آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے اکثر نے ایمان و طاعت کا عہد ہم سے باندھا تھا پھر اس کی خلاف ورزی کی، عہد باندھنے سے مراد یہ ہے کہ عموماً انسان جب کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو اس وقت کتنا ہی فاسق فاجر ہو اس کو بھی خدا ہی یاد آتا ہے اور اکثر دل یا زبان سے عہد کرتا ہے کہ اس مصیبت سے نجات مل گئی تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت میں لگ جاؤں گا نافرمانی سے بچوں گا جیسا کہ قرآن کریم میں بہت سے لوگوں کا یہ حال ذکر کیا گیا ہے، لیکن جب ان کو نجات ہو جاتی ہے اور آرام و راحت ملتی ہے تو پھر ہوئی وہوس میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس عہد کو بھول جاتے ہیں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى ....

اس سورت میں جتنے قصص اور واقعات انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے ذکر کئے گئے ہیں یہ ان میں سے چھٹا قصہ ہے، اس کو زیادہ تشریح و تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کا سبب یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات بہ نسبت دوسرے انبیاء سابقین کے تعداد میں بھی زیادہ ہیں اور قوت ظہور میں بھی۔ اسی طرح اس کے بالمقابل ان کی قوم بنی اسرائیل کی جہالت اور ہٹ دھرمی بھی پچھلی امتوں کے مقابلہ میں زیادہ اشد ہے اور یہ بھی ہے کہ اس قصہ کے ضمن میں بہت سے معارف و مسائل اور احکام بھی آئے ہیں۔

پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ ان کے بعد یعنی نوح اور ہود اور لوط اور شعیب علیہم السلام کے یا ان کی قوموں کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آیات دے کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ آیت سے مراد تورات کی آیات بھی ہو سکتی ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزات بھی۔ اور فرعون اس زمانہ میں ہر بادشاہ مصر کا لقب ہوتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے فرعون کا نام قابوس بیان کیا جاتا ہے۔ (قرطبی)

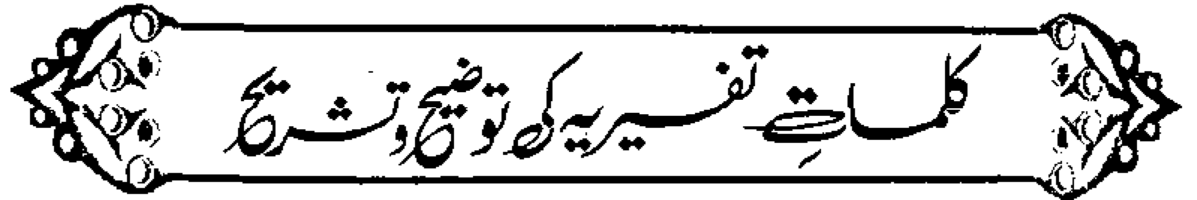
فَظَلَمُوا بِهَا. کی ضمیر مجرور آیات کی طرف راجع ہے، یعنی یہ ہیں کہ ان لوگوں نے ہماری آیات پر ظلم کیا، اور آیات الٰہی پر ظلم کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں نے آیات الٰہی کی قدر نہ پہچانی، ان پر شکر کے بجائے ناشکری، اقرار کے بجائے انکار، ایمان کے بجائے کفر اختیار کیا۔ کیونکہ ظلم کے اصلی معنی ہی یہ ہیں کہ کسی چیز کو اس کے محل اور موقع کے خلاف استعمال کرنا۔ پھر فرمایا: فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ یعنی دیکھو تو سہی کہ پھر ان فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ مراد یہ ہے کہ ان کے حالات اور انجام بد پر غور کرو اور عبرت حاصل کرو۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ فَائِقٌ فِي عِلْمِ السِّحْرِ وَفِي الشُّعَرَاءِ اَنَّهُ مِنْ قَوْلِ
فِرْعَوْنَ نَفْسِهِ فَكَاَنَّهُمْ قَالُوْا مَعَهُ عَلٰى سَبِيْلِ التَّشَاوُرِ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا
تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ اَخِّرْ اَمْرَهُمَا وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ جَامِعِيْنَ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ
سٰحِرٍ وَفِي قِرَاءَةٍ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ يَفْضُلُ مُوْسٰى فِي عِلْمِ السِّحْرِ فَجَمَعُوْا وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا
اِنَّ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ
الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ عَصَاكَ وَاِمَّآ اَنْ
نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ مَا مَعَنَا قَالَ اَلْقُوْا ۚ اَمْرٌ لِلْاِذْنِ بِتَقْدِيْمِ اِلْقَائِهِمْ تَوَسُّلًا بِهِ اِلٰى اِظْهَارِ الْحَقِّ فَلَمَّآ
اَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ صَرَفُوْهَا عَنْ حَقِيْقَةِ اِدْرَاكِهَا وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ خَوَّفُوْهُمْ
حَيْثُ خَيَّلُوْهَا حَيَّاتٍ تَسْعٰى وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا
هِيَ تَلْقَفُ بِحَذْفِ اِحْدَى التَّائَيْنِ مِنَ الْاَصْلِ تَبْتَلِعُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يَقْلِبُوْنَ بِتَمْوِيْهِهِمْ فَوَقَعَ الْحَقُّ ثَبَتَ
وَظَهَرَ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ مِنَ السِّحْرِ فَغُلِبُوْا اَيْ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا
صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ صَارُوْا ذَلِيْلِيْنَ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَ
هٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ لِعِلْمِهِمْ بِاَنَّ مَا شَاهَدُوْهُ مِنَ الْعَصَا لَا يَتَاَتّٰى بِالسِّحْرِ قَالَ فِرْعَوْنُ ءَاٰمَنْتُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ
وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا بِهٖ بِمُوْسٰى قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ اَنَا لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا الَّذِيْ صَنَعْتُمُوْهُ لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي
الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ مَا يَنَالُكُمْ مِنِّيْ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ

خِلَافٍ اَیْ یَدَ کُلِّ وَاحِدٍ الْیُمْنٰی وَرِجْلَهُ الْیُسْرٰی ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا بَعْدَ مَوْتِنَا بِاَیِّ وَجْهٍ کَانَ مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ رَاجِعُوْنَ فِی الْاٰخِرَةِ وَمَا تَنْقِمُ تُنْكِرُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا عِنْدَ فِعْلِ مَا تُوْعِدُهٗ بِنَا لِئَلَّا نَرْجِعَ كُفَّارًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲۶﴾ ع ۱۴ / ۱۸ / ۴

ترجمہ: قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ، قوم فرعون کے سرداروں نے کہا یقیناً یہ شخص بڑا دانا جادوگر ہے، اگر جادوگر ہے (علم سحر میں سب پر فوقیت رکھنے والا ہے) اور سورۂ شعراء میں ہے کہ یہ بات فرعون نے خود اپنے دل میں کہی تھی پس گویا کہ یہ سردار یعنی درباری لوگوں نے فرعون کے ساتھ ہو کر بطور مشورہ کے کہا) "یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ (الآیۃ) "یہ چاہتا ہے کہ (اپنے جادو کے زور سے) تم کو تمہارے ملک سے نکال دے اب تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو؟ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ (الآیۃ)، انہوں نے کہا (یعنی مشورہ کیا) کہ آپ ان (موسیٰ) کو اور ان کے بھائی (ہارون علیہ السلام) کو ڈھیل دیجئے (ان دونوں کے معاملے کو ذرا مؤخر کیجئے یعنی انہیں انتظار میں رکھئے) اور (اپنی سلطنت کے) تمام شہروں میں بھیج دیجئے پیراسیوں کے (جمع کرنے والوں کو) کہ وہ سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لے کر آئیں (اور ایک قراءت میں لفظ سحار آیا ہے یعنی ایسا ماہر جادوگر جو فن جادو میں موسیٰ سے فضیلت رکھتا ہو چنانچہ انہوں نے جادوگروں کو جمع کیا۔ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ (الآیۃ) اور وہ جادوگر سب فرعون کے پاس آئے اور کہنے لگے: اِنَّ لَنَا (دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ، دوسرے ہمزہ کی تسہیل کے ساتھ ان دونوں صورتوں میں ان دونوں ہمزوں کے درمیان ادخال الف کے ساتھ) قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا (الآیۃ) کیا ہم کو کوئی صلہ وانعام ملے گا اگر ہم غالب آ گئے؟۔ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ فرعون نے کہا کہ ہاں تم بلاشبہ) خاص میرے مقربین میں سے ہو جاؤ گے۔ قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ (الآیۃ)، ان ساحروں نے (موسیٰ علیہ السلام) عرض کیا کہ اے موسیٰ یا تو آپ (پہلے اپنی لاٹھی) ڈالیں اور یا (آپ کہیں تو) ہم ہی پہلے ڈالنے والے ہو جائیں (جو کچھ ہمارے ساتھ ہیں۔) قَالَ اَلْقُوْا ۚ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ تم ہی (پہلے) ڈالو۔ "اَمْرٌ لِلْاِذْنِ بِتَقْدِیْمِ الْقَائِهِمْ تَوَسُّلًا بِهٖ اِلٰی اِظْهَارِ الْحَقِّ" یعنی اس اجازت کا تعلق جادوگروں کے پھینکنے میں پہل کرنے سے ہے تاکہ اس کو اظہار حق کا ذریعہ بنایا جا سکے۔ فَلَمَّآ اَلْقَوْا (الآیۃ) پس جب ان ساحروں نے (اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو) ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا "صَرَفُوْهَا عَنْ حَقِیْقَةِ اِدْرَاكِهَا" یعنی لوگوں کی نظروں کو اس سحر کی حقیقت کے ادراک سے پھیر دیا) وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ، اور لوگوں کو (اپنے جادو سے) ڈرایا۔ (یعنی لوگوں کو ڈرا دیا اس طرح کہ لوگوں نے ان رسیوں کو خیال کر لیا کہ سانپ دوڑ رہے ہیں) وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۱۶﴾ اور انہوں نے بڑا بھاری جادو دکھلایا۔ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی، ہم نے موسیٰ کو (وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ آپ اپنا عصا ڈال دیجئے۔ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ، سو وہ یکایک (اژدہا بن کر) نگلنے لگا اس شعبدہ کو جو جادوگروں نے جھوٹ ڈھونگ رچا رکھا تھا (پلٹنے لگے جادوگروں کی ملمع سازیوں کو،

تَلَقَّفُ اصل میں تتلقف تھا معنی میں تَبتَلِعُ کے اصل سے ایک تا کو حذف کر دیا گیا) فَوَقَعَ الْحَقُّ ، پس حق ظاہر ہو گیا (حق کا حق ہونا ثابت ہو گیا) اور باطل ہو گیا وہ عمل (یعنی سحر) جو جادوگر سب کر رہے تھے۔ فَغُلِبُوْا اَیْ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُہٗ (الآیۃ) پس وہ لوگ (یعنی فرعون اور اس کے متبعین) اس موقع پر ہار گئے اور ذلیل ہو کر رہے۔ وَ اُلْقِیَ السَّحَرَۃُ سٰجِدِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ اور سارے جادوگر سجدے میں ڈال دیئے گئے اور کہنے لگے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے جو رب ہے موسیٰ وہارون کا (کیونکہ انہیں یقینی علم ہو چکا تھا جو لاٹھی کی کرامت انہوں نے دیکھی تھی کہ یہ سحر سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ فِرْعَوْنُ ءَ اٰمَنْتُمْ ، اٰمَنْتُمْ دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر" قَالَ فِرْعَوْنُ ، اٰمَنْتُمْ بِہٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ "فرعون نے کہا تم اس (موسیٰ علیہ السلام) پر ایمان نہ لے آئے اس سے پہلے کہ اجازت دوں (میں) تم کو" اِنَّ ھٰذَا "بلاشبہ یہ (کام جو تم لوگوں نے کیا ہے) مکر ہے (سازش ہے جس کو تم نے اس شہر میں کر لیا ہے تاکہ تم سب) مل کر اس شہر سے اس شہر کے باشندوں کو نکال دو۔ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ ، اب عنقریب تم (اپنی سازش کا نتیجہ) جان لوگے (جو میری جانب سے تم کو سزا ملے گی) لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَکُمْ (الآیۃ) میں ضرور تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا (یعنی ہر ایک کا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹوں گا) پھر تم سب کو سولی پر ضرور لٹکا دوں گا۔ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا (الآیۃ) جادوگروں نے جواب دیا تحقیق ہم تو اپنے پروردگار ہی کے پاس (مرنے کے بعد خواہ موت کسی طرح بھی ہو (جانے والے ہیں) آخرت میں لوٹنے والے ہیں۔ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اور (اے فرعون) تو نہیں بیر کرتا ہے (انکار کرتا ہے) ہم سے مگر اس وجہ سے کہ ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں پر ایمان لے آئے جب کہ اس کی نشانیاں ہمارے پاس آگئیں ہمارا پروردگار ہم پر صبر ڈال دے (بوقت کرنے اس فعل کے جس کی فرعون نے ہم کو دھمکی دی ہے تاکہ کفر کی طرف نہ لوٹیں اور ہماری جان اسلام ہی پر نکالئے (یعنی مرتے دم تک اسلام پر قائم رہیں)۔

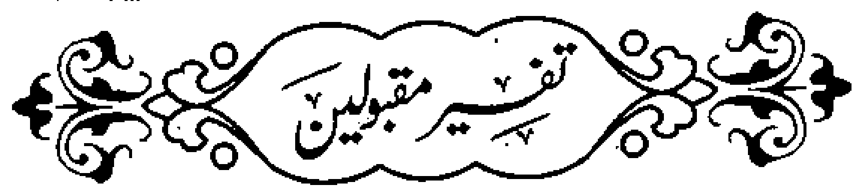


قوله: عَلٰی سَبِیْلِ التَّشَاوُرِ : یہ فرعون نے اپنے سرداروں سے مشورہ کرتے ہوئے کہا کہ جب انہوں نے کہا: ان ھذا الساحر علیم۔

قوله: اَمْرٌ لِلْاِذْنِ: یہ اجازت کے لیے امر ہے نہ کہ ادب کے لیے۔ کافر ادب کے قابل نہیں۔

قوله: صَرَّفُوْھَا: یعنی انہوں نے یہ سوانگ حیلوں سے ظاہر کیا مگر حقیقت اس کے خلاف تھی۔





قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾

قوم فرعون کے سردار موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر اپنی قوم کو خطاب کر کے کہنے لگے کہ یہ تو بڑا جادوگر ہے وجہ یہ تھی کہ ان بیچاروں کو خدائے تعالیٰ اور اس کی قدرت کاملہ کی کیا خبر تھی جنہوں نے ساری عمر فرعون کو اپنا خدا اور جادوگروں کو اپنا رہبر سمجھا اور جادوگروں کے شعبدوں ہی کو دیکھا تھا، وہ اس حیرت انگیز واقعہ کو دیکھ کر اس کے سوا کہہ ہی کیا سکتے تھے کہ یہ بھی کوئی بڑا جادو ہے لیکن ان لوگوں نے بھی یہاں ساحر کے ساتھ علیم کا لفظ بڑھا کر یہ ظاہر کر دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے متعلق یہ احساس ان کو بھی ہو گیا تھا کہ یہ کام عام جادوگروں کے کام سے ممتاز اور مختلف ہے اسی لئے اتنا اقرار کیا کہ یہ بڑے ماہر جادوگر ہیں۔

معجزہ اور جادو میں فرق:

اللہ تعالیٰ ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کو اسی انداز سے ظاہر فرماتے ہیں کہ اگر دیکھنے والے ذرا بھی غور کریں اور ہٹ دھرمی اختیار نہ کریں تو معجزہ اور سحر کا فرق خود بخود سمجھ لیں۔ سحر کرنے والے عموماً ناپاکی اور گندگی میں رہتے ہیں اور جتنی زیادہ گندگی اور ناپاکی میں ہوں اتنا ہی ان کا جادو زیادہ کامیاب ہوتا ہے، بخلاف انبیاء علیہم السلام کے کہ طہارت و نظافت ان کی طبیعت ثانیہ ہوتی ہے، اور یہ بھی کھلا ہوا فرق من جانب اللہ ہے کہ نبوت کا دعویٰ کرنے کے ساتھ کسی کا جادو چلتا بھی نہیں۔

اور اہل بصیرت تو اصل حقیقت کو جانتے ہیں کہ جادو سے جو چیزیں ظاہر کی جاتی ہیں وہ سب دائرہ اسباب طبعیہ کے اندر ہوتی ہیں، فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ اسباب عام لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتے، بلکہ مخفی اسباب ہوتے ہیں، اس لئے وہ یہ سمجھتے رہتے ہیں کہ یہ کام بغیر کسی ظاہری سبب کے ہو گیا، بخلاف معجزہ کے کہ اس میں اسباب طبعیہ کا مطلق کوئی دخل نہیں ہوتا، وہ براہ راست قدرت حق کا فعل ہوتا ہے، اسی لئے قرآن کریم میں اس کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔

اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ اور سحر کی حقیقتیں بالکل مختلف اور متباین ہیں، حقیقت شناس کے لئے تو کوئی التباس کی وجہ ہی نہیں عوام کو التباس ہو سکتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس التباس کو دور کرنے کے لئے بھی ایسے امتیازات رکھ دیئے ہیں کہ جس کی وجہ سے لوگ دھوکہ سے بچ جائیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ قوم فرعون نے بھی موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو اپنے جادوگروں کے افعال سے کچھ ممتاز و مختلف پایا، اس لئے اس پر مجبور ہوئے کہ یہ کہیں کہ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے کہ عام جادوگر اس جیسے کاموں کا مظاہرہ نہیں کر سکتے

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ ....

یعنی عجیب و غریب ساحرانہ کرشمے دکھلا کر مخلوق کو اپنی طرف مائل کرنے اور انجام کار ملک میں اثر و اقتدار پیدا کر کے اور بنی اسرائیل کی حمایت و آزادی کا نام لے کر قبطیوں کو جو یہاں کے اصل باشندے ہیں، ان کے ملک و وطن (مصر) سے

بے دخل کردے۔ ان حالات کو پیش نظر رکھ کر مشورہ دو کہ کیا ہونا چاہیے۔
قَالُوٓا اَرۡجِهۡ وَ اَخَاهُ....

موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو فرعون کا جادوگر بتانا اور مقابلہ کیلئے جادوگروں کو بلانا، اور جادوگروں کا ہار مان کر اسلام قبول کرلینا:

جب فرعون اور اس کی جماعت نے ید بیضاء دیکھا اور لاٹھی کو دیکھا کہ وہ اژدھا بن گئی تو انہوں نے ان دونوں معجزوں کو جادو پر محمول کیا، سورۃ الذاریات میں فرمایا ہے (كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا قَالُوۡا سَاحِرٌ اَوۡ مَجۡنُوۡنٌ) (اسی طرح سے ان سے (یعنی امت محمدیہ) پہلے جو بھی کوئی رسول آیا لوگوں نے کہا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے مخالفین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ان کے معجزات کو دیکھ کر ایمان لانے کی بجائے یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ یہ شخص جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ فرعون اور اس کے ساتھیوں نے سمجھا کہ ابھی تو شاہی دربار میں یہ دونوں باتیں سامنے آئی ہیں کہ یکایک ان کا ایک ہاتھ بہت زیادہ روشن اور چمکدار ہو گیا اور ان کی لاٹھی اژدھا بن گئی اگر انہوں نے اسی طرح کا کوئی مظاہرہ عوام کے سامنے کر دیا تو لوگ انہیں کے معتقد ہو جائیں گے اور ہماری ساری حکومت جاتی رہے گی اور اس سرزمین میں انہی دونوں بھائیوں (موسیٰ اور ہارون) کا راج ہو جائے گا۔ (فرعون کا دعویٰ تو خدائی کا بھی تھا۔ لیکن دنیاوی حکومت کے ہی باقی رہنے کے لالے پڑ گئے خدائی تو بہت دور کی چیز ہے) لہٰذا اس سے پہلے کہ عوام پر ان کا کوئی اثر ہو ان کا علاج کر دینا چاہیے۔ لہٰذا آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کیا کیا جائے۔ فرعون کے درباریوں نے کہا کہ جادو کا کاٹ جادو ہوگا۔ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے۔ اپنی حدود مملکت سے تمام ماہر جادوگروں کو جمع کر کے مقابلہ کرا دیا جائے۔ جب لوگوں نے یہ رائے دی تو یہ بات فرعون کی سمجھ میں آ گئی کہ ہاں یہ بڑا ماہر جادوگر ہے، جیسا کہ سورۂ شعراء میں ہے۔ (قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيۡمٌ) درباریوں نے کہا کہ ابھی اس شخص کو اور اس کے بھائی کو مہلت دیدی جائے اور جادوگروں کے فراہم کرنے کا انتظام کیا جائے۔ چونکہ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے ساتھ حضرت ہارون عَلَیْہِ السَّلَام بھی وہاں موجود تھے اور ان کو بھی نبوت دی گئی تھی اور فرعون کی طرف وہ بھی مبعوث تھے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ہے: (اِذۡهَبَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى) اس لیے مشورہ میں ان کا نام بھی شامل کر لیا گیا (کہ موسیٰ اور ان کے بھائی کو مہلت دو) چنانچہ اوّل تو مقابلہ کا وقت مقرر کیا گیا جس کا ذکر سورۂ طٰہٰ میں ہے۔ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام سے ان لوگوں نے کہا: (فَاجۡعَلۡ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكَ مَوۡعِدًا لَّا نُخۡلِفُهٗ نَحۡنُ وَلَاۤ اَنۡتَ مَكَانًا سُوًى) (کہ ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کر لو جس کی خلاف ورزی نہ ہم کریں گے نہ تم کرنا، کوئی ہموار میدان مقرر کر لو) (قَالَ مَوۡعِدُكُمۡ يَوۡمُ الزِّيۡنَةِ وَاَنۡ يُّحۡشَرَ النَّاسُ ضُحًى) (موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا تمہارے لیے میلہ کا دن مقرر ہے اور یہ بات بھی کہ چاشت کے وقت لوگ جمع کیے جائیں) مقابلہ کے لیے دن اور وقت مقرر ہو گیا اور فرعون کے درباریوں نے فرعون سے کہا کہ اپنے اہلکاروں کو شہروں میں بھیج دے جو بڑے بڑے جادوگروں کو لے کر آئیں۔ سورۂ شعراء میں ہے۔ (فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيۡقَاتِ يَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ وَّقِيۡلَ لِلنَّاسِ هَلۡ اَنۡتُمۡ مُّجۡتَمِعُوۡنَ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنۡ كَانُوۡا هُمُ الۡغٰلِبِيۡنَ) (سو جمع کیے گئے جادوگر مقررہ دن میں جو معلوم تھا اور لوگوں سے کہا گیا کہ تم جمع ہو گے تا کہ ہم جادوگروں کا اتباع

کریں اگر وہ غالب ہو جائیں) چنانچہ شہروں میں اہل کار بھیجے گئے اور فرعون کی قلم رو سے جادو گر جمع کیے گئے اہل دنیا، دنیا ہی کے لیے سوچا کرتے ہیں ان کو اپنی حکومت کی فکر پڑ گئی اور حضرت موسیٰ اور ہارون (علیہ السلام) کی دعوت توحید اور ان کی محنت کو حکومت چھیننے اور خود اپنی حکومت قائم کرنے پر محمول کیا۔ کمافی سورۃ یونس (وَ تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ) جادو گروں نے بھی (جو اس وقت دنیا کے طالب تھے) اپنی دنیا بنانے کی بات سوچی اور فرعون سے کہا کہ ہم غالب ہو گئے تو کیا ہمیں کوئی انعام دیا جائے گا اور کیا ہمارے عمل پر کوئی صلہ ملے گا؟ فرعون نے کہا ہاں ضرور ملے گا اور صرف انعام ہی نہیں ملے گا بلکہ تم میرے مقربین میں ہو جاؤ گے!

مقابلہ کے لیے جادوگر میدان میں آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں یا پہلے آپ ڈالیں گے۔ کمافی سورۃ طٰہٰ (قَالُوْا يٰمُوْسٰى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اَلْقُوْا (پہلے تم ہی ڈالو) چنانچہ ان لوگوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں اور فرعون کی عزت کی قسم کھا کر کہنے لگے کہ ہم ضرور غالب ہوں گے (کمافی سورۃ الشعراء) ان کی لاٹھیاں اور رسیاں لوگوں کی نظروں کے سامنے سانپ بن کر دوڑنے لگیں، یہ رسیاں کثیر تعداد میں تھیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ تم اپنی لاٹھی ڈالو انہوں نے لاٹھی ڈالی تو اژدھا بن گئی۔ ان لوگوں نے نظر بندی کی تھی جس کی وجہ سے ان کی لاٹھیاں اور رسیاں سانپ معلوم ہو رہی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ اژدھا ان سب کو نگلنے لگا اور ساحروں نے جو کھیل بنایا تھا جس کے ذریعہ لوگوں کو خوف زدہ کر دیا تھا وہ سب کھیل بنا بنایا ختم ہو گیا۔ اسی کو فرمایا: (فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ) (سو حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ لوگ کر رہے تھے، سب باطل ہو گیا) (فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَ انْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ) (سو وہ لوگ وہاں پر مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو گئے)۔

اب آگے یہ ہوا کہ جادوگروں نے یہ سمجھ لیا کہ ہم نے جس سے مقابلہ کیا یہ جادوگر نہیں ہے، یہ واقعی اللہ کا رسول ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد ہے۔ جب حق واضح ہو گیا تو ان سے نہ رہا گیا اور فوراً سجدہ میں گر گئے اور یہ اعلان کر دیا کہ ہم ربّ العالمین پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا ربّ ہے۔ چونکہ ایمانیات کا تفصیلی علم نہ تھا اس لیے انہوں نے اجمالی ایمان کا اعلان کر دیا۔ قرآن مجید میں لفظ سجدوا یا خروا سجدا کے بجائے (وَ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ) فرمایا جس میں یہ بتا دیا کہ ان کے دل میں حق نے اس قدر گھر کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ وہ تو حضرت موسیٰ کا مقابلہ کر کے فرعون سے انعام لینے کے متمنی تھے اور ہوا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غلامی کے گن گانے لگے۔ (قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ) (فرعون نے کہا تم میری اجازت سے پہلے ایمان لے آئے) بادشاہوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ عوام کے قلوب پر بھی حکومت کرنا چاہتے ہیں اور پختہ وفاداری اسی کو سمجھتے ہیں کہ عوام اسی دین پر رہیں جو شاہان مملکت ان کے لیے تجویز کریں۔ اسی بنیاد پر فرعون نے یہ کہا کہ میری اجازت کے بغیر تم کیسے مسلمان ہو گئے۔

جب فرعون نے دیکھا کہ عوام کو اپنی خدائی اور حکومت کا وفادار رکھنے اور موسیٰ سے دور رکھنے کے لیے جو جادوگروں سے

مقابلہ کا مظاہرہ کرایا تھا اس کا نتیجہ برعکس نکلا۔ اور جادوگر ہی موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو اب تو لینے کے دینے پڑ گئے اور عوام کو اپنی طرف کرنے کے لیے اس نے جادوگروں کو خطاب کیا کہ تم میری اجازت سے پہلے اس شخص پر ایمان لے آئے (اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ) (بلاشبہ یہ ایک مکر ہے جو تم سب نے مل کر اس شہر میں کیا ہے) اور میری سمجھ میں آ گیا کہ یہی شخص ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا۔ استاد اور شاگردوں کی ملی بھگت ہے (لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا) (تا کہ تم اس شہر سے اس کے رہنے والوں کو نکال دو) (فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ) (سو تم سب عنقریب جان لو گے) پھر ان کی سزا کا اعلان کرتے ہوئے فرعون نے کہا: (لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ) (میں ضرور ضرور تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ ڈالوں گا پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا) ظالموں کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جب دلیل سے عاجز ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ماروں گا اور قتل کر ڈالوں گا۔ (قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ) (جادوگروں نے جواب دیا کہ بلاشبہ ہمیں اپنے ربّ کی طرف لوٹ کر جانا ہے) مطلب یہ تھا کہ ہمیں تیری دھمکی کی کوئی پرواہ نہیں۔ قتل کر یا کچھ کر اب تو ہم اپنے ربّ کے ہو گئے اگر تو قتل کر دے گا تو ہمارا کچھ نقصان نہ ہو گا۔ ہمارا ربّ ہمیں ایمان لانے پر جو انعامات عطا فرمائے گا ان کے مقابلہ میں یہ دنیا کی ذرا سی زندگی اور تیری رضامندی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جب دلوں میں ایمان جگہ کر لیتا ہے تو دنیا کی ہر مصیبت، ہیچ ہو جاتی ہے اور ظالموں سے مقابلہ کرنا اور دلیری کے ساتھ جواب دینا آسان ہو جاتا ہے۔ سورۃ طٰہٰ میں جادوگروں کا ایک اور جواب بھی ذکر فرمایا ہے۔ (قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى) (وہ کہنے لگے کہ ہم ان دلائل کے مقابلہ میں جو ہمارے پاس پہنچ گئے اور اس ذات کے مقابلہ میں جس نے ہمیں پیدا فرمایا تجھے ہرگز ترجیح نہیں دیں گے سو تو فیصلہ کر دے جو بھی تجھے فیصلہ کرنا ہے۔ تو اسی دنیا والی زندگی ہی میں فیصلہ کرے گا، بلاشبہ ہم اپنے ربّ پر ایمان لائے تا کہ وہ ہماری خطائیں معاف فرما دے اور جو کچھ تو نے جادو کروانے کے بارے میں ہم پر زبردستی کی وہ بھی ہمیں معاف فرما دے اور اللہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے)۔

جادوگروں نے فرعون سے مزید کہا: (وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا) کہ یہ جو تو ہم سے ناراض ہو رہا ہے اور ہم سے انتقام لینے کا اعلان کر رہا ہے اس کا سبب کچھ نہیں ہے نہ ہم نے چوری کی نہ ڈاکہ ڈالا نہ کسی کو قتل کیا بس یہی بات تو ہے کہ جب ہمارے پاس ہمارے ربّ کی دلیلیں آ گئیں تو ہم ایمان لے آئے۔ یہ بات نہ کوئی عیب کی ہے نہ جرم کی ہے۔ نہ اس پر ہم سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔ اس کے بعد فرعون کی طرف سے اعراض کر کے اپنے ربّ کی طرف متوجہ ہوئے اور دعا میں عرض کیا (رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ) (کہ اے ہمارے ربّ ہم پر صبر ڈال دے) اگر یہ واقعی اپنے قول کے مطابق عمل کرنے لگے تو ہمیں صبر عطا فرما دیجیے اور اتنا زیادہ صبر دیجیے جیسا کہ کوئی چیز انڈیل دی جاتی ہے اور ہمیں اس حال میں وفات دیجیے کہ ہم مسلمان ہوں۔ خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ فرعون کی طرف سے قتل کے فیصلہ پر عمل ہونے لگے تو ہم اپنے ایمان والے فیصلہ میں ڈھیلے پڑ جائیں (و العیاذ باللہ من ذالک)۔

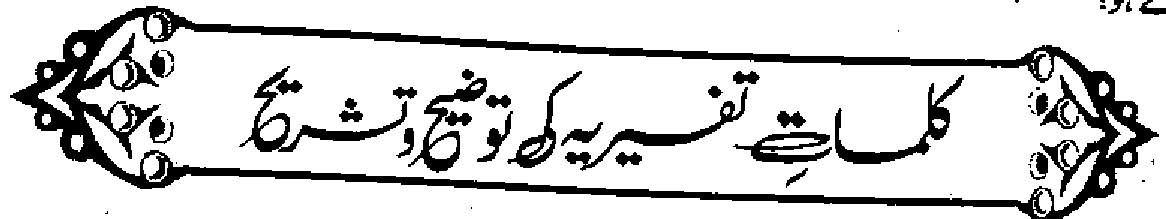
صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ فرعون نے جو قتل وغیرہ کی دھمکی دی تھی یہ اس نے کر دیا اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ اس پر قادر نہیں ہو سکا۔ تفسیر درمنثور (ص ۱۰۷ ج ۳) میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ: ذکر لنا انھم اول النھار سحرۃ و آخرہ شھداء (کہ جادوگر دن کے اوّل حصہ میں جادوگر تھے اور آخر حصہ میں شہید تھے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے ان کو شہید کر دیا تھا۔

وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ لَهٗ اَتَذَرُ تترك مُوْسٰى وَ قَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بالدُّعاءِ الى مُخالفتك وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۭ وكانَ صنعَ لهم اصنامًا صِغارًا يَعبُدُونها وقال انا ربُّكم وربُّها ولذا قال انا رَبُّكُم الاَعلٰى قَالَ سَنُقَتِّلُ بالتَّشديدِ و التَّخفيفِ اَبْنَآءَهُمْ المولودِين وَ نَسْتَحْيٖ نَستبقِي نِسَآءَهُمْ ۚ كَفِعلِنا بِهم مِن قَبلُ وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قادِرونَ ففعلوا بِهم ذٰلك فشَكا بنو اسرائيلَ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا ۚ على اذاهم اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۟ يُوْرِثُهَا يُعطيها مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ المحمودةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ الله قَالُوْا اى قومُ موسى اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ يَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ۧ فيها

ع ۱۵ / ۵

ترجمہ: اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا (فرعون سے) کیا آپ موسیٰ (علیہ السلام) کو اور ان کی قوم (بنی اسرائیل) کو اسی حالت میں چھوڑ دیں گے (آزاد رہنے دیں گے) کہ وہ ملک میں فسادات پھیلاتے پھریں، (آپ کی مخالفت پر لوگوں کو دعوت دے کر اور وہ (موسیٰ علیہ السلام) آپ کو اور آپ کے (مقررہ معبودوں کو چھوڑ دے) فرعون نے قوم کے لیے چھوٹے چھوٹے بت بنا رکھے تھے جن کی لوگ پوجا کرتے تھے اور کہتا تھا میں تمہارا بھی ربّ ہوں اور ان سب بتوں کا بھی ربّ ہوں اور اسی وجہ سے فرعون اپنے آپ کو ربّ اعلیٰ کہتا تھا۔ قَالَ سَنُقَتِّلُ ... تاء کی تشدید کے ساتھ اور تا کی تخفیف کے ساتھ یعنی فرعون نے کہا عنقریب ہم قتل کریں گے ان کے بیٹوں کو (جو پیدا ہوں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے (باقی رہنے دیں گے جیسا کہ ہم اس سے پہلے بھی ان کے ساتھ کر چکے ہیں "وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾" اور تحقیق ہم ان (بنی اسرائیل) پر غالب ہیں (یعنی ہم کو اس قدرت حاصل ہے۔ فَفَعَلُوْا بِهِمْ ذٰلِكَ چنانچہ ان فرعونیوں نے بنی اسرائیل کے ساتھ یہ کرنا شروع کر دیا اس پر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کی)۔ کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے تم مدد طلب کرو اللہ سے اور صبر کرو بیشک زمین تو اللہ کی ہے وہ وارث بناتا ہے اس کا جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور اچھا انجام تو متقی لوگوں کے لیے ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم کو آپ کے آنے سے پہلے تکلیفیں دی جاتی رہی ہیں اور آپ کے آنے کے بعد بھی، انہوں نے

جواب میں کہا کہ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کردے اور تمہیں زمین میں خلیفہ بنادے، پھر وہ دیکھے گا کیسے عمل کرتے ہو؟



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

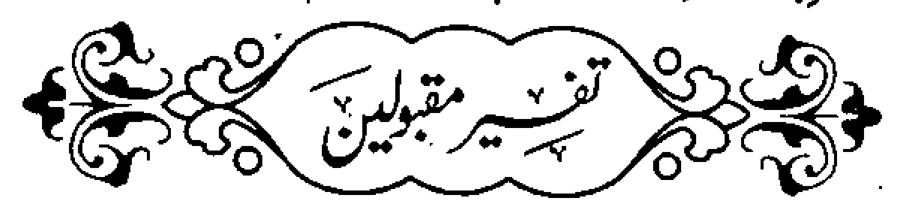
قوله: يَذَرَكَ: اشارہ کیا کہ اس کا عطف لِيُفْسِدُوْا پر ہے۔

قوله: وَ رَبُّهَا: الهة کی اضافت، اس کی طرف اس لیے ہے کہ اس نے بہت اپنے بت بنوا کر ان کو پوجا کے لیے مہیا کر رکھے تھے۔

قوله: قَادِرُوْنَ: اس تفسیر سے اشارہ کیا کہ اس کا معنی ماتحتی میں مغلوب ہونا ہے۔

قوله: يُعْطِيْهَا: ارث یہاں دینے کے معنی میں ہے۔

قوله: اَلْمَحْمُوْدَةُ: اَلْعَاقِبَةُ سے مراد اچھی عاقبت ہے ورنہ مطلق انجام تو متقین کے ساتھ خاص نہیں۔



تفسیر مقبولین

وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ ....

فرعون پر حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی ہیبت کا اثر:

فرعون کی چالاکی اور سیاسی جھوٹ نے اس کی جاہل قوم کو اس کے ساتھ قدیم گمراہی میں مبتلا رہنے کا کچھ سامان تو کر دیا، مگر یہ اعجوبہ ان کے لئے بھی ناقابل فہم تھا کہ فرعون کے غصہ کا سارا زور جادوگروں پر ختم ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام جو اصل مخالف تھے ان کے بارے میں فرعون کی زبان سے کچھ نہ نکلا، اس پر ان کو کہنا پڑا۔ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَ قَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ یعنی کیا آپ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو یوں ہی چھوڑ دیں گے کہ وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ کر ہمارے ملک میں فساد کرتے پھریں۔ اس پر مجبور ہو کر فرعون نے کہا: سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَ نَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝ یعنی ان کا معاملہ ہمارے لئے کچھ قابل فکر نہیں، ہم ان کے لئے یہ کام کریں گے کہ ان میں جو لڑکا پیدا ہوگا اس کو قتل کر دیں گے صرف لڑکیوں کو رہنے دیں گے، جس کا نتیجہ کچھ عرصہ میں یہ ہو جائے گا کہ ان کی قوم مردوں سے خالی ہو کر صرف عورتیں رہ جائیں گی جو ہماری خدمت گار باندیاں بنیں گی۔ اور ہم تو ان سب پر پوری قدرت رکھتے ہیں جو چاہیں کریں یہ ہمارا کچھ نہیں بنا سکتے۔

علماء مفسرین نے فرمایا کہ قوم کے اس طرح جھنجوڑنے پر بھی فرعون نے یہ تو کہا کہ ہم بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کر دیں

گے، لیکن حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے بارے میں اس وقت بھی اس کی زبان پر کوئی بات نہ آئی۔ وجہ یہ ہے کہ اس معجزہ اور واقعہ نے فرعون کے قلب ودماغ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سخت ہیبت بٹھلادی تھی۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ فرعون کا یہ حال ہوگیا تھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتا تو پیشاب خطا ہوجاتا تھا، اور یہ بالکل صحیح ہے، ہیبت حق کا یہی حال ہوتا ہے۔

اس جگہ قوم فرعون نے جو یہ کہا کہ موسیٰ علیہ السلام آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ کر فساد کرتے پھریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرعون اگرچہ اپنی قوم کے سامنے خود خدائی کا دعویدار تھا اور اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کہتا تھا، لیکن خود بتوں کی پوجا پاٹ بھی کیا کرتا تھا۔

اور بنی اسرائیل کو کمزور کرنے کے لئے یہ ظالمانہ قانون کہ جولڑکا پیدا ہو اسے قتل کر دیا جائے یہ اب دوسری مرتبہ نافذ کیا گیا، اس کا پہلا نمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہو چکا تھا، جس کے ناکام ہونے کا مشاہدہ یہ اس وقت تک کر رہا تھا، مگر جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو رسوا کرنا چاہتے ہیں اس کی تدبیریں ایسی ہی ہو جایا کرتی ہیں جو انجام کار ان کے لئے تباہی کا سامان کر دیتی ہیں، چنانچہ آگے معلوم ہوگا کہ فرعون کا یہ ظلم وجور آخر کار اس کو اور اس کی قوم کو لے ڈوبا۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ ....

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو نصیحت فرمانا اور صبر و دُعاء کی تلقین کرنا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم یعنی بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر جا کر بس گئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد مصریوں نے بنی اسرائیل کے ساتھ اپنے اور پرائے کا معاملہ شروع کر دیا، بنی اسرائیل غیر ملکی تھے ان کو فرعون کی قوم نے خوب دبا کر رکھا، ان کو خوب ستاتے تھے بیگاریں لیتے تھے اور طرح طرح کے ظلم وستم ڈھاتے تھے۔ ان کے مجبور ومقہور ہونے کا یہ عالم تھے کہ مصری لوگ ان کے بچوں کو قتل کر دیتے تھے اور یہ اف نہیں کر سکتے تھے۔ جب حضرت موسیٰ اور ہارون (علیہ السلام) مبعوث ہوئے تو قوم فرعون کی دشمنی اور زیادہ بڑھ گئی خصوصاً جب فرعون کے بلائے ہوئے جادوگروں سے مقابلہ ہوا اور جادوگر مسلمان ہو گئے تو فرعونیوں کی طرف سے ظلم وستم کا مظاہرہ اور بڑھ چڑھ کر ہونے لگا۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم تو مصیبت ہی مصیبت میں ہیں آپ کی تشریف آوری سے پہلے بھی دکھ ہی دکھ میں مبتلا تھے اور آپ اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی تکلیف ہی تکلیف ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ صبر کرو اور اللہ سے مدد مانگو صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے مظالم سے کوئی چھٹکارا دینے والا نہیں صبر کے ساتھ دُعائیں بھی کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے مدد بھی مانگتے رہو۔ یہ نہ سوچو کہ فرعون کی اتنی بڑی حکومت ہے اور اس کا مضبوط تسلط ہے ہم اس کے چنگل سے کہاں چھوٹ سکتے ہیں، بظاہر تم تو عاجز ہو لیکن اللہ تعالیٰ کو سب کچھ قدرت ہے۔ وہ زمین کا مالک ہے۔ اسے اختیار وقدرت ہے وہ جس سے چاہے اپنی زمین کو چھین لے اور جسے چاہے اس پر تسلط عطا فرما دے۔ دنیا میں حق وباطل کی جنگ رہتی ہے اور جو لوگ اللہ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں اچھا انجام انہیں کا ہوتا ہے۔ تم اللہ سے ڈرتے رہو تقویٰ اختیار کرو تا کہ حسن عاقبت کے انعام سے نوازے جاؤ۔ تم اپنے ربّ سے دُعا مانگتے رہو۔ اسی سے لو لگاؤ، عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک فرما

دے گا اور تمہیں زمین کی خلافت عطا فرمادے گا۔لیکن خلافت ملنے کے بعد تم دوسرے امتحان میں پڑ جاؤ گے۔اب تو صبر کا امتحان ہے۔اس وقت شکر کا امتحان ہوگا۔اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ زمین پر تسلط ہو جانے کے بعد تم کیا طریقہ اختیار کرتے ہو اور کیسے اعمال میں لگتے ہو۔اس خلافت ارضی کو شکر کا ذریعہ بناتے ہو یا گناہوں میں پڑ کر ناشکری میں مبتلا ہوتے ہو۔طاعت اور فرمانبرداری کی ترغیب دینے کے لیے اور گناہوں سے بچنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو پیشگی آگاہ فرمادیا کہ دیکھو تمہیں ابھی اقتدار نہیں ملا جب اقتدار ملے گا تو زمین میں فساد نہ کرنا اور اللہ کے نیک بندے بن کر رہنا۔(انوار البیان)

وَ لَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ بِالْقَحْطِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ یَتَّعِظُوْنَ
فَیُؤْمِنُوْنَ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ الْخِصْبُ وَالْغِنٰی قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ اَیْ نَسْتَحِقُّهَا وَلَمْ یَشْكُرُوْا عَلَیْهَا
وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ جَدْبٌ وَبَلَاءٌ یَّطَّیَّرُوْا یَتَشَاءَمُوْا بِمُوْسٰی وَ مَنْ مَّعَهٗ ؕ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَلَاۤ اِنَّمَا
طٰٓئِرُهُمْ شُؤْمُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ یَاْتِیْهِمْ بِهٖ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ اَنَّ مَا یُصِیْبُهُمْ مِنْ عِنْدِهٖ وَ قَالُوْا
لِمُوْسٰی مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰیَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَدَعَا عَلَیْهِمْ فَاَرْسَلْنَا
عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَهُوَ مَاءٌ دَخَلَ بُیُوْتَهُمْ وَوَصَلَ اِلٰی حُلُوْقِ الْجَالِسِیْنَ سَبْعَةَ اَیَّامٍ وَ الْجَرَادَ فَاَكَلَ زَرْعَهُمْ
وَ ثِمَارَهُمْ كَذٰلِكَ وَ الْقُمَّلَ السُّوْسَ اَوْ نَوْعٌ مِنَ الْقُرَادِ فَتَتَبَّعَ مَا تَرَكَهُ الْجَرَادُ وَ الضَّفَادِعَ فَمَلَأَتْ
بُیُوْتَهُمْ وَطَعَامَهُمْ وَ الدَّمَ فِیْ مِیَاهِهِمْ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ مُبَیَّنَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا عَنِ الْاِیْمَانِ بِهَا وَ كَانُوْا
قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَ لَمَّا وَقَعَ عَلَیْهِمُ الرِّجْزُ الْعَذَابُ قَالُوْا یٰمُوْسَی ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ
عِنْدَكَ ۚ مِنْ كَشْفِ الْعَذَابِ عَنَّا اِنْ اٰمَنَّا لَئِنْ لَامُ قَسَمٍ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَ لَنُرْسِلَنَّ
مَعَكَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا بِدُعَاءِ مُوْسٰی عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰۤی اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ
یَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ وَیُصِرُّوْنَ عَلٰی كُفْرِهِمْ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ الْبَحْرِ
الْمِلْحِ بِاَنَّهُمْ بِسَبَبِ اَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ لَا یَتَدَبَّرُوْنَهَا وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ
الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ بِالْاِسْتِعْبَادِ وَهُوَ بَنُوْا اِسْرَاءِیْلَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ
بِالْمَاءِ وَالشَّجَرِ صِفَةٌ لِلْاَرْضِ وَهِیَ الشَّامُ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی وَهِیَ قَوْلُهٗ وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلٰی

الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا... عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ عَلٰى اَذٰى عَدُوِّهِمْ وَ دَمَّرْنَا اَهْلَكْنَا مَا كَانَ
يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ مِنَ الْعِمَارَةِ وَ مَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿١٣٧﴾ بِكَسْرِ الرَّاءِ وَضَمِّهَا يَرْفَعُوْنَ مِنَ الْبُنْيَانِ وَ
جٰوَزْنَا عَبَرْنَا بِبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا فَمَرُّوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ بِضَمِّ الْكَافِ وَكَسْرِهَا عَلٰۤى
اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ يُقِيْمُوْنَ عَلٰى عِبَادَتِهَا قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا صَنَمًا نَعْبُدُهٗ كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ
قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿١٣٨﴾ حَيْثُ قَابَلْتُمْ نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ بِمَا قُلْتُمُوْهُ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ هَالِكٌ مَّا
هُمْ فِيْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٩﴾ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا مَعْبُوْدًا وَاَصْلُهٗ اَبْغِيْ لَكُمْ وَّ هُوَ
فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٤٠﴾ فِيْ زَمَانِكُمْ بِمَا ذَكَرَهٗ فِيْ قَوْلِهٖ وَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ اَنْجَاكُمْ مِّنْ
اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ يُكَلِّفُوْنَكُمْ وَيُذِيْقُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ اَشَدَّهٗ وَهُوَ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ
يَسْتَحْيُوْنَ يَسْتَبْقُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ الْاِنْجَاءِ اَوِ الْعَذَابِ بَلَآءٌ اِنْعَامٌ اَوِ ابْتِلَاءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
عَظِيْمٌ ﴿١٤١﴾ اَفَلَا تَتَّعِظُوْنَ فَتَنْتَهُوْنَ عَمَّا قُلْتُمْ ع ١٦ ١٢ ٦

ترجمہ: اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے قوم فرعون کو پکڑا (مبتلا کر دیا) خشک سالی (قحط سالی) میں اور پھلوں (کی پیداوار) کی کمی میں تاکہ وہ سمجھ جائیں (نصیحت حاصل کریں اور ایمان لے آئیں) فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ (الآیۃ) جب ان کو کوئی بھلائی (فراخی و مالداری) پہنچتی تو کہتے کہ یہ ہمارے ہی لیے ہے (ہم اس کے مستحق ہیں، اور اس نعمت پر شکر گزاری نہیں کی وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ، اور اگر ان کو کوئی برائی پہنچتی (جیسے قحط اور بیماری) تو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں (ایمان والوں) نحوست بتلاتے (بدشگونی، بری فال لیتے) اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ (الآیۃ) سن لو ان کی نحوست اللہ کے علم میں ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ اس بات کو جانتے نہیں (کہ جو کچھ مصیبت ان کو پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے) وَقَالُوْا (الآیۃ)، اور وہ لوگ (موسیٰ علیہ السلام سے) یہ کہتے ہیں کہ اے موسیٰ تو جب کبھی بھی ہمارے پاس کوئی نشانی لے کر آئے گا تاکہ اس سے ہم پر جادو کرے ہم آپ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں (اس پر موسیٰ علیہ السلام نے ان پر بددعاء فرمائی) فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ، پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا (اور وہ پانی کا طوفان تھا جو ان کے گھروں میں داخل ہو گیا اور سات دن رہا اور وہ ان کے بیٹھنے والوں کے حلق تک پہنچا تھا اور ٹڈی (یعنی بھیجی ہم نے ان پر ٹڈیاں جنہوں نے ان کی کھیتیوں اور پھلوں کو کھا لیا۔ وَالْقُمَّلَ: گھن کا کیڑا (گھن کا کیڑا یا ٹڈی کی ایک خاص قسم جو ٹڈیوں سے بچی ہوئی کھیتیوں کو صاف کر دیتی ہے۔ وَالضَّفَادِعَ، اور مینڈک (اور ہم نے مینڈک بھیجے اس کثرت سے کہ ان کے گھروں اور کھانوں کو بھر دیا، وَالدَّمَ،

اورخون (ان کے پانیوں میں اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ یہ سب الگ الگ معجزے تھے واضح نشانیاں تھیں۔ پھر بھی تکبر ہی کرتے رہے (ان آیات پر ایمان لانے سے) اور تھے ہی یہ لوگ جرائم پیشہ اور جب کبھی ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا (اس وقت مجبور ہوکر) یوں کہتے اے موسیٰ ہمارے لیے اپنے رب سے دعاء کردیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کررکھا ہے یعنی عذاب کا دور کردینا ہم لوگوں سے اگر ہم ایمان لے آئیں۔ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا (الآیۃ لَئِنْ، میں، لام قسم کے لیے ہے قسم ہے اگر آپ نے اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیا تو ہم ضرور آپ پر ایمان لے آئیں گے اور ہم بنی اسرائیل کو ضرور آپ کے ساتھ بھیج دیں گے پھر جب ہم (موسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے ایک خاص مدت تک کے لیے جس کو وہ پہنچنے والے تھے عذاب کو ہٹا لیتے تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے (اپنے عہد کو توڑ ڈالتے اور اپنے کفر پر جمے رہے) فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ، پھر ہم نے ان مجرمین سے پورا بدلہ لیا سو ہم نے ان کو دریا میں (یعنی دریائے شور میں) غرق کردیا، بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا (الآیۃ اس وجہ سے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور تھے یہ لوگ ان سے تغافل برتنے والے (کہ ان میں غور وفکر نہیں کرتے تھے)۔ اور ہم نے ان لوگوں کو وارث بنا دیا جو کمزور سمجھے جاتے تھے (بوجہ غلام بنا لینے کے مراد بنی اسرائیل ہیں) اس سرزمین کے مشرق اور مغرب (یعنی تمام حدود) کا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے (پانی اور درختوں کے ذریعہ، یہ ارض کی صفت ہے اور مراد ملک شام ہے) وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی، اور آپ کے رب کا اچھا وعدہ پورا ہوگا (اور وہ وعدہ ہے ارشاد ربانی ''وَ نُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ۙ'' (القصص: ۵) یعنی ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم ان لوگوں پر احسان کریں جن کو اس ملک میں کمزور اور ذلیل سمجھا گیا ہے اور ان ہی کو سردار و حکام بنادیں اور انہی کو زمین کا وارث قرار دیں۔ عَلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ، بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے (دشمنوں کی تکلیف پر) وَ دَمَّرْنَا---- ، اور ہم نے ہلاک (برباد) کردیا اس چیز کو (یعنی اس عمارت کو) جو فرعون اور اس کی قوم بنائی تھی اور ان عمارتوں کو جنہیں یہ بلند کرتے تھے (یَعْرِشُوْنَ ۝ کے راء پر کسرہ کے ساتھ اور ضمہ کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے) وَ جٰوَزْنَا (الآیۃ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار اتار دیا (عبور کرادیا) پھر پہنچے ایک قوم پر (یعنی ایسے لوگوں پر گزرے) جو اپنے بتوں پر جمے بیٹھے تھے (یَّعْكُفُوْنَ کے کاف پر ضمہ اور کسرہ کے ساتھ، یُقِیْمُوْنَ عَلٰی عِبَادَتِهَا یعنی ان بتوں کی پرستش پر جمے بیٹھے تھے، پوجا پاٹ کررہے تھے) قَالُوْا یٰمُوْسَی (الآیۃ بنی اسرائیل کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایک (مجسمہ) معبود یعنی بت بنادیجئے جس کی ہم عبادت کریں جیسے ان کے لیے یہ معبود ہیں، قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝، موسیٰ علیہ السلام نے کہا واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے (کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا مقابلہ ان چیزوں سے کررہے ہو جو بک رہے ہو، اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ (الآیۃ تحقیق یہ لوگ (بت پرست) جس کام میں لگے ہوئے ہیں تباہ (برباد) ہوکر رہے گا اور یہ جو کام کررہے ہیں سرتاپا باطل ہے۔ قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْكُمْ اِلٰهًا، موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارے لیے کسی اور کو تمہارا معبود تجویز کردوں (اَبْغِیْكُمْ کی اصل ابغی لکم

تھی۔ وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ حالانکہ اس نے تم کو تمام جہاں والوں پر فضیلت دی ہے، (تمہارے زمانہ میں جس کا بیان اس ارشاد میں ہے) اور اے بنی اسرائیل وہ وقت یاد کرو) جبکہ ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات دی (ایک قراءت میں اَنْجَاكُمْ ہے) کہ وہ تم کو سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے (یعنی تکلیفیں دیتے اور بری طرح سے سخت عذاب دیتے اور وہ یہ تھا کہ تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور زندہ چھوڑ دیتے (باقی رہنے دیتے) تمہاری عورتوں کو اور اس میں (یعنی نجات دینے یا ان کو عذاب دینے میں) تمہارے پروردگار کی طرف سے (انعام ہے یا ابتلاء وامتحان ہے) بھی آزمائش تھی (کیا پھر بھی تم لوگ نصیحت نہیں قبول کرو گے کہ تم نے جو بات کہی ہے اس سے باز رہو)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: نَسْتَحِقُّهَا: کسی بھی نعمت پر کسی کا استحقاق نہیں وہ تو محض فضل الٰہی ہے جو شکر گزاروں کو بڑھا کر دیا جاتا ہے۔

قوله: يَتَشَاءَ مُوْا: قبطیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے شگون لیا تو آپ نے فرمایا یہ تمہاری بداعمالیوں کی نحوست ہے اس کا شگون سے کیا تعلق۔

قوله: مِنْ عِنْدِهٖ: یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے ان کے اعمال کی نحوست ہے۔

قوله: هُمْ بٰلِغُوْهُ: یعنی وہ لامحالہ زمانے کی انتہاء تک پہنچیں گے پھر یا تو ان کو عذاب دیا جائے گا یا تہس نہس۔

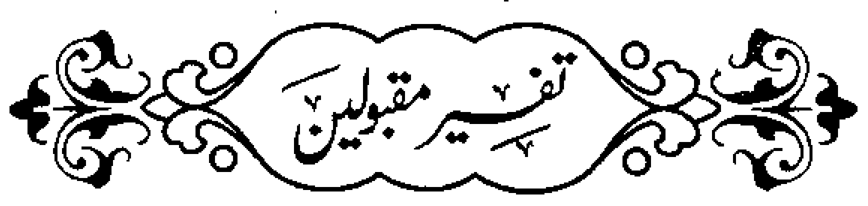
قوله: لَا يَتَدَبَّرُوْنَهَا: کیونکہ وہ اس سے غافل تو نہ تھے مگر عدم تدبر کی وجہ سے غافلوں کی طرح ہو گئے۔

قوله: فِيْ زَمَانِكُمْ: کی قید سے بنی اسرائیل کی اس امت پر فضیلت ثابت نہ ہوئی۔

قوله: يُكَلِّفُوْنَكُمْ: یہ جملہ مستانفہ ہے اس لیے عطف نہیں کیا گیا۔

قوله: وَهُوَ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ عطف نہ کرنے کی وجہ کیا ہے کہ يُقَتِّلُوْنَ، لَهٗ يَسُوْمُوْنَ سے بدل ہے۔ مبدل منہ وبدل کا باہمی عطف درست نہیں۔

قوله: يَسْتَبْقُوْنَ: یہ يَسْتَحْيُوْنَ کی تاویل ہے۔ حقیقی حیات کی طلب ان سے ممکن نہیں۔



وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ ....

جب فرعون اور قوم فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت سے انحراف کیا تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کے لیے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے بتدریج ان پر سات بلائیں اور مصیبتیں نازل کیں سب سے پہلے قحط سالی اور پھلوں کی کمی میں مبتلا کیا۔ پھر پانی کا طوفان

آیا پھر ٹڈیاں مسلط کیں تا کہ ملکیت تباہ ہو جائیں پھر گھن کا کیڑا پیدا کر دیا کہ گھروں میں جو غلہ کا ذخیرہ تھا گھن کے کیڑوں نے اس کو ختم کر دیا پھر مینڈک پیدا کر دیئے مینڈکوں کی اس قدر کثرت ہوئی کہ تمام مکانات اس سے بھر گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ملک کے تمام پانیوں کو قبطیوں کے حق میں خون کر دیا۔ چنانچہ قبطی جس کنوئیں اور دریا سے پانی بھرتے تو وہ پانی خون ہو جاتا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے یہ بلائیں ان پر نازل ہوئیں جب کبھی کوئی بلا ان پر نازل ہوتی تو گھبرا کر موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرتے اور یہ کہتے کہ اگر آپ کی دعا سے یہ بلا دور ہو جائے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا فرماتے اور آپ کی دعا سے وہ بلا دور ہو جاتی اور جب وہ مصیبت ٹل جاتی تو پھر وہ اپنی سابق سرکشی کی طرف رجوع کرتے۔ سچ ہے کہ جس کے دل پر مہر کر دیں اسے کون ہدایت کر سکتا ہے غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تنبیہ کے لیے چند بار عذاب نازل کیا مگر پھر بھی ان کو تنبہ نہ ہوا بلکہ سرکشی میں اور زیادتی ہوتی رہی تب اللہ تعالیٰ نے ان کو دریا میں غرق کر دیا اور ان کا کام تمام کیا۔ اور ان کے تمام ملک کا بنی اسرائیل کو وارث بنا دیا اور اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا تھا۔ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ يَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وہ دونوں وعدے پورے کر دیئے۔ (معارف القرآن مولانا ادریس کاندھلوی)

وَ وٰعَدْنَا بِالْفٍ وَدُوْنِهَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً نُكَلِّمُهٗ عِنْدَ انْتِهَائِهَا بِاَنْ يَّصُوْمَهَا وَهِيَ ذُو الْقَعْدَةِ فَصَامَهَا فَلَمَّا تَمَّتْ اَنْكَرَ خُلُوْفَ فَمِهٖ فَاسْتَاكَ فَاَمَرَ اللّٰهُ بِعَشْرَةٍ اُخْرٰى لِيُكَلِّمَهٗ بِخُلُوْفِ فَمِهٖ كَمَا قَالَ تَعَالٰى وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ وَقْتُ وَعْدِهٖ بِكَلَامِهٖ اِيَّاهُ اَرْبَعِيْنَ حَالٌ لَيْلَةً ۚ تَمْيِيْزٌ وَ قَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ عِنْدَ ذَهَابِهٖ اِلَى الْجَبَلِ لِلْمُنَاجَاةِ اخْلُفْنِيْ كُنْ خَلِيْفَتِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَ اَصْلِحْ اَمْرَهُمْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ بِمُوَافَقَتِهِمْ عَلَى الْمَعَاصِيْ وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا اَيْ لِلْوَقْتِ الَّذِيْ وَعَدْنَاهُ بِالْكَلَامِ فِيْهِ وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ بِلَا وَاسِطَةٍ كَلَامًا يَسْمَعُهٗ مِنْ كُلِّ جِهَةٍ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ نَفْسَكَ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ اَيْ لَا تَقْدِرُ عَلٰى رُؤْيَتِيْ وَالتَّعْبِيْرُ بِهٖ دُوْنَ لَنْ اُرٰى يُفِيْدُ اِمْكَانَ رُؤْيَتِهٖ تَعَالٰى وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ الَّذِيْ هُوَ اَقْوٰى مِنْكَ فَاِنِ اسْتَقَرَّ ثَبَتَ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ اَيْ تَثْبُتُ لِرُؤْيَتِيْ وَاِلَّا فَلَا طَاقَةَ لَكَ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ اَيْ ظَهَرَ مِنْ نُوْرِهٖ قَدْرُ نِصْفِ اَنْمُلَةِ الْخِنْصَرِ كَمَا فِيْ حَدِيْثٍ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا بِالْقَصْرِ وَالْمَدِّ اَيْ مَدْكُوْكًا مُسْتَوِيًا بِالْاَرْضِ وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ لِهَوْلِ مَا رَاٰى فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تَنْزِيْهًا لَكَ تُبْتُ

إِلَيْكَ مِنْ سُؤَالِ مَا لَمْ أُومَرْ بِهِ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ۝ فِي زَمَانِي قَالَ تَعَالَى لَهُ يٰمُوسٰى إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ
اخْتَرْتُكَ عَلَى النَّاسِ أَهْلِ زَمَانِكَ بِرِسٰلٰتِي بِالْجَمْعِ وَالْإِفْرَادِ وَبِكَلَامِي أَيْ تَكْلِيمِي إِيَّاكَ فَخُذْ مَا
اٰتَيْتُكَ مِنَ الْفَضْلِ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِينَ ۝ لِأَنْعُمِي وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْأَلْوَاحِ أَيْ أَلْوَاحِ التَّوْرَاةِ وَكَانَتْ
مِنْ سِدْرَةِ الْجَنَّةِ أَوْ زَبَرْجَدٍ أَوْ زُمُرُّدٍ سَبْعَةً أَوْ عَشْرَةً مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُحْتَاجُ إِلَيْهِ فِي الدِّينِ مَّوْعِظَةً وَّ
تَفْصِيلًا تَبْيِينًا لِّكُلِّ شَيْءٍ بَدَلٌ مِنَ الْجَارِّ وَالْمَجْرُورِ قَبْلَهُ فَخُذْهَا قَبْلَهُ قُلْنَا مُقَدَّرًا بِقُوَّةٍ بِجِدٍّ وَاجْتِهَادٍ
وَّأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا سَأُورِيكُمْ دَارَ الْفٰسِقِينَ ۝ فِرْعَوْنَ وَأَتْبَاعِهِ وَهِيَ مِصْرُ لِتَعْتَبِرُوا بِهِمْ
سَأَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ دَلَائِلِ قُدْرَتِي مِنَ الْمَصْنُوعَاتِ وَغَيْرِهَا الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ
بِأَنْ أَخْذُلَهُمْ فَلَا يَتَفَكَّرُونَ فِيهَا وَإِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا وَإِنْ يَّرَوْا سَبِيلَ طَرِيقَ الرُّشْدِ
الْهُدَى الَّذِي جَاءَ مِنْ عِنْدِهِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا يَسْلُكُوهُ وَإِنْ يَّرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ الضَّلَالِ يَتَّخِذُوهُ
سَبِيلًا ذٰلِكَ الصَّرْفُ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غٰفِلِينَ ۝ تَقَدَّمَ مِثْلُهُ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا
بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاءِ الْاٰخِرَةِ الْبَعْثِ وَغَيْرِهِ حَبِطَتْ بَطَلَتْ أَعْمَالُهُمْ مَا عَمِلُوهُ فِي الدُّنْيَا مِنْ خَيْرٍ كَصِلَةِ
رَحِمٍ وَصَدَقَةٍ فَلَا ثَوَابَ لَهُمْ لِعَدَمِ شَرْطِهِ هَلْ مَا يُجْزَوْنَ إِلَّا جَزَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ مِنَ التَّكْذِيبِ ع
وَالْمَعَاصِي

ترجمہ: وَوٰعَدْنَا اور ہم نے وعدہ کیا (الف کے ساتھ واعدنا ہے اور بغیر الف کے وعدنا ہے) موسیٰ (علیہ السلام) سے تیس رات کا (کہ آپ سے کلام کریں گے اس مدت کے ختم ہونے پر بایں طور کہ آپ اس مدت میں روزہ رکھیں اور وہ مدت ذیقعدہ کا مہینہ تھا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس مدت میں روزہ رکھا پھر جب مدت تیس رات کی پوری ہو گئی تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے منہ کی بو کو برا سمجھا اور مسواک کر لی تو اللہ تعالیٰ نے دوسرے دس دن (روزہ رکھنے) کا حکم دیا تاکہ اپنے منہ کی بو کے ساتھ اللہ سے کلام کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وَاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ اور پورا کیا ہم نے اس مدت کو دس راتوں سے۔ (یعنی ذی الحجہ کی دس راتیں ملا کر) فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖ. پس ان کے پروردگار کا مقررہ وقت پورا ہو گا (یعنی اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے وعدہ کا وقت. اربعین حال ہے اور لیلۃ اس کی تمیز ہے درآنحالیکہ وہ چالیس رات سے پورا ہو گیا۔ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ. اور موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے بھائی ہارون (علیہ السلام) سے کہا (کوہ طور پر مناجات کے لیے جاتے وقت) تو میرا

خلیفہ رہ (میرا قائم مقام رہ) میری قوم میں ان کی اصلاح کرتا رہ (ان کے کام کی) اور مفسدوں کی راہ پر نہ چلنا (گناہوں پر ان کی موافقت نہ کرنا۔ وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا اور جب موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے (یعنی ایسے وقت پر جس میں ہم نے ان سے کلام کرنے کا وعدہ کیا تھا) وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ اور ان کے پروردگار نے ان سے کلام کیا (یعنی بلاواسطہ فرشتہ ایسا کلام جس کو ہر طرف سے موسیٰ (علیہ السلام) سن رہے تھے۔ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْۤ عرض کیا اے میرے پروردگار مجھے (اپنی ذات انور) دکھلا دیجئے کہ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ کہ آپ کو ایک نظر دیکھ لوں قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ ارشاد ہوا کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا اور اس طرح سے تعبیر کرنا لن ارى کے بجائے لَنْ تَرٰىنِيْ سے ارشاد فرمانا اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ باری تعالیٰ کا دیکھنا عقلاً ممکن ہے۔ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ ، لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو (جو تم سے زیادہ قوی ہے) فَاِنِ اسْتَقَرَّ ، سو اگر اپنی جگہ برقرار رہا (قائم رہا تو قریب ہے (ممکن ہے) کہ تو بھی مجھے دیکھ سکے گا (یعنی تم بھی میری رویت پر برقرار رہ سکو گے ورنہ آپ کو اس فانی دنیا میں دیدار کی طاقت نہیں۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ ، پھر جب ان کے پروردگار نے اس پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی (اَیْ ظَهَرَ مِنْ نُوْرِهٖ لِلْجَبَلِ یعنی اللہ تعالیٰ کے نور میں خنصر (چھوٹی انگلی) کے نصف پوروے کی مقدار ظاہر ہوا جیسا کہ حدیث میں ہے جس کی تصحیح حاکم نے کی ہے۔ جَعَلَهٗ دَكًّا تو اس تجلی نے اس پہاڑ کے پرخچے اڑا دیئے (لفظ دَكًّا قصر کے ساتھ بغیر مد کے ہے اور ھمزہ کے مد کے ساتھ ہے یعنی ریزہ ریزہ کر کے زمین کے برابر کر دیا) وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ ، اور موسیٰ (علیہ السلام) بیہوش ہو کر گر پڑے (آپ پر غشی طاری ہوگئی اس ہیبت و خوف کی وجہ سے جو انہوں نے دیکھا۔ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ ، پھر جب موسیٰ علیہ السلام ہوش میں آئے تو عرض کیا اے اللہ تو پاک ہے (تیرے لیے پاکی ہے) تُبْتُ اِلَيْكَ میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں (ایسی درخواست سے کہ جس کا حکم مجھے نہیں ہوا تھا) وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں (اپنے زمانے میں) قَالَ يٰمُوْسٰۤى ، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اے موسیٰ! نے تجھ کو ممتاز کیا (یعنی منتخب کیا ہے) لوگوں پر (یعنی تمہارے زمانے کے لوگوں پر) اپنی رسالت کے ذریعہ (یہ لفظ بصیغہ جمع رسالاتی ہے اور بصیغہ مفرد برسالتی ہے) اور اپنے کلام کے ذریعہ (یعنی تم کو اپنے ساتھ ہم کلامی کا شرف بخش کر فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ ، سو جو کچھ (رسالت کی فضیلت و ہم کلامی کا شرف) میں نے تم کو عطا کیا ہے اس کو لے لو اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ (یعنی میری نعمتوں کا شکر ادا کرو) وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ اور ہم نے چند تختیوں پر موسیٰ (علیہ السلام) کے لیے لکھ دیا (یعنی توریت کی تختیوں میں اور یہ تختیاں جنت کے درخت بیر کی یا زبرجد یا زمرد کی سات عدد یا دس تھیں) ہر قسم کی نصیحت (یعنی دین کے بارے میں جتنی نصیحتوں کی ضرورت تھی) اور ہر چیز کی تفصیل (وضاحت تھی بَدَلٌ مِنَ الْجَارِ وَالْمَجْرُوْرِ قَبْلَهٗ یعنی موعظۃ وتفصیلا بدل ہے مِنْ كُلِّ شَيْءٍ جار مجرور سے فَخُذْهَا لِلْقُلْنَا (اس سے پہلے قُلْنَا مقدر ہوگا) پھر ہم نے حکم دیا موسیٰ علیہ السلام کو کہ ان تختیوں کو مضبوطی سے پکڑو (یعنی سعی اور کوشش کے ساتھ خود بھی عمل میں لاؤ) وَّ اْمُرْ قَوْمَكَ اور اپنی قوم کو حکم دو کہ ان کے اچھے اچھے احکام

کو پکڑیں اور میں عنقریب تم کو نافرمانوں کے مکانات دکھلاؤنگا (یعنی دار فرعون اور اس کے اتباع کو اور وہ ملک مصر ہے تا کہ تم ان سے عبرت حاصل کرو) عَنْ اٰيٰتِيَ عنقریب میں پھیر دوں گا اپنی آیات سے (یعنی مصنوعات و مخلوقات وغیرہ سے ان لوگوں کو جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں (بایں صورت کہ ان کو ذلیل وخوار کر دوں گا پھر وہ ان دلائل میں غور وفکر نہ کر پائیں گے) وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ ﴿الآية﴾ اور اگر وہ ساری نشانیاں (بھی) دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لاویں اور اگر ہدایت کی راہ (راستہ) دیکھیں (یعنی وہ راہ ہدایت جو اللہ تعالیٰ کے پاس سے بواسطہ نبی آیا ہو) تو اسکو اپنا راستہ نہیں بناتے ہیں (کہ راہ ہدایت پر چلیں) اور اگر گمراہی (ضلالت) کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو اپنا طریقہ بنا لیتے ہیں (ذٰلِكَ الصَّرْفُ--- یہ برگشتگی اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے (تکبر کی وجہ سے) ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور ان (میں غور وفکر) سے غافل رہے۔ اس سے پہلے بھی گزر چکا ہے۔ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا ﴿الآية﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا (یعنی بعث بعد الموت و جزاوسزا اور حشر ونشر کی تکذیب کی) ان کے وہ سب کام غارت وتباہ ہوئے (یعنی دنیا میں جو نیک کام مثلاً صلہ رحمی اور صدقہ وخیرات کیا تھا ان پر ان کو کوئی ثواب نہیں ملے گا ثواب کی شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے۔ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ نہیں بدلہ پاوینگے کچھ مگر وہی جو دنیا میں کرتے تھے یعنی آیات کو جھٹلانا اور گناہ کرنا)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: وَقْتُ وَعْدِهٖ: میقات کا لفظ یہاں وقت کے لیے مستعار لیا گیا ہے۔ یہاں آلہ کے معنی میں نہیں۔

قوله: بِكَلَامِهٖ: اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت وقت کی وجہ بتلائی، وہ یہ ہے کہ وہ اس کے وعدے کا وقت موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ کلام کے لیے۔

قوله: كُنْ خَلِيْفَتِيْ: اس کا معنی یہ نہیں کہ میرے ساتھ مت چلو بلکہ پیچھے چلو۔

قوله: بِلَا وَاسِطَةٍ: یہ موسیٰ علیہ السلام کی کلیم اللہ ہونے کی خاص وجہ ہے۔

قوله: مِنْ كُلِّ جِهَةٍ: اس میں کلام قدیم کے سماع پر خبردار کیا کہ وہ جہت سے منزّہ ہے۔

قوله: نَفْسَكَ: اس میں اشارہ ہے کہ دوسرا مفعول أَرِنِي کا محذوف ہے۔

قوله: مَدْكُوْكًا: یہ مصدر بمعنی مفعول ہے۔

قوله: بَدَلٌ مِنَ الْجَارِ: مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس میں بنی اسرائیل کو دین میں جس کی ضرورت تھی وہ لکھ دی۔

قوله: بِجِدٍّ وَاجْتِهَادٍ: یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ اس سے ظاہری قوت مراد نہیں۔

قوله: بِاَحْسَنِهَا: جو اس میں احکام ہیں ان میں سے احسن مثلاً صبر۔

قوله: بِاَنْ اُخْذِلَهُمْ: یعنی ان کے قلوب پر مُہر کر دی جائے گی۔ ذٰلِكَ مبتداء بِاَنَّهُمْ اس کی خبر ہے۔

قوله: غَفْلَة: غفلت سے عناد کی غفلت ہے نہ کہ جہل۔
قوله: اَلْبَعْثِ: آخرت کی طرف لقاء کی نسبت مجاز ہے اور اضافۃ المصدر کی الظرف کی قسم ہے اور مفعول محذف ہے۔
قوله: جَزَاءٌ: مَا كَانُوْا کا مضاف محذوف ہے۔

تفسیر مقبولین

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً ....

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر تشریف لے جانا اور وہاں چالیس راتیں گزارنا:

مصر میں بنی اسرائیل بہت ہی زیادہ مقہور اور مجبور تھے وہاں ان کو حکم تھا کہ ایمان لائیں اور گھروں میں نماز پڑھ لیا کریں۔ جب فرعونیوں سے نجات پاگئے تو اب عمل کرنے اور احکام خداوندیہ کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے شریعت کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف دینے کے لیے طور پہاڑ پر بلایا اور وہاں تیس دن اعتکاف کرنے اور روزے رکھنے کا حکم دیا لیکن تیس راتیں گزارنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مسواک کر لی جس سے وہ خاص قسم کی مہک جاتی رہی جو روزہ دار کے منہ سے پیدا ہوجاتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مزید دس راتیں وہیں گزارنے کا حکم دیا۔ جب چالیس راتیں پوری ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں توریت شریف عطا فرمادی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر جانے کے لیے روانہ ہونے لگے تو اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ میرے پیچھے بنی اسرائیل کی دیکھ بھال کرنا اور ان کی اصلاح کرتے رہنا اور ان میں جو مفسد ہیں ان کا اتباع نہ کرنا یعنی ان کی رائے پر مت چلنا۔ حضرت ہارون علیہ السلام بھی نبی تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ وہ خود بھی اپنی پیغمبرانہ ذمہ داری کو پورا کرنے والے تھے لیکن قوم کے مزاج اور طبیعت کی کجروی کو دیکھتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو مزید تاکید فرمائی۔ جب دریا پار ہوئے تھے تو بنی اسرائیل نے ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر کہا تھا کہ ہمارے لیے بھی ایسا معبود بنادو۔ اب خطرہ تھا کہ اس طرح کی کوئی اور حرکت نہ کر بیٹھیں اس لیے ان کی نگرانی کے لیے تاکید فرمائی۔ آخر وہی ہوا جس کا خطرہ تھا۔ ان میں ایک شخص سامری تھا اس نے زیورات کا ایک بچھڑا بنایا اور بنی اسرائیل نے اسے معبود بنالیا، جیسا کہ چند آیات کے بعد یہاں سورۂ اعراف میں آرہا ہے اور سورۂ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیدار الٰہی کے لیے درخواست کرنا اور پہاڑ کا چورا چورا ہوجانا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے طور پر جانے کا جو وقت مقرر ہوا تھا وہ اس کے مطابق وہاں پہنچے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق ان راتوں کی ابتداء ذیقعدہ کی پہلی تاریخ سے تھی پھر مزید دس راتیں ماہ ذی الحجہ کے شروع کی بڑھادی گئیں اور دس ذی الحجہ کو توریت شریف عطا کی گئی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر پہنچے تو اللہ رب العزت جل مجدہ سے ہم کلامی

ہوئی اور اس کے بعد ان کو اشتیاق ہوا کہ اپنے رب کو اپنی ان آنکھوں سے دیکھیں، لہٰذا درخواست پیش کر دی کہ اے رب مجھے اپنے دیدار کرا دیجیے، میں آپ کی ذات پر یقین رکھتا ہوں اور ہم کلام بھی ہوا ہوں اب یہ چاہتا ہوں کہ دیدار بھی کر لوں، اللہ تعالیٰ شانہٗ کو اہل جنت دیکھیں گے۔ جن میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہوں گے اور ان کی امتیں بھی ہوں گی۔ لیکن دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہو سکتا۔ جنت میں جو قوت اور طاقت برداشت دی جائے گی وہ دنیا میں نہیں دی گئی۔ اسی لیے سورۂ انعام میں فرمایا: (لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس راتیں گزر جانے کے بعد توریت شریف عطا فرمائی جو تختیوں میں لکھی ہوئی تھی اس میں احکام شرعیہ تفصیل سے لکھے ہوئے تھے اور ہر طرح کی نصیحتیں بھی تھیں۔ حلال و حرام کو واضح طریقہ پر بیان فرما دیا تھا۔ اور محاسن و مساوی (اچھے برے کاموں) کو تفصیل سے بتا دیا تھا۔ اسی کو فرمایا: (وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ) کتاب عطا فرمانے کے ساتھ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ بھی فرمایا کہ اسے قوت اور مضبوطی کے ساتھ لے لو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: (وَاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا) اپنی قوم کو بھی حکم دو کہ اس کے احکام کو پکڑے رہیں جو اچھے اچھے کام ہیں۔ قال صاحب الروح (ص ۵۹ ج ۹) و معنى احسنها اشتمالها على الاحسن فانه احسن كالصبر بالاضافة الى الانتصار) (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں احکام کے احسن ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ نیکی پر مشتمل ہوں پھر وہ اپنے کرنے والے کے انتصار کی بناء پر احسن بنتے ہیں)۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ اَيْ بَعْدَ ذَهَابِهٖ اِلَى الْمُنَاجَاةِ مِنْ حُلِيِّهِمْ الَّذِيْ اِسْتَعَارُوْهَا مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ لِعِلَّةِ عُرْسٍ فَبَقِيَ عِنْدَهُمْ عِجْلًا صَاغَهُمْ لَهُمْ مِنْهُ السَّامِرِيُّ جَسَدًا بَدَلٌ لَحْمًا وَدَمًا لَّهٗ خُوَارٌ اَيْ صَوْتٌ يُسْمَعُ اِنْقَلَبَ كَذٰلِكَ بِوَضْعِ التُّرَابِ الَّذِيْ اَخَذَهٗ مِنْ حَافِرِ فَرَسِ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ فَمِهٖ فَاِنَّ اَثَرَهُ الْحَيَاةُ فِيْمَا يُوْضَعُ فِيْهِ وَمَفْعُوْلُ اتَّخَذَ الثَّانِيْ مَحْذُوْفٌ اَيْ اِلٰهًا اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا فَكَيْفَ يُتَّخَذُ اِلٰهًا اِتَّخَذُوْهُ اِلٰهًا وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ بِاتِّخَاذِهٖ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ اَيْ نَدِمُوْا عَلٰى عِبَادَتِهٖ وَرَاَوْا اَعْلَمُوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا بِهَا وَذٰلِكَ بَعْدَ رُجُوْعِ مُوْسٰى قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ فِيْهِمَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ مِنْ جِهَتِهِمْ اَسِفًا شَدِيْدَ الْحُزْنِ قَالَ بِئْسَمَا اَيْ بِئْسَ خِلَافَةً خَلَفْتُمُوْنِيْ هَا مِنْۢ بَعْدِيْ خِلَافَتُكُمْ هٰذِهٖ حَيْثُ اَشْرَكْتُمْ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ اَلْوَاحَ التَّوْرٰةِ غَضَبًا لِرَبِّهٖ فَتَكَسَّرَتْ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ اَيْ بِشَعْرِهٖ بِيَمِيْنِهٖ وَلِحْيَتِهٖ بِشِمَالِهٖ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ غَضَبًا قَالَ ابْنَ

اُمَّ بِكَسْرِ الْمِيْمِ وَفَتْحِهَا اَرَادَاُمِّيْ وَذِكْرُهَا اَعْطَفُ لِقَلْبِهٖ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَ كَادُوْا قَارَبُوْا

يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ تُفْرِحْ بِيَ الْاَعْدَآءَ بِاِهَانَتِكَ اِيَّايَ وَ لَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

بِعِبَادَةِ الْعِجْلِ فِي الْمُؤَاخَذَةِ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ مَاصَنَعْتُ بِاَخِيْ وَ لِاَخِيْ اَشْرَكَهٗ فِي الدُّعَاءِ اِرْضَاءً لَهٗ وَ

ع ۱۸ ۴ ۸ دَفْعًا لِلشَّمَاتَةِ بِهٖ وَ اَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ ع

ترجمہ: وَ اتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى (الآیۃ)، اور بنالیا موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم (بنی اسرائیل) نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد (یعنی موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر مناجات کے لیے جانے کے بعد) اپنے ان زیوروں سے (جو انہوں نے فرعون کی قوم قبطیوں سے شادی کے بہانہ سے بطور عاریت لیے تھے پھر ان ہی کے پاس باقی رہ گئے تھے) ایک بچھڑا (صَاغَهُمْ لَهُمْ مِنْهُ السَّامِرِيُّ، جس کو سامری نے ان زیورات کو گلا کر بنی اسرائیل کے لیے ڈھالا، بنایا، جسدا، بدل ہے، گوشت اور خون کا یعنی گوشت اور خون کا مجموعہ تھا) لہ خوار، اس میں آواز تھی (ایسی آواز جو سنی جاتی تھی اور یہ انقلاب اس مٹی کے رکھنے کی وجہ سے آیا جو سامری نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدم سے لی تھی اور اس بچھڑے کے منہ میں ڈالدی اس لیے کہ جس چیز میں بھی اس مٹی کو رکھ دیا جائے اس میں حیات کا اثر آجاتا ہے اور اِتَّخَذَ کا مفعول ثانی محذوف ہے یعنی اِلٰهًا ایک بچھڑے کو معبود بنالیا۔ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ (الآیۃ) کیا ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ تحقیق یہ بچھڑا ان سے بات تک نہیں کرتا اور نہ ان کو (دنیا و دین کی) کوئی راہ دکھاتا ہے (پھر کیسے معبود بنالیا) اور بنالیا اس بچھڑے کو معبود اور تھے یہ لوگ ظالم (اس کو معبود بنا کر) وَ لَمَّا سُقِطَ فِيْ اَيْدِيْهِمْ اور جب عقل و ہوش ٹھکانے ہوئے تو پچھتائے (یعنی اس بچھڑے کی پوجا کرنے پر شرمندہ ہوئے) اور سمجھ گئے (جان لیا) کہ بیشک وہ لوگ (اس حرکت سے) گمراہی میں پڑ گئے) اور یہ علم وتنبیہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے بعد ہوا) قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا کہنے لگے اگر ہم پر ہمارے پروردگار نے رحم نہ کیا اور ہم کو نہ بخشا (یاء کے ساتھ، تاء کے ساتھ تو ہم ضرور گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ وَ لَمَّا رَجَعَ مُوْسٰى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اور جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف واپس آئے غضبناک (قوم کی وجہ سے افسوس کرتے ہوئے (بہت رنجیدہ) قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے فرمایا تم نے میرے بعد بری جانشینی کی ہے جس کو تم میرے بعد بجالائے یہ تمہاری جانشینی ہے کہ تم نے شرک کرنا شروع کر دیا) اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ کیا تم نے اپنے پروردگار کے حکم سے جدل کی اور ڈال دیا موسیٰ علیہ السلام نے الواح کو (یعنی توریت کی تختیوں کو اپنے رب کے لیے غصہ کرتے ہوئے پھینک دیا کہ وہ ٹوٹ گئیں) وَ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ (الآیۃ) اور اپنے بھائی (ہارون علیہ السلام) کا سر پکڑا (یعنی اپنے داہنے ہاتھ سے ان کے سر کے بال اور بائیں ہاتھ سے ان کی ڈاڑھی پکڑلی) اپنی طرف کھینچنے لگے (غصے کی حالت میں) قَالَ ابْنَ اُمَّ

ہارون (علیہ السلام) نے کہا: اے میری ماں کے بیٹے! (میم کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ منقول ہے مقصود امی کہنا ہے۔ اور ماں کا ذکر کیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل کو مہربان کرنے کے لیے (باوجودیکہ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے عینی بھائی تھے) اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ تحقیق ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا کَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ (کَادُوْا بمعنی قَارَبُوْا ہے) قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ، پس دشمنوں کو ہنسنے کا (خوش ہونے کا) موقع نہ دو (میرے ساتھ توہین کا برتاؤ کر کے۔ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۰﴾ اور مجھ کو ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کرو (یعنی مجھ کو مؤاخذہ میں ان لوگوں کے ساتھ مت شمار کرو جنہوں نے بچھڑے کی پوجا کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے) قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ (الآیۃ) موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے میرے پروردگار میری خطا معاف فرما دے (جو کچھ میں نے اپنے بھائی کیساتھ برتاؤ کیا ہے اور میرے بھائی کو بھی معاف فرما (موسیٰ علیہ السلام نے دعاء میں ہارون علیہ السلام کو شریک کر لیا ہارون علیہ السلام کو راضی کرنے کے لیے اور دشمنوں کی ہنسی کو دفع کرنے کے لیے) وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِکَ اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرما اور آپ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: بَعْدَ ذَهَابِهٖ: اس سے اشارہ کیا کہ مضاف محذوف ہے۔

قوله: فَبَقِیَ عِنْدَهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ قوم کی طرف زیور کی نسبت مجازی ہے کیونکہ ان کے پاس تھا۔

قوله: مِنْهُ السَّامِرِیُّ: تمام کی طرف بچھڑا بنانے کی نسبت مجازی ہے کیونکہ وہ سب اس پر راضی تھے۔

قوله: بَدَلُ لَحْمًا وَدَمًا: یہ جسد سے بدل نہیں تبھی تو منصوب ہیں۔

قوله: مَفْعُوْلُ اِتَّخَذَ الثَّانِیْ: یہ صنع کے معنی میں نہیں کہ ایک مفعول پر اکتفاء ہو سکے۔

قوله: تَدِمُوْا: باب الکنایہ سے ہے۔ شرمندہ عموماً انگلی کاٹتا ہے یہاں تک کہ اس کا ہاتھ بھی اس میں گر جاتا ہے۔

قوله: غَضْبَانَ: اور اَسِفًا دونوں حال ہیں۔

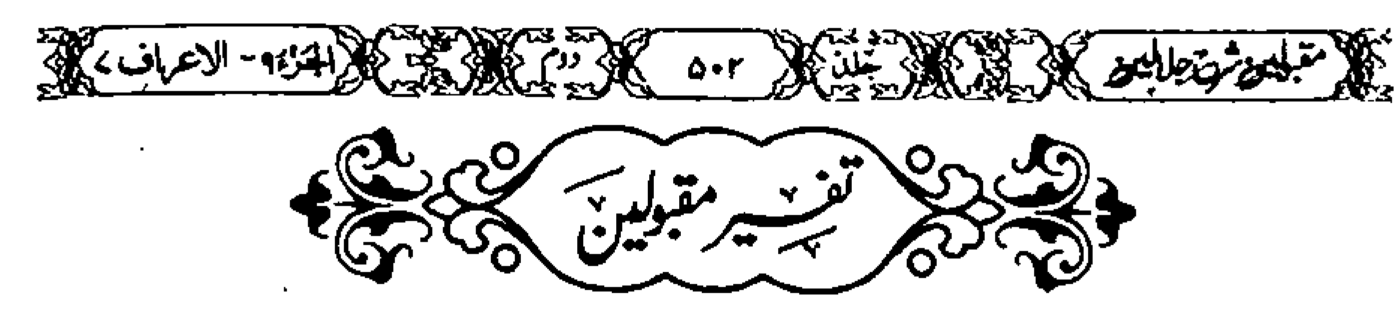
قوله: خَلَفْتُمُوْنِیْ ها: ھا ضمیر کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا ما مفسرہ کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے۔

قوله: خِلَافَتُكُمْ: یہ مخصوص بالذم ہے۔

قوله: لِرَبِّهٖ: یعنی موسیٰ علیہ السلام کا غصہ یہ حق تعالیٰ کی خاطر تھا نہ کہ اپنی ذات کے لیے۔

قوله: تَفْرَحُ بِیْ: دشمن کی تکلیف پر اظہار خوشی۔

قوله: دَفْعًا لِلشَّمَاتَةِ: یہ شماتت اعداء کے ازالہ کے لیے کیا ورنہ تو ہارون علیہ السلام سے کوئی تقصیر و معیت نہ ہونے پائی تھی۔



وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ ....

جب موسیٰ علیہ السلام تورات حاصل کرنے کے لئے کوہ طور پر معتکف ہوئے اور شروع میں تیس دن رات کے اعتکاف کا حکم تھا اور اس کے مطابق اپنی قوم سے کہہ گئے تھے کہ تیس دن بعد لوٹیں گے، وہاں حق تعالیٰ نے اس پر دس روز کی میعاد اور بڑھا دی تو اسرائیلی قوم جس کی جلد بازی اور کجروی پہلے سے معروف تھی، اس وقت بھی طرح طرح کی باتیں کرنے لگے، ان کی قوم میں ایک شخص سامری نام کا تھا، جو اپنی قوم میں بڑا اور چودھری مانا جاتا تھا، مگر کچے عقیدہ کا آدمی تھا اس نے موقع پا کر یہ حرکت کی کہ بنی اسرائیل کے پاس کچھ زیورات قوم فرعون کے لوگوں کے رہ گئے تھے ان سے کہا کہ یہ زیورات تم نے قبطی لوگوں سے مستعار طور پر لیے تھے اب وہ سب غرق ہو گئے اور زیورات تمہارے پاس رہ گئے، یہ تمہارے لئے حلال نہیں کیونکہ کفار سے جنگ کے وقت حاصل شدہ مال غنیمت بھی اس زمانہ میں مسلمانوں کے لئے حلال نہیں تھا، بنی اسرائیل نے اس کے کہنے کے مطابق سب زیورات لا کر اس کے پاس جمع کر دیئے، اس نے اس سونے چاندی سے ایک بچھڑے یا گائے کا مجسمہ بنایا، اور جبرئیل امین کے گھوڑے کے سم کے نیچے کی مٹی جو اس نے کہیں پہلے سے جمع کر رکھی تھی اس مٹی میں اللہ تعالیٰ نے حیات و زندگی کا خاصہ رکھا تھا، اس نے سونا چاندی آگ پر پگھلانے کے وقت یہ مٹی اس میں شامل کر دی اس کا یہ اثر ہوا کہ اس گائے کے مجسمہ میں زندگی کے آثار پیدا ہو گئے اور اس کے اندر سے گائے کی سی آواز نکلنے لگی، اس جگہ آیت میں عِجْلًا کی تفسیر جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا ہے۔

سامری کی یہ حیرت انگیز شیطانی ایجاد سامنے آئی تو اس نے بنی اسرائیل کو اس کفر کی دعوت دینا شروع کر دی کہ یہی خدا ہے، موسیٰ علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنے کے لئے کوہ طور پر گئے ہیں اور اللہ میاں (معاذ اللہ) خود یہاں آ گئے موسیٰ علیہ السلام سے بھول ہو گئی بنی اسرائیل میں اس کی بات پہلے سے مانی جاتی تھی اور اس وقت تو یہ شعبدہ بھی اس نے دکھلا دیا تو اور بھی معتقد ہو گئے اور اسی گائے کو خدا سمجھ کر اس کی عبادت میں لگ گئے۔ جب موسیٰ علیہ السلام توریت شریف کی تختیاں لے کر تشریف لائے اور گاؤ سالہ پرستی کا منظر دیکھا تو بہت سخت غضبناک اور رنجیدہ ہوئے اور فرمایا: (بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ) (کہ میرے بعد تم نے میری بری نیابت کی) (اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ) کیا تم نے اپنے رب کا حکم آنے سے پہلے جلد بازی کی۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ ....

بنی اسرائیل کا نادم ہونا اور توبہ کرنا:

(وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا) جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کر لی تھی انہیں اپنی گمراہی کا احساس ہوا اور توبہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس میں سب سے بڑا دخل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دار و گیر اور سختی کا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ

کچھ لوگوں کو ان کے تشریف لانے سے ہی اپنی گمراہی کا احساس ہو گیا ہو۔ یہ لوگ کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہماری بخشش نہ فرمائے تو ہم تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے۔ لیکن ان کی توبہ کی قبولیت کے لیے اللہ پاک کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا کہ اپنی جانوں کو قتل کریں۔ جیسا کہ سورۃ بقرہ (رکوع ٦) کی آیت (وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ) کے ذیل میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے (انوار البیان جلد ۱) ان کی توبہ کی صورت میں یہ تجویز ہوئی تھی کہ جنہوں نے بچھڑے کی پرستش نہیں کی تھی وہ ان کو قتل کریں جنہوں نے یہ حرکت کی تھی چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

(وَ أَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَ أَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهٗ إِلَيْهِ) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا بھی مواخذہ فرمایا توحید کے خلاف جو منظر دیکھا تو غیرت دینی کے جوش میں توریت شریف کی تختیاں ایک طرف کو ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیے۔ انہیں یہ گمان ہوا کہ ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی تعلیم میں کوتاہی کی، سورۂ طٰہٰ میں حضرت ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی پکڑنے کا بھی ذکر ہے۔ توریت تشریف کی تختیوں کا ڈالنا اور بھائی کے سر کے بالوں کو پکڑنا شدت غضب کی وجہ سے پیش آیا۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ اے میرے ماں جائے آپ میرے سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو نہ پکڑیں۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ لہٰذا آپ مجھ پر سختی کر کے دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیں اور مجھے ظالموں میں شمار نہ کریں۔ (میں ان کے کام میں ان کے ساتھ نہیں ہوں، لہٰذا میرے ساتھ برتاؤ بھی وہ نہ ہونا چاہئے جو ظالموں کے ساتھ کیا جاتا ہے)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احساس ہوا کہ واقعی مجھ سے خطا ہوئی (اگرچہ خطا اجتہادی تھی) لہٰذا بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے ربّ میری مغفرت فرما دے اور میرے بھائی کی بھی اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما دے اور آپ ارحم الراحمین ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام گاؤ سالہ پرستی دیکھ کر دینی حمیت کے جوش میں اور غضب و تاسف میں تھے اس لیے اپنے بھائی سے دارو گیر کرتے ہوئے ان کی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ لیے تھے پھر جب احساس ہوا تو اپنے لیے اور بھائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا کرنے لگے۔

ظلم اور زیادتی کی معافی مانگنا:

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی پر زیادتی ہو جائے تو جہاں اس کی تلافی کا یہ طریقہ ہے کہ اس سے معافی مانگ لی جائے۔ یہ طریقہ بھی ہے کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی جائے۔ لیکن ہر حال میں اس کو راضی کرنا ضروری ہے، بعض مرتبہ اس سے معافی مانگنے کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی اس لیے کہ وہ پہلے ہی دل سے معاف کر چکا ہوتا ہے اور بعض مرتبہ تعلقات کی وجہ سے ناگواری ہوتی ہی نہیں، لیکن جس کی طرف سے زیادتی ہو گئی ہو اسے پھر بھی اپنے لیے اور اس کے لیے دُعائے مغفرت کر دینی چاہئے۔

لیس الخبر کالمعاینة:

امام احمد نے اپنی مسند میں (ص ۲۷۱ ج ۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خبر دیکھنے کی طرح نہیں ہے (دیکھنے سے انسان جتنا متاثر ہوتا ہے خبر سے متاثر نہیں ہوتا) بلا شبہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے موسیٰ علیہ السلام کو (پہلے ہی) خبر دے دی تھی کہ تمہاری قوم نے بچھڑے کو معبود بنالیا ہے۔ اس وقت تو توریت کی تختیوں کو نہ پھینکا پھر جب اپنی آنکھ سے ان کی حرکت کو دیکھا تو تختیوں کو ڈال دیا جس کی وجہ سے ٹوٹ گئیں۔

القاء الواح پر سوال وجواب:

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا بھی احترام کرنا چاہیے تھا۔ توریت شریف کی تختیوں کو ڈال دینا ایک طرح کی سوء ادبی ہے۔ اس کے جواب میں مفسرین کرام نے دو باتیں لکھی ہیں۔

اول: یہ کہ ان تختیوں کو جلدی میں اس طرح سے رکھ دیا تھا کہ جیسے کوئی شخص کسی چیز کو ڈال دے۔

دوم: یہ کہ دینی حمیت اور شدت غضب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے بے اختیار ہوئے کہ وہ تختیاں ان کے ہاتھ سے گر پڑیں۔ اگرچہ گری تھیں بلا اختیار لیکن بے احتیاطی کی وجہ سے اس کو القاء اختیاری کا درجہ دے دیا گیا۔ اس لیے القی الالواح سے تعبیر فرمایا۔ فان حسنات الابرار سیئات المقربین۔ (کیونکہ نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے لیے برائیاں ہیں)۔

(من روح المعانی ص ۶۷ ج ۹)

قَالَ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ اِلٰهًا سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ عذابٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ فَعُذِّبُوْا بِالْاَمْرِ بِقَتْلِهِمْ اَنْفُسَهُمْ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ كَذٰلِكَ كَمَا جَزَيْنٰهُمْ نَجْزِى الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ عَلَى اللّٰهِ بِالْاِشْرَاكِ وَغَيْرِهٖ وَ الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا رَجَعُوْا عَنْهَا مِنْۢ بَعْدِهَا وَ اٰمَنُوْٓا بِاللّٰهِ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا اَيِ التَّوْبَةِ لَغَفُوْرٌ لهم رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾ بِهِمْ وَ لَمَّا سَكَتَ سَكَنَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖ اَلَّتِىْ اَلْقَاهَا وَ فِىْ نُسْخَتِهَا اَىْ مَا نُسِخَ فِيْهَا اَىْ كُتِبَ هُدًى مِنَ الضَّلَالَةِ وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ يَخَافُوْنَ وَاُدْخِلَ اللَّامُ عَلَى الْمَفْعُوْلِ لِتَقَدُّمِهٖ وَ اخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ اَىْ مِنْ قَوْمِهٖ سَبْعِيْنَ رَجُلًا مِمَّنْ لَمْ يَعْبُدُوا الْعِجْلَ بِاَمْرِهٖ تَعَالٰى لِّمِيْقَاتِنَا ۚ اَىِ الْوَقْتِ الَّذِىْ وَعَدْنَاهُ بِاِتْيَانِهِمْ فِيْهِ لِيَعْتَذِرُوْا مِنْ عِبَادَةِ اَصْحَابِهِمُ الْعِجْلَ فَخَرَجَ بِهِمْ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ الزَّلْزَلَةُ الشَّدِيْدَةُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِاَنَّهُمْ لَمْ يُزَايِلُوْا قَوْمَهُمْ حِيْنَ عَبَدُوا الْعِجْلَ قَالَ وَهُمْ غَيْرُ الَّذِيْنَ سَاَلُوْا

الرُّؤْيَةَ وَاَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ قَالَ مُوْسٰى رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ اَىْ قَبْلَ خُرُوْجِىْ بِهِمْ
لِيُعَايِنَ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ ذٰلِكَ وَلَا يَتَّهِمُوْنِىْ وَاِيَّاىَ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا اِسْتِفْهَامُ اِسْتِعْطَافٍ
اَىْ لَا تُعَذِّبْنَا بِذَنْبِ غَيْرِنَا اِنْ مَا هِىَ اَىِ الْفِتْنَةُ الَّتِىْ وَقَعَتْ فِيْهَا السُّفَهَاءُ اِلَّا فِتْنَتُكَ اِبْتِلَاؤُكَ تُضِلُّ
بِهَا مَنْ تَشَآءُ اِضْلَالَهٗ وَتَهْدِىْ مَنْ تَشَآءُ هِدَايَتَهٗ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ
الْغٰفِرِيْنَ ۝ وَاكْتُبْ اَوْجِبْ لَنَا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً اِنَّا هُدْنَآ تُبْنَا اِلَيْكَ قَالَ
تَعَالٰى عَذَابِىْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ تَعْذِيْبَهٗ وَرَحْمَتِىْ وَسِعَتْ عَمَّتْ كُلَّ شَىْءٍ فِى الدُّنْيَا
فَسَاَكْتُبُهَا فِى الْاٰخِرَةِ لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ
يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِىَّ الْاُمِّىَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِىْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِى
التَّوْرٰىةِ بِاسْمِهٖ وَصِفَتِهٖ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ
الطَّيِّبٰتِ مَا حُرِّمَ فِىْ شَرْعِهِمْ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ مِنَ الْمَيْتَةِ وَنَحْوِهَا وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ
ثِقْلَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الشَّدَائِدَ الَّتِىْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ كَقَتْلِ النَّفْسِ فِى التَّوْبَةِ وَقَطْعِ اَثَرِ النَّجَاسَةِ فَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا بِهٖ مِنْهُمْ وَعَزَّرُوْهُ وَقَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اَىِ الْقُرْاٰنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُوْنَ ۝ خِطَابٌ لِلنَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: (حق تعالیٰ نے فرمایا) تحقیق جن لوگوں نے بچھڑے کو بنالیا (معبود) عنقریب ان کو پہنچے گا ان کے پروردگار کی طرف سے غضب (عذاب) اور ذلت دنیاوی زندگی میں (چنانچہ ان کو یہ عذاب اس طرح دیا گیا کہ ان کے نفس کے قتل کا حکم آیا اور ذلت توان پر قیامت تک لیے ڈال دی) اور اسی طرح کی سزا (جیسی سزا ہم نے ان کو دی ہے) ہم سزا دیتے ہیں افتراء پردازوں کو (یعنی جو اللہ تعالیٰ پر شرک وغیرہ کی افتراء پردازی کرتے ہیں) وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ (الاٰیۃ) اور جن لوگوں نے برے کام کئے (مثلاً گوسالہ پرستی ان سے ہوگئی) پھر وہ ان برائیوں کے بعد توبہ کرلیں (یعنی ان برائیوں سے باز آگئے) اور ایمان لے آئے (اللہ پر) تو بیشک تیرا پروردگار اس (توبہ) کے بعد البتہ (ان کے گناہوں کو) معاف کردینے والا ہے اور (ان پر) رحم کرنے والا ہے وَلَمَّا سَكَتَ (الاٰیۃ) اور جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ خاموش ہوا (ٹھنڈا ہوا) توان تختیوں کو اٹھالیا (جن کو ڈالا تھا) اور ان تختیوں کے مضامین میں (یعنی جو مضامین ان تختیوں میں لکھے ہوئے تھے) ہدایت تھی

(گمراہی سے) اور رحمت تھی ان لوگوں کے لیے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں (خوف کرتے ہیں اور مفعول پر لام کو داخل کر دیا ہے اس کے مقدم ہونے کی وجہ سے)۔ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ اور چن لیے موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے (یعنی اپنی قوم میں سے) ستر آدمی (ان لوگوں میں سے جنہوں نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی تھی اور یہ انتخاب اللہ تعالیٰ کے حکم تھا (لِمِيْقَاتِنَا ہمارے مقرر وقت پر لانے کے لیے (یعنی جس وقت میں ان لوگوں کو لانے کا وعدہ ہم نے لیا تھا تاکہ اپنے لوگوں کے گوسالہ پوجنے سے معذرت کریں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان ستر افراد کے ساتھ روانہ ہوئے) فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ پس جب ان ستر آدمیوں کو زلزلہ نے پکڑ لیا (جو شدید قسم کا زلزلہ تھا) (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سزا اس لیے ہوئی کہ یہ لوگ اپنی قوم میں ہمیشہ رہے الگ نہیں ہوئے جس وقت لوگوں نے بچھڑے کی عبادت کی اور فرمایا کہ یہ ستر اشخاص ان لوگوں کے علاوہ ہیں جنہوں نے رؤیت باری تعالیٰ کی درخواست کی تھی اور ان کو صاعقہ (بجلی کی کڑک) نے پکڑ لیا (قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ (لا وبہ) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اگر آپ چاہتے تو ان کو اور مجھ کو اس سے قبل ہی ہلاک کر دیتے (یعنی ان کو ساتھ لے کر مجھ کو نکلنے سے قبل ہی ہلاک کر دیتے تاکہ بنی اسرائیل دیکھ لیتے اور مجھ کو متہم نہ کرتے (اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ کیا آپ ہم کو اس کام پر ہلاک کر دیں گے جو ہم میں سے بیوقوفوں نے کیا ہے (یہ استفہام استعطاف ہے یعنی طلب رحمت یہ ہے کہ آپ ہم کو دوسروں کے گناہ کی وجہ سے عذاب نہ دیجیے۔ اِنْ هِيَ (اِنْ بمعنی ما نافیہ ہے) نہیں ہے یہ فتنہ جس میں یہ بیوقوف لوگ مبتلا ہو گئے مگر آپ کی طرف سے فتنہ (یعنی آپ کا امتحان) تھا اس قسم کے فتنہ و امتحان سے آپ جس کو چاہتے ہیں (گمراہ کرنا) گمراہ کرتے ہیں اور آپ ہدایت کرتے ہیں جس کو چاہتے ہیں (ہدایت کرنا) آپ ہی تو ہمارے مالک ہیں پس ہماری خطا معاف فرمائیں اور ہم پر رحم فرمائیں اور آپ تو سب معاف کرنے والوں سے بہتر معاف کرنے والے ہیں۔ وَاكْتُبْ لَنَا اور ہم لوگوں کے لیے اس دنیا کی زندگی میں اچھائی لکھ دیجیے (مقرر فرما دیجیے) اور آخرت میں بھی بھلائی ہم نے آپ نے آپ کی طرف رجوع کر لیا (توبہ کر لی) قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنا عذاب اسی پر واقع کرتا ہوں جس کو (عذاب دینا) چاہتا ہوں اور میری رحمت ایسی وسیع ہے کہ (دنیا میں) ہر چیز کو شامل ہے (اچھے ہوں یا برے) فَسَاَكْتُبُهَا پس اس رحمت خاصہ کو (آخرت میں) ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو لوگ ہماری تمام آیتوں پر ایمان لاتے ہیں جو لوگ ایسے رسول کی جو نبی امی ہیں (یعنی محمد ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جن کو وہ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (مع آپ کے اسم مبارک اور آپ کی صفت کے) وہ ان کو نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور تمام پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے بتلاتے ہیں (جو ان کی شریعتوں میں حرام کی گئی تھیں) اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں (یعنی مردار اور خنزیر وغیرہ) اور ان سے دور کرتے ہیں وہ بوجھ اور مشقتوں کے طوق (سختیاں) جو ان پر (موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں) تھے (جیسے توبہ میں قتل نفس کا حکم اور نجاست کے اثر کو کاٹ پھینکنا) پس جو لوگ اس نبی امی پر ایمان لاتے ہیں (ان میں سے) اور ان کی حمایت کرتے ہیں (تعظیم کرتے ہیں) اور ان کی مدد کرتے ہیں اور

اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ نازل کیا گیا ہے (یعنی قرآن مجید) ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: سَكَنَ: یہ استعارہ مکنت ہے غصے کو ایسے انسان سے تشبیہ دی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کو ایسا ابھارتا ہے اور ان کو کہتا ہے یہ کرو یہ کرو پھر گفتگو ترک کر دیتا ہے۔

قوله: مَا نُسِخَ فِيهَا: اس میں اشارہ ہے کہ نسخہ فعلہ کا وزن ہے جو مفعول کے معنی میں ہے۔

قوله: أَيْ كُتِبَ: اس سے اشارہ کیا کہ فسخ یہاں لکھنے کا معنی دے رہا ہے۔ حکم کے اٹھانے اور تبدیل کرنے کے معنی میں نہیں۔

قوله: وَرَحْمَةٌ: کہہ کر اشارہ کیا کہ اس سے خیر و بھلائی مراد ہے۔

قوله: وَأُدْخِلَ اللَّامُ: اس سے اشارہ فعل کے عمل کو مضبوط کرنے کے لیے اس پر لام کو بڑھا دیا۔

قوله: مِنْ قَوْمِهِ: سے اشارہ ہے کہ یہ باب حذوف مایصال سے ہے۔

قوله: وَعَدْنَاهُ بِإِتْيَانِهِمْ: اس سے بتایا کہ میقات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف مجازی ہے۔

قوله: وَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ: ان ستر آدمیوں نے کہا: لن نومن لك حتى نرى الله جهرة الآية۔ تو ان پر بجلی پڑی اور ان کو ہلاک کر دیا پھر ان کو اٹھایا ان لوگوں کو زلزلے نے گھیرا پھر دعا موسیٰ علیہ السلام سے اس کو دور کر دیا گیا۔

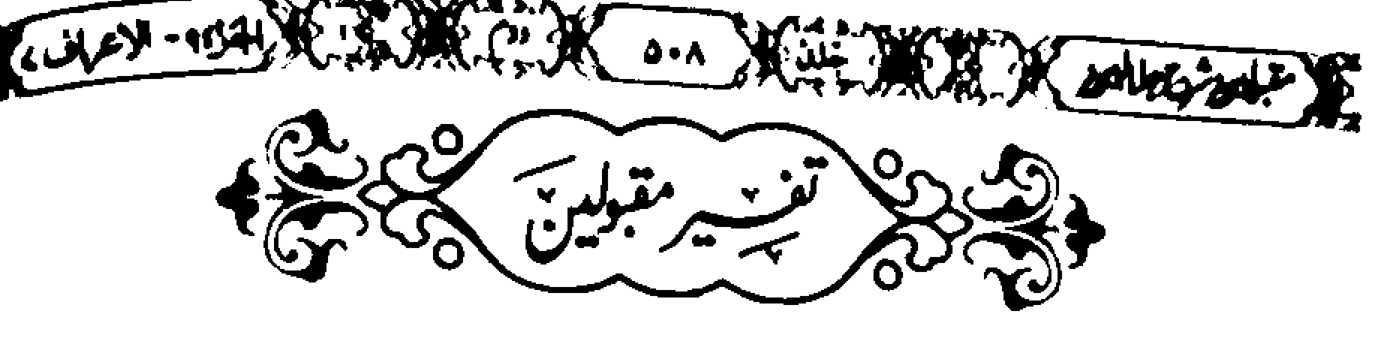
قوله: أَتُهْلِكُنَا: یہ استفہام استعلاف ہے۔

قوله: تُبْنَا: اس سے اشارہ کیا کہ هُدْنَا یہ توبہ اور رجوع کے معنی میں ہے، ہدایت بمعنی دلالت نہیں۔

قوله: اَلَّذِيْنَ: مبتدا اور يَأْمُرُهُمْ اس کی خبر ہے۔

قوله: إِصْرَهُمْ: اس سے ان پابندیوں کی طرف اشارہ ہے مثلاً عمد و خطاء میں صرف قصاص۔

قوله: وَقَطْعِ أَثَرِ النَّجَاسَةِ: یعنی کپڑے سے ازالہ نجاست کے لیے کپڑے کا وہ حصہ کاٹنا۔



اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ....

بچھڑے کی پرستش کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا غصہ اور دنیا میں ان لوگوں کی ذلت:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو چھوڑ دیا اور بارگاہِ الٰہی سے اپنے اور اپنے بھائی کے لیے مغفرت کا سوال پیش کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی کہ انہیں عنقریب ان کے رب کی طرف سے غصہ پہنچے گا اور دنیا والی زندگی میں ذلت پہنچے گی اس غضب اور ذلت سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں مفسرین کے کئی قول ہیں۔ حضرت ابو العالیہ نے فرمایا کہ غضب سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ حکم ہے جس میں قبولیت توبہ کے لیے ان لوگوں کے قتل کا حکم ہوا اور ذلت سے مراد ہے ان لوگوں کا یہ اقرار کر لینا کہ واقعی ہم نے گمراہی کا کام کیا اور پھر اپنی جانوں کو قتل کے لیے پیش کر دینا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ذلت سے وہ حالت اور کیفیت مراد ہے جو ان لوگوں کو اس وقت پیش آئی جبکہ اس بچھڑے کو جلایا گیا اور سمندر میں پھینک دیا گیا جس کی وجہ سے انہوں نے عبادت کی تھی، اور ایک قول یہ ہے کہ ذلت سے وہ مسکنت مراد ہے جو انہیں اور ان کی اولاد کو دنیا میں پیش آتی رہی اور بحالت سفر برسوں زمین میں گھومتے رہے۔

اور عطیہ عوفی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جو یہودی تھے آیت کریمہ میں ان کا ذکر ہے۔ غضب اور ذلت سے بنی نضیر کا جلاوطن کر دینا اور بنی قریظہ کا قتل کیا جانا یہودیوں پر جزیہ مقرر کرنا مراد ہے اور یہ بات اس بنیاد پر کہی جا سکتی ہے کہ عہد رسالت میں جو یہودی تھے وہ اپنے آباء واجداد کے اعمال سے بیزاری ظاہر نہیں کرتے تھے (كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُفْتَرِيْنَ ۝) (اور ہم اسی طرح افتراء کرنے والوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں)۔

اس سے افتراء علی اللہ مراد ہے۔ سامری اور اس کے ساتھیوں نے بچھڑے کے بارے میں جو یہ کہا تھا کہ: (هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى) (یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے) یہ بہت بڑا افتراء ہے اس کی سزا سامری کو بھی دی گئی اور ان لوگوں کو بھی دی گئی جو اس کے ساتھی تھے۔ حضرت سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ ہر صاحب بدعت ذلیل ہے۔ یہ فرما کر انہوں نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (مطلب یہ ہے کہ دین خداوندی میں جو شخص بدعت نکالے گا وہ دیر سویر ذلیل ہوگا۔ دنیا میں اس کا ظہور نہ ہوا تو آخرت میں ضرور ہی ذلیل ہوگا۔)

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ ....

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ستر افراد کو اپنے ہمراہ لے جانا اور وہاں ان لوگوں کی موت کا واقع ہو جانا:

بنی اسرائیل کی عادت تھی کہ بے تکی باتیں کیا کرتے تھے اور شبہات نکالتے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ

یہ توریت شریف تھی جس میں اللہ تعالیٰ کے احکام تھے۔ جو عمل کرنے کے لیے نازل فرمائے تھے۔ تم ان پر عمل کرو تو بنی اسرائیل کہنے لگے کہ ہم کیسے یقین کریں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سے فرما دے کہ یہ میری کتاب ہے اور میرے احکام ہیں تو ہم مان لیں گے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی منتخب فرمائے تاکہ ان کو ہمراہ لے جائیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام سنوائیں۔ جب یہ لوگ حاضر ہوئے اور کلام الٰہی کو سنا تو کہنے لگے ہمیں کیا معلوم کون بول رہا ہے ہم تو جب یقین کریں گے جب بالکل اپنے سامنے اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں۔ یہ ان کی گستاخی کی بات تھی۔ ان لوگوں کو زلزلہ نے پکڑ لیا اور وہیں ڈھیر ہو گئے۔ جب ان لوگوں کا یہ حال ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی بیہودگی کا اور بدگمانی کا خیال آیا کہ یہ لوگ پہلے ہی سے بدگمان تھے اب تو اور زیادہ بدگمانی کریں گے اور یوں کہیں گے کہ ہمارے آدمیوں کو لے جا کر انہیں ہلاک کروا دیا۔ لہٰذا بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے میرے رب اگر آپ چاہتے تو اس سے پہلے ہی ان کو اور مجھے ہلاک فرما دیتے جب آپ نے ایسا نہیں کیا (اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کا اس وقت ہلاک کرنا آپ کو منظور نہیں کیونکہ اس میں میری بدنامی ہے) تو آپ ان کو دوبارہ زندگی عطا فرما دیں تاکہ بدگمانی والی بات میں مطعون اور بدنام نہ ہو جاؤں۔

(أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں معروض پیش کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ کیا آپ چند بیوقوفوں کی حرکت سے جو ہم میں سے تھے ہمیں ہلاک فرما دیں گے۔ یعنی امید ہے کہ آپ ایسا نہ کریں گے۔ مزید عرض کیا: (إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ) کہ یہ جو واقعہ پیش آیا ہے ان لوگوں کو جو زلزلہ نے اور صاعقہ یعنی بجلی کی کڑک نے (کما فی سورۃ البقرۃ) پکڑ لیا یہ آپ کی طرف سے ایک امتحان ہی ہے۔ (تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ وَتَهْدِي مَنْ تَشَاءُ) آپ اس کے ذریعہ گمراہی میں ڈالتے ہیں جس کو چاہتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں ہدایت پر قائم رکھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر وہ لوگ پھر سے زندہ کر دیئے گئے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا: (ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ)

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ: اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے۔ آیت بالا میں اللہ کی رحمت کے وسیع ہونے کا ذکر ہے اس کی رحمت سب کو شامل ہے۔ دنیا میں جو مخلوق ایک دوسرے پر رحم کھاتی ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ شانہٗ کی عطا فرمودہ رحمت کا اثر ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ کی رحمت کے سو حصے ہیں۔ اس میں سے ایک رحمت دنیا میں اتاری ہے جو جن و انس اور چوپایوں میں اور زہریلے جانوروں میں تقسیم فرما دی۔ اسی کے ذریعے آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہوتے ہیں اور اللہ نے ننانوے رحمتوں کو قیامت کے دن کے لیے مؤخر فرما دیا ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ ان رحمتوں کے ذریعہ اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔ (رواہ البخاری ومسلم کما فی المشکوۃ ص ۲۰۷)

اللہ کی رحمت بڑی ہے دنیا میں ہر نیک و بد کو شامل ہے یہ اللہ ہی کی رحمت ہے کہ مومن اور کافر نیک اور بد بلکہ خدائے تعالیٰ سے منکر اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی شان اقدس میں گستاخی کرتے ہیں آرام کی زندگی گزارتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں اور پہنتے ہیں اور نعمتوں میں ڈوبے ہوئے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس پر چاہے رحم کرے اور جس کو چاہے عذاب دے، یہ اس کی

مشیت سے متعلق ہے۔ وہ کسی پر رحم کرنے یا کسی کو عذاب دینے پر مجبور نہیں ہے یعنی اس کی رحمت ماں باپ کی مامتا کی طرح نہیں ہے کہ وہ طبعی طور پر اولاد پر رحم کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ ....

سابقہ کتابوں میں آخری پیغمبر خاتم الانبیاء ﷺ کے جو اوصاف بیان ہوئے تھے جس سے ان نبیوں کی امت آپ کو پہچان جائے وہ بیان ہو رہے ہیں سب کو حکم تھا کہ ان صفات کا پیغمبر اگر تمہارے زمانے میں ظاہر ہو تو تم سب ان کی تابعداری میں لگ جانا۔ مسند احمد میں ہے ایک صاحب فرماتے ہیں میں کچھ خرید و فروخت کا سامان لے کر مدینے آیا جب اپنی تجارت سے فارغ ہوا تو میں نے کہا اس شخص سے بھی مل لوں میں چلا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کہیں جا رہے ہیں میں بھی پیچھے پیچھے چلنے لگا آپ ایک یہودی عالم کے گھر گئے اس کا نوجوان خوبصورت تنومند بیٹا نزع کی حالت میں تھا اور وہ اپنے دل کو تسکین دینے کیلئے تورات کھولے ہوئے اس کے پاس بیٹھا ہوا تلاوت کر رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تجھے اس کی قسم جس نے یہ تورات نازل فرمائی ہے کیا میری صفت اور میرے مبعوث ہونے کی خبر اس میں تمہارے پاس ہے یا نہیں؟ اس نے اپنے سر کے اشارے سے انکار کیا۔ اسی وقت اس کا وہ بچہ بول اٹھا کہ اس کی قسم جس نے تورات نازل فرمائی ہے ہم آپ کی صفات اور آپ کے آنے کا پورا حال اس تورات میں موجود پاتے ہیں اور میری تہ دل سے گواہی ہے کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور آپ اس کے سچے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا اس یہودی کو اپنے بھائی کے پاس سے ہٹاؤ پھر آپ ہی اس کے کفن دفن کے والی بنے اور اس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ مستدرک حاکم میں ہے حضرت ہشام بن عاص اموی فرماتے ہیں کہ میں اور ایک صاحب روم کے بادشاہ ہرقل کو دعوت اسلام دینے کیلئے روانہ ہوئے۔ غوطہ دمشق میں پہنچ کر ہم جبلہ بن ایہم غسانی کے ہاں گئے اس نے اپنا قاصد بھیجا کہ ہم اس سے باتیں کرلیں۔ ہم نے کہا واللہ ہم تم سے کوئی بات نہ کریں گے ہم بادشاہ کے پاس بھیجے گئے ہیں اگر وہ چاہیں تو ہم سے خود سنیں اور خود جواب دیں ورنہ ہم قاصدوں سے گفتگو کرنا نہیں چاہتے۔ قاصدوں نے یہ خبر بادشاہ کو پہنچائی اس نے اجازت دی اور ہمیں اپنے پاس بلالیا چنانچہ میں نے اس سے باتیں کیں اور اسلام کی دعوت دی۔ وہ اس وقت سیاہ لباس پہنے ہوئے تھا کہنے لگا کہ دیکھو میں نے یہ لباس پہن رکھا ہے اور حلف اٹھایا ہے کہ جب تک تم لوگوں کو شام سے نہ نکال دوں گا اس سیاہ لباس کو نہ اتاروں گا۔ قاصد اسلام نے یہ سن کر پھر کہا بادشاہ ہوش سنبھالو اللہ کی قسم یہ آپ کے تخت کی جگہ اور آپ کے بڑے بادشاہ کا پایۂ تخت بھی ان شاء اللہ عنقریب ہم اپنے قبضے میں کرلیں گے۔ یہ کوئی ہماری ہوس نہیں بلکہ ہمارے نبی ﷺ سے ہمیں یہ پختہ خبر مل چکی ہے۔ اس نے کہا تم وہ لوگ نہیں ہاں ہم سے ہمارا یہ تخت و تاج وہ قوم چھینے گی جو دنوں کو روزے سے رہتے ہوں اور راتوں کو تہجد پڑھتے ہوں۔ اچھا تم بتاؤ تمہارے روزے کے احکام کیا ہیں؟ اب جو ہم نے بتائے تو اس کا منہ کالا ہو گیا۔ اس نے اسی وقت ہمارے ساتھ اپنا ایک آدمی کر دیا اور کہا انہیں شاہ روم کے پاس لے جاؤ جب ہم اس کے پایۂ تخت کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگا تم اس حال میں تو اس شہر میں نہیں جا سکتے اگر تم کہو تو میں تمہارے لئے عمدہ سواریاں لا دوں ان پر سوار ہو کر تم شہر میں چلو ہم نے

کہانا ممکن ہے ہم تو اسی حالت میں انہی سواریوں پر چلیں گے انہوں نے بادشاہ سے کہلوا بھیجا وہاں سے اجازت آئی کہ اچھا انہیں اونٹوں پر ہی لے آؤ ہم اپنے اونٹوں پر سوار گلے میں تلواریں لٹائے شاہی محل کے پاس پہنچے وہاں ہم نے اپنی سواریاں بٹھائیں بادشاہ دریچے میں سے ہمیں دیکھ رہا تھا ہمارے منہ سے بے ساختہ دُعا (لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر) کا نعرہ نکل گیا۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ اسی وقت شام اور روم کا محل تھرا اٹھا اس طرح جس طرح کسی خوشے کو تیز ہوا کا جھونکا ہلا رہا ہو اسی وقت محل سے شاہی قاصد دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا آپ کو یہ نہیں چاہئے کہ اپنے دین کو اس طرح ہمارے سامنے اعلان کرو، چلو تم کو بادشاہ سلامت یاد کر رہے ہیں چنانچہ ہم اس کے ساتھ دربار میں گئے دیکھا کہ چاروں طرف سرخ مخمل اور سرخ ریشم ہے خود بھی سرخ لباس پہنے ہوئے ہے تمام دربار پادریوں اور ارکان سلطنت سے بھرا ہوا ہے۔ جب ہم پاس پہنچ گئے تو مسکرا کر کہنے لگا جو سلام تم میں آپس میں مروج ہے تم نے مجھے وہ سلام کیوں نہ کیا؟ ترجمان کی معرفت ہمیں بادشاہ کا یہ سوال پہنچا تو ہم نے جواب دیا کہ جو سلام ہم میں ہے اس کے لائق تم نہیں اور جو آداب کا دستور تم میں ہے وہ ہمیں پسند نہیں۔ اس نے کہا اچھا تمہارا سلام آپس میں کیا ہے؟ ہم نے کہا السلام علیکم اس نے کہا اپنے بادشاہ کو تم کس طرح سلام کرتے ہو؟ ہم نے کہا صرف ان ہی الفاظ سے۔ پوچھا اچھا وہ بھی تمہیں کوئی جواب دیتے ہیں ہم نے کہا یہی الفاظ وہ کہتے ہیں۔ بادشاہ نے دریافت کیا کہ تمہارے ہاں سب سے بڑا کلمہ کون سا ہے؟ ہم نے کہا دُعا (لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر)۔ اللہ عزوجل کی قسم ادھر ہم نے یہ کلمہ کہا ادھر پھر سے محل میں زلزلہ پڑا یہاں تک کہ سارا دربار چھت کی طرف نظریں کر کے سہم گیا۔ بادشاہ ہیبت زدہ ہو کر پوچھنے لگا کیوں جی اپنے گھروں میں بھی جب کبھی تم یہ کلمہ پڑھتے ہو تمہارے گھر بھی اس طرح زلزلے میں آ جاتے ہیں؟ ہم نے کہا کبھی نہیں ہم نے تو یہ بات یہیں آپ کے ہاں ہی دیکھی ہے۔ بادشاہ کہنے لگا کاش کہ تم جب کبھی اس کلمے کو کہتے تمام چیزیں اسی طرح ہل جاتیں اور میرا آدھا ملک ہی رہ جاتا۔ ہم نے پوچھا یہ کیوں؟ اس نے جواب دیا اس لئے کہ یہ آسان تھا بہ نسبت اس بات کے کہ یہ امر نبوت ہو۔ پھر اس نے ہم سے ہمارا ارادہ دریافت کیا ہم نے صاف بتایا۔ اس نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ تم نماز کس طرح پڑھتے ہو اور روزہ کس طرح رکھتے ہو؟ ہم نے دونوں باتیں بتادیں اس نے اب ہمیں رخصت کیا اور بڑے اکرام واحترام سے ہمیں شاہی معزز مہمانوں میں رکھا۔ تین دن جب گزرے تو رات کے وقت ہمیں قاصد بلانے آیا ہم پھر دربار میں گئے تو اس نے ہم سے پھر ہمارا مطلب پوچھا ہم نے اسے دوہرایا پھر اس نے ایک حویلی کی شکل کی سونا منڈھی ہوئی ایک چیز منگوائی جس میں بہت سارے مکانات تھے اور ان کے دروازے تھے اس نے اسے کنجی سے کھول کر ایک سیاہ رنگ کا ریشمی جامہ نکالا ہم نے دیکھا کہ اس میں ایک شخص ہے جس کی بڑی بڑی آنکھیں ہیں بڑی رانیں ہیں۔ بڑی لمبی اور گھنی داڑھی ہے اور سر کے بال دو حصوں میں نہایت کو خوبصورت لمبے لمبے ہیں ہم سے پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں۔ کہا یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں ان کے جسم پر بال بہت ہی تھے۔ پھر دوسرا دروازہ کھول کر اس میں سے سیاہ رنگ ریشم کا پارچہ نکالا جس میں ایک سفید صورت تھی جس کے گھونگر والے بال تھے سرخ رنگ آنکھیں تھیں بڑے کلے کے آدمی تھے اور بڑی خوش وضع داڑھی تھی ہم سے پوچھا انہیں پہچانتے ہو؟ ہم نے انکار کیا تو کہا یہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے

سیاہ ریشمی کپڑا نکالا اس میں ایک شخص تھا نہایت ہی گورا چٹا رنگ، بہت خوبصورت آنکھیں، کشادہ پیشانی، لمبے رخسار، سفید داڑھی، یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ مسکرا رہے ہیں۔ ہم سے پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے انکار کیا تو کہا یہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھولا اس میں سے ایک خوبصورت سفید شکل دکھائی دی جو ہو بہو رسول اللہ ﷺ کی تھی۔ ہم سے پوچھا انہیں پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا یہ حضرت محمد ہیں ﷺ ہیں۔ یہ کہا اور ہمارے آنسو نکل آئے۔ بادشاہ اب تک کھڑا ہوا تھا اب وہ بیٹھ گیا اور ہم سے دوبارہ پوچھا کہ یہی شکل حضور کی ہے؟ ہم نے کہا اللہ یہی ہے اسی طرح کہ گویا تو آپ کو آپ کی زندگی میں دیکھ رہا ہے۔ پس وہ تھوڑی دیر تک غور سے اسے دیکھتا رہا پھر ہم سے کہنے لگا کہ یہ آخری گھر تھا لیکن میں نے اور گھروں کو چھوڑ کر اسے بیچ میں ہی اس لئے کھول دیا کہ تمہیں آزمالوں کہ تم پہچان جاتے ہو یا نہیں۔ پھر ایک اور دروازہ کھول کر اس میں سے بھی سیاہ رنگ ریشمی کپڑا نکالا جس میں ایک گندم گوں نرمی والی صورت تھی۔ بال گھنگھریالے آنکھیں گہری نظریں تیز تیور تیکھے دانت پر دانت ہونٹ موٹے ہوئے تھے جیسے کہ غصے میں بھرے ہوئے ہیں۔ ہم سے پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے انکار کیا بادشاہ نے کہا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اسی کے متصل ایک اور صورت تھی جو قریب قریب اسی کی سی تھی۔ مگر ان کے سر کے بال گویا تیل لگے ہوئے تھے۔ ماتھا کشادہ تھا آنکھوں میں کچھ فراخی تھی ہم سے پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہمارے انکار پر کہا یہ حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے ایک سفید رنگ ریشم کا ٹکڑا نکالا جس میں ایک گندم گوں رنگ میانہ قد سیدھے بالوں والا ایک شخص تھا گویا وہ غضبناک ہے پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے کہا نہیں۔ کہا یہ حضرت لوط علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے ایک سفید ریشمی کپڑا نکال کر دکھایا جس میں سنہرے رنگ کے ایک آدمی تھے جن کا قد طویل نہ تھا رخسار بڑے تھے چہرہ خوبصورت تھا ہم سے پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں، کہا یہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے سیاہ رنگ کا ریشمی کپڑا نکالا جس میں ایک شکل تھی سفید رنگ خوبصورت اونچی ناک والے اچھے قامت والے نورانی چہرے والے جس میں خوف اللہ ظاہر تھا رنگ سرخی مائل سفید تھا پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں، کہا یہ تمہارے نبی ﷺ کے دادا حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ پھر اور دروازہ کھول کر سفید ریشمی کپڑے کا ٹکڑا نکال کر دکھایا جس میں ایک صورت تھی جو حضرت آدم علیہ السلام کی صورت سے بہت ہی ملتی جلتی تھی اور چہرہ تو سورج کی طرح روشن تھا، پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے لاعلمی ظاہر کی تو کہا یہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے سفید ریشم کا پارچہ نکال کر ہمیں دکھایا جس میں ایک صورت تھی سرخ رنگ بھری پنڈلیاں کشادہ آنکھیں اونچا پیٹ قدرے چھوٹا قد تلوار لٹکائے ہوئے۔ پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں۔ کہا یہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں پھر اور دروازہ کھول کر سفید ریشم نکالا جس میں ایک صورت تھی موٹی رانوں والی لمبے پیروں والی گھوڑے سوار۔ پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے کہا نہیں، کہا یہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک اور دروازہ کھولا اور اس میں سے سیاہ رنگ حریری پارچہ نکالا جس میں ایک صورت تھی۔ سفید رنگ نوجوان سخت سیاہ داڑھی بہت زیادہ بال خوشنما آنکھیں خوبصورت چہرہ۔ پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں کہا یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم ہیں۔ ہم نے پوچھا آپ کے پاس یہ صورتیں کہاں سے آئیں؟ یہ تو ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ یہ تمام انبیاء کی

اصلی صورت کے بالکل ٹھیک نمونے ہیں۔ کیونکہ ہم نے اپنے پیغمبر ﷺ کی صورت کو بالکل ٹھیک اور درست پایا۔ بادشاہ نے جواب دیا بات یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے رب العزت سے دُعا کی کہ آپ کی اولاد میں سے جو انبیاء علیہم السلام ہیں ان سب کو دکھایا جائے پس ان کی صورتیں آپ پر نازل ہوئیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے خزانے میں جو سورج کے غروب ہونے کی جگہ پر تھا محفوظ تھیں ذوالقرنین نے انہیں وہاں سے لے لیا اور حضرت دانیال کو دیں۔ پھر بادشاہ کہنے لگے کہ میں تو اس پر خوش ہوں کہ اپنی بادشاہت چھوڑ دوں میں اگر غلام ہوتا تو تمہارے ہاتھوں بک جاتا اور تمہاری غلامی میں اپنی پوری زندگی بسر کرتا۔ پھر اس نے ہمیں بہت کچھ تحفے تحائف دے کر اچھی طرح رخصت کیا۔ جب ہم خلیفۃ المسلمین امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دربار میں پہنچے اور یہ سارا واقعہ بیان کیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ روئے اور فرمانے لگے اس مسکین کے ساتھ اللہ کی توفیق رفیق ہوتی تو یہ ایسا کر گزرتا۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے کہ نصرانی اور یہودی حضرت محمد ﷺ کے اوصاف اپنی کتابوں میں برابر پاتے ہیں۔ یہ روایت امام بیہقی کی کتاب دلائل النبوۃ میں بھی ہے۔ اس کی اسناد بھی خوف وخطر سے خالی ہے۔ حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی جو صفتیں تورات میں ہوں وہ مجھے بتاؤ تو انہوں نے فرمایا ہاں واللہ آپ کی صفتیں تورات میں ہیں جو قرآن میں بھی ہیں کہ اے نبی ہم نے آپ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا اور ان پڑھوں کو گمراہی سے بچانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میرے بندے اور رسول ہیں، آپ کا نام متوکل ہے، آپ بدگو اور بدخلق نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو قبض نہ کرے گا جب تک کہ آپ کی وجہ سے لوگوں کی زبان سے لا الہ الا اللہ کہلوا کر ٹیڑھے دین کو درست نہ کر دے۔ بند دلوں کو کھول دے گا، بہرے کانوں کو سننے والا بنا دے گا، اندھی آنکھوں کو دیکھتی کر دے گا۔ یہ روایت صحیح بخاری شریف میں بھی ہے۔ حضرت عطا فرماتے ہیں پھر میں حضرت کعب سے ملا اور ان سے بھی یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا ایک حرف کی بھی کمی بیشی دونوں صاحبوں کے بیان میں نہ تھی یہ اور بات ہے کہ آپ نے اپنی لغت میں دونوں کے الفاظ بولے۔ بخاری شریف کی اس روایت میں اس ذکر کے بعد کہ آپ بدخلق نہیں یہ بھی ہے کہ آپ بازاروں میں شور وغل کرنے والے نہیں، آپ برائی کے بدلے برائی کرنے والے نہیں بلکہ معافی اور درگزر کرنے والے ہیں۔ عبداللہ بن عمرو کی حدیث کے ذکر کے بعد ہے کہ سلف کے کلام میں عموماً تورات کا لفظ اہل کتاب کی کتابوں پر بولا جاتا ہے۔ اس کے مشابہ اور بھی روایتیں ہیں واللہ اعلم۔ طبرانی میں حضرت جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ میں تجارت کی غرض سے شام میں گیا وہاں میری ملاقات اہل کتاب کے ایک عالم سے ہوئی۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ نبی تم میں ہوئے ہیں؟ میں نے کہا ہاں، اس نے کہا اگر تمہیں ان کی صورت دکھائیں تو تم پہچان لوگے؟ میں نے کہا ضرور چنانچہ وہ مجھے ایک گھر میں لے گیا جہاں بہت سی صورتیں تھیں لیکن ان میں میری نگاہ میں حضور کی کوئی شبیہ نہ آئی، اسی وقت ایک اور عالم آیا ہم سے پوچھا کیا بات ہے؟ جب اسے ساری بات معلوم ہوئی تو وہ ہمیں اپنے مکان لے گیا وہاں جاتے ہی میری نگاہ آپ کی شبیہ پر پڑی اور میں نے دیکھا کہ گویا کوئی آپ کے پیچھے ہی آپ کو تھامے ہوئے ہے، میں نے یہ دیکھ کر اس سے پوچھا یہ دوسرے صاحب پیچھے کیسے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ جو نبی آیا اس کے بعد

بھی نبی آیا لیکن اس نبی کے بعد کوئی نبی نہیں اس کے پیچھے کا یہ شخص اس کا خلیفہ ہے۔ اب جو میں نے غور سے دیکھا تو وہ بالکل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شکل تھی۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے موذن اقرع کو ایک پادری کے پاس بھیجا آپ اسے بلا لائے امیر المومنین نے اس سے پوچھا کہ بتاؤ تم میری صفت اپنی کتابوں میں پاتے ہو؟ اس نے کہا ہاں، کہا کیا؟ اس نے جواب دیا کہ قرن۔ آپ نے کوڑا اٹھا کر فرمایا قرن کیا ہے؟ اس نے کہا گویا کہ وہ لوہے کا سینگ ہے وہ امیر ہے امین ہے بہت سخت۔ فرمایا اچھا میرے بعد والے کی صفت کیا ہے؟ اس نے کہا کہ خلیفہ تو وہ نیک صالح ہے لیکن اپنے قرابتداروں کو وہ دوسروں پر ترجیح دے گا۔ آپ نے فرمایا اللہ عثمان پر رحم کرے تین بار یہی فرمایا پھر فرمایا اچھا ان کے بعد؟ اس نے کہا وہ تو لوہے کے ٹکڑے جیسا۔ حضرت عمر نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا اور افسوس کرنے لگے اس نے کہا اے امیر المومنین ہوں گے تو وہ نیک خلیفہ لیکن ان کی خلافت ایسے ہی وقت ہوگی کہ جب تلوار کھنچی ہوئی ہو اور خون بہہ رہا ہو (ابوداؤد) ان کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی ایک صفت یہ بھی تھی کہ آپ بھلائیوں کا حکم دیں گے برائیوں سے روکیں گے۔ فی الواقع آپ ایسے ہی تھے کوئی بھلائی ہے جس کا آپ نے حکم نہ دیا ہو؟ کوئی برائی ہے جس سے آپ نے نہ روکا ہو؟ جیسے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب قرآن میں یا ایھا الذین آمنوا اے ایمان والو تو اسی وقت ہمہ تن گوش ہو جاؤ کیونکہ یا تو کسی خیر کا تمہیں حکم کیا جائے گا یا کسی شر سے تمہیں روکا جائے گا۔ ان میں سب سے زیادہ تاکید اللہ کی وحدانیت کی تھی جس کا حکم برابر ہر نبی کو ہوتا رہا قرآن شاہد ہے کہ ہر امت میں ہم نے پیغمبر بھیجا کہ وہ لوگوں سے کہہ دیں کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ماسوا کی عبادت نہ کرو۔ مسند احمد میں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ جب تم میری کسی حدیث کو سنو جسے تمہارے دل پہچان لیں تمہارے جسم اس کی قبولیت کے لئے تیار ہو جائیں اور تمہیں یہ معلوم ہو کہ وہ میرے لائق ہے تو میں اس سے بہ نسبت تمہارے زیادہ لائق ہوں اور جب تم میرے نام سے کوئی ایسی بات سنو جس سے تمہارے دل انکار کریں اور تمہارے جسم نفرت کریں اور تم دیکھو کہ وہ تم سے بہت دور ہے تو میں بہ نسبت تمہارے بھی اس سے بہت دور ہوں۔ اس کی سند بہت پکی ہے۔ اسی کی ایک اور روایت میں حضرت علی کا قول ہے کہ جب تم رسول اللہ ﷺ سے منقول کوئی حدیث سنو تو اس کے ساتھ وہ خیال کرو جو خوب راہ والا، بہت مبارک اور بہت پرہیزگاری والا ہو۔ پھر حضور کی ایک صفت بیان ہو رہی ہے کہ آپ کل پاک صاف اور طیب چیزوں کو حلال کرتے ہیں بہت سی چیزیں ان میں ایسی تھیں جنہیں لوگوں نے از خود حرام قرار دے لیا تھا جیسے جانوروں کو بتوں کے نام کر کے نشان ڈال کر انہیں حرام سمجھنا وغیرہ اور خبیث اور گندی چیزیں آپ لوگوں پر حرام کرتے ہیں جیسے سور کا گوشت سود وغیرہ اور جو حرام چیزیں لوگوں نے از خود حلال کر لی تھیں۔ بعض علماء کا فرمان ہے کہ اللہ کی حلال کردہ چیزیں کھاؤ وہ دین میں بھی ترقی کرتی ہیں اور بدن میں بھی فائدہ پہنچاتی ہیں اور جو چیزیں حرام کر دی ہیں ان سے بچو کیونکہ ان سے دین کے نقصان کے علاوہ صحت میں بھی نقصان ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ چیزوں کی اچھائی برائی دراصل عقلی ہے۔ اس کے بہت سے جواب دیئے گئے ہیں لیکن یہ جگہ اس کے بیان کی نہیں اسی آیت کو زیر نظر رکھ کر بعض اور علماء نے کہا ہے کہ جن چیزوں کا حلال حرام ہونا کسی کو نہ پہنچا ہو اور کوئی آیت حدیث اس کے

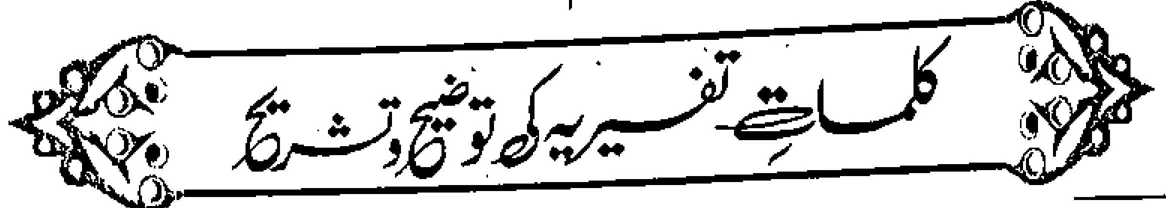
ہارے میں نہ ہو تو یہ سمجھنا چاہئے کہ عرب اسے اچھی چیز سمجھتے تھے یا اس سے کراہت کرتے تھے اگر اسے اچھی چیز جان کر استعمال میں لاتے تھے تو حلال ہے۔ اگر بری چیز سمجھ کر نفرت کرکے اسے نہ کھاتے ہوں تو وہ حرام ہے۔ اس اصول میں بھی بہت کچھ منظور ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ آپ بہت سارے آسان اور سہل دین لے کر آئیں گے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ میں ایک طرف آسان دین دے کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل کو جب حضور ﷺ یمن کا امیر بنا کر بھیجتے ہیں تو فرماتے ہیں تم دونوں خوش خبری دینا نفرت نہ دلانا آسانی کرنا سختی نہ کرنا مل کر رہنا اختلاف نہ کرنا۔ آپ کے صحابی ابو برزہ اسلمی فرماتے ہیں میں حضور کے ساتھ رہا ہوں اور آپ کی آسانیوں کا خوب مشاہدہ کیا ہے۔ پہلی امتوں میں بہت سختیاں تھیں لیکن پروردگار عالم نے اس امت سے وہ تمام سختیاں دور فرما دیں۔ آسان دین اور سہولت والی شریعت انہیں عطا فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میری امت کے دلوں میں جو وسوسے گزریں ان پر انہیں پکڑ نہیں جب تک کہ زبان سے نہ نکالیں یا عمل نہ لائیں۔ فرماتے ہیں میری امت کی بھول چوک اور غلطی سے اور جو کام ان سے جبراً کرائے جائیں ان سے اللہ تعالیٰ نے قلم اٹھا لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس امت کو خود اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم فرمائی کہ کہو کہ اے ہمارے پروردگار تو ہماری بھول چوک پر ہماری پکڑ نہ کر۔ اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ لاد جو ہم سے پہلوں پر تھا۔ اے ہمارے رب ہمیں ہماری طاقت سے زیادہ بوجھل نہ کر۔ ہمیں معاف فرما ہمیں بخش، ہم پر رحم فرما۔ تو ہی ہمارا کارساز مولیٰ ہے۔ ہمیں کافروں پر مدد فرما۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب مسلمانوں نے یہ دعائیں کیں تو ہر جملے پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے یہ قبول فرمایا۔ پس جو لوگ اس نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لائیں اور آپ کا ادب عزت کریں اور جو وحی آپ پر اتری ہے اس نور کی پیروی کریں وہی دنیا آخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ا۟لَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ القران وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ترشدون وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ جماعة يَّهْدُوْنَ الناس بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ به في الحكم وَقَطَّعْنٰهُمُ فرقنا بني اسرائيل اثْنَتَيْ عَشْرَةَ حال اَسْبَاطًا بدل منه اى قبائل اُمَمًا ۭ بدل مما قبله وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗ في التيه اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فضربه فَانْۢبَجَسَتْ انفجرت مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ بعدد الاسباط قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ سبط منهم مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ في التيه من حر الشمس وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ هما الترنجبين والطير السماني بتخفيف الميم والقصر وَقُلْنَا لهم كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا

ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ اذكر وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ بيت المقدس وَ
كُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا امرنا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ اى باب القرية سُجَّدًا سجود انحناء
نَّغْفِرْ بالنون وبالتاء مبنيا للمفعول لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ بالطاعة ثوابا فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فقالوا حبة في شعرة ودخلوا يزحفون على استاههم فَاَرْسَلْنَا
ع عَلَيْهِمْ رِجْزًا عذابا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝ [illegible]

ترجمہ: قُلْ (یہ خطاب نبی اکرم ﷺ کو ہے) آپ کہہ دیجئے کہ اے دنیا کے جہان کے لوگو بیشک تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا (پیغمبر) ہوں جس کی بادشاہت تمام آسمانوں اور زمین میں ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی جلاتا اور مارتا ہے اس لیے اللہ پر ایمان لاؤ اور (نیز) ایمان لاؤ اس کے نبی امی پر (یعنی محمد رسول اللہ ﷺ پر) جو کہ (خود بھی) اللہ پر اور اس کے کلمات (یعنی قرآن مجید) پر ایمان رکھتے ہیں اور اس (نبی) کا اتباع کرو تاکہ تم ہدایت پا جاؤ (راہ راست پر آ جاؤ)۔ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ اور موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم میں سے ایک گروہ (جماعت) ایسی بھی ہے جو (لوگوں کو) دین حق کی ہدایت بھی کرتے ہیں اور اسی حق کے ساتھ (فیصلہ کرنے میں) انصاف بھی کرتے ہیں۔ وَقَطَّعْنٰهُمُ [illegible] اور ہم نے تقسیم کر دیا ان کو (یعنی بانٹ دیا بنی اسرائیل کو) بارہ قبیلوں پر کر کے (اثْنَتَيْ عَشْرَةَ حال وَقَطَّعْنٰهُمُ سے مفعول ہے اور اَسْبَاطًا بدل ہے اثْنَتَيْ عَشْرَةَ سے یا اور اُمَمًا بدل ہے اَسْبَاطًا سے۔ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى [illegible] اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو حکم دیا جب کہ ان کی قوم نے ان سے پانی مانگا (میدان تیہ میں اور ہم نے یہ وحی بھیجی) کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو (چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اس پتھر پر لاٹھی ماری) پس اس پتھر سے پھوٹ نکلے (بہہ نکلے) بارہ چشمے (قبیلوں کی تعداد کے مطابق) قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ [illegible] سب آدمیوں نے (یعنی ان قبیلوں میں سے ہر قبیلے نے) اپنا گھاٹ معلوم کر لیا۔ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کر دیا (میدان تیہ میں آفتاب کی گرمی کی وجہ سے) اور ہم نے ان پر من اور سلویٰ اتارا (یہ دونوں ترنجبین اور پرندہ سمانی تھی جیسا کہ اَلسَّلْوٰى بفتح السین اور تخفیف اور قصر یعنی بغیر مد کے ہے) وَقُلْنَا لَهُمُ یعنی ہم نے ان سے کہہ دیا اور اجازت دی کہ) كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ [illegible] کھاؤ پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں اور انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ وَاذكر اِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ [illegible] (اور یاد کرو اس وقت کو) جب بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ تم لوگ اس بستی (یعنی بیت المقدس) میں جا کر رہو اور کھاؤ اس کی چیزوں میں) سے جہاں سے چاہو وَقُوْلُوْا (اور زبان سے کہو) حِطَّةٌ (یعنی ہمارا کام توبہ ہے)۔ وَّادْخُلُوا الْبَابَ [illegible] اور (اس بستی کے دروازے میں داخل ہو جھکے جھکے (عاجزی سے جھک کر داخل ہو) نَّغْفِرْ لَكُمْ ہم

تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے (نون کے ساتھ اور تاء کے ساتھ ہے بصیغہ مجہول سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۱﴾ اور جو لوگ نیک کام کریں گے (اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ) انہیں مزید دیں گے (اجر و ثواب) فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بدل ڈالا ان لوگوں نے جو ان میں سے ظالم تھے اس بات کے خلاف جو ان سے کہی گئی تھی (چنانچہ بجائے حطة کے کہنے لگے: حَبَّةٌ فِيْ شَعْرَةٍ یعنی بالوں میں دانہ اور داخل ہوئے سرین کے بل گھسٹتے ہوئے) فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ پس (اس سرکشی کی سزا میں) ہم نے عذاب بھیجا آسمان سے اس وجہ سے کہ وہ لوگ ظلم کرتے تھے۔



قوله: جَمِيْعًا: یہ حال ہے۔

قوله: سَبط: یہ اَسْبَاطِ کا واحد ہے۔ ان کے بارہ قبائل تھے جو یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد تھے۔

قوله: بَدَلٌ مِنْهُ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ تمیز نہیں۔

قوله: بَدَلٌ مِمَّا قَبْلَه: یعنی یہ بدل کے بعد بدل ہے۔

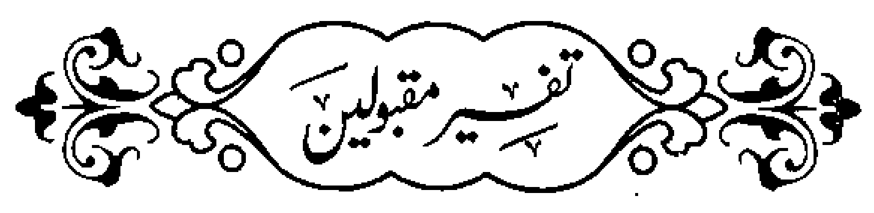
قوله: فَضَرَبَه: اس سے اشارہ کیا کہ کلام میں حذف و اختصار ہے اور یہ اشارہ ہے کہ موسیٰ نے تعمیل ارشاد میں ذرا توقف نہیں فرمایا۔

قوله: اَمَرْنَا: اس کو مقدر مانا گیا تا کہ قول کا مقولہ جملہ ہو جائے۔

قوله: مَبْنِيًّا لِلْمَفْعُوْلِ: اس صورت میں خطیات رفع سے پڑھا جائے گا۔

قوله: سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ: اس کو جملہ مستانفہ کی طرح لائے تا کہ محض فضل الٰہی پر دلالت کرے۔

قوله: اَسْتَاهِهِمْ: یعنی سرینوں پر گھسٹتے ہوئے۔



قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا....

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم اور آپ کی بعثت عامہ کا اعلان:

اس آیت کریمہ میں نبی امی سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ آپ تمام انسانوں کو خطاب کر کے فرما دیں کہ بلا شبہ مجھے اللہ نے تم سب کی طرف بھیجا ہے۔ میں اللہ کا رسول ہوں، اللہ وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے ان میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی مخلوق و مملوک ہے تم سب بھی اللہ کی مخلوق و مملوک ہو۔ اس کے

ملک ہے اور اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی، لہٰذا اس پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کی تصدیق کرو۔ یہ رسول اللہ کا نبی ہے جو امی ہے، یعنی اس نے کسی انسان سے نہیں پڑھا، وہ خود بھی اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کے کلمات یعنی اس کے احکام کی تصدیق کرتا ہے لہٰذا تم اس کا اتباع کرو تاکہ ہدایت پا جاؤ۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں ایک حق پرست جماعت:

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ ۝ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو خود بھی حق کا اتباع کرتی ہے اور اپنے نزاعی معاملات کے فیصلوں میں حق کے موافق فیصلے کرتی ہے۔ سابقہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی کجروی، کج بحثی اور گمراہی کا بیان ہوا تھا، اس آیت میں بتلایا گیا کہ پوری قوم بنی اسرائیل ایسی نہیں ہے، ان میں کچھ لوگ اچھے بھی ہیں جو حق کا اتباع کرتے ہیں اور حق فیصلے کرتے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے تورات وانجیل کے زمانہ میں ان کی ہدایت کے موافق پورا عمل کیا، اور جب خاتم الانبیاء ﷺ مبعوث ہوئے تو تورات وانجیل کی بشارت کے موافق آپ پر ایمان لائے اور آپ کا اتباع کیا، بنی اسرائیل کی اس حق پرست جماعت کا ذکر بھی قرآن میں بار بار آیا ہے، ایک جگہ ارشاد ہے: مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآىٕمَةٌ یَّتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَهُمْ یَسْجُدُوْنَ ۝ یعنی اہل کتاب میں ایک ایسی جماعت بھی ہے جو حق پر قائم ہے، اللہ کی آیات کو رات بھر تلاوت کرتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں، ایک جگہ ارشاد ہے: اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ۝ یعنی وہ لوگ جن کو آنحضرت ﷺ سے پہلے کتاب (تورات وانجیل) دی گئی تھی وہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لاتے ہیں۔

اور ابن جریر، ابن کثیر نے اس جگہ ایک عجیب حکایت نقل کی ہے کہ اس جماعت سے وہ جماعت مراد ہے جو بنی اسرائیل کی گمراہی اور بداعمالی قتل انبیاء وغیرہ سے تنگ آکر ان سے الگ ہو گئی تھی، اسرائیل کے بارہ قبائل میں سے ایک قبیلہ تھا جنہوں نے اپنی قوم سے تنگ آکر یہ دعا کی کہ یا اللہ ہمیں ان لوگوں سے دور کہیں دور بسا دیجئے کہ ہم اپنے دین پر پختگی سے عمل کرتے رہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کو ڈیڑھ سال کی مسافت پر مشرق بعید کی کسی زمین میں پہنچا دیا جہاں وہ خالص عبادت میں مشغول رہے، اور رسول کریم ﷺ کے مبعوث ہونے کے بعد بھی نیرنگ قدرت سے ان کے مسلمان ہونے کا یہ سامان ہوا کہ شب معراج میں جبرئیل امین رسول اللہ ﷺ کو اس طرف لے گئے وہ لوگ آپ پر ایمان لائے آپ نے ان کو کچھ قرآن کی سورتیں پڑھائیں اور ان سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے پاس ناپ تول کا کچھ انتظام ہے اور تم لوگوں کے معاش کا کیا سامان ہے؟ جواب دیا کہ ہم زمین میں غلہ بوتے ہیں جب تیار ہو جاتا ہے کاٹ کر وہیں ڈھیر لگا دیتے ہیں ہر شخص کو جتنی ضرورت ہوتی ہے وہاں سے لے آتا ہے، ناپنے تولنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، آپ نے دریافت کیا کہ کیا تم میں کوئی شخص جھوٹ بھی بولتا ہے؟ عرض کیا کہ نہیں، کیونکہ اگر کوئی ایسا کرے تو فوراً ایک آگ آکر اسے جلا دیتی ہے، آپ نے دریافت کیا کہ تم سب کے مکانات بالکل یکساں کیوں ہیں؟ عرض کیا اس لئے کہ کسی کو کسی پر بڑائی

جھٹلانے کا موقع نہ ملے، پھر دریافت کیا کہ تم نے اپنے مکانات کے سامنے اپنی قبریں کیوں بنا رکھی ہیں؟ عرض کیا تا کہ ہمیں موت ہر وقت مستحضر رہے، پھر رسول اللہ ﷺ جب معراج سے واپس مکہ میں تشریف لائے تو یہ آیت نازل ہوئی: وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰىٓ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ، تفسیر قرطبی نے اسی روایت کو اصل قرار دیا ہے اور دوسرے احتمالات بھی لکھے ہیں، ابن کثیر نے اس کو حکایت عجیبہ تو فرمایا مگر رد نہیں کیا، البتہ تفسیر قرطبی میں اس کو نقل کر کے کہا ہے کہ اغلباً یہ روایت صحیح نہیں۔

بہرحال اس آیت سے یہ مفہوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں ایک جماعت ایسی ہے جو ہمیشہ حق پر قائم رہی خواہ یہ وہ لوگ ہوں جو آنحضرت ﷺ کی بعثت کی خبر پا کر مشرف باسلام ہو گئے، یا وہ بنی اسرائیل کا بارہواں قبیلہ ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے کسی خاص حصہ میں رکھا ہوا ہے جہاں دوسروں کی رسائی نہیں۔ واللہ اعلم

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ....

اس آیت میں بنی اسرائیل کے قبیلوں کی تعداد بتائی اور فرمایا کہ ہم نے ان کے بارہ خاندانوں کو علیحدہ علیحدہ قبیلے بنا دیئے تھے۔ اسباط، سبط کی جمع ہے۔ سبط لڑکے کو کہتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ لڑکے تھے۔ ہر ہر لڑکے کی اولاد ایک ایک قبیلہ تھی اس کے بعد ان انعامات کا ذکر فرمایا جو بنی اسرائیل پر میدان تیہ میں ہوئے تھے جب یہ لوگ مصر سے نکلے اور سمندر پار کیا تو انہیں اپنے وطن فلسطین پہنچنا تھا لیکن اپنی شرارتوں اور احکام کی خلاف ورزیوں کی وجہ سے چالیس سال تک میدان تیہ میں ہی گھومتے رہے اس صحرا نوردی اور گردش کی وجہ سے بہت تکلیف اٹھائی۔ جب کوئی تکلیف آتی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہتے تھے کہ اس مصیبت کو رفع کیجیے، اسی میدان میں یہ واقعہ پیش آیا کہ پانی کی ضرورت ہوئی۔ پیاسے ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہمیں پانی چاہئے۔ اللہ جل شانہ کا حکم ہوا کہ اے موسیٰ پتھر میں اپنی لاٹھی مارو۔ انہوں نے لاٹھی ماری تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ ہر ہر قبیلہ نے اپنے پینے کی جگہ کو پہچان لیا اور پانی لے لیا ضرورتیں پوری کر لیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ خاص قسم کا پتھر تھا جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے تھیلے میں رکھتے تھے۔ جب پانی کی ضرورت ہوتی اس میں لاٹھی مارتے تھے جس میں سے پانی نکلنے لگتا تھا۔

انہی انعامات میں سے اللہ تعالیٰ نے ایک یہ انعام عطا فرمایا کہ جب بنی اسرائیل نے گرمی سے محفوظ ہونے کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بادل بھیج دیئے۔ اسی کو فرمایا: (وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ) اور تیسرا انعام یہ ہوا کہ ان کے کھانے کے لیے من اور سلویٰ (بٹیروں جیسے جانور) بڑی تعداد میں بھیج دیئے یہ لوگ ان میں سے کھاتے تھے۔ اس کو (وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى) میں بیان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان سے فرمایا کہ ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پاکیزہ اور عمدہ چیزیں کھاؤ، انہوں نے حکم عدولی اور نعمتوں کی ناشکری کی۔ حکم تھا کہ آئندہ وقت کے لیے اٹھا کر نہ رکھیں۔ لیکن نہ مانے اور خلاف ورزی کی اور ناشکری یوں کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ایک ہی کھانے پر ہم سے صبر نہیں ہوتا۔ ہمیں سبزیاں، کھیرے، پیاز، لہسن اور دال چاہئے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کیا تم اچھی چیز کو چھوڑ کر گھٹیا چیز لینا چاہتے ہو۔ تفصیل کے ساتھ یہ واقعات سورۂ بقرہ (رکوع چھ اور سات) میں بیان ہو چکے ہیں (انوار البیان ج

ان لوگوں نے جو جو حرکتیں کی تھیں ان کی سزا پائی۔ اسی کو فرمایا: (وَمَا ظَلَمُوْنَا) (اور ان لوگوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا) یعنی ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا۔ (وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝) (لیکن وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے) یعنی ان کی حرکتوں سے ان کا اپنا ہی نقصان ہوتا تھا۔

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ مجاورة بحر القلزم وهي ايلة ما وقع باهلها اِذْ يَعْدُوْنَ يعتدون فِي السَّبْتِ بصيد السمك المامورين بتركه فيه اِذْ ظرف ليعدون تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا ظاهرة على الماء وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ لا يعظمون السبت اي سائر الايام لَا تَاْتِيْهِمْ ابتلاء من الله كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ ولما صادوا السمك افترقت القرية اثلاثا ثلث صادوا معهم وثلث نهوهم وثلث امسكوا عن الصيد والنهي وَاِذْ عطف على اذ قبله قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لم تصد ولم تنه لمن نهى لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا قَالُوْا موعظتنا مَعْذِرَةً نعتذر بها اِلٰى رَبِّكُمْ لئلا ننسب الى تقصير في ترك النهي وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ الصيد فَلَمَّا نَسُوْا تركوا مَا ذُكِّرُوْا وعظوا بِهٖ فلم يرجعوا اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بالاعتداء بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ شديد بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ فَلَمَّا عَتَوْا تكبروا عَنْ ترك مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ۝ صاغرين فكانوها وهذا تفصيل لما قبله قال ابن عباس ما ادري ما فعل بالفرقة الساكتة وقال عكرمة لم تهلك لانها كرهت ما فعلوه وقالت لم تعظون الخ وروى الحاكم عن ابن عباس انه رجع اليه واعجبه وَاِذْ تَاَذَّنَ اعلم رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اي اليهود اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ بالذل واخذ الجزية فبعث عليهم سليمان عليه السلام وبعده بختنصر فقتلهم وسباهم وضرب عليهم الجزية فكانوا يؤدونها الى المجوس الى ان بعث نبينا صلى الله عليه وسلم فضربها عليهم اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ لمن عصاه وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ لاهل طاعته رَّحِيْمٌ ۝ بهم وَقَطَّعْنٰهُمْ

قَرَّقْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ فِرَقًا مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنْهُمْ نَاسٌ دُوْنَ ذٰلِكَ ۡ اَلْكُفَّارِ وَ الْفَاسِقُوْنَ وَ
بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ بِالنِّعَمِ وَ السَّیِّاٰتِ النِّقَمِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ عَنْ فِسْقِهِمْ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ
خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ التَّوْرٰتَهَ عَنْ اٰبَائِهِمْ یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی اَیْ حُطَامَ هٰذَا الشَّیْءِ الدَّنِیِّ
اَیِ الدُّنْیَا مِنْ حَلَالٍ وَ حَرَامٍ وَ یَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُ لَنَا ۚ مَا فَعَلْنَاهُ وَ اِنْ یَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ یَاْخُذُوْهُ ؕ
اَلْجُمْلَةُ حَالٌ اَیْ یَرْجُوْنَ الْمَغْفِرَةَ وَ هُمْ عَائِدُوْنَ اِلٰی مَا فَعَلُوْهُ مُصِرُّوْنَ عَلَیْهِ وَلَیْسَ فِی التَّوْرٰةِ
وَعْدُ الْمَغْفِرَةِ مَعَ الْاِصْرَارِ اَلَمْ یُؤْخَذْ اِسْتِفْهَامُ تَقْرِیْرٍ عَلَیْهِمْ مِّیْثَاقُ الْكِتٰبِ الْاِضَافَةُ بِمَعْنٰی فِیْ اَنْ
لَّا یَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَ دَرَسُوْا عَطْفٌ عَلٰی یُؤْخَذْ قَرَءُوْا مَا فِیْهِ ؕ فَلِمَ كَذَبُوْا عَلَیْهِ بِنِسْبَةِ الْمَغْفِرَةِ
اِلَیْهِ مَعَ الْاِصْرَارِ وَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ؕ الْحَرَامَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ بِالْیَاءِ وَ التَّاءِ اَنَّهَا خَیْرٌ
فَیُؤْثِرُوْهَا عَلَی الدُّنْیَا وَ الَّذِیْنَ یُمَسِّكُوْنَ بِالتَّشْدِیْدِ وَ التَّخْفِیْفِ بِالْكِتٰبِ مِنْهُمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ
كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَ اَصْحَابِهٖ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۷۰﴾ اَلْجُمْلَةُ خَبَرُ الَّذِیْنَ وَ فِیْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ
مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ اَیْ اَجْرَهُمْ وَ اذْكُرْ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ رَفَعْنَاهُ مِنْ اَصْلِهٖ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوْٓا
اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ سَاقِطٌ عَلَیْهِمْ بِوَعْدِ اللّٰهِ اِیَّاهُمْ بِوُقُوْعِهٖ اِنْ لَّمْ یَقْبَلُوْا اَحْكَامَ التَّوْرٰةِ وَ كَانُوْا اَبَوْهَا لِثِقْلِهَا
فَقَبِلُوْا وَ قُلْنَا لَهُمْ خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ بِجِدٍّ وَ اجْتِهَادٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِیْهِ بِالْعَمَلِ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع ۲۱ ۹ ۱۱

ترجمہ: وَ سْئَلْهُمْ الآیۃ اور (اے محمد ﷺ) آپ ان (ہم عصر یہودیوں) سے (بطور توبیخ) پوچھیے اس بستی (والوں) کا حال جو سمندر کے کنارے تھے (یعنی بحر قلزم) کے قریب تھی اور یہ بستی ایلہ ہے آپ پوچھیے کہ اس بستی والوں پر کیا گزری؟ اِذْ یَعْدُوْنَ جبکہ وہ ہفتہ کے بارے میں حد سے تجاوز کرنے لگے (باہر نکلنے لگے مچھلی کا شکار کر کے حالانکہ ہفتہ کے روز ترک شکار کا حکم دیے گئے تھے) اِذْ تَاْتِیْهِمْ الآیۃ (اِذْ یَعْدُوْنَ کا ظرف ہے جب کہ آتی تھیں ان کے پاس ان کی مچھلیاں ان کے ہفتہ کے دن ظاہر ہو کر (یعنی پانی کے اوپر ظاہر ہو کر سر اٹھائے ہوئے ان کے سامنے آتی تھیں) وَّ یَوْمَ لَا یَسْبِتُوْنَ ۙ اور جس دن ہفتہ (سبت) نہ ہو (یعنی دن تعظیم نہیں کرتے تھے سبت کی، مراد سنیچر کے علاوہ دیگر ایام ہیں) ان کے پاس نہیں آتی تھی (یہ اللہ کی طرف سے ایک آزمائش تھی) كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ الآیۃ ہم ان کی اس طرح آزمائش کرنے لگے اس لیے کہ وہ (پہلے سے) نافرمانی کیا کرتے تھے۔ وَلَمَّا صَادُوا السَّمَكَ اِفْتَرَقَتِ الْقَرْیَةُ

اَثْلَاثًا (الآیۃ) یعنی جب ان لوگوں نے مچھلی کا شکار کیا تو اہل شہر کے تین فریق ہو گئے ایک تہائی نے تو شکار کرنے والوں کے ساتھ مچھلی کا شکار کیا اور ایک تہائی نے ان لوگوں کو منع کیا اور ایک تہائی شکار سے رک گئے اور منع کرنے سے بھی رک گئے۔ وَ اِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ (الآیۃ) (وَ اِذْ عطف ہے پہلے اذ پر) اور (یاد کرو اس وقت کو) جب بستی والوں کے ایک گروہ نے (جس نے خود شکار کیا اور نہ شکار کرنے والوں کو منع کیا اس گروہ سے جو شکار کرنے سے منع کرتا تھا) یہ کہا کہ تم کیوں نصیحت کرتے ہو ایسی قوم کو جن کو اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا ان کو سخت عذاب دینے والا ہے تو منع کرنے والے گروہ نے کہا (ہمارا یہ نصیحت کرنا) معذرت ہے کہ ہم تمہارے پروردگار کے پاس اس کے ساتھ عذر کر سکیں تا کہ نہی عن المنکر کے سلسلے میں کوتاہی کی نسبت ہماری طرف نہ ہو)۔ اور شاید کہ وہ ڈر جائیں (شکار کرنے سے) پس جب انہوں نے بھلا دیا (چھوڑ رہے) جو ان کو سمجھایا جاتا تھا (جو ان کو نصیحت کی گئی اور باز نہیں آئے) تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو برے کام سے منع کرتے تھے اور پکڑ لیا ہم نے ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا (حد سے تجاوز کر کے) سخت عذاب میں بسبب اس کے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ فَلَمَّا نَسُوْا پھر جب انہوں نے سرکشی (تکبر کیا چھوڑنے سے) جس کام سے ان کو ممانعت کی گئی تھی ہم نے ان کے لیے حکم دے دیا کہ ہو جاؤ بندر ذلیل (خوار چنانچہ وہ بندر بن گئے، اور جملہ یعنی فَلَمَّا نَسُوْا (الآیۃ) تفصیل ہے اپنے ماقبل جملہ یعنی وَ اَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِیْسٍ کی، قال ابن عباس (الآیۃ) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ سکوت اختیار کرنے والی جماعت کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا؟ عکرمہ نے کہا کہ وہ لوگ ہلاک نہیں ہوئے کیونکہ ان لوگوں نے ان نافرمانوں کے فسق کو برا جانا اور یہ کہا کہ: لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا (الآیۃ) اور حاکم نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے قول توقف سے رجوع کر لیا اور عکرمہ کے قول کو پسند فرمایا۔ وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ (الآیۃ) اور (اے نبی کریم ﷺ) وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے کہ تیرے پروردگار نے آگاہ کر دیا (بتلا دیا) کہ ان یہودیوں پر قیامت تک ایسے لوگوں کو ضرور مسلط رکھے گا جو ان کو بری طرح عذاب پہنچاتا رہے گا (ذلیل کر کے اور جزیہ لے کر چنانچہ ان پر حضرت سلیمان علیہ السلام کو مسلط کر دیا اور ان کے بعد بخت نصر کو جس نے ان کو قتل کیا اور قید کر دیا اور ان پر جزیہ (ٹیکس) مقرر کر دیا، چنانچہ اس جزیہ کو ادا کرتے رہے مجوس تک یہاں تک کہ ہمارے نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے اور آپ ﷺ نے بھی ان پر جزیہ مقرر فرما دیا)۔ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ بلاشبہ آپ کا رب جلد سزا دیتا ہے (نافرمانوں کو) اور بلاشبہ وہ بخشنے والا ہے (فرمانبرداروں کو) اور (ان پر) مہربان ہے وَ قَطَّعْنٰهُمْ اور ہم نے بنی اسرائیل کو متفرق کر دیا دنیا میں (تقسیم کر دیا) ٹکڑے ٹکڑے مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ بعضے ان میں سے نیک تھے وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ اور بعض ان میں سے اس کے برخلاف (لوگ) تھے (یعنی کفار وفساق۔ وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ اور ہم نے ان کو خوش حالیوں (یعنی نعمتوں کے ساتھ) اور بدحالیوں (یعنی تکلیفوں کے ساتھ) آزمایا کہ شاید باز آ جائیں (گمراہیوں اور نالائقیوں سے۔ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ (الآیۃ) پھر ان (سلف) کے بعد برے جانشین آئے جو کتاب کے وارث ہوئے (یعنی اپنے باپ دادا سے

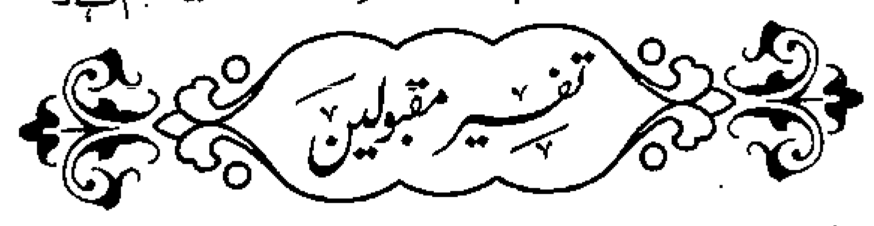
توریت حاصل کی۔ يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَٰذَا الْأَدْنَىٰ لقرآن اس دنیائے فانی کا مال ومتاع لیتے ہیں (یعنی اس حقیر دنیا کا سامان لے لیتے ہیں خواہ حلال ہو یا حرام وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا اور کہتے ہیں کہ ہماری مغفرت ہو جائے گی (جس جرم کو ہم نے کیا ہے) وَإِن يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهُ يَأْخُذُوهُ اور حال یہ تھا کہ اگر ان کے پاس پھر اسی قسم کا حرام مال آجائے تو اس کو بھی لے لیں گے (واؤ حالیہ ہے اور جملہ حال ہے۔ ای والحال انهم إِن يَأْتِهِمْ لقرآن یعنی مغفرت کی امید رکھتے ہیں اور حال یہ ہے کہ جس (رشوت خوری وحرام) کو کر چکے ہیں پھر کرتے ہیں اور اس جرم پر مصر ہیں حالانکہ اصرار کے ساتھ جرم کرنے پر توریت میں مغفرت کا وعدہ نہیں ہے۔ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِم مِّيثَاقُ الْكِتَابِ کیا (استفہام تقریری ہے) ان سے کتاب میں یہ عہد نہیں لیا گیا (میثاق کی اضافت کتاب کی طرف بمعنی فی ہے کہ اللہ کی طرف سوائے حق کے کوئی بات منسوب نہ کریں۔ ودرسوا فیہ (درسوا کا عطف یوخذ پر ہے اور قرءوا کے معنی میں ہے) اور ان لوگوں نے پڑھا بھی ہے جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہے (پھر کیوں جھوٹ بول رہے ہیں کہ معصیت کے باوجود مغفرت کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں۔ وَالدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ اور آخرت والا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو پرہیز کرتے ہیں (حرام سے) پھر کیا (اے یہود) تم (اس بات کو) نہیں سمجھتے (تا اور یاء کے ساتھ ہیں۔ کہ دار آخرت بہتر ہے کہ اس دار آخرت کو ترجیح دو دنیا پر)۔ وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ لقرآن اور (ان میں سے) جو لوگ کتاب (توریت) کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے ہیں (يُمَسِّكُونَ تشدید کے ساتھ اور تخفیف کے ساتھ اور نماز کو قائم رکھتے ہیں (جیسے عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے ساتھی) ہم ایسے نیکوکاروں کا ثواب ضائع نہ کریں گے۔ (إِنَّا لَا نُضِيعُ لقرآن جملہ خبر ہے الَّذِينَ وَ فِيهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ... یعنی اس میں بجائے أَجْرَهُم ضمیر کے اسم ظاہر لایا گیا ہے۔ وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ لقرآن اور (یاد کیجئے یعنی وہ وقت قابل ذکر ہے) جب ہم نے پہاڑ کو اٹھایا (یعنی اس کی جڑ سے اکھاڑ لیا) اور ان کے اوپر ایسا معلق کر دیا گویا کہ وہ ایک سائبان تھا اور انہوں نے گمان کیا (یعنی ان لوگوں نے یقین کر لیا اس بات کا) کہ وہ پہاڑ ان پر گر پڑے گا (اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان موجود یہود کے باپ داداؤں کو پہاڑ واقع کرنے کی دھمکی دی تھی کہ اگر تورات کے احکام کو قبول نہیں کیا تو ان پر پہاڑ گر پڑے گا اور احکام تورات کے دشوار ہونے کی وجہ سے ان لوگوں نے انکار کیا تھا پھر قبول کیا یعنی اپنے اوپر پہاڑ دیکھ کر، اور ہم نے ان سے کہا کہ جو کتاب (یعنی تورات) ہم نے تم کو دی ہے اس کو مضبوطی کے ساتھ (پوری کوشش سے) پکڑو اور یاد رکھو جو احکام اس میں ہیں (یعنی اس پر عمل کرو) تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: توبيخا: یعنی ان کے قدیم کفر پر توبیخ فرمائی۔

قوله: مَا وَقَعَ بِأَهْلِهَا: اس سے اشارہ کیا کہ مضاف محذوف ہے۔

قوله: يَعْتَدُوْنَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ تعدی سے ہے۔ عدّ سے نہیں۔
قوله: مَوْعِظَتُنَا: اس کو مقدر ماننے سے اشارہ کرنا ہے کہ معذرہ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔
قوله: الْاَعْتِدَاءِ: وہ لوگ مراد نہیں جو نہی سے باز رہے کیونکہ ان کا حال غیر یقینی ہے۔
قوله: عَنْ تَرْكِ: مضاف کو مقدر مانا گیا تا کہ معنی درست ہو۔
قوله: فَا تَفْصِيْلٌ: یہ فا عاطفہ نہیں بلکہ ماقبل کی تفصیل کے لیے ہے۔
قوله: اَعْلَمَ: تاذن جو کہ ایذان سے ہے یہ اعلام کے معنی میں ہے۔
قوله: خَلَفَ: برا بدل۔ یہ مصدر ہے مبالغہ کے طور پر صفت کے لیے استعمال ہوا ہے۔
قوله: هٰذَا الْاَدْنٰى: اس سے مراد تحریف کلمات پر لی جانے والی رشوت ہے۔
قوله: مَا فَعَلْنَاهُ: فعل کا اسناد یاخذون کے مصدر کی طرح۔
قوله: وَ هُمْ عَائِدُوْنَ: اس سے اشارہ کیا کہ حال ہونے کی وجہ سے اس کا ماقبل پر حمل درست ہوا۔
قوله: اَلْاِضَافَةُ: یہ اضافت فی کے معنی میں ہے۔
قوله: عَطْفٌ عَلٰى: يُؤْخَذُ پر اس کا عطف معنی کے لحاظ سے ہے پس استفہام تقریری ہے۔ گویا اس طرح کہا ان سے میثاق لیا گیا۔
قوله: يُؤْخَذُ: اس سے اشارہ کیا کہ يُؤْخَذُ پر عطف ہے اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا یا يَقُوْلُوْا پر نہیں۔
قوله: فِيْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ: ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو لائے، اس لیے کہ اصلاح بھی ضیاع سے روکنے والی ہے۔
قوله: رَفَعْنَاهُ: یہ رَفَعْنَا کے معنی کو شامل ہے۔ اسی وجہ سے صلہ کے بغیر واقع ہوا۔
قوله: اَيْقَنُوْا: یہاں ظن کو یقین کے معنی میں لیا گیا ہے اس کی دلیل بِوَعْدِ اللّٰهِ اِيَّاهُمْ ہے۔



وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ....

سنیچر کے دن یہودیوں کا زیادتی کرنا اور بندر بنایا جانا:

بنی اسرائیل کی حرکتیں بھی بہت بری تھیں ان کا نافرمانی کا مزاج تھا۔ ان پر آزمائش بھی طرح طرح سے آتی رہتی تھی، حکم تھا کہ سنیچر کے دن کی تعظیم کریں ان دنوں سے متعلق جو احکام تھے ان میں یہ بھی تھا کہ اس دن مچھلیاں نہ پکڑیں۔ لیکن یہ لوگ باز نہ آئے سنیچر کے دن ان کی آزمائش اس طرح ہوتی تھی کہ مچھلیاں خوب ابھر ابھر کر سامنے آ جاتی تھیں اور دوسرے

دنوں میں اس طرح نہیں آتی تھیں۔ ان لوگوں نے مچھلیوں کے پکڑنے کے حیلے نکالے اور یہ کہا کہ سنیچر کا دن آنے سے پہلے جال اور مچھلی کے کانٹے پہلے سے پانی میں ڈال دیتے تھے۔ چنانچہ مچھلیاں ان میں پھنس کر رہ جاتی تھیں۔ جب سنیچر کا دن گزر جاتا تھا تو ان کو پکڑ لیتے تھے اور اپنے نفسوں کو سمجھا لیتے تھے کہ ہم نے سنیچر کے دن ایک مچھلی بھی نہیں پکڑی، وہ تو خود بخود جالوں میں اور کانٹوں میں آ گئیں اور جال اور کانٹے تو ہم نے جمعہ کے دن ڈالے تھے لہٰذا ہم سنیچر کے دن پکڑنے والوں کی فہرست میں نہیں آتے، اسی طرح کا ایک حیلہ انہوں نے مردار کی چربی کے ساتھ بھی کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں پر اللہ لعنت کرے جب اللہ نے ان پر مردار کی چربی حرام قرار دیدی تو اس کو انہوں نے اچھی شکل دے دی (مثلاً اس کو پگھلا کر اس میں کچھ خوشبو وغیرہ ملا کر کیمیکل طور پر کچھ اور بنا دیا) پھر اس کو بیچ دیا اور اس کی قیمت کھا گئے۔ (رواہ البخاری ص ۲۹۸ ج ۱)

ان لوگوں میں تین جماعتیں تھیں کچھ لوگ سنیچر کے دن مچھلیاں پکڑتے تھے اور کچھ لوگ ایسے تھے جو انہیں منع کرتے تھے اور ایک جماعت ایسی تھی جو خاموش تھی، جو لوگ خاموش تھے انہوں نے ان لوگوں سے کہا جو منع کرتے تھے۔ کہ آپ لوگ ان کو کیوں نصیحت کرتے ہیں ان کا بات ماننے کا ارادہ نہیں ہے۔ نافرمانی کے باعث اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی گرفت ہونے والی ہے یا تو اللہ تعالیٰ ان کو بالکل ہی ہلاک فرما دے گا یا سخت عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔ جو لوگ منع کیا کرتے تھے انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیشی کے وقت ہم معذرت پیش کر سکیں کہ ہم نے نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا تھا ان لوگوں نے نہ مانا، اور ممکن ہے کہ یہ لوگ مان ہی جائیں اپنے ربّ سے ڈرنے لگیں اور اپنے گناہوں سے بچنے لگیں، لیکن ان لوگوں نے نہ مانا بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمائی۔ ان پر اس طرح عذاب آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بندر بنا دیا، جو لوگ سنیچر کے دن میں زیادتی کرتے تھے وہ تو بندر بنا دیئے گئے اور جو لوگ انہیں منع کیا کرتے تھے انہیں نجات دے دی گئی جن کو (اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ) میں بیان فرمایا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ جو لوگ خاموش تھے ان کا کیا ہوا؟ ان کے شاگرد حضرت عکرمہ نے عرض کیا میری سمجھ میں تو یوں آتا ہے کہ وہ بھی عذاب سے بچا لیے گئے کیونکہ انہیں بھی شکار کرنے والوں کا عمل ناگوار تھا اور اسی ناگواری کو انہوں نے اپنے ان الفاظ میں یوں ظاہر کیا تھا۔ (لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَاۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ) اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دینے کا تذکرہ نہیں فرمایا اور ہلاک کرنے کا ذکر بھی نہیں فرمایا، عکرمہ کی یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بہت پسند آئی اور بہت خوش ہوئے اور انہیں دو چادریں انعام میں عطا کیں۔ (معالم التنزیل ص ۲۰۹ ج ۲)

جس بستی کے رہنے والے حیلہ باز یہودیوں کا قصہ اوپر مذکور ہوا ہے اس کے بارے میں علماء تفسیر نے کئی قول نقل کیے ہیں ۱۔ ایلہ ۲۔ طبریہ ۳۔ مقنا، متعین طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ عبرت حاصل کرنے کے لیے تعیین کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

بنی اسرائیل پر دنیا میں عذاب آتا رہے گا:

بنی اسرائیل اپنی حرکتوں کی وجہ سے بندر بنا دیئے گئے یہ تو اس وقت ہوا اور اس کے بعد ان پر برابر ایسے لوگوں کا تسلط

رہا جوان کو تکلیفیں دیتے رہے اور یہودی بری بری تکلیفوں میں مبتلا ہوتے رہے اس کو (وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ) میں بیان فرمایا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہودیوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ سے پھر بخت نصر کے ذریعہ جو ان کی بربادی ہوئی اور پھر نبی آخر الزمان سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور پھر فاروق اعظم حضرت عمر فاروق بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں جو ان کی ذلت ہوئی تاریخ دان اس سے ناواقف نہیں ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد بھی دنیا میں مقہور ہی رہے ذلت اور خواری کے ساتھ ادھر ادھر دنیا میں کبھی آباد اور کبھی برباد ہوتے رہے۔ پچاس سال پہلے نازیوں نے جو ان کا قتل عام کیا تھا تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اس سے واقف ہیں۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے ہاتھوں بھی یہودی مارے جائیں گے۔ وہ دجال کو قتل کریں گے اور اس وقت دجال کے ساتھیوں کی بربادی ہوگی۔ دنیا کی قومیں ظاہری اقتدار دیکھ کر دجال کے ساتھ ہو جائیں گی جن میں یہودی بھی ہوں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اصفہان کے یہودیوں میں سے ستر ہزار یہودی دجال کا اتباع کریں گے جو چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے۔

(صحیح مسلم ص ۴۰۵ ج ۲)

چونکہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سرزمین شام میں دجال کو قتل کریں گے اور اس کے ساتھیوں سے وہیں معرکہ ہوگا اس لیے تکوینی طور پر دنیا بھر سے اپنے رہنے کے علاقے کو چھوڑ چھوڑ کر یہودی شام کے علاقے میں جمع ہو رہے ہیں اور ان کی جھوٹی حکومت جو نصاریٰ کے بل بوتے پر قائم ہے وہ ان کے ایک جگہ جمع ہونے کا سبب بن گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ مسلمان یہودیوں سے قتال نہ کرلیں مسلمان ان کو قتل کریں گے یہاں تک کہ کوئی یہودی کسی پتھر یا درخت کے پیچھے چھپ جائے گا تو درخت یا پتھر کہے گا کہ اے مسلم اے اللہ کے بندے یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے اسے قتل کردے البتہ غرقد کا درخت ایسا نہ کرے گا کیونکہ وہ یہودیوں کے درختوں میں سے ہے۔

(صحیح مسلم ص ۳۹۶ ج ۲)

وَ قَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ....

بنی اسرائیل کی آزمائش اور ان کی حب دنیا کا حال:

ان آیات میں اوّل تو یہودیوں کے اس حال کا تذکرہ فرمایا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں منتشر فرما دیا۔ دنیا کے مختلف علاقوں میں تھوڑے تھوڑے کچھ یہاں کچھ وہاں سکونت اختیار کرتے گئے۔ ان کی جمعیت اور جماعت منتشر رہی۔ اجتماعیت جو اللہ کا انعام ہے اس سے محروم رہے۔ پھر فرمایا: (مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ) (ان میں کچھ لوگ نیک تھے) (وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ) (اور کچھ لوگ دوسری طرح کے یعنی برے لوگ تھے) اچھے لوگ توریت اور انجیل پر قائم رہے اور پھر اللہ کے آخری رسول ﷺ اور آخری کتاب پر ایمان لائے اور برے لوگ شر پسند کفر پر جمے رہے اور اپنی اس شر پسندی کے مزاج کی وجہ سے آخر الانبیاء ﷺ پر ایمان نہ لائے۔ (وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾) (اور ہم نے ان کی آزمائش کی انہیں خوشحالیوں میں بھی رکھا اور بدحالیوں میں بھی، تاکہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں) اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشحالی

کے ذریعے بھی امتحان ہوتا ہے اور بدحالی کے ذریعے سے بھی، سمجھدار لوگ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہر حال میں رجوع کرتے ہیں اور آزمائش میں کامیاب ہوتے ہیں۔ لیکن یہودیوں نے کچھ اثر نہ لیا ہر طرح کے امتحان میں فیل ہوئے۔

وَاذْكُرْ اِذْ حِينَ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ بَدَلُ اشْتِمَالٍ مِمَّا قَبْلَهُ بِاِعَادَةِ الْجَارِ ذُرِّيَّتَهُمْ بِاَنْ اَخْرَجَ بَعْضَهُمْ مِنْ صُلْبِ بَعْضٍ مِنْ صُلْبِ اٰدَمَ نَسْلًا بَعْدَ نَسْلٍ كَنَحْوِ مَا يَتَوَالَدُوْنَ كَالذَّرِّ بِنُعْمَانَ يَوْمَ عَرَفَةَ وَنَصَبَ لَهُمْ دَلَائِلَ عَلٰى رُبُوْبِيَّتِهٖ وَرَكَّبَ فِيْهِمْ عَقْلًا وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ قَالَ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۗ قَالُوْا بَلٰى ۚ اَنْتَ رَبُّنَا شَهِدْنَا ۚ بِذٰلِكَ وَالْاِشْهَادُ اَنْ لَا تَقُوْلُوْا بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ اَيِ الْكُفَّارُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا التَّوْحِيْدِ غٰفِلِيْنَ ۙ لَا نَعْرِفُهٗ اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ فَاقْتَدَيْنَا بِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا تُعَذِّبُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ مِنْ اٰبَائِنَا بِتَاْسِيْسِ الشِّرْكِ الْمَعْنٰى لَا يُمْكِنُهُمُ الْاِحْتِجَاجُ بِذٰلِكَ مَعَ اِشْهَادِهِمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالتَّوْحِيْدِ وَالتَّذْكِيْرِ بِهٖ عَلٰى لِسَانِ صَاحِبِ الْمُعْجِزَةِ قَائِمٌ مَقَامَ ذِكْرِهٖ فِي النُّفُوْسِ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ نُبَيِّنُهَا مِثْلَ مَا بَيَّنَّا الْمِيْثَاقَ لِيَتَدَبَّرُوْهَا وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ عَنْ كُفْرِهِمْ وَاتْلُ يَا مُحَمَّدُ عَلَيْهِمْ اَيِ الْيَهُوْدِ نَبَاَ خَبَرَ الَّذِيْۤ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا خَرَجَ بِكُفْرِهٖ كَمَا تَخْرُجُ الْحَيَّةُ مِنْ جِلْدِهَا وَهُوَ بَلْعَمُ بْنُ بَاعُوْرَاءَ مِنْ عُلَمَاءِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ سُئِلَ اَنْ يَدْعُوَا عَلٰى مُوْسٰى وَمَنْ مَعَهٗ وَاُهْدِيَ اِلَيْهِ شَيْءٌ فَدَعَا فَانْقَلَبَ عَلَيْهِ وَانْدَلَعَ لِسَانُهٗ عَلٰى صَدْرِهٖ فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَاَدْرَكَهٗ فَصَارَ قَرِيْنَهٗ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ اِلٰى مَنَازِلِ الْعُلَمَاءِ بِهَا بِاَنْ نُوَفِّقَهٗ لِلْعَمَلِ وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ سَكَنَ اِلَى الْاَرْضِ اَيِ الدُّنْيَا وَمَالَ اِلَيْهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فِيْ دُعَائِهٖ اِلَيْهَا فَوَضَعْنَاهُ فَمَثَلُهٗ صِفَتُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ بِالطَّرْدِ وَالزَّجْرِ يَلْهَثْ يُدْلِعُ لِسَانَهٗ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ وَلَيْسَ غَيْرُهٗ مِنَ الْحَيَوَانَاتِ كَذٰلِكَ وَجُمْلَتَا الشَّرْطِ حَالٌ اَيْ لَاهِثًا ذَلِيْلًا بِكُلِّ حَالٍ وَالْقَصْدُ التَّشْبِيْهُ فِي الْوَضْعِ وَالْخِسَّةِ بِقَرِيْنَةِ الْفَاءِ الْمُشْعِرَةِ بِتَرْتِيْبِ مَا بَعْدَهَا عَلٰى مَا قَبْلَهَا مِنَ الْمَيْلِ اِلَى الدُّنْيَا وَاتِّبَاعِ الْهَوٰى بِقَرِيْنَةِ قَوْلِهٖ ذٰلِكَ الْمَثَلُ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ عَلَى الْيَهُوْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ يَتَدَبَّرُوْنَ فِيْهَا فَيُؤْمِنُوْنَ سَآءَ بِئْسَ مَثَلًا

الْقَوْمُ اَیْ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ بِالتَّكْذِیْبِ مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ
فَهُوَ الْمُهْتَدِیْ ۚ وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا خَلَقْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِیْرًا مِّنَ
الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا ۢ الْحَقَّ وَ لَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا ۢ دَلَائِلَ
قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى بَصَرَ اِعْتِبَارٍ وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ الْاٰیَاتِ وَالْمَوَاعِظَ سِمَاعَ تَدَبُّرٍ وَاتِّعَاظٍ
اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ فِیْ عَدَمِ الْفِقْهِ وَالْبَصَرِ وَالْاِسْتِمَاعِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ مِنَ الْاَنْعَامِ لِاَنَّهَا تَطْلُبُ مَنَافِعَهَا
وَتَهْرُبُ مِنْ مَضَارِّهَا وَهٰؤُلَاءِ یُقْدِمُوْنَ عَلَى النَّارِ مُعَانَدَةً اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ
الْحُسْنٰى اَلتِّسْعَةُ وَالتِّسْعُوْنَ الْوَارِدُ بِهَا الْحَدِیْثُ وَالْحُسْنٰى مُؤَنَّثُ الْاَحْسَنِ فَادْعُوْهُ سَمُّوْهُ بِهَا ۪ وَ
ذَرُوا اتْرُكُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ مِنْ اَلْحَدَ وَلَحَدَ یَمِیْلُوْنَ عَنِ الْحَقِّ فِیْۤ اَسْمَآئِهٖ ؕ حَیْثُ اشْتَقُّوْا مِنْهَا
اَسْمَاءً لِاٰلِهَتِهِمْ كَاللَّاتِ مِنَ اللّٰهِ وَالْعُزّٰى مِنَ الْعَزِیْزِ وَمَنَاتِ مِنَ الْمَنَّانِ سَیُجْزَوْنَ فِی الْاٰخِرَةِ جَزَاءَ مَا
ع ۲۲ ۱۰ ۱۲ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ وَ مِمَّنْ خَلَقْنَاۤ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ یَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ هُمْ
اُمَّةُ مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَمَا فِیْ حَدِیْثٍ

ترجمہ: وَاذْكُرْ اِذْ حِیْنَ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ اور جب آپ کے ربّ نے اولاد آدم کی پشت سے نکالا (مِنْ ظُهُوْرِهِمْ بدل اشتمال ہے اپنے ماقبل یعنی من بنی آدم سے حرف جار من لوٹا کر) ان کی اولاد کو (بایں طور کہ آدم علیہ السلام کی پشت سے خود ان کی اولاد کو اور اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نسلاً بعد نسلٍ جس طرح وہ بعد میں دنیا میں پیدا ہوں اسی ترتیب سے ان کو نکالا مثل چیونٹیوں کے وادی نعمان میں عرفہ کے دن اور ان کے لیے اپنی ربوبیت پر دلائل قائم کیے اور ان میں عقل کو مرکب کیا یعنی عقل وشعور عطا فرمایا) اور خود ان ہی کو ان کی ذات پر گواہ بنایا اور پوچھا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں قَالُوْا بَلٰى ۚ سب نے کہا کیوں نہیں بیشک آپ ہمارے ربّ ہیں ہم خود ہی گواہ ہیں (اس اقرار کے، اور یہ اقرار واشہاد سب اس وجہ سے ہوا) تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس (توحید) سے بالکل بے خبر تھے (ہم اس کو جانتے ہی نہیں)۔ اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا (الآیۃ) یا یہ کہنے لگو کہ شرک تو ہم سے پہلے ہمارے آباء واجداد نے کیا اور ہم تو ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے (لہٰذا ہم نے ان کی اقتداء کی) بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ تو کیا آپ ہم کو ہلاک کرتے ہیں (عذاب دیتے ہیں) اس جرم کی پاداش میں جو اہل باطل (غلط راہ نکالنے والوں نے) کیا (یعنی ہمارے باپ دادا نے شرک کی بنیاد رکھی، مطلب یہ ہے کہ ان کفار ومشرکین کو اپنے اوپر اشہاد کے ساتھ

اقرار کی وجہ سے حجت لانا ممکن نہ ہو کہ ہم توحید سے غافل رہے اور صاحب معجزہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانی اس عہد الست کو یاد دلانا قائم مقام اس کے ہے کہ یہ عہد ان کے دلوں میں محفوظ ہے۔ وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ (الآیۃ) اور ہم اسی طرح (اپنی ربوبیت والوہیت کی) آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں (جس طرح ہم نے واقعہ میثاق کو بیان کیا تا کہ ان میں غور وفکر کریں) وَ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ اور تا کہ لوگ (اپنے کفر سے) باز آ جائیں۔ وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ (الآیۃ) اور (اے محمد ﷺ) ان لوگوں (یہود) کو اس شخص کا خاص (قصہ) پڑھ کر سنایئے جس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں (یعنی آیتوں کا علم دیا) پھر وہ ان آیتوں سے باہر نکل گیا (یعنی وہ اپنے کفر کی وجہ سے ان آیات سے بالکل باہر نکل گیا (س طرح سے سانپ اپنی کھال سے باہر نکل جاتا ہے اور وہ شخص بلعم بن باعورا تھا' علماء بنی اسرائیل میں سے ایک عالم تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اس سے درخواست کی گئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں پر بددعاء کرے اور بطور رشوت کچھ ہدیہ بھی دیا گیا چنانچہ بلعم نے بددعاء شروع کی تو اسی پر لوٹ پڑی اور اس کی زبان اس کے سینہ پر لٹک گئی) فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا پھر اس کو پالیا اور اس کا ہم نشین ہو گیا) پھر وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔ وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا اور اگر ہم چاہتے تو اس کو بلند کر دیتے ان آیات کی بدولت (درجات علماء تک یعنی آخرت میں علماء ربانی کے جو درجات ہیں بایں طور کہ ہم عمل صالح کی توفیق دیتے) وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ لیکن وہ شخص (بجائے بلندی کے (پستی کی طرف (یعنی دنیا کی طرف مائل ہو گیا (اور اسی دنیا ہی کی طرف راغب ہو گیا اور نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا (یعنی اپنی دعاء میں اس دنیا کی طرف مائل رہا تو ہم نے اس کو گرا دیا تو اس کی مثال (یعنی اس کی حالت) مانند کتے کے ہو گئی کہ اگر تو اس پر بوجھ لادے (دھتکار اور ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعہ) تب بھی ہانپے (یعنی اپنی زبان باہر نکال دیتا ہے) یا تو اس کو چھوڑ دے تب بھی زبان باہر نکال دیتا ہے (اس کے علاوہ دوسرے جانوروں کی ایسی حالت نہیں ہوتی' اور دونوں جملے شرطیہ حال ہیں۔ اَیْ لَاهِثًا ذَلِيْلًا بِكُلِّ حَالٍ، یعنی ہر حال میں لَاهِث ذلیل ہے اور مقصد اس مثال سے پستی اور ذلت میں تشبیہ ہے بقرینہ حرف فاء کے جو خبر دے رہی ہے کہ فاء کا مابعد اپنے ماقبل یعنی دنیا کی طرف جھکاؤ اور خواہش نفس کی پیروی پر مرتب ہے جیسا کہ اگلے قول سے معلوم ہو رہا ہے بقرینہ قولہ تعالیٰ: ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ (الآیۃ) یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا سو آپ (اے نبی ان یہودیوں کو (یہ قصے سنایئے شاید وہ لوگ سن کر) کچھ سوچیں (ان میں غور وفکر کر کے ایمان لائیں) سَآءَ مَثَلًا اِلْقَوْمُ (الآیۃ) بری مثال ہے لوگوں کی (یعنی ان لوگوں کی حالت بری ہے) جنہوں نے (جان بوجھ کر) ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور یہ لوگ (تکذیب کر کے) اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ج جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا ہے بس وہی ہدایت پانے والا ہوتا ہے اور جس کو گمراہ کر دے سو ایسے ہی لوگ (ابدی) خسارہ میں پڑ جاتے ہیں۔ وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ (الآیۃ) اور تحقیق ہم نے دوزخ کے لیے (ذَرَاْنَا بمعنی خَلَقْنَا ہے) بہت سے جن اور انسان پیدا کیے ان کے لیے دل ہیں (مگر) ایسے ہیں جن سے (حق بات کو) نہیں سمجھتے اور

ان کے واسطے آنکھیں ہیں (مگر) ایسی کہ جن سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل کو (عبرت کی آنکھ سے) نہیں دیکھتے اور ان کے کان ہیں (مگر) ان سے (تدبیر اور قبول نصیحت کے طور پر آیات ونصائح کو) سنتے نہیں ایسے لوگ (کام کی سمجھ نہ ہونے اور معرفت والی بینائی نہ ہونے اور انجام کی مفید شنوائی نہ ہونے میں) مانند چوپایوں کے ہیں بلکہ یہ لوگ (چوپایوں سے بھی زیادہ بے راہ ہیں (اس لیے کہ چوپائے اپنے منافع کی طلب کرتے ہیں اور نقصان دینے والی چیزوں سے بھاگتے ہیں اور یہ لوگ تو عناد کی وجہ سے جہنم کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں، یہی لوگ غافل ہیں۔ وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ، اور اللہ ہی کے لیے ہیں سب اچھے نام (ننانوے نام جو حدیث میں آئے ہیں اور حسنی مؤنث ہے احسن کا) پس تم اللہ کو ان ہی ناموں سے پکارو (نام لیا کرو)۔ وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ اور ان لوگوں کو چھوڑیئے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی میں الحاد یعنی کجروی کرتے ہیں (يُلْحِدُوْنَ مشتق ہے الحد از باب افعال اور لحد از باب فتح راہ حق سے ہٹ جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ناموں میں کجی اختیار کرتے ہیں کہ ان اسماء حسنی سے اپنے باطل معبودوں کا نام مشتق کرتے ہیں مثلاً اللہ سے لات اور العزیز سے العزیٰ اور المنان سے منات۔ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ ، عنقریب ان ملحدین کو اپنے کیے کی (آخرت میں) سزا ملے گی (اور یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے) وَ مِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ اور منجملہ ان لوگوں کے کہ جن کو ہم نے (جنت کے لیے) پیدا کیا ہے ایک جماعت ایسی بھی ہے جو لوگوں کو راہ حق بتلاتی ہے اور حق کے ساتھ لوگوں کا انصاف کرتی ہے (مراد نبی اکرم ﷺ کی امت ہے جیسا کہ حدیث میں ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: بَدَلُ اِشْتِمَالٍ: تقدیر یہ ہے: اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ ظُهُوْرِ بَنِىْ اٰدَمَ -

قوله: اَنْتَ رَبُّنَا: بَلٰى اس پر قرینہ ہے۔

قوله: الْاِشْهَادُ: اس سے اشارہ کیا کہ اَنْ تَقُوْلُوْا مفعول لہ ہے اس مقدر کا جو وَ اَشْهَدَهُمْ سے سمجھ آ رہا ہے نہ کہ شَهِدْنَا قریب کا۔

قوله: لَا يُمْكِنُهُمُ الْاِحْتِجَاجُ: سے اشارہ کیا دلیل کی موجودگی کی بناء پر تقلید کا عذر نہ رہا۔

قوله: كَمَا تَخْرُجُ الْحَيَّةُ: یعنی یہ استعارہ بالکنایہ ہے۔

قوله: سَكَنَ: یہ خلود کے معنی میں نہیں کہ دوام ثابت ہو۔

قوله: فَوَضَعْنَاهُ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ تشبیہ خست وکمینگی کے اعتبار سے ہے۔

قوله: اَوْ اَنْ: اَنْ کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ اس کا عطف تَحْمِلْ پر ہے۔ اِنْ تَحْمِلْ پر نہیں۔

قوله: وَلَيْسَ غَيْرُهٗ: تشبیہ بالکلب کے ساتھ اس کو خاص کرنے کی وجہ بتلائی گئی ہے۔

قوله: مَثَلُ الْقَوْمِ: مخصوص بالذم اپنے فاعل کے مطابق ہونا چاہیے۔ اسی وجہ سے مضاف کو محذوف مانا۔

قوله: اَلْحَقَّ: اس سے اشارہ کیا کہ وہ دنیا کو تو سمجھتے تھے مگر حق کو نہ سمجھتے تھے۔

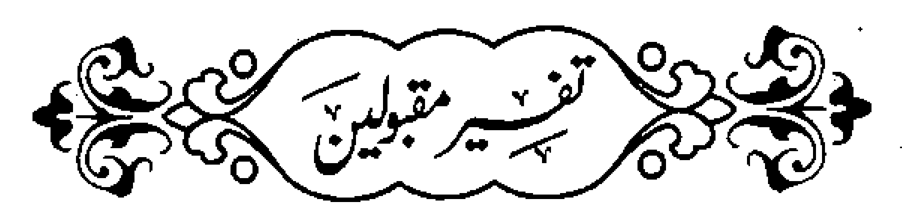
قوله: فِيْ عَدَمِ الْفِقْهِ: سے اشارہ ہے کہ وہ چوپاؤں کی طرح عدم تفقہ میں ہے۔ عدم مواخذہ بالاعمال میں ان سے مشابہت مراد نہیں۔

قوله: مِنَ الْاَنْعَامِ: کو مقدر مانا تا کہ اسم تفضیل کا استعمال درست ہو جائے اور مقدر ملفظ کی طرح ہے۔

قوله: بِسَمُّوْهُ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں دعا بمعنی تسمیہ ہے، اسی وجہ سے متعدی بالباء ہے۔

قوله: اَلْحَدَ: اشارہ کیا کہ یہاں اَلْحَدَ وَلَحَدَ ایک ہی معنی میں ہے۔

قوله: بِاِشْتَقُوْا مِنْهَا: انہوں نے ان ناموں کو ترک بھی کر دیا اور ان میں الحاد کرتے ہوئے ان سے اپنے اصنام کے ناموں کا اشتقاق کیا۔



وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ ....

عہد الست کی تفصیل وتحقیق:

ان آیتوں میں اس عظیم الشان عالمگیر عہد و پیان کا ذکر ہے جو خالق ومخلوق اور عبد و معبود کے درمیان اس وقت ہوا جب کہ مخلوق اس جہان کون وفساد میں آئی بھی نہ تھی، جس کو عہد ازل یا عہد الست کہا جاتا ہے۔

اللہ جل شانہ سارے عالموں کا خالق و مالک ہے، زمین وآسمان اور ان کے درمیان اور ان کے ماسوا جو کچھ ہے اس کی مخلوق اور ملک ہے، نہ اس پر کوئی قانون کسی کا چل سکتا ہے، نہ اس کے کسی فعل پر کسی کو کوئی سوال کرنے کا حق ہے۔ لیکن اس نے محض اپنے فضل و کرم سے عالم کا نظام ایسا بنایا ہے کہ ہر چیز کا ایک ضابطہ اور قانون ہے، قانون کے موافق چلنے والوں کے لئے ہر طرح کی دائمی راحت اور خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے ہر طرح کا عذاب مقرر ہے۔ پھر خلاف ورزی کرنے والے مجرم کو سزا دینے کے لئے اس کا ذاتی علم محیط کافی تھا جو عالم کے ذرہ ذرہ پر حاوی ہے اور اس کے لئے کھلے اور چھپے ہوئے تمام اعمال وافعال بلکہ دلوں میں پوشیدہ ارادے تک بالکل ظاہر ہیں اس لئے کوئی ضرورت نہ تھی کہ نگران مقرر کئے جائیں، اعمال نامے لکھے جائیں، اعمال تولے جائیں اور گواہ کھڑے کئے جائیں۔

لیکن اسی نے خالص اپنے فضل و کرم سے یہ بھی چاہا کہ کسی کو اس وقت تک سزا نہ دیں جب تک دستاویزی ثبوت اور ناقابل انکار شہادتوں سے اس کا جرم اس کے سامنے اس طرح کھل کر نہ آ جائے کہ وہ خود بھی اپنے مجرم ہونے کا اعتراف کر لے اور اپنے آپ کو مستحق سزا سمجھ لے۔

اس کے لئے ہر انسان کے ساتھ اس کے ہر عمل اور قول کو لکھنے والے فرشتے مقرر فرما دیئے: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ، یعنی کوئی کلمہ انسان کی زبان سے نہیں نکلتا جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نگرانی کرنے والا فرشتہ مقرر نہ ہو، پھر محشر میں میزان عدل قائم فرما کر انسان کے اعمال نیک و بد کو تولا جائے گا، اگر نیکیوں کا پلہ بھاری ہو گیا تو نجات پائے گا اور گناہوں اور جرائم کا پلہ بھاری ہو گیا تو گرفتار عذاب ہو گا۔

اس کے علاوہ جب احکم الحاکمین کا دربار عام محشر میں قائم ہو گا تو ہر ایک کے عمل پر شہادتیں بھی لی جائیں گی بعض مجرم گواہوں کی تکذیب کریں گے تو اس کے ہاتھ پاؤں اور اعضاء و جوارح سے اور اس زمین و مکان سے جس میں یہ افعال کئے گئے گواہی لی جائے گی وہ سب بحکم خداوندی گویا ہو کر صحیح صحیح واقعات بتلا دیں گے یہاں تک کہ مجرمین کو انکار و تکذیب کا کوئی موقع باقی نہ رہے گا وہ اعتراف و اقرار کریں گے: فَاعْتَرَفُوا بِذَنْبِهِمْ فَسُحْقًا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ۝

پھر رؤف و رحیم مالک نے اس نظام عدل و انصاف کے قائم کرنے ہی پر اکتفاء نہیں فرمایا، اور دنیا کی حکومتوں کی طرح نرا ایک ضابطہ اور قانون ان کو نہیں دے دیا بلکہ قانون کے ساتھ ایک نظام تربیت قائم کیا جیسے بلا تشبیہ کے کوئی شفیق باپ اپنے گھریلو معاملات کو درست رکھنے اور اہل و عیال کو تہذیب و ادب سکھانے کے لئے کوئی گھریلو قانون اور ضابطہ بناتا ہے کہ جو شخص اس کے خلاف کرے گا اس کو سزا ملے گی، مگر اس کی شفقت و عنایت اس کو اس پر بھی آمادہ کرتی ہے کہ ایسا انتظام کرے جس کے سبب ان میں سے کوئی سزا کا مستحق نہ ہو بلکہ سب کے سب اس ضابطہ کے مطابق چلیں، بچہ کے لئے اگر صبح کو اسکول جانے کی ہدایت اور اس کے خلاف کرنے پر سزا مقرر کر دی ہے تو باپ سویرے اس کی بھی فکر کرتا ہے کہ بچہ اس کام کے لئے وقت سے پہلے تیار ہو جائے۔

رب العالمین کی رحمت اپنی مخلوق پر ماں اور باپ کی شفقت و رحمت سے کہیں زائد ہے اس لئے اس نے اپنی کتاب کو محض قانون اور تعزیرات نہیں بنایا بلکہ ایک ہدایت نامہ بنایا ہے اور ہر قانون کے ساتھ ایسے طریقے بھی سکھائے ہیں جن کے ذریعہ قانون پر عمل سہل ہو جائے۔ اسی نظام ربوبیت کے تقاضے سے اپنے انبیاء بھیجے ان کے ساتھ آسمانی ہدایت نامے بھیجے، فرشتوں کی بہت بڑی تعداد نیکیوں کی طرف ہدایت کرنے اور مدد کرنے کے لئے مقرر فرما دی۔ اسی نظام ربوبیت کا ایک تقاضا یہ بھی تھا کہ ہر قوم اور ہر فرد کو غفلت سے بیدار کرنے اور اپنے رب کریم کو یاد کرنے کے لئے مختلف قسم کے سامان پیدا کئے، زمین و آسمان کی تمام مخلوقات اور دن رات کے تغیرات اور خود انسان کے اپنے وجود کی کائنات میں اپنی یاد دلانے والی ایسی نشانیاں رکھ دیں کہ اگر ذرا بھی ہوش سے کام لے تو کسی وقت اپنے مالک کو نہ بھولے: وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ، وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ. یعنی زمین میں اہل بصیرت کے لئے ہماری نشانیاں ہیں، اور خود تمہارے وجود میں بھی، کیا پھر بھی تم نہیں دیکھتے۔

اسی طرح غافل انسان کو بیدار کرنے اور عمل صالح پر لگانے کے لئے ایک انتظام رب العالمین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ افراد اور جماعتوں اور قوموں سے مختلف اوقات اور حالات میں اپنے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ عہد و پیمان لے کر ان کو

قانون کی پابندی کے لئے تیار کیا گیا۔

قرآن مجید کی متعدد آیات میں بہت سے معاہدات ومواثیق کا ذکر کیا گیا ہے جو مختلف جماعتوں سے مختلف اوقات و حالات میں لئے گئے، انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا گیا کہ جو کچھ ان کو حق تعالیٰ کی طرف سے پیغام رسالت ملے وہ اپنی اپنی امتوں کو ضرور پہنچا دیں گے، اس میں ان کے لئے کسی کا خوف اور لوگوں کی ملامت وتوہین کا اندیشہ حائل نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ کی اس مقدس جماعت نے اپنے اس معاہدہ کا پورا حق ادا کر دیا، پیغام رسالت کے پہنچانے میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

اسی طرح ہر رسول و نبی کی امت سے اس کا معاہدہ لیا گیا کہ وہ اپنے اپنے انبیاء کا اتباع کریں گے، پھر خاص خاص اہم معاملات میں خصوصیت کے ساتھ اس کے پورا کرنے میں اپنی پوری توانائی صرف کرنے کا عہد لیا گیا، جس کو کسی نے پورا کیا کسی نے نہیں کیا۔

انہی معاہدات میں سے ایک اہم معاہدہ وہ ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام نے ہمارے رسول کریم محمد مصطفی ﷺ کے بارے میں لیا گیا کہ سب انبیاء نبی امی خاتم الانبیاء ﷺ کا اتباع کریں گے، اور جب موقع پائیں گے ان کی مدد کریں گے جس کا ذکر اس آیت میں ہے: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ، یہ تمام عہود ومواثیق حق تعالیٰ کی رحمت کاملہ کے مظاہر ہیں اور مقصد ان کا یہ ہے کہ انسان جو کثیر النسیان ہے اکثر اپنے فرائض کو بھول جاتا ہے، اس کو بار بار ان معاہدات کے ذریعہ ہوشیار کیا گیا تاکہ وہ ان کی خلاف ورزی کر کے تباہی میں نہ پڑ جائے۔

اس کے بعد دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ، یعنی یہ اقرار ہم نے اس لئے بھی لیا ہے کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ عذر نہ کرنے لگو کہ شرک وبت پرستی تو دراصل ہمارے بڑوں نے اختیار کر لی تھی اور ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد تھے، کھرے کھوٹے اور صحیح غلط کو نہیں پہچانتے تھے اس لئے بڑوں نے جو کچھ کیا ہم نے بھی اسی کو اختیار کر لیا تو بڑوں کے جرم کی سزا ہمیں کیوں دی جائے۔ حق تعالیٰ نے بتلا دیا کہ دوسروں کے فعل کی سزا تم کو نہیں دی گئی بلکہ خود تمہاری غفلت کی سزا ہے کیونکہ اس اقرار ازلی نے انسان میں ایک ایسی عقل وبصیرت کا تخم ڈال دیا تھا کہ ذرا بھی غور وفکر سے کام لیتا تو اتنی بات سمجھ لینا کچھ مشکل نہیں تھا کہ یہ پتھر جن کو ہم نے اپنے ہاتھوں تراشا ہے، یا آگ اور پانی، اور درخت یا کوئی انسان، ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جس کو کوئی انسان اپنا پیدا کرنے والا اور پروردگار یا حاجت روا مشکل کشا یقین کر سکے۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا....

بلعم بن باعورا:

مروی ہے کہ جس کا واقعہ ان آیتوں میں بیان ہو رہا ہے اس کا نام بلعم بن باعورا ہے۔ یہ بھی کہ کہا گیا ہے کہ اس کا نام صَیفی بن راہب تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بلقاء کا ایک شخص تھا جو اسم اعظم جانتا تھا اور جبارین کے ساتھ ہی بیت المقدس میں رہا کرتا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ یمنی شخص تھا جس نے کلام اللہ کو ترک کر دیا تھا، یہ شخص بنی اسرائیل کے علماء میں سے تھا، اس کی دعا

مقبول ہو جایا کرتی تھی۔ بنی اسرائیل سختیوں کے وقت اسے آگے کر دیا کرتے تھے۔ اللہ اس کی دُعا مقبول فرما لیا کرتا تھا۔ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کے بادشاہ کی طرف اللہ کے دین کی دعوت دینے کیلئے بھیجا تھا اس عقلمند بادشاہ نے اسے مکرو فریب سے اپنا کر لیا۔ اس کے نام کئی گاؤں کر دیئے اور بہت کچھ انعام و اکرام دیا۔ یہ بدنصیب دین موسوی کو چھوڑ کر اس کے مذہب میں جاملا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام بلعام تھا۔ یہ بھی ہے کہ یہ امیہ بن ابوصلت ہے۔ ممکن ہے یہ کہنے والے کی یہ مراد ہو کہ یہ امیہ بھی اسی کے مشابہ تھا۔ اسے بھی اگلی شریعتوں کا علم تھا لیکن یہ ان سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔ خود حضور ﷺ کے زمانے کو بھی اس نے پایا آپ کی آیات بینات دیکھیں، معجزے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے، ہزار ہا کو دین حق میں داخل ہوتے دیکھا لیکن مشرکین کے میل جول، ان میں امتیاز، ان میں دوستی اور وہاں کی سرداری کی ہوس نے اسے اسلام اور قبول حق سے روک دیا۔ اسی نے بدری کافروں کے ماتم میں مرثیے کہے، لعنتہ اللہ۔ بعض احادیث میں وارد ہے کہ اس کی زبان تو ایمان لا چکی تھی لیکن دل مؤمن نہیں ہوا تھا کہتے ہیں کہ اس شخص سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ اس کی دُعائیں جو بھی یہ کرے گا مقبول ہوں گی اس کی بیوی نے ایک مرتبہ اس سے کہا کہ ان تین دُعاؤں میں سے ایک دُعا میرے لئے کر۔ اس نے منظور کر لیا اور پوچھا کیا دُعا کرانا چاہتی ہو؟ اس نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس قدر حسن و خوبصورتی عطا فرمائے کہ مجھ سے زیادہ حسین عورت بنی اسرائیل میں کوئی نہ ہو۔ اس نے دُعا کی اور وہ ایسی ہی حسین ہو گئی۔ اب تو اس نے پر نکالے اور اپنے میاں کو محض بے حقیقت سمجھنے لگی بڑے بڑے لوگ اس کی طرف جھکنے لگے اور یہ بھی ان کی طرف مائل ہو گئی اس سے یہ بہت کڑھا اور اللہ سے دُعا کی کہ یا اللہ اسے کتیا بنا دے۔ یہ بھی منظور ہوئی وہ کتیا بن گئی۔ اب اس کے بچے آئے انہوں نے گھیر لیا کہ آپ نے غضب کیا لوگ ہمیں طعنہ دیتے ہیں اور ہم کتیا کے بچے مشہور ہو رہے ہیں۔ آپ دُعا کیجئے کہ اللہ اسے اس کی اصلی حالت میں پھر سے لا دے۔ اس نے وہ تیسری دُعا بھی کر لی تینوں دُعائیں یوں ہی ضائع ہو گئیں اور یہ خالی ہاتھ بے خیر رہ گیا۔ مشہور بات تو یہی ہے کہ بنی اسرائیل کے بزرگوں میں سے یہ ایک شخص تھا۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ یہ نبی تھا۔ یہ محض غلط ہے، بالکل جھوٹ ہے اور کھلا افترا ہے۔ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب قوم جبارین سے لڑائی کے لئے بنی اسرائیل کی ہمراہی میں گئے انہی جبارین میں بلغام نامی یہ شخص تھا اس کی قوم اور اس کے قرابت دار چچا وغیرہ سب اس کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰ اور اس کی قوم کے لئے آپ بددُعا کیجئے۔ اس نے کہا یہ نہیں ہوسکتا اگر میں ایسا کروں گا تو میری دنیا آخرت دونوں خراب ہو جائیں گی لیکن قوم سر ہو گئی۔ یہ بھی لحاظ مروت میں آ گیا۔ بددُعا کی، اللہ تعالیٰ نے اس سے کرامت چھین لی اور اسے اس کے مرتبے سے گرا دیا۔ سدی کہتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل کو وادی تیہ میں چالیس سال گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا انہوں نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں لے کر جاؤں اور ان جبارین سے جہاد کروں۔ یہ آمادہ ہو گئے، بیعت کر لی۔ انہی میں بلعام نامی ایک شخص تھا جو بڑا عالم تھا اسم اعظم جانتا تھا۔ یہ بدنصیب کافر ہو گیا قوم جبارین میں جاملا اور ان سے کہا تم نہ گھبراؤ جب بنی اسرائیل کا لشکر آ جائے گا میں ان پر بددُعا کروں گا تو وہ دفعتاً ہلاک ہو جائے گا۔ اس کے پاس تمام دنیوی ٹھاٹھ تھے لیکن عورتوں کی عظمت کی وجہ سے یہ ان سے نہیں ملتا تھا بلکہ ایک گدھی پال رکھی

تھی۔ اسی بدقسمت کا ذکر اس آیت میں ہے۔ شیطان اس پر غالب آ گیا اسے اپنے پھندے میں پھانس لیا جو وہ کہتا تھا یہ کرتا تھا آخر ہلاک ہو گیا۔ مسند ابو یعلی موصلی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ اس سے ڈرتا ہوں جو قرآن پڑھ لے گا جو اسلام کی چادر اوڑھے ہوئے ہوگا اور دینی ترقی پر ہوگا کہ ایک دم اس سے ہٹ جائے گا، اسے پس پشت ڈال دے گا، اپنے پڑوسی پر تلوار لے دوڑے گا اور اسے شرک کی تہمت لگائے گا۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ مشرک ہونے کے زیادہ قابل کون ہوگا؟ یہ تہمت لگانے والا؟ وہ جسے تہمت لگا رہا ہے فرمایا نہیں بلکہ تہمت دھرنے والا۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو قادر تھے کہ اسے بلند مرتبے پر پہنچائیں، دنیا کی آلائشوں سے پاک رکھیں، اپنی دی ہوئی آیتوں کی تابعداری پر قائم رکھیں لیکن وہ دنیوی لذتوں کی طرف جھک پڑا یہاں تک کہ شیطان کا پورا مرید ہو گیا۔ اسے سجدہ کر لیا۔ کہتے ہیں کہ اس بلعام سے لوگوں نے درخواست کی کہ آپ حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے حق میں بددعا کیجئے۔ اس نے کہا اچھا میں اللہ سے حکم لے لوں۔ جب اس نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی تو اسے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل مسلمان ہیں اور ان میں اللہ کے نبی موجود ہیں اس نے سب سے کہا کہ مجھے بددعا کرنے سے روک دیا گیا ہے انہوں نے بہت سارے تحفے تحائف جمع کر کے اسے دیئے اس نے سب رکھ لئے۔ پھر دوبارہ درخواست کی کہ ہمیں ان سے بہت خوف ہے آپ ضرور ان پر بددعا کیجئے اس نے جواب دیا کہ جب تک میں اللہ تعالیٰ سے اجازت نہ لے لوں میں ہرگز یہ نہ کروں گا اس نے پھر اللہ سے مناجات کی لیکن اسے کچھ معلوم نہ ہو سکا اس نے یہی جواب انہیں دیا تو انہوں نے کہا دیکھو اگر منع ہی مقصود ہوتا تو آپ کو روک دیا جاتا جیسا کہ اس سے پہلے روک دیا گیا۔ اس کی بھی سمجھ میں آ گیا اٹھ کر بددعا شروع کی۔ اللہ کی شان ہے بددعا ان پر کرنے کے بجائے اس کی زبان سے اپنی ہی قوم کے لئے بددعا نکلی اور جب اپنی قوم کی فتح کی دعا مانگنا چاہتا تو بنی اسرائیل کی فتح و نصرت کی دعا نکلتی۔ قوم نے کہا آپ کیا غضب کر رہے ہیں؟ اس نے کہا کیا کروں؟ میری زبان میرے قابو میں نہیں۔ سنو اگر سچ مچ میری زبان سے ان کے لئے بددعا نکلی بھی تو قبول نہ ہوگی۔ سنو اب میں تمہیں ایک ترکیب بتاتا ہوں اگر تم اس میں کامیاب ہو گئے تو سمجھ لو کہ بنی اسرائیل برباد ہو جائیں گے تم اپنی نوجوان لڑکیوں کو بنا و سنگھار کرا کے ان کے لشکروں میں بھیجو اور انہیں ہدایت کر دو کہ کوئی ان کی طرف جھکے تو یہ انکار نہ کریں ممکن ہے بوجہ مسافرت یہ لوگ زناکاری میں مبتلا ہو جائیں اگر یہ ہوا تو چونکہ یہ حرام کاری اللہ کو سخت ناپسند ہے اسی وقت ان پر عذاب آ جائے گا اور یہ تباہ ہو جائیں گے۔ ان بے غیرتوں نے اس بات کو مان لیا اور یہی کیا۔ خود بادشاہ کی بڑی حسین و جمیل لڑکی بھی بن ٹھن کر نکلی اسے ہدایت کر دی گئی تھی کہ سوائے حضرت موسیٰ کے اور کسی کو اپنا نفس نہ سونپے۔ یہ عورتیں جب بنی اسرائیل کے لشکر میں پہنچیں تو عام لوگ بے قابو ہو گئے حرام کاری سے بچ نہ سکے۔ شہزادی بنی اسرائیل کے ایک سردار کے پاس پہنچی۔ اس سردار نے اس لڑکی پر ڈورے ڈالے لیکن اس لڑکی نے انکار کیا۔ اس نے بتایا کہ میں فلاں فلاں ہوں، اس نے اپنے باپ سے یا بلعام سے پچھوایا اس نے اجازت دی۔ یہ خبیث اپنا منہ کالا کر رہا تھا جسے حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی صاحب نے دیکھ لیا اپنے نیزے سے ان دونوں کو پرو دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دست و بازی قوی کر دیئے اس نے یونہی ان دونوں کو چھدے

ہوئے اٹھالیا لوگوں نے بھی انہیں دیکھا۔ اب اس لشکر پر عذاب ربّ بشکل طاعون آیا اور ستر ہزار آدمی فوراً ہلاک ہو گئے۔
بلعام اپنی گدھی پر سوار ہو کر چلا وہ ایک ٹیلے پر چڑھ کر رک گئی اب بلعام اسے مارتا پیٹتا ہے لیکن وہ قدم نہیں اٹھاتی۔ آخر گدھی نے اس کی طرف دیکھا اور کہا مجھے کیوں مار رہا ہے سامنے دیکھ کون ہے؟ اس نے دیکھا تو شیطان لعین کھڑا ہوا تھا یہ اتر پڑا اور سجدے میں گر گیا۔ الغرض ایمان سے خالی ہو گیا اس کا نام یا تو بلعام تھا۔ یا بلعم بن باعورا یا ابن ابر بار بن باعور بن شہوم بن قوشتم بن ماآب بن لوط بن ہارون یا ابن مران بن آزر۔ یہ بلقا کا رئیس تھا، اسم اعظم جانتا تھا لیکن اخیر میں دین حق سے ہٹ گیا۔ واللہ اعلم۔ ایک روایت میں ہے کہ قوم کے زیادہ کہنے سننے سے جب یہ اپنی گدھی پر سوار ہو کر بددُعا کے لئے چلا تو اس کی گدھی بیٹھ گئی۔ اس نے اسے مار پیٹ کر اٹھایا کچھ دور چل کر پھر بیٹھ گئی۔ اس نے اسے پھر مار پیٹ کر اٹھایا، اسے اللہ نے زبان دی۔ اس نے کہا تیرا ناس جائے تو کہاں اور کیوں جا رہا ہے اللہ کے مقابلے اس کے رسول سے لڑنے اور مؤمنوں کو نقصان دلانے جا رہا ہے؟ دیکھ تو سہی فرشتے میری راہ رو کے کھڑے ہیں۔ اس نے پھر بھی کچھ خیال نہ کیا آگے بڑھ گیا۔ حبان نامی پہاڑی پر چڑھ گیا جہاں سے بنو اسرائیل کا لشکر سامنے ہی نظر آتا تھا۔ اب ان کیلئے بددُعا اور اپنی قوم کے لئے دُعائیں کرنے لگا لیکن زبان الٹ گئی دُعا کی جگہ بددُعا اور بددُعا کی جگہ دُعا نکلنے لگی۔ قوم نے کہا کیا کر رہے ہو؟ کہا بے بس ہوں۔ اسی وقت اس کی زبان نکل پڑی سینے پر لٹکنے لگی اس نے کہا لو میری دنیا بھی خراب ہوئی اور دین تو بالکل برباد ہو گیا پھر اس نے خوبصورت لڑکیاں بھیجنے کی ترکیب بتائی جیسے کہ اوپر بیان ہوا اور کہا کہ اگر ان میں سے ایک نے بھی بدکاری کر لی تو ان پر عذاب ربّ آ جائے گا ان عورتوں میں سے ایک بہت ہی حسین عورت جو کنانیہ تھی اور جس کا نام کستی تھا جو صورنامی ایک رئیس کی بیٹی تھی وہ جب بنی اسرائیل کے ایک بہت بڑے سردار زمری بن شلوم کے پاس سے گزری جو شمعون بن یعقوب کی نسل میں سے تھا وہ اس پر فریفتہ ہو گیا۔ دلیری کے ساتھ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا اور کہنے لگا آپ تو شاید کہہ دیں گے کہ یہ مجھ پر حرام ہے؟ آپ نے کہا بیشک۔ اس نے کہا اچھا میں آپ کی یہ بات تو نہیں مان سکتا، اسے اپنے خیمے میں لے گیا اور اس سے منہ کالا کرنے لگا۔ وہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون بھیج دیا۔ حضرت فخاص بن عیزار بن ہارون اس وقت لشکر گاہ سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے جب آئے اور تمام حقیقت سنی تو بیتاب ہو کر غصے کے ساتھ اس بدکردار کے خیمے میں پہنچے اور اپنے نیزے میں ان دونوں کو پرو لیا اور اپنے ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے انہیں اوپر اٹھائے ہوئے باہر نکلے کہنی کوکھ پر لگائے ہوئے تھے کہنے لگے یا اللہ ہمیں معاف فرما ہم پر سے یہ وبا دور فرما دیکھ لے ہم تیرے نافرمانوں کے ساتھ یہ کرتے ہیں۔ ان کی دُعا اور اس فعل سے طاعون اٹھ گیا لیکن اتنی دیر میں جب حساب لگایا گیا تو ستر ہزار آدمی اور ایک روایت کی رو سے بیس ہزار مر چکے تھے۔ دن کا وقت تھا اور کنانیوں کی یہ چھوکریاں سودا بیچنے کے بہانے صرف اس لئے آئی تھیں کہ بنو اسرائیل بدکاری میں پھنس جائیں اور ان پر عذاب آ جائے۔ بنو اسرائیل میں اب تک یہ دستور چلا آتا ہے کہ وہ اپنے ذبیحہ میں سے گردن اور دست اور سری اور ہر قسم کا سب سے پہلا پھل فخاص کی اولاد کو دیا کرتے ہیں۔ اسی بلعام بن باعورا کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ فرمان ہے کہ اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ کالی ہے تو ہانپتا ہے اور دھتکارا جائے تو ہانپتا رہتا ہے۔ یا تو اس

مثال سے یہ مطلب ہے کہ بلعام کی زبان نیچے کو لٹک پڑی تھی جو پھر اندر کو نہ ہوئی کتے کی طرح ہانپتا رہتا تھا اور زبان باہر لٹکائے رہتا تھا۔ یہ بھی معنی ہیں کہ اس کی ضلالت اور اس پر جمے رہنے کی مثال دی کہ اسے ایمان کی دعوت، علم کی دولت غرض کسی چیز نے برائی سے نہ ہٹایا جیسے کتے کی اس کی زبان لٹکنے کی حالت برابر قائم رہتی ہے خواہ اسے پاؤں تل روندو خواہ چھوڑ دو۔ جیسے بعض کفار مکہ کی نسبت فرمان ہے کہ انہیں وعظ و پند کہنا نہ کہنا سب برابر ہے انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے کا اور جیسے بعض منافقوں کی نسبت فرمان ہے کہ ان کے لئے تو استغفار کر یا نہ کر اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔ یہ بھی مطلب اس مثال کا بیان کیا گیا ہے کہ ان کافروں منافقوں اور گمراہ لوگوں کے دل بودے اور ہدایت سے خالی ہیں یہ کبھی مطمئن نہیں ہوتے۔ پھر اللہ عزوجل اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ تو انہیں پند و نصیحت کرتا رہ تا کہ ان میں سے جو عالم ہیں، وہ غور و فکر کر کے اللہ کی راہ پر آ جائیں یہ سوچیں کہ بلعام ملعون کا کیا حال ہوا دینی علم جیسی زبردست دولت کو جس نے دنیا کی سفلی راحت پر کھو دیا۔ آخر نہ یہ ملا نہ وہ۔ دونوں ہاتھ خالی رہ گئے۔ اسی طرح یہ علماء یہود جو اپنی کتابوں میں اللہ کی ہدایتیں پڑھ رہے ہیں، آپ کے اوصاف لکھے پاتے ہیں، انہیں چاہئے کہ دنیا کی طمع میں پھنس کر اپنے مریدوں کو پھانس کر پھول نہ جائیں ورنہ یہ بھی اس کی طرح دنیا میں کھو دیئے جائیں گے انہیں چاہئے کہ اپنی علمیت سے فائدہ اٹھائیں۔ سب سے پہلے تیری اطاعت کی طرف جھکیں اور اوروں پر حق کو ظاہر کریں۔ دیکھ لو کہ کفار کی کیسی بری مثالیں ہیں کہ کتوں کی طرح صرف نگلنے اگلنے اور شہوت رانی میں پڑے ہوئے ہیں۔ پس جو بھی علم و ہدایت کو چھوڑ کر خواہش نفس کے پورا کرنے میں لگ جائے وہ بھی کتے جیسا ہی ہے۔ حضور فرماتے ہیں ہمارے لئے بری مثالیں نہیں اپنی ہبہ کی ہوئی چیز کو پھر لے لینے والا کتے کی طرح ہے جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ گنہگار لوگ اللہ کا کچھ بگاڑتے نہیں یہ تو اپنا ہی خسارہ کرتے ہیں۔ طاعت مولیٰ، اتباع ہدیٰ سے ہٹا کر خواہش کی غلامی دنیا کی چاہت میں پڑ کر اپنے دونوں جہان خراب کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ نَأْخُذُهُمْ قَلِيْلًا قَلِيْلًا مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٢﴾ وَ اُمْلِيْ لَهُمْ ۚ اَمْهِلُهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿١٨٣﴾ شَدِيْدٌ لَا يُطَاقُ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۗ فَيَعْلَمُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ جُنُوْنٍ اِنْ مَا هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٨٤﴾ بَيِّنُ الْاِنْذَارِ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ مُلْكِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ بَيَانٌ لِمَا فَيَسْتَدِلُّوْا عَلٰى قُدْرَةِ صَانِعِهٖ وَوَحْدَانِيَّتِهٖ وَّفِيْ اَنْ اَيْ اَنَّهٗ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ قَرُبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَيَمُوْتُوْا كُفَّارًا فَيَصِيْرُوْا اِلَى النَّارِ فَيُبَادِرُوْا اِلَى الْاِيْمَانِ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ اَيِ الْقُرْاٰنِ يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٨٥﴾ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ مَعَ الرَّفْعِ اِسْتِئْنَافًا وَالْجَزْمِ عَطْفًا عَلٰى مَحَلِّ مَا بَعْدَ الْفَاءِ فِيْ طُغْيَانِهِمْ

يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ يَتَرَدَّدُوْنَ تَحَيُّرًا يَسْـَٔلُوْنَكَ اَیْ اَهْلُ مَكَّةَ عَنِ السَّاعَةِ الْقِيَامَةِ اَيَّانَ مَتٰى مُرْسٰهَا ؕ قُلْ
لَهُمْ اِنَّمَا عِلْمُهَا مَتٰى تَكُوْنُ عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا يُظْهِرُهَا لِوَقْتِهَاۤ اَللَّامُ بِمَعْنٰى فِیْ اِلَّا هُوَ ؔ ثَقُلَتْ
عَظُمَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ عَلٰى اَهْلِهَا لِهَوْلِهَا لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ فُجَاءَةً يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ
حَفِیٌّ مُبَالِغٌ فِی السُّؤَالِ عَنْهَا ؕ حَتّٰى عَلِمْتَهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ تَاكِيْدٌ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَهٗ تَعَالٰى قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا اَجْلِبُهٗ وَّ لَا ضَرًّا اَدْفَعُهٗ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ
وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ مَا غَابَ عَنِّیْ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛۚ مِنْ فَقْرٍ وَّغَيْرِهٖ
لِاحْتِرَازِیْ عَنْهُ بِاجْتِنَابِ الْمَضَارِّ اِنْ مَا اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ بِالنَّارِ لِلْكٰفِرِيْنَ وَّ بَشِيْرٌ بِالْجَنَّةِ لِّقَوْمٍ
يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع ۲۳ ۱۲

ترجمہ: وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا (الآیۃ) اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا (یعنی مکہ والوں میں سے جن لوگوں نے قرآن مجید کو جھٹلایا) ہم ان کو بتدریج (جہنم کی طرف) لیے جا رہے ہیں (یعنی ہم ان کو آہستہ آہستہ پکڑتے ہیں (اس طرح سے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی اور میں انہیں ڈھیل دیتا ہوں (مہلت دیتا رہتا ہوں) بیشک میری تدبیر بہت مضبوط ہے (یعنی ایسی سخت ہے کہ اس کی کوئی طاقت نہیں رکھتا) اَوَ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا ؕ کیا ان لوگوں نے اس بات میں غور وفکر نہیں کیا (کہ سن لیتے یہ بات) کہ ان کے صاحب محمد ﷺ کو ذرا بھی دیوانگی (جنون) نہیں ہے وہ تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہے (کھلم کھلا ڈرانے والا ہے کہ کسی پر پوشیدہ نہ رہے) اَوَ لَمْ يَنْظُرُوْا (الآیۃ) اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کی حکومت (عظیم ملک) پر (نیز) ان چیزوں پر جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے (من شیٔ بیان ہے ما کا) اگر غور وفکر کرتے تو ان کے بنانے والے کی قدرت اور اس کی وحدانیت پر استدلال کر لیتے) وَّ اَنْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ (الآیۃ) اور اس بات پر (بھی غور نہیں کیا) کہ شاید ان کی موت قریب آ گئی ہو اور کفر کی حالت میں مر کر دوزخ میں داخل ہوں گے اس ڈر سے ایمان کی طرف تیزی سے بڑھتے) فَبِاَیِّ حَدِيْثٍۭ (الآیۃ) پھر اس کے بعد (یعنی قرآن حکیم کے بعد) کونسی بات پر یہ لوگ ایمان لائیں گے جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کو کوئی راہ دکھانے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کی سرکشی ہی میں چھوڑ دیتا ہے کہ سرگرداں (حیران) پھرتے رہیں۔ یَذَرُ یا اور نون کے ساتھ ہے۔ رفع میں جملہ مستانفہ ہے اور جزم میں فاء کے مابعد کے پر محل عطف ہے۔ یہ لوگ (یعنی مکہ والے) آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ قیامت کا علم (کہ کب ہوگی) صرف میرے ربّ ہی کے پاس ہے نہیں ظاہر کریگا قیامت کو اس کے وقت پر مگر

ہی (لِوَقْتِهَا میں لام بمعنی فی ہے) ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ (الآیۃ) وہ آسمانوں اورزمین میں (اس کے رہنے والوں پر ہول قیامت کی وجہ سے) بھاری حادثہ ہوگا، نہیں آئے گی تم پر قیامت مگر اچانک (دفعتاً) يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق اس طرح (سوال میں مبالغہ کرکے) پوچھتے ہیں گویا آپ قیامت کے متعلق پورے طور پر واقف ہیں (تحقیقات کرکے قیامت کو جان لیا ہے) آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے (یہ بطور تاکید ہے) لیکن اکثر لوگ (اس بات کو) نہیں جانتے ہیں (کہ قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے) قُلْ لَّآ اَمْلِكُ (الآیۃ) آپ کہہ دیجئے میں تو اپنی ذات خاص کے لیے بھی (چہ جائیکہ دوسروں کے لیے) کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا (کہ اس کو حاصل کرلوں) اور نہ کسی ضرر کا مالک ہوں (کہ اس کو دفع کردوں) مگر جتنا اللہ تعالیٰ چاہے (یعنی اختیار دے دیں پس اتنا ہی اختیار حاصل ہوتا ہے میں نہ اختیار مستقل رکھتا ہوں اور نہ علم محیط) وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ (الآیۃ) اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوں (جو مجھ سے پوشیدہ ہے اس کو جانتا ہوتا) تو میں (اپنے لیے) بہت سی بھلائی جمع کرلیتا اور مجھ کو کبھی کوئی برائی نہ پہنچی (یعنی فقر وغیرہ کی ضرررساں اشیاء سے پرہیز کرکے بچنے کی وجہ سے) میں تو صرف ڈرانے والا ہوں (کافروں کو دوزخ سے) اور بشارت دینے والا ہوں (جنت کی) ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: نَاْخُذُهُمْ: اس سے اگلی آیت کی تفسیر کی جانب اشارہ کیا۔

قوله: فَيَعْلَمُوْا: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا مَا بِصَاحِبِهِمْ، یہ فعل مقدر کا مفعول ہے۔

قوله: جُنُوْنٍ: اس سے اشارہ کیا کہ جِنَّةٍ مصدر ہے یہ قوم جن کے معنی میں نہیں کیونکہ یہ کفار کے قول کہ تمہارا صاحب مجنون ہے اس کا جواب ہے۔

قوله: وَّ فِيْ: ان کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ اس کا عطف ملکوت پر ہے۔

قوله: بَيَانٌ لِمَا: یہ مَا کا بیان ہے ملکوت کا بیان نہیں۔

قوله: وَفِيهِ: اس میں اشارہ ہے کہ ان مخففہ من المثقلہ ہے کیونکہ ان مصدر یہ افعال غیر منصرفہ پر داخل نہیں ہوتا۔

قوله: عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ: اشارہ کیا کہ يَكُوْنَ کا اسم ضمیر شان ہے۔

قوله: فَيُبَادِرُوْا: یہ منصوب ہے۔ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا کی نفی کا جواب ہے۔

قوله: عَلٰى مَحَلِّ مَا بَعْدَ الْفَاءِ: اس سے اشارہ کیا کہ فعلیہ کا عطف اسمیہ مستحسن نہیں۔

قوله: يَعْمَهُوْنَ: یہ ھم ضمیر سے حال ہے۔

قوله: الْقِيَامَةِ: الساعۃ یہ قیامت کا معروف نام ہے اور اچانک آمد کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا ہے۔

قوله: مَتٰی تَکُوْنُ: اس سے اشارہ کیا کہ اس کے علم سے مراد اس کے ثبوت کا علم ہے۔ اس کی ذات کا علم مراد نہیں، وہ تو حاصل ہے۔

قوله:: یہ فی کے معنی میں ہے جیسا اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس۔ ای فی دلوك۔

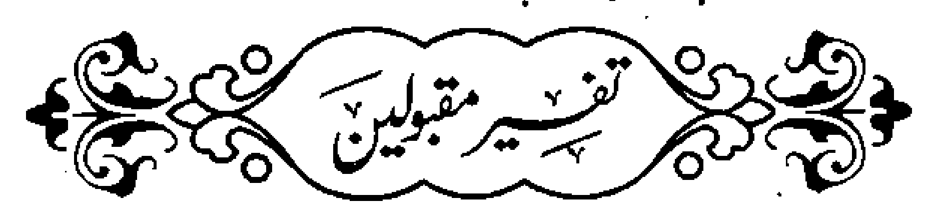
قوله: عَلٰی اَهْلِهَا: یہاں فی علی کے معنی میں ہے اور مضاف محذوف ہے۔

قوله: مُبَالِغٌ فِی السَّوَالِ: حَفِیٌّ وہ شخص جو سوال میں اصرار و مبالغہ کرے وہ خوب کریدتا ہے، اسی وجہ سے عن سے متعدی کیا۔

قوله: مَا غَابَ عَنِّیْ: غیب سے مراد جو آپ سے غائب ہو، ذاتِ باری تعالیٰ سے تو کوئی شئی غائب نہیں۔

قوله: مَا اَنَا: ان یہاں نافیہ مَا کے معنی میں ہے۔

قوله: بِالنَّارِ: نذیر کا متعلق محذوف ہے اور وہ بالنار ہے۔



وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾

مکذبین کو ڈھیل دی جاتی ہے، اللہ جسے گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں:

ان آیات میں اوّل تو یہ بیان فرمایا کہ ہم نے جن لوگوں کو پیدا کیا ہے ان میں ایک جماعت ایسی ہے جو حق کی ہدایت دینے والی ہے۔ یہ لوگ حق کی راہ بتاتے ہیں اور حق کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔ الفاظ کا عموم جنوں اور انسانوں سب کو شامل ہے۔ ان میں بہت سے لوگ وہ ہیں جنہیں دوزخ کے لیے پیدا فرمایا ان کا ذکر قریب ہی گزر چکا ہے اور یہاں بالتصریح یہ بیان فرمایا کہ ان میں حق کی راہ بتانے والے اور حق کے موافق انصاف کرنے والے بھی ہیں۔

پھر آیات کی تکذیب کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کی جو فوری پکڑ نہیں ہوتی اس سے وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ اللہ کے محبوب بندے ہیں اور مسلمان بھی ان کے ظاہری حال دیکھ کر ان پر رشک نہ کریں۔ دنیا میں اچھے حال میں ہونا عند اللہ مقبولیت کی دلیل نہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ایک تکوینی قانون استدراج بھی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ انسان اپنے کفر اور بداعمالی میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ڈھیل دیتے رہتے ہیں اور اسے خبر بھی نہیں ہوتی کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ یہ ڈھیل اس کے لیے مزید سرکشی کا باعث بنتی ہے اور پھر کبھی دنیا میں بھی گرفت ہو جاتی ہے اور آخرت میں تو اہل کفر کی سخت گرفت ہے ہی جس میں کوئی شک نہیں۔ اسلام کے دعویداروں میں جو معاصی میں غرق ہیں ان کے ساتھ بھی استدراج ہو جاتا ہے۔ وہ اس ڈھیل سے فائدہ اٹھاتے ہیں جو برا فائدہ ہے۔ کیوں کہ اس کے پیچھے سخت گرفت آنے والی ہوتی ہے۔ اللہ کی ڈھیل سے دھوکہ نہ کھائیں یہ گرفت فرمانے کے لیے ایک تدبیر ہے۔ اسی کو فرمایا: (وَاُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿۱۸۳﴾) (اور میں انہیں

ڈھیل دوں گا، بے شک میری تدبیر مضبوط ہے)۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تو یہ دیکھے کہ اللہ کسی بندے کو اس کے گناہوں کے باوجود دنیا میں سے اس کی محبوب چیزیں دے رہا ہے تو وہ استدراج ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے (سورۂ انعام کی آیت) (فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ) (آخر تک) تلاوت فرمائی (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۳) لفظ استدراج کا مادہ درج ہے (جو اوپر چڑھنے کے معنی میں آتا ہے) نافرمان آدمی کو نعمتیں ملتی رہتی ہیں تو وہ خوف خدا اور فکر آخرت سے غافل ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر اچانک پکڑ لیا جاتا ہے، چونکہ ڈھیل ملتی رہتی ہے اور درجہ بدرجہ معصیتوں میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ اس لیے اس کو استدراج سے تعبیر فرمایا، اس کے بعد فرمایا: (اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۗ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝) کہ دعوت توحید دینے والا شخص جو ان کے اندر موجود ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کیا اس کے بارے میں ان لوگوں نے غور نہیں کیا؟ یہ جو محنت اور مجاہدہ کرتے ہیں لوگوں کو حق کی دعوت دیتے ہیں اور آخرت یاد دلاتے ہیں اور اس عمل پر لوگوں کی طرف سے تکلیفیں پہنچتی ہیں اور اس محنت پر انہیں دنیا کا کچھ نفع حاصل نہیں یہ غور کرنے کی بات ہے جسے اس کی محنت کا دنیا میں کچھ پھل نہیں ملتا اور الٹا لوگوں کا معتوب بھی رہتا ہے اسے کیا ضرورت ہے کہ ایسی محنت کرے، وہ کوئی دیوانہ نہیں اس کی سب باتیں حکمت کی ہیں اس کے افعال و اعمال سب درست ہیں، اس کے اخلاق و آداب کی خوبی کے سب معترف ہیں پھر اس کی دعوت کو کیوں قبول نہیں کرتے، بعض لوگ ضد میں آکر دیوانہ بھی کہہ دیتے تھے ارشاد فرمایا کہ غور تو کرو کیا یہ شخص دیوانہ ہو سکتا ہے؟ چونکہ آپ ان ہی میں سے تھے ان کے ساتھ رہتے تھے اس لیے آپ کے بارے میں بِصَاحِبِهِمْ (ان کا ساتھی) فرمایا۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا ....

اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ کوئی بندہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو، نہ اپنے اندر اختیار مستقل رکھتا ہے نہ علم محیط۔ سید الانبیاء ﷺ جو علوم اولین و آخرین کے حامل اور خزائن ارضی کی کنجیوں کے امین بنائے گئے تھے، ان کو یہ اعلان کرنے کا حکم ہے کہ میں دوسروں کو کیا خود اپنی جان کو بھی کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا، نہ کسی نقصان سے بچا سکتا ہوں۔ مگر جس قدر اللہ چاہے اتنے ہی پر میرا قابو ہے اور اگر میں غیب کی ہر بات جان لیا کرتا تو بہت سی وہ بھلائیاں اور کامیابیاں بھی حاصل کر لیتا جو علم غیب نہ ہونے کی وجہ سے کسی وقت فوت ہو جاتی ہیں۔ نیز کبھی کوئی ناخوشگوار حالت مجھ کو پیش نہ آیا کرتی۔ مثلاً افک کے واقعہ میں کتنے دنوں تک حضور ﷺ کو وحی نہ آنے کی وجہ سے اضطراب و قلق رہا۔ حجۃ الوداع میں تو صاف ہی فرما دیا: "لو استقبلت من امری ما استدبرت لما سقت الھدی" (اگر میں پہلے سے اس چیز کو جانتا جو بعد میں پیش آئی تو ہرگز ہدی کا جانور اپنے ساتھ نہ لاتا) اسی قسم کے بیسیوں واقعات ہیں جن کی روک تھام علم محیط رکھنے کی صورت میں نہایت آسانی سے ممکن تھی۔ ان سب سے بڑھ کر عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ حدیث جبرائیل کی بعض روایات میں آپ نے تصریحاً فرمایا کہ یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے جبرائیل کو واپسی کے وقت تک نہیں پہچانا۔ جب وہ اٹھ کر چلے گئے تب علم ہوا کہ جبرائیل تھے۔ یہ واقعہ بتصریح

محدثین بالکل آخر عمر کا ہے۔ اس میں قیامت کے سوال پر ما المسؤل عنها باعلم من السائل ارشاد فرمایا۔ گویا بتلا دیا گیا کہ علم محیط خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اور علم غیب تو در کنار، محسوسات و مبصرات کا پورا علم بھی خدا ہی کے عطا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ کسی وقت نہ چاہے تو ہم محسوسات کا بھی ادراک نہیں کر سکتے۔ بہر حال اس آیت میں کھول کر بتلا دیا گیا کہ اختیار مستقل یا علم محیط نبوت کے لوازم میں سے نہیں۔ جیسا کہ بعض جہلاء سمجھتے تھے۔ ہاں شرعیات کا علم جو انبیاء علیہم السلام کے منصب سے متعلق ہے کامل ہونا چاہیے، اور تکوینیات کا علم خدا تعالیٰ جس کو جس قدر مناسب جانے عطا فرماتا ہے۔ اس نوع میں ہمارے حضور ﷺ تمام اولین و آخرین سے فائق ہیں۔ آپ کو اتنے بیشمار علوم و معارف حق تعالیٰ نے مرحمت فرمائے ہیں۔ جن کا احصاء کسی مخلوق کی طاقت میں نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

هُوَ اَیِ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ اَیْ اٰدَمَ وَّ جَعَلَ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا حَوَّاءَ لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ وَیَالِفُهَا فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا جَامَعَهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا هُوَ النُّطْفَةُ فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ ذَهَبَتْ وَجَاءَتْ لِخِفَّتِهٖ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ بِكِبَرِ الْوَلَدِ فِیْ بَطْنِهَا وَاَشْفَقَا اَنْ یَّكُوْنَ بَهِیْمَةً دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَیْتَنَا وَلَدًا صَالِحًا سَوِیًّا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۸۹﴾ لَكَ عَلَیْهِ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا وَلَدًا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِكَسْرِ الشِّیْنِ وَالتَّنْوِیْنِ اَیْ شَرِیْكًا فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ بِتَسْمِیَتِهٖ عَبْدَ الْحَارِثِ وَلَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا اِلَّا لِلّٰهِ وَلَیْسَ بِاِشْرَاكٍ فِی الْعُبُوْدِیَّةِ لِعِصْمَةِ اٰدَمَ وَرَوٰی سَمُرَةُ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا وَلَدَتْ حَوَّاءُ طَافَ بِهَا اِبْلِیْسُ وَكَانَ لَا یَعِیْشُ لَهَا وَلَدٌ فَقَالَ سَمِّیْهِ عَبْدَ الْحَارِثِ فَاِنَّهٗ یَعِیْشُ فَسَمَّتْهُ فَعَاشَ فَكَانَ ذٰلِكَ مِنْ وَحْیِ الشَّیْطَانِ وَاَمْرِهٖ رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَقَالَ صَحِیْحٌ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ حَسَنٌ غَرِیْبٌ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَیْ اَهْلُ مَكَّةَ بِهٖ مِنَ الْاَصْنَامِ وَالْجُمْلَةُ مُسَبَّبَةٌ عَطْفٌ عَلٰی خَلَقَكُمْ وَمَا بَیْنَهُمَا اِعْتِرَاضٌ اَیُشْرِكُوْنَ بِهٖ فِی الْعِبَادَةِ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْئًا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ۖ وَ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ اَیْ لِعَابِدِیْهِمْ نَصْرًا وَّ لَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ بِمَنْعِهَا مِمَّنْ اَرَادَ بِهِمْ سُوْءًا مِنْ كَسْرٍ اَوْ غَیْرِهٖ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّوْبِیْخِ وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اَیِ الْاَصْنَامَ اِلَی الْهُدٰى لَا یَتَّبِعُوْكُمْ ؕ بِالتَّشْدِیْدِ وَالتَّخْفِیْفِ سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اِلَیْهِ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ عَنْ دُعَائِهِمْ لَا یَتَّبِعُوْهُ لِعَدَمِ سِمَاعِهِمْ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ مَمْلُوْكَةٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ دُعَاءَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

صٰدِقِيْنَ ۝١٩٤ فِيْ اَنَّهَا اٰلِهَةٌ ثُمَّ بَيَّنَ غَايَةَ عِجْزِهِمْ وَفَضْلِ عَابِدِيْهِمْ عَلَيْهِمْ فَقَالَ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ
بِهَآ اَمْ اَمْ بَلْ لَهُمْ اَيْدٍ جَمْعُ يَدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ بَلْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ بَلْ لَهُمْ
اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ط اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ اَيْ لَيْسَ لَهُمْ شَيْءٌ مِنْ ذٰلِكَ مِمَّا هُوَ لَكُمْ فَكَيْفَ تَعْبُدُوْنَهُمْ وَاَنْتُمْ
اَتَمُّ حَالًا مِنْهُمْ قُلْ لَهُمْ يَا مُحَمَّدُ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ اِلٰى هَلَاكِيْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝١٩٥
تُمْهِلُوْنَ فَاِنِّيْ لَا اُبَالِيْ بِكُمْ اِنَّ وَلِيِّ َۧ يَتَوَلَّى اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ الْقُرْاٰنَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ۝١٩٦
بِحِفْظِهٖ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝١٩٧ فَكَيْفَ اُبَالِيْ
بِهِمْ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اَيِ الْاَصْنَامَ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ط وَتَرٰىهُمْ اَيِ الْاَصْنَامَ يَا مُحَمَّدُ يَنْظُرُوْنَ
اِلَيْكَ اَيْ يُقَابِلُوْنَكَ كَالنَّاظِرِ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝١٩٨ خُذِ الْعَفْوَ اَيِ الْيُسْرَ مِنْ اَخْلَاقِ النَّاسِ وَلَا تَبْحَثْ
عَنْهَا وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ الْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝١٩٩ فَلَا تُقَابِلْهُمْ بِسَفْهِهِمْ وَاِمَّا فِيْهِ اِدْغَامُ
نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِيْ مَا الزَّائِدَةِ يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ اَيْ اَنْ يَّصْرِفَكَ عَمَّا اُمِرْتَ بِهٖ صَارِفٌ
فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ط جَوَابُ الشَّرْطِ وَجَوَابُ الْاَمْرِ مَحْذُوْفٌ اَيْ يَدْفَعُهٗ عَنْكَ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ لِلْقَوْلِ
عَلِيْمٌ ۝٢٠٠ بِالْفِعْلِ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ اَصَابَهُمْ طٰٓئِفٌ وَفِيْ قِرَاءَةٍ طَائِفٌ اَيْ شَيْءٌ اَلَمَّ بِهِمْ مِّنَ
الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا عِقَابَ اللّٰهِ وَثَوَابَهٗ فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝٢٠١ الْحَقَّ مِنْ غَيْرِهٖ فَيَرْجِعُوْنَ وَاِخْوَانُهُمْ اَيْ
اِخْوَانُ الشَّيَاطِيْنِ مِنَ الْكُفَّارِ يَمُدُّوْنَهُمْ الشَّيَاطِيْنُ فِي الْغَيِّ ثُمَّ هُمْ لَا يُقْصِرُوْنَ ۝٢٠٢ يَكُفُّوْنَ عَنْهُ
بِالتَّبَصُّرِ كَمَا يَتَبَصَّرُ الْمُتَّقُوْنَ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ اَيْ اَهْلَ مَكَّةَ بِاٰيَةٍ مِمَّا اقْتَرَحُوْهُ قَالُوْا لَوْلَا
هَلَّا اجْتَبَيْتَهَا ط اَنْشَاْتَهَا مِنْ قِبَلِ نَفْسِكَ قُلْ لَهُمْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ لَيْسَ لِيْ اَنْ اٰتِيَ
مِنْ عِنْدِ نَفْسِيْ بِشَيْءٍ هٰذَا الْقُرْاٰنُ بَصَآئِرُ حُجَجٌ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝٢٠٣ وَاِذَا
قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا عَنِ الْكَلَامِ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝٢٠٤ نَزَلَتْ فِيْ تَرْكِ الْكَلَامِ فِي
الْخُطْبَةِ وَعُبِّرَ عَنْهَا بِالْقُرْاٰنِ لِاشْتِمَالِهَا عَلَيْهِ وَقِيْلَ فِيْ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ مُطْلَقًا وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ اَيْ

سِرًّا تَضَرُّعًا تَذَلُّلًا وَّ خِيفَةً خَوفًا مِنْهُ وَّفَوقَ السِّرِّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ اَیْ قَصْدًا بَيْنَهُمَا بِالْغُدُوِّ
وَالْاٰصَالِ اَوَائِلِ النَّهَارِ وَاَوَاخِرِهٖ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ اَیِ
ع ۱۸ ۲۴ ۱۴ السجدة ۱ الْمَلٰئِكَةِ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ يُنَزِّهُوْنَهٗ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِهٖ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾
اَیْ يَخُصُّوْنَهٗ بِالْخُضُوْعِ وَالْعِبَادَةِ فَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ

تَرْجَمَہ: هُوَ اَیِ اللّٰهُ الَّذِیْ الآیۃ وہ (یعنی اللہ وہی ہے جس نے تم سب (انسانوں) کو ایک جان (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا (یعنی حوا کو پیدا کیا) تا کہ آدم علیہ السلام اس جوڑے سے سکون حاصل کرے (اور اس سے انس حاصل کرے) پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا (اس سے جماع کیا) تو اس عورت نے ایک ہلکا سا بوجھ اٹھایا (اور وہ حمل نطفہ ہے) سو وہ اس کے ساتھ چلتی پھرتی رہی (آتی جاتی رہی ہلکا ہونے کی وجہ سے) پس جب وہ بوجھل ہوگئی (بچہ کے بڑے ہونے کی وجہ سے اس کے پیٹ میں اور میاں بیوی دونوں کو یقین ہو گیا کہ حمل ہے تو دونوں کو خوف پیدا ہوا کہ کہیں چوپایہ جانور نہ ہو) تو دونوں میاں بیوی اپنے پروردگار اللہ سے دعاء کرنے لگے کہ (اے پروردگار) اگر تو نے ہم کو صحیح سالم (بچہ) عطا کیا تو ہم ضرور ضرور (تیرے اس انعام پر) شکر گذاروں میں سے ہو جائیں گے جب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو صحیح سالم (اولاد) دے دی تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیا شریک ٹھہرانے لگے (وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِكَسْرِ الشِّيْنِ... اور ایک قراءت میں بجائے شرکاء کے شرکا بکسر الشین اور تنوین کے ساتھ آیا ہے، شرکا مصدر بمعنی اسم فاعل شریک ہے "بِتَسْمِيَتِهٖ عَبْدَ الْحَارِثِ" یعنی بچہ کا نام عبدالحارث رکھنا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا بندہ ہونا درست نہیں اور یہاں عبادت میں شرک کرنا مراد نہیں ہے حضرت آدم علیہ السلام کے معصوم ہونے کی وجہ سے۔ حضرت سمرہؓ نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت حواء کو فرزند پیدا ہوا تو ابلیس نے ان کے پاس چکر لگایا اور حال یہ تھا کہ حضرت حواء کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا، ابلیس نے کہا کہ اس بچہ کا نام عبدالحارث رکھ دو تو یہ زندہ رہے گا چنانچہ حضرت حواء نے اس بچہ کا نام عبدالحارث رکھ دیا چنانچہ بچہ زندہ رہا، پس یہ شیطان کے وسوسہ اور اسکی تجویز سے ہوا، حاکم نے اس روایت کو نقل کیا اور کہا ہے کہ روایت صحیح ہے اور امام ترمذیؒ نے نقل کیا اور کہا حسن غریب۔ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ سو اللہ پاک اور برتر ہے اس چیز سے جس کو یہ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں (یعنی اہل مکہ جو اللہ کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہراتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک و برتر ہے اور یہ جملہ مسببہ ہے عطف خَلَقَكُمْ پر اور ان دونوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ کیا یہ لوگ (اللہ کے ساتھ) ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور (بلکہ) وہ خود مخلوق ہیں (اور کسی چیز کو پیدا کرنا تو بڑی بات ہے یہ تو ایسے عاجز ہیں کہ: وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا، وہ لوگوں کی (اپنے پرستش کرنے والوں کی (کسی قسم کی مدد بھی نہیں کر سکتے اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں) کہ اگر ان بتوں کے ساتھ

کوئی برا ارادہ کرے یعنی توڑ پھوڑ کرنے کا یا اس کے علاوہ تو یہ روک نہیں سکتے اور یہ استفہام برائے توبیخ ہے۔ وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ (الآیۃ) اور اگر تم ان کو (یعنی بتوں کو) پکارو ہدایت کی طرف تمہاری پیروی نہ کر سکیں۔ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ (الآیۃ) برابر ہیں تمہارے اعتبار سے خواہ تم ان کو پکارو یا (ان کے بلانے سے) تم خاموش رہو (نہ سننے کی وجہ سے تمہاری اتباع نہیں کریں گے) اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ بیشک جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو (عبادت کرتے ہو) وہ بھی تمہارے ہی طرح (مملوک) بندے ہیں تو تم ان معبودوں کو پکارو پس ان کو چاہئے کہ (تمہاری پکار کا) جواب دیں اگر تم سچے ہو (کہ وہ معبود برحق ہیں (پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ان بتوں کے انتہائی عجز کو اور ان کے پجاریوں کی فضیلت کو ان پر چنانچہ فرمایا: (اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ (الآیۃ) کیا ان کے لیے پیر ہیں جن سے وہ چل سکیں) اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ، ام بمعنی بل ہے یعنی نہیں) یا ان کے ہاتھ ہیں (اید جمع ہے ید کی) جن سے وہ کوئی چیز پکڑ سکیں۔ اَمْ لَهُمْ (الآیۃ) (ام بمعنی بل ہے) یا ان کے لیے آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھ سکیں یا (ام بمعنی بل ہے) ان کے لیے کان ہیں جن سے وہ سن سکیں (یہ سب استفہام انکاری ہے یعنی ان بتوں کے واسطے ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے جو تم حاصل ہیں پھر تم کیسے ان بتوں کی بندگی کرتے ہو حالانکہ تم ان سے افضل و بہتر ہو۔ قُلِ (الآیۃ) آپ (اے محمد ﷺ ان بت پرستوں سے) کہہ دیجئے کہ تم اپنے سب شریکوں کو بلالو (میری ہلاکت کے لیے) پھر تم سب (میری ضرر رسانی کی) تدبیر کرو پھر مجھے مہلت بھی نہ دو (بیشک مجھے تمہارے معبودوں کی ذرہ برابر پرواہ نہیں) اِنَّ وَلِيِّ َۦ اللّٰهُ (الآیۃ) یقیناً میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے (وہ ایسی محبت کرتے ہیں کہ اس نے) کتاب نازل کی (یعنی مجھ پر قرآن نازل فرمایا) اور وہی نیک بندوں کی مدد کرتا ہے (اپنی حفاظت کے ذریعے) وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ (الآیۃ) اور تم جن لوگوں کی خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں پھر میں ان کی کیسے پرواہ کروں وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اور اگر تم ان کو (یعنی بتوں کو) کوئی بات بتلانے کے لیے پکارو تو وہ سنیں گے بھی نہیں اور آپ (اے محمد ﷺ) ان بتوں کو دیکھتے کہ (گویا) وہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں (یعنی دیکھنے والے کی طرح آپ کے سامنے ہے حالانکہ وہ (واقع میں) کچھ نہیں دیکھتے۔ خُذِ الْعَفْوَ (الآیۃ) درگزر سے کام لیجئے (یعنی لوگوں کے اخلاق میں سے آسانی و سہولت کو اختیار کیجئے اور ان کی کریدمت کیجئے زیادہ تجسس و تفتیش میں نہ پڑیں) اور نیک کام کا حکم دیجئے (عرف بمعنی معروف ہے پسندیدہ کام (نیک کام) اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جایا کیجئے (اور ان کی بیوقوفی حماقت کا مقابلہ نہ کیجئے واما دراصل انما تھا پس ان میں ان شرطیہ کے نون کو ما زائدہ میں ادغام کر دیا گیا)۔ وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ (الآیۃ) اور اگر اتفاقاً ان کی جہالت پر کسی وقت) شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ (غصہ کا) آنے لگے (اَیْ اَنْ يُصْرِفَكَ عَمَّا اُمِرْتَ بِهٖ صَارِفٌ ۔ یعنی جس کام کا آپ کو حکم دیا گیا اس کام سے کوئی پھیرنے والی چیز پیش آنے لگے فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۔ تو آپ (اس کے شر سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے (یہ شرط کا جواب ہے اور فَاسْتَعِذْ امر کا جواب محذوف ہے۔ اَیْ يَدْفَعُهٗ عَنْكَ یعنی اللہ تعالیٰ آپ سے اس وسوسہ کو دور

فرمادیں گے۔ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ (لآیۃ) بلاشبہ وہ خوب سننے والا ہے (قول کو) اور جاننے والا ہے فعل کو۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا (لآیۃ) یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو پہنچا (پیش آیا ان کو) شیطان کی طرف سے کوئی خطرہ (ایک قراءت میں طائف ہے یعنی ایسی چیز جو ان کو دکھ دے) تکلیف دہ چیز) تو وہ (یعنی اللہ کے عذاب وثواب کو یاد کرنے لگتے ہیں پھر وہ اچانک بینا ہو جاتے ہیں (یعنی آنکھ کھل جاتی ہے اور حق ناحق دیکھنے لگتے ہیں اور اس وسوسہ سے باز آجاتے ہیں۔ وَ اِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ (لآیۃ) اور ان کے بھائی (یعنی شیاطین کے بھائی جو کفار ہیں ان کو کھینچتے چلے جاتے ہیں (شیاطین) گمراہی میں پھر وہ باز نہیں آتے ہیں (یعنی بیداری کے ذریعہ گمراہی سے نہیں رکتے جیسا کہ متقی لوگ یادالٰہی کے ذریعہ بیدار ہو جاتے ہیں۔ گذشتہ آیات میں توحید کے ساتھ رسالت کا بھی ذکر تھا اب اس آیت میں حضور اقدس رسول اکرم ﷺ کے رسول برحق ہونے کا ثبوت اور کفار مکہ کے ایک شبہ کا جواب دیتے ہیں۔ بعض لوگ شرارت کی بنا پر براہ عناد آنحضرت ﷺ سے خاص معجزات طلب کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی: وَ اِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ (لآیۃ) اور جب آپ کوئی معجزہ ان کے (یعنی اہل مکہ کے) سامنے ظاہر نہیں کرتے (ان معجزات میں سے جن کا ان لوگوں نے مطالبہ کیا ہے) تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں (لَوْلَا بمعنی هلّا ہے) اس معجزہ کو لائے (یعنی کیوں نہیں اس فرمائشی معجزہ کو اپنی ذات سے پیدا کیا، بنا لیا؟ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ (لآیۃ) آپ (ان سے بطور جواب) کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پروردگار کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے (مجھ کو اس بات کا اختیار نہیں کہ اپنے جی سے کوئی چیز لاؤں)۔ هٰذَا بَصَآئِرُ (لآیۃ) یہ (قرآن) خود بہت سی روشن دلیلیں ہیں تمہارے پروردگار کی طرف ہے اور ہدایت اور رحمت ہے ایمان والوں کے لیے وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ (لآیۃ) اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ ''نَزَلَتْ فِيْ تَرْكِ الْكَلَامِ (لآیۃ)'' یہ آیت خطبہ کے درمیان ترک کلام کے سلسلے میں نازل ہوئی اور خطبہ کو قرآن سے اس لیے تعبیر فرمایا گیا چونکہ خطبہ قرآن پر بھی مشتمل ہوتا ہے یعنی خطبہ میں قرآن بھی ہوتا ہے۔ وَقِيْلَ فِيْ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ اور بعض کے نزدیک اس آیت کا نزول مطلق قراءت کے متعلق ہوا۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ (لآیۃ) اور اپنے پروردگار کو یاد کر اپنے دل میں (یعنی آہستہ) عاجزی اور خوف کے ساتھ (یعنی اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں ہوا۔ وَ فَوْقَ السِّرِّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ یعنی سر سے اوپر اور جہر سے نیچے زبان سے) یعنی درمیانی آواز سے۔ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ (لآیۃ) صبح اور شام (دن کے اول اوقات میں اور دن کے آخری حصے میں) اور ان لوگوں میں سے مت ہو جانا جو غافل رہتے ہیں (اللہ تعالیٰ کی یاد سے) بیشک وہ فرشتے تیرے پروردگار کے نزدیک (مقرب) ہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں (یعنی اس کی پاکی بیان کرتے ہیں ہر اس چیز سے جو اس کے شایان شان نہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں) یعنی پستی اور عبادت میں صرف اسی کو خاص کرتے ہیں سو تم لوگ بھی ان ہی ملائکہ کی طرح عبادت کرنے والے ہو جاؤ۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله:وَلَدًا: یہ موصوف ہے اس کی صفت مذکور ہے۔ موصوف محذوف ہے۔

قوله:شَرِيكًا: یہ مصدر ہے فاعل کے معنی میں آیا ہے۔ دراصل آیت میں صنعت استخدام سے کام لیا گیا ہے۔

قوله:بِتَشْبِيهِه: حذف مضاف کی ضرورت نہیں۔

قوله:اَیْ اَهْلَ مَكَّةَ: یہ قول ابتدائی کلام ہے اور مراد اہل مکہ کا شریک ٹھہرانا ہے۔

قوله:وَالْجُمْلَةُ مُسَبَّبَةٌ: اس سے اشارہ کیا فا کو کس مقصد کے لیے داخل کیا اور اس کا عطف خَلَقَكُمْ پر۔ درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔

قوله:اَمْ بَلْ: اس سے اشارہ کیا کہ ام تینوں مقامات میں منقطعہ ہے۔

قوله:اُبَالِيْ بِكُمْ: یہ تعلیل کا تتمہ ہے۔ اس لیے کہ آپ کو ان کی پروا نہ تھی۔

قوله:يُقَابِلُوْنَكَ: اس سے اشارہ کیا کہ کلام تو سبب ٹھہرانے کے اعتبار سے کیا گیا۔

قوله:مِنْ اَخْلَاقِ النَّاسِ: یعنی لوگوں کے افعال واخلاق جن کا تعلق عفو ودرگزر سے ہے جو کہ تجسس کی ضد ہے۔ دوسرا قول خلاف ظاہر ہے۔

قوله :وَلَا تبحث عنها: کرید میں مت پڑو ورنہ وہ نفرت کرنے لگیں گے، جیسا کہ آپ نے فرمایا: یسروا و لاتعسروا۔

قوله:اَلْمَعْرُوْفِ: یہ مصدر ہے اور مفعول کے معنی میں آیا ہے۔

قوله:عَمَّا اُمِرَتْ بِهٖ صَارِفٌ: یہ استعارہ وسوسہ شیطانی کو اس سے تشبیہ دی۔ جو وہ چوک لگا کر گناہوں پر ابھارتا ہے۔

قوله :اَصَابَهُمْ: طیف مصدر ہے۔ یہ طاف الخیال سے نکلا ہے مراد مس شیطانی ہے۔ اسی وجہ سے مسّہم کی تفسیر اصابہم سے کی ہے۔

قوله:الشَّيَاطِيْنِ: تزیین کر کے اور ابھار کر ان کی معاونت کرتے ہیں۔

قوله:يَكُفُّوْنَ عَنْهُ: ضمیر اخوان کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ شیاطین کی طرف۔

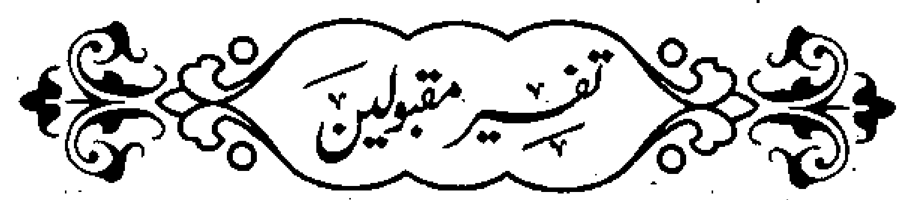
قوله:حُجَجٌ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ قرآن مجید کے حقائق وبصائر کی طرف راہ پانے سے استعارہ ہے۔

قوله:فَوْقَ السِّرِّ: اس کو مقدر مانا تا کہ تکرار لازم نہ آئے۔

قوله:قَصْدًا: یہ توسط کے معنی میں آتا ہے۔

قوله:اَوَائِلِ النَّهَارِ: غدو۔ مصدر ہے اور مراد مجازاً وقت غدو ہے کہتے ہیں: غدوت غدوًا۔

قوله: اَلْمَلَآئِكَةِ: اس سے ملاء اعلیٰ کے فرشتے مراد ہیں۔
قوله: يَخُصُّوْنَهٗ: متعلق کا مقدم کرنا اختصاص کو ثابت کرنے کے لیے ہے۔



هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔۔۔۔

بیوی قلبی سکون کے لیے ہے:

ان آیات میں اوّل تو اللہ جل شانہٗ نے اولاد آدم کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا۔ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ پھر جب انہوں نے تنہائی محسوس کی اور طبعی طور پر انس و الفت کی ضرورت محسوس کرنے لگے تو ان کی بائیں پسلی سے ان کا جوڑا پیدا فرما دیا۔ جس کا نام حواء تھا۔ اس جوڑے کی ضرورت ظاہر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: (لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا) تاکہ وہ اپنے جوڑے کے پاس قرار پکڑے۔ تھکا ماندہ اپنے گھر آئے تو اپنے گھر کو آرام کی جگہ پائے۔ معلوم ہوا کہ انسان کی ازدواجی زندگی کا مقصد اصلی یہ ہے کہ ایک دوسرے سے مانوس ہو اور زندگی پر سکون ہو۔ آپس میں محبت اور ہمدردی کے تعلقات ہوں۔ بہت سے مرد عورتوں کے لیے مصیبت بن جاتے ہیں اور بہت عورتیں مرد کے لیے سوہان روح بن جاتی ہیں۔ یہ ازدواجی مقصد کے خلاف ہے۔ جن میاں بیوی میں تلخی ہو وہاں سکون کہاں اور یہ سکون وہیں ہوسکتا ہے جبکہ خلاف طبع امور میں فریقین تحمل اور برداشت سے کام لیں۔ نکاح کرتے وقت اچھی طرح دیکھ بھال کر نکاح کریں۔ مال اور حسن و جمال ہی کو نہ دیکھیں۔ فریقین کی دین داری اور خوش خلقی کو بھی دیکھیں اور یہ بھی دیکھیں کہ آپس میں جوڑ بیٹھے گا یا نہیں؟ دونوں محبت و الفت کی راہ پر چل سکیں گے یا نہیں؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص پیغام لائے جس کے دین اور اخلاق کو پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کر دینا اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور (لمبا) چوڑا فساد ہو جائے گا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسی عورت سے نکاح کرو جو محبت والی ہو جس سے اولاد زیادہ پیدا ہو کیونکہ میں تمہاری کثرت پر دوسری امتوں کے مقابلہ میں فخر کروں گا۔ (رواہ ابوداؤد)

دونوں میاں بیوی محبت کے ساتھ رہیں۔ ایک دوسرے کے حقوق پہچانیں اور ایک دوسرے کی رعایت کریں، ناگواریوں سے درگزر کرتے رہیں۔ یہی اسلم طریقہ ہے اور اس میں سکون ہے۔

میاں بیوی آپس میں کس طرح زندگی گزاریں؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن بندہ (اپنی) مؤمن (بیوی) سے بغض نہ رکھے۔ اگر اس کی کوئی خصلت ناگوار ہوگی تو دوسری خصلت پسند آجائے گی۔ (رواہ مسلم ص ۴۷۵ ج ۱)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے وہ کسی بھی طریقہ پر تیرے لیے سیدھی نہیں ہوسکتی اگر تجھے اس سے نفع حاصل کرنا ہے تو اس صورت میں حاصل کرسکتا ہے کہ اس کا ٹیڑھا پن باقی رہے اور اگر تو اسے سیدھی کرنے لگے گا تو توڑ دے گا، اور اس کا توڑ دینا طلاق دینا ہے۔

(رواہ مسلم ص ۴۷۵ ج ۱)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اہل ایمان میں سے سب سے زیادہ کامل لوگ وہ ہیں جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہیں اور تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لیے سب سے بہتر ہیں۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو چار چیزیں دے دی گئیں اسے دنیا و آخرت کی بھلائی دے دی گئی۔

(۱) شکر گزار دل (۲) ذکر کرنے والی زبان (۳) تکلیف پر صبر کرنے والا بدن (۴) اور ایسی بیوی جو اپنی جان میں اور شوہر کے مال میں خیانت کرنا نہ چاہتی ہو۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت پانچ وقت کی نماز پڑھے اور رمضان کے روزے رکھے اور اپنی عصمت محفوظ رکھے اور اپنے شوہر کی فرمانبرداری کرے (جو شریعت کے خلاف نہ ہو) تو جنت کے جس دروازہ سے چاہے داخل ہوجائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸۱)

یہ چند احادیث جو ہم نے ذکر کی ہیں ان میں آپس کی محبت اور حسن معاشرت کے ساتھ زندگی گزارنے کے اصول بتا دیئے ہیں ان پر عمل کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ دونوں میاں بیوی سکھ سے رہیں گے اور میاں بیوی بننے کا جو کیف اور سرور ہے اس سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے اور زندگی بھر محبت کے ساتھ نباہ ہوتا رہے گا۔

میاں بیوی میں جو بھی بد اخلاق ہوتا ہے دوسرے کیلئے مصیبت بن جاتا ہے جو مقصد نکاح کے خلاف ہے۔

جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ سے کون مراد ہے؟:

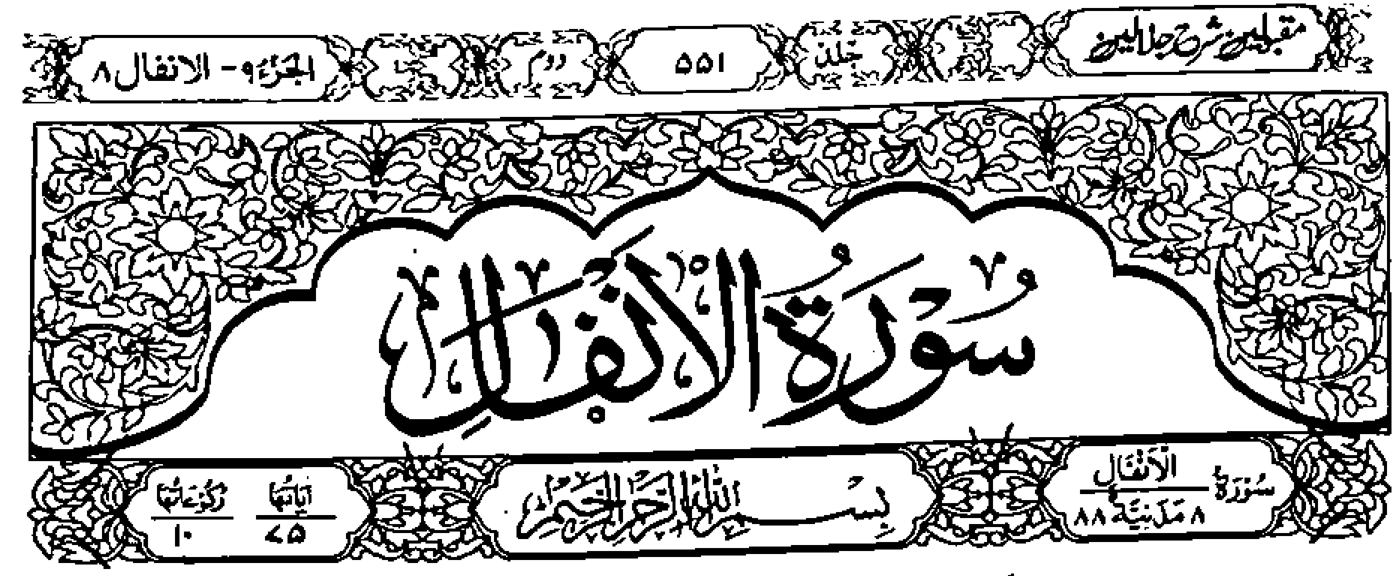
یہ بیان فرمانے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا مشرکین کا حال بیان فرمایا جو اولاد کی وجہ سے شرک کی صورتیں اختیار کر لیتے ہیں، ارشاد فرمایا: (فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ) جب مرد نے عورت کو ڈھانکا یعنی قربت اور مباشرت کی تو حمل رہ گیا، ابتداءً یہ حمل خفیف اور ہلکا ہوتا ہے جسے پیٹ میں لے کر عورت آسانی سے چلتی پھرتی ہے۔ (فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۸۹) (جب حمل کی وجہ سے عورت بوجھل ہوگئی تو دونوں میاں بیوی اللہ سے دعاء کرنے لگے کہ اگر آپ نے ہمیں صحیح سالم اولاد دے دی تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہوں گے) (فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۱۹۰) (پھر جب ان کے ربّ نے انہیں صحیح سالم بھلا چنگا بچہ عطا فرما دیا تو اللہ کی اس بخشی ہوئی چیز میں اللہ

کے لیے شریک بنانے لگے) (فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝) (سواللہ ان کے شرک سے برتر ہے) اس میں کن لوگوں کے شرک کا بیان ہے اس کے بارے میں بعض روایات میں یوں ملتا ہے کہ جیسے شروع آیت میں حضرت آدم اور حضرت حوا (عَلَیْہِ السَّلَام) کا ذکر ہے اسی طرح سے (فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا) سے لے کر (فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝) تک بھی انہیں میاں بیوی کا ذکر ہے اور وہ یہ کہ شیطان کے بتانے سے حضرت حواء نے اپنے ایک بچہ کا نام عبدالحارث رکھ دیا تھا اس سے پہلے بچے زندہ نہیں رہتے تھے۔ ابلیس نے کہا کہ اب جو بچہ پیدا ہو اس کا نام عبدالحارث رکھنا۔ اس طرح وہ زندہ رہے گا۔

مفسر ابن کثیر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے اوّل تو اس قصہ کو مرفوعاً نقل کیا ہے پھر ابن جریر کے حوالہ سے اس کو حدیث موقوف بتایا ہے اور موقوف ہونے کے بعض شواہد پیش کیے ہیں پھر لکھا ہے کہ یہ روایت موقوف ہے صحابی کا قول ہے ممکن ہے کہ صحابی (سمرہ بن جندب) نے بعض اہل کتاب سے یہ بات حاصل کی ہو جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے جیسے کعب احبار اور وہب بن منبہ رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ اور حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا سے بھی کچھ اس طرح منقول ہے کہ حضرت آدم وحواء نے اپنے بچہ کا نام عبدالحارث رکھ دیا تھا مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ سب اہل کتاب کے آثار سے لیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہی بات درست ہے کیونکہ آیت میں تثنیہ کا صیغہ ہے جس میں میاں بیوی دونوں کا ذکر ہے اور حضرات انبیاء کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام سے شرک خفی یا جلی کا صدور نہیں ہوسکتا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت کا مطلب کیا ہے اور اس میں کن لوگوں کا حال بیان کیا ہے؟ اس کے بارے میں حضرت حسن (بصری) سے منقول ہے کہ اس سے یہود ونصاریٰ مراد ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد عطا فرمائی تو ان کو یہودی اور نصرانی بنا دیا مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں: وھو من احسن التفاسیر و اولی ما حملت علیه الآیة (کہ یہ سب سے اچھی تفسیر ہے اور آیت کو اس پر محمول کرنا اولیٰ ہے)

تفسیر درمنثور ص ۱۵٤ ج ۲ میں حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا سے بھی یہ بات نقل کی ہے کہ شرک کرنے والی بات حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام سے متعلق نہیں ہے ان کے الفاظ یہ ہیں: عن ابن عباس قال ما اشرک آدم ان اولها شكر و آخرها مثل ضربه لمن بعده۔ یعنی حضرت آدم نے شرک نہیں کیا ان کے بارے میں آیت کا اوّل حصہ ہے جس میں شکر کا بیان ہے اور بعد کے حصہ میں ان لوگوں کا حال بیان فرمایا جو ان کے بعد آئے (اور شرک اختیار کیا)۔



شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سورة الانفال مدنية او الا واذيمكر بك الايات السبع فمكية خمس او ست او سبع و سبعون اٰية

سورۂ انفال پوری مدنی ہے یا واذیمکر بک سے سات آیات چھوڑ کر مدنی ہے اور یہ آیات مکی ہیں۔

اس میں کل ۷۵ یا ۷۶ یا ۷۷ آیات ہیں۔

مضامین سورت انفال

یہ سورۃ مدنی ہے، جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی۔ مکہ کی سیزدہ ۱۳ سالہ زندگی میں مشرکین نے جو دردناک اور ہوشربا مظالم مٹھی بھر مسلمانوں پر روا رکھے اور مظلوم مسلمانوں نے جس صبر واستقلال اور معجز نما استقامت وللٰہیت سے مسلسل تیرہ برس تک ان ہولناک مصائب ونوائب کا تحمل کیا، وہ دنیا کی تاریخ کا بے مثال واقعہ ہے۔ قریش اور ان کے حامیوں نے کوئی صورت ظلم وستم کی اٹھا کر نہ رکھی۔ تاہم مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے ان وحشی ظالموں کے مقابلہ میں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ صبر وتحمل کے امتحان کی آخری حد یہ تھی کہ مسلمان مقدس وطن، عزیز واقارب، اہل وعیال، مال ودولت سب چیزوں کو خیر باد کہہ کر خالص خدا اور رسول کی خوشنودی کا راستہ طے کرنے کے لیے گھروں سے نکل پڑے۔ جب مشرکین کا ظلم وتکبر اور مسلمانوں کی مظلومیت و بے کسی حد سے گزر گئی۔ ادھر اہل ایمان کے قلوب وطن وقوم، زن وفرزند، مال ودولت غرض ہر ایک ماسوی اللہ کے تعلق سے خالی اور پاک ہو کر محض خدا اور رسول کی محبت اور دولت توحید واخلاص سے ایسے بھرپور ہو گئے کہ گویا غیر اللہ کی ان میں گنجائش ہی نہ رہی۔ تب ان مظلوموں کو جو تیرہ برس سے برابر کفار کے ہر قسم کے حملے سہہ رہے تھے اور وطن چھوڑنے پر بھی امن حاصل نہ کر سکے تھے، ظالموں سے لڑنے اور بدلہ لینے کی اجازت دی گئی۔ (اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ﴿۳۹﴾ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا ؕ وَ لَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۴۰﴾ (الحج: ۳۹، ۴۰) مکہ کا ادب مانع تھا کہ مسلمان

ابتداء وہاں چڑھ کر جائیں اس لیے ہجرت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک لائحہ عمل یہ رہا کہ مشرکین مکہ کے تجارتی سلسلوں کو جو شام ویمن وغیرہ سے قائم تھے، شکست دے کر ظالموں کی اقتصادی حالت کمزور اور مسلمانوں کی مالی پوزیشن مضبوط کی جائے۔ ہجرت کے پہلے سال ابواء بواط، عشیرہ وغیرہ چھوٹے چھوٹے غزوات وسرایا جن کی تفصیل کتب احادیث وسیر میں ہے، اسی سلسلہ میں دقوع پذیر ہوئے۔ ۲ ہجری میں آپ کو معلوم ہوا کہ ایک بھاری تجارتی مہم ابوسفیان کی سرکردگی میں شام کو روانہ ہوئی ہے۔ ابوسفیان کا یہ تجارتی قافلہ جس کے ساتھ تقریباً ساٹھ قریشی، ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار کا مال تھا، جب شام سے مکہ کو واپس ہوا تو نبی کریم ﷺ کو خبر پہنچی، صحیح مسلم کی ایک روایت کے موافق آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا کہ آیا اس جماعت سے تعرض کیا جائے، طبری کے بیان کے موافق بہت سے لوگوں نے اس مہم میں جانے سے پہلو تہی کی۔ کیونکہ انہیں کسی بڑی جنگ کا خطرہ نہ تھا جس کے لیے بڑا اجتماع واہتمام کیا جائے۔ دوسرے انصار کی نسبت عموماً یہ بھی خیال کیا جاتا تھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نصرت وحمایت کا معاہدہ صرف اسی صورت میں کیا ہے کہ کوئی قوم مدینہ پر چڑھائی کرے یا آپ پر حملہ آور ہو۔ ابتداء اقدام کر کے جانا خواہ کسی صورت میں ہو، ان کے معاہدہ میں شامل نہ تھا۔ مجمع کا یہ رنگ دیکھ کر ابوبکر وعمر اور رئیس انصار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم نے حوصلہ افزاء تقریریں کیں۔ آخر حضور تین سو سے کچھ زائد آدمیوں کی جمعیت لے کر قافلہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ چونکہ کسی بڑے مسلح لشکر سے مڈبھیڑ ہونے کی توقع نہ تھی۔ اس لیے روایت میں حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ جو لوگ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے ان پر کوئی عتاب نہیں ہوا، کیونکہ حضور ﷺ صرف تجارتی مہم کے ارادے سے نکلے تھے۔ اتفاقاً خدا نے باقاعدہ جنگ کی صورت پیدا فرما دی۔ ابوسفیان کو آپ کے ارادہ کا پتہ چل گیا۔ اس نے فوراً مکہ آدمی بھیجا۔ وہاں سے تقریباً ایک ہزار کا لشکر جس میں قریش کے بڑے بڑے سردار تھے، پورے ساز وسامان کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ حضور مقام صفراء میں تھے جب معلوم ہوا کہ ابوجہل وغیرہ بڑے بڑے ائمۃ الکفر کی کمانڈ میں مشرکین کا لشکر یلغار کرتا چلا آ رہا ہے اس غیر متوقع صورت کے پیش آ جانے پر آپ ﷺ نے صحابہ کو اطلاع کی کہ اس وقت وہ جماعتیں تمہارے سامنے ہیں۔ تجارتی قافلہ اور فوجی لشکر، خدا کا وعدہ ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک پر تم کو مسلط کرے گا۔ تم بتلاؤ کہ کس جماعت کی طرف بڑھنا چاہتے ہو؟ چونکہ اس لشکر کے مقابلہ میں تیاری کر کے نہ آئے تھے اس لیے اپنی تعداد اور سامان وغیرہ کی قلت کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ مفید اور آسان ہے۔ مگر حضور ﷺ اس رائے سے خوش نہ تھے۔ حضرت ابوبکر وعمر اور مقداد بن الاسود نے ولولہ انگیز جوابات دیئے اور اخیر میں حضرت سعد بن معاذ کی تقریر کے بعد یہ ہی فیصلہ ہوا کہ فوجی مہم کے مقابلہ پر جوہر شجاعت دکھلائے جائیں۔ چنانچہ مقام بدر میں دونوں فوجیں بھڑ گئیں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم عنایت فرمائی۔ کافروں کے ستر بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ستر قید ہوئے۔ اس طرح کفر کا زور ٹوٹا اس سورۃ میں عموماً اسی واقعہ کے اجزاء ومتعلقات کا بیان ہوا ہے۔

لمّا اخْتَلَفَ الْمُسْلِمُوْنَ فِيْ غَنَائِمِ بَدْرٍ فَقَالَ الشُّبَّانُ هِيَ لَنَا لِاَنَّا بَاشَرْنَا الْقِتَالَ وَقَالَ الشُّيُوْخُ كُنَّا رِدْأً لَكُمْ

تَحْتَ الرَّايَاتِ وَلَوِ انْكَشَفْتُمْ لَفِئْتُمْ إِلَيْنَا فَلَا تَسْتَأْثِرُوا بِهَا نَزَلَ يَسْئَلُوْنَكَ يَا مُحَمَّدُ عَنِ الْاَنْفَالِ الْغَنَائِمِ
لِمَنْ هِيَ قُلْ لَهُمُ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ يَجْعَلَانِهَا حَيْثُ شَاءَ فَقَسَمَهَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمْ
عَلَى السَّوَاءِ رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ اَيْ حَقِيْقَةَ مَا بَيْنَكُمْ
بِالْمَوَدَّةِ وَتَرْكِ النِّزَاعِ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ① حَقًّا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَامِلُوْنَ
الْاِيْمَانَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ اَيْ وَعِيْدُهٗ وَجِلَتْ خَافَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ
اِيْمَانًا تَصْدِيْقًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ② بِهٖ يَثِقُوْنَ لَا بِغَيْرِهٖ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ يَاْتُوْنَ بِهَا بِحُقُوْقِهَا وَ
مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ اَعْطَيْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الْمَوْصُوْفُوْنَ بِمَا ذُكِرَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا
صِدْقًا بِلَا شَكٍّ لَهُمْ دَرَجٰتٌ مَنَازِلُ فِي الْجَنَّةِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ④ فِي الْجَنَّةِ كَمَآ
اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِاَخْرَجَ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
لَكٰرِهُوْنَ ⑤ الْخُرُوْجَ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ كَافِ اَخْرَجَكَ وَ كَمَا خَبَرُ مُبْتَدَأٍ مَحْذُوْفٍ اَيْ هٰذِهِ الْحَالُ
فِيْ كَرَاهَتِهِمْ لَهَا مِثْلُ اِخْرَاجِكَ فِيْ حَالِ كَرَاهَتِهِمْ وَ قَدْ كَانَ خَيْرًا لَهُمْ فَكَذٰلِكَ اَيْضًا وَذٰلِكَ اَنَّ اَبَا
سُفْيَانَ قَدِمَ بِعِيْرٍ مِنَ الشَّامِ فَخَرَجَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ لِيَغْنَمُوْهَا فَعَلِمَتْ قُرَيْشٌ فَخَرَجَ
اَبُوْ جَهْلٍ وَ مُقَاتِلُوْا مَكَّةَ لِيَذُبُّوْا عَنْهَا وَ هُمُ النَّفِيْرُ وَاَخَذَ اَبُوْ سُفْيَانَ بِالْعِيْرِ طَرِيْقَ السَّاحِلِ فَنَجَتْ فَقِيْلَ
لِاَبِيْ جَهْلٍ اِرْجِعْ فَاَبٰى وَ سَارَ اِلٰى بَدْرٍ فَشَاوَرَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْحَابَهٗ وَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَنِيْ
اِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ فَوَافَقُوْهُ عَلٰى قِتَالِ النَّفِيْرِ وَ كَرِهَ بَعْضُهُمْ ذٰلِكَ وَقَالُوْا لَمْ نَسْتَعِدَّ لَهٗ كَمَا قَالَ تَعَالٰى
يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ الْقِتَالِ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ ظَهَرَ لَهُمْ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ ⑥
اِلَيْهِ عِيَانًا فِيْ كَرَاهَتِهِمْ لَهٗ وَ اذْكُرْ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ الْعِيْرَ اَوِ النَّفِيْرَ اَنَّهَا لَكُمْ وَ
تَوَدُّوْنَ تُرِيْدُوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ اَيِ الْبَاْسِ وَالسِّلَاحِ وَ هِيَ الْعِيْرُ تَكُوْنُ لَكُمْ لِقِلَّةِ عَدَدِهَا
وَعُدَدِهَا بِخِلَافِ النَّفِيْرِ وَ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ يُظْهِرَهٗ بِكَلِمٰتِهٖ السَّابِقَةِ بِظُهُوْرِ الْاِسْلَامِ وَ

يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧﴾ اٰخِرَهُمْ بِالْاِسْتِيْصَالِ فَاَمَرَكُمْ بِقِتَالِ النَّفِيْرِ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ يَمْحَقَ
الْبَاطِلَ الْكُفْرَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٨﴾ الْمُشْرِكُوْنَ ذٰلِكَ اُذْكُرْ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ تَطْلُبُوْنَ مِنْهُ
الْغَوْثَ بِالنَّصْرِ عَلَيْهِمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ اَيْ بِاَنِّيْ مُمِدُّكُمْ مُعِيْنُكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ
مُرْدِفِيْنَ ﴿٩﴾ مُتَتَابِعِيْنَ يُرْدِفُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَعَدَهُمْ بِهَا اَوَّلًا ثُمَّ صَارَتْ ثَلَاثَةَ اٰلَافٍ ثُمَّ خَمْسَةً كَمَا
فِيْ اٰلِ عِمْرَانَ وَ قُرِئَ بِاٰلُفٍ كَاَفْلُسٍ جَمْعٌ وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اَيِ الْاِمْدَادَ اِلَّا بُشْرٰى وَ لِتَطْمَىِٕنَّ بِهٖ
ع ١٠ ١٥ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠﴾

ترجمہ: يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ الآیۃ جب بدر کے مال غنیمت (کی تقسیم) کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف ہوا جوانوں نے کہا یہ ہمارا حق ہے اس لیے کہ ہم نے مقابلہ وقتال کیا ہے اور بوڑھوں نے کہا پرچموں کے تحت ہم تمہارے مددگار تھے (اگر خدانخواستہ) شکست ہوتی تو تم ہمارے پاس پلٹ کرآتے لہٰذا تم مال غنیمت کے بارے میں ترجیح کا دعویٰ نہ کرو (اے محمد ﷺ) یہ لوگ آپ سے غنائم کا حکم دریافت کرتے ہیں (کہ یہ اموال غنیمت کن لوگوں کا حق ہے؟) آپ ان سے فرمادیجئے یہ غنیمتیں اللہ کی ہیں اور رسول کی ہیں (جہاں اللہ اور اللہ کے رسول چاہیں گے ان اموال کو تقسیم کردیں گے (حاکم نے مستدرک میں اس کو روایت کیا) فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا، پس اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس کے معاملات کی اصلاح کرو (یعنی اپنے تعلق کی حقیقت کردرست کرو محبت کے ساتھ اور جھگڑا و اختلاف کو چھوڑ کر) اور اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اگر تم (حقیقی) ایمان والے ہو۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الآیۃ پس مؤمن (کامل ایمان والے) وہی لوگ ہوتے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر آتا ہے (یعنی ان کی وعید سامنے آتی ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں (یعنی اللہ کی عظمت وہیبت سے ڈر جاتے ہیں، وَجِلَتْ بمعنی خَافَتْ ہے) اور جب اللہ کی آیتیں ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو یہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ (مضبوط) کردیتی ہیں (تصدیق کے اعتبار سے، وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٢﴾ اور یہ لوگ اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں (یعنی صرف اللہ ہی پر بھروسہ و اعتماد کرتے ہیں نہ کہ اس کے علاوہ کسی اور پر) الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ الآیۃ اور جو لوگ نماز کی پابندی رکھتے ہیں (یعنی نماز کو نماز کے جملہ حقوق و آداب کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور جو روزی ہم نے ان کو دی ہے (عطا کی ہے) وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں (اللہ کی اطاعت میں یعنی نیک کام میں) ایسے ہی لوگ (جو صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف ہیں) سچے ایمان والے ہیں (یعنی بلاشبہ سچے اور پکے ایمان والے ہیں) ان کے لیے بڑے درجے ہیں ان کے ربّ کے پاس (یعنی جنت میں بڑے درجے اور مرتبے ہیں) اور ان کے لیے) مغفرت ہے اور عمدہ روزی ہے (جنت میں)۔ كَمَآ اَخْرَجَكَ جیسے آپ کے پروردگار نے آپ کو گھر سے مصلحت

کے ساتھ نکالا (بِالْحَقِّ، اَخْرَجَ کے متعلق ہے)۔ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ الآیۃ اور (حال یہ ہے کہ) مسلمانوں کی ایک جماعت اس خروج کو (طبعاً) ناپسند کرتی تھی (اور یہ جملہ حال واقع ہو رہا ہے اَخْرَجَكَ کے کاف سے اور کَمَآ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ اَیْ ھٰذِهِ الْحَالُ فِیْ كَرَاهَتِهِمْ یعنی یہ حالت ان لوگوں کی کراہت و ناپسندیدگی میں قصہ غنیمت کے ایسا ہی ہے جیسے ان کی ناپسندیدگی کی حالت میں آپ کا بدر کی طرف نکلنا حالانکہ یہ بدر کی طرف نکلنا ان لوگوں کے لیے بہتر ہوا پس اسی طرح وہ بھی یعنی برابر تقسیم غنیمت کا واقعہ۔ وَذٰلِكَ اَنَّ اَبَا سُفْيَانَ ... اور یہ روانگی کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ ابوسفیان تجارتی قافلہ کو لے کر شام سے واپس آ رہا تھا تو رسول اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ نکلے تاکہ اس قافلہ سے جو اللہ اور رسول کے دشمن اور ظالم ہیں ان سے اموال چھین لیں، اموال غنیمت حاصل کریں لیکن قریش کو معلوم ہو گیا تو ابوجہل مکہ کے جنگی لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر نکلا تاکہ تجارتی قافلہ کو اس سے بچا لے اور یہ لوگ یعنی ابوجہل کی فوج نفیر تھی یعنی جنگی فوج کو نفیر کہتے ہیں۔ اور ابوسفیان تجارتی قافلہ کو لے کر ساحلی کنارہ سے بچ کر گیا اور نجات حاصل کر لی، پھر ابوجہل سے کہا گیا کہ تجارتی قافلہ محفوظ بچ کر آ گیا ہے اس لیے تم مکہ واپس لوٹ جاؤ لیکن ابوجہل نے واپس ہونے سے انکار کر دیا اور مقام بدر کی طرف روانہ ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے مشورہ فرمایا اور یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دو جماعتوں یعنی ابوسفیان کا تجارتی قافلہ عیر اور ابوجہل کا جنگی لشکر نفیر میں سے کوئی ایک تمہارے ہاتھ آئے گا چنانچہ اکثر صحابہؓ نے نفیر سے جنگ کرنے کی تائید کی لیکن بعض حضرات نے ناپسند کیا اور کہنے لگے کہ ہم تو پہلے سے اس کے لیے تیار ہو کر نہیں آئے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ الآیۃ یہ لوگ آپ سے امر حق (قتال) کے بارے میں بعد اس کے کہ حق کا ظہور ہو چکا (ان کے سامنے ظاہر ہو چکا آپ سے (اس طرح) جھگڑتے ہیں کہ گویا یہ لوگ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں اور وہ (گویا موت کو) دیکھ رہے ہیں۔ (موت کو کھلم کھلا، ان لوگوں کے قتال کو ناپسند کرنے کی وجہ سے) وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ الآیۃ اور یاد کر داس وقت کو کہ جب اللہ تعالیٰ تم سے ان دو جماعتوں (یعنی عیر تجارتی قافلہ یا نفیر لشکر) میں سے ایک کا وعدہ کر رہے تھے کہ وہ تمہارے ہاتھ آ جائیگی اور تم اس تمنا میں تھے (چاہتے تھے) کہ غیر مسلح جماعت (یعنی بے ہتھیار و زرہ والا تجارتی قافلہ) تمہارے ہاتھ لگے۔ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ الآیۃ اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنی باتوں سے حق کو ثابت کر دے (یعنی اپنے سابق احکام کو ظاہر کر دے اسلام کو غالب کر کے) وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۙ اور کافروں کی جڑ کاٹ دے (ان کی بنیاد ختم کر دے استیصال کر کے) (لہٰذا تم کو نفیر (لشکر) سے قتال کرنے کا حکم دیا تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا (عملاً) ثابت کر دے اگرچہ (یہ) مجرموں (مشرکوں) کو ناگوار ہی گزرے۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ الآیۃ (یاد کرو اس وقت کو کہ جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے (دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ سے مدد طلب کر رہے تھے) سو اللہ تعالیٰ نے تمہاری درخواست قبول کر لی (اور وعدہ فرمایا) کہ بلاشبہ میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرونگا جو سلسلہ وار چلے آویں گے (یعنی لگاتار یکے بعد دیگرے چلے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے

اولاً ایک ہزار کا وعدہ فرمایا پھر تین ہزار ہو گئے اس کے بعد پانچ ہزار جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ہے: وَ قُرِئَ بِأَلْفٍ كَأَفْلُسٍ، جمع یعنی ایک قراءت میں الف کے مد کے ساتھ (اور) لام کے ضمہ کے ساتھ جیسے فلس کی جمع اَفلس بضم اللام آتی ہے) وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا (لاَبَنَ اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد صرف اس (حکمت) کے لیے کی کہ (تم کو غلبہ پانے کی) بشارت ہو اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اور نصرت و مدد تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے بیشک اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: وَلَوِ انْكَشَفْتُمْ: یعنی اگر تم شکست کھا جاتے۔

قوله: اَلْغَنَائِمِ: اس کا یہ نام اس لیے ہے کیونکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور فضل ہے۔

قوله: لِمَنْ هِيَ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ سوال اس کے حکم کے متعلق ہے۔ ذات سے نہیں کیونکہ وہ ہر ایک کو معلوم ہے۔

قوله: يَجْعَلَانِهَا: اس کو مقدر مانا کہ جواب و سوال میں مطابقت ہو جائے۔

قوله: حَقِيْقَةَ مَابَيْنَكُمْ: ذات حقیقت کے معنی میں اور بین وصل کے معنی میں ہے۔ کذا قول الزجاج۔

قوله: حَقًّا: اس کو مقدر مانا کیونکہ تردد کا تو کوئی مطلب نہیں جبکہ حال یہ ہے کہ وہ ظاہراً مومن ہیں۔

قوله: وَعِيْدُه: مضاف کو مقدر مانا گیا کیونکہ آیت کا نزول اس شخص کے متعلق ہوا جو معصیت کا ارادہ کرے اور اس کو کہا جائے فَاتَّقُوا اللّٰهَ تو وہ گناہ کے عقاب کے خوف سے اس سے باز آ جائے۔

قوله: تَصْدِيْقًا: یقین و اطمینان کے طور پر کیونکہ دلائل مدلول کو کافی قدر ثابت کرنے والے ہیں۔

قوله: صِدْقًا: حَقًّا منصوب ہے۔ اس وجہ سے کہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ ای ایمانا حقا۔

قوله: مُتَعَلِّقٌ بِاَخْرَجَ: اس کو بَيْتِكَ سے متعلق کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

قوله: اَلْخُرُوْجَ: اس سے آپ کا اور ان کا خروج مراد ہے۔

قوله: وَالْجُمْلَةُ حَالٌ:

قوله: بَعِيْرٍ، قافلہ۔ النَّفِيْرُ لشکر۔ وہ لشکر جو لڑائی کی غرض سے گھر سے نکلے۔

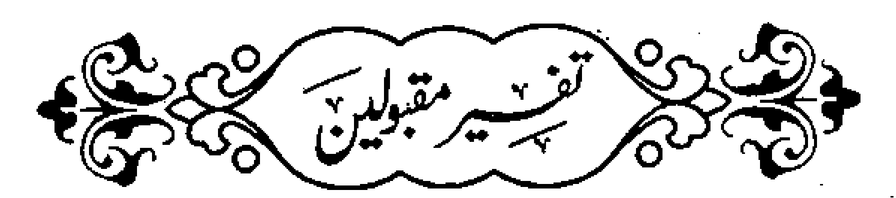
قوله: طَرِيْقِ السَّاحِلِ: سمندر کا کنارہ والا راستہ۔

قوله: اَلْقِتَالِ: الحق سے مراد قتال مجاز ہے کیونکہ وہ حق کو ظاہر کرنے والا ہے۔

قوله: ظَهَرَ لَهُمْ: جب وہ رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر متوجہ ہوں گے تو کامیابیاں ان کے قدم چومیں گی۔

قوله: یُظْهِرَہ: یعنی یُحِقّ یہ یُظْہِرَ کے معنی میں ہے۔ یثبت کے معنی میں نہیں۔

قوله: بِاَنِّیْ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ جار کے ساتھ ہے اس کو حذف کر کے استجاب کو اس پر مسلط کر دیا اس نے محل کو نصب دیا۔



یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ----

جب مسلمانوں کو جنگ بدر میں بعنایت الٰہی فتح نصیب ہوئی اور کافروں کا بہت سارا مال قبضہ میں آیا تو اس مال کی تقسیم میں لوگوں نے کچھ اختلاف کیا جوانوں کا گروہ یہ کہتا تھا کہ غنیمت کے زیادہ حقدار ہم ہیں کیونکہ ہم نے دشمنوں کو قتل کیا ہے اور ہم آگے بڑھ کر لڑے ہیں اور ہم نے ان کو شکست دی ہے جسے اور بوڑھے یہ کہتے تھے کہ ہم زیادہ حقدار ہیں اس لیے کہ ہم تمہاری پشت پناہی پر تھے اور تم ہماری قوت سے لڑے ہو اگر خدانخواست شکست ہوتی تو تم بھاگ کر ہمارے پاس آ کر دم لیتے نیز یہ کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ کسی کو بھی حق نہیں فتح محض اللہ کی مدد سے ہوئی اس فتح کو تم اپنی قوت بازو کا کرشمہ سمجھو۔ اللہ اس مال کا مالک ہے اور رسول اس کا نائب ہے جیسا آپ مناسب سمجھیں گے تقسیم کر دیں گے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے وہ مال سب پر برابر تقسیم کر دیا اور آئندہ کے لیے نصیحت کر دی گئی کہ جو پکے مسلمان ہیں ان کو چاہیے کہ ہر معاملہ میں خدا سے ڈریں اور آپس میں صلح اور آشتی سے رہیں حرص اور طمع کو دل سے نکال دیں اور خدا کا رسول جو حکم دے اس پر بے چون و چرا عمل کریں اور نظر اللہ پر رکھیں مغفرت اور درجات عالیہ انہی لوگوں کو ملتے ہیں جن کی نظر صرف اللہ پر ہوتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں (اے نبی) یہ لوگ آپ سے غنیمتوں کا حکم پوچھتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ تو آپ کے اصحاب اور احباب ہیں ان کا مطمع نظر تو فقط اجر اُخروی ہونا چاہیے تھا مال غنیمت اگر چہ بلاشبہ حلال ہے مگر آپ حکم دریافت کرتے اور حرف استحقاق زبان پر لاتے۔ آپ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ مال غنیمت جہاد اور جدوجہد کا اجر اور معاوضہ نہیں جہاد کا اجر آخرت میں ملے گا اور یہ تمام اموال غنیمت خالص اللہ کی ملک ہیں۔ مشرکین کی ملک سے نکل کر اللہ کی ملک میں داخل ہوئے ہیں تم پر بطور انعام تقسیم کیے جائیں گے نہ کہ بطور معاوضہ و استحقاق اور رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہے۔

پس یہ تمام اموال رسول اللہ ﷺ کے دست تصرف میں ہیں جسے چاہتا ہے بحکم خداوندی دیتا اور تقسیم کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اموال غنیمت سب اللہ کا مال ہیں اور اسکا رسول اس کا نائب ہے وہ اپنے اختیار سے جس کو جتنا چاہے دے تمہیں اس کے حکم پر چلنا چاہیے اور آپس میں نزاع نہیں کرنا چاہیے۔ پس اللہ سے ڈرو اور تقوی کی راہ اختیار کرو کہ اس کی ملک میں بغیر اس کی اجازت کے تصرف کرو اور اپنے آپس کے معاملہ کو صاف اور درست کرو اور باہمی اختلاف کو یار اور غمخواری

سے بدل ڈالو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف کچھ حد اعتدال سے آگے نکل گیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ فرمائی اور ان کا فیصلہ اپنے رسول کے سپرد فرمایا چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مال مسلمانوں پر درست طریقہ سے تقسیم کر دیا اور اختلاف کرنے والوں نے اپنے اختلاف کی اصلاح کر لی اور فرمانبرداری کرو خدا اور اس کے رسول کی اگر تم ایمان والے ہو اس لیے کہ ایمان طاعت اور تقوی کو مقتضی ہے۔ اس آیت یعنی: اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۝ میں حرف ان شک کے لیے نہیں بلکہ جوش دلانے اور برانگیختہ کرنے کے لیے ہے کہ جب تم مؤمن ہو تو تقوی کی راہ اختیار کرو اور رسول کی اطاعت کرو جز ایں نیست کو مؤمن کاملین جو ایمان کے مقتضی پر چلتے ہیں وہ وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے ہمارے کلام کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو یہ ایتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ مضبوط کر دیتی ہیں مطلب یہ ہے کہ جبکوئی آیت نازل ہوتی ہے تو اس پر ایمان لاتے ہیں اور پہلی نازل ہوئی آیتوں کا ایمان جب اس آیت کے ایمان کے ساتھ مل جاتا ہے تو ایمان اور زیادہ ہو جاتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ تلاوت کے انوار و برکات سے ان کے باطن میں نور یقین زیادہ ہو جاتا ہے اور ظاہر میں طاعت اور اعمال صالحہ کی زیادتی ہو جاتی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو اہل دل ہیں جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو ان کے دل کا روزن اور زیادہ وسیع اور فراخ ہو جاتا ہے اور عالم غیب کا نور اس میں چمکنے لگتا ہے اور غیر اللہ سے نظر اٹھ جاتی ہے اس لیے یہ لوگ صرف اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں اور ان کو ماسوی اللہ کی پروا نہیں رہتی۔ ایسے ہیں کہ ٹھیک ٹھیک نماز ادا کرتے ہیں۔ یعنی آداب عبودیت کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں اور جو روزی ہم نے ان کو دی ہے اس میں سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں ایسے ہی لوگ جو صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف ہوں سچے اور پکے مومون ہیں جن کے مؤمن ہونے میں کسی قسم کا شک اور شبہ نہیں ہوسکتا ایسے لوگوں کے لیے ان کے پروردگار کے پاس بڑے درجے اور مرتبے ہیں اور ان کی تقصیرات کی بخشش ہے اور عمدہ روزی ہے جو محنت اور مشقت سے مبرا اور زوال اور حساب کے خوف سے خالی ہے۔ امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رزق کریم وہ ہے جو مرزوق کو ارزاق کے مشاہدہ سے مانع نہ ہو۔

ایمان کی زیادتی اور نقصان کی بحث تفسیر آل عمران زیر آیت: ان الناس قد جمعوا الکم فاخشوھم فزادھم ایمانا میں گزر چکی ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کاملین کی پانچ صفتیں ذکر فرمائیں:

اول: اللہ تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت سے قلوب کا معمور ہونا۔

دوم: تلاوت قرآن اور سماع کلام الٰہی سے ایمان میں زیادتی کا ہونا۔

سوم: اللہ پر توکل اور اعتماد۔

چہارم: آداب عبودیت کی بجا آوری۔

پنجم: قلب کا حرص اور طمع اور بخل سے پاک ہونا۔

یہ پانچ خصلتیں ایمان کے عظیم شعبے ہیں جس میں یہ پانچ صفتیں جمع ہو جائیں اس کا ایمان ثابت اور محقق ہو گیا۔ اُولٰٓئِكَ

هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا۔ ایسے پکے اور سچے مؤمنوں کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا ایسے تین مؤمنوں کا تو تین لاکھ کافر بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ (معارف القرآن مولانا ادریس کاندھلوی)

وَاِذْ یَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ....

ان آیات میں غزوہ بدر کے متعلق دوسرے انعام کا ذکر فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ تم تو غیر ذی شوکت جماعت یعنی قافلہ ابوسفیان کے طلبگار ہو اور خدا تعالیٰ کو احقاق حق اور ابطال باطل مقصود ہے اور یہ بات ذی شوکت جماعت یعنی ابو جہل کے لشکر جرار کے مقابلہ اور جنگ سے حاصل ہوتی ہے۔ دین حق کا غلبہ اور باطل کی سرکوبی خونریز جنگ سے ہوتی ہے نہ کہ تجارتی قافلہ سے چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو تم اس وقت کو کہ جب اللہ تم سے وعدہ کرتا تھا کہ دو جماعتوں میں سے یعنی ابو جہل کے لشکر اور ابوسفیان کے قافلہ تجارت میں سے ایک گروہ تمہارے لیے مسخر اور مقدر ہے۔ دو فریق میں سے ایک فریق ضرور تمہارے ہاتھ لگے گا یا قافلہ لوٹو گے۔ یا لشکر کفار کو قتل کرو گے اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر ذی شوکت جماعت تمہارے ہاتھ لگے یعنی تم قافلہ کو لوٹنا چاہتے تھے جس کے پاس جنگی قوت وشوکت نہ تھی اور ابو جہل کی جماعت جو ہتھیار بند تھی اور کیل کانٹے سے لیس تھی تم اس سے مقابلہ کرنا نہیں چاہتے تھے اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنی باتوں سے حق کو ثابت کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ ڈالے تاکہ کافروں کی اس ذلت آمیز قتل سے دین اسلام کا حق ہونا اور کفر کا باطل ہونا ظاہر کرے اگرچہ مجرموں کو یہ ناگوار گزرے اب تم کو اختیار ہے کہ ان دونوں میں سے جس بات کو چاہو اختیار کرو بالآخر سب نے کفار سے لڑنے کو اختیار کیا اور ابو جہل کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت یہ چاہتی تھی کہ تجارتی قافلہ پر حملہ ہو کہ کانٹا بھی نہ چبھے اور بہت سا مال ہاتھ آجائے اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں کی ایک بے سروسامان مٹھی بھر جماعت کفار کے لشکر جرار پر غالب آئے تاکہ خدا کے وعدوں کی سچائی اور اسلام کا معجزہ ظاہر ہو اور کفر ایسا ذلیل وخوار ہو کہ دنیا اس کی ذلت وخواری کا تماشہ دیکھے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جنگ بدر میں قریش کے ستر سردار مارے گئے جن میں ابو جہل بھی تھا جو اس امت کا فرعون تھا اور ستر ہی قید ہوئے اس طرح کفر کی کمر ٹوٹ گئی۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ....

غزوۂ بدر کے موقع پر رسول ﷺ کا دُعا میں مشغول رہنا اور آپ کی دُعا قبول ہونا:

قریش مکہ اپنے لشکر اور ساز وسامان اور گانے والی عورتیں لے کر بدر پہنچ گئے۔ یہ لوگ مکہ مکرمہ سے آئے تھے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ بھی مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر چند دن میں بدر پہنچ گئے۔ راستہ میں متعدد مراحل میں قیام فرمایا اور حضرت صحابہ سے مشورہ کیا جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ صاحب روح المعانی ص ۱۷۲ ج ۹ میں بحوالہ مسلم وابوداؤد و ترمذی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ مجھے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ بدر کے دن نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ پر نظر ڈالی تو یہ حضرات تین سو دس سے کچھ اوپر تھے (ان حضرات کی مشہور تعداد ۳۱۳ ہے جیسا کہ صحیح بخاری ص ۵۶۴ میں ذکر ہے) اور مشرکین پر نظر ڈالی تو وہ ایک ہزار سے کچھ زیادہ تھے آپ نے قبلہ کی طرف رخ کیا

پھر ہاتھ پھیلا کر اپنے پروردگار سے خوب زور دار دُعا کرتے رہے دُعاء کے الفاظ یہ ہیں: اَللّٰھُمَّ اَنْجِزْلِیْ مَا وَعَدْتَنِیْ اَللّٰھُمَّ اِنْ تُھْلِكْ ھٰذِہِ الْعِصَابَةَ مِنْ اَھْلِ الْاِسْلَامِ لَا تُعْبَدْ فِی الْاَرْضِ (اے اللہ آپ نے جو مجھ سے وعدہ فرمایا ہے پورا فرمایئے اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین میں آپ کی عبادت نہ کی جائے گی)۔

مطلب یہ تھا کہ یہ اہل اسلام کی مختصری جماعت ہے اگر یہ ہلاک ہوگئے تو جوان کے پیچھے مدینہ منورہ میں رہ گئے ان میں بھی کمزوری آجائے گی اور ایمان و اسلام کا سلسلہ منقطع ہوجائے گا پھر آپ کی عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ آپ نے یہ بات نیاز کے انداز میں بارگاہ الٰہی میں عرض کردی ورنہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اگر کوئی بھی نہ کرے اور کبھی بھی نہ کرے تو اس بے نیاز وحدہٗ لاشریک کو کوئی ضرر یا نقصان نہیں پہنچ سکتا (وہ کسی کی عبادت کا محتاج نہیں) آپ قبلہ رخ ہوکر ہاتھ پھیلائے ہوئے برابر اس دُعاء میں مشغول رہے یہاں تک کہ آپ کی چادر بھی آپ ﷺ کے کاندھوں سے گرگئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور آپ کی چادر لے کر آپ کے مونڈھوں پر ڈال دی پھر آپ سے چھٹ گئے اور عرض کیا یا نبی اللہ! بس کیجیے آپ نے جو اپنے رب سے بہت زور دار دُعا کی ہے یہ کافی ہوگئی۔ بے شک آپ کا ربّ وعدہ پورا فرمائے گا۔ اس پر یہ آیت (فَاسْتَجَابَ لَکُمْ) نازل ہوئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری دُعا قبول فرمائی اور ایک ہزار فرشتوں کے ذریعے مدد کرنے کا وعدہ فرمایا جو مسلسل آگے رہیں گے، لفظ مردفین کا ایک معنی تو وہی ہے جو ہم نے ابھی لکھا (کہ مسلسل آتے رہیں گے) اور اس لفظ کے دوسرے معانی بھی مفسرین نے بیان فرمائے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر فرشتے کے پیچھے ایک ایک فرشتہ ہوگا۔

فرشتوں کا نازل ہونا اور مؤمنین کے قلوب کو اطمینان ہونا:

صاحب روح المعانی نے بحوالہ ابن جریر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام ہزار فرشتوں کو لے کر نازل ہوئے جو نبی اکرم ﷺ کے داہنی طرف تھے اور اسی جانب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے اور میکائیل علیہ السلام ہزار فرشتوں کو لے کر نازل ہوئے جو نبی اکرم ﷺ کے بائیں طرف تھے اور میں بھی اسی جانب تھا۔

سورۂ آل عمران میں تین ہزار اور پانچ ہزار فرشتوں کا ذکر ہے حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اولاً ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ مدد کی، پھر تین ہزار فرشتے آئے پھر اللہ تعالیٰ نے پانچ ہزار کی تعداد پوری فرمادی۔ پھر فرمایا: (وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ) (آل عمران) (فرشتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جو امداد فرمائی یہ محض اس لیے ہے کہ تم لوگوں کو بشارت ہو اور تمہارے دلوں کو اطمینان ہو) فرشتوں کی آمد کی پیشگی خبر ایک بہت بڑی خوشخبری تھی جس سے دلوں کو سکون ہوگیا، طبعی طور پر انسان کو اسباب کے ذریعہ تسلی ہوجاتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسباب کے طور پر فرشتوں کو بھیج دیا گیا۔

اُذْکُرْ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً اَمْنًا مِمَّا حَصَلَ لَكُمْ مِنَ الْخَوْفِ مِّنْهُ تَعَالٰی وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ مِنَ الْاَحْدَاثِ وَالْجَنَابَاتِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَسْوَسَتَهٗ اِلَيْكُمْ

بِاَنَّكُمْ لَوْ كُنْتُمْ عَلَى الْحَقِّ مَا كُنْتُمْ ظَمَاءً مُحْدِثِيْنَ وَالْمُشْرِكُوْنَ عَلَى الْمَاءِ وَ لِيَرْبِطَ يَحْبِسَ عَلٰى
قُلُوْبِكُمْ بِالْيَقِيْنِ وَالصَّبْرِ وَ يُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾ اَنْ تَسُوْخَ فِي الرَّمْلِ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ
الَّذِيْنَ اَمَدَّ بِهِمُ الْمُسْلِمِيْنَ اَنِّيْ اَيْ بِاَنِّيْ مَعَكُمْ بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْاِعَانَةِ وَالتَّبْشِيْرِ
سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ الْخَوْفَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ اَيِ الرُّءُوْسَ وَاضْرِبُوْا
مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ اَيْ اَطْرَافَ الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ فَكَانَ الرَّجُلُ يَقْصِدُ ضَرْبَ رَقَبَةِ الْكَافِرِ فَتَسْقُطُ
قَبْلَ اَنْ يَصِلَ سَيْفُهُ اِلَيْهِ وَرَمَاهُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبْضَةٍ مِنَ الْحَصٰى فَلَمْ يَبْقَ مُشْرِكٌ اِلَّا دَخَلَ فِيْ
عَيْنَيْهِ مِنْهَا شَيْءٌ فَهُزِمُوْا ذٰلِكَ الْعَذَابُ الْوَاقِعُ بِهِمْ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوْا خَالَفُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ لَهٗ ذٰلِكُمْ الْعَذَابُ فَذُوْقُوْهُ اَيْ اَيُّهَا الْكُفَّارُ فِي الدُّنْيَا وَ اَنَّ
لِلْكٰفِرِيْنَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا اَيْ
مُجْتَمِعِيْنَ كَاَنَّهُمْ لِكَثْرَتِهِمْ يَزْحَفُوْنَ فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ مُنْهَزِمِيْنَ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ اَيْ
يَوْمَ لِقَائِهِمْ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا مُنْعَطِفًا لِّقِتَالٍ بِاَنْ يُرِيَهُمُ الْفِرَّةَ مَكِيْدَةً وَهُوَ يُرِيْدُ الْكَرَّةَ اَوْ مُتَحَيِّزًا
مُنْضَمًّا اِلٰى فِئَةٍ جَمَاعَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَسْتَنْجِدُ بِهَا فَقَدْ بَآءَ رَجَعَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰهُ
جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾ الْمَرْجِعُ هِيَ وَهٰذَا مَخْصُوْصٌ بِمَا اِذَا لَمْ يَزِدِ الْكُفَّارُ عَلَى الضِّعْفِ فَلَمْ
تَقْتُلُوْهُمْ بِبَدْرٍ بِقُوَّتِكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ بِنَصْرِهٖ اِيَّاكُمْ وَمَا رَمَيْتَ يَا مُحَمَّدُ اَعْيُنَ الْقَوْمِ اِذْ
رَمَيْتَ بِالْحَصٰى لِاَنَّ كَفًّا مِنَ الْحَصٰى لَا يَمْلَاُ عُيُوْنَ الْجَيْشِ الْكَثِيْرِ بِرَمْيَةِ بَشَرٍ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ
بِاِيْصَالِ ذٰلِكَ اِلَيْهِمْ فَعَلَ ذٰلِكَ لِيَقْهَرَ الْكٰفِرِيْنَ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً عَطَاءً حَسَنًا ؕ هُوَ
الْغَنِيْمَةُ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ لِاَقْوَالِهِمْ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ بِاَحْوَالِهِمْ ذٰلِكُمْ الْاِبْلَاءُ حَقٌّ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ مُضْعِفُ
كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا اَيُّهَا الْكُفَّارُ تَطْلُبُوا الْفَتْحَ اَيِ الْقَضَاءَ حَيْثُ قَالَ اَبُوْ جَهْلٍ مِنْكُمْ اَللّٰهُمَّ
اَيُّنَا كَانَ اَقْطَعَ لِلرَّحِمِ وَاَتَانَا بِمَا لَا نَعْرِفُ فَاَحِنْهُ الْغَدَاةَ اَيْ اَهْلِكْهُ فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ الْقَضَاءُ بِهَلَاكِ

مَنْ هُوَ كَذٰلِكَ وَهُوَ اَبُوْ جَهْلٍ وَمَنْ قُتِلَ مَعَهُ دُوْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَاِنْ تَنْتَهُوْا عَنِ
الْكُفْرِ وَالْحَرْبِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا لِقِتَالِ النَّبِيِّ نَعُدْ ۚ لِنَصْرِهٖ عَلَيْكُمْ وَلَنْ تُغْنِيَ تدفع
ع ۹ ۱۲ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ جَمَاعَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۹ بِكَسْرِ اِنَّ اِسْتِئْنَافًا وَ
فَتْحِهَا عَلٰى تَقْدِيْرِ اللَّامِ

ترجمہ: اُذْكُرْ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً (الآیۃ) اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا اپنی طرف سے چین دینے کے لیے (یعنی اس خوف سے چین وامن کے لیے جو تم کو پیش آیا تھا) اور تم پر آسمان سے پانی برساتا تھا تاکہ اس پانی کے ذریعہ تم کو پاک کردے (احداث سے اور جنابات سے یعنی حدث اصغر اور حدث اکبر سے تم کو پاک کردے) اور (اس پانی کے ذریعہ) تم سے شیطانی وسوسہ دور کردے (شیطان کا وسوسہ تمہارے دل میں یہ تھا کہ اگر تم حق پر ہوتے تو تم اس طرح پیاسے اور محدث یعنی بے وضو اور بے غسل نہ ہوتے اور مشرکین پانی پر نہ ہوتے) اور تاکہ تمہارے دلوں پر گرہ لگ جائے (یقین اور صبر کی)۔ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝۱۱ جمادے اس بارش کے ذریعہ تمہارے قدم (ریت میں دھنسنے سے) اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ یاد کرو اس وقت کو جب آپ کا پروردگار ان فرشتوں کو (جن کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد فرمائی تھی) حکم دے رہا تھا کہ میں (مسلمانوں کی اعانت اور امداد میں) تمہارے ساتھ ہوں سو تم ایمان والوں کو (اعانت اور بشارت کے ذریعہ) جمائے رکھو اور میں ابھی کفار کے قلوب میں رعب (یعنی خوف) ڈال دوں گا پس تم کفار کی گردنوں (سروں) پر مارو اور ان کے پور پور پر مارو (یعنی ہاتھ اور پیروں کی انگلیاں کاٹ ڈالو کہ وہ تلوار نہ پکڑ سکیں چنانچہ ایک مسلمان شخص کسی کافر کی گردن مارنا چاہتا تو گردن نیچے گر جاتی اس سے پہلے کہ تلوار اس کافر تک پہنچے اور آنحضرت ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی لے کر ان کافروں پر پھینکی تو کوئی مشرک ایسا باقی نہ رہا جس کی آنکھوں میں اس میں سے کچھ داخل نہ ہوا ہو چنانچہ مسلمانوں نے شکست دیدی) یہ (عذاب) جو ان پر واقع ہوا) اس لیے واقع ہوا کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا تو بیشک اللہ (اس کو) سخت عذاب دینے والا ہے۔ یہ (عذاب) تو تم (اے کافرو دنیا میں) چکھ لو اور جان رکھو کافروں کے لیے (آخرت میں) دوزخ کا عذاب ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا (الآیۃ) اے ایمان والو جب تم بھڑو کافروں سے میدان جنگ میں (درانحالیکہ وہ مجتمع ہوں گویا کہ کثیر تعداد ہونے کی وجہ سے تمہاری طرف گھسٹتے آرہے ہوں) تو تم ان سے پشت مت پھیرو (یعنی شکست کھا کر اور جو شخص ان سے اس توقع پر (یعنی کافروں کے مقابلہ کے دن پشت پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے لیے پینترا بدلتا ہو (مڑتا ہو) لڑائی کے لیے (بایں طور کہ کفار کو دکھلائے بھاگنا تدبیر کے طور پر درانحالیکہ دوبارہ حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے) یا پناہ لیتا ہوں اپنی جماعت کی طرف (مل کر) یعنی مسلمانوں کی جماعت سے مل کر مدد حاصل کرنے کے لیے پناہ لینا مقصود ہو سو وہ اللہ

کے غضب کو لے کر لوٹے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ دوزخ بہت ہی بری جگہ ہے (یعنی برا ٹھکانہ ہے وہ دوزخ، اور یہ عذاب جہنم مخصوص ہے اس صورت کے ساتھ جب کافروں کی تعداد دوگنی سے زائد نہ ہو)۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ الآیۃ آپ نے ان کافروں کو قتل نہیں کیا ہے (اپنی قوت سے بدر میں) لیکن اللہ نے ان کو قتل کیا ہے (تم لوگوں کو اپنی مدد پہنچا کر) وَمَا رَمَيْتَ ...اور (اے محمد ﷺ) جب آپ نے (قوم کافر کی آنکھوں میں) خاک کی مٹھی پھینکی تھی تو (درحقیقت) آپ نے نہیں پھینکی تھی کیونکہ مٹھی بھر کنکریں وہ بھی ایک دفعہ ایک آدمی کے پھینکنے سے اتنے بڑے لشکر کی آنکھوں کو نہیں بھر سکتیں) لیکن اللہ نے پھینکی تھی (یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کنکریوں کو کافروں کی آنکھوں تک پہنچا دیا اور یہ کام اس لیے کیا تا کہ کافروں پر غلبہ حاصل ہو) اور تا کہ اہل ایمان پر اپنی جانب سے خوب احسان کرے (مال غنیمت عطا کر کے) بیشک اللہ تعالیٰ (اہل ایمان کے اقوال یعنی دعاء کو) سننے والا ہے اور (ان کے احوال کو) جاننے والا ہے۔ ذٰلِكُمْ یہ انعام برحق ہے جو ہو چکا۔ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ الآیۃ اور بیشک اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا (سست و باطل کرنے والا) ہے۔ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا الآیۃ اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے ہو سردار قریش ابوجہل نے غلاف کعبہ پکڑ کر دعاء کی تھی: اَيُّنَا كَانَ اَقْطَعُ لِلرَّحِمِ ... اے اللہ ہم دونوں گروہوں میں سے جو قرابت و رشتہ داری کا قطع کرنے والا ہوا اور ایسی چیز ہمارے پاس لایا جو ہم نہیں پہچانتے ہیں اس کو آئندہ کل ہلاک کر دے) تو وہ فتح آ چکی تمہارے پاس (یعنی فیصلہ آ چکا ان لوگوں کی ہلاکت و تباہی کا اور وہ ابوجہل اور اس کے ساتھ والے مقتولین تھے۔ نبی اکرم ﷺ اور اہل ایمان ایسے نہیں تھے) وَاِنْ تَنْتَهُوْا الآیۃ اور اگر تم (آئندہ کفر اور جنگ سے) باز آ جاؤ تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم پھر (نبی ﷺ کی لڑائی کی طرف) عود کرو گے تو ہم بھی عود کریں گے (نبی کی مدد کے لیے) اور (یاد رکھو) تم سے تمہاری جماعت کچھ دفع نہیں کریگی اگرچہ تمہاری جماعت کثیر ہو اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے (ان بالکسر جملہ مستانفہ ہے اور ان فتح ہمزہ کے ساتھ ہو تو بتقدیر لام ہو گا یعنی: اَنَّ اللّٰهَ الآیۃ۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

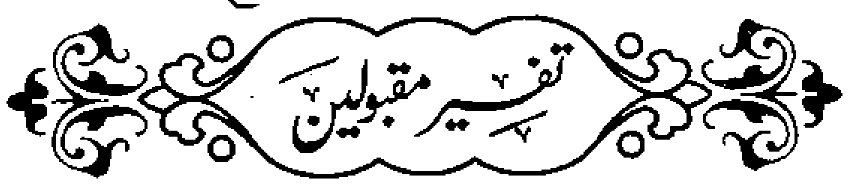
قوله :اَمْنًا: اس سے اشارہ کیا کہ اَمْنًا مصدر ہے یہ اُمن کی جمع نہیں۔ یہ معنوی اعتبار سے مفعول لہٗ ہے۔ ای لامنکم۔

قوله :تَسُوْخَ: دھنسا۔

قوله :بِالْعَوْنِ: کہہ کر اشارہ کیا کہ اس سے مقصود ازالۂ خوف نہیں جیسا کہ: لاتحزن ان اللہ معنا الآیۃ میں ہے، اس لیے کہ فرشتوں کو کفار سے کیا خطرہ۔

قوله :لَهٗ: اس سے اشارہ کر دیا کہ اس کو مقدر اس لیے مانا ہے تا کہ جملہ جو مبتداء کی خبر میں آئے وہ ضمیر عائد سے خالی نہ ہو۔

قوله: اَلْعَذَابُ: ذٰلِكَ یہ محل رفع میں مبتداء واقع ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔
قوله: فَذُوْقُوْہُ: اَیُّھَا الْکُفَّارُ فاعاطفہ نہیں بلکہ شرطیہ ہے۔
قوله: فِي الدُّنْيَا: اس کو مقدر مانا گیا تا کہ تکرار لازم نہ آئے۔
قوله: يَزْحَفُوْنَ: گھسٹ کر چلنا۔
قوله: فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ: یہ شرط محذوف کی جزاء ہے۔
قوله: بِالْحَصٰی: لفظ سے کبھی مسٹی مراد ہوتا ہے اور کبھی کمال۔ تو یہاں اِذْ رَمَيْتَ سے مسٹی مراد ہے اور وَمَا رَمَيْتَ سے کمال مراد ہے۔
قوله: فَعَلَ ذٰلِكَ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ وَلِيُبْلِيَ کا عطف علت مقدرہ پر ہے اور دونوں ماقبل سے متعلق ہیں۔
قوله: اَلْاِبْلَاءُ حَقٌّ: اس سے اشارہ کیا کہ ذٰلِكُمْ محل رفع میں مبتداء اور اس کی خبر حَقٌّ محذوف ہے۔
قوله: بِمَالَا نَعْرِفُ: سے دین جدید مراد ہے۔
قوله: عَلٰى تَقْدِيْرِ اللَّامِ: اس کی خبر محذوف ہوگی۔ ای ولان الله مع المؤمنين كان ذلك۔



تفسیر مقبولین

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ ....

بدر کا معرکہ فی الحقیقت مسلمانوں کے لیے بہت ہی سخت آزمائش اور عظیم الشان امتحان کا موقع تھا۔ وہ تعداد میں تھوڑے تھے، بے سروسامان تھے، فوجی مقابلہ کے لیے تیار ہو کر نہ نکلے تھے، مقابلہ پر ان سے تگنی تعداد کا لشکر تھا۔ جو پورے ساز و سامان سے کبر و غرور کے نشہ میں سرشار ہو کر نکلا تھا، مسلمانوں اور کافروں کی یہ پہلی ہی قابل ذکر ٹکر تھی، پھر صورت ایسی پیش آئی کہ کفار نے پہلے سے اچھی جگہ اور پانی وغیرہ پر قبضہ کر لیا مسلمان نشیب میں تھے، ریت بہت زیادہ تھی جس میں چلتے ہوئے پاؤں دھنستے تھے، گرد و غبار نے الگ پریشان کر رکھا تھا۔ پانی نہ ملنے سے ایک طرف غسل و وضوء کی تکلیف، دوسری طرف تشنگی ستا رہی تھی۔ یہ چیزیں دیکھ کر مسلمان ڈرے کہ بظاہر آثار شکست کے ہیں۔ شیطان نے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ اگر واقعی تم خدا کے مقبول بندے ہوتے تو ضرور تائید ایزدی تمہاری طرف ہوتی اور ایسی پریشان کن اور یاس انگیز صورت حال پیش نہ آتی۔ اس وقت حق تعالیٰ نے قدرت کاملہ سے زور کا مینہ برسایا جس سے میدان کی ریت جم گئی، غسل و وضوء کرنے اور پینے کے لیے پانی کی افراط ہوگئی، گرد و غبار سے نجات ملی۔ کفار کا لشکر جس جگہ تھا وہاں کیچڑ اور پھسلن سے چلنا پھرنا دشوار ہو گیا۔ جب یہ ظاہری پریشانیاں دور ہوئیں تو حق تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک قسم کی غنودگی طاری کر دی۔ آنکھ کھلی تو دلوں سے سارا خوف و ہراس جاتا رہا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور ﷺ اور ابوبکر صدیق رات بھر عریش میں مشغول دُعا رہے۔ اخیر

میں حضور ﷺ پر خفیف سی غنودگی طاری ہوئی، جب اس سے چونکے تو فرمایا خوش ہو جاؤ کہ جبرائیل تمہاری مدد کو آ رہے ہیں۔ عریش سے باہر تشریف لائے تو (سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ) (القمر:۴۵) زبان مبارک پر جاری تھا۔ بہرحال اس باران رحمت نے بدن کو احداث سے اور دلوں کو شیطان کے وساوس سے پاک کر دیا۔ اِدھر ریت کے جم جانے سے ظاہری طور پر قدم جم گئے اور اندر سے ڈر نکل کر دل مضبوط ہو گئے۔

اِذْ يُوْحِىْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ....

فرشتوں کا قتال میں حصہ لینا اور اہل ایمان کے قلوب کو جمانا:

اس آیت میں اللہ جل شانہٗ نے اپنے بعض انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہے کہ اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے ربّ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم مؤمنین کے قلوب کو جماؤ اور ان کو معرکہ میں ثابت رکھو میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی تمہارا مددگار ہوں۔ نیز یہ وعدہ فرمایا کہ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا فرمایا۔ مسلمان جم کر لڑے اور کافر مقتول ہوئے اور مغلوب ہوئے اور قیدی بنے۔ (فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ) (اور مارو گردنوں پر) اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ فرشتوں کو حکم ہے کہ وہ مشرکین کو ماریں۔ بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے جنگ کی اور بعض کافروں کو مارا، جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، فرشتوں کا بڑا کام مسلمانوں کو جمانا تھا اس کے ساتھ انہوں نے کچھ قتال میں بھی حصہ لیا۔ جنگ تو اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہی سے کروائی لیکن فرشتوں کو بھی مددگار بنا دیا۔ اس میں یہ بتا دیا گیا کہ ہر شخص کو اپنی محنت اور مجاہدہ پر ثواب ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی مدد آئے یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ مسلمانوں میں خود اپنے ہی طور پر لڑنے اور جم کر مقابلہ کرنے کا جذبہ رہنا چاہیے۔

غزوۂ بدر میں فرشتوں کے قتال کرنے کے بارے میں متعدد روایات حدیث اور سِیَر کی کتابوں میں مروی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بدر کے دن فرشتوں کی نشانی یہ تھی کہ انہوں نے عمامے باندھے ہوئے تھے جن کے شملے اپنی کمروں پر ڈال رکھے تھے۔ البتہ حضرت جبرائیل کا عمامہ زرد رنگ کا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا کہ بدر کا ایک یہ واقعہ بھی بیان کیا کہ ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا اس نے اپنے سامنے کوڑا لگنے کی اور گھوڑ سوار کی آواز سنی جو اپنے گھوڑے کو یوں کہہ رہے تھا اقدم حیزوم کہ اے حیزوم آگے بڑھ (حیزوم اس فرشتہ کے گھوڑے کا نام تھا) اچانک وہ مسلمان کیا دیکھتا ہے کہ وہ مشرک اس کے سامنے چت پڑا ہوا ہے اس پر جو نظریں ڈالیں تو دیکھا کہ اس کی ناک پر ضرب کا نشان ہے اور اس کا چہرہ کوڑے کی ضرب سے چیر دیا گیا ہے۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ سے بیان کی تو آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ ان فرشتوں کا کام ہے جو تیسرے آسمان سے مدد کے لیے آئے ہیں۔ (صحیح مسلم ص ۹۳ ج ۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا کہ فرشتوں نے مقتولین کی گردنوں کے اوپر مارا تھا اور ان کی انگلیوں کے پوروں پر ایسا نشان تھا جیسے آگ نے جلا دیا ہو۔ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں بدر کے دن کٹے ہوئے تین سر لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ میں نے آپ کے سامنے رکھ دیئے اور عرض کیا کہ ان میں سے دو شخصوں کو تو ہم قتل کیا

ہے اور تیسرے شخص کو ایک دراز قامت آدمی نے قتل کیا ہے۔ میں اس مقتول کا سر بھی لے آیا ہوں، آپ نے فرمایا وہ دراز قد فلاں فرشتہ تھا، سائب بن ابی حبیش نے بیان کیا جو (بدر کے دن قید کر لیے گئے تھے پھر بعد میں مسلمان ہوئے) کہ مجھے ایک خوب زیادہ بالوں والے دراز قد آدمی نے پکڑ کر باندھ دیا جو سفید گھوڑے پر سوار تھا، عبدالرحمن بن عوف نے مجھے بندھا ہوا دیکھا تو مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے فرمایا تجھے کس نے قید کیا؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا یہ بات میں نے اس لیے کہی کہ میں اصل صورت حال بتانا نہیں چاہتا تھا (کہ ایسے ایسے شخص نے مجھے قید کیا) آپ نے فرمایا کہ تجھے ایک فرشتہ نے قید کیا ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے یہ بھی بیان کیا کہ ہم مشرکین کے سر کی طرف تلوار سے اشارہ کرتے تھے تو اس کا سر تلوار پہنچنے سے پہلے ہی جدا ہو کر گر جاتا تھا۔ (البدایہ والنہایہ ص ۲۸۱ ج ۳)

(فَوْقَ الْاَعْنَاقِ) سے سروں میں مارنا مراد ہے اور كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ سے انگلیوں کے پورے مراد ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے پورا جسم مراد ہے۔ (کمافی روح المعانی)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ ....

جب کافروں سے مقابلہ ہو تو جم کر قتال کرو:

اس آیت میں اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ جب کافروں سے مقابلہ ہو جائے تو جم کر لڑیں پشت پھیر کر نہ بھاگیں۔ کیونکہ یہ گناہ کبیرہ ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو، عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ کیا ہے؟ فرمایا: (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا (۲) جادو کرنا (۳) کسی جان کو قتل کرنا جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا الا یہ کہ حق کے ساتھ ہو (٤) سود کھانا (٥) یتیم کا مال کھانا (٦) جنگ کے موقع پر پشت پھیر کر چلا جانا (۷) مؤمن پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانا جن کو برائی کا دھیان تک نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۷۱)

آیت بالا میں فرمایا کہ جو شخص جنگ کے موقعہ پر پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں آ گیا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اسی لیے علماء کرام نے فرمایا کہ جہاد سے بھاگنا حرام ہے۔

دو صورتیں مستثنیٰ ہیں:

البتہ دو صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں پشت پھیر کر چلا جانا جائز ہے ایک تو یہ کہ مقصود بھاگنا نہ ہو بلکہ اسے بطور ایک تدبیر کے اختیار کر رہا ہو۔ بظاہر جا رہا ہو (جس سے دشمن یہ سمجھے کہ یہ شکست کھا گیا) اور حقیقت میں واپس ہو کر حملہ کرنے کی نیت رکھتا ہو، جس کو اردو کے محاورہ میں پینترا بدلنا کہتے ہیں۔ اس کو (مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ) سے تعبیر فرمایا کہ جس جگہ جنگ کر رہا ہو اسے چھوڑ کر ایسی جگہ چلا جائے جو قتال کے لیے زیادہ مناسب ہو یا کافروں کی ایک جماعت کو چھوڑ کر دوسری جماعت کی طرف چلا جائے آیت کے الفاظ اس سب کو شامل ہیں۔ دوسری صورت جس میں پشت پھیر کر جانے کی اجازت ہے وہ یہ ہے کہ کوئی جنگ کرنے والا مسلمان، مسلمانوں کی کسی جماعت کے پاس چلا جائے تاکہ ان کو ساتھ ملا لے اور ان کو ساتھ لے کر جنگ کرے اس کو مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ سے تعبیر فرمایا۔

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ...

یہ خطاب کفار مکہ کو ہے، وہ ہجرت سے پہلے حضور ﷺ سے کہا کرتے تھے: مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ یعنی ہمارے تمہارے درمیان یہ فیصلہ کب ہوگا؟ سو پورا فیصلہ تو قیامت کے دن ہوگا مگر ایک طرح کا فیصلہ آج میدان بدر میں بھی تم نے دیکھ لیا کہ کیسے خارق عادت طریق سے تم کو کمزور مسلمانوں کے ہاتھوں سے سزا ملی۔ اب اگر نبی علیہ السلام کی مخالفت اور کفر و شرک سے باز آ جاؤ تو تمہارے لیے دنیا و آخرت کی بہتری ہے۔ ورنہ اگر پھر اسی طرح لڑائی کرو گے تو ہم بھی پھر اسی طرح مسلمانوں کی مدد کریں گے اور انجام کار تم ذلیل و خوار ہو گے۔ جب خدا کی تائید مسلمانوں کے ساتھ ہے تو تمہارے جتھے اور جماعتیں خواہ کتنی ہی تعداد میں ہوں کچھ کام نہ آئیں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ ابو جہل وغیرہ نے مکہ سے روانگی کے وقت کعبہ کے پردے پکڑ کر دعاء کی تھی کہ خداوندا! دونوں فریق میں جو اعلیٰ و اکرام ہو اسے فتح دے اور فساد مچانے والے کو مغلوب کر فقد جاءکم الفتح میں اس کا بھی جواب ہو گیا کہ جو واقعی اعلیٰ و افضل تھے، ان کو فتح مل گئی اور مفسد ذلیل و رسوا ہوئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا تُعْرِضُوْا عَنْهُ بِمُخَالَفَةِ اَمْرِهٖ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ الْقُرْاٰنَ وَالْمَوَاعِظَ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ هُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ سِمَاعَ تَدَبُّرٍ وَاتِّعَاظٍ وَهُمُ الْمُنَافِقُوْنَ وَالْمُشْرِكُوْنَ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ عَنْ سِمَاعِ الْحَقِّ الْبُكْمُ عَنِ النُّطْقِ بِهٖ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا صَلَاحًا بِسِمَاعِ الْحَقِّ لَّاَسْمَعَهُمْ سِمَاعَ تَفَهُّمٍ وَ لَوْ اَسْمَعَهُمْ فَرْضًا وَقَدْ عَلِمَ اَنْ لَا خَيْرَ فِيْهِمْ لَتَوَلَّوْا عَنْهُ وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ عَنْ قُبُوْلِهٖ عِنَادًا وَجُحُوْدًا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ بِالطَّاعَةِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ لِاَنَّهٗ سَبَبُ الْحَيَاةِ الْاَبَدِيَّةِ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ فَلَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّؤْمِنَ اَوْ يَكْفُرَ اِلَّا بِاِرَادَتِهٖ وَ اَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَيُجَازِيْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً اِنْ اَصَابَتْكُمْ لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً بَلْ تَعُمُّهُمْ وَ غَيْرَهُمْ وَاِتِّقَاؤُهَا بِاِنْكَارِ مُوْجِبِهَا مِنَ الْمُنْكَرِ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ لِمَنْ خَالَفَهٗ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ اَرْضِ مَكَّةَ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ يَاْخُذُكُمُ الْكُفَّارُ بِسُرْعَةٍ فَاٰوٰىكُمْ اِلَى الْمَدِيْنَةِ وَ اَيَّدَكُمْ قَوَّاكُمْ بِنَصْرِهٖ يَوْمَ بَدْرٍ بِالْمَلٰٓئِكَةِ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ الْغَنَائِمِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ نِعَمَهٗ وَ نَزَلَ فِيْ اَبِيْ لُبَابَةَ بْنِ عَبْدِ

الْمُنْذِرِ وَقَدْ بَعَثَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى بَنِيْ قُرَيْظَةَ لِيَنْزِلُوْا عَلٰى حُكْمِهٖ فَاسْتَشَارُوْهُ فَاَشَارَ اِلَيْهِمْ اَنَّهُ
الذَّبْحُ لِاَنَّ عِيَالَهُ وَمَالَهُ فِيْهِمْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ مَا اُؤْتُمِنْتُمْ
عَلَيْهِ مِنَ الدِّيْنِ وَغَيْرِهٖ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ لَكُمْ صَادَّةٌ
ع ۳ ۹ ۱۷ عَنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ فَلَا تُفَوِّتُوْهُ بِمُرَاعَاةِ الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَالْخِيَانَةِ
لِاَجْلِهِمْ وَنَزَلَ فِيْ تَوْبَتِهٖ

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور (اس کے حکم کی مخالفت کر کے) اس کے حکم سے روگرانی نہ کرو، درآنحالیکہ تم سن رہے ہو (قرآن حکیم اور نصیحت کی باتوں کو) اور تم ان لوگوں کے مانند مت ہونا جو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سنتے سناتے کچھ نہیں (یعنی ایسا سننا نہیں سنتے کچھ کر ہو نصیحت پذیر اور اس سے مراد مشرکین ومنافقین ہیں)۔ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ (الآیۃ) ''بیشک بدترین حیوانات اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں حق بات سننے سے) گونگے ہیں (حق بات کہنے سے) جو سمجھتے نہیں ہیں (حق بات کو)۔ لفظ دواب دابۃ کی جمع ہے اصل لغت کے اعتبار سے ہر زمین پر چلنے والے کو دابۃ کہا جاتا ہے مگر عرف ومحاورہ میں صرف چوپایہ جانوروں کو دابۃ کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ سب سے بدترین اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو حق کو سننے سے بہرے اور حق بات بولنے سے گونگے ہیں۔ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا (الآیۃ) اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خیر وخوبی جانتا (حق بات سننے کی صلاحیت جانتا) تو ضرور ان کو سنا دیتا (یعنی سمجھ کر سننے کی توفیق دیتے) اور اگر اللہ تعالیٰ ان کو بالفرض سنا دیں (درانحالیکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ان میں کوئی خوبی نہیں ہے) تو ضرور روگردانی کریں گے اعراض کرتے ہوئے (یعنی حق کو قبول کرنے سے اعراض کریں گے عناد وانکار کی بنیاد پر۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (الآیۃ) اے ایمان والو تم اللہ اور رسول کی پکار کو قبول کرو (فرمانبرداری کے ساتھ) جب اللہ کا رسول تم کو بلائے (یعنی دین کے کام کی طرف اس لیے کہ یہ حیات جاودانی کا سبب وذریعہ ہے) وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ (الآیۃ) اور اس بات کو جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے (پس وہ اللہ کے ارادے کے بغیر نہ ایمان لاسکتا ہے اور نہ کفر کرسکتا ہے) بلاشبہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے (پس تمہارے اعمال کا تم کو بدلہ دیں گے۔ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً (الآیۃ) اور تم بچتے رہو اس فتنے سے (اگر تم پر آ پڑے) جو خاص ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جنہوں نے تم میں سے ظلم کا ارتکاب کیا ہے (بلکہ اس کا ظلم شامل ہوگا ان کو بھی اور ان کے علاوہ دوسروں کو بھی اور اس وبال سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ منکر یعنی برے کام کا انکار کرو اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والے ہیں (ان لوگوں کو جو اللہ کی مخالفت کرتے ہیں) وَاذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ (الآیۃ) اور اس وقت کو یاد کرو جب تم شمار میں تھوڑے تھے اور سرزمین (مکہ) میں تم کمزور سمجھے جاتے تھے تم

ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو کہیں اچک لیں، (یعنی تم اندیشہ میں رہتے تھے کہ کفار تم کو اچانک پکڑ لیں) فَاٰوٰىكُمْ (الآیۃ) سو اللہ تعالیٰ نے تم کو ٹھکانہ دیا (مدینہ میں رہنے کی جگہ دی) اور تم کو اپنی مدد سے قوت دی (بدر کے دن فرشتوں کے ذریعہ) اور پاکیزہ چیزوں سے تمہیں روزی دی (یعنی مال غنیمت دیا تاکہ تم (اس کی نعمتوں کا) شکر کرو۔

شانِ نزول: وَ نَزَلَ فِيْ اَبِيْ لُبَابَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُنْذِرِ ... اگلی آیت یعنی: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ ... حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر کے بارے میں نازل ہوئی ان کو آنحضرت ﷺ نے بنوقریظہ کے پاس اس لیے بھیجا تھا کہ بنوقریظہ کو آنحضرت ﷺ کے فیصلے پر اتار لیں یعنی ہموار کرلیں بنوقریظہ نے حضرت ابولبابہؓ سے مشورہ طلب کیا تو ابولبابہؓ نے اپنی گردن پر تلوار کی طرح ہاتھ پھیر کر اشارہ سے بتلا دیا کہ ذبح کئے جاؤ گے۔ حضرت ابولبابہؓ سے اس وجہ سے سرزد ہوگئی کہ ابولبابہؓ کے اہل و اعیال اور جائداد بنوقریظہ کے پاس تھے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ (الآیۃ) اے ایمان والو تم اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو اور نہ اپنی آپس کی امانتوں میں خیانت کرو (دینی وغیرہ کی وہ باتیں جن پر تم امین سمجھے گئے ہو اس میں خیانت نہ کرو۔ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝۲۷ درانحالیکہ تم جانتے ہو وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ (الآیۃ) اور خوب جان لو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے (اور آخرت سے تمہارے لیے رکاوٹ بنتے ہیں) وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ۝۲۸ اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا بھاری اجر ہے (پس اموال و اولاد کی خاطر اس اجر کو فوت نہ کرو اور نہ ان کی وجہ سے خیانت کرو۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: سِمَاعَ تَفَهُّمٍ: یہ قید لگا کر بتلایا کہ مطلق سننا مراد نہیں۔

قوله: وَقَدْ عَلِمَ: یہ حال ہے۔

قوله: بِالطَّاعَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ زبانی کلامی اقرار کافی نہیں بلکہ پوری اطاعت ضروری ہے۔

قوله: اِنْ اَصَابَتْكُمْ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ لَا تُصِيْبَنَّ یہ شرطِ محذوف کا ہے یہ فِتْنَةً کی صفت نہیں۔

قوله: اِذْ اَنْتُمْ: میں اَنْتُمْ سے مہاجرین مراد ہیں۔

قوله: بِسُرْعَةٍ: اس سے اشارہ کیا کہ تخطف کے اصل مادہ میں جلدی سے لینا پایا جاتا ہے۔

قوله: لَا تَخُوْنُوْا: اس کو مقدر مانا کیونکہ یہ مجزوم ہے اور اس کا عطف لَا تَخُوْنُوْا مقدر پر ہے اَنْ مقدر سے منصوب نہیں۔

قوله: اُؤْتُمِنْتُمْ: ضمیر کی طرف امانات کی اضافت یہ اضافت الشیٔ الی المفعول کے قبیل سے ہے۔

قوله: صَادَّةٌ: اشارہ کیا کہ فِتْنَةٌ کا معنی رکاوٹ ہے۔

تفسیر مقبولین

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ....

گذشتہ آیت میں یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے اب ان آیات میں اہل ایمان کو ہدایت فرماتے ہیں کہ حق جل شانہ کی معیت اور نصرت اور حمایت کا دارومدار اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر ہے اگر تم اللہ کی معیت اور اس کی نصرت کے طلبگار ہو تو اس کی دو شرطیں ہیں۔ اوّل تو یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی دل وجان سے ایسی اطاعت کرو جس میں خیانت کا شائبہ نہ ہو اس لیے کہ خیانت اطاعت کاملہ میں مخل ہے۔ دوم یہ کہ اہل ایمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے دشمنوں اور اس کے باغیوں یعنی کافروں اور منافقوں کی مشابہت اور مماثلت سے محفوظ رکھیں جیسا کہ حدیث میں ہے۔ من تشبہ بقوم فھو منھم (جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہیں میں شمار ہوگا)) کوئی بادشاہ اور فرمانروا یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کی وفاداری کا دعوی دار اس کے دشمنوں کا ہمرنگ اور ہم لباس اور ہم صورت بنے۔ اسی طرح دعوی تو ہو ایمان کا اور خدا اور رسول کی محبت کا اور صورت اور طرز معاشرت سارا کا سارا ہو دشمنان خدا اور رسول کا سا۔ یہ در پردہ اجتماع ضدین ہے۔ جو حکماء اور عقلاء کی نظر میں احمقانہ دعوی ہے۔

وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ....

اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ گناہوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جو فتنہ یعنی عذاب اور وبال آتا ہے وہ صرف انہی لوگوں کو محدود نہیں رہتا جنہوں نے گناہ کیے بلکہ دوسرے لوگ بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دینے کی وجہ سے جب گناہ گاروں پر عذاب آتا ہے تو وہ لوگ بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو ان گناہوں کے مرتکب نہیں جن کی وجہ سے عذاب آیا لیکن چونکہ ان لوگوں نے گناہوں سے روکنے کا فریضہ ادا نہیں کیا اور اپنی نیکیوں میں لگے رہے اور گناہگاروں کو گناہوں سے نہیں روکا اس لیے یہ لوگ بھی مبتلائے عذاب ہوتے ہیں۔ متعدد احادیث میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے۔

<u>نہی عن المنکر چھوڑنے پر وعیدیں:</u>

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی بھی قوم میں اگر کوئی ایسا شخص ہو جو گناہوں کے کام کرتا ہو اور وہ لوگ روکنے پر قدرت رکھتے ہوئے اسے نہ روکتے ہوں تو ان لوگوں کی موت سے پہلے اللہ تعالیٰ ان پر عام عذاب بھیج دے گا۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۴۳۷)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہوں میں پڑنے والوں اور گناہ ہوتے ہوئے دیکھنے والوں کی ایک مثال بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ایک کشتی ہے اس میں دو طبقے ہیں، قرعہ ڈال کر آپس میں طے کر لیا کہ کون

لوگ اوپر کے حصہ میں جگہ لیں اور کون لوگ نیچے والے طبقہ میں بیٹھیں، جب اپنے اپنے حصوں میں بیٹھ گئے تو جو لوگ نیچے ہیں وہ پانی لینے کے لیے اوپر جاتے ہیں، اوپر والے لوگ ان کے آنے سے تکلیف محسوس کرتے ہیں (جب نیچے والوں نے یہ دیکھا کہ یہ لوگ ہمارے آنے سے تکلیف محسوس کرتے ہیں تو) انہوں نے ایک کلھاڑا لیا اور کشتی میں نیچے سوراخ کرنے لگے اوپر والے آئے اور انہوں نے کہا کہ تم یہ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں پانی کی ضرورت ہے اور ہم اوپر جاتے ہیں تو تمہیں تکلیف ہوتی ہے (لہٰذا ہم یہیں سے پانی لے لیں گے) تو اب اگر اوپر والے لوگ نیچے والوں کا ہاتھ پکڑ لیں گے (تاکہ سوراخ نہ کریں) تو ان کو بھی بچالیں گے اور اپنی جان کو بھی بچالیں گے۔ اور اگر ان کو اسی حال پر چھوڑ دیا تو ان کو بھی ہلاک کردیں گے اور اپنی جانوں کو بھی ہلاک کردیں گے۔ (رواہ البخاری ص ۳۳۹ ج ۱-۳۶۹ ج ۲)

معلوم ہوا کہ جہاں خود نیکیاں کرنے اور گناہوں سے بچنے کی ضرورت ہے وہاں اس کی بھی ضرورت ہے کہ گناہ کرنے والوں کو گناہ کرنے سے روکتے رہیں، اگر ایسا نہ کیا تو عذاب آنے کی صورت میں سبھی مبتلائے عذاب ہوں گے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ فلاں شہر کو اس کے رہنے والوں سمیت الٹ دو۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب بلاشبہ ان لوگوں میں آپ کا ایک ایسا بندہ بھی ہے جس نے کبھی پلک جھپکنے کے برابر بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی (کیا اس کو بھی عذاب میں شامل کردیا جائے)؟ اللہ کا ارشاد ہوا کہ اس شہر کو اس شخص پر اور بستی والوں پر الٹ دو۔ کیونکہ میرے بارے میں اس کے چہرہ میں کبھی تغیر نہیں آیا یعنی یہ شخص زبان اور ہاتھ سے تو لوگوں کو گناہوں سے کیا روکتا اس کے چہرہ پر گناہوں کو دیکھ کر ذرا سا بھی اثر نہ ہوا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دینے کی وجہ سے جب عذاب آتا ہے تو اس وقت دُعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے امر المعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنے پاس سے عذاب بھیج دے گا پھر اس سے دُعا مانگو گے اور وہ قبول نہ فرمائے گا۔ (رواہ الترمذی)

بعض حضرات نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس میں اس فتنہ کا ذکر ہے جو ترک جہاد کی وجہ سے عوام و خواص سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ دین اور شعائر دین کی حفاظت اور عامۃ المسلمین کی حفاظت جہاد قائم رکھنے میں ہے مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے کہ جہاد کرتے ہی رہیں اگرچہ کافر حملہ آور نہ ہوں اور اگر حملہ آور ہوجائیں تو پھر کوئی گنجائش کسی کو جہاد سے پیچھے ہٹنے کی ہے ہی نہیں۔ جہاد کا سلسلہ جاری نہ رکھنے کی ہی وجہ سے دشمن کو آگے بڑھنے کی جرأت ہوتی ہے اور جب دشمن چڑھ آتے ہیں تو بچوں بوڑھوں اور عورتوں کی حفاظت کے لیے فکر مند ہونا پڑتا ہے۔ لہٰذا جہاد جاری رکھا جائے اور اس سے پہلو تہی نہ کریں ورنہ عوام و خواص مصیبت میں گھر جائیں گے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ....

خدا اور رسول کی خیانت یہ ہے کہ ان کے احکام کی خلاف ورزی کی جائے۔ زبان سے اپنے کو مسلمان کہیں اور کام کفار کے

کریں یا جس کام پر خدا اور رسول نے مامور کیا ہو اس میں دغل فصل کیا جائے۔ یا مال غنیمت میں چوری کی جائے۔ ونحو ذالک۔ بہر حال ان تمام امانتوں میں جو خدا اور رسول یا بندوں کی طرف سے تمہارے سپرد کی جائیں، خیانت سے بچو۔ اس میں ہر قسم کے حقوق العباد آ گئے۔ روایات میں ہے کہ یہود بنی قریظہ نے جب حضور ﷺ سے صلح کی درخواست کی اور یہ کہ ان کے ساتھ وہ ہی معاملہ کیا جائے جو بنی النضیر کے ساتھ ہوا ہے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ نہیں، میں تم کو اتنا حق دیتا ہوں کہ سعد بن معاذ کو حکم بنالو، جو فیصلہ وہ تمہاری نسبت کر دیں وہ منظور ہونا چاہیے انہوں نے حضرت ابولبابہ کو حضور ﷺ سے اجازت لے کر اپنے یہاں بلایا اور دریافت کیا کہ تمہاری اس معاملہ میں کیا رائے ہے؟ ہم سعد بن معاذ کی تحکیم منظور کریں یا نہ کریں۔ ابولبابہ کے اموال اور اہل و عیال بنی قریظہ کے یہاں تھے، اس لیے وہ ان کی خیر خواہی کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے حلقوم کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا، یعنی اگر سعد بن معاذ کی تحکیم قبول کی تو ذبح ہو جاؤ گے۔ ابولبابہ اشارہ تو کر گزرے مگر معاً تنبہ ہوا کہ میں نے خدا اور رسول کی خیانت کی۔ واپس آ کر اپنے کو ایک ستون سے باندھ دیا اور عہد کیا کہ نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا حتی کہ موت آ جائے یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمالے۔ سات آٹھ دن یونہی بندھے رہے۔ فاقہ سے غشی طاری ہو گئی۔ آخر بشارت پہنچی کہ حق تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کی۔ کہا خدا کی قسم میں اپنے کو نہ کھولوں گا جب تک خود نبی کریم ﷺ اپنے دست مبارک سے میری رسی نہ کھولیں۔ آپ تشریف لائے اور اپنے ہاتھ سے اپنے قیدی کو آزاد کیا۔ الیٰ آخر القصہ ابن عبدالبر کا دعویٰ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی بناء پر پیش آیا تھا واللہ اعلم۔

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ بِالْاَمَانَةِ وَغَيْرِهَا يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ مَا تَخَافُوْنَ
فَتَنْجُوْنَ وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۲۹ اُذْكُرْ يَا مُحَمَّدُ
وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَدِ اجْتَمَعُوْا لِلْمُشَاوَرَةِ فِيْ شَانِكَ بِدَارِ النَّدْوَةِ لِيُثْبِتُوْكَ يُوْثِقُوْكَ وَ
يَحْبِسُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ كُلُّهُمْ قِتْلَةَ رَجُلٍ وَّاحِدٍ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ مِنْ مَكَّةَ وَيَمْكُرُوْنَ بِكَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ
بِهِمْ بِتَدْبِيْرِ اَمْرِكَ بِاَنْ اَوْحٰى اِلَيْكَ مَا دَبَّرُوْهُ وَاَمَرَكَ بِالْخُرُوْجِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝۳۰ اَعْلَمُهُمْ بِهٖ وَ اِذَا
تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا الْقُرْاٰنُ قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ ۙ قَالَهُ النَّضْرُ بْنُ الْحَارِثِ لِاَنَّهٗ
كَانَ يَاْتِي الْحِيْرَةَ يَتَّجِرُ فَيَشْتَرِيْ كُتُبَ اَخْبَارِ الْاَعَاجِمِ وَيُحَدِّثُ بِهَا اَهْلَ مَكَّةَ اِنْ مَا هٰذَاۤ الْقُرْاٰنُ اِلَّاۤ
اَسَاطِيْرُ اَكَاذِيْبُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۱ وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا الَّذِيْ يَقْرَؤُهُ مُحَمَّدٌ هُوَ الْحَقَّ الْمُنَزَّلَ مِنْ
عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳۲ مُؤْلِمٍ عَلٰى اِنْكَارِهٖ قَالَهُ النَّضْرُ اَوْ

غَيْرُهُ اسْتِهْزَاءً اَوْ اِيْهَامًا اَنَّهُ عَلٰى بَصِيْرَةٍ وَجَزْمٍ بِبُطْلَانِهِ قَالَ تَعَالٰى وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِمَا سَأَلُوْهُ وَ
اَنْتَ فِيْهِمْ ؕ لِاَنَّ الْعَذَابَ اِذَا نَزَلَ عَمَّ وَلَمْ تُعَذَّبْ اُمَّةٌ اِلَّا بَعْدَ خُرُوْجِ نَبِيِّهَا وَالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهَا وَمَا كَانَ
اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿٣٣﴾ حَيْثُ يَقُوْلُوْنَ فِيْ طَوَافِهِمْ غُفْرَانَكَ غُفْرَانَكَ وَقِيْلَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ
الْمُسْتَضْعَفُوْنَ فِيْهِمْ كَمَا قَالَ تَعَالٰى لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَمَا لَهُمْ اَلَّا
يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ بِالسَّيْفِ بَعْدَ خُرُوْجِكَ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَعَلَى الْقَوْلِ الْاَوَّلِ هِيَ نَاسِخَةٌ لِمَا قَبْلَهَا وَقَدْ
عَذَّبَهُمْ بِبَدْرٍ وَغَيْرِهِ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ يَمْنَعُوْنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُسْلِمِيْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ اَنْ يَطُوْفُوْا بِهِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ كَمَا زَعَمُوْا اِنْ مَا اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٤﴾ اَنْ لَا وِلَايَةَ لَهُمْ عَلَيْهِ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً صَفِيْرًا وَّتَصْدِيَةً ؕ
تَصْفِيْقًا اَيْ جَعَلُوْا ذٰلِكَ مَوْضِعَ صَلَاتِهِمُ الَّتِيْ اُمِرُوْا بِهَا فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِبَدْرٍ بِمَا كُنْتُمْ
تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ حَرْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَصُدُّوْا عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ فِيْ عَاقِبَةِ الْاَمْرِ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً نَدَامَةً لِفَوَاتِهَا وَفَوَاتِ مَا قَصَدُوْهُ
ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ فِي الدُّنْيَا وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا مِنْهُمْ اِلٰى جَهَنَّمَ فِي الْاٰخِرَةِ يُحْشَرُوْنَ ﴿٣٦﴾ يُسَاقُوْنَ لِيَمِيْزَ
مُتَعَلِّقٌ بِتَكُوْنُ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ اَيْ يَفْصِلَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ الْكَافِرَ مِنَ الطَّيِّبِ الْمُؤْمِنِ وَيَجْعَلَ
الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا يَجْمَعُهٗ مُتَرَاكِمًا بَعْضُهٗ فَوْقَ بَعْضٍ فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ ع ۴ ۹ ۱۸

تَرجَمہ: اور اگلی آیت ابولبابہؓ کی توبہ کے سلسلے میں نازل ہوئی: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا (الآیۃ) اے ایمان والو اگر تم
ڈرتے ہو (امانت وغیرہ میں) تو اللہ فیصلہ کردے گا (تمہارے درمیان اور ان چیزوں کے درمیان جن سے تم ڈرتے ہو پھر تم
نجات پالوگے) وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ (الآیۃ) اور اللہ تعالیٰ تم سے تمہاری برائیاں دور کردے گا اور بخش دے گا (تمہارے
گناہوں کو) اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل والا ہے۔ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، اور (اے محمد ﷺ) اس واقعہ کا ذکر کیجیے
جب کہ کافر لوگ آپ کے خلاف تدبیر سوچ رہے تھے (اور کافر لوگ آپ کے بارے میں مشورہ کے لیے دار الندوہ میں سب

جمع ہوئے اور تدبیریں سوچ رہے تھے) کہ آپ کو قید کرلیں (یعنی آپ کو مضبوط باندھ دیں اور قید کرلیں) یا آپ کو قتل کردیں (یعنی سب کے سب ایک شخص کے قتل کی طرح اَوْ یُخْرِجُوْكَ ؕ یا آپ کو نکال دیں گے (مکہ سے) اور وہ کفار تو آپؐ کے بارے میں تدبیر کررہے تھے وَیَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ اور اللہ تعالیٰ تدبیر کررہا تھا (ان کافروں کے بارے میں آپ کے معاملہ کی تدبیر اس صورت میں کی کہ ان کافروں نے جو کچھ بھی تدبیر کی اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو آگاہ کردیا اور آپ کو مکہ سے نکل جانے یعنی ہجرت کرنے کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے (یعنی ان کافروں سے زیادہ تدبیر جاننے والا ہے)۔ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ الآیۃ اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں (یعنی قرآن مجید) تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا۔ لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا ہی قرآن کہہ سکتے ہیں نضر بن حارث نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ حیرہ میں تجارت کے لیے جاتا تھا اور وہاں سے عجمی تاریخ کی کتابیں خرید لیتا اور ان کو مکہ والوں کے سامنے بیان کرتا) اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۱ (ان بمعنی ما نافیہ ہے) یہ قرآن تو کچھ بھی نہیں صرف اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ الآیۃ اور جب کہ ان لوگوں نے یہ کہا اے اللہ اگر یہ قرآن (جس کو محمد ﷺ پڑھتے ہیں) واقعی آپ کی طرف سے (نازل کردہ) ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے یا ہم پر کوئی (اور) دردناک عذاب واقع کردیجئے (یعنی اس قرآن کو نہ ماننے کی وجہ سے ہم پر کوئی اور تکلیف دہ عذاب نازل کر دیجیے یہ بات نضر بن حارث اور ابوجہل وغیرہ نے مذاق اڑانے کے لیے کہی تھی یا دوسروں کو اس وہم وفریب میں مبتلا کرنے کے لیے کہ ہم کو قرآن کے باطل ہونے پر پوری بصیرت ویقین ہے آگے اللہ تعالیٰ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: اے محمدؐ! وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ ان کو عذاب دیتا (جس عذاب کی ان لوگوں نے فرمائش کی ہے) درانحالیکہ آپ (اے محمدؐ) ان کے درمیان موجود ہیں) کیونکہ عذاب جب نازل ہوتا ہے تو عام ہوتا ہے سب حاضرین کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہے اور کسی امت پر عذاب نہیں آیا مگر اس امت کے نبی اور اس امت کے اہل ایمان کو نکالنے کے بعد) اور اللہ تعالیٰ ایسی حالت میں عذاب نہیں دیتے کہ جب وہ استغفار بھی کرتے ہیں کہ یہ کفار خانہ کعبہ کے طواف کی حالت میں کہتے ہیں: غُفْرَانَكَ غُفْرَانَكَ اَیْ نَطْلُبُ غُفْرَانَكَ ۔اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ مراد کمزور مسلمان ہیں جو ان میں رہتے ہیں استغفار کرتے رہتے ہیں جب کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الآیۃ (پارہ ۲۶، ع۱۱) یعنی اگر یہ مسلمانوں سے الگ ہوتے تو ہم کافروں پر دردناک عذاب ڈال دیتے)۔ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ اور ان کا کیا استحقاق ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو سزا نہ دے (تلوار کے ذریعہ آپؐ کے اور مستضعفین کے نکل جانے کے بعد "وَعَلَى الْقَوْلِ الْاَوَّلِ هِيَ نَاسِخَةٌ لِمَا قَبْلَهَا" یعنی اگر پہلے استغفار کرنے سے طواف میں ان کا استغفار کرنا مراد ہے تو یہ آیت پہلی آیت کے ناسخ ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمانے کے بعد بدر وغیرہ میں ان کافروں کو عذاب فرمایا حالانکہ وہ روکتے ہیں (منع کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کو اور مسلمانوں کو) مسجد حرام کے طواف وزیارت سے روکتے ہیں) وَمَا كَانُوْا اَوْلِيَآءَ، حالانکہ وہ لوگ اس مسجد کے متولی نہیں (جب کہ وہ خود کو سمجھ رہے ہیں) اس

مسجد کے متولی بننے کے لائق تو سوائے متقیوں کے کوئی بھی نہیں لیکن ان میں سے اکثر جانتے ہیں (کہ یہ لوگ مسجد کے متولی نہیں بن سکتے ہیں)۔ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اور ان کی نماز تو خانہ کعبہ کے پاس سوائے سیٹیاں بجانے (لمبی آواز لگانے) اور تالیاں بجانے کے کچھ بھی نہیں (یعنی اپنی نمازوں کی جگہ جس کا یہ لوگ حکم دیئے گئے پس تم عذاب کا مزہ چکھو (بدر میں) بسبب اپنے کفر کے بلاشبہ جو لوگ کافر ہیں وہ اپنے مالوں کو (نبی کریم ﷺ سے جنگ کرنے میں) اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکیں سو آئندہ بھی یہ لوگ خرچ کرتے رہیں گے پھر (آخر انجام میں) وہ مال ان کے حق میں باعث حسرت وندامت ہوگا (یعنی اموال کے ضائع ہونے اور مقصد کے فوت ہونے کا افسوس ہوگا شرمندگی ہوگی) پھر مسلمانوں کے مقابلے میں) مغلوب ہوں گے (دنیا میں) اور جو لوگ کافر ہے (ان میں سے اخیر دم تک) وہ جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے (ہنکائے جائیں گے) لِيَمِيزَ تخفیف کے ساتھ، تشدید کے ساتھ لِيُمَيِّزَ کا تعلق تَكُونُ عَلَيْهِمْ سے ہے۔ لِيَمِيزَ اللّٰهُ الْخَبِيثَ (الآیۃ) تا کہ اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے جدا کر دے (یعنی کافر کو مؤمن سے الگ کر دے اور ان ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا دے پھر ایک دوسرے پر چڑھا کر ڈھیر کر کے جہنم میں ڈال دے۔ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۳۷﴾ یہی لوگ ہیں (بھر پور خسارہ میں پڑ جانے والے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ: یہاں تکفیر سیئات گناہوں پر پردہ ڈالنے کے معنی میں ہے۔

قوله: بِدَارِ النَّدْوَةِ: قصی کا بنایا ہوا وہ مکان جہاں قریش کے تمام اہم امور کے مشورے ہوتے تھے۔

قوله: بِتَدْبِيرِ أَمْرِكَ: اس سے اشارہ کیا کہ يَمْكُرُ اللّٰهُ یہ مجاز مرسل ہے کہ مکر بول کر ردِ مکر مراد لیا گیا ہے۔

قوله: قَالَهُ النَّضْرُ: اس سے اشارہ کیا کہ اگر چہ کہنے والا ایک تھا مگر جمع کی طرف نسبت رئیس القوم ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ صاحب واقعہ وہی تھا۔

قوله: وَأَنْتَ فِيهِمْ: اس میں اشارہ ہے کہ جب آپ ہجرت کر جائیں گے تو یہ عذاب کے مورچہ میں ہے۔

قوله: إِلَّا بَعْدَ خُرُوجٍ: سے اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام اور مؤمنوں کو نکال کر پھر کفار کو عذاب دیتے ہیں۔

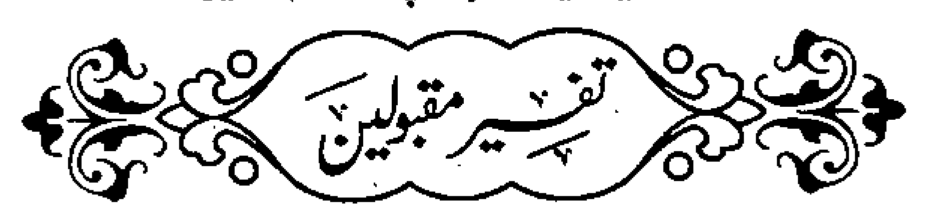
قوله: صَفِيرًا: مکاء، اصل میں تو خوبصورت آواز والا پرندہ ہے یہاں سیٹی کے لیے استعمال ہوا۔ تَصْدِيَةً، صداء، گونج۔ یہاں تالی کے لیے آیا ہے۔

قوله: يُنْفِقُونَ: اس میں ان کے یوم بدر والے انفاق کا تذکرہ ہے اور فَسَيُنْفِقُونَهَا میں اُحد وغیرہ میں جو خرچ کیا اس کی طرف اشارہ ہے۔

قوله: فِيْ عَاقِبَةِ الْأَمْرِ: مبالغہ کے طور پر مال کے انجام کو اس طرح ذکر کیا کہ اموال والوں کو حسرت والا قرار دیا۔

قولہ: مُتَعَلِّقٌ بِتَكُوْنُ: اشارہ کیا کہ یہ یُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ ہے۔ حالانکہ وہ قریب ہے کیونکہ تمیز حشر سے مقدم ہے۔

قولہ: مُتَرَاكِمًا: کثرت بھیڑ کی وجہ سے گویا وہ ایک دوسرے پر جوڑے گئے ہیں۔



يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ ....

تقویٰ پر انعام:

اس آیت میں فرمایا کہ اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں فیصلہ والی چیز عطا فرمادے گا اور گناہوں کا کفارہ فرمادے گا اور تمہاری بخشش فرمادے گا۔ ''فیصلہ والی چیز'' سے کیا مراد ہے۔ اس کے بارے میں مفسرین نے متعدد اقوال لکھے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے ہدایت اور دلوں کا وہ نور مراد ہے جس کے ذریعہ حق اور باطل کے درمیان فرق کرسکیں گے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ شانہٗ کی مدد مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کی ایسی مدد فرمائے گا جس کی وجہ سے مؤمنین کو عزت دے گا اور کافروں کو ذلیل کرے گا اور بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا غلبہ عطا فرمائے گا جس سے تمہارے دین کی شہرت ہوگی اور دنیا میں تمہاری کامیابی کے تذکرے ہوں گے۔ (راجع روح المعانی ص ۱۹۶ ج ۹) پھر کفارہ سیئات اور مغفرت ذنوب کا وعدہ فرمایا اور اخیر میں فرمایا: (وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾) (اور اللہ بڑے فضل والا ہے)۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ .....

ہجرت سے پیشتر کفار مکہ نے دار الندوہ میں جمع ہو کر مشورہ کیا، کہ محمد ﷺ کے متعلق کیا کیا جائے۔ انہوں نے ساری قوم کو پریشان کر رکھا ہے اور باہر کے کچھ لوگ ان کے دام میں پھنستے جاتے ہیں کہیں رفتہ رفتہ بڑی طاقت اکٹھی نہ کرلیں جس کا مقابلہ دشوار ہو۔ اس وقت رائیں مختلف تھیں، کوئی کہتا تھا، قید کیا جائے اور خوب زخمی کیے جائیں، کسی کی رائے تھی کہ انہیں وطن سے نکال دیا جائے تاکہ ہمیں ہر وقت کے خرخشہ سے نجات ملے۔ اخیر میں ابو جہل کی رائے پر فیصلہ ہوا کہ تمام قبائل عرب میں سے ایک ایک جوان منتخب ہو اور وہ سب مل کر آن واحد میں ان پر تلوار کا ہاتھ چھوڑیں، تاکہ بنی ہاشم سارے عرب سے لڑائی نہ کرسکیں اور دیت دینی پڑے تو تمام قبائل پر تقسیم ہوجائے۔ یہاں تو وہ اشقیاء یہ تدبیریں گانٹھ رہے تھے، اُدھر ان کے توڑ میں خدا کی بہترین اور لطیف تدبیر تھی، حضور ﷺ کو فرشتہ نے اطلاع کی آپ ﷺ اپنے بستر پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو لٹا کر اسی مجمع کی آنکھوں میں جو آپ ﷺ کے قتل کے لیے جمع ہوا تھا خاک جھونکتے ہوئے باہر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کا اور حضرت علی کا بال بیکا نہ ہوا اور دشمن خائب و خاسر رہے۔ پھر جنہوں نے آپ کے قتل کا مشورہ دیا تھا بدر میں وہ ہی قتل کیے گئے۔ اس سے بتلا دیا کہ جب خدا ساتھی ہو تو کوئی کچھ نہیں کرسکتا اور جس طرح اس نے اپنے پیغمبر کو بچالیا، تمہارے

گھر بار اور اہل وعیال کی بھی جو مکہ میں ہیں حفاظت کر سکتا ہے، دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا ....

مشرکین کا عناد اور جھوٹا دعویٰ کہ ہم بھی قرآن جیسا کلام کہہ سکتے ہیں:

قبیلہ بنی عبدالدار میں سے ایک شخص نضر بن الحارث تھا یہ بھی رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ دشمنی رکھتا تھا۔ مشرکین مکہ قرآن مجید سنتے تھے اور اس کے مقابلہ میں کوئی ایک آیت لانے سے عاجز تھے۔ اس کی فصاحت وبلاغت کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے جب ان کو چیلنج دیا گیا کہ اس کے مقابلہ میں ایک سورت بنا کر لاؤ تو عاجز رہ گئے۔ لیکن نضر بن الحارث نے ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' کے طریقہ پر خفت مٹانے کے لیے یوں کہا کہ لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ' (اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام کہہ دیں) مطلب یہ تھا کہ یہ بات نہیں کہ ہم عاجز ہیں کہہ تو سکتے ہیں لیکن کہتے نہیں، ہمیں کوئی مجبوری نہیں ہے کہ مقابلہ کے لیے ہم اس جیسا کلام بنا کر لائیں اور مزید اس نے یہ بھی کہا (اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ⑪) (اور یہ جو محمد ﷺ سناتے ہیں پہلے لوگوں کی باتیں ہیں جو ان کی لکھی ہوئی ملتی ہیں)۔ اس کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کلام نہیں ہے پہلے لوگوں کی باتیں ہیں جو محمد ﷺ نے یاد کر لی ہیں، انہیں کو سناتے رہتے ہیں۔ نضر بن الحارث کے علاوہ بعض دوسرے لوگوں نے بھی ایسی بات کہی تھی۔ جیسا کہ سورۂ انعام میں فرمایا: (حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ) ان لوگوں کی یہ بات شرارت اور عناد کی وجہ سے تھی، یہ جانتے تھے کہ محمد ﷺ اُمی ہیں نہ پڑھنا جانتے ہیں اور نہ پہلے لوگوں کی کتابیں ان تک پہنچی ہیں۔ پھر بھی ایمان سے دور کفر پر جمے رہتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں ہیں۔

نضر بن حارث کا عذاب کے لیے دُعا کرنا:

نضر بن حارث نے جب یوں کہا کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں سناتے ہیں تو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ تو اللہ سے ڈر! محمد ﷺ حق فرماتے ہیں اس پر اس نے کہا کہ میں بھی حق کہتا ہوں۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ محمد ﷺ تو لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں وہ کہنے لگا میں بھی لا الٰہ الا اللہ کہتا ہوں، لیکن یہ بت اللہ کی بیٹیاں ہیں (العیاذ باللہ) اس کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ ہم انہیں اللہ کی بیٹیاں مانتے ہیں اس لیے ہم بھی لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں وہ لا الٰہ الا اللہ کا مطلب ہی نہیں سمجھا۔ پھر اس نے بارگاہ خداوندی میں یوں دُعا کی کہ: ''اے اللہ اگر یہ دین جس کی دعوت محمد ﷺ دیتے ہیں حق ہے تیری طرف سے ہے تو اسے قبول نہ کرنے کی سزا میں ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا اور کوئی دردناک عذاب بھیج دے'' اپنے خیال میں اس نے یہ بات ظاہر کرنے کے لیے کہی تھی کہ اگر دین محمد ﷺ حق ہوتا تو ہم پر پتھر برس جاتے اور عذاب نازل ہو جاتا جب یہ بات نہیں ہے تو ہم حق پر ہیں۔ اس طرح کی بات یہود نے بھی کہی تھی۔ سورۃ مجادلہ میں ان کا قول نقل فرمایا ہے۔ (لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ) (جو باتیں ہم کرتے ہیں ان کی وجہ سے اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا) اور اس زمانہ میں بھی بہت سے فتنہ گر ایسی باتیں کرتے ہیں اہل حق کے مقابلہ میں آ جاتے ہیں اور کہتے ہیں اگر ہم جھوٹے ہیں تو ہم پر

عذاب کیوں نہیں آ جاتا۔ عذاب آنا نہ آنا حق اور ناحق واضح ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ دلائل قرآنیہ اور دلائل عقلیہ سے حق واضح ہوتا ہے اور انہیں میں تفکر اور تدبر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں کہ جو عذاب بھیج کر فیصلہ فرمائے گو کبھی ایسا ہو بھی جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عذاب مانگنے والوں کی دُعاء قبول فرمالیتا ہے۔ کبھی جلدی اور کبھی دیر سے عذاب نازل ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ (سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ) نضر بن حارث کے سوال پر نازل ہوئی۔ حضرت عطا نے فرمایا کہ نضر بن الحارث کی دُعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور غزوۂ بدر میں اسے قتل کر دیا گیا۔ (کذا فی تفسیر الجلالین وحاشیۃ ص ۱۷۲)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آیت بالا: (اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ۔۔۔) میں جو عذاب آنے کا سوال مذکور ہے یہ سوال ابو جہل نے کیا تھا۔ (چونکہ یہ سوال عمومی عذاب کا تھا اسی لیے عذاب نہیں آیا) اللہ تعالیٰ نے اسکے جواب میں اگلی آیت: (وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۞) نازل فرمائی (صحیح بخاری ص ۶۷۰ ج ۲) جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر آپ کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہیں فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا تکوینی قانون ہے کہ جس بستی میں اللہ کا کوئی نبی موجود ہو اس پر اس وقت تک عذاب نازل نہیں فرماتا جب تک مجرموں کے درمیان سے اپنے نبی کو نہ نکال لے۔ حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط (علیہم السلام) کی قوموں پر جب ہی عذاب آیا جبکہ یہ حضرات بستیوں سے باہر جا چکے تھے۔ خاتم الانبیاء جو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ کسی بستی میں موجود ہوں اور وہاں عذاب آ جائے یہ نہیں ہوسکتا تھا، مکہ مکرمہ میں آپ کا موجود ہونا عذاب آنے سے مانع تھا۔ جب آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اس کے دوسرے سال غزوۂ بدر میں ستر مشرکین مارے گئے جن میں ابو جہل بھی تھا اور نضر بن الحارث بھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد کہ استغفار سبب امان ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اہل مکہ کے لیے دو چیزیں امان کی تھیں۔ ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور دوسرے استغفار۔ جب آپ مکہ مکرمہ سے تشریف لے آئے تو ان کے پاس امان کی صرف ایک چیز رہ گئی۔ یعنی استغفار، لہٰذا اہل مکہ پر عمومی عذاب نہ آیا اور فتح مکہ کے دن چند افراد قتل کر دیئے گئے۔ جو بہت زیادہ شریر تھے اور چند افراد کے علاوہ سب نے اسلام قبول کر لیا اور آئندہ کے لیے عذاب سے محفوظ ہو گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے دو امانیں رکھی ہیں جب تک یہ دونوں ان کے درمیان میں رہیں گے (دونوں یا ایک) تو عذاب نہیں آئے گا۔ ایک امان تو اللہ تعالیٰ نے اٹھالی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور دوسری امان ان کے اندر موجود ہے یعنی استغفار کرتے رہنا۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب تک اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا رہے عذاب سے محفوظ رہے گا۔ (معلوم ہوا کہ مختلف علاقوں میں جو عذاب آتے رہتے ہیں۔ وہاں استغفار نہ کرنے کو بھی دخل ہے) آیت بالا کی تفسیر میں جو ہم نے لکھا ہے تفسیر ابن کثیر ص ۳۰۳ تا ۳۰۵ ج ۲ سے ماخوذ ہے۔

وَمَا لَهُمْ اَلَّا یُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ ....

یعنی عذاب کا نہ آنا ان دو سبب سے ہے جو اوپر مذکور ہوئے، ورنہ تمہاری شرارتیں اور ظلم وشقاوت تو ایسی چیزیں ہیں کہ فوراً عذاب آ جانا چاہیے۔ اس سے زیادہ ظلم کیا ہوگا کہ موحدین کو حرم شریف میں آنے یا عبادت کرنے سے طرح طرح کے حیلے تراش کر روکا جائے بلکہ ان کے وطن (مکہ معظمہ) سے نکال کر ہمیشہ کے لیے کوشش کی جائے کہ یہ خدا کے پاکباز اور عبادت گزار بندے یہاں نہ آنے پائیں اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اس ظلم کے جواز کے لیے یہ سند پیش کی جاتی ہے کہ ہم حرم شریف کے متولی با اختیار ہیں جس کو چاہیں آنے دیں جسے چاہیں روک دیں، یہ ہمارا حق ہے۔ حالانکہ اوّل تو یہ حق متولی کو بھی نہیں کہ مسجد میں لوگوں کو نماز وعبادت سے روکے۔ دوسرے حق تولیت ان کو پہنچتا بھی نہیں۔ حرم شریف کے متولی صرف متقی اور پرہیزگار بندے ہو سکتے ہیں مشرک اور بدمعاش اس کے حقدار نہیں ہو سکتے۔ لیکن ان میں اکثر اپنی جہالت سے یوں سمجھ رہے ہیں کہ ہم اولاد ابراہیم ہیں اور فلاں قبیلہ سے ہیں تولیت کعبہ ہمارا موروثی حق ہے جس کے لیے کوئی خاص شرط وقید نہیں۔ سو بتلا دیا کہ اولاد ابراہیم میں جو پرہیزگار ہو اسی کا حق ہے۔ ایسے بے انصافوں کا حق نہیں کہ جس سے وہ آپ ناخوش ہوئے نہ آنے دیا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ ....

اللہ کی راہ سے روکنے والے مغلوب ہوں گے اور ان کے اخراجات حسرت کا باعث ہوں گے:

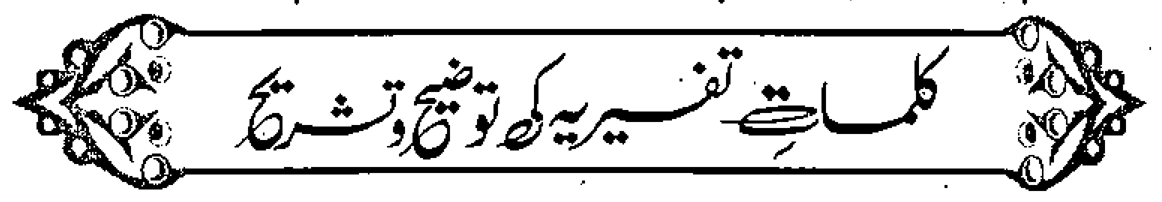
مفسر ابن کثیر (ص ۳۰۷ ج ۲) میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب قریش کو بدر میں شکست ہوئی اور جو زندہ رہ گئے وہ مکہ مکرمہ واپس پہنچے تو ابوسفیان کے گلے پڑ گئے کہ ہم لوگ تیرے قافلہ کی حفاظت کے لیے نکلے تھے تم لوگ تو صحیح سالم آ گئے اور ہمارے آباء اور ہماری اولاد اور ہمارے بھائی بدر میں مقتول ہو گئے۔ للہذا تم لوگ مال سے ہماری مدد کرو تا کہ ہم دوبارہ جنگ کریں اور محمد ﷺ سے اپنا بدلہ لے لیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس سلسلہ میں چندے دیئے اور مال خرچ کیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت بالا ان کے اسی مال کے خرچ کرنے کے سلسلے میں نازل ہوئی اور معالم التنزیل (ص ۲۴۷ ج ۲) میں لکھا ہے کہ یہ آیت ان مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بدر میں جاتے ہوئے اپنی جماعت پر منزل بہ منزل خرچ کرتے رہے اور اونٹ ذبح کر کے کھلاتے رہے۔ پھر حکم بن عینیہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابوسفیان کے بارے میں نازل ہوئی جس نے احد کے موقعہ پر مشرکین پر چالیس اوقیہ چاندی خرچ کی تھی (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا)۔

مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ سبب نزول اگرچہ خاص ہے مگر مضمون عام ہے۔ جب کبھی بھی اہل کفر حق سے روکنے کے لیے اپنا مال خرچ کریں گے دنیا وآخرت میں ناکام ہوں گے اور ذلیل ہوں گے اللہ تعالیٰ کا دین کامل ہوگا پھیلے گا پورا ہوگا۔ کافر اس کے بجھانے کے لیے مال خرچ کریں گے پھر نادم ہوں گے ان کو حسرت ہوگی کہ ہم نے اپنا مال خرچ کیا لیکن فائدہ مقصود حاصل نہ ہوا یہ لوگ دنیا میں مغلوب ہوں گے اور آخرت میں بھی دوزخ میں داخل ہوں گے۔

قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا کابی سفیان واصحابہ اِنْ یَّنْتَهُوْا عن الکفر وقتال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ من اعمالھم وَاِنْ یَّعُوْدُوْا الی قتالہ فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۸﴾ ای

سُنَّتُنَا فِيهِمْ بِالْإِهْلَاكِ فَكَذَا نَفْعَلُ بِهِمْ وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ تُوجَدَ فِتْنَةٌ شِرْكٌ وَّ يَكُوْنَ
الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ وَحْدَهٗ وَلَا يُعْبَدُ غَيْرُهٗ فَاِنِ انْتَهَوْا عَنِ الْكُفْرِ فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾
فَيُجَازِيهِمْ بِهٖ وَ اِنْ تَوَلَّوْا عَنِ الْإِيْمَانِ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نَاصِرُكُمْ وَ مُتَوَلِّيْ اُمُوْرِكُمْ نِعْمَ
الْمَوْلٰى هُوَ وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾ اَيِ النَّاصِرُ لَكُمْ

ترجمہ: قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا (الآیۃ) اے نبیؐ آپ ان کافروں سے (جیسے ابوسفیان اور ان کے ساتھی) کہہ دیجیے کہ اگر یہ لوگ (کفر سے اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے سے) باز آجائیں تو ان کو معاف کردیا جائے گا (جو اعمال کفر اسلام سے پہلے کر چکے ہیں) وان یعودوا اور اگر پھر وہی کریں (یعنی نبی کے ساتھ جنگ کریں) تو پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے (یعنی ہمارا طریقہ کفار سابقین کے بارے میں ہلاک کرنے کا اسی طرح ہم ان کافروں کے ساتھ وہی کریں گے) وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ (الآیۃ) اور (اے مسلمانو) تم ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فساد عقیدہ (یعنی شرک) نہ رہے (نہ پایا جائے) اور دین سب فقط اللہ ہی کا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پرستش نہ رہے اگر یہ لوگ باز آجائیں (یعنی کفر سے باز آجائیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو دیکھنے والا ہے (چنانچہ ان کے عمل کے موافق ان کو جزا دے گا) وَ اِنْ تَوَلَّوْا (الآیۃ) اور اگر (ایمان سے (روگردانی کریں اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حمایتی ہے (یعنی تمہارا مددگار اور تمہارے کاموں کا کارساز ہے) وہ کیا ہی خوب کارساز ہے اور کیا ہی خوب تمہارے لیے مددگار ہے۔



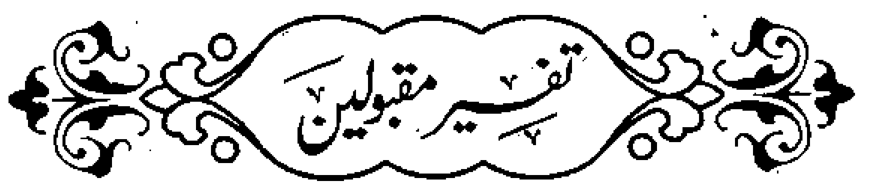
قوله: قُلْ لِّلَّذِيْنَ: اس میں لام اجلیہ ہے۔ای لاجلہم۔

قوله: سُنَّتُنَا: اس میں اشارہ ہے کہ یہ مصدر کی اضافت مفعول کی طرف کی گئی ہے۔

قوله: تُوجَدَ: اس معنی سے اشارہ کیا کہ تَكُوْنَ یہاں تامہ ہے۔

قوله: هُوَ: اس سے اشارہ ہے کہ مخصوص بالمدح محذوف ہے۔

قوله: نَاصِرُكُمْ: اس سے اشارہ ہے یہاں فعیل فاعل کے معنی میں ہے اور اس کا مفعول المومنون ہے۔ مطلق نہیں کیونکہ وہ کفار کی مدد نہیں کرتا۔



قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ ....

کافروں کو اسلام کی ترغیب اور کفر پر جمے رہنے کی وعید:

اس آیت میں ترغیب بھی ہے اور ترہیب بھی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ کافروں سے فرما دیں کہ اب تک جو تم کفر پر جمے رہے اور اسلام کی دعوت کو روکنے کے لیے تدبیریں کرتے رہے اور اس بارے میں جنگ کرتے رہے ان سب سے اگر تائب ہو جاؤ یعنی اسلام قبول کر لو تو وہ سب کچھ معاف کر دیا جائے گا جو اب تک گزر چکا ہے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی اسلام کے بڑے دشمنوں میں سے تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں اس شرط پر آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوتا ہوں کہ میری مغفرت کر دی جائے آپ نے فرمایا اے عمرو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام ان سب چیزوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے تھیں اور بلاشبہ ہجرت ان سب گناہوں کو ختم کر دیتی ہے جو اس سے پہلے تھے اور بلاشبہ حج ان سب گناہوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے تھے۔ (رواہ مسلم ص ۷۶ ج ۱)

شراح حدیث نے لکھا ہے کہ ہجرت اور حج سے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور حقوق العباد معاف نہیں ہوتے، یہ بات دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ کرم ہے کہ کوئی شخص کیسا ہی دشمن اسلام ہو جب بھی اسلام قبول کرے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یہی حدیث کچھ ان الفاظ میں احمد میں بھی ہے:

۱۔ احمد نے عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کو ڈال دیا تو میں نبی کریم (ﷺ) کے پاس آیا اور میں نے عرض کیا اپنے ہاتھ کو بڑھائیں تاکہ میں آپ ﷺ سے بیعت کروں آپ ﷺ نے اپنا داہنا ہاتھ بڑھا دیا تو میں نے اپنے ہاتھ کو کھینچ لیا آپ ﷺ نے فرمایا کیا ہوا تجھ کو؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے شرط لگانے کا ارادہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو کونسی شرط لگانا چاہتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میری مغفرت کر دی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو نہیں جانتا کہ اسلام پہلے والے سب گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اور ہجرت پہلے والے سب گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اور حج بھی پہلے والے سب گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔

۲:۔ ابن ابی حاتم نے مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب کوئی کافر اسلام لے آیا تو کفر کی حالت میں اس کے کسی چیز (یعنی کسی گناہ) کے بارے میں اس سے نہیں پوچھا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ -

پھر فرمایا: (وَ اِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۝) اور اگر کافر اپنے کفر پر جمے رہے تو ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ پہلے لوگوں کو انکار اور عناد کی وجہ سے جو سزائیں ملی ہیں مقتول اور مغلوب ہوئے ہیں وہی سزائیں ان کو بھی ملیں گی اور آخرت کا عذاب دائمی تو ہر کافر کے لیے بہر حال ہے ہی، صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں: فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ فِيْ نَصْرِ اللّٰهِ اَنْبِيَآءِهٖ وَ اَوْلِيَاءِهٖ وَ اِهْلَاكِ اَعْدَاءِهٖ (ماضی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے انبیاء اور اولیاء کی مدد اور دشمنوں کو ہلاک کرنے کا اصول واضح ہو چکا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ تکوینی قانون چلا آ رہا ہے کہ اپنے انبیاء و اولیاء کی مدد فرمائی اور اپنے دشمنوں کو ہلاک فرمایا۔ اگر تم کفر سے باز نہ آئے تو اسی تکوینی قانون کے مطابق تمہارا بھی انجام ہوگا۔

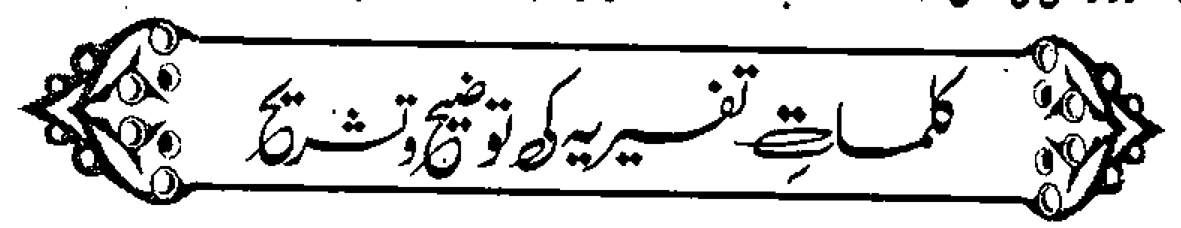
۴۱ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ اَخَذْتُمْ مِنَ الْكُفَّارِ قَهْرًا مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ يَأْمُرُ فِيْهِ بِمَا يَشَآءُ وَ
لِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى قَرَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ وَالْمُطَّلِبِ وَالْيَتٰمٰى اَطْفَالِ
الْمُسْلِمِيْنَ الَّذِيْنَ هَلَكَتْ اٰبَاؤُهُمْ وَهُمْ فُقَرَاءُ وَالْمَسٰكِيْنِ ذَوِي الْحَاجَةِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَابْنِ السَّبِيْلِ
الْمُنْقَطِعِ فِيْ سَفَرِهٖ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَيْ يَسْتَحِقُّهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاَصْنَافُ الْاَرْبَعَةُ عَلٰى
مَا كَانَ يَقْسِمُهٗ مِنْ اَنَّ لِكُلٍّ خُمُسَ الْخُمُسِ وَالْاَخْمَاسُ الْاَرْبَعَةُ الْبَاقِيَةُ لِلْغَانِمِيْنَ وَاِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ
بِاللّٰهِ فَاعْلَمُوْا ذٰلِكَ وَمَآ عَطْفٌ عَلٰى بِاللّٰهِ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ
وَالْاٰيَاتِ يَوْمَ الْفُرْقَانِ اَيْ يَوْمَ بَدْرٍ الْفَارِقِ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ الْمُسْلِمُوْنَ
وَالْكُفَّارُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۱ وَمِنْهُ نَصْرُكُمْ مَعَ قِلَّتِكُمْ وَكَثْرَتِهِمْ اِذْ بَدَلٌ مِنْ يَوْمَ اَنْتُمْ
۴۲ كَائِنُوْنَ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا الْقُرْبٰى مِنَ الْمَدِيْنَةِ وَهِيَ بِضَمِّ الْعَيْنِ وَكَسْرِهَا جَانِبُ الْوَادِيْ وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ
الْقُصْوٰى الْبُعْدٰى مِنْهَا وَالرَّكْبُ الْعِيْرُ كَائِنُوْنَ بِمَكَانٍ اَسْفَلَ مِنْكُمْ مِمَّا يَلِي الْبَحْرَ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ
اَنْتُمْ وَالنَّفِيْرُ لِلْقِتَالِ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ وَلٰكِنْ جَمَعَكُمْ بِغَيْرِ مِيْعَادٍ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ
مَفْعُوْلًا فِيْ عِلْمِهٖ وَهُوَ نَصْرُ الْاِسْلَامِ وَمَحْقُ الْكُفْرِ فَعَلَ ذٰلِكَ لِّيَهْلِكَ يَكْفُرُ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ
اَيْ بَعْدَ حُجَّةٍ ظَاهِرَةٍ قَامَتْ عَلَيْهِ وَهِيَ نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَعَ قِلَّتِهِمْ عَلَى الْجَيْشِ الْكَثِيْرِ وَّيَحْيٰى يُؤْمِنُ مَنْ
حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۴۲ اُذْكُرْ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ اَيْ نَوْمِكَ قَلِيْلًا
۴۳ فَاَخْبَرْتَ بِهٖ اَصْحَابَكَ فَسُرُّوْا وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ جَبُنْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ اِخْتَلَفْتُمْ فِي الْاَمْرِ
اَمْرِ الْقِتَالِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ كُمْ مِنَ الْفَشَلِ وَالتَّنَازُعِ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۴۳ بِمَا فِي الْقُلُوْبِ
۴۴ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا نَحْوَ سَبْعِيْنَ اَوْ مِائَةٍ وَهُمْ اَلْفٌ لِتُقْدِمُوْا
عَلَيْهِمْ وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْدِمُوْا وَلَا يَرْجِعُوْا عَنْ قِتَالِكُمْ وَهٰذَا قَبْلَ الْتِحَامِ الْحَرْبِ فَلَمَّا الْتَحَمَ
اَرٰهُمْ اِيَّاهُمْ مِثْلَيْهِمْ كَمَا فِيْ اٰلِ عِمْرَانَ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ

تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ ع

ترجمہ: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ الآیۃ اس بات کو جان لو کہ جو چیز بھی تم نے غنیمت حاصل کی (غالب ہو کر تم نے کافروں سے لی) اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے پانچ حصے کئے جائیں) اس کا پانچواں حصہ اللہ کا ہے (وہ چاہے اس کے بارے میں حکم دے گا) اور اس کے رسول کے واسطے ہیں اور آپؐ کے قرابت داروں کے واسطے ہیں (یعنی نبی کریم ﷺ کے رشتہ دار بنی ہاشم اور بنی المطلب میں سے) اور یتیموں کے لئے ہے (یعنی مسلمانوں کے ایسے لڑکے جن کے باپ مر گئے ہیں اور وہ محتاج ہیں) اور مسکینوں کے واسطے ہیں (یعنی ان فقیر محتاجوں کے لئے ہے جو مسلمان ہوں) اور مسافروں کے لئے ہے (یعنی ان مسلمانوں کے لئے جو اپنے سفر میں محتاج ہو گئے) اَیْ یَسْتَحِقُّہُ النَّبِیُّ ﷺ الآیۃ یعنی حاصل یہ ہے کہ خمس کے مستحق نبی کریم ﷺ اور اقسام اربعہ (قرابت والے۔ یتامیٰ۔ مساکین اور مسافرین) ہیں اسی پر یعنی خمس میں سے پانچواں حصہ ان مستحقین پر تقسیم کرتے تھے اور باقی چار خمس غنیمت حاصل کرنے والوں یعنی مجاہدین ومقاتلین کے لئے ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ الآیۃ اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ پر (تو اس حکم کو جان لو اور عمل کرو) اور اس چیز پر (اس کا عطف اللہ پر ہے ای وبما انزلنا) جو ہم نے نازل کیا اپنے بندہ محمد ﷺ پر (یعنی مدد ملائکہ اور معجزات) فیصلہ کے دن (جنگ بدر کے دن جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن تھا) جس دن دونوں جماعتیں (مسلمانوں اور کافروں کی) باہم مقابل ہوئی تھیں (پس اگر تم یہ یقین رکھتے ہو کہ یہ سارا مال غنیمت تم کو اللہ ہی کی امداد غیبی سے ملا ہے تو پھر اس کے نام کا پانچواں حصہ نکالنا تم پر بھاری نہ ہونا چاہئے بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ چار خمس جو ہم کو دئے جا رہے ہیں یہ بھی اس کا انعام ہے ہمارا حق نہیں، پس تم تو غنیمت کے چار خمس کو غنیمت سمجھو اور اس پر قناعت کرو اور اس سے زیادہ کا لالچ نہ کرو) "وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾" اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (اور اسی میں سے ہے تمہاری مدد کرنا تمہارے تھوڑے ہونے اور ان کافروں کے کثیر ہونے کے باوجود)۔ اِذْ اَنْتُمْ الآیۃ (کلمہ اذ بدل ہے یوم سے) یہ وہ وقت تھا کہ جب تم (اے مسلمانو! جنگ کے ادھر والے کنارہ پر تھے (جو مدینہ سے قریب تھا، العدوہ عین پر ضمہ اور کسرہ دونوں طرح قراءت ہے معنی ہے میدان کا کنارہ) اور وہ لوگ (یعنی کفار) ادھر والے کنارہ پر تھے (جو مدینہ سے دور تھا) اور قافلہ (یعنی تجارتی قافلہ ایسی جگہ تھا جو) تم سے نیچے کی طرف کو (یعنی سمندر کے کنارے جا رہا تھا)۔ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ اور اگر تم اور وہ (یعنی جنگی دستہ) وعدہ کر لیتے (یعنی پہلے سے لڑائی کا وقت مقرر کر لیتے) تو ضرور وعدہ کے پورا کرنے میں اختلاف کرتے۔ "وَلٰكِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ الآیۃ" ولیکن (اللہ نے تم دونوں کو بغیر میعاد کے بھڑا دیا) تا کہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جو ہو کر رہنا تھا) یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں اور وہ کام اسلام کی مدد اور کفر کی بربادی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کر دیا) تا کہ جو ہلاک ہو (کفر کرے) حجت قائم ہونے کے بعد ہلاک ہو (یعنی برباد ہو حجۃ ظاہرہ) واضح دلیل کے بعد جو اس پر قائم ہو چکی ہے اور وہ حجۃ اہل ایمان کی نصرت و فتح ہے ان کے قلیل ہونے کے باوجود کثیر لشکر پر) اور جو زندہ رہے (ایمان لائے) وہ بھی حجۃ قائم ہونے کے بعد زندہ رہے۔ "وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۴۲﴾" اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں۔ اِذْ یُرِیْكَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ یاد کیجئے وہ

وقت کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے خواب میں (نیند میں) آپ کو ان کافروں کو کم کر کے دکھلا دیا (پھر اپنے اصحاب کو اس خواب کی خبر دی تو وہ خوش ہو گئے۔ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ اور اگر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو وہ لوگ زیادہ دکھلا دیتے (اور آپ صحابہؓ سے فرما دیتے (تو (اے صحابہؓ) تم لوگ ضرور ہمت ہار جاتے (بزدلی کرتے) اور اس امر (قتال وجنگ) کے معاملہ میں آپس میں نزاع کرتے ولیکن اللہ نے (اس بزدلی اور اختلاف سے تم کو) بچا لیا بیشک وہ جاننے والا ہے جو باتیں سینوں میں ہیں (یعنی دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے)۔ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ الآیۃ اور (اے مسلمانو!) اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جب کہ مقابل ہوئے تمہارے دشمنوں کو تمہاری نظروں میں کم کر کے دکھلا رہے تھے (مثلاً ستر یا سو) حالانکہ وہ ایک ہزار تھے تاکہ ان پر پیش قدمی کرو اور تمہیں بھی ان کی نگاہوں میں کم کر کے دکھلا رہے تھے تاکہ وہ لوگ بھی آگے بڑھیں اور تمہارے قتال سے واپس نہ لوٹ جائیں) اور یہ نوعیت لڑائی شروع ہونے سے قبل کی تھی پھر جب لڑائی شروع ہو گئی تو کافروں کو مسلمانوں کی تعداد کو دو چند دکھلایا جیسا کہ سورۂ آل عمران میں مذکور ہے) تاکہ جو کام اللہ کو کرنا منظور تھا اس کی تکمیل کر دے اور سب مقدمے خدا ہی کی طرف رجوع کئے جائیں گے۔



قوله: خُمُسَهٗ: یہ مبتداء اور اس کی خبر ثابت محذوف ہے۔

قوله: یَا مُرْفِیْهِ: اس سے اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کا نام تو تعظیم و برکت کے لیے ذکر فرمایا اصل مقصود تو پانچ غنیمت کے حقدار کے حصص کی تقسیم ہے۔

قوله: فَاعْلَمُوْا: اس سے اشارہ کیا کہ اِنْ کی جزاء اعلموا محذوف ہے۔ فَاعْلَمُوْا اس پر دلالت کر رہا ہے۔

قوله: مَا عَطْفٌ عَلٰى بِاللهِ: یہ تقدیر یہ ہے: اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِالْمَنْزِلِ۔

قوله: كَائِنُوْنَ: اس سے اشارہ کیا کہ اَسْفَلَ ظرف ہے، اس کا موصوف محذوف ہے۔ متعلق کے اعتبار سے الرَّكْبُ کی یہ خبر ہے۔

قوله: جَمَعَكُمْ بِغَيْرِ مِيْعَادٍ: لام کا تعلق مذکور کے ذریعہ محذوف لَاخْتَلَفْتُمْ یا تَوَاعَدْتُمْ سے ہے۔ ورنہ معنی درست نہیں بنتا۔

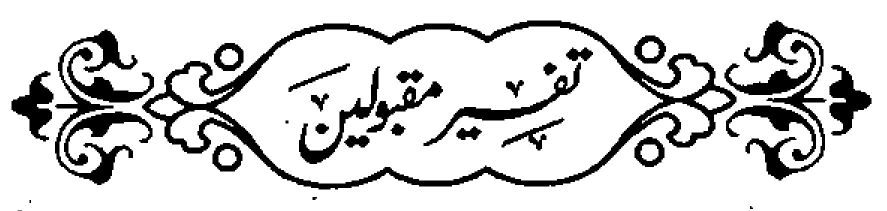
قوله: فَعَلَ ذٰلِكَ: اس سے اشارہ کیا کہ لِيَهْلِكَ کا لام مفعول سے متعلق ہے نہ کہ جمع مقدر سے۔

قوله: مَنَامِكَ: اشارہ ہے کہ یہ مصدر میمی ہے، ظرف نہیں۔

قوله: اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ: دونوں ضمائر یری کا مفعول ہیں۔

قوله: اِيَّاهُمْ: مسلمان مراد ہیں، ارائت کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور رؤیت کا فاعل کفار ہیں اور مفعول اَلْمُؤْمِنُوْنَ ہیں۔





وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ....

اموال غنیمت کے مستحقین کا بیان:

کافروں سے جب جہاد کیا جاتا ہے تو ان کے اموال بھی قبضہ میں آ جاتے ہیں ان اموال کو شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں مال غنیمت کہا جاتا ہے۔ سابقہ امتوں کے مسلمان جب کافروں سے جہاد کرتے تھے اور ان کے اموال قابو میں آ جاتے تھے تو ان اموال کو آپس میں تقسیم کر لینے کا شرعی قانون نہیں تھا بلکہ آسمان سے آگ نازل ہوتی تھی جو غنیمت کے اموال کو جلا کر خاکستر کر دیتی تھی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے امت محمدیہ پر کرم فرمایا اور رحم فرمایا کہ انہیں اموال غنیمت آپس میں تقسیم کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ قال النبی (ﷺ) فلم یحل الغنائم لاحد من قبلنا ذلک بان اللہ رای ضعفنا وعجزنا فطیبها لنا۔ (رواہ مسلم ص ۸۵ ج ۲)

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم سے پہلے کسی کے لیے مال غنیمت حلال نہیں تھا (ہمارے لیے حلال) اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری کمزوری اور ہماری درماندگی کو دیکھا تو ہمارے لیے مال غنیمت حلال کر دیا)۔

کافروں کا جو مال جنگ میں حاصل کر لیا جائے اس کی تقسیم کے بارے میں شریعت اسلامیہ میں جو احکام ہیں ان میں سے ایک حکم اس آیت میں بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ کل مال غنیمت میں سے اولاً پانچواں حصہ علیحدہ کر لیا جائے اور اس کے بعد باقی چار حصے مجاہدوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ یہ پانچواں حصہ کس پر خرچ ہوگا اس کے بارے میں فرمایا۔

(فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ....

مفسرین نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ذکر تبرکاً ہے۔ اس خمس کے مستحقین وہ لوگ ہیں جو بعد میں ذکر کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز کا محتاج نہیں لیکن چونکہ اس نے قانون کے مطابق تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ سے شروع فرمایا۔ اس کے بعد اس پانچویں حصہ کے مستحقین بیان فرمائے۔ (وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ)

یعنی مال غنیمت کے اس پانچویں حصہ کا مصرف رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے اور آپ کے رشتہ دار اور یتیم ہیں اور مسکین ہیں اور مسافر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد آپ کا حصہ ساقط ہو گیا۔ اب رہے آپ کے ذوی القربیٰ یعنی رشتہ دار تو ان کا حصہ بھی صرف آپ ہی کی موجودگی تک تھا۔

اب آپ کی رشتہ داری کے عنوان سے ان حضرات کا حصہ مستقل نہیں رہا۔ اس لیے آپ کی رشتہ داری کے عنوان سے ان حضرات کو کچھ نہیں ملے گا البتہ بعد میں جو تین مصرف ذکر کیے گئے ہیں یعنی یتامیٰ اور مساکین اور ابن السبیل کے ذیل میں

ان حضرات کو بھی مل جائے گا بلکہ ان کو دوسرے یتامیٰ اور مساکین پر ترجیح دی جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اب مال غنیمت سے جو خمس نکالا جائے گا وہ امیر المؤمنین اپنی صوابدید کے مطابق یتامیٰ اور مساکین اور مسافرین پر خرچ کرے گا۔ اغنیاء ذوی القربیٰ کو نہیں دیا جائے گا۔ ان میں جو فقراء یا یتامیٰ یا ابن السبیل ہوں گے ان پر بھی خرچ کیا جائے گا۔ مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر ہر یتیم اور ہر ہر مسکین اور ہر ہر مسافر کو میراث کی طرح حصہ پہنچایا جائے بلکہ امیر المومنین اپنی صوابدید سے ان مصارف میں خرچ کرے۔ ذوی القربیٰ کے بارے میں یہاں جو مسئلہ لکھا گیا یہ فقہاء حنفیہ کی تحقیق کے مطابق ہے۔

خمس کے مصارف بیان فرمانے کے بعد فرمایا: (اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ) یعنی اگر تمہارا اللہ پر ایمان ہے اور اس پر بھی ایمان ہے کہ فیصلہ کے دن جو تمہاری جیت ہوئی وہ ہماری امداد غیبی کی وجہ سے ہوئی تو بلا تردد اور بلا تامل مال غنیمت کے پانچویں حصہ کو مصارف مذکورہ میں خرچ کرو۔ تمہیں اس پانچویں حصہ کا نکالنا ناگوار نہ ہونا چاہیے۔ یہ ساری غنیمت اللہ کی امداد غیبی سے حاصل ہوئی۔ لہٰذا خوش دلی سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرو۔ یہ خمس نکالنا نفسوں پر شاق نہ ہونا چاہیے۔

یوم الفرقان:

یوم بدر کو یوم الفرقان یعنی فیصلہ کا دن فرمایا اور یہ اس لیے کہ بدر میں اہل ایمان اور اہل کفر کا مقابلہ ہوا تو مومنین کی تعداد کافروں کے مقابلے میں بہت کم ہونے کے باوجود کافروں کو شکست فاش ہوئی اور کھل کر بات سامنے آ گئی کہ دین اسلام حق ہے کفر باطل ہے اور یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

بہت سے عرب قبائل اس سے پہلے اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا تھے اور یہ مشورے کیا کرتے تھے کہ دیکھو مکہ والوں کے ساتھ اہل اسلام کا کیا معاملہ ہوتا ہے اور انجام کار کس کی طرف ہوگا اہل اسلام غالب ہوتے ہیں یا مشرکین مکہ ہی غالب رہتے ہیں۔ غزوۂ بدر کی فتح یابی دیکھ کر ایسے لوگوں کی بھی آنکھیں کھل گئیں اور ان کی سمجھ میں آ گیا کہ واقعی مشرکین کا عناد اور کفر وشرک پر جمنا باطل چیز ہے۔ فسبحان من اعلی کلمته و نصر حزبه وهزم الاحزاب وحده۔ (پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے کلمہ کو بلند کیا اور اپنی جماعت کی مدد کی اور اسی اکیلے نے لشکروں کو شکست دیدی)۔

آیت کے ختم پر فرمایا: (وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ) جس میں یہ بتا دیا کہ تمہیں جو کچھ فتح حاصل ہوئی اور مال غنیمت حاصل ہوا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوا اگر تمہیں کچھ بھی نہ دیا جاتا تب بھی راضی رہنا تھا اب جبکہ زیادہ تمہیں دے دیا، یعنی ۵/۴ حصے تمہیں مل گئے اور ۵/۱ دوسرے مصارف میں خرچ کرنے کا حکم دیا تب تو بطریق اولیٰ نفسوں کی خوشی کے ساتھ راضی ہونا چاہیے۔ پھر یہ مصارف کون ہیں اپنے ہی اندر کے لوگ ہیں۔ یتامیٰ، مساکین اور مسافرین تمہاری اپنی جماعت کے ہیں۔ یہ مال اور کہیں نہیں گیا تمہارے اپنوں ہی میں خرچ ہوا اس اعتبار سے بھی یہ اموال تم ہی کو مل گئے۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى....

بدر میں محاذ جنگ کا نقشہ اور اللہ تعالیٰ کی مدد:

ان آیات میں اول تو غزوۂ بدر کے محاذ جنگ کا نقشہ بتایا ہے پھر اپنے انعامات ذکر فرمائے ہیں جو غزوۂ بدر کے دن مسلمانوں کے فتح یاب ہونے کا ذریعہ بنے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ مشرکین مکہ نے مقام بدر میں پہنچ کر ایسی جگہ پر قیام کیا تھا جو مدینہ سے دور ہے اور وہ لوگ ایسی جگہ لے چکے تھے جو بظاہر محاذ جنگ کے لیے زیادہ مناسب تھی جب مسلمان پہنچے تو ان کو نیچے والی جگہ ملی یہ جگہ ریتلی تھی اور مدینہ سے قریب تھی اور تیسری جماعت یعنی ابوسفیان کا تجارتی قافلہ وہ اس جگہ سے نیچے کی طرف تھا۔ کیونکہ یہ لوگ ساحل سمندر پر چل رہے تھے جو مقام بدر سے تین میل دور تھا۔ پہلے سے مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان آپس میں جنگ کرنے کا نہ خیال تھا اور نہ کوئی اس کا وقت مقرر تھا۔ مسلمان ابوسفیان کے قافلے کا پیچھا کرنے کے لیے نکلے تھے اور شدہ شدہ بدر تک پہنچے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا پہلے سے فیصلہ تھا کہ ایمان اور اہل ایمان بلند ہوں اور فتح یاب ہوں اور کفر اور کافر نیچا دیکھیں اور شکست کھائیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسی تدبیر فرمائی کہ دونوں جماعتیں پیشگی بات چیت کے بغیر جمع ہو گئیں اور ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی تھی کہ سرور دو عالم ﷺ نے خواب دیکھا کہ مشرکین کی تعداد کم ہے۔ جب یہ بات حضرات صحابہؓ کے سامنے آئی تو ان کا حوصلہ بلند ہو گیا اور جنگ کرنے کے لیے دل سے آمادہ ہو گئے۔ اگر ان کی تعداد زیادہ دکھائی جاتی تو مسلمانوں میں بزدلی آ جاتی اور آپس میں اختلاف کرتے کہ جنگ کے لیے آگے بڑھیں یا پیچھے ہٹیں، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مسلمانوں کے حوصلے بلند فرما دیے اور بزدلی اور کم ہمتی سے بچا لیا اور باہمی اختلاف سے محفوظ رکھا۔ اسی کو فرمایا: (وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ) اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: (اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ) جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب کے دلوں کا حال معلوم ہے کس کو اللہ سے محبت ہے اور کس کا رخ آخرت کی طرف ہے اور کون دنیا کا طالب ہے اور کون بزدل ہے اور کون دلاور ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مزید یہ کرم فرمایا کہ جب مقابلہ کا وقت آیا اور مڈبھیڑ ہو گئی تو مسلمانوں کی آنکھوں میں کافروں کو اور کافروں کی آنکھوں میں مسلمانوں کو کم تعداد میں دکھایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان شجاعت اور بے جگری سے لڑے اور کفار بھی یہ سمجھ کر لڑے کہ یہ تھوڑے سے لوگ ہیں ان کو ختم کرنا آسان ہے پھر انجام یہ ہوا کہ کافر مغلوب ہوئے اور شکست کھائی اور مسلمان غالب ہوئے اور فتح پائی اور اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ مقرر اور مقدر تھا اسی کے مطابق ہو کر رہا۔ معالم التنزیل (ص ۲۵۳ ج ۲) میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ بدر کے دن مشرکین کی تعداد ہماری آنکھوں میں اس قدر کم ہو گئی تھی کہ میں نے ایک ساتھی سے پوچھا جو میرے پہلو میں تھا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ لوگ ستر تو ہوں گے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے خیال میں سو ہیں۔ اس کے بعد ہم نے مشرکین میں سے ایک شخص کو قید کر لیا اور اس سے پوچھا تمہاری کتنی تعداد ہے تو اس نے کہا کہ ایک ہزار کی نفری ہے۔

یہ جو فرمایا: (لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ) اس میں یہ بیان کیا کہ واقعہ بدر میں دین اسلام

کی کھلی اور واضح حقانیت ظاہر ہوگئی اور کفر وشرک کے باطل ہونے کا خوب واضح طریقہ پر لوگوں کو علم ہوگیا۔ اب بھی جو شخص ہلاک ہوگا یعنی کفر پر جمار ہے گا وہ حجت تمام ہونے کے بعد اس کو اختیار کرے گا اور جو شخص ایمان پر پختگی کے ساتھ جمار ہے گا۔ وہ بھی حجت کے ساتھ دین حق پر رہے گا۔ ہلاکت سے کفر پر باقی رہنا اور حیات سے اسلام پر جمار ہنا اور اسلام قبول کرنا مراد ہے۔ حق واضح ہوجانے کے بعد ہر طرح کی غلط فہمی کا احتمال ختم ہوگیا، اب کافر دیکھتی آنکھوں دہکتی آگ میں جائے گا اور خود اپنی ہلاکت کے راستہ کو اختیار کرے گا اور جو شخص اسلام پر جمے گا اور اسی طرح جو کافر اسلام قبول کرے گا وہ بھی دلیل و حجت کے ساتھ دین حق پر مستقیم ہوگا۔ (انوار البیان)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً جماعةً كافرةً فَاثْبُتُوْا لِقتالِهم ولا تنهزموا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا ادعوه بالنصر لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ تفوزون وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا تختلفوا فيما بينكم فَتَفْشَلُوْا تجبنوا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ قوتكم ودولتكم وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ بالنصر والعون وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ ليمنعوا عيرهم ولم يرجعوا بعد نجاتها بَطَرًا وَّرِئَاۗءَ النَّاسِ حيث قالوا لا نرجع حتى نشرب الخمور وننحر الجزور وتضرب علينا القيان ببدر فيتسامع بذلك الناس وَيَصُدُّوْنَ الناس عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بالياء والتاء مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾ علمًا فيجازيهم به وَ اذكر اِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ ابليس اَعْمَالَهُمْ بأن شجعهم على لقاء المسلمين لما خافوا الخروج من اعدائهم بني بكر وَقَالَ لهم لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّىْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ من كنانة وكان اتاهم في صورة سراقة بن مالك سيد تلك الناحية فَلَمَّا تَرَاۗءَتِ الْفِئَتٰنِ المسلمة والكافرة ورأى الملئكة وكان يده في يد الحارث بن هشام نَكَصَ رجع عَلٰي عَقِبَيْهِ هاربا وَقَالَ لما قالوا له اتخذلنا على هذه الحال اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكُمْ من جواركم اِنِّىْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ من الملئكة اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ ان يهلكني وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم کسی جماعت (یعنی کافروں کی جماعت) کے مقابل ہوا کرو تو ثابت قدم رہو (ان کے مقابلہ پر جمے رہو اور بھاگو مت اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو (اسی سے مدد کے لئے دعاء کرو) تا کہ تم فلاح پاؤ (کامیاب ہو) اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں نزاع نہ کرو (اگر تم آپس میں اختلاف کرو گے) تو تم بے ہمت ہو جاؤ

گے (بزدل ہو جاؤ گے) اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گا (یعنی تمہاری قوت اور دولت جاتی رہے گی) اور صبر کرو بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں (نصرت و مدد کے ذریعہ۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا الآیۃ اور تم ان (کافر) لوگوں کے مانند نہ بنو جو اپنے گھروں سے نکلے تاکہ روک دیں اپنے غیر کو۔ وَلَمْ يَرْجِعُوا بَعْدَ نَجَاتِهَا، یعنی قافلہ تجارت بچ جانے کے بعد واپس نہیں لوٹے) بَطَرًا وَّرِئَاءَ النَّاسِ اتراتے ہوئے اور لوگوں کو (اپنی شان و سامان) دکھلاتے ہوئے کافروں نے کہا: لَا نَرْجِعُ حَتّٰى نَشْرَبَ الْخُمُوْرَ الآیۃ یعنی ہم واپس نہیں لوٹیں گے یہاں تک کہ میدان بدر میں ہم لوگ شرابیں پئیں اونٹوں کو ذبح کر دیں گانے والیوں سے گانے سنیں اور اس کو سارے لوگ سنیں۔ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور روکتے ہیں (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے اور اللہ ان کے اعمال کو (اپنے علم کے) احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ يَعْمَلُوْنَ یاء کے ساتھ ہے، تاء کے ساتھ ہے۔ (چنانچہ اللہ ان لوگوں کو اس کی سزا دے گا)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

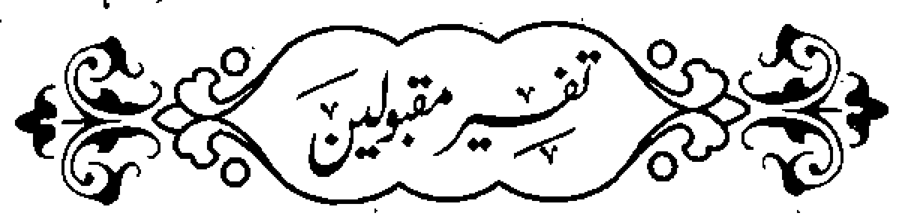
قوله: جَمَاعَةً كَافِرَةً: یہاں مقصود کافر گروہ کی نشاندہی تھی مگر فِئَةً کے ساتھ کافرہ فرمانے کی ضرورت نہیں سمجھی کیونکہ مسلمانوں کا ٹکراؤ ہی کفار سے تھا۔

قوله: وَدَوْلَتُكُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ ریح کا لفظ یہاں دولت و قوت کے لیے مستعار استعمال ہوا اور اس کے معاملات کا چلنا اور نافذ ہونا یہ نفع کے چلاؤ کی طرح ہے۔

قوله: بَطَرًا: تکبر کرنا، فخر میں مبتلا ہونا۔

قوله: اَلْقِيَانُ: جمع قینة۔ گانے والی لونڈی، گلوکار۔

قوله: اَنْ يُّهْلِكَنِيْ: یہاں خوف سے ہلاکت کا خوف مراد نہیں بلکہ خوف ہلاکت مراد ہے۔



يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً ....

ذکر آداب جہاد و قتال:

(ربط): اوپر سے بدر کے واقعات اور جہاد و قتال کے احکام کا ذکر چلا آ رہا ہے اب ان آیات میں مسلمانوں کو جہاد کے ظاہری و باطنی آداب کی تعلیم دی جاتی ہے کہ جہاد و قتال کے وقت ان امور کو خاص طور پر ملحوظ رکھیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو جب تم اس بات پر ایمان رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ضعیف اور ناتواں اور بے سروسامان کو قوی اور ساز و سامان والے پر

غلبہ عطا کرنے پر قادر ہے اور جنگ بدر میں تم اس کا مشاہدہ بھی کر چکے ہو لہٰذا تم کو کافروں کے مقابلہ میں ضعیف اور کمزور نہ بننا چاہئے بلکہ جب کافروں کی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو چند باتوں کا خیال رکھو اول تو یہ کہ تم ثابت قدم رہو اور ان کے مابلہ پر جمے رہو اور فرار کا خیال بھی دل میں نہ لاؤ اور دوم یہ کہ اللہ کو کثرت سے یاد کرو جس کے لیے اس کے دشمنوں سے جہاد و قتال کر رہے ہو اس کی یاد سے غافل نہ ہو تا کہ تم فلاح پاؤ ثابت قدمی اور ذکر الٰہی سے فتح حاصل ہوتی ہے ذکر الٰہی کی تاثیر یہ ہے کہ اس سے ذاکر کا دل مضبوط اور مطمئن ہو جاتا ہے جس کی جہاد میں خاص طور پر ضرورت ہے۔ کما قال تعالیٰ الذین امنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب اور ذکر میں زبان اور دل دونوں جمع ہو جائیں تو بہتر ہے اور ذکر میں دعا بھی داخل ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے اصحاب طالوت کی یہ دعا ذکر کی ہے۔ ربنا افرغ علینا صبرا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین۔ اور سوم یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اطاعت کی برکت سے فتح نصیب ہوگی۔ چنانچہ صحابہ کرام کو باوجود بے سرو سامانی کے فارس اور روم پر جو فتح نصیب ہوئی وہ اسی اطاعت کی برکت تھی اور چہارم یہ کہ آپس میں نزاع نہ کرو ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا خیزی ہو جائے گی۔ جس سے تمہارا رعب ان کے دل سے نکل جائے گا چنانچہ جب جنگ احد میں مسلمانوں نے آپس میں نزاع کیا تو ان میں بزدلی آگئی اور دشمن کے مقابلہ سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے مطلب یہ ہے کہ اگر تم آپس میں اختلاف کرو گے تو تم میں بزدلی آ جائے گی اور تمہاری قوت کمزور پڑ جائے گی اور دشمنوں پر جو تمہاری دھاک بیٹھی ہوئی وہ جاتی رہے گی اور پنجم یہ کہ تم تکالیف جنگ میں صبر اور تحمل سے کام لو بیشک اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے اور وہ ان کا حافظ و ناصر ہے اور ششم یہ کہ تم ان لوگوں کے مانند نہ بنو جو اپنے گھروں سے اتارتے اور اکڑتے ہوئے اور اپنی شجاعت پر فخر کرتے ہوئے نکلے یعنی جس طرح کافر جنگ بدر میں غرور کرتے ہوئے آئے تھے اس طرح تم لڑائی کے وقت غرور نہ کیا کرو اور ہفتم یہ کہ تم ان لوگوں کے مشابہ بھی نہ بنو جو اپنے گھروں سے لوگوں کو دکھلانے کے لیے نکلے تا کہ لوگ ان کی شجاعت کی تعریف کریں جب تم خدا کے دشمنوں سے لڑنے نکلے ہو تو ان کے تشبہ سے اپنے کو محفوظ رکھو اور یہ مغرور اور ریا کار لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں لوگوں کو دین الٰہی سے باز رکھنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ ان کے اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں قیامت کے دن ان کو ان کے اعمال کی سزا دے گا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب ابو سفیان مسلمانوں کی زد سے نکل گیا تو اس نے قریش کو یہ پیغام بھیجا کہ تم لوگ اپنے قافلہ کی امداد کے لیے اپنے گھر سے نکلے تھے سو قافلہ مسلمانوں کی زد سے صحیح بدر سے نکل گیا ہے لہٰذا تم واپس لوٹ جاؤ۔ ابوجہل بولا کہ ہم ضرور بدر جائیں گے آج کل وہاں میلے کے دن ہیں وہاں ہم تین روز رہیں گے اور اونٹوں کو ذبح کریں گے مسافروں کو کھانا کھلائیں گے۔ شرابیں پئیں گے ڈومنیاں ہمارے سر پر گائیں گی اور اس سے پہلے ہم محمد اور ان کے یاروں کا کام تمام کر چکے ہوں گے۔ ہماری عظمت اور بڑائی کا ڈنکہ تمام عرب میں بج جائے گا۔ اور ہماری ہیبت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جائے گی۔ اس تکبر اور غرور کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب بدر میں آئے تو انہوں نے شراب کے بجائے موت کے جام پیے اور ڈومنیوں کی بجائے عورتوں نے ان پر نوحہ کیا۔ خدا تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ تم اپنے گھروں سے کافروں کی طرح نہ نکلو، جو بڑائی مارتے اور ریا کاری کرتے ہوئے نکلتے ہیں تم تو اللہ

کے دین کی حمایت اور نصرت کے لیے نکلو اور خوب یاد رکھو کہ بڑائی اور خود بینی اور ریا کاری اور فخر و غرور اور نمایش اور نمود اسباب فتح و نصرت سے نہیں بلکہ تزئین شیطانی ہے پس اگر اس کو سمجھنا چاہتے ہو تو اس وقت کو یاد کرو کہ جب شیطان نے کافروں کی نظر میں ان کے اعمال کو خوش نما اور آراستہ کر کے دکھلایا اور اس باب قہر و ذلت کو اسباب فتح و نصرت کر کے دکھلایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں ان کی قوت کو ان کی نظروں میں اس قدرت نمایاں کیا کہ وہ بالکلیہ اس پر اعتماد کر بیٹھے اور اس قدر مبالغہ کیا کہ شیطان نے ان سے یہ کہ آج آدمیوں میں تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا تمہارا لشکر بڑا آراستہ و پیراستہ ہے اور میں تمہارا پناہ دینے والا ہوں، جب قریش نے بدر کی روانگی کا قصد کیا تو ان کو بنی بکر بن کنانہ کی طرف سے اندیشہ ہوا کیونکہ قریش نے بنی کنانہ کے ایک آدمی کو قتل کیا کر دیا تھا اور ان دونوں قبیلوں میں دشمنی اور جنگ کا سلسلہ قائم تھا۔ اور چھیڑ چھاڑ جاری تھی۔ اس لیے قریش کو اندیشہ ہوا کہ مبادا بنی کنانہ راستہ میں آڑے نہ آئیں۔ ابلیس کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ بنی کنانہ کے اندیشہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لیے نکلنے میں پس و پیش کر رہے ہیں تو فوراً شیطان ان کی ہمت بڑھانے کے لیے بنی کنانہ کے سردار سراقہ بن مالک کی صورت بنا کر ان کے پاس آیا اور کہا کہ تم گھبراؤ نہیں بنی کنانہ کی طرف سے تم کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اس کا میں ذمہ دار ہوں اور تم میری پناہ میں ہو آج تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ اس طرح شیطان نے ابوجہل وغیرہ کو اطمینان دلایا۔ قریش نے جب دیکھا کہ بنی کنانہ کا سرداران کے ساتھ ہے تو ان کا اندیشہ جاتا رہا اور ان کی ہمت بڑھ گئی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے پر جا ڈٹے۔ پس جب میدان بدر میں پہنچ گئے اور دونوں جماعتیں مسلمانوں کی اور کافروں کی آمنے سامنے ہوئیں اور شیطان کو جبریل اور فرشتے آسمان سے اترتے ہوئے نظر آئے تو شیطان الٹے پاؤں پیچھے ہٹا اور کہا میں تم سے بیزار اور بے تعلق ہوں بے شک میں اس چیز کو دیکھ رہا ہوں جس کو تم نہیں دیکھتے یعنی میں دیکھتا ہوں کہ فرشتے مسلمانوں کی مدد کو آ رہے ہیں۔ تحقیق میں اللہ سے ڈر رہا ہوں کہ کہیں قیامت سے پہلے ہی نہ پکڑ لیا جاؤں اور اللہ کا عذاب سخت ہے باوجود مہلت کے بھی چھوٹا موٹا عذاب دنیا میں مجھے دے سکتا اور دنیا میں مجھ کو جو مہلت دی گئی ہے۔ وہ عذاب اخروی کے اعتبار سے ہے جو عذاب دنیوی کے لحاظ سے بہت ہی شدید ی ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ معلون نے جھوٹ بولا اس کے دل میں خدا کا خوف نہ تھا اس نے دیکھ لیا کہ قریش کا لشکر ہلاکت کے بھنور میں پھنس چکا ہے اور اس کی قدیم عادت ہے کہ وہ اپنے متبعین کو دھوکہ دے کر اور ہلاکت میں پھنسا کر عین وقت پر کھسک جاتا ہے۔ اسی عادت کے مطابق یہاں بھی کیا۔

کما قال اللہ تعالی: یعدھم عیمنیھم وما یعدھم الشیطان الا غرورا (نساء)

جب مسلمانوں اور کافروں میں لڑائی ہونے لگی تو ابلیس لعین حارث بن ہشام کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔ جب اس نے آسمان سے فرشتوں کو اترتے ہوئے دیکھا تو حارث کا ہاتھ جھٹک کر بھاگنے لگا حارث بولا کہ اے سراقہ تو ہم کو ایسے حال میں چھوڑ کر بھاگتا ہے۔ ابلیس نے اس کے سینہ پر ہاتھ مارا اور کہا کہ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں میں وہ چیز دیکھتا ہوں جو تم کو نظر نہیں آتی اور میں اللہ سے ڈرتا ہوں اس کا بھاگنا تھا کہ کافروں نے شکست کھائی۔ بدر کے بھگوڑے جب کہ مکہ پہنچے تو وہاں

جا کر یہ کہا کہ ہم کو سراقہ نے شکست دلائی اور سراق کے پاس کہلا کر بھیجا کہ تو نے ہم کو شکست دلائی جب یہ خبر سراقہ کے پاس پہنچی تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ مجھے تو اتنی بھی خبر نہیں کہ تم لڑائی کے ارادہ سے نکلے تھے ہاں جب تم شکست کھا کر واپس آئے اس وقت مجھ کو تمہاری لڑائی اور شکست کا حال معلوم ہوا قریش نے کہا کہ کیا تو فلانے فلانے روز ہمارے پاس نہیں آیا تھا اور کیا تو نے ہم سے یہ باتیں نہیں کی تھیں۔ اس نے قسم کھائی کہ مجھے ان باتوں کی ذرا بھی خبر نہیں۔ تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ شیطان تھا جو سراقہ کی شکل میں ظاہر ہوا تھا اور ابلیس کا یہ قصہ روایات کثیرہ سے ثابت ہے جس کو ابن کثیر نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد اور قتادہ اور ضحاک اور سدی اور محمد بن اسحاق رحمہم اللہ وغیرہم سے نقل کیا ہے۔

(دیکھو تفسیر ابن کثیر ص 317 جلد 2 اور تفسیر قرطبی ص 26 ج 8)

آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ تزئین شیطانی کفار مکہ ہی میں منحصر نہیں بلکہ مدینہ کے منافقین بھی اس میں مبتلا ہیں اور ان کے دل میں جو نفاق کی بیماری وہ اس تزئین شیطانی کا اثر ہے چونکہ بدر کی لڑائی میں مسلمان بہت کم تھے اور سامان جنگ بھی نہ تھا اس لیے منافق یہ کہنے لگے کہ ان لوگوں کے ان کے دین نے غرہ میں ڈال دیا تین سو آدمی ایک ہزار کافروں کے لشکر جرار سے لڑنے جا رہے ہیں ان لوگوں کی نظر ظاہری اسباب پر تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی یاد کرو اس وقت کو کہ جب مدینہ کے منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں شک اور کفر کا روگ تھا جیسے اہل مکہ، یہ کہنے لگے کہ ان مسلمانوں کو ان کے دین نے غرہ اور دھوکہ میں رکھا ہے یعنی یہ مسلمان اپنے دین حقانیت پر اس قدر مغرور ہیں کہ تھوڑے سے آدمی اپنے سے سہ چند سے لڑنے پر تیار ہیں یہ ان کے دین نے دھوکہ اور فریب دیا ہے کہ جو خدا کی راہ میں لڑے گا اس کو جنت میں ایسا اور ایسا ملے گا۔ خیر آخرت میں تو انہیں جیسا ملے گا ویسا ملے گا مگر دنیا میں تو یہ اپنی جان سے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ یہ غرہ اور غرور نہیں بلکہ توکل ہے اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے گا تو اللہ وہم و گمان سے بڑھ کر اس کی مدد کرے گا کیونکہ بیشک اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے وہ اپنے پر بھروسہ کرنے والوں کو غلبہ دینے پر قادر ہے اور اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے بے سروسامان دوستوں کو دشمنوں کے لشکر جرار پر فتح دے۔

واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون

(معارف القرآن مولانا ادریس کاندھلوی)

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ضَعْفُ اِعْتِقَادٍ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ اَيِ الْمُسْلِمِيْنَ دِيْنُهُمْ ۭ اِذْ خَرَجُوْا مَعَ قِلَّتِهِمْ يُقَاتِلُوْنَ الْجَمْعَ الْكَثِيْرَ تَوَهُّمًا اَنَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ بِسَبَبِهٖ قَالَ تَعَالٰى فِيْ جَوَابِهِمْ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ يَثِقْ بِهٖ يَغْلِبْ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ حَكِيْمٌ ۝۴۹ فِيْ صُنْعِهٖ وَلَوْ تَرٰٓى يَا مُحَمَّدُ اِذْ يَتَوَفَّى بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يَضْرِبُوْنَ حَالٌ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ

بِمَقَامِعَ مِنْ حَدِيْدٍ وَيَقُوْلُوْنَ لَهُمْ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ اَيِ النَّارِ وَجَوَابُ لَوْ لَرَأَيْتَ اَمْرًا عَظِيْمًا
ذٰلِكَ التَّعْذِيْبُ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ عَبَّرَ بِهَا دُوْنَ غَيْرِهَا لِاَنَّ اَكْثَرَ الْاَفْعَالِ تُزَاوَلُ بِهَا وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ
بِظَلَّامٍ اَيْ بِذِيْ ظُلْمٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ فَيُعَذِّبُهُمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ دَابُ هٰؤُلَاءِ كَدَاْبِ كَعَادَةِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِالْعِقَابِ بِذُنُوْبِهِمْ جُمْلَةُ كَفَرُوْا وَمَا بَعْدَهَا مُفَسِّرَةٌ
لِمَا قَبْلَهَا اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَلٰى مَا يُرِيْدُهٗ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ذٰلِكَ اَيْ تَعْذِيْبُ الْكَفَرَةِ بِاَنَّ اَيْ بِسَبَبِ اَنَّ
اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ مُبْدِلًا لَهَا بِالنِّقْمَةِ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ يُبَدِّلُوْا
نِعْمَتَهُمْ كُفْرًا كَتَبْدِيْلِ كُفَّارِ مَكَّةَ اِطْعَامَهُمْ مِنْ جُوْعٍ وَاَمْنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ وَبَعْثَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ بِالْكُفْرِ وَالصَّدِّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقِتَالِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ كَدَاْبِ اٰلِ
فِرْعَوْنَ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ
قَوْمَهٗ مَعَهٗ وَ كُلٌّ مِنَ الْاُمَمِ الْمُكَذِّبَةِ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ وَنَزَلَ فِيْ قُرَيْظَةَ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ اَنْ لَا يُعِيْنُوا الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ
فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ عَاهَدُوْا فِيْهَا وَّ هُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝ اللّٰهَ فِيْ غَدْرِهِمْ فَاِمَّا فِيْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِيْ
مَا الزَّائِدَةِ تَثْقَفَنَّهُمْ تَجِدَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ فَرِّقْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ مِنَ الْمُحَارِبِيْنَ بِالتَّنْكِيْلِ بِهِمْ
وَالْعُقُوْبَةِ لَعَلَّهُمْ اَيِ الَّذِيْنَ خَلْفَهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ يَتَّعِظُوْنَ بِهِمْ وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ عَاهَدُوْكَ
خِيَانَةً فِي الْعَهْدِ بِاَمَارَةٍ تَلُوْحُ لَكَ فَانْبِذْ اِطْرَحْ عَهْدَهُمْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ حَالٌ اَيْ مُسْتَوِيًا اَنْتَ وَ
هُمْ فِي الْعِلْمِ بِنَقْضِ الْعَهْدِ بِاَنْ تُعْلِمَهُمْ بِهٖ لِئَلَّا يَتَّهِمُوْكَ بِالْغَدْرِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝ ع۱۰

ترجمہ: وَلَوْ تَرٰى (الآیۃ) اور اگر (اے محمد ﷺ) آپ اس وقت کو دیکھتے کہ جب فرشتے ان کافروں کی روحیں قبض کرتے ہیں (یَتَوَفّٰی یاء کے ساتھ اور تاء کے ساتھ ہے اور یَضْرِبُوْنَ حال ہے اور (روح قبض کرتے وقت) ان کے منہ پر اور ان کی پشتوں پر (لوہے کے گرز) مارتے جاتے ہیں اور (ان سے کہتے جاتے ہیں کہ) اب جلانے والے عذاب کا (یعنی دوزخ کے عذاب کا) مزہ چکھو (اور لَوْ کا جواب لَرَاَیْتَ اَمْرًا عَظِیْمًا محذوف ہے) ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ

(اور) یہ عذاب دیا جانا ان اعمال (کفریہ) کی وجہ سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے پیشگی کر رکھے تھے (ان اعمال بد کی نسبت صرف ہاتھوں کی طرف کرنا کسی دوسرے عضو کی طرف نہ کرنا اس لئے ہے کہ اکثر کام ہاتھوں ہی سے کئے جاتے ہیں) اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ فَيُعَذِّبَهُمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ کہ بلا قصور ہی سزا دے دیں۔ كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ الآیۃ (ان کی عادت مشابہ ہے آل فرعون کے اور ان لوگوں کے جو ان سے پہلے ہوئے ہیں (جیسے قوم عاد اور قوم ثمود کہ انہوں نے آیات الٰہی سے کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے انکو ان کے گناہوں کے سبب (سزا) میں پکڑ لیا (جملہ کفروا آیات اللہ اپنے ماقبل جملہ دَابُ هٰؤُلَاءِ كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ کی تفسیر ہے) بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والے ہیں (اپنے ارادہ پر (سخت سزا) دینے والے ہیں یہ بات (یعنی کافروں کو عذاب دیا جاتا) اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کسی ایسی نعمت کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو نہیں بدلتے جب تک کہ وہ ہی لوگ اپنے ذاتی اعمال کو نہیں بدل ڈالتے۔ اللہ کی نعمت کی ناشکری کر کے۔ وَنَزَلَ فِي قُرَيْظَةَ الآیۃ بنی قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ "اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ الآیۃ" بلاشبہ بدترین حیوانات اللہ کے نزدیک یہ کافر ہیں پس یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں یہ لوگ ہیں جن سے آپ عہد لے چکے ہیں (کہ مشرکین کی مدد نہیں کریں گے) پھر بھی وہ اپنے عہد کو توڑتے رہتے ہیں (جب بھی انہوں نے اس سلسلے میں عہد کیا) اور وہ (اللہ سے) ڈرتے نہیں ہیں (اپنے عہد توڑنے میں)۔ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ الآیۃ۔ سو اگر (اما اس لفظ میں ان شرطیہ کے نون کا ما زائدہ میں ادغام ہوا ہے یعنی اما اصل میں ان ما تھا ادغام کے بعد اما ہو گیا) آپ لڑائی میں ان لوگوں پر قابو پا جائیں (اور یہ لوگ آپ کے ہاتھ آ جائیں) ان لوگوں کو منتشر کر دیں (ان کو عبرتناک سزا کے ذریعہ متفرق کر دیں) ان لوگوں کو جو ان کے پیچھے ہیں یعنی جو لوگ لڑنے والے ہیں۔ شاید کہ وہ لوگ (یعنی جو لوگ ان کے پیچھے ہیں) ان کی سزا دیکھ کر نصیحت اور عبرت پکڑیں۔ وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ الآیۃ۔ اور اگر آپ کو کسی (معاہد) جماعت سے خیانت (فِي الْعَهْدِ یعنی عہد شکنی) کا اندیشہ ہو (ایسی علامت سے جو آپ کے سامنے ظاہر ہو جائے) تو آپ ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیں (ان کے عہد کو انہیں واپس کر دیں یعنی عہد کے ختم ہونے کی اطلاع دے دیں) عَلٰی سَوَآءٍ ؕ، حال ہے یعنی اس طرح اس عہد کے باقی نہ رہنے کی اطلاع کر دیجیے کہ آپ اور وہ اس علم میں برابر ہو جائیں تا کہ آپ پر عہد شکنی کا الزام نہ آ سکے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

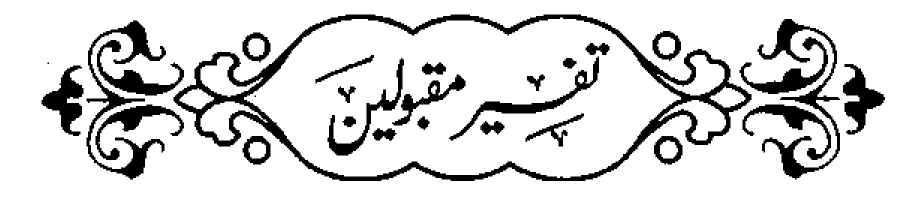
کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: ضَعْفُ اِعْتِقَادٍ: اس سے اشارہ ہے کہ ضعف سے بزدلی مراد نہیں بلکہ اعتقاد کی کمزوری مراد ہے، جو اشتباہ کی صورت میں ان میں پائی جاتی تھی۔

قوله: يَغْلِبُ: اس سے اشارہ ہے کہ جزاء محذوف ہے اور اس کے قائم مقام آنے والا سبب اس پر دلالت کرتا ہے اور وہ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ہے۔

قوله: تَرٰى يَا مُحَمَّدُ: یعنی اگر تم مشاہدہ ومعاینہ کرتے تو نے مضارع کو ماضی کے معنی کی طرف لوٹا دیا۔
قوله: بِمَقَامِعِ: یہ مقمعة کی جمع ہے گرز۔
قوله: يَقُوْلُوْنَ: اس کا عطف يَضْرِبُوْنَ یعنی بِمَقَامِعِ مِنْ حَدِيْدٍ کا عطف يَضْرِبُوْنَ پر يَقُوْلُوْنَ کو محذوف ماننے سے ہے۔

قوله: بِذِىْ ظُلْمٍ: ظلام سے مطلق ظلم مراد ہے، مبالغہ مقصود نہیں۔
قوله: دَابُ هٰؤُلَاءِ: اشارہ کیا کہ كَدَأْبِ کا کاف یہ محل رفع میں مبتداء محذوف کی خبر ہے۔
قوله: إِطْعَامَهُمْ: اس سے اشارہ ہے کہ بِأَنْفُسِهِمْ النعمة سے مراد کھانے وغیرہ میں وسعت ہے، افعال واخلاق میں پسندیدہ حالت مراد نہیں۔
قوله: تَجِدَنَّهُمْ: یہاں کامیابی پانے کے معنی میں ہے۔
قوله: عَهْدَهُمْ: مفعول قرینہ مقام کی وجہ سے محذوف ہے۔
قوله: اَنْتَ وَهُمْ: مطلب یہ ہے کہ یہ نابذ (پھینکنے والا) اور جس کی طرف پھینکا گیا ان دونوں سے حال ہے۔
قوله: فِى الْعِلْمِ: اس سے اشارہ کیا کہ نَبِذْ سے یہاں اعلام مراد ہے، نہ کہ خوف۔



اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ ....

منافقین کی بداعتقادی اور بدزبانی:

منافقین آستین کا خنجر تھے مسلمانوں میں بھی اپنے کو شمار کراتے تھے اور کافر تو تھے ہی۔ ان کا کام یہ تھا کہ اسلام کو نقصان پہنچائیں اور مسلمانوں پر طنز کریں۔ ان کی انہیں طنزیہ باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین تھوڑی تعداد میں ہوتے ہوئے اپنے سے تین گنا تعداد سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے تو ان لوگوں نے کہا کہ انہیں اپنے دین پر بڑا غرور ہے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم چونکہ حق پر ہیں اس لیے غالب ہو کر رہیں گے۔ یہ اپنے اس گھمنڈ کی وجہ سے یہ بھی نہیں دیکھتے کہ ہم کس سے بھڑ رہے ہیں اور کس سے مقابلہ کر رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے تو بلاشبہ اللہ غالب ہے وہ توکل کرنے والوں کو ضرور غلبہ دے گا جو اس سے مدد طلب کرے گا خواہ اس کی تعداد تھوڑی ہو وہ اس کی مدد فرمائے گا، وہ حکیم بھی ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق مدد اور نصرت فرماتا ہے۔
(اَلَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ) (جن کے دلوں میں مرض ہے) سے کون لوگ مراد ہیں؟ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے بھی منافقین مراد ہیں اور یہ عطف تفسیری ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو قریش مکہ

کے ساتھ آ گئے تھے ان کے قلوب میں اسلام کے بارے میں تذبذب تھا، اسی تذبذب کو مرض سے تعبیر فرمایا۔

معلومات ضروریہ متعلقہ غزوۂ بدر:

قرآن مجید میں غزوۂ بدر کا جو تذکرہ فرمایا ہے اس کا بیان آیات کی تفسیر کے ذیل میں کر دیا گیا ہے۔ البتہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں جو کچھ معاملہ کیا گیا اس کا ذکر باقی ہے۔ وہ دو رکوع کے بعد آرہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ بعض چیزیں جو رہ گئیں جن کا حدیث اور سیرت کی کتابوں میں ذکر ہے ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) سترہ رمضان ۲ھ میں غزوۂ بدر ہوا۔

(۲) مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی جن میں مہاجرین کی تعداد ۷۶ تھی اور باقی انصار میں سے تھے اوس میں سے بھی خزرج میں سے بھی۔ البدایہ والنہایہ ص ۲۶۹ ج ۳ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

(۳) قریش مکہ جو بدر میں پہنچے تھے ان کی تعداد ۹۰۰ سے لے کر ۱۰۰۰ کے درمیان تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ ۹۵۰ آدمی تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ایک ہزار سے بھی زیادہ تھے۔

(٤) جنگ شروع ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے بتا دیا تھا کہ مشرکین میں سے فلاں شخص یہاں قتل ہو کر گرے گا اور فلاں شخص یہاں قتل ہو کر گرے گا، پھر ایسا ہی ہوا۔

(۵) اس موقعہ پر ستر مشرکین مقتول ہوئے اور ستر افراد قید کر لیے گئے جن کی مشکیں باندھ کر مدینہ منورہ لے جایا گیا۔

(٦) انھیں مقتول ہونے والوں میں ابو جہل بھی تھا جو مشرکین مکہ کو آمادہ کر کے لایا تھا اور جس نے فخر کرتے ہوئے بڑی بڑی باتیں کہی تھیں، اسے انصار کے دو لڑکوں نے قتل کر دیا۔ تھوڑی سی رمق باقی رہ گئی تھی وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سر کاٹ دینے سے ختم ہو گئی۔ اس کا کٹا ہوا سر لے کر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے الحمد للہ فرمایا۔ انہیں مقتولین میں امیہ بن خلف بھی تھا۔ یہ وہی شخص تھا جو حضرت بلال کو اسلام قبول کرنے پر مارا پیٹا کرتا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ پر انصار کو آواز دی اور کہا کہ یہ کفر کا سرغنہ بچ کر نہ نکل جائے چنانچہ حضرات انصار نے اس کو گھیر لیا اور قتل کر دیا۔

(۷) جو مشرکین بدر میں قتل ہوئے تھے ان کی نعشوں کو وہیں ایک کنویں میں ڈال دیا گیا۔ البتہ امیہ بن خلف کی لاش پھول گئی تھی جب اسے زرہ میں سے نکالنے لگے تو اس کے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، لہٰذا اسے وہیں چھوڑ دیا گیا اور اوپر سے مٹی اور پتھر ڈال دیئے گئے۔

(۸) جب ان لوگوں کو کنویں میں ڈال دیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ایک ایک کا نام لے کر فرمایا کیا تمہیں اس بات کی خوشی نہ ہوتی کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کر لیتے۔ ہم نے تو اسے حق پایا جو ہمارے رب نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا۔ کیا تم نے بھی وہ وعدہ حق پالیا جو تمہارے رب نے تم سے کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ایسے اجسام سے کلام فرما رہے ہیں جن میں روح نہیں ہے آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ

میں میری جان ہے جو بات کہہ رہا ہوں، ان سے بڑھ کر تم زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ (یعنی جیسے تم سن رہے ہو ایسے وہ بھی سن رہے ہیں) حضرت قتادہ (تابعی) نے فرمایا کہ اللہ نے ان کو زندہ فرما دیا تھا تا کہ آپ کی بات ان کو سنائے اور ان کو حسرت اور ندامت ہو۔

(۹) بدر کے دن جو مسلمان شہید ہوئے ان میں سے چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے تھے۔

(۱۰) فتح یابی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تین دن بدر میں قیام فرمایا اور پہلے سے حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو فتح یابی کی خوشخبری دینے کے لیے مدینہ منورہ بھیج دیا تھا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہمیں ایسے وقت میں فتح یابی کی خبر پہنچی جب ہم رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی رقیہ رضی اللہ عنہا کے دفن سے فارغ ہو رہے تھے۔ یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو مریضہ کی تیمارداری کے لیے مدینہ منورہ میں چھوڑ دیا تھا۔

(۱۱) غزوۂ بدر میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت قتادہ بن نعمان کی آنکھ حلقے سے نکل کر ان کے رخسار پر آ پڑی لوگوں نے چاہا کہ اسے کاٹ دیں آنحضرت ﷺ سے عرض کیا گیا، تو آپ نے فرمایا مت کاٹو۔ پھر آپ نے ان کو بلا کر اپنے دست مبارک سے آنکھ کے حلقے میں رکھ کر دبا دیا ان کی آنکھ ٹھیک طرح لگ گئی اور اس کی روشنی دوسری آنکھ سے زیادہ اچھی ہو گئی۔

بعض دیگر صحابہ کے ساتھ بھی ایسا واقعہ پیش آیا تیر آ کر لگا تو ان کی آنکھ جاتی رہی، رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھ پر اپنا لعاب مبارک ڈال دیا وہ بالکل درست ہو گئی۔

(۱۲) جو حضرات بدر میں شریک ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی فضیلت عطا فرمائی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ میں ہرگز ایسا شخص داخل نہ ہوگا جو بدر میں یا حدیبیہ میں حاضر ہوا ہو۔ (قال فی النہایہ ص ۲۹ ج ۳) تفرد به احمد و هو علی شرط مسلم۔ (اسے صرف امام احمد ہی نے ذکر کیا ہے لیکن یہ حدیث امام مسلم کی شرائط کے مطابق ہے) صحیح بخاری ص ۵۶۸ ج ۱ میں ہے کہ حارثہ (بن سراقہ) غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کی والدہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آئیں اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! حارثہ سے جو مجھے خاص تعلق تھا وہ آپ کو معلوم ہے۔ سو اگر وہ جنت میں چلا گیا تو میں صبر کرتی ہوں اور ثواب کی امید رکھتی ہوں اور اگر دوسری کوئی بات ہے (یعنی دوزخ میں چلا گیا) تو آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں یعنی رو رو کر ڈھیر کر دوں گی۔ (کمافی روایۃ) آپ نے جواب میں فرمایا۔ افسوس کی بات ہے تم کیا کہہ رہی ہو۔ وہ کوئی ایک جنت تھوڑی ہی ہے۔ وہ بہت سی جنتیں ہیں اور تیرا بیٹا فردوس اعلیٰ میں ہے۔ (صحیح بخاری ص ۵۶۷ ج ۲) حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ (ص ۳۲۹ ج ۳) میں لکھتے ہیں کہ یہ حارثہ معرکہ سے دور تھے اور نگرانی کرنے والوں سے دور تھے۔ حوض سے پانی پی رہے تھے کہ اچانک ایک تیر آیا جو ان کی موت کا سبب بن گیا۔ جب اس شخص کو اتنا بڑا درجہ ملا کہ فردوس میں داخل کر دیا گیا (جو جنت کا سب سے بلند درجہ ہے) تو جن لوگوں نے قتال میں حصہ لیا، دشمن سے مقابلہ کیا ان کے درجات کا کیا عالم ہوگا۔

(۱۳) جس طرح مہاجرین اور انصار میں سے غزوۂ بدر میں شریک ہونے والوں کو بڑی فضیلت ملی اسی طرح سے جو فرشتے اس غزوہ میں شریک ہوئے تھے دوسرے فرشتوں پر ان کو بھی فضیلت دی گئی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ اہل بدر کو آنحضرت ﷺ کس درجہ میں شمار فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہمارے نزدیک وہ افضل المسلمین میں سے ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا اسی طرح سے ہم بھی بدر میں شریک ہونے والے فرشتوں کو دوسرے فرشتوں سے افضل جانتے ہیں۔
(صحیح بخاری ص ۵۶۹ ج ۲)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا ....

اس آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے انعام وعطا کے قائم اور باقی رکھنے کا ایک ضابطہ بیان فرمایا۔ ارشاد فرمایا: بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ یعنی اللہ تعالیٰ جو نعمت کسی قوم کو عطا فرماتے ہیں اس کو اس وقت تک بدلتے نہیں جب تک یہ لوگ خود ہی اپنے حالات اور اعمال کو نہ بدل دیں۔

یہاں پہلی بات قابل غور یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے عطاء نعمت کے لئے کوئی ضابطہ نہیں بیان فرمایا، نہ اس کے لئے کوئی قید و شرط لگائی نہ اس کو کسی کے اچھے عمل پر موقوف رکھا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو سب سے پہلی نعمت جو خود ہمارا وجود ہے اور اس میں قدرت حق جل شانہ کی عجیب صنعت گری سے ہزاروں حیرت انگیز نعمتیں ودیعت رکھی گئی ہیں یہ نعمتیں ظاہر ہے کہ اس وقت عطا ہوئیں، جب کہ نہ ہم تھے نہ ہمارا کوئی عمل تھا

مانبودیم وتقاضا مانبود لطف تو ناگفتہ ما می شنود

اگر اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات بندوں کے نیک اعمال کے منتظر رہا کرتے تو ہمارا وجود ہی قائم نہ ہوتا۔

حق تعالیٰ کی نعمت ورحمت تو اس کے رب العالمین اور رحمن ورحیم ہونے کے نتیجہ میں خود بخود ہے۔ ہاں اس نعمت ورحمت کے قائم اور باقی رہنے کا ایک ضابطہ اس آیت میں یہ بیان کیا گیا کہ جس قوم کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دیتے ہیں اس سے اس وقت تک واپس نہیں لیتے جب تک وہ اپنے حالات اور اعمال کو بدل کر خود ہی اللہ کے عذاب کو دعوت نہ دے۔

حالات کے بدلنے سے مراد ہے کہ اچھے اعمال اور حالات کو بدل کر برے اعمال اور برے حالات اختیار کرلے یا یہ کہ اللہ کی نعمتیں مبذول ہونے کے وقت جن اعمال بد اور گناہوں میں مبتلا تھا نعمتوں کے ملنے کے بعد ان سے زیادہ برے اعمال میں مبتلا ہو جائے۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جن قوموں کا ذکر پچھلی آیات میں آیا ہے یعنی کفار قریش اور آل فرعون ان کا تعلق اس آیت سے اس بنا پر ہے کہ یہ لوگ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ملنے کے وقت بھی کچھ اچھے حالات میں نہیں تھے سب کے سب مشرک اور کافر تھے۔ لیکن انعامات کے بعد یہ لوگ اپنی بدعملیوں اور شرارتوں میں پہلے سے زیادہ تیز ہوگئے۔

آل فرعون نے بنی اسرائیل پر طرح طرح کے مظالم کرنے شروع کردیئے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ اور

مخالفت پر آمادہ ہو گئے جو ان کے پچھلے جرائم میں ایک شدید اضافہ تھا جس کے ذریعہ انہوں نے اپنے حالات مزید برائی کی طرف بدل ڈالے تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی نعمت کو نقمت اور عذاب سے بدل دیا۔ اسی طرح قریش مکہ اگرچہ مشرک اور بدعمل تھے لیکن اس کے ساتھ ان میں کچھ اچھے اعمال صلہ رحمی، مہمان نوازی، حجاج کی خدمت، بیت اللہ کی تعظیم وغیرہ بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر دین و دنیا کی نعمتوں کے دروازے کھول دیئے۔ دنیا میں ان کی تجارتوں کو فروغ دیا۔ اور ایسے ملک میں جہاں کسی کا تجارتی قافلہ سلامتی سے نہ گزر سکتا تھا ان لوگوں کے تجارتی قافلے ملک شام و یمن میں جاتے اور کامیاب آتے تھے جس کا ذکر قرآن کریم نے سورۃ لایلف میں رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ کے عنوان سے کیا ہے۔

اور دین کے اعتبار سے وہ عظیم نعمت ان کو عطا ہوئی جو پچھلی کسی قوم کو نہیں ملی تھی کہ سید الانبیاء خاتم النّبیین (ﷺ) ان میں مبعوث ہوئے اللہ تعالیٰ کی آخری اور جامع کتاب قرآن ان میں بھیجی گئی۔

مگر ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کی شکر گزاری اور قدر کرنے اور اس کے ذریعہ اپنے حالات کو درست کرنے کے بجائے پہلے سے بھی زیادہ گندے کر دیئے کہ صلہ رحمی کو چھوڑ کر مسلمان ہو جانے والے بھائی بھتیجوں پر وحشیانہ مظالم کرنے لگے۔ مہمان نوازی کے بجائے ان مسلمانوں پر آب و دانہ بند کرنے کے عہد نامے لکھے گئے۔ حجاج کی خدمت کے بجائے مسلمانوں کو حرم میں داخل ہونے سے روکنے لگے۔ یہ وہ حالات تھے جن کو کفار قریش نے بدلا۔ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کو نقمتوں اور عذاب کی صورت میں تبدیل کر دیا کہ وہ دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوئے اور جو ذات رحمۃ للعالمین بن کر آئی تھی اسی کے ذریعہ انہوں نے اپنی موت و ہلاکت کو دعوت دے دی۔

اور تفسیر مظہری میں معتمد کتب تاریخ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کلاب بن مرہ جو رسول اللہ ﷺ کے نسب میں تیسرے دادا کے دادا ہیں یہ ابتداء سے دین ابراہیم و اسماعیل علیہ السلام کے پابند اور اس پر قائم تھے اور نسلاً بعد نسل اس دین کی قیادت و سیادت ان کے ہاتھ میں رہی۔ قصی بن کلاب کے زمانہ میں ان لوگوں میں بت پرستی کا آغاز ہوا۔ ان سے پہلے کعب بن لوی ان کے دینی قائد تھے جمعہ کے روز جس کو ان کی زبان میں عروبہ کہا جاتا تھا سب لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا کرتے اور بتلایا کرتے تھے کہ ان کی اولاد میں خاتم الانبیاء ﷺ پیدا ہوں گے۔ ان کا اتباع سب پر لازم ہوگا۔ جو ان پر ایمان نہ لائے گا اس کا کوئی عمل قابل قبول نہ ہوگا۔ آنحضرت ﷺ کے بارہ میں ان کے عربی اشعار شعراء جاہلیت میں مشہور و معروف ہیں۔ اور قصی بن کلاب تمام حجاج کے لئے کھانے اور پانی کا انتظام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ چیزیں آنحضرت ﷺ کے خاندان میں آپ کے عہد مبارک تک قائم رہیں۔ اس تاریخی تشریح سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قریش کی تبدیلی حالات سے یہ مراد ہو کہ دین ابراہیمی کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کر لی۔

بہر حال مضمون آیت سے یہ معلوم ہوا کہ بعض اوقات حق تعالیٰ اپنی نعمت ایسے لوگوں کو بھی عطا فرماتے ہیں جو اپنے عمل سے اس کے مستحق نہیں ہوتے لیکن عطاء نعمت کے بعد اگر وہ اپنے اعمال کا رخ اصلاح و درستی کی طرف پھیرنے کے بجائے اعمال بد میں اور زیادتی کرنے لگیں تو پھر یہ نعمت ان سے چھین لی جاتی ہے اور وہ عذاب الٰہی کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

آخر آیت میں فرمایا: وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ. یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ہر گفتگو کو سننے والے اور ان کے تمام اعمال و افعال کو جاننے والے ہیں اس میں کسی غلطی یا غلط فہمی کا امکان نہیں۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ....

یہ آیت یہود مدینہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے متعلق ہے۔ پچھلی آیتوں میں مشرکین مکہ پر میدان بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں عذاب الٰہی نازل ہونے کا ذکر اور پچھلی امتوں کے کفار سے ان کی تمثیل کا بیان ہوا تھا۔ اس آیت میں اس ظالم جماعت کا ذکر ہے جو ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں کے لئے مار آستین بنی اور جو ایک طرف مسلمانوں کے ساتھ صلح و آشتی کی دعویدار تھی دوسری طرف مشرکین مکہ کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتی تھی۔ یہ لوگ مذہبًا یہود تھے اور جس طرح مشرکین مکہ میں اسلام کے خلاف سب سے بڑا علمبردار ابوجہل تھا اسی طرح یہود مدینہ میں اس کا علمبردار کعب بن اشرف تھا۔

رسول کریم ﷺ جب ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے، مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو دیکھ کر یہ لوگ مرعوب تو ہوئے مگر دل میں اسلام دشمنی کی آگ ہمیشہ سلگتی رہتی تھی۔

اسلامی سیاست کا تقاضا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو یہود مدینہ کو کسی نہ کسی معاہدہ کے تحت ساتھ لگایا جاتا، تاکہ وہ مکہ والوں کو مدد نہ پہنچائیں۔ یہود بھی اپنی مرعوبیت کی بنا پر اسی کے خواہشمند تھے۔

اسلامی سیاست کا پہلا قدم اسلامی قومیت:

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ پہنچ کر اسلامی سیاست کی سب سے پہلی بنیاد اس کو بنایا کہ مہاجرین و انصار کی وطنی اور قومی عصبیتوں کو ختم کر کے ایک نئی قومیت اسلام کے نام پر قائم فرمائی مہاجرین و انصار کے مختلف قبائل کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ اور آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انصار کے باہمی اختلافات جو صدیوں سے چلے آرہے تھے سب کو دور فرما کر آپس میں بھی اور مہاجرین کے ساتھ بھی بھائی بنا دیا۔

دوسرا قدم معاہدہ یہود:

اس سیاست کا دوسرا قدم یہ تھا کہ حریف مقابل دو تھے ایک مشرکین مکہ جن کی ایذاؤں نے مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ دوسرے یہود مدینہ جو اب مسلمانوں کے پڑوسی بن گئے تھے ان میں سے یہود کے ساتھ ایک معاہدہ کیا گیا۔ جس کا عہدنامہ مفصل لکھا گیا اس معاہدہ کی پابندی اطراف مدینہ کے سب یہودیوں پر اور اس طرف تمام مہاجرین و انصار پر عائد تھی۔ معاہدہ کا پورا متن البدایہ والنہایہ ابن کثیر میں اور سیرت ابن ہشام وغیرہ میں مفصل موجود ہے اس کا سب سے اہم جزء یہ تھا کہ باہمی اختلاف کے وقت رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ سب کے لئے واجب التعمیل ہوگا، دوسرا جزء یہ تھا کہ یہود مدینہ مسلمانوں کے خلاف کسی دشمن کو ظاہرًا یا باطنًا کوئی امداد نہیں دیں گے۔ لیکن ان لوگوں نے غزوہ بدر کے وقت عہد شکنی کر کے مشرکین مکہ کو اسلحہ اور سامان جنگ سے مدد پہنچائی۔ مگر جب غزوہ بدر کا انجام مسلمانوں کی فتح مبین اور کفار کی ہزیمت و شکست کی صورت

میں سامنے آیا تو پھران لوگوں پر رعب غالب ہوا اور آنحضرت ﷺ کے سامنے حاضر ہو کر عذر کیا کہ اس مرتبہ ہم سے غلطی ہوگئی اس کو معاف فرمادیں آئندہ عہد شکنی نہیں کریں گے۔

آنحضرت ﷺ نے اسلامی حلم وکرم جو آپ کا شعار تھا اس کی بنا پر دوبارہ معاہدہ کی تجدید فرمالی۔ مگر یہ لوگ اپنی سرشت سے مجبور تھے غزوہ احد میں مسلمانوں کی ابتدائی شکست اور نقصان کا علم ہو کر ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور ان کا سردار کعب بن اشرف خود سفر کر کے مکہ پہنچا اور مشرکین مکہ کو اس پر آمادہ کیا گیا کہ اب وہ پوری تیاری کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کریں اور یہود مدینہ ان کے ساتھ ہوں گے۔

یہ دوسری عہد شکنی تھی جو ان لوگوں نے اسلام کے خلاف کی۔ آیت مذکورہ میں اس بار بار کی عہد شکنی کا ذکر فرما کر ان لوگوں کی شرارت بیان کی گئی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن سے آپ نے معاہدہ کر لیا مگر یہ ہر مرتبہ اپنے عہد کو توڑتے رہے۔ آخر آیت میں ارشاد فرمایا وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ۔ یعنی یہ لوگ ڈرتے نہیں۔ اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ یہ بدنصیب لوگ چونکہ ہوس دنیا میں مست و بے ہوش ہیں آخرت کی فکر ہی نہیں اس لئے آخرت کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔ اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ایسے بدکردار عہد شکن لوگوں کا جو انجام بد اس دنیا میں ہوا کرتا ہے یہ لوگ اپنی غفلت و نادانی کی وجہ سے اس سے نہیں ڈرتے۔

پھر ساری دنیا نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ان لوگوں نے اپنی اس بدکرداری کی سزا چکھی۔ ابوجہل کی طرح کعب بن اشرف مارا گیا، اور یہود مدینہ جلاوطن کئے گئے۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

اہل ایمان کو غدر اور خیانت کی اجازت نہیں:

اہل ایمان کو کبھی نقض عہد کی ضرورت پیش آجاتی ہے اور یہ جب ہوتا ہے جب دشمن سے خطرہ ہو کہ وہ اپنا عہد توڑنے والا ہے اگر ہم نے اپنے عہد کی پاسداری کی اور انہوں نے اپنا عہد توڑ دیا اور اچانک غفلت میں انہوں نے حملہ کر دیا تو ہمیں تکلیف پہنچے گی۔ ایسے موقعہ پر طریق کار یہ ہے کہ خود ان پر غفلت میں حملہ نہ کریں۔ ہاں ایسا کریں کہ پہلے اعلان کر دیں اور ان کو بتا دیں کہ ہمارا تمہارا جو معاہدہ تھا ہم اسے ختم کر رہے ہیں۔ اسی کو فرمایا: (وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ) اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو جو عہد آپ نے ان سے کیا ہے وہ ان کی طرف پھینک دیجیے تاکہ آپ اور وہ اس بات کے جاننے میں برابر ہو جائیں کہ اب معاہدہ باقی نہیں رہا۔ اگر معاہدہ کیا اور ان کا معاہدہ واپس نہ کیا اور معاہدہ ختم کرنے کی اطلاع کے بغیر ان پر حملہ کر دیا تو یہ غدر ہوگا اور خیانت ہوگی جس کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔ اسی کو فرمایا: (اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ) (بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا) ہوسکتا تھا کہ بعض مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات آجاتی کہ چونکہ دشمن، دشمن ہے، کچھ بھروسہ نہیں کہ اپنا عہد توڑ دے۔ اس لیے ہم اپنی حفاظت کے لیے پہلے حملہ کر دیں تو ہماری حفاظت ہو جائے گی۔ اس خیال کو دفع کرنے کے لیے یہ نصیحت فرمائی کہ گو کافر تمہارے دشمن ہیں لیکن جب معاہدہ ہو گیا تو اب تمہارے لیے معاہدہ کی خلاف ورزی جائز نہیں اگر ان سے عہد کی خلاف

ورزی کا ڈر ہے تو تم پہلے انہیں بتادو کہ ہمارا عہد ختم ہے اس کے بعد تمہیں حملہ کرنا جائز ہوگا۔ سبحان اللہ عہد کی پاسداری کا شریعت اسلامیہ میں کتنا اہتمام ہے۔ اسی کو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس میں چار چیزیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اور ان چار میں سے جس میں ایک خصلت ہوگی تو اس میں نفاق کا ایک حصہ مانا جائے گا۔ جب تک اسے چھوڑ نہ دے۔

(۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

(۲) اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

(۳) اور جب معاہدہ کرے تو دھوکہ دے۔

(۴) اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔ (رواہ البخاری ص۱۰ ج۱)

ہر مسلمان کو معاہدہ کی پاسداری لازم ہے حکومت نے معاہدہ ہو یا کسی جماعت سے یا کسی فرد سے اس کی خلاف ورزی حرام ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین شخصوں پر میں دعویٰ کرنے والا ہوں ایک وہ شخص جس نے میرا نام لے کر عہد کیا پھر اس نے غدر کیا۔ اور ایک وہ شخص جس نے کسی آزاد کو بیچ دیا اور اس کی قیمت کھا گیا اور ایک وہ آدمی جس نے کسی مزدور کو کام پر لگایا اس سے کام پورا لے لیا اور اس کی مزدوری نہ دی۔ (رواہ البخاری ص۳۰۲ ج۱)

نیز رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة۔ جس نے کسی عہد والے کو قتل کر دیا جنت کی خوشبو (بھی) نہ سونگھے گا۔ (صحیح بخاری ص۴۴۸ ج۱)

فائدہ: اگر دوسرا فریق معاہدہ کی خلاف ورزی کر دے تو پتہ چل جائے کہ انہوں نے خیانت کی ہے۔ مثلاً وہ مسلمانوں پر حملہ کر دیں یا اور کوئی ایسی خلاف ورزی کر دیں جس سے معاہدہ ٹوٹ جاتا ہو تو پھر اپنی طرف سے عہد توڑنے کی اطلاع کرنے کی ضرورت نہیں اور جب اپنی طرف سے عہد توڑنا ہو اور ان کو اس کی اطلاع دینی ہو تو ان کے ہر ہر فرد کو اطلاع دینا ضروری نہیں جب ان کے صاحب اقتدار کو نقض عہد کی اطلاع دے دی اور اتنی مدت گزر گئی کہ وہ اس وقت میں اپنے اطراف مملکت میں خبر پہنچا سکتا تھا تو یہ کافی ہے۔ (ذکر صاحب الهداية باب الموادعة و من یجوز امانه)

وَنَزَلَ فِيْمَنْ اَفْلَتَ يَوْمَ بَدْرٍ **وَلَا يَحْسَبَنَّ** يَا مُحَمَّدُ **الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا** اللّٰهَ اَيْ فَاتُوْهُ **اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ** ﴿۵۹﴾ لَا يَفُوْتُوْنَهٗ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالتَّحْتَانِيَّةِ فَالْمَفْعُوْلُ الْاَوَّلُ مَحْذُوْفٌ اَيْ اَنْفُسَهُمْ وَفِيْ اُخْرٰى بِفَتْحِ اَنَّ عَلٰى تَقْدِيْرِ اللَّامِ **وَاَعِدُّوْا لَهُمْ** لِقِتَالِهِمْ **مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ** قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ الرَّمْيُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ **وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ** مَصْدَرٌ بِمَعْنٰى حَبْسِهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ **تُرْهِبُوْنَ** تُخَوِّفُوْنَ **بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ** اَيْ كُفَّارَ مَكَّةَ **وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ** اَيْ غَيْرِهِمْ وَهُمُ الْمُنَافِقُوْنَ اَوِ الْيَهُوْدُ

لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۗ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ جَزَاؤُهٗ وَ اَنْتُمْ لَا
تُظْلَمُوْنَ ۝ تُنْقَصُوْنَ مِنْهُ شَيْئًا وَ اِنْ جَنَحُوْا مَالُوْا لِلسَّلْمِ بِكَسْرِ السِّيْنِ وَ فَتْحِهَا الصُّلْحُ فَاجْنَحْ لَهَا
وَعَاهِدْهُمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هٰذَا مَنْسُوْخٌ بِاٰیَةِ السَّیْفِ وَ مُجَاهِدٌ مَخْصُوْصٌ بِاَهْلِ الْکِتَابِ اِذْ اُنْزِلَتْ فِیْ
بَنِیْ قُرَیْظَةَ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ ثِقْ بِهٖ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ لِلْقَوْلِ الْعَلِیْمُ ۝ بِالْفِعْلِ وَ اِنْ یُّرِیْدُوْٓا اَنْ
یَّخْدَعُوْكَ بِالصُّلْحِ لِیَسْتَعِدُّوْا لَكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ كَافِیْكَ اللّٰهُ ۗ هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ
بِالْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَ اَلَّفَ جَمَعَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ۗ بَعْدَ الْاِحْنِ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ
بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ۗ بِقُدْرَتِهٖ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِهٖ حَكِیْمٌ ۝ لَا یَخْرُجُ شَیْءٌ
عَنْ حِكْمَتِهٖ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَحَسْبُكَ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ ع

ترجمہ: وَ لَا یَحْسَبَنَّ — یہ آیتیں ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئیں جو غزوہ بدر کے موقع پر بھاگ نکلے تھے ارشاد ہے اور (اے محمد ﷺ) آپ یہ نہ سمجھیں کافروں کو کہ وہ بچ نکلے (اللہ سے یعنی چھوٹ گئے اللہ کے عذاب سے) یقیناً وہ لوگ (اللہ تعالی کو (عاجز نہیں کر سکتے (یعنی اللہ سے چھوٹ نہیں سکتے۔) وَ فِیْ قِرَاءَةٍ بِالتَّحْتَانِیَّةِ فَالْمَفْعُوْلُ الْاَوَّلُ مَحْذُوْفٌ الآیۃ اور ایک قراءت میں یائے تحتانیہ کے ساتھ لَا یَحْسِبَنَّ ہے اس صورت میں الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فاعل اور مفعول اول محذوف ہے اَیْ اَنْفُسَهُمْ اور مفعول ثانی جملہ سَبَقُوْا ہے۔ اور ایک دوسری قراءت: اِنَّهُمْ کا ان بفتح الہمزہ ہے، بتقدیر اللام ای، اوپر کافروں کے قتل وقتال اور ان سے جنگ وجدال اور اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ کافروں کی عداوتوں اور خیانتوں اور بدعہدیوں کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں دشمنان اسلام سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لئے اسلحہ اور سامان جنگ کی تیاری کا حکم دیتے ہیں کہ دشمنان اسلام سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لئے جس قدر مادی قوت اور طاقت تم مہیا کر سکو اس میں دقیقہ اٹھا نہ رکھو اور اتنی طاقت فراہم کرو کہ دشمنوں پر تمہارا رعب قائم ہو جائے اور وہ تمہاری طاقت سے اتنا مرعوب اور خوفزدہ ہو جائیں کہ نہ خود تمہارے ساتھ بدعہدی کر سکیں اور نہ تمہارے کسی دشمن کی مدد کر سکیں اور جب کافروں کو تمہاری قوت اور طاقت کا علم ہو جائے گا تو وہ مرعوب ہو جائیں گے اگر چہ تم ان کافروں کو نہ جانتے ہو اور نہ تمہیں ان کی عداوت کا علم ہو کما قال اللہ تعالی: وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اس آیت میں ایسے کافروں کی طرف اشارہ ہے ان لوگوں کو جب تمہاری طاقت کا علم ہوگا تو وہ نہ تم پر حملہ کرنے کی جرأت کریں گے اور نہ تمہارے دشمن کے ساتھ علانیہ تعلق قائم کرنے کی ہمت کریں گے۔ بلاشبہ فتح وظفر سب منجانب اللہ ہے اللہ ہی کی مدد سے ہے مگر تم بندے ہو اور عالم اسباب کے باشندے ہو اس لئے تم کو اسباب ظاہری نہ چھوڑنا چاہئے دشمنان اسلام کی جنگ کے لئے اور فتنہ کفر وشرک کو ختم

کرنے کے لئے ظاہر اسباب کو جمع کرو اور اتنا ساز و سامان کہ تمہارا دشمن تمہاری طاقت سے مرعوب ہو جائے اور اس پر تمہاری دھاک بیٹھ جائے بایں ہمہ بھروسہ اللہ ہی پر رکھو چنانچہ فرماتے ہیں: وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ (الآیۃ) اور ان کافروں سے (قتال کے لئے) جو قوت تم سے (ہتھیاروں کی) ہو سکے مہیا کرو (نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ یہاں قوت سے مراد تیر اندازی کی قوت ہے جس کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے) اور گھوڑے باندھنے سے۔ رباط مصدر ہے۔ جس کے معنی اللہ کے راستے میں گھوڑے باندھنے اور پالنے کے ہیں جس سے تم اللہ کے دشمنوں کو بھی ڈراؤ (یعنی ان کفار کو اس سامان کے ذریعہ خوف دلاؤ) وَ اٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ اور ان کے علاوہ دوسرے دشمنوں کو بھی ڈراو (یعنی جو ان کفار مکہ کے علاوہ ہیں اور وہ منافقین ہیں یا یہود) جن کو تم نہیں جانتے لیکن اللہ ان کو جانتا ہے۔ وَ اِنْ جَنَحُوْا مَالُوْا لِلسَّلْمِ (الآیۃ) اور اگر (دشمنان اسلام) صلح کی طرف جھکیں (مائل ہوں) تو آپ بھی (اگر مصلحت سمجھیں تو) جھک جائیں (اور ان سے معاہدہ کرلیں، سلم بفتح السین ہے، اور بکسر السین ہے دونوں صورتوں میں بمعنی صلح ہے) قال ابن عباسؓ (الآیۃ) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت (سورۂ براءت) آیت سیف سے منسوخ ہے اور مجاہدؒ کہتے ہیں کہ یہ اہل کتاب کے ساتھ مخصوص ہے اس وجہ سے کہ ان آیات کا نزول یہود بنی قریظہ کے بارے میں ہوا تھا۔ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ (الآیۃ) اور بھروسہ اللہ پر رکھئے (اسی پر اعتماد کیجئے) اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ بلاشبہ اللہ تعالیٰ باتوں کو خوب سننے والا کاموں کو خوب جاننے والا ہے۔ وَ اِنْ یُّرِیْدُوْۤا اَنْ یَّخْدَعُوْكَ (الآیۃ) اور اگر (وہ لوگ صلح سے) آپ کو دھوکہ دینا چاہیں (کہ صلح کے بہانہ آپ کے مقابلہ کے لیے تیاری کرنا چاہیں) تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کافی ہے۔ وہ وہی ہے جس نے اپنی خاص مدد سے آپ کو قوت دی اور ان مسلمانوں سے آپ کو قوت دی۔ وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ (الآیۃ) ان کے دلوں میں (عداوتوں کے بعد) الفت ڈال دی اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کر ڈالتے تب بھی آپ ان کے دلوں میں (ایک دوسرے کی) الفت نہیں ڈال سکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان الفت ڈال دی (اپنی قدرت سے) اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝ بے شک وہ زبردست ہیں اپنے کام میں کہ جو چاہیں اپنی قدرت سے کر دیں اور حکمت والے ہیں (کوئی چیز اس کی حکمت سے باہر نہیں نکلتی)۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ، اے نبی! اللہ آپ کے لیے کافی ہے اور جن مؤمنین نے آپ کا اتباع کیا ہے وہ کافی ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: فِیْمَنْ اَفْلَتَ: انفلات اچانک کسی چیز کا نکلنا جیسے انفلاتِ رِیح (پھسکی)۔

قوله: اَللّٰهَ: اس سے اشارہ ہے کہ سَبَقُوْا کا مفعول محذوف ہے۔

قوله: اِنَّهُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ: اس سے اشارہ کیا: اِنَّهُمْ یہ لفظ و معنی کے لحاظ سے مفعول بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

قوله: مَحْذُوْفٌ: اس کو معنی تکرار کی وجہ سے حذف کر دیا۔

قوله: عَلٰى تَقْدِیْرِ اللَّامِ: کیونکہ ان اس صورت میں اپنے اسم و خبر سمیت تاویل مفرد میں ہے۔ پس ماسبق سے اس کا

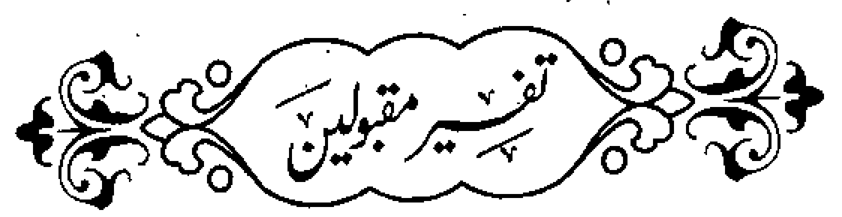
ربط ضروری ہے جو بطور تعلیل ہو۔

قوله: هِيَ الرَّمْيُ: اس پر رباط کا عطف بلا تکلف عموم خصوص کے ہو جائے گا۔

قوله: بِمَعْنٰى حَبْسِهَا: یہ مصدر ہے جو رباط بروزن فعال بمعنی مفعول ہے۔ اگر اسم ہوتا تو انجیل کی طرف مضاف نہ ہوتا۔

قوله: فِيْكَ اللّٰهُ: اس سے اشارہ ہے کہ مصدر بمعنی فاعل ہے۔

قوله: حَسْبُكَ: اس کو دوبارہ لائے کہ اشارہ کیا کہ مَنِ اتَّبَعَكَ یہ محل جر میں ہے اور کاف کا عطف حَسْبُكَ پر ہے کیونکہ مجرور پر عطف بلا اعادہ جار بھی درست ہے۔



وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ....

عہد کا جو حکم اوپر مذکور ہوا، ممکن تھا کہ کفار اس کو مسلمانوں کی سادہ لوحی پر حمل کر کے خوش ہوتے کہ جب ان کے یہاں خیانت وغدر جائز نہیں تو ہم کو خبردار اور بیدار ہونے کے بعد پورا موقع اپنے بچاؤ اور مسلمانوں کے خلاف تیاری کرنے کا ملے گا۔ اس کا جواب دے دیا کہ کتنی ہی تیاری اور انتظامات کر لو۔ جب مسلمانوں کے ہاتھوں خدا تم کو مغلوب ورسوا کرنا اور دنیا یا آخرت میں سزا دینا چاہے گا، تو تم کسی تدبیر سے اس کو عاجز نہ کر سکو گے۔ نہ اس کے احاطہ قدرت وتسلط سے نکل کر بھاگ سکو گے۔ گویا مسلمانوں کی تسلی کر دی کہ وہ خدا پر بھروسہ کر کے اس کے احکام کا امتثال کریں تو سب پر غالب آئیں گے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ....

دشمنوں سے مقابلہ کے لیے سامان حرب تیار رکھو اور انہیں ڈراتے رہو:

ان آیات میں اول تو کافروں کو تنبیہ فرمائی کہ یہ کفار جو جنگ کے موقعہ پر بچ کر نکل گئے مقتول بھی نہ ہوئے اور قید میں بھی نہ آئے یہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ہم ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئے اور بچ نکلے تو کامیاب ہو گئے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ وقتی طور پر بچ جانا مستقل بچاؤ نہیں ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے باہر نہیں ہیں وہ اسے عاجز نہیں کر سکتے، وہ چاہے گا تو دنیا میں بھی انہیں عقوبت میں مبتلا فرمائے گا اور آخرت میں تو بہر حال ہر کافر کے لیے سخت سزا ہے جس کا بیان قرآن مجید میں بار بار کیا گیا ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم سے جو بھی کچھ ہو سکے دشمنوں سے لڑنے اور ان کا دفاع کرنے کے لیے ہر طرح کی قوت تیار رکھو۔ لفظ (مَّا اسْتَطَعْتُمْ) بہت عام ہے ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق تیاری کرنے کو شامل ہے اور مِنْ قُوَّةٍ بھی نکرہ ہے یہ بھی عام ہے اور ہر قسم کی قوت جمع کرنے کو اس کا عموم شامل ہے، جس طرح کے ہتھیاروں کی جس زمانہ میں ضرورت ہو ان سب کا بنانا فراہم کرنا اور دوسری ہر طرح کی قوتیں اتحاد واتفاق اور باہمی مشورہ یہ سب لفظ (مِنْ قُوَّةٍ) میں

داخل ہیں۔ نیز (وَمِنۡ رِّبَاطِ الۡخَيۡلِ) فرما کر پلے ہوئے گھوڑے تیار رکھنے کا بھی حکم فرمایا آیت بالا میں جو مِنۡ قُوَّةٍ فرمایا کہ جہاں تک ممکن ہو ہر طرح کی قوت تیار کرو اس کی تفسیر فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اَلَا اِنَّ الۡقُوَّةَ الرَّمۡیُ۔ اَلَا اِنَّ الۡقُوَّةَ الرَّمۡیُ۔ اَلَا اِنَّ الۡقُوَّةَ الرَّمۡیُ) یعنی قوت تیر پھینکنا ہے۔ تین بار ایسا ہی فرمایا۔

(رواہ مسلم ص۱۴۲ ج۱)

اور تیر پھینکنے کی قوت اس لیے فرمایا کہ اس میں دور سے دشمن پر حملہ کیا جا سکتا ہے۔ دو بدو سامنے آ جائیں تو تلوار ہی سے لڑنا پڑے گا اور دور سے مقابلہ ہو تو دور ہی سے تیر اندازی کر کے دشمن کو پسپا کیا جا سکتا ہے اسی لیے غزوۂ بدر کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے حضرات صحابہ سے فرمایا کہ جب دشمن تمہارے قریب آ جائیں تو تیر مارنا اور اپنے تیروں کو حفاظت سے رکھنا۔

(رواہ البخاری ص ۵۶۷)

مطلب یہ ہے کہ جب دشمن دور ہے تو اپنے تیروں کو پھینک کر ضائع نہ کرو کیونکہ وہ زمین میں گر جائیں گے۔ جب دشمن اتنا قریب آ جائے کہ ان کو تیر لگ سکے تو ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دو رہا مسئلہ تلوار سے قتل کرنے کا تو جب بالکل سامنے آ جائیں تو پھر جم کر تلوار کے ذریعہ جنگ کی جائے۔

اَلَا اِنَّ الۡقُوَّةَ الرَّمۡیُ کا عموم دور حاضر کے بموں کو بھی شامل ہے۔

آنحضرت سرور عالم ﷺ نے جو اَلَا اِنَّ الۡقُوَّةَ الرَّمۡیُ فرمایا اور لفظ رمی کا مفعول ذکر نہیں کیا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ پھینکنے کی جب بھی کوئی چیز ایجاد ہو جائے وہ سب قوت کے مفہوم میں داخل ہو گی اور مسلمانوں کو اس کے حاصل کرنے پر اہتمام کرنا بھی لازم ہو گا۔ جدید ہتھیار میزائل، بم سب اسی عموم میں داخل ہیں مسلمانوں پر لازم ہے کہ بحکم وَ اَعِدُّوۡا لَهُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ، ہر طرح کے جدید ہتھیار تیار کر لیں اور خود بنائیں۔ ضرورت پڑے تو دوسروں سے بھی خرید سکتے ہیں لیکن صرف خریداری ہی پر موقوف نہ رکھیں آج کل تو جدید اسلحہ بنانے والے اہل کفر ہی ہیں اور کفر ملت واحدہ ہے۔ وہ کافروں کو پہلے دیں گے اور زیادہ دیں گے اور مسلمانوں کو اگر چاہیں گے تو تھوڑے ہتھیار دیں گے اور قیمت بہت زیادہ لیں گے۔ مسلمانوں کی یہ کتنی بڑی غفلت ہے کہ اہل کفر سے ہتھیار خریدتے ہیں اور خود نہیں بناتے اور اہل کفر کو اپنے اوپر مسلط کر رکھا ہے، وہ مجبور کرتے ہیں کہ تم کیا بنا رہے ہو ہمیں دکھاؤ۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اپنی حیثیت کچھ بھی نہیں، یہ بہت بڑی بھول ہے۔ اسلام نے برتر ہو کر زندہ رہنا بتایا ہے۔ کافروں کے سامنے جھکنے اور انہیں اپنا راز دار بنانے کی اجازت نہیں دی۔ اپنی قوت تیار رکھنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا: (تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمۡ) (اس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو ڈراتے رہو) جب طاقت ہو گی اور دشمنوں کو اس کی خبر ہو گی تو وہ تم سے ڈرتے رہیں گے اور حملہ آور ہونے کی ہمت نہ کریں گے۔

(وَ اٰخَرِيۡنَ مِنۡ دُوۡنِهِمۡ) جو فرمایا اس کے بارے میں حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس سے یہود کا قبیلہ بنو قریظہ مراد ہے اور حضرت حسن نے فرمایا کہ اس سے منافقین مراد ہیں جو مسلمانوں میں مل جل کر رہتے ہیں اور اندر سے دشمن

ہیں ان کو تمہاری طاقت کا پتہ ہوگا تو خود بھی ڈریں گے اور دوسروں کو بھی حملہ کرنے کی دعوت نہ دیں گے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے فارس اور روم کے کافر مراد ہیں۔ جن سے نزول قرآن کے وقت تک مقابلہ نہیں ہوا تھا۔ بعد میں حضرات صحابہ نے ان کو شکست دی اور ان کے ممالک فتح کیے۔ (لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ) میں اس طرف اشارہ ہے، پھر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ....

(اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہ ہوگا) یعنی ایسا نہ ہوگا کہ ثواب ضائع کر دیا جائے۔ چونکہ ہتھیار تیار کرنے میں مال خرچ ہوتا ہے اور گھوڑے پالنے میں بھی خرچہ کرنا پڑتا ہے اور جہاد میں شریک ہونے کے لیے بھی مال کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے ہتھیاروں کی تیاری کا حکم دینے کے ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو بھی کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس سب کا پورا پورا اجر پاؤ گے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا....

مسلمانوں کی تیاری اور مجاہدانہ قربانیوں کو دیکھ کر بہت ممکن ہے کہ کفار مرعوب ہو کر صلح و آشتی کے خواستگار ہوں تو آپ کو ارشاد ہے کہ حسب صوابدید آپ بھی صلح کا ہاتھ بڑھا دیں۔ کیونکہ جہاد سے خونریزی نہیں، اعلائے کلمۃ اللہ اور دفع فتنہ مقصود ہے۔ اگر بدون خونریزی کے یہ مقصد حاصل ہو سکے تو خواہی نخواہی خون بہانے کی کیا حاجت ہے اگر یہ احتمال ہو کہ شاید کفار صلح کے پردہ میں ہم کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں تو کچھ پروانہ کیجئے اللہ پر بھروسہ رکھئے وہ ان کی نیتوں کو جانتا اور ان کے اندرونی مشوروں کو سنتا ہے اس کی حمایت کے سامنے ان کی بدنیتی نہ چل سکے گی آپ اپنی نیت صاف رکھئے۔

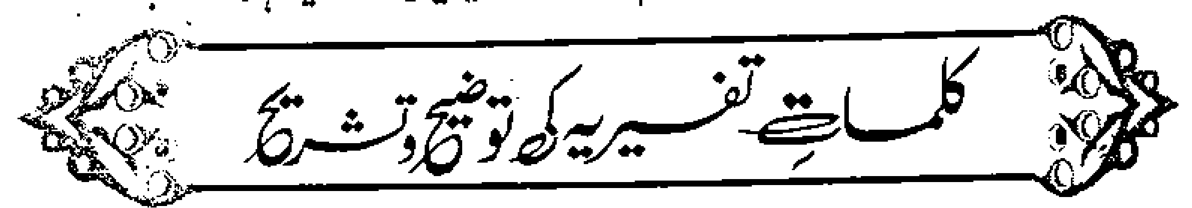
اسلام سے پہلے عرب میں جدال و قتال اور نفاق و شقاق کا بازار گرم تھا۔ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر قبائل آپس میں ٹکراتے رہتے تھے۔ دو جماعتوں میں جب لڑائی شروع ہو جاتی تو صدیوں تک اس کی آگ ٹھنڈی نہ ہوتی تھی مدینہ کے دو زبردست قبیلوں اوس و خزرج کی حریفانہ نبرد آزمائی اور دیرینہ عداوت و بغض کا سلسلہ کسی طرح ختم نہ ہوتا تھا۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور عزت و آبرو کے بھوکے تھے۔ ان حالات میں آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ توحید و معرفت اور اتحاد و اخوت کا عالمگیر پیغام لے کر مبعوث ہوئے۔ لوگوں نے انہیں بھی ایک فریق ٹھہرالیا اور سب نے مل کر خلاف و شقاق کا رخ ادھر پھیر دیا۔ پرانے کینے اور عداوتیں چھوڑ کر ہر قسم کی دشمنی کے لیے حضور ﷺ کی ذات قدسی صفات کو مطمح نظر بنالیا۔ وہ آپ کی پند و نصیحت سے گھبراتے تھے اور آپ کے سایہ سے بھاگتے تھے۔ دنیا کی کوئی طاقت نہ تھی جو درندوں کی بھیڑ اور بہائم کے گلہ میں معرفت الٰہی اور حب نبوی کی روح پھونک کر اور شراب اور توحید کا متوالا بنا کر سب کو ایک دم اخوت و الفت باہمی کی زنجیر میں جکڑ دیتی اور اس مقدس ہستی کا درہم ناخریدہ غلام اور عاشق جاں نثار بنا دیتی جس سے زیادہ چند روز پہلے ان کے نزدیک کوئی مبغوض ہستی نہ تھی بلاشبہ روئے زمین کے خزانے خرچ کر کے بھی یہ مقصد حاصل نہ کیا جا سکتا تھا جو اللہ کی رحمت و اعانت سے ایسی سہولت کے ساتھ حاصل ہو گیا۔ خدا نے حقیقی بھائیوں سے زیادہ ایک کی الفت دوسرے کے دل میں ڈال

دی۔ اور پھر سب کی الفتوں کا اجتماعی مرکز حضور انور کی ذات منبع البرکات کو بنا دیا۔ قلوب کو دفعۃً ایسا پلٹ دینا خدا کے زور قدرت کا کرشمہ ہے اور ایسی شدید ضرورت کے وقت سب کو محبت و الفت کے ایک نقطہ پر جمع کر دینا اس کے کمال حکمت کی دلیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ حَثِّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ لِلْكُفَّارِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ
يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ مِنْهُمْ وَ اِنْ يَّكُنْ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
بِاَنَّهُمْ اَیْ بِسَبَبِ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۞ هٰذَا خَبَرٌ بِمَعْنَى الْاَمْرِ اَیْ لِيُقَاتِلِ الْعِشْرُوْنَ مِنْكُمُ الْمِائَتَيْنِ
وَالْمِائَةُ الْاَلْفَ وَ يَثْبُتُوْا لَهُمْ ثُمَّ نُسِخَ لَمَّا كَثُرُوْا بِقَوْلِهِ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ
بِضَمِّ الضَّادِ وَفَتْحِهَا عَنْ قِتَالِ عَشَرَةِ اَمْثَالِكُمْ فَاِنْ يَّكُنْ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا
مِائَتَيْنِ ۚ مِنْهُمْ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ بِاِرَادَتِهِ وَهُوَ خَبَرٌ بِمَعْنَى الْاَمْرِ
اَیْ لِتُقَاتِلُوْا مِثْلَيْكُمْ وَتَثْبُتُوْا لَهُمْ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۞ بِعَوْنِهِ وَ نَزَلَ لَمَّا اَخَذُوا الْفِدَاءَ مِنْ اَسْرٰى بَدْرٍ مَا
كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ يُبَالِغَ فِي قَتْلِ الْكُفَّارِ تُرِيْدُوْنَ
اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ حُطَامَهَا بِاَخْذِ الْفِدَاءِ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ لَكُمُ الْاٰخِرَةَ ۭ اَیْ ثَوَابَهَا بِقَتْلِهِمْ وَ
اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۞ وَهٰذَا مَنْسُوْخٌ بِقَوْلِهِ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ بِاِحْلَالِ
الْغَنَائِمِ وَالْاَسْرٰى لَكُمْ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ مِنَ الْفِدَاءِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۞ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا
ع طَيِّبًا ڮ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞

ترجمہ: اے نبی آپ مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے (کافروں سے قتال پر) اگر تم میں سے بیس شخص ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو (ان کافروں میں سے) دو سو پر غالب آ جائیں گے اور اگر تم میں سو صبر کرنے والے ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب رہیں گے اس وجہ سے کہ وہ کفار ایسے لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے (بِاَنَّهُمْ میں باء سببیہ ہے اور خبر بمعنی امر ہے یعنی تم میں سے دس کو دو سو کے ساتھ قتال کرنا چاہئے اور سو کو ہزار کے ساتھ اور ان کے مقابلے میں ثابت قدم رہو پھر جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو قول اَلْئٰنَ سے منسوخ کر دیا گیا۔ جب بدر کے قیدیوں سے فدیہ لیا اور چھوڑ دیا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ (الآیۃ) کسی نبی کی شان کے لائق نہیں کہ انکے قیدی باقی رہیں آیت میں يَكُوْنَ یاء

اور تاء دونوں طرح ہے۔ جب تک کہ وہ زمین میں خوب خونریزی نہ کرلیں (کفار کے قتل میں مبالغہ نہ کرلیں۔ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ﷺ الآیۃ (اے مسلمانو!) تم دنیا کا مال واسباب (فدیہ لے کر دنیا کا سازوسامان) چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ (تمہارے لئے (آخرت کو چاہتے ہیں یعنی کافروں کو قتل کر کے آخرت کا ثواب چاہتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست بڑی حکمت والے ہیں۔ وَهٰذَا مَنْسُوْخٌ بِقَوْلِهٖ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً یعنی یہ حکم مذکور (فدیہ لے کر چھوڑنے کی حرمت) ارشاد ربانی (سورۂ محمد کی آیت ۴ سے منسوخ ہے)۔ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ الآیۃ اگر اللہ تعالیٰ کا نوشتہ (تقدیر) پہلے نہ لکھا جاچکا ہوتا (تمہارے لئے مال غنیمت کے حلال ہونے اور قیدیوں کے جائز ہونے کا تمہارے لئے) تو البتہ پہونچتا تم کو اس (فدیہ) کے بارے میں جو تم نے (بدر کے قیدیوں سے) لیا ہے بڑا عذاب۔



قوله: بِسَبَبِ: اس میں باسببیہ ہے مع کے معنی میں نہیں۔

قوله: وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ: اس میں اشکال ہے کیونکہ علم کو ضعف سے مقید کیا گیا ہے۔ علم الٰہی کا اس سے تعلق کہیں آئندہ کے اعتبار سے اور کہیں حالت وقوع کے اعتبار سے ہے۔

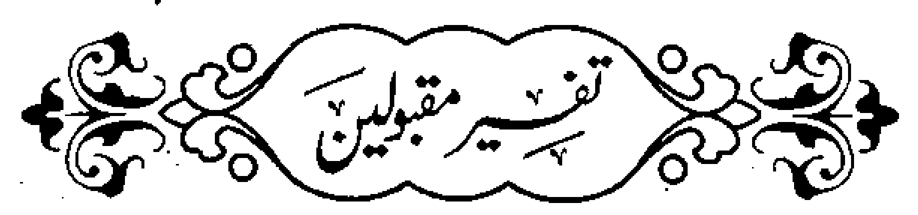
قوله: بِاِرَادَتِهٖ: غلبہ فقط اذن سے متعلق نہیں بلکہ ہر شئی میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ لازم ہے۔

قوله: يُبَالِغَ فِيْ قَتْلِ: یعنی وہ اس قدر کفار کو قتل کرے یہاں تک کہ کفار ذلیل ہو جائیں۔

قوله: حِطَامَهَا: ٹوٹی پھوٹی چیز کاریزہ۔ تھوڑا دنیاوی مال۔

قوله: لَكُمْ الْاٰخِرَةَ: اس کا ذاتی نفع نہیں۔

قوله: ثَوَابَهَا: اس کو مقدر مانا کیونکہ نفس آخرت تو بغیر جہاد کے سب کے لیے ثابت ہے۔



يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ....

یہ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی کہ تھوڑے بھی ہوں تو جی نہ چھوڑیں خدا کی رحمت سے دس گنے دشمنوں پر غالب آئیں گے سبب یہ ہے کہ مسلمان کی لڑائی محض خدا کے لیے ہے۔ وہ خدا کو اور اس کی مرضی کو پہچان کر اور یہ سمجھ کر میدان جنگ میں قدم رکھتا ہے کہ خدا کے راستہ میں مرنا اصلی زندگی ہے اس کو یقین ہے کہ میری تمام قربانیوں کا ثمرہ آخرت میں ضرور ملنے والا ہے خواہ میں غالب ہوں یا مغلوب۔ اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جو تکلیف میں اٹھاتا ہوں وہ فی الحقیقت مجھ کو دائمی خوشی اور ابدی

مسرت سے ہمکنار کرنے والی ہے۔ مسلمان جب یہ سمجھ کر جنگ کرتا ہے تو تائید ایزدی مددگار رہتی ہے اور موت سے وحشت نہیں رہتی۔ اسی لیے پوری دلیری اور بے جگری سے لڑتا ہے۔ کافر چونکہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس لیے محض حقیر اور فانی اغراض کے لیے بہائم کی طرح لڑتا ہے اور قوت قلبی اور امداد غیبی سے محروم رہتا ہے۔ بناء علیہ خبر اور بشارت کے رنگ میں حکم دیا گیا کہ مومنین کو اپنے سے دس گنے دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدمی سے لڑنا چاہیے۔ اگر مسلمان بیس ہوں تو دو سو کے مقابلہ سے نہ ہٹیں اور سو ہوں تو ہزار کو پیٹھ نہ دکھلائیں۔

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ....

بخاری میں ابن عباس سے منقول ہے کہ گذشتہ آیت جس میں مسلمانوں کو دس گنا کافروں کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنے کا حکم تھا، جب لوگوں کو بھاری معلوم ہوئی تو اس کے بعد یہ آیت اتری: (اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ) (الانفال:٦٦) یعنی خدا نے تمہاری ایک قسم کی کمزوری اور سستی کو دیکھ کر پہلا حکم اٹھالیا۔ اب صرف اپنے سے دوگنی تعداد کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا ضروری اور بھاگنا حرام ہے یہ کمزوری یا سستی جس کی وجہ سے حکم میں تخفیف ہوئی، کئی وجوہ سے ہوسکتی ہے۔ ابتدائے ہجرت میں گنے چنے مسلمان تھے جن کی قوت وجلادت معلوم تھی، کچھ مدت کے بعد ان میں سے بہت افراد بوڑھے اور کمزور ہوگئے اور جو نئی پود آئی ان میں پرانے مہاجرین وانصار جیسی بصیرت، استقامت اور تسلیم وتفویض نہ تھی، اور تعداد بڑھ جانے سے کسی درجہ میں اپنی کثرت پر نظر اور توکل علی اللہ میں قدرے کمی ہوئی ہوگی۔ اور ویسے بھی طبیعت انسانی کا خاصہ ہے کہ جو سخت کام تھوڑے آدمیوں پر پڑ جائے تو کرنے والوں میں جوش عمل زیادہ ہوتا ہے اور ہر شخص اپنی بساط سے بڑھ کر ہمت کرتا ہے لیکن وہی کام جب بڑے مجمع پر ڈال دیا جائے تو ہر ایک دوسرے کا منتظر رہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ آخر کچھ میں ہی تنہا تو اس کا ذمہ دار نہیں۔ اسی قدر جوش، حرارت اور ہمت میں کمی ہو جاتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اول کے مسلمان یقین میں کامل تھے، ان پر حکم ہوا تھا کہ اپنے سے دس گنے کافروں پر جہاد کریں، پچھلے مسلمان ایک قدم کم تھے، تب یہی حکم ہوا کہ دوگنوں پر جہاد کریں۔ یہی حکم اب بھی باقی ہے لیکن اگر دگنے سے زیادہ پر حملہ کریں تو بڑا اجر ہے۔ حضرت عمر کے وقت میں ہزار مسلمان اسی ہزار سے لڑے ہیں۔ غزوہ موتہ میں تین ہزار مسلمان دولاکھ کفار کے مقابلہ میں ڈٹے رہے۔ اس طرح کے واقعات سے اسلام کی تاریخ بحمد اللہ بھری پڑی ہے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى....

بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے پر عتاب:

غزوۂ بدر میں ستر کافر مارے گئے اور ستر کافروں کو قید کر کے مدینہ منورہ لایا گیا۔ اب یہ سوال پیدا ہوا کہ ان قیدیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ مشورہ میں جب بات آئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ آپ کی قوم کے افراد ہیں اور رشتہ دار بھی ہیں ان کو زندہ رہنے دیجیے! اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام قبول

کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔ اور اس وقت ان سے فدیہ لے لیا جائے یعنی ان کی جانوں کے بدلہ میں مال لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا، شہر مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا۔ اجازت دیجیے کہ ہم ان کی گردنیں مار دیں، اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کوئی ایسی جگہ دیکھئے۔ جہاں خوب زیادہ لکڑیاں ہوں انہیں اس میں داخل کر کے آگ سے جلا دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو اختیار فرما لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب نازل ہوا۔ جو اوپر پہلی دو آیتوں میں مذکور ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگلے دن جب میں حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ آپ اور آپ کے ساتھی کیوں رو رہے ہیں؟ مجھے رونے کا سبب معلوم ہو جائے تو میں بھی رونے لگوں اور اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت ہی بنا کر آپ کی موافقت کر لوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ فدیہ لینے کی لوگوں نے جو رائے دی تھی اس رائے کے اختیار کرنے پر مجھے اس قریب والے درخت سے ورے عذاب آتا ہوا معلوم ہو رہا ہے۔ (معالم التنزیل)

مذکورہ قیدیوں کو مال لے کر چھوڑنے کا جو فیصلہ کر لیا گیا تھا اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند تھی۔ اس لیے عتاب نازل فرمایا پھر عذاب کو روک لیا اور اس مال کو لینے اور کھانے کی اجازت دے دی اول تو یہ فرمایا کہ یہ نبی کی شان کے لائق نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں اور انہیں چھوڑ دیا جائے بلکہ خونریزی کرنی چاہیے تاکہ کفار کی شوکت بالکل ٹوٹ جائے اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی سکت ان میں باقی نہ رہے جن حضرات نے مال لینے کی رائے دی تھی ان کے سامنے ایک مصلحت تو یہ تھی کہ امید ہے کہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے اور دوسری مصلحت یہ تھی کہ اس وقت مسلمانوں کو حاجت اور ضرورت ہے مال مل جائے گا تو مسلمانوں کو کافروں کے مقابلہ میں قوت پہنچ جائے گی۔ اس مال لینے کے جذبہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا (تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ) کہ تم دنیا کو چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم آخرت کے طالب بنو، تمہیں آخرت میں اجور اور ثمرات ملیں۔ کافر قیدیوں کو قتل کرنے میں کفر کی مغلوبیت تھی جو اور زیادہ اسلام کے پھیلنے کا ذریعہ ہے جیسے جیسے مسلمانوں کے ہاتھوں اسلام پھیلے گا مسلمانوں کی آخرت بھی اچھی بنے گی اور درجات بلند ہوں گے۔

(وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ) (اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے) اس نے تم کو کافروں پر غلبہ دیا۔ اس کے بعد بھی غلبہ دے گا اور اپنی حکمت کے موافق جب چاہے گا تمہیں مالا مال فرمائے گا۔ اس وقت ذرا سی دیر محسوس کر کے جو فدیہ لینے پر اتر آئے یہ ناپسندیدہ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى ۙ وَفِي قِرَاءَةٍ مِنَ الْاُسْرٰى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا اِيْمَانًا وَاِخْلَاصًا يُّؤْتِكُمْ اللّٰهُ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ مِنَ الْفِدَاءِ بِاَنْ يُضَعِّفَهُ لَكُمْ فِي الدُّنْيَا وَيُثِيْبَكُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ۭ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَ اِنْ يُّرِيْدُوْا اَيِ الْاَسْرٰى

خِيَانَتَكَ بِمَا اَظْهَرُوْا مِنَ الْقَوْلِ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ قَبْلَ بَدْرٍ بِالْكُفْرِ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ بِبَدْرٍ
قَتْلًا وَاَسْرًا فَلْيَتَوَقَّعُوْا مِثْلَ ذٰلِكَ اِنْ عَادُوْا وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِخَلْقِهٖ حَكِيْمٌ ۝ فِيْ صُنْعِهٖ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَهُمُ الْمُهَاجِرُوْنَ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا النَّبِيَّ وَّنَصَرُوْٓا
وَهُمُ الْاَنْصَارُ اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ فِي النُّصْرَةِ وَالْاِرْثِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا
لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ بِكَسْرِ الْوَاوِ وَفَتْحِهَا مِّنْ شَيْءٍ فَلَا اِرْثَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ وَلَا نَصِيْبَ لَهُمْ فِي
الْغَنِيْمَةِ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَهٰذَا مَنْسُوْخٌ بِاٰخِرِ السُّوْرَةِ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ
لَهُمْ عَلَى الْكُفَّارِ اِلَّا عَلٰي قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ عَهْدٌ فَلَا تَنْصُرُوْهُمْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَنْقُضُوْا
عَهْدَهُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ فِي النَّصْرِ وَالْاِرْثِ
فَلَا اِرْثَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ اَيْ تَوَلِّي الْمُؤْمِنِيْنَ وَقَطْعَ الْكُفَّارِ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ
كَبِيْرٌ ۝ بِقُوَّةِ الْكُفْرِ وَضُعْفِ الْاِسْلَامِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا
وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ فِي الْجَنَّةِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ
بَعْدُ اَيْ بَعْدَ السَّابِقِيْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ وَالْهِجْرَةِ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۭ اَيُّهَا
الْمُهٰجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ ذَوُو الْقَرَابَاتِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِي الْاِرْثِ مِنَ التَّوَارُثِ
بِالْاِيْمَانِ وَالْهِجْرَةِ الْمَذْكُوْرَةِ فِي الْاٰيَةِ السَّابِقَةِ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اَللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ
١٠ ع ٦ عَلِيْمٌ ۝ وَمِنْهُ حِكْمَةُ الْمِيْرَاثِ

ترجمہ: اے پیغمبر آپ کے قبضہ میں جو قیدی ہیں آپ ان سے فرما دیجئے (ایک قراءت میں بجائے الْاَسْرٰی کے الْاُسٰرٰی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں کوئی بھلائی (ایمان وخلوص نیت کی) جانے گا تو جو کچھ تم سے (فدیہ میں) لیا گیا ہے (دنیا میں) اس سے بہتر تم کو دیدیگا (بایں طور پر کہ دنیا میں کئی گونہ بڑھا کر دے گا اور آخرت میں ثواب ملے گا) اور (آخرت میں تمہارے تمام گناہوں کو بخش دیگا اور اللہ بڑی مغفرت والے ہیں اور بڑی رحمت والے ہیں۔ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اَيِ الْاَسْرٰی خِيَانَتَكَ الآیۃ اور اگر یہ (قیدی) لوگ آپ کے ساتھ خیانت (دغا) کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں (اس قول کے ذریعہ جو ان لوگوں نے زبان سے ظاہر کیا جیسا (اس سے پہلے انہوں نے اللہ کے ساتھ خیانت کی تھی (بدر

سے پہلے کفر کر کے) پس اللہ نے ان پر قدرت دی (بدر میں قتل اور قید کی صورت میں تو ان لوگوں کو پھر اس کی توقع کرنی چاہئے اگر دوبارہ غدر و خیانت کریں) اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں (اپنی مخلوق کو) اور بڑی حکمت والے ہیں اپنے کام میں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الآیۃ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مال اور اپنی جان سے اللہ کے راستے میں جہاد بھی کیا (اور یہ حضرات مہاجرین ہیں۔ اور جن لوگوں نے (نبی اکرم ﷺ کو) ٹھکانہ دیا اور (جان و مال سے ان کی) مدد کی (اور یہ حضرات انصار ہیں) یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں، نصرت اور وراثت میں، وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا الآیۃ اور جو لوگ ایمان تو لائے و لیکن ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں ولایت واؤ کے زبر کے ساتھ ہے اور زبر کے ساتھ (لہٰذا تمہارے درمیان اور ان کے درمیان نہ میراث جاری ہوگی اور نہ ان کو مال غنیمت میں سے حصہ ملے گا یہاں تک کہ وہ (مدینہ کی طرف) ہجرت کریں (اور یہ حکم منسوخ ہے اس سورہ کے آخر واو لوا الارحام الآیۃ سے وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْکُمْ الآیۃ اور اگر تم سے مدد مانگیں (دین کے کام میں یعنی کافروں کے مقابلہ میں) تو تم پر (ان کی) مدد واجب ہے۔ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍ الآیۃ مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ ہو تو ان کے خلاف ان کی مدد کرو اور نہ عہد شکنی کرو۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور فساد ہوگا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ٹھکانہ دیا اور مدد کی یہ وہ لوگ ہیں جو واقعی ایمان والے ہیں ان کے لئے مغفرت ہے اور رزق کریم ہے۔ اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا سو یہ لوگ تم میں سے ہیں اور جو لوگ رشتہ دار ہیں وہ اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے قریب تر ہیں بلاشبہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: خِیَانَتَکَ: اس سے مراد عہد کا توڑنا ہے۔

قوله: مِنْهُمْ: یعنی تمہیں ان پر قابو دیا۔ یہاں مفعول کو حذف کیا کیونکہ وہ ظاہر ہے۔

قوله: اٰوَوْا: عرب کہتے ہیں: اویت وو ویت۔ اتارنا۔

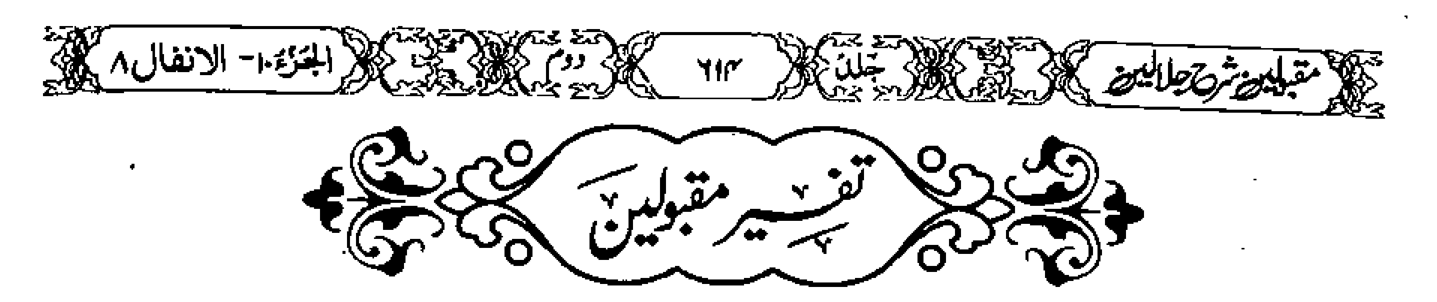
قوله: وَالْاِرْثِ: ابتداء اسلام میں انصار و مہاجر ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہم کا قول ہے۔

قوله: الوَلَایَۃ: واو کے کسرہ و فتحہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ کسرہ کی صورت میں استعمال مشابہت کی وجہ سے ہے۔

قوله: الْمُؤْمِنِیْنَ: اس سے اشارہ ہے کہ تَفْعَلُوْہُ کی ضمیر اسم اشارہ کی جگہ ہے۔ جس سے تمام مذکور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ اس سے قبل کہ وہ امر و نہی پر دلالت کرے۔

قوله: وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا: اس میں کفار کی صلہ رحمی سے ممانعت کی گئی ہے۔

قوله: وَمِنْهُ حِکْمَۃٌ: اس نے گزشتہ کے ساتھ ربط کو بیان کر دیا۔



يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ ....

بدر کے قیدیوں سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ:

غزوہ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ اسلام اور مسلمانوں کے وہ دشمن جنہوں نے ان کے ستانے، مارنے، قتل کرنے میں کسی وقت بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور جب موقع مل گیا انتہائی وحشیانہ مظالم ان پر کئے مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہو جانے کے بعد ان کی جان بخشی کر دینا کوئی معمولی بات نہ تھی ان کے لئے بڑی غنیمت اور انتہائی لطف و کرم تھا فدیہ میں جو رقم ان سے لی گئی وہ بھی نہایت معمولی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم دیکھئے کہ اس معمولی رقم کے دینے سے جو ایک قسم کی تکلیف ان کو پیش آئی اس کو بھی کس طرح رفع فرمایا جاتا ہے۔ آیت مذکورہ میں ارشاد ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں کوئی خیر پائیں گے تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے دیں گے۔ اور اس پر مزید یہ کہ تمہارے پچھلے گناہ بخش دیں گے۔ خیر سے مراد ایمان اور اخلاص ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آزاد ہونے کے بعد ان قیدیوں میں جو لوگ ایمان و اسلام کو اخلاص کے ساتھ اختیار کرلیں گے تو جو کچھ فدیہ میں دیا ہے اس سے زیادہ اور بہتر ان کو مل جائے گا۔ قیدیوں کو آزاد و خود مختار کر دینے کے ساتھ اس طرح دعوت دی گئی کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنے نفع نقصان پر غور کریں۔ چنانچہ واقعات شاہد ہیں کہ ان لوگوں میں سے جو مسلمان ہو گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت اور جنت کے درجات عالیہ کے علاوہ دنیا میں بھی ان کو اتنا مال و دولت دے دیا جو ان کے فدیہ سے بدر جہا زائد تھا۔

اکثر مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت رسول کریم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی تھی کیونکہ وہ بھی بدر کے قیدیوں میں شامل تھے اور ان سے بھی فدیہ لیا گیا تھا۔ ان کی خصوصیت اس معاملہ میں یہ تھی کہ جنگ بدر میں یہ مکہ سے اپنے ساتھ تقریباً سات سو گنی سونا لے کر چلے تھے تا کہ وہ لشکر کفار پر خرچ کیا جائے اور ابھی یہ خرچ ہونے نہیں پایا تھا کہ وہ مع اس سونے کے گرفتار کر لئے گئے۔

جب فدیہ دینے کا وقت آیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میرے ساتھ جو سونا تھا اس کو میرے فدیہ کی رقم میں لگا لیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو مال آپ کفر کی امداد کے لئے لائے تھے وہ تو مسلمانوں کا مال غنیمت بن گیا۔ فدیہ اس کے علاوہ ہونا چاہئے اور ساتھ ہی بھی فرمایا کہ اپنے دو بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کا فدیہ بھی آپ ادا کریں۔ عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگر اتنا مالی بار مجھ پر ڈالا گیا تو مجھے قریش سے بھیک مانگنا پڑے گی میں بالکل فقیر ہو جاؤں گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ کیوں کیا آپ کے پاس وہ مال موجود نہیں جو مکہ سے روانگی کے وقت آپ نے

اپنی زوجہ ام الفضل کے حوالہ کیا ہے۔ حضرت عباس نے پوچھا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا جب کہ وہ میں نے رات کی تاریکی اور تنہائی میں اپنی بیوی کے سپرد کیا تھا اور کوئی تیسرا آدمی اس سے واقف نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے اس کی پوری تفصیل بتلادی۔ حضرت عباس کے دل میں یہ سن کر آنحضرت ﷺ کے سچے رسول ہونے کا یقین ہوگیا۔ اس سے پہلے بھی وہ آنحضرت ﷺ کے دل سے معتقد تھے مگر کچھ شبہات تھے جو اللہ تعالیٰ نے اس وقت رفع فرمادیئے اور وہ درحقیقت اسی وقت سے مسلمان ہوگئے۔ مگر ان کا بہت سارو پیہ قریش مکہ کے ذمہ قرض تھا۔ اگر یہ اسی وقت اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کردیتے تو وہ روپیہ مارا جاتا اس لئے اعلان نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی کسی سے اس کا اظہار نہیں کیا۔ فتح مکہ سے پہلے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی اجازت چاہی کہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آجائیں مگر حضور ﷺ نے ان کو یہی مشورہ دیا کہ ابھی ہجرت نہ کریں۔

حضرت عباس کی اس گفتگو پر رسول اللہ ﷺ نے آیت مذکورہ میں آیا ہوا وعدہ بھی ان کو بتلادیا کہ اگر آپ نے اسلام قبول کرلیا اور اخلاص کے ساتھ مومن ہوگئے تو جو کچھ مال فدیہ میں خرچ کیا ہے اس سے بہتر اللہ آپ کو عطا فرمادیں گے۔ چنانچہ حضرت عباس اظہار اسلام کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اس وعدہ کا ظہور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ کیونکہ مجھ سے بیس اوقیہ سونا فدیہ میں لیا گیا تھا، اس وقت میرے بیس غلام مختلف جگہوں میں تجارت کا کاروبار کررہے ہیں اور کسی کا کاروبار بیس ہزار درہم سے کم کا نہیں ہے۔ اور اس پر مزید یہ انعام ہے کہ مجھے حجاج کو آب زمزم پلانے کی خدمت مل گئی ہے جو میرے نزدیک ایسا گرانقدر کام ہے کہ سارے اہل مکہ کے اموال بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتا ہوں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ....

ان آیات میں اصل ہجرت کے وہ احکام ہیں جن کا تعلق مہاجر مسلمانوں کی وراثت سے ہے، اس کے بالمقابل غیر مہاجر مسلمان اور غیر مسلموں کی وراثت کا بھی ذکر آیا ہے۔

خلاصہ ان احکام کا یہ ہے کہ جن لوگوں پر شرعی احکام عائد ہوتے ہیں وہ اولا دو قسم پر ہیں۔ مسلم، کافر۔ پھر مسلم اس وقت کے لحاظ سے دو قسم کے تھے ایک مہاجر جو مکہ سے ہجرت فرض ہونے پر مدینہ طیبہ میں آکر مقیم ہوگئے تھے۔ دوسرے غیر مہاجر جو کسی جائز عذر سے یا کسی دوسری وجہ سے مکہ ہی میں رہ گئے تھے۔

باہمی رشتہ داری اور قرابت ان سب قسم کے افراد میں دائر تھی کیونکہ اوائل اسلام میں بکثرت ایسا تھا کہ بیٹا مسلمان ہے باپ کافر یا باپ مسلمان ہے بیٹا کافر۔ اسی طرح بھائی بھتیجوں اور نانے ماموں وغیرہ کا حال۔ اور مسلمان مہاجر اور غیر مہاجر میں رشتہ داریاں ہونا تو ظاہر ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ اور حکمت بالغہ کی وجہ سے مرنے والے انسان کے چھوڑے ہوئے مال کا مستحق اسی کے قریبی عزیزوں، رشتہ داروں کو قرار دیا ہے حالانکہ اصل حقیقت یہ تھی کہ جس کو جو کچھ دنیا میں ملا وہ سب کا سب اللہ تعالیٰ کی ملک حقیقی تھا، اسی کی طرف سے زندگی بھر استعمال کرنے، نفع اٹھانے کے لئے انسان کو دے کر عارضی مالک بنادیا گیا تھا اس لئے

تقاضائے عقل وانصاف تو یہ تھا کہ ہر مرنے والے کا ترکہ اللہ تعالیٰ کی ملک کی طرف لوٹ جاتا جس کی عملی صورت اسلامی بیت المال میں داخل کرنا تھا جس کے ذریعہ ساری خلق اللہ تعالیٰ کی پرورش اور تربیت ہوتی ہے۔ مگر ایسا کرنے میں ایک تو ہر انسان کے طبعی جذبات کو ٹھیس لگتی جب کہ وہ جانتا کہ میرا مال میرے بعد نہ میری اولاد کو ملے گا نہ ماں باپ اور بیوی کو۔ اور پھر اس کا یہ نتیجہ بھی طبعی طور پر لازمی سا تھا کہ کوئی شخص اپنا مال بڑھانے اور اس کو محفوظ رکھنے کی فکر نہ کرتا صرف اپنی زندگی کی حد تک ضروریات جمع رکھنے سے زائد کوئی شخص محنت وجانفشانی نہ کرتا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ پورے انسانوں اور شہروں کے لئے تباہی وبربادی کی صورت اختیار کرتا۔

اس لئے حق تعالیٰ جل شانہ نے میراث کو انسان کے رشتہ داروں کا حق قرار دے دیا بالخصوص ایسے رشتہ داروں کا جن کے فائدہ ہی کے لئے وہ اپنی زندگی میں مال جمع کرتا اور طرح طرح کی محنت مشقت اٹھاتا تھا۔

اس کے ساتھ اسلام نے اس اہم مقصد کو بھی وراثت کی تقسیم میں سامنے رکھا جس کے لئے انسان کی تخلیق ہوئی یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت۔ اور اس کے لحاظ سے پورے عالم انسان کو دو الگ الگ قومیں قرار دے دیا۔ مومن اور کافر۔ آیت قرآن: خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ کا یہی مطلب ہے۔

اسی دو قومی نظریہ نے نسبی اور خاندانی رشتوں کو میراث کی حد تک قطع کر دیا کہ نہ کسی مسلمان کو کسی رشتہ دار کافر کی میراث سے کوئی حصہ ملے گا اور نہ کسی کافر کسی مسلمان رشتہ دار کی وراثت میں کوئی حق ہوگا۔ پہلی دو آیتوں میں یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ اور یہ حکم دائمی اور غیر منسوخ حکم ہے کہ اول اسلام سے لے کر قیامت تک یہی اسلام کا اصول وراثت ہے۔ اس کے ساتھ ایک دوسرا حکم مسلمان مہاجر اور غیر مہاجر دونوں کے آپس میں وراثت کا ہے۔ جس کے متعلق پہلی آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ مسلمان جب تک مکہ سے ہجرت نہ کرے اس وقت تک اس کا تعلق بھی ہجرت کرنے والے مسلمانوں سے وراثت کے بارہ میں منقطع ہے۔ نہ مہاجر مسلمان اپنے غیر مہاجر مسلمان رشتہ دار کا وارث ہوگا اور نہ غیر مہاجر کسی غیر مہاجر مسلمان کی وراثت سے کوئی حصہ پائے گا یہ حکم ظاہر ہے کہ اس وقت تک تھا جب تک کہ مکہ مکرمہ فتح نہیں ہوا تھا فتح مکہ کے بعد تو خود رسول کریم ﷺ نے اعلان فرما دیا تھا لاھجرۃ بعد الفتح۔ یعنی فتح مکہ کے بعد ہجرت کا حکم ختم ہوگیا اور جب ہجرت کا حکم ہی ختم ہوگیا تو ترک ہجرت کرنے والوں سے بے تعلقی کا سوال ختم ہوگیا۔

اسی لئے اکثر مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ حکم فتح مکہ سے منسوخ ہو چکا ہے اور اہل تحقیق کے نزدیک یہ حکم بھی دائمی غیر منسوخ ہے مگر حالات کے تابع بدلا ہے، جن حالات میں نزول قرآن کے وقت یہ حکم آیا تھا اگر کسی زمانہ میں یا کسی ملک میں پھر ویسے ہی حالات پیدا ہو جائیں تو پھر یہی حکم جاری ہو جائے گا۔

توضیح اس کی یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ہر مسلمان مرد وعورت پر مکہ سے ہجرت کو فرض عین قرار دیا گیا تھا۔ اس حکم کی تعمیل میں بجز معدودے چند مسلمانوں کے سبھی مسلمان ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے تھے اور اس وقت مکہ سے ہجرت نہ کرنا اس کی علامت بن گیا تھا کہ وہ مسلمان نہیں اس لئے اس وقت غیر مہاجر کا اسلام بھی مشتبہ اور مشکوک تھا اس لئے مہاجر اور غیر مہاجر کی

باہمی وراثت کو قطع کر دیا گیا تھا۔

اب اگر کسی ملک میں پھر بھی ایسے ہی حالات پیدا ہو جائیں کہ وہاں رہ کر اسلامی فرائض کی ادائیگی بالکل نہ ہو سکے تو اس ملک سے ہجرت کرنا پھر فرض ہو جائے گا اور ایسے حالات میں بلا عذر قوی ہجرت نہ کرنا اگر یقینی طور پر علامت کفر کی ہو جائے تو پھر بھی یہی حکم عائد ہوگا کہ مہاجر اور غیر مہاجر میں باہمی وراثت جاری نہ رہے گی۔ اس تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ مہاجر اور غیر مہاجر میں قطع وراثت کو بیان کرتا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اس علامت کفر کی وجہ سے وراثت سے تو محروم کر دیا گیا مگر محض اتنی علامت کی وجہ سے اس کو کافر نہیں قرار دیا جب تک اس سے صریح اور واضح طور پر کفر کا ثبوت نہ ہو جائے۔

اور غالباً اسی مصلحت سے اس جگہ ایک اور حکم غیر مہاجر مسلمانوں کا ذکر کر دیا گیا ہے کہ اگر وہ مہاجر مسلمانوں سے امداد و نصرت کے طالب ہوں تو مہاجر مسلمانوں کو ان کی امداد کرنا ضروری ہے۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ غیر مہاجر مسلمانوں کو بالکل کافروں کی صف میں نہیں رکھا بلکہ ان کا یہ اسلامی حق باقی رکھا گیا کہ ضرورت کے وقت ان کی امداد کی جائے۔

اور چونکہ اس آیت کا شان نزول ایک خاص ہجرت ہے مکہ سے مدینہ کی طرف اور غیر مہاجر مسلمان وہی تھے جو مکہ میں رہ گئے تھے اور کفار مکہ کے نرغہ میں تھے تو یہ ظاہر ہے کہ ان کا امداد طلب کرنا انھیں کفار مکہ کے مقابلہ میں ہو سکتا تھا۔ اور جب قرآن کریم نے مہاجر مسلمانوں کو ان کی امداد کا حکم دے دیا تو بظاہر اس سے یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ ہر حال میں اور ہر قوم کے مقابلہ میں ان کی امداد کرنا مسلمانوں پر لازم کر دیا گیا ہے اگرچہ وہ قوم جس کے مقابلہ پر ان کو امداد مطلوب ہے اس سے مسلمانوں کا کوئی معاہدہ التواء جنگ کا بھی ہو چکا ہو۔ حالانکہ اصول اسلام میں عدل وانصاف اور معاہدہ کی پابندی ایک اہم فریضہ ہے۔ اس لئے اسی آیت میں ایک استثنائی حکم یہ بھی ذکر فرما دیا گیا کہ اگر غیر مہاجر مسلمان مہاجر مسلمانوں سے کسی ایسی قوم کے مقابلہ پر مدد طلب کریں جس سے مسلمانوں نے ترک جنگ کا معاہدہ کر رکھا ہے تو پھر اپنے بھائی مسلمانوں کی امداد بھی معاہد کفار کے مقابلہ میں جائز نہیں۔

یہ خلاصہ مضمون ہے پہلی دو آیتوں کا۔ اب الفاظ سے اس کو ملا کر دیکھئے، ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰى یُهَاجِرُوْا۔

یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کے لئے اپنے وطن اور اعزاء واقرباء کو چھوڑا اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا۔ مال خرچ کر کے ہتھیار اور سامان جنگ خریدا اور میدان جنگ کے لئے اپنی جانوں کو پیش کر دیا۔ اس سے مراد مہاجرین اولین ہیں۔ اور وہ لوگ جنہوں نے رہنے کو جگہ دی اور مدد کی۔ اس سے مراد انصار مدینہ ہیں۔ ان دونوں فریق کے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ پھر فرمایا کہ وہ لوگ جو ایمان تو لے آئے مگر ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے کوئی تعلق نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کریں۔

اس جگہ قرآن کریم نے لفظ ولی اور ولایت استعمال فرمایا ہے جس کے اصلی معنی دوستی اور گہرے تعلق کے ہیں۔ حضرت

ابن عباس، حسن قتادہ مجاہد وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اس جگہ ولایت سے مراد وراثت اور ولی سے مراد وارث ہے اور بعض حضرات نے ولایت کے لغوی معنی یعنی دوستی اور امداد واعانت ہی مراد لئے۔

پہلی تفسیر کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان مہاجر وانصار آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے ان کو تعلق وراثت نہ غیر مسلم کے ساتھ قائم رہے گا نہ ان مسلمانوں کے ساتھ جنہوں نے ہجرت نہیں کی۔ پہلا حکم یعنی اختلاف دین کی بنا پر قطع وراثت تو دائمی اور باقی رہا مگر دوسرا حکم فتح مکہ کے بعد جب کہ ہجرت ہی کی ضرورت نہ رہی تو مہاجر اور غیر مہاجر میں قطع وراثت کا حکم بھی باقی نہ رہا۔ اس سے بعض فقہاء نے اس پر استدلال کیا ہے کہ جس طرح اختلاف دین قطع وراثت کا سبب ہے اس طرح اختلاف دارین بھی قطع وراثت کا سبب ہے جس کی تفصیلی بحث کتب فقہ میں مذکور ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا: وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ یعنی یہ لوگ جنہوں نے ہجرت نہیں کی اگرچہ ان سے تعلق وراثت منقطع کر دیا گیا ہے مگر وہ بہر حال مسلمان ہیں اگر وہ اپنے دین کی حفاظت کے لئے مہاجر مسلمانوں سے مدد طلب کریں تو ان کے ذمہ ان کی امداد کرنا واجب ہے۔ مگر اس کے ساتھ اصول عدل وانصاف اور پابندی معاہدہ کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے اگر وہ کسی ایسی قوم کے مقابلہ پر تم سے امداد طلب کریں جس قوم سے تمہارا معاہدہ ترک جنگ کا ہو چکا ہے تو ان کے مقابلہ میں ان مسلمانوں کی امداد بھی جائز نہیں۔

صلح حدیبیہ کے وقت ایسا ہی واقعہ پیش آیا جس وقت رسول اللہ ﷺ نے کفار مکہ سے صلح کر لی اور شرائط صلح میں یہ بھی داخل تھا کہ مکہ سے جو شخص اب مدینہ جائے اس کو رسول اللہ ﷺ واپس کر دیں۔ عین اسی معاملہ صلح کے وقت ابو جندل جن کو کفار مکہ نے قید کر کے طرح طرح کی تکلیفوں میں ڈالا ہوا تھا کسی طرح حاضر خدمت ہو گئے اور اپنی مظلومیت کا اظہار کر کے رسول اللہ ﷺ سے مدد کے طالب ہوئے۔ آنحضرت ﷺ جو رحمت عالم بن کر آئے تھے ایک مظلوم مسلمان کی فریاد سے کتنے متاثر ہوئے ہوں گے اس کا اندازہ کرنا بھی ہر شخص کے لئے آسان نہیں مگر اس تاثر کے باوجود آیت مذکورہ کے حکم کے مطابق ان کی امداد کرنے سے عذر فرما کر واپس کر دیا۔ ان کی یہ واپسی سبھی مسلمانوں کے لئے انتہائی دل آزار تھی مگر سرور کائنات ﷺ ارشادات ربانی کے ماتحت گویا اس کا مشاہدہ فرما رہے تھے کہ اب ان مظالم کی عمر زیادہ نہیں رہی اور چند روز کے صبر کا ثواب ابو جندل کو اور ملنا ہے اس کے بعد بہت جلد مکہ فتح ہو کر یہ سارے قصے ختم ہونے والے ہیں۔ بہر حال اس وقت ارشاد قرآن کے مطابق آنحضرت ﷺ نے معاہدہ کی پابندی کو ان کی شخصی مصیبت پر ترجیح دی یہی شریعت اسلام کی وہ امتیازی خصوصیت ہے جس نے ان کو دنیا میں فتح وعزت اور آخرت کی فلاح کا مالک بنایا ہے۔ ورنہ عام طور پر دنیا کی حکومتیں معاہدات کا ایک کھیل کھیلتی ہیں جس کے ذریعہ کمزور کو دبانا اور قوت والے کو فریب دینا مقصد ہوتا ہے جس وقت اپنی ذرا سی مصلحت سامنے ہوتی ہے تو سو طرح کی تاویلیں کر کے معاہدہ کو ختم کر ڈالتے ہیں اور الزام دوسروں کے سر لگانے کی فکر کرتے ہیں۔

(معارف القرآن مفتی شفیع)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا.....

اولاً تو یہ فرمایا: (وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْ بَعْدُ وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓىِٕكَ مِنْكُمْ) اور جو لوگ بعد کے زمانہ میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا سو یہ لوگ بھی تم ہی میں سے ہیں اور تم ہی میں شمار ہیں۔ یعنی تم کو اولیت کی فضیلت حاصل ہے اور ان کو گو یہ فضیلت حاصل نہیں لیکن جب ایمان کے تقاضے پورے کر دیئے تو تم ہی میں شمار ہیں۔ ایمان کی فضیلت سب کو حاصل ہے۔ البتہ مراتب میں تفاوت ہے اور احکام میراث میں تو سب برابر ہیں۔ کیونکہ اس کا تعلق نسبی رشتوں سے ہے افضل اور غیر افضل ہونے سے نہیں ہے۔

ثانیاً یوں فرمایا: (وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ) اور جو لوگ آپس میں رشتہ دار ہیں اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے قریب تر ہیں لہٰذا رشتہ داریوں کی بنیاد پر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے جس کی تفصیل سورۂ نساء کے دوسرے رکوع میں گزر چکی ہے اس سے میراث کا وہ حکم منسوخ کر دیا گیا جو اوائل ہجرت میں مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کے بعد جاری کر دیا گیا تھا۔ یہ حکم ذوی الفروع اور عصبات سب کو شامل ہے بلکہ علماء فرائض کی اصطلاح میں جن کو ذوی الارحام کہا جاتا ہے ان کو بھی شامل ہے البتہ ان سب کے درمیان ترتیب ہے جو کتب فرائض میں مذکور ہے۔

ثالثاً فرمایا: (اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ) (بلاشبہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے)۔

اس میں تنبیہ ہے کہ احکام کی خلاف ورزی کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے اعمال کی خبر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کے اعمال کا علم ہے وہ سب کے ظاہر و باطن سے باخبر ہے۔ خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دے گا اور فرمانبرداری کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرمائے گا۔

مخالفین اسلام کا ایک اعتراض اور اس کا جواب

گزشتہ دونوں آیات کی مجموعی تفسیر پر اس سورت کے مندرجات ختم ہو گئے لیکن جیسا کہ ہم نے پیچھے عرض کیا ایک بات باقی رہ گئی اور وہ ہے معاندین و مخالفین کا یہ اعتراض کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلایا گیا، ایسا کیوں کہا گیا ہے؟ اس لیے کہ سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ دونوں میں کافروں سے لڑنے اور ان کو قتل کرنے کا حکم تھا اور یہی امر بحث کے قابل ہے جس کی نسبت مخالفین اسلام نے اپنی غلطی اور ناسمجھی سے اسلام کی نسبت مختلف پیرایوں میں اعتراض قائم کیے ہیں۔ اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کافروں کے ساتھ جو کیا تھا اور جس قدر اور جس طرح انہوں نے اللہ کے حکم سے کافروں کو قتل و غارت کیا اگر اس کا مقابلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی لڑائیوں سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ لڑائیاں بمقابلہ موسیٰ علیہ السلام کی لڑائیوں کے اللہ کی رحمت تھیں۔ پس جو لوگ تورات اور موسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں ان کے لیے تو حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول ہی کافی ہے کہ "تو اس تنکے کو جو تیرے بھائی کی آنکھ میں ہے کیوں دیکھتا ہے اور جو شہتیر کہ تیری آنکھ میں ہے اسے دریافت نہیں کرتا۔" مگر ہمارا یہ

طریقہ نہیں ہے کہ ہم صرف حجت الزامی پر اکتفا کریں بلکہ ہمارا مقصود ہر اُمر کی تحقیق کرنا اور اس کی اصلیت کو ظاہر کرنا ہے اس لیے ہم اس امر کی بخوبی تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔

اس امر پر جو اعتراض جامع جمیع اعتراضات ہوسکتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک بانی مذہب کو جس کا موضوع سچی اور سیدھی راہ کا بتانا اور اس کے نتیجوں کی خوشخبری دینا اور بدراہ کی برائی کو جتانا اور اس کے بدنتیجوں سے ڈرانا اور اپنی نصیحت اور وعظ سے انسانوں میں نیکی اور نیک دلی، رحم اور صلح، آپس میں محبّت و ہمدردی کا قائم کرنا اور تمام مصیبتوں اور تکلیفوں کو جو اس راہ میں پیش آئیں صبر وتحمل سے برداشت کرنا زیبا ہے یا زبردستی سے اور ہتھیاروں کے زور سے اور قتل وخونریزی سے ان کو منوانا لازم ہے۔ بس اب ہم کو اس امر کی تحقیق کرنا مقصود ہے کہ کیا قرآنِ کریم میں ہتھیار اُٹھانے کا حکم زبردستی سے اسلام منوانے کے لیے تھا؟

ہرگز نہیں! بلکہ قرآنِ مجید سے اور تمام لڑائیوں سے جو آنحضرت ﷺ کے وقت میں ہوئیں بخوبی ثابت ہے کہ وہ لڑائیاں صرف امن قائم رکھنے کے لیے ہوئی تھیں، نہ زبردستی سے اور ہتھیاروں کے زور سے اسلام منوانے کے لیے تھا۔

مکہ میں اہل مکہ نے آنحضرت ﷺ کی ذاتِ مبارک کو اور ان مرد اور عورتوں کو جو مسلمان ہو گئے تھے ایذا پہنچانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے خود اور ان کے پیرو مسلمان مرد عورت نے ان تمام مصیبتوں اور تکلیفوں کو نہایت صبر وتحمل سے برداشت کیا تھا جن کے خیال سے تعجب آتا ہے کہ کیونکر برداشت ہوئی تھیں۔

خاص آنحضرت ﷺ کی نسبت منہ در منہ دُشنام دہی کرنا اور برا کہنا اور تذلیل کرنا یہ تو ایک عام بات تھی جو روزمرہ ہوتی تھی۔ معززین قریش کمینہ لوگوں کو اور اپنے غلاموں کو اشارہ کرتے تھے اور وہ اس طرح سے آنحضرت ﷺ کو ایذا پہنچاتے تھے۔ ایک دفعہ اسی طرح ان کمینہ لوگوں اور قریش کے غلاموں نے آنحضرت ﷺ کو گھیر لیا اور گالیاں دینی اور سخت وسست الفاظ کہہ کر غل مچانی شروع کی تو بہت سے آدمی جمع ہو گئے اور ایسی دھکا پیل ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کو ایک احاطہ میں پناہ لینی پڑی۔ (ابن ہشام ص ۲۸۰)

ابولہب ہمیشہ آنحضرت ﷺ کے دروازہ پر نجاست اور نجس و بدبودار چیزیں ڈلوا دیتا تھا۔ (تاریخ ابن الاثیر ج ۲ ص ۲۸)

ام جمیل ابی لہب کی بیوی اس راستہ پر جہاں سے آنحضرت ﷺ کی آمد ورفت ہوتی تھی کانٹے ڈلوا دیتی تھی۔ (ابن ہشام ص ۲۳۲)

راہ چلنے کی حالت میں آنحضرت ﷺ کے سر مبارک پر لوگ مٹی اور کوڑا کرکٹ ڈال دیتے تھے۔ (ابن ہشام ص ۲۷۷)

قریش نے آپس میں نہایت سخت عہد کیا تھا کہ کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے پاس نہ جائے، ان کے پاس نہ بیٹھے، ان کی بات نہ سنے۔ ایک دفعہ عقبہ جا کر آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھا اور کچھ کلام سنا، اس کی خبر ابیّ کو پہنچی جو اس کا بڑا دوست تھا۔ وہ اس کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تو آنحضرت ﷺ کے پاس جا کر بیٹھا تھا اور ان کی باتیں سنیں تھیں،

تیری صورت مجھ کو دیکھنی اور تجھ سے بات کرنی حرام ہے اور میں اپنی قسم کو زیادہ سخت کروں گا اگر تو اب گیا اور ان کے پاس بیٹھا اور ان کی بات سنی کیا تجھ سے یہ نہ ہو سکا کہ ان کے منہ پر تھوک دیتا۔ چنانچہ اس خدا کے دشمن نے ایسا ہی کیا۔ (ابن ہشام ص ۲۳۸)

جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے ان پر بھی ظلم ہوتا تھا اور سخت ایذا پہنچائی جاتی تھی جہاں بے کس مسلمانوں کو دیکھتے تھے پکڑ لیتے تھے۔ قید کرتے تھے، مارتے تھے، بھوکا پیاسا رکھتے تھے، جلتی ریت میں ڈال دیتے تھے، آگ سے جلا کر ایذا پہنچاتے تھے۔ (تاریخ ابن الاثیر ج ۲ ص ۲۶)

حضرت بلال کو عین دو پہر میں سورج کی تپش کے وقت امیہ بن خلف کبھی منہ کے بل اور کبھی پیٹھ کے بل جلتی ریت پر ڈال دیتا تھا اور چت کر کے ان کی چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں تیرے ساتھ اسی طرح کیے جاؤں گا جب تک کہ تو مر جائے یا محمد (ﷺ) کے ساتھ کفر کرے۔ (تاریخ ابن الاثیر ج ۲ ص ۲۶)

ایک دفعہ انہوں نے عمار بن یاسر کو اور اس کے باپ اور ماں کو جو مسلمان ہو گئے تھے پکڑ لیا اور دھوپ میں جلتی ریت پر ڈال دیا۔ اتفاقاً آنحضرت ﷺ اُس طرف سے گزرے اور ان سے کہا: اے یاسر کے خاندان کے لوگو! صبر کرو تمہاری جگہ جنت میں ہے۔ حضرت یاسرؓ تو اس سختی کی حالت میں مر گئے اور ان کی بیوی سمیہ نے ابو جہل کے ساتھ سخت کلامی کی۔ ابو جہل نے وہ ہتھیار جو اس کے ہاتھ میں تھا حضرت سمیہ مظلومہ کی شرمگاہ پر مارا کہ وہ مر گئیں اور اس طرح وہ سب سے اوّل شہید ہوئی ہیں۔ اس کے بعد ابو جہل نے حضرت عمار کو ایذا پہنچانے میں زیادہ سختی کی۔ کبھی دھوپ میں ڈالتا تھا، کبھی آگ سے گرم کیا ہوا پتھر ان کے سینہ پر رکھواتا تھا، کبھی ان کو پانی میں ڈال کر ڈبواتا تھا۔ آخر کار اُن سے کہا کہ ہم تجھ کو کبھی نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ تو محمد (ﷺ) کو دشنام نہ دے اور لات کی تعریف نہ کرے لاچار انہوں نے ایسا ہی کیا تب ان کو چھوڑا۔ مگر ان کے دل میں ایمان مستحکم تھا۔ (تاریخ ابن الاثیر ج ۲ ص ۲۶)

خباب بن ارت کو کافروں نے پکڑ لیا اور نہایت سخت ایذا پہنچائی اُن کو ننگا کر کے منہ کے بل گرم جلتی ریت پر لٹاتے تھے اور پھر پتھر کی ؟؟ کتلوں کو آگ سے گرم کر کے اس پر لٹاتے تھے اور اس کا سر مروڑ کر اُلٹا پھیر دیتے تھے مگر وہ خاموش تھا اور جو کچھ وہ کہتے تھے مطلق اس کا جواب نہیں دیتا تھا۔ (تاریخ ابن الاثیر ج ۲ ص ۲۷)

ابو فکیہ کو امیہ بن خلف نے پکڑا اور اس کے پاؤں میں رسّی بندھوائی اور کھنچوایا اور جلتی ریت میں ڈال دیا۔ اتفاقاً ایک بدصورت کالا پاؤں والا چھوٹا سا کیڑا اُس کے قریب نکلا تو امیہ نے طعنہ سے کہا کہ یہ تیرا خدا ہے اس نے کہا کہ اللہ میرا ربّ ہے اور تیرا ربّ اور اس کیڑے کا بھی۔ یہ سن کر امیہ نے نہایت زور سے اس کا گلا گھونٹنا شروع کیا اس وقت کا بھائی ابی بن خلف بھی موجود تھا اور کہتا تھا زور سے تاکہ محمد آ جائیں اور اپنے جادو سے اس کو چھڑا لیں۔ غرضیکہ اس کا گلا گھونٹتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے خیال کیا کہ وہ مر گیا مگر وہ مرا نہیں تھا۔ (تاریخ ابن الاثیر ج ۲، ص: ۲۷)

خود حضرت عمرؓ نے اپنے مسلمان ہونے سے پہلے لبینہ کی ایک مسلمان عورت کو پکڑ لیا اور اس کو ایذا پہنچائی اور مارنا شروع

کیا اور جب تھک جاتے تھے تو چھوڑ دیتے تھے اور کہتے تھے میں نے تجھے چھوڑا نہیں ہے میں تھک گیا ہوں اس لیے ٹھہر گیا ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ اسی طرح خدا بھی تیرے ساتھ کرے گا اگر تو مسلمان نہ ہوا۔

حضرت عمرؓ کو خود مسلمان ہونے سے پہلے معلوم ہوا کہ فاطمہ ان کی بہن معہ اپنے شوہر کے مسلمان ہوگئی ہے اور خباب بن ارت ان کو قرآن سکھاتا ہے۔ حضرت عمرؓ ان کے پاس آئے اور خوب مارا کہ اُن کا سر پھٹ گیا۔ جب خون بہنے لگا تو ان کی بہن نے کہا کہ ہاں ہم تو مسلمان ہو گئے ہیں۔ (ابن خلدون ج ۲ ص ۹)

اسی طرح ابوجہل نے زنیرہؓ مسلمان عورت کو اس قدر ایذا دی کہ وہ اندھی ہوگئی اور جب اس نے جانا کہ وہ اندھی ہوگئی تو کہا کہ لات وعزیٰ نے تجھ کو اندھا کیا ہے اس نے کہا: لات اور عزیٰ تو خود ہی نہیں جانتے کہ ان کو کون پوجتا ہے مگر یہ ایک آسمانی اَمر ہے اور میرا خدا قادر ہے کہ پھر میری آنکھوں میں روشنی دے دے۔ (تاریخ ابن الاثیر ج ۲ ص ۲۷)

نہدیہؓ نے ایک مسلمان عورت بنی عبدالدار کو اور اسود بن عبد یغوث نے ایک مسلمان عورت ام عبیث کو سخت ایذائیں دی تھیں یہ طریقہ ایذا دینے کا برابر جاری تھا۔ ابوجہل جب کسی شریف آدمی کو دیکھتا کہ مسلمان ہو گیا ہے تو اس سے کہتا کہ کیا تو اپنا مذہب اور اپنے باپ کا مذہب جو تجھ سے اچھا تھا چھوڑتا ہے اور اس کی عقل پر نفرین کرتا اس کو حماقت کا کام بتلاتا اور اس کو بے عقل کہتا اور اس کو ذلیل کرتا اور اگر کوئی سوداگر ہوتا تو کہتا کہ تیری تجارت ڈوب جائے گی اور تیرا مال برباد ہو جائے گا اور اگر وہ مسلمان کوئی کمزور قبیلہ کا آدمی ہوتا تو اس کے پیچھے لوگوں کو لگا دیتا کہ اس کو ایذا دو۔ (تاریخ ابن الاثیر ج ۲ ص ۲۸)

کفار قریش نے آنحضرت ﷺ کا نام بجائے محمد کے مذمم بطور ہجو کے رکھ دیا تھا اور امیہ بن خلف اعلانیہ منہ در منہ آنحضرت ﷺ کو سب وشتم بدزبانی ودشنام دہی کرتا رہتا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ قرآن پڑھتے تھے تو لوگ غل مچاتے تھے اور قرآن کے الفاظ کے ساتھ اپنے الفاظ ملا دیتے تھے۔ (ابن ہشام ص ۲۲۴)

پانچ برس تک اسی قسم کی تکلیفیں اور ایذائیں آنحضرت ﷺ کو اور ان مرد اور عورتوں کو جو مسلمان ہو گئے تھے پہنچتی رہیں اور خود رسول اللہ ﷺ نے اور تمام مسلمان مرد اور عورتوں نے نہایت صبر وتحمل سے ان کو برداشت کیا مگر کوئی ایسی صورت جس سے مسلمان امن میں رہیں پیدا نہ ہوئی۔ اس وقت امن حاصل کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنا عزیز وطن چھوڑ دیں اور حبشہ کو چلے جائیں جہاں کا بادشاہ نجاشی عیسائی مذہب کا تھا۔

۵ نبوی میں حبشہ کی طرف مسلمانوں کی پہلی ہجرت:

اس اجازت پر تھوڑے مسلمان مرد اور عورتوں نے رجب ۵ نبوی میں حبشہ کو ہجرت کی۔ گیارہ، بارہ مرد اور چار پانچ عورتیں اس قافلہ میں تھیں۔ مردوں میں حضرت عثمان ابن عفان اور عورتوں میں حضرت رقیہ بیٹی رسول اللہ ﷺ، بیوی حضرت عثمانؓ کی شامل تھیں۔

آیات قرآنی کا بیان جن میں مذہب کی آزادی کا حکم ہے:

قرآن مجید کی کسی آیت میں کسی شخص کو زبردستی یا ہتھیاروں کے زور سے مسلمان کرنے یا اسلام قبول کروانے کا حکم نہیں

ہے بلکہ مسلمانوں کے لیے صرف وعظ و نصیحت کرنے کی ہدایت ہے اور صاف صاف بتلایا ہے کہ اسلام میں جبر و زبردستی نہیں ہو سکتی۔ سورۂ نحل میں خدا نے فرمایا: ''اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ'' یعنی (اے پیغمبر! بلا اپنے ربّ کی راہ پر پکی بات سمجھا کر اور اچھی نصیحت کر کر اور ان سے بحث کر ایسے طریقہ سے کہ وہ بہت اچھا ہے۔

اور سورۂ نور میں فرمایا ہے: ''قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَ اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۵۴'' یعنی ''کہہ دے (اے پیغمبر) کہ فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی پھر اگر وہ پھر جائیں تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ پیغمبر پر وہی ہے جو اس پر بوجھ ڈالا گیا ہے (یعنی ہدایت و نصیحت کے) اور تم پر وہی ہے جو تم پر بوجھ ڈالا گیا ہے (یعنی بہ سبب نہ قبول کرنے ہدایت و نصیحت کے) اور اگر اس کی فرمانبرداری کرو گے تو ہدایت پاؤ گے اور پیغمبر کے ذمہ اور کچھ نہیں ہے مگر حکم کا صاف صاف پہنچا دینا۔''

اور سورۂ تغابن میں فرمایا ہے: ''وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۱۲'' یعنی ''فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو پیغمبر کی پھر اگر تم پھر جاؤ تو اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہمارے پیغمبر کے ذمہ حکموں کا پہنچا دینا ہے صاف صاف۔''

سورۂ قٓ میں خدا نے فرمایا ہے: ''وَ مَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝۴۵'' ''یعنی تو ان پر زور کرنے والا نہیں ہے۔ پھر نصیحت کر قرآن سے اس کو جو ڈرتا ہے عذاب کے وعدہ سے۔''

اور سورۂ غاشیہ میں فرمایا ہے: ''فَذَكِّرْ ۣ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝۲۱ۭ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝۲۲'' ''یعنی'' پھر تو ان کو نصیحت کر اس کے سوا کچھ نہیں کہ تو نصیحت کرنے والا ہے اور ان پر کڑا نہیں ہے۔''

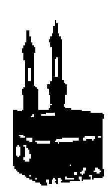
اور سورۂ یونس میں فرمایا ہے: ''وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۹۹'' ''یعنی'' اگر تیرا پروردگار چاہے تو بلاشبہ ایمان لے آئیں جو زمین پر ہیں اکٹھے پھر کیا تو زبردستی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔''

اس سے زیادہ وضاحت سے سورۂ بقرہ میں اسلام میں زبردستی کے ہونے کی نفی فرمائی ہے جہاں فرمایا ہے: ''لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۵۶'' ''یعنی'' کچھ زبردستی نہیں ہے دین میں بلاشبہ ظاہر ہو گئی ہے، ہدایت گمراہی سے پھر جو کوئی منکر ہوا غیر خدا کی پرستش کا اور ایمان لائے اللہ پر بے شک اس نے پکڑ لیا مضبوط ذریعہ جس کے لیے ٹوٹنا نہیں ہے اور اللہ سننے والا ہے جاننے والا۔''

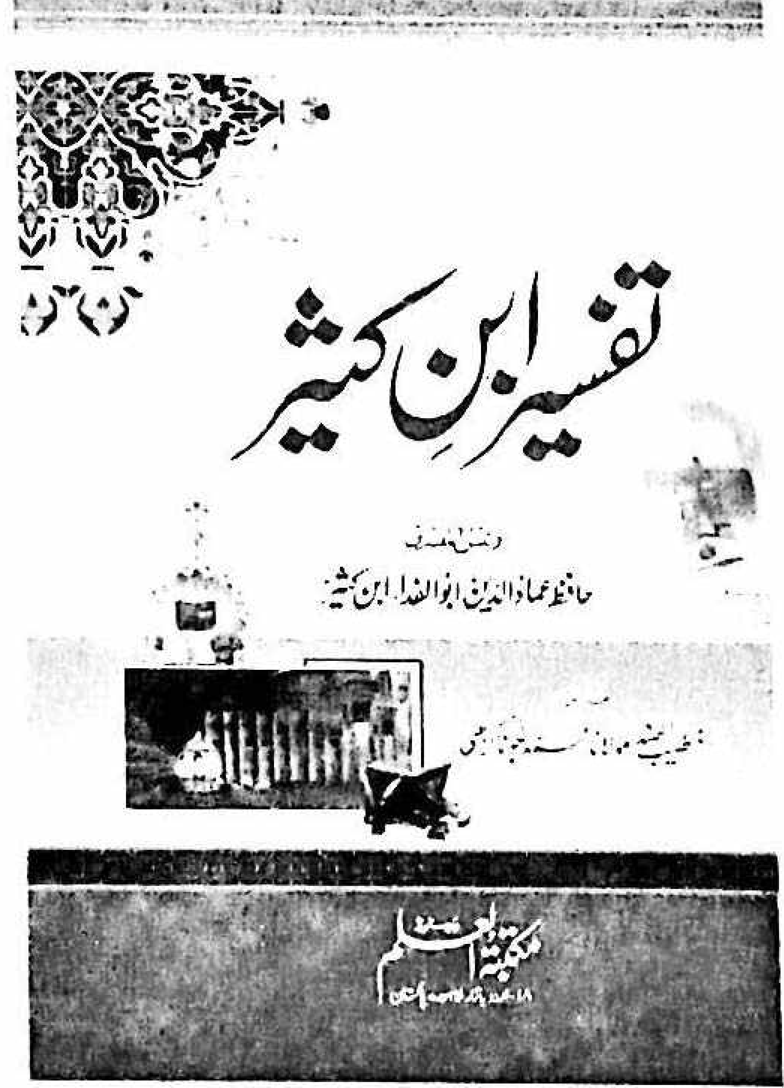
مخالفین اسلام یہ حجت پکڑتے ہیں کہ اس قسم کی نصیحتیں آنحضرت ﷺ کی اسی وقت تک تھیں جب تک کہ آپ ﷺ مکہ میں تشریف رکھتے تھے مگر جب مدینہ میں چلے آئے اور انصار اہل مدینہ مسلمان ہو گئے اور مہاجرین اور انصار ایک جگہ جمع ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کو بہت بڑی قوت مل گئی اس وقت ان نصیحتوں کو بدل دیا اور لڑنے اور قتل

کرنے کا اور تلوار کے زور سے اسلام قبول کرانے کا حکم دیا مگر یہ حجت محض غلط ہے۔ اول تو اس لیے کہ انہیں سورتوں میں سے جن کی آیتوں کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے سورۂ یونس اور سورۂ بقرہ ہجرت کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی ہیں جبکہ آنحضرت ﷺ کو بخوبی قوت ہوگئی تھی اور انہیں سورتوں میں حکم ہے کہ رسول کا کام صرف حکموں کا پہنچا دینا ہے اور دین میں کچھ زبردستی نہیں ہے۔ پھر یہ کہنا کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں آنے کے بعد ان نصیحتوں کو بدل دیا تھا صریح جھوٹ ہے۔ دوسرے یہ کہنا کہ خدا کے احکام جو بطور اصل اصول کے نازل ہوئے ہیں وہ جگہ کی تبدیلی یا قوت اور ضعف کی تبدیلی سے تبدیل نہیں ہو سکتے۔ خدا کا حکم یہ ہے کہ زبردستی سے کسی کو مسلمان نہیں کیا جاسکتا پس جب آنحضرت ﷺ مکہ میں تھے اس وقت بھی کوئی شخص زبردستی سے مسلمان نہیں ہوسکتا اور جب آپ ﷺ مدینہ میں تشریف لے آئے تو اس وقت بھی کوئی زبردستی سے مسلمان نہیں ہوسکتا تھا۔ ہاں! جب آپ مدینہ میں تشریف لے آئے تو لڑائی کا حکم ہوا مگر وہ لڑائیاں لوگوں کو جبر و زبردستی سے اور ہتھیاروں کے زور سے مسلمان کرنے کے لیے نہ تھیں بلکہ امن قائم کرنے کے لیے تھیں جس کو ہم آئندہ بالتفصیل پانچویں جلد میں بیان کریں گے۔

تمّ سورۃ الانفال فی اواخر ذی الحجۃ ۱۴۱۲ ھ والحمد للہ اولا و اٰخرا و باطنا و ظاھرا







مکتبۃ العلم رجسٹرڈ

۱۸ - اردو بازار لاہور ۰ پاکستان

37231788-37211788